اضافہ وترمیم شدہ ایڈیشن

فلسطین

کسی صلاح الدین کے انتظار میں



مولانا نور عالم خلیل امینی

استاذ ادب عربی ورئیس تحریر "الداعی" عربی دارالعلوم دیوبند



ادارۂ علم وادب، افریقی منزل قدیم، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی

فلسطین
کسی صلاح الدین کے انتظار میں

مولانا نور عالم خلیل امینی
استاذ ادبِ عربی و رئیس تحریر ''الداعی'' عربی
دارالعلوم دیوبند



اِدارہ علم و ادب، افریقی منزل قدیم، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی، انڈیا

FILASTIN
KISI SALAHUDDIN KE INTEZAR MEN
BY : MAULANA NOOR ALAM KHALIL AMINI

نام کتاب : فلسطین.. کسی صلاح الدین کے انتظار میں
نام مؤلف : مولانا نور عالم خلیل امینی
ناشر : ادارۂ علم وادب، دیوبند، یوپی
طباعت بہ ذریعہ : فرید بک ڈپو، دریا گنج، نئی دہلی-۲

پہلا ایڈیشن : ربیع الاول ۱۴۲۹ھ = مارچ ۲۰۰۸ء
دوسرا ایڈیشن : جمادی الاخریٰ ۱۴۲۹ھ = جون ۲۰۰۸ء
تیسرا ایڈیشن : رجب ۱۴۲۹ھ = جولائی ۲۰۰۸ء
چوتھا ایڈیشن : رجب ۱۴۳۰ھ = جولائی ۲۰۰۹ء
پانچواں ایڈیشن : ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ = ستمبر ۲۰۱۴ء

-: ملنے کے پتے :-

۱- ادارۂ علم وادب، افریقی منزل قدیم، نزد چھتہ مسجد، دیوبند ۲۴۷۵۵۴، یوپی
IDARA -E- ILM -0- ADAB
AFRIQI MANZIL QADEEM ,
NEAR CHHATTA MASJID ,
DEOBAND - 247554 (U.P.) INDIA
Ph. : 01336-222188
Mob: 09412508283

۲- کتب خانہ نعیمیہ، جامع مسجد، دیوبند، یوپی، انڈیا
۳- کتب خانہ حسینیہ، نزد مسلم فنڈ، دیوبند، یوپی، انڈیا
۴- دگر کتب خانہ ہائے دیوبند
۵- فرید بک ڈپو، ۲۱۵۸، ایم پی اسٹریٹ، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی 110002
فون: 011 - 23289786 , 23289159

خلق وامر کی ابتدا مکہ سے ہوئی تھی
اور انتہا ارضِ شام اور بیت المقدس میں ہوگی

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ

''کتاب وسنّت اور انبیا علیہم الصلاۃ والسلام، نیز حسّ وعقل کی گواہی سے معلوم ہوتا ہے کہ خلق وامر کی ابتدا، مکہ اُمُّ القریٰ سے ہوئی تھی؛ لہٰذا یہ مادرِ تخلیق ہے اور یہیں سے پیغامِ محمدی کا آغاز ہوا، جس کی روشنی عالم میں چھا گئی... ... اور مذکور الصدر دلائلِ کتاب وسنت سے (یہ بھی) واضح ہے کہ نبوت کی سلطنت نیز حشرِ خلق، ارضِ شام ہی میں بپا ہوگا؛ چناں چہ خلق وامر کی بازواپسی بیت المقدس اور اُس کے اردگرد ہوگی۔ یہیں مخلوق کو جمع کیا جائے گا اور آخری زمانے میں ملکِ شام ہی میں، اسلام کا بول بالا سب سے نمایاں ہوگا۔''

(مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۷/۴۳-۴۴)

از شیخ الاسلام ابن تیمیہ

(احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن عبداللہ بن ابی القاسم خضر نمیری حرانی دمشقی حنبلی
ابوالعباس تقی الدین ابن تیمیہ شیخ الاسلامؒ ۶۶۱ھ/۱۲۶۳ء - ۷۲۸ھ/۱۳۲۸ء)

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدّمہ

تخلیقِ کائنات اور امرِ الٰہی کی ابتدا، اُمّ القریٰ مکۂ مکرمہ سے ہوئی تھی اور اختتام و انجام ملکِ شام، بالخصوص شہرِ قدس اور اُس کے اردگرد میں ہوگا؛ اِسی لیے اُس کو "اَرضُ المَحشَر" کہا جاتا ہے۔ یعنی مکۂ مکرمہ، مبدأِ ارض ہے اور قدس مُنتہائے ارض۔ شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ (احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن عبداللہ بن ابی القاسم خضر نمیری حرانی دمشقی حنبلی ابوالعباس تقی الدین ابن تیمیہ شیخ الاسلام ۶۶۱ھ/۱۲۶۳ء - ۷۲۸ھ/۱۳۲۸ء) فرماتے ہیں:

"کتاب وسنت اور انبیا علیہم الصلاۃ والسلام، نیز حس وعقل کی گواہی سے معلوم ہوتا ہے کہ خلق واَمر کی ابتدا، مکہ اُمّ القریٰ سے ہوئی تھی؛ لہٰذا یہ مادرِ تخلیق ہے اور یہیں سے پیغامِ محمدی کا آغاز ہوا، جس کی روشنی عالم میں چھا گئی۔ مکہ کو ہی اللہ نے لوگوں کے لیے، نقطۂ ارتکاز ومرکزیت ومرجعیّت بنایا ہے، اِسی کی طرف مُتوجّہ ہوکر نماز پڑھتے اور یہیں حج کرتے ہیں اور جتنی اللہ کی مشیّت ہوتی ہے، اُن کے دین ودنیا کے مفادات یہیں پورے ہوتے ہیں۔ زمانۂ اوّل میں اسلام کا ظہور، واضح تر انداز میں مکہ وحجاز ہی میں ہوا اور مذکور الصدر دلائلِ کتاب وسنت سے واضح ہے کہ نبوت کی سلطنت نیز حشرِ خلق، ارض شام ہی میں بپا ہوگا؛ چناں چہ خلق واَمر کی باز واپسی بیت المقدس اور اُس کے اِردگرد ہوگی۔ یہیں مخلوق کو جمع کیا جائے گا اور آخری زمانے میں ملکِ شام ہی میں، اِسلام کا بول بالا سب سے نمایاں ہوگا۔"

نصوصِ شریعت کی روشنی میں، ارضِ شام کے فضائل بیان کرتے ہوے ابنِ تیمیہؒ لکھتے ہیں:

''ارضِ شام ہی میں مسجدِ اقصیٰ ہے، یہیں اَنبیاے بنی اسرائیل کی بعثت ہوئی، اِسی کی طرف، حضرت اِبراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی، اِسی کی طرف ہمارے نبیؐ کو بہ وقتِ شب سفر کرایا گیا اور یہیں سے آپؐ کی معراج ہوئی اور یہیں آپؐ کی سلطنت برپا ہوگی اور آپؐ کے دین وکتاب کا دار ومدار ہوگا اور یہیں آپؐ کی امت کی جماعتِ منصورہ پائی جائے گی اور یہیں محشر ومعاد روبہ عمل آئے گا۔ جیسا کہ مکہ جاے ابتدا ہے کہ وہ اُمُّ القریٰ ہے اُسی کے نیچے سے زمین کو پھیلایا گیا، جب کہ لوگوں کا حشر، اَرضِ شام میں ہوگا؛ چناں چہ ارشادِ باری ہے: "لِأَوَّلِ الْحَشْرِ" (الحشر/۲) جس سے حشرِ ثانی کی غمازی ہوتی ہے؛ لہٰذا مکہ جائے آغاز اور اِیلیا (بیت المقدس) خلق واَمر دونوں حوالوں سے، جائے انجام ومعاد ہے؛ اِسی لیے رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے اِیلیا (بیت المقدس) کا سفر کرایا گیا اور مکہ ہی میں آپؐ کی بعثت ہوئی اور آپؐ کے دین کا ظہور ہوا؛ لیکن مہدیؑ کی سلطنت کے بپا ہونے تک، آپؐ کے دین کا عروج وظہور اور اُس کی تکمیل، ملکِ شام ہی میں ہوگی؛ تو خلق وامر کے تعلق سے مکہ اوّل اور ملکِ شام آخر ہے اور یہ تکوینی ودینی حقائق کی باتیں ہیں''۔(۱)



''طائفہ منصورہ'' یا ''عصابہ منصورہ'' والی حدیث سے (جس کے متعلق علمانے فرمایا ہے کہ یہ حدیثِ متواتر ہے(۲) جو مختلف الفاظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔ امام مسلم

---

(۱) مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۲۷/ ۴۳-۴۴۔

(۲) یہ حدیث مختلف روایتوں سے وارد ہوئی ہے، بعض اہل علم نے ساری روایتوں کو متواتر بتایا ہے۔ چناں چہ یہ بات ابن تیمیہ، امام سیوطی اور زبیدی نے بھی کہی ہے۔ دیکھیے اقتضاء الصراط المستقیم، ۶۹/۱؛ قطف الأزهار، بہ موقع گفتگو بر حدیث نمبر ۸۱؛ اللآلي المتناثرة في الأحاديث المتواترة، ص:٦٨۔

(مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیسا پوری ابوالحسین ۲۰۴ھ/۸۲۰ء - ۲۶۱ھ/۸۷۵ء)
کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"لَاتَزَالُ عِصَابَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَىٰ أَمْرِ اللّٰهِ، قَاهِرِينَ لِعَدُوِّهِمْ، لَايَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ، حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ وَهُمْ كَذٰلِكَ"(۱).

ترجمہ: میری اُمّت کا ایک گروہ، ہمیشہ حکمِ الٰہی پر قائم رہے گا، اپنے دشمنوں کو زیر کرتا رہے گا، اُن کے مخالفین اُنھیں ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔ وہ تا قیامت اِسی رویّے پر قائم رہیں گے۔

مُتعدِّد محدثین نے "طائفۃ" کے لفظ والی روایت درج کی ہے؛ چناں چہ ایک روایت اِس طرح ہے:

"لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ عَلَى الحَقِ ظَاهِرِيْنَ، لَايَضُرُّهُمْ مَنْ يَخْذُلُهُمْ، حَتَّىٰ يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ"(۲)

ترجمہ: میری اُمّت کی ایک جماعت، ہمیشہ حق کے حوالے سے غالب رہے گی، اُن کی مدد سے ہاتھ کھینچ لینے والے، اُن کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکیں گے، تا آں کہ اللہ کا آخری حکم (قیامت) آجائے گا۔

---

(۱) حدیث نمبر (۱۹۲۴) کتاب الإمارۃ۔

(۲) أخرجه مسلم، الإمارة عن سعيد بن منصور وأبي الربيع العتكي وقتيبة بن سعيد؛ أخرجه الترمذي [الفتن/ ما جاء في الأئمة المضلين/۲۲۲۹] عن قتيبة بن سعيد، عن حماد بن فريد، عن أيوب، عن أبي قلابة، عن أبي أسماء الرَّجَبِيّ، عن ثوبان رضي اللّٰه عنه. وقال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح؛ وأخرجه مسلم أيضاً [الإمارة / قوله صلى اللّٰه عليه وسلم: لا تزال طائفة من أمتى الخ / ۱۹۲۰] عن سعيد بن منصور وأبي الربيع العتكي وقتيبة بن سعيد الخ (مثل إسناد الترمذي)؛ وأبوداؤد [الفتن والملاحم / ذكر الفتن ودلائلها/٤٢٥٢] عن سليمان بن حرب ومحمد بن عيسى عن حماد بن فريد الخ [حسب الإسناد السابق؛ وابن ماجه [اتباع سنة رسول اللّٰه / ۱۰] عن هشام بن عمّار، عن محمد بن شعيب، عن سعيد بن بَشير عن قتادة عن أبي قلابة، عن أبي أسماء الرجبيّ عن ثوبان رضى اللّٰه عنه؛ وأخرجه ابن ماجه أيضاً [الرقم:٦] عن محمد بن بشّار، عن محمد بن جعفر، عن شعبة، عن معاوية بن قُرّة، عن أبيه قال: قال رسول اللّٰه – صلى اللّٰه عليه وسلم–: "لا تزال طائفة من أمتى منصورين لايضرهم من خذلهم حتى تقوم الساعة".

جب کہ ابن جریر طبریؒ (محمد بن جریر بن یزید الطبری ابوجعفر ۲۲۴ھ/۸۳۹ء۔ ۳۱۰ھ/۹۲۳ء) نے یہ حدیث، ذیل کے الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے:

"لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي عَلَى الدِّينِ ظَاهِرِينَ، لِعَدُوِّهِمْ قَاهِرِينَ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ، إِلَّا مَا أَصَابَهُمْ مِنْ لَأْوَاءٍ، فَهُمْ كَالْإِنَاءِ بَيْنَ الْأَكَلَةِ، حَتَّى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كَذَلِكَ"(۱)

ترجمہ: میری اُمت کا ایک گروہ، برابر حق پر غالب اور قائم رہے گا، اپنے دشمنوں کو مغلوب کیے رہے گا، اُن کے مخالفین اُنھیں نقصان نہ پہنچا سکیں گے، البتہ اُنھیں سختی و تنگ دستی سے سابقہ ہوگا؛ لہٰذا وہ کھانے والوں کے درمیان برتن کی طرح ہوں گے، یہاں تک کہ اللہ کا حکم اِس حال میں اُن پر آئے گا کہ وہ اِسی حال میں ہوں گے، یعنی آخر آخر تک قائم علی الحق رہیں گے۔

اِس حدیث سے جہاں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اِلٰہی مدد یافتہ یہ سعادت مند و ہما نصیب جماعت ہمیشہ پائی جائے گی، قیامت تک کوئی زمانہ اِس سے خالی نہ ہوگا، اِس کی وجہ سے، ہر بازی بالآخر حق ہی جیت لے گا، تمام پریشانیوں اور راہ کی ساری دشواریوں کے باوجود، وہ حق پر قائم رہے گی؛ وہیں، اِسی حدیث کی بعض روایتوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ صرف قول و تحریر سے نہیں؛ بل کہ عملی میدانی جنگ کے ذریعے، یہ جماعت مدافع عن الحق ہوگی "يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ"(۲) "يُقَاتِلُونَ عَلَىٰ أَمْرِ اللّٰهِ"(۳)۔

نیز یہ کہ یہ جماعت وقت پڑنے پر، اَبوابِ دمشق، اُس کے اِرد گرد اور بیت المقدس اور اُس کے آس پاس بھی دفاع عن الحق اور بقائے حق کے لیے، اہلِ باطل سے برسرِ پیکار ہوگی:

---

(۱) ابن جریر الطبری فی مسند عمر، ۸۲۳/۲، وإسنادہ صحیح۔

(۲) مسلم، کتاب الإیمان، حدیث نمبر (۲۲۵)۔

(۳) مسلم، کتاب الإمارۃ، حدیث نمبر (۲۵۵۰)۔

"يُقَاتِلُوْنَ عَلَىٰ أُبْوَابِ دِمَشْقَ وَمَا حولَه وعلى أُبْوَابِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَمَا حَوْلَه" (۱)۔

یہاں تک کہ اِسی طائفۂ منصورہ کے آخری لوگ ''مسیح دجّال'' سے بھی لڑیں گے:

"حَتّىٰ يُقَاتِلَ آخرُهُمْ المسيحَ الدَّجّالَ" (۲)

حضور ﷺ سے اِس جماعت کی شناخت معلوم کی گئی تھی، اُس وقت آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

"مَنْ كَانَ عَلَىٰ مِثْلِ مَا أَنَا عَلَيْهِ وأَصْحَابِيْ" (۳)۔

یہ جماعت کسی ایک ہی جگہ میں نہ ہوگی؛ بل کہ حسبِ ضرورت وتقاضاے دین، ایک ہی وقت میں بعض دفعہ مختلف جگہوں میں پائی جائے گی؛ لیکن کوئی زمانہ اِس سے محروم نہ ہوگا۔ حضرت امام نوویؒ (یحییٰ بن شرف بن مُرّی بن حسن حزامی حورانی نووی شافعی ابوزکریا محیُ الدین ۶۳۱ھ/۱۲۳۳ء - ۶۷۶ھ/۱۲۷۷ء) فرماتے ہیں:

"وَلَا يَلْزَمُ أَنْ يَكُوْنُوْا مُجْتَمِعِيْنَ؛ بَلْ قَدْ يَكُوْنُوْنَ مُتَفَرِّقِيْنَ فِيْ أَقْطَارِ الْأَرْضِ"(۴)۔



نہ صرف اِس ناچیز کی؛ بل کہ امت کے عمیق العلم، وسیع النظر، روشن ضمیر اور کتاب وسنت کے ماہر علما کی رائے ہے کہ معرکۂ فلسطین کے وسیع تر پس منظر کے حوالے سے، جتنے مسلمان دشمنانِ خدا ورسول یہود اور اُن کے مکّار وعیّار اور بہانہ باز وجعل ساز اہلِ صلیب واہلِ مغرب سے سینہ سپر ہیں، وہ حسبِ اخلاص وعمل اور حسبِ صحتِ عقیدہ وجذبۂ صادق، اُسی طائفۂ منصورہ کا تسلسل ہیں، جس کی بشارت حدیث میں وارد ہوئی ہے اور جس سے

(۱) قال الهَيْثَمِيُّ في "مجمع الزائد"(۶۱/۱۰): رواه أبو يعلى ورُوَاتُه ثِقَاتٌ؛ ابويعلى الموصلى ۶۴۱۷۰؛ المطالب العالية ۴۲۴۴۔

(۲) أخرجه الحاكمُ في المستدرك ۴۹۷/۴، وقال: صحيح على شرط مسلم، ووافقه الذهبيُّ۔

(۳) رواه الترمذيّ في "سننه" حديث نمبر(۲۶۴۱) والآجري في "الشريعة" ۱۶/۱، والمروزي في السنة ص:۱۸۔

(۴) شرح صحیح مسلم للإمام النوویؒ، ۶۷/۱۳۔

کوئی زمانہ خالی نہ ہوگا۔ نیز دیگر جگہوں پر بھی فی زمانہ، جہاں جہاں حق و باطل کا بہ ہر لون معرکہ بپا ہے، حق کے لیے کسی بھی طرح کی بچی قربانی دینے والے، حسنِ نیت و عمل کے اعتبار سے، اپنا بدلہ اپنے رب سے ضرور پائیں گے کہ یہ بھی اُسی فرقۂ ناجیہ مسعودہ و منصورہ کا حصہ ہیں اور دین کے ضروری علمِ صحیح اور رضاے الٰہی کے جذبے کے بہ قدر، ربّ شکور کی جزا و نصرت کے مستحق ہیں؛ لیکن ملکِ شام بالعموم اور فلسطین بالخصوص اور بیت المقدس بالاخص کے اسلامی مقام اور دینی عظمت کی وجہ سے کہ وہاں مسجد اقصیٰ واقع ہے جو تیسرا اسلامی حرم ہے اور اُن فضائل کی وجہ سے جن کی طرف امام ابن تیمیہؒ نے اشارہ کیا ہے، حضرت عمرؓ نے بہ نفسِ نفیس اُس کی فتح کے وقت ۱۵ھ/ ۶۳۶ء میں وہاں قدم رنجہ فرمایا، کئی روز وہاں حضرتؓ کا قیام رہا۔ آپؓ نے وہاں ضروری ہدایات نافذ کیں، مسجدِ صخرہ تعمیر کے لیے نقشہ وضع کیا، یزید بن معاویہ کو وہاں کا گورنر نامزد کیا اور امامت کے لیے سلامہ بن قیصر کو منتخب فرمایا، پھر واپس تشریف لائے۔ فلسطین و شام اور بیت المقدس کی اِسی عظمت و تقدس کی وجہ سے بڑے بڑے صحابہ و تابعین و صلحاے اُمت و علماے ثقات نے، نہ صرف یہاں کا دورہ کیا؛ بل کہ بہت سے اِسی خاک کے باسی بن کر، بعد از مرگ اِسی کا پیوند بنے۔

بیت المقدس جہاں مسجدِ اقصیٰ واقع ہے، بہ طورِ خاص بے حد مُقدّس سرزمین ہے اُس کے چپے چپے پر، برکت و تقدُّس کے نقوشِ ابدی ثبت ہیں۔ ابوالیُمن عُلَیمی مجیرالدین حنبلیؒ (عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالرحمٰن عُلَیمی حنبلی ابوالیُمن مجیرالدین ۸۶۰ھ/۱۴۵۶ء - ۹۲۸ھ/۱۵۲۲ء) نے اپنی کتاب "الْأُنسُ الجلِیْلُ بِتَارِیْخ القُدْسِ والْخلِیْل" میں، مُفسّر و مُحدّث مُقاتل بن سلیمانؒ (مُقاتل بن سلیمان بن بشیر ازدی بلخی ابوالحسن متوفی ۱۵۰ھ/ ۷۶۷ء) کے حوالے سے لکھا ہے:

"اس شہر کا کوئی چپہ ایسا نہیں، جس پر کسی نبیِ مُرسَل نے نماز نہ پڑھی ہو یا مَلَکِ مُقرّب نے قیام نہ کیا ہو۔ حضرتِ زکریاؑ کی دعا اللہ پاک نے بیت المقدس ہی میں قبول فرما کر، اُنھیں حضرتِ یحییٰ کے تَولُّد کی بشارت دی؛

انبیاے کرام-علیہم السلام- نے بیت المقدس ہی میں، اللہ کے تَقَرُّب کے لیے نذر و نیاز پیش کی؛ بیت المقدس ہی میں حضرت مریم-علیہا السلام-کو بہ حکم خداوندی، جاڑے کے پھل گرمی میں اور گرمی کے پھل جاڑے میں نصیب ہوے؛ یہیں حضرتِ عیسیٰ بن مریم کی پیدائش ہوئی اور گود میں تَکَلُّم فرمایا اور یہیں سے اللہ تعالیٰ نے اُنھیں آسمان پر اُٹھایا؛ یہیں اُن پر آسمان سے مائدہ (کھانے سے سجا ہوا دسترخوان) نازل ہوا؛ بیت المقدس ہی تک (شبِ اِسرا و معراج میں) نبی ﷺ کو لانے کے لیے، اللہ نے آپ ﷺ کے لیے بُرَاق کا انتظام فرمایا تھا۔'' (۱)

شہرِ قدس کی اِسی عظمت کے پیشِ نظر علما نے، اُس کی فضیلت و رفعت کے موضوع پر ۷۰ ستّر سے زائد کتابیں تالیف کی ہیں (۲)، مسلمانوں نے بہ وقتِ فتح، یہاں ایک قطرہ بھی انسانی خون بہنے نہیں دیا۔ حضرتِ عمرؓ نے اپنے مشہور دستاویز میں جو ''وثیقۂ عمریہ'' یا ''عہدۂ عمریہ'' کے عنوان سے معروف ہے، عیسائیوں اور یہودیوں دونوں کو یہاں بے پناہ آزادی کی ضمانت دی، حتیٰ کہ عیسائیوں کے اُسْقُفِ اعظم ''سافرانیوس'' (Sophronius) کی یہ درخواست بھی مسترد کر دی کہ قدس میں، اسلامی فتح کے بعد یہودیوں کو ہمارے (عیسائیوں کے) ساتھ بود و باس کی اِجازت نہ دی جائے؛ بل کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اِسلامی شریعت کی رو سے، اُنھیں یہاں سے نکالا نہیں جاسکتا۔ ہاں تمھارے محلّوں میں اُن کا داخلہ ممنوع ہوگا۔ (۳)

---

(۱) الأنس الجليل بتاريخ القدس والخليل، ص:۲۳۹۔ دیکھیے کتاب ''القدسُ في ضمير العالم الإسلامي'' ص:۱۲، شائع کردہ رابطہ عالم اسلامی مکۃ مکرمہ ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء۔

(۲) حوالہ سابق، ص:۱۲۰۔

(۳) یہ مشہور عہدۂ عمریہ کھال پر لکھا گیا تھا، جو ایک بالشت چوڑا اور ۶ بالشت لمبا تھا۔ مقریزی (احمد بن علی بن عبد القادر ابو العباس حسینی عبیدی تقی الدین مقریزی ۷۶۶ھ/ ۱۳۶۵ء - ۸۴۵ھ/ ۱۴۴۱ء) کی کتاب ''المَواعِظُ وَالْاِعْتِبَارُ في الخطط والآثار'' میں دیکھا جاسکتا ہے۔ دیکھیے کتاب ''القدس في ضمير العالم الإسلامي'' ص:۵۱۔

تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے نہ صرف عیسائیوں؛ بل کہ یہودیوں کے ساتھ جو رواداری کا رویہ اختیار کیا، وہ اُن کے ساتھ، عیسائیوں نے کبھی اختیار نہ کیا۔ عیسائیوں نے صلیبی جنگ میں بیت المقدس کو فتح کیا، تو سارے یہودیوں کو ایک جگہ جمع کر کے اپنے گرجا گھر کے اندر نذرِ آتش کر دیا۔ ۱۰۹۹ سے ۱۱۸۷ء کے عرصے میں شہرِ قدس میں یہودیوں کا داخلہ بالکلیہ ممنوع رہا۔ صلاح الدین ایوبیؒ (يوسف بن ايوب بن شاذي ابو المظفر صلاح الدين ایوبی مقلب بہ ''ملک ناصر'' ۵۳۲ھ/ ۱۱۳۷ء - ۵۸۹ھ/۱۱۹۳ء) نے بیت المقدس کو فتح کیا، تو اُن کے لیے یہاں آمد کی راہ پیدا ہوئی۔



مسلمانوں کی طرف سے روادارانہ رویّے کے باوجود، جہاں یہودیوں نے، جن کی فطرت میں غدّاری، عیّاری، بغاوت، ظلم شعاری اور خدا اور اُس کے رسولوں کی نافرمانی رچی بسی تھی؛ مسلمانوں سے اپنی ابدی دشمنی کو نہیں بھلایا، وہیں اہلِ صلیب نے، صلیبی جنگوں کو حضرت صلاح الدین ایوبیؒ اور آپ کی نجیب الاصل اولاد و اخلاف کے ہاتھوں بُری طرح ہار جانے کے باوجود؛ اپنے ناپاک صلیبی جذبے کو فرو نہیں ہونے دیا؛ بل کہ اُس کو ہمیشہ اور ہر ممکن طریقے سے، اپنے سینوں میں فروزاں رکھا اور اپنے عمل سے، تاریخ کے ہر دور میں، اپنے اُس جذبے کو تسکین دینے کی کوشش کی۔ اِسلام دشمنی کی ہمہ گیر شکلیں آج بھی فرزندانِ تثلیث کی طرف سے، روبہ عمل آرہی ہیں اور اُن کی بے پناہ چالاکی اور ''زیرکی'' کے باوجود، صلیبی روح کی کارفرمائیاں چھپائے نہیں چھپتیں۔ اقتصادی و عسکری، سیاسی و اجتماعی یلغاروں کے ساتھ ساتھ، تہذیبی و ثقافتی حملوں اور قبضوں کے سارے نت نئے اور دیرینہ استعماری طریقوں کے ذریعے، عالم اسلام و عالمِ عرب پر تسلط اور مکمل غلبے کا بھرپور کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ عالمی تنظیم ''اقوام متحدہ'' اور طرح طرح کی خیراتی و تبلیغی انجمنوں اور خفیہ اداروں کے ذریعے، استعماری عمل کو استحکام دینے کی ایسی طرح ڈالی گئی ہے کہ اُمّتِ مُسلمہ کے سارے عُقلا و قائدین بھی اُس کے سحر کا کوئی توڑ، اِیجاد کرنے سے

قاصر ہیں۔ ہمارے قائدین وحکم راں تو اس سحرِ سامری کا بالکلیہ شکار ہیں۔افسوس ہے کہ اُمّت کے چیدہ طبقے ،جن کے ہاتھ میں عالمِ اسلام کی زمامِ کار ہے، کے دل سے احساسِ زیاں نہ صرف مفقود ہو چکا ہے؛ بل کہ اِسی سحرِ سامری کی وجہ سے ''زیاں'' کو ''سود'' سمجھ بیٹھے ہیں۔ زیاں کا یہ تسلسل، اِسی لیے ختم ہونے کا نام نہیں لیتا کہ اِس کو ہمارے قائدین وحکم رانوں کی طرف سے، ''سود'' کے عمل کے طور پر شوق سے انجام دیا جارہا ہے۔



حقیقت یہ ہے کہ اہلِ صلیب نے اسلام دشمنی میں ہی قاتلانِ انبیا وملعونینِ الٰہی یہود کا ساتھ دینے اور اُن کے لیے فلسطین میں ''قومی وطن'' بسانے کی تحریک چلانے، اُس کو کام یاب بنانے اور بالآخر وہاں اُن کی ناجائز ریاست قائم کردینے کی ٹھانی۔ ''مجر'' (Magyar, Hongrie) کے ایک یہودی رائٹر ''ٹیوڈر ہرزل'' (Tudor Herzel) (۱۸۶۰ء -۱۹۰۴ء) کو اِس تحریک کے لیے اکسایا، اُس نے اِس موضوع پر نہ صرف یہ کہ قلم اٹھایا؛ بل کہ ۱۸۹۷ء (۱۳۱۵ھ) میں سوئزرلینڈ (Suisse) کے شہر ''بازل'' (Basel) میں یہودیوں کی عالمی کانفرنس منعقد کی اور صہیونی تحریک کی بنیادی قرارداد پاس کرکے، قومی وطن کے قیام کی تحریک زور شور سے شروع کردی، جس میں فرزندانِ تثلیث کی مکمل پشت پناہی یہودیوں کو حاصل تھی۔ تاریخی شواہد یہ بتاتے ہیں کہ ارضِ فلسطین میں یہودیوں کے قومی وطن کے قیام کی قرارداد کو روبہ عمل لانے میں، پیش قدمی کی اولین بنیاد کی استواری کے لیے ''ایمانویل قرہ صو'' نام کے ایک سرگرم اور عیّار یہودی کو، غیرت مند سلطانِ عثمانی: خلیفہ عبدالحمید ثانی (۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء =۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء) کی خدمت میں بھیجا گیا، جس نے اُنھیں یہودیوں کی طرف سے یہ پیش کش کی کہ اگر عالی جاہ سلطان فلسطین میں یہودیوں کے لیے، ایک قومی وطن کے قیام کی اجازت مرحمت فرمادیں، تو صہیونی تحریک خلافتِ عثمانیہ کو (۵۰۰۰۰۰۰۰۰) پچاس کروڑ پاؤنڈ اور بہ طورِ خاص عالی جاہ کے ذاتی خزانے کے لیے مزید (۵۰۰۰۰۰۰) پچاس لاکھ پاؤنڈ دینے کے لیے، بہ سروچشم

تیار ہے۔ پیشِ نظر رہے کہ اُس وقت خلافتِ عثمانیہ شدید مالی بحران کا شکار تھی اور دشمنوں کے نرغے میں بھی گھری ہوئی تھی، اگر آج کے ضمیر فروش و بے غیرت اور نام کے مسلمان بادشاہ اور حکم راں ہوتے تو کیا کرتے، یہ بتانے کی ضرورت نہیں؛ لیکن سلطان عبدالحمید ثانیؒ نے اُنھیں جو جواب دیا، وہ تاریخ اسلامی میں آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہے، مسلم مُؤرِّخین نے اُن کے جواب کو اِحساسِ اِفتخار کے ساتھ اِس طرح درج کیا ہے:

"ڈاکٹر "ہرزل" سے جاکے یہ کہہ دو کہ اِس سلسلے میں آج کے بعد کوئی سلسلۂ جنبانی نہ کرے؛ کیوں کہ میں ہرگز دوسروں کو دینے کے لیے، اَرضِ فلسطین کے ایک بالشت سے بھی دست بردار نہیں ہوسکتا۔ ارضِ فلسطین میری مِلکِیَّت نہیں؛ بل کہ وہ میری قومِ مسلم کی مِلکِیَّت ہے، جس نے اپنے لہو سے اُس کی خاک کو سینچا ہے۔ یہودی اپنی لاکھوں کی رقم اپنے پاس رکھیں" (۱)

کچھ مُؤرِّخین نے سلطان عبدالحمیدؒ کی یہودی نمایندے سے گفتگو کو اِن الفاظ میں نقل کیا ہے:

"اپنے ملک فلسطین کے تعلُّق سے، جس کے ایک ایک بالشت کو، اپنے اجداد کے خونِ گرم کے صرفے کے ذریعے حاصل کیا ہے، ہم ایک بالشت زمین کے تئیں بھی کسی کوتاہی کو راہ نہ دیں گے، بل کہ ہم تو، ماضی سے زیادہ اپنا خون دے کر، اُس کی حفاظت کریں گے۔ ہم کسی طور وہاں یہودیوں کی ریاست قائم ہونے نہیں دیں گے۔" (۲)

سلطانؒ نے اِس کے بعد بیت المقدس کی حفاظت کے لیے، کئی ٹھوس اِقدامات کیے، وہاں یہودیوں کی ہجرت اور آبادکاری کو باقاعدہ فرمان کے ذریعے روک دیا،

(۱) رسالہ "التبیان"، قاہرہ، شمارہ ۳۸، جلد ۴، ص: ۲۴، کالم ۲، مضمون: "ریاستِ خلافتِ عثمانیہ، دورِ فاتحین" بہ قلم: ڈاکٹر "رضا طیب"۔

(۲) فَتَوَىٰ عُلَمَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ بِتَحْرِيْمِ التَّنَازُلِ عَنْ أَيِّ جُزْءٍ مِنْ فِلَسْطِيْنَ" شائع کردہ "جمعیۃ الإصلاح الاجتماعي" کویت، پہلی اِشاعت ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء، ص: ۱۰۔

نیز بیت المقدس کو انتظامی طور پر، شام سے علاحدہ کر کے، بہ راہ راست اپنے انتظام میں لے لیا؛ تا کہ یہودیوں کی کسی بھی سازش سے فی الفور نمٹا جا سکے۔ (۱)

سلطان کا ایک بہت بڑا ''گناہ'' اہلِ صلیب و قاتلانِ انبیا یہود کو پہلے سے ہی کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا کہ وہ فرزندانِ تثلیث کے اپنے دور میں بڑھتے ہوئے استعماری عزائم اور عالمِ اسلام کے خلاف، اُن کی ریشہ دوانیوں کی راہ روکنے کے لیے، اسلامی اتحاد واجتماعیّت واشتراک کے بہت بڑے داعی اور سپاہی تھے (۲)؛ اب یہ دوسرا خطرناک ''گناہ'' اُن سے سرزد ہو گیا کہ اُنھوں نے صلیبیوں اور صہیوں کے عزائم کی راہ روکنے کی کوشش کی؛ لہٰذا خداوندانِ مغرب کے لیے اُنھیں اور اُن کی ''خلافت عثمانیہ'' کو معاف کر دینے کی راہ مکمل طور پر مسدود ہو چکی تھی؛ چناں چہ اُسی وقت سے نہ صرف سلطان عبدالحمید کو تختِ سلطنت سے اتار دینے، اُنھیں اذیّت ناک تنہائی کی زندگی میں مرجانے؛ بل کہ خلافتِ عثمانیہ کے بالکلیہ خاتمے کی محکم اور دوررس منصوبہ بندی کر لی گئی۔ ''ہرزل'' نے صاف لفظوں میں کہا:

> ''فلسطین میں یہودیوں کے لیے، اہلِ مشرق کی طرف سے دروازوں کے واہونے کی، پہلی شرط یہ ہے کہ خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ ہو''۔ (۳)

یہ کام یہودیوں کی ماسونی تحریک اور ڈونمہ یہودیوں (۴) نے اپنے سر لے لیا۔

---

(۱) حوالۂ سابق۔

(۲) البیان، شمارہ ۳۹، جلد ۴، ص: ۲۲، کالم ۳۴۔

(۳) فتویٰ علماء المسلمین، ص: ۱۰۔

(۴) یہ وہ یہود ہیں، جو عہدِ اسلامی میں اندلس میں رہتے تھے، صلیبیوں کے وہاں برسرِ اقتدار آجانے کے بعد، وہاں کی زمین اُن کے لیے تنگ ہو گئی، تو یہ سلطنتِ عثمانیہ کی حدود میں یونان کے ''سالونیک'' شہر میں آکر آباد ہو گئے، جو سلطنتِ عثمانیہ کی حدودِ حکم رانی میں تھا۔ اُنھوں نے بعد میں مسلمان ہو جانے کا مظاہرہ کیا۔ اُن کا قائد خبیث النفس یہودی ''شبتائے زیفی تھا'' جس نے ۱۷ویں صدی عیسوی میں ''مسیح منتظر'' ہونے کا دعویٰ کیا اور یہ کہا کہ وہ یہودیوں کی قیادت کرے گا، ساری دنیا پر فلسطین سے حکم رانی کرے گا اور شہر قدس کو یہودی ریاست کا دارالحکومت بنائے گا۔ اُس کے یہ خیالات شدہ شدہ یہودیوں میں رواج پانے لگے؛ چناں چہ مختلف خطوں سے یہودیوں کے وفود کی اُس کے پاس ←

دوسری طرف انگریزوں نے، اس سلسلے میں بھرپور کردار ادا کیا، جنھوں نے عربوں کو عثمانی سلطنت کے خلاف یہ کہہ کر اُکسایا کہ عثمانی تمھاری زبان، تمھارے کلچر اور تمھاری تہذیب کے حوالے سے، امتیازی برتاؤ کر رہے ہیں۔ عثمانیوں کے خلاف یہ سراسر بہتان تھا اور دوررس سازش کا ایک حصہ۔ اِس مشن کو ایک انگریزی فوجی افسر اور اہلِ قلم ''لورینس'' Lawrence (۱۸۸۸-۱۹۳۵ء) نے بڑی محنت، ہوشیاری اور لگن سے انجام دیا۔ یہ شخص انگریزوں اور عربوں کے درمیان رابطہ افسر اور عربوں میں برطانیہ کا اعلیٰ جنس کمشنر تھا۔ جنگِ عظیم اوّل اور اُس کے بعد امیرِ مکہ شریف حسین (الحسین بن علی بن محمد بن عبدالمعین بن عون الحسنی الہاشمی ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء -- ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء) کی اِمارت کے

← آمد شروع ہوگئی۔ یہودیوں نے تاجِ شہنشاہی پہنادیا؛ لیکن اُس سے دگر علماے یہود بہت چراغ پا ہوے اور اُس کے خلاف، اُن کی تگ و دو شروع ہوگئی، بالآخر ترکی کے صدرِ اعظم ''احمد کوبریللی'' کو اِس کی اطلاع مل گئی۔ اُنھوں نے اُس کو گرفتار کرلیا، اُس پر مقدمہ قائم ہوا، قاضی نے اُس سے عدالت میں کہا: تم مسیح موعود ہونے کے قائل ہو، تو ہمیں اپنا معجزہ دکھاؤ، اِس کی ایک صورت یہ ہے کہ ہم تمھارے کپڑے اتارے دیتے ہیں اور ہم تمھارے اوپر تیر چلاتے ہیں، اگر یہ تیر تمھارے جسم میں پیوست نہ ہوے، تو سلطان تمھارے مسیح موعود ہونے کے دعوے کو تسلیم کرلیں گے۔ زیغی کو اُس وقت دن میں تارے نظر آنے لگے۔ اُس نے فوراً سارے اِلزامات کو مسترد کردیا کہ یہ اُن کے خلاف بہتان ہیں۔ اُس سے مسلمان ہوجانے کی پیش کش کی گئی، اُس نے بہ ظاہر اسلام قبول کرکے اپنا نام ''محمد عزیز افندی'' رکھ لیا۔ اُس نے عثمانی حکام سے یہودیوں کو اسلام کی دعوت دینے کی اجازت طلب کی، جو منظور کرلی گئی۔ اُس نے یہودیوں کو سمجھایا کہ بہ ظاہر اسلام قبول کرلو اور بہ باطن اپنے مذہب پر قائم رہو۔

''یہود دونمہ'' جو اُسی آدمی کے پیرو تھے، اسلام اور اسلامی اقدار کی بیخ کنی کے لیے کمربستہ ہوگئے۔ اِلحاد، آزادیِ راے، مغربی طرزِ زندگی کی دعوت، عورتوں کو بے حجابی پر آمادہ کرنے اور مدارس و جامعات میں مرد و زن کے اختلاط کی حوصلہ افزائی جیسے کارنامے اِنھی یہودیوں نے عثمانی معاشرے میں انجام دیے۔ سلطان عبدالحمید کے خلاف بغاوت اور ہمہ گیر دشمنی کی آگ اِنھی نے فروزاں کی۔ اِنھی میں سے اکثر لوگ انجمن ''اتحاد و ترقی'' کے ارکان تھے۔ اُن کے خلاف ساری تحریکیں، مظاہرے اور بغاوتیں اِنھی نے مُنظّم کیں۔ یونان کے ''سالونیک'' سے اُٹھی آندھی سے ''آستانے'' میں جو تباہی مچی، اُس کے پیچھے یہی لوگ تھے۔ انھوں نے ترکی افواج میں اختلاف و انتشار کا بیج بویا، جوانوں کو بغاوت و سرکشی پر آمادہ کیا، لوگوں کے افکار و خیالات کو مسموم کیا، نشر و اشاعت کے اداروں پر قابض ہوگئے، بینکوں اور مالی اداروں پر ان کا تسلُّط ہوگیا، تجارت و اقتصادیات اِنھی کے قبضے میں آگئے اور عثمانی سلطنت کے سارے شعبوں اور زندگی کے سارے گوشوں پر اِن کی گرفت مضبوط ہوگئی۔ (دیکھیے: التبیان، شمارہ ۳۹، جلد ۴، ص: ۲۱ کالم: ۳، ص: ۲۲، کالم: ۱)۔ ←

علاقوں میں برسرِ عمل رہا۔ ۱۹۱۶ تا ۱۹۱۸ء تو بہ طورِ خاص اُس نے عربوں کو ترکوں کے خلاف بھڑکانے کا فریضہ، اِس شدّ ومد سے انجام دیا کہ عالمی صحافت میں اُس وقت اُس کا نام ہی ''عربوں کا بے تاج بادشاہ'' پڑ گیا تھا۔ اُس نے واضح طور پر اِعلان کیا تھا کہ ''ہمارا بنیادی مقصد ہی، اِسلامی اِتحاد کو پارہ پارہ کرنا اور سلطنتِ عثمانیہ کی بیخ کنی کرنا ہے'' نیز اُس نے صاف صاف کہا تھا:

''اگر ہم، عربوں کو ترکوں سے اپنا حساب بہ یک وقت اور سختی کے ساتھ بے باق کرنے پر آمادہ کرنے میں، کام یاب ہوجاتے ہیں، تو ہم ہمیشہ کے لیے اِسلام کے خطرے کا سدِّ باب کرلیں گے۔ اِس طرح ہم مسلمانوں کو اپنے خلاف لڑنے اور داخلی انتشار پر آمادہ کردیں گے۔ وہ خانہ جنگی کا شکار ہوجائیں گے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ترکی میں مسلمانوں کا ایک خلیفہ ہوگا اور اِسلامی عربی دنیا میں دوسرا ہوگا۔ دونوں مذہبی خانہ جنگی میں مصروف رہیں گے۔ اِس کے بعد ہمیں اِسلام سے کوئی خوف کبھی نہ ستائے گا۔''



→ سلطان عبدالحمید ثانی کو طرح طرح سے گھیرنے اور سلطنتِ عثمانیہ کو مغربی طرزِ حکومت کی راہ پر ڈالنے کے لیے، بہت سی جماعتیں اور تنظیمیں معرضِ وجود میں آئیں، جن کا سہرا پردے کے پیچھے سے یہودیوں اور فرزندانِ تثلیث ہی کے سر جاتا تھا۔ یہ تنظیمیں ٹوٹتی بکھرتی رہیں اور نئے نئے ناموں سے دوبارہ بنتی رہیں۔ سب سے آخر میں جمعیت ''اتحاد وترقی'' بنی، جس کی اساس تمام تر اسلام دشمنی اور قومی طورانی تہذیب کے اِحیا پر رکھی گئی۔ ماسونی یہودی تحریک کے ارکان اور مغرب پرست ترک اِس میں پیش پیش تھے۔ طورانی تہذیب کے احیا کے نظریے کا بانی بھی ایک یہودی ''موئیز کوہین'' تھا۔ اس نے ترکوں کے ذہنوں میں اِس نظریے کی آب یاری کے لیے انتھک محنت کی؛ تاکہ ترکوں کو اس نے گل گوں سے بدمست کردینے کے بعد، اِسلام سے اُن کے رشتے کو کاٹنا آسان ہو۔ ''اتحاد وترقی'' نے شروع دن سے نسل پرستانہ نعروں سے ترکوں کو سرشار کرنا شروع کیا اور شہری آئین، استبداد سے جنگ، آزادی کی بہ حالی وغیرہ مغرب سے برآمد کردہ خیالات کی دُھن پر نچانا مشغلہ بنالیا، جس کا بنیادی مقصد سلطان عبدالحمید کو راہ سے ہٹانا، خلافت کا خاتمہ اور سلطنتِ عثمانیہ کی قبا چاک کردینا تھا۔

جمعیت ''اتحاد وترقی'' نے، یہودی تحریکوں کی مدد سے ۱۹۰۹ء میں زبردست شورشیں بپا کیں، جن کا مقصد سلطان ←

عالمی استعماری کھیل کے، اِن ماہر کھلاڑیوں نے ۱۹۱۴-۱۹۱۸ء میں جنگِ عظیم اوّل کی آگ دہکائی، جس میں جرمنی اور اُس کے اتحادی ایک طرف اور برطانیہ، فرانس اور روس دوسری طرف تھے۔ عربوں کی ہم دردی برطانیہ کے ساتھ تھی؛ کیوں کہ اُس نے عرصے سے عربوں کے احمقوں کو یہ باور کرار کھا تھا کہ برطانیہ اُن کا ہم درد ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ برطانیہ کے ساتھ یہودی بھی لڑ رہے تھے۔ سلطنتِ عثمانیہ کو یہودیوں کی دور رس سازش کے نتیجے میں کہ وہ امورِ سلطنت میں در آئے تھے اور اِلحاد اور اسلام بے زاری کی عثمانی معاشرے اور ترکوں کی سوسائٹی میں تخم ریزی کر چکے تھے، بے وجہ جرمنی کے ہم نوا فریق کے طور پر؛ اِس جنگ میں دھکیل دیا گیا۔ اِس جنگ میں حسبِ توقّع جرمنی کی شکست ہوئی، جب کہ برطانیہ اور اُس کے اتحادی فتح مند رہے۔ ۱۹۱۶ء کے ''سایکس بیکو'' معاہدے کے بہ موجب، سلطنتِ عثمانیہ کے ماتحت علاقوں کو، فتح مند فریقوں نے آپس میں تقسیم کرلیا، جس کے نتیجے میں فلسطین، برطانوی انتداب میں آ گیا۔ ۱۹۱۷ء میں برطانیہ کے وزیرِ خارجہ ''آرتھر جیمس بالفور'' (۱۸۴۸-۱۹۳۰ء) نے یہودیوں کے لیے، فلسطین

← عبدالحمید کو بہ ہر صورت معزول کر دینا تھا، اِن شورشوں کو دبانے کے لیے، سلطان نے طاقت کا استعمال کیا، جس کے لیے وہ مجبور تھے، اِس کے نتیجے میں ''اتحاد و ترقی'' کے متعدد اہل کار ہلاک ہوگئے۔ اِس کو بہانہ بنا کر اِس انجمن کے عسکری بازو نے، یہودیوں کی مدد سے یونان کے ''سالونیک'' شہر سے ''آستانے'' پر دھاوا بول دیا، جو سلطنتِ عثمانیہ کا پایۂ تخت تھا اور سلطان کو اُن کے سارے مذہبی و شہری اختیارات سے بے دست و پا کر کے معزول کر دیا، معزولی کی اطلاع سلطان تک پہنچانے کے لیے، اِس جمعیت نے جو چار رکنی کمیٹی تشکیل دی تھی، اُس کا سربراہ اور ترجمان بھی یہودی ''اِیمانویل قرہ صو'' تھا، یہ اسپینی یہودی تھا اور مقدونیا کی مجلسِ ماسونی کا ہیڈ ماسٹر تھا، اِس نے شاہ کے خلاف شورشوں کو ہوا دینے میں کلیدی کردار ادا کیا تھا، شاہ نے اِس کو اپنے قلم رو سے دھتکار بھی دیا تھا؛ لیکن مقدور کی بات کہ یہی ملعون آج ''فرمانِ معزولی'' پہنچانے آیا تھا!۔

سلطان کو ۱۹۰۹ء میں معزول کیا گیا۔ اُن کے بعد ۱۹۲۴ء تک نام کی خلافت قائم رہی؛ لیکن اسلامی اقدار و روایات کو اِس اثنا میں بالکل ختم کر دیا گیا اور رہی سہی کسر ۱۹۲۴ء میں مصطفیٰ کمال اتاترک (م ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴) کو جمہوریہ ترکی کا باقاعدہ صدر، اِعلان کیے جانے کے ساتھ ہی پوری کر دی گئی۔

سلطان عبدالحمید ثانی، سلطنتِ عثمانیہ کے آخری ''مردِ ہونہار'' تھے، اُن کا زوال، درحقیقت خلافتِ عثمانیہ کا زوال ثابت ہوا، چناں چہ اُن کے بعد جو دو خلیفہ ہوے، اُن کے دور میں خلافت کے لاشۂ بے جان کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا جاتا رہا، تا آں کہ مصطفیٰ کمال نے ۱۹۲۴ء میں اس کی تدفین کا اعلان کر دیا۔

میں قومی وطن قائم کرنے کا وعدہ جاری کر دیا، جو ''وعدۂ بالفور'' کے نام سے مشہور ہے(۱)۔
انتداب کے اِس پورے دور میں، ساری دنیا سے یہودیوں کو فلسطین میں عموماً اور شہرِ قدس

---

(۱) ''وعدۂ بالفور'' (Balfour Declarlion) ۲رنومبر ۱۹۱۷ء میں جاری ہوا۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہودیوں کے حوالے سے، برطانوی اہلِ صلیب کا فعّال کردار، اِسی زمانے سے روبہ عمل آنا شروع ہوا؛ لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ برطانیہ اِس سے بہت پہلے سے صہیونیوں کی فلسطین میں آمد اور اُن کی حمایت کے لیے سرگرم رہا تھا؛ چناں چہ جولائی ۱۸۳۸ء میں ہی برطانیہ نے شہرِ ''قدس'' میں اپنا کونسلیٹ قائم کر لیا تھا اور اُس وقت اُس نے یہ اعلان بھی کیا تھا کہ اِس اِقدام سے جہاں اُس کا مقصد اپنے مفادات کی حفاظت ہے، وہیں ایک بڑا مقصد اس شہر میں یہودیوں کو تحفظ دینا بھی ہے (اَلْقُدْسُ الشَّرِیْف، حَقَائِقُ التَّارِیخِ وَآفَاقُ الْمُسْتَقْبَل، از ڈاکٹر محمد علی حلہ، شائع کردہ رابطہ عالمِ اسلامی، مکہ مکرمہ ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱ء، ص:۲۰، بہ حوالہ: Parkes, James: A History of jewish people, London 1984, P. 183

باوجودے کہ خلافتِ عثمانیہ کے آئین میں واضح الفاظ میں یہ دفعہ موجود تھی کہ شہرِ قدس اور اُس کے نواح میں یہودیوں کو کوئی زمین فروخت کی جاسکتی ہے نہ کسی اور طرح سے دی جاسکتی ہے؛ لیکن برطانیہ نے خلافتِ عثمانیہ پر زبردست دباؤ ڈال کر، آئین میں ترمیم کرا دی اور یہودیوں کے لیے نہ صرف فلسطین میں زمین وجائے داد کے حصول کی راہ کھول دی؛ بل کہ شہرِ قدس کے دروازے بھی اُن کے لیے وا ہو گئے؛ چناں چہ برطانیہ ہی کی سفارتی کوششوں کے ذریعے یہودی ''موسی مونٹفیوری'' (Mosy Montefiori) نے ۱۸۵۵ء میں قدیم شہر ''قدس'' کی فصیل سے باہر، اس بہانے عثمانی خلیفہ سلطان عبدالحمید اوّل (۱۲۵۵/۱۸۳۹ء - ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء سے) زمین خریدنے کے اجازت نامے کے حصول میں کام یاب ہو گیا کہ وہ وہاں ہسپتال تعمیر کرنا چاہتا ہے؛ لیکن اُس نے شاہی فرمان کے مطابق، وہاں ہسپتال تعمیر نہ کر کے پہلا یہودی محلّہ آباد کیا، جو اُسی کے نام پر ''حی مونٹفیوری'' سے مشہور ہے۔ یہ یہودی شیطان ۱۸۴۹ء میں ''یافا'' اور ''قدس'' کے مابین بیرونِ قدس بھی شاہی فرمان ہی کے بہ موجب اراضی خرید چکا تھا اور اِس سلسلے میں بھی دارالخلافہ ''استنبول'' میں برطانوی سفیر سے اُس نے مدد لی تھی۔ (اَلْأَطْمَاعُ الصَّهْيُوْنِيَّةُ فِي فِلَسْطِيْن مُنْذُ النصف الثاني مِنَ الْقَرْنِ التَّاسِعَ عَشَرَ، المؤتمر الثالث لتاريخ بلاد الشام، ج ۳، عمان ۱۹۸۳ء، بہ قلم: حسن رَبّان)۔

قابلِ ذکر ہے کہ فرانس کے اہلِ صلیب، اسلام ومسلمان دشمنی میں، برطانوی اہلِ صلیب سے ہمیشہ دو قدم آگے رہے تھے۔ اُنھوں نے مسلمانوں سے اپنی عداوت کے جذبے کو تسکین دینے کے لیے، ۱۷۹۸ء میں ہی، فلسطین میں ایک ''یہودی کامن ویلتھ (Jewish common wealth) قائم کرنے کے لیے، ایک خفیہ منصوبہ تیار کیا تھا۔ مصر اور مشرقِ عربی پر قبضے کے بعد، نپولین بونا پارٹ Napoleon Bona Parte (۱۷۶۹-۱۸۲۱ء) نے جو ۱۸۰۴ء سے ۱۸۱۵ء تک شہنشاہ فرانس رہا، نے ۱۷۹۸ء میں جب وہ فرانسیسی افواج کی قیادت کر رہا تھا، سارے یہودیوں کو اُس کے جھنڈے تلے جمع ہو کر اپنی کھوئی ہوئی عظمت اور قدیم قدس کی تعمیرِ نو کی دعوت دی تھی۔ (حوالۂ سابق، ص:۱۹-۲۰؛ الصَّهْيُوْنِيَّةُ وَالصِّرَاعُ الطَّبَقِيّ، از صادق جلال العظم، بیروت ۱۹۷۵ء، ص:۵۷)

میں خصوصاً؛ لا بسانے کی کوشش کی گئی۔ فرزندانِ تثلیث نے فلسطین کو صہیونیوں کے حوالے کرنے کے لیے، ہر طرح کی معنوی و مادّی مدد کی۔ یہودیوں کو شہر قدس میں اپنے نام نہاد تاریخی و مذہبی حق کا پروپیگنڈا کرنے اور دنیا کو یہ بتانے اور جتانے کی کوشش پیہم کے لیے، ہر طرح اکسایا گیا اور بالآخر ۱۹۴۸ء میں اقوامِ متحدہ کے ذریعے فلسطین میں یہودی مملکت کے قیام کا اعلان کروادیا گیا۔ ۱۹۴۸ء، ۱۹۶۷ء اور ۱۹۷۳ء میں اسرائیل کے ساتھ عربوں کی تین جنگیں ہوئیں۔ تینوں میں امریکہ، برطانیہ اور صلیبی یورپ نے، اسرائیل کا کھلّم کھلاّ ساتھ دیا۔ عسکری، معاشی اور ہر نوع کی مادّی و معنوی مدد دی۔ ۱۹۶۷ء کی جنگ میں اسرائیل نے امریکہ اور برطانیہ کی واضح مدد کی وجہ سے، نہ صرف مصر و شام واردن کے جنگی و معاشی اہمیت کے حامل علاقوں پر؛ بل کہ سارے شہر قدس پر مع مسجد اقصی قبضہ کرلیا۔ یہودیوں اور صلیبیوں کے استعماری عزائم کے پشت پناہ ادارے ''اقوامِ متحدہ'' اور اُس کی نام نہاد ''سلامتی کونسل'' کے ذریعے، اَن گنت قراردادیں پاس کروائی گئیں، جن میں سے کسی ایک پر بھی اسرائیل نے عمل نہیں کیا؛ کیوں کہ اُن پر اسرائیل سے عمل کروانا مقصود ہی نہ تھا؛ بل کہ اُن کا واحد مقصد عربوں، مسلمانوں اور دنیا کی انصاف پسند رائے عامہ کو (اگر دنیا میں مسلمانوں اور عربوں کے تئیں بھی انصاف پسندی کے کسی تصور کے پائے جانے کو تسلیم کرلیا جائے) بیوقوف بنانا تھا؛ اِسی لیے اسرائیل سے، کسی ایک بھی قرارداد کے تعلق سے، کبھی باز پرس نہ کی گئی، چہ جائے کہ اُس کی گوش مالی کی جاتی۔

یہی نہیں؛ بل کہ برطانیہ، یورپ اور امریکہ نے، اسرائیل کی پیہم مادی و عسکری مدد کے ذریعے؛ اُس کو عربوں کے بیچ ایک بڑی عسکری اور ایٹمی طاقت بنادیا۔ وہ عرصے سے اِس پوزیشن میں ہے کہ سارے عربوں کو بہ یک وقت مزہ چکھا کر؛ آس پاس کی عربی ریاستوں کو نگل سکتا ہے۔ اُس نے جب چاہا عراق کے ایٹمی ری ایکٹر پر حملہ کرکے اُس کو تباہ کردیا، اُس نے ابھی نومبر ۲۰۰۷ء میں شام کے خفیہ عسکری ٹھکانوں کو نشانہ بنایا، وہ اب ایران کے ایٹمی ری ایکٹروں کو؛ تنِ تنہا یا امریکہ کے ساتھ تباہ کرنے کی سوچ رہا ہے، وہ

جب چاہتا ہے لبنان پر حملہ اور قبضہ کر کے ہزاروں باشندوں کو تباہ کر دیتا ہے۔
وہ بالخصوص ۱۹۶۷ء کے بعد سے ہی فلسطینیوں کو روزانہ جس طرح مار کاٹ رہا ہے، اُن کے رہایشی علاقوں کو جس طرح ایک بڑے عقوبت خانے میں تبدیل کیے ہوے ہے، وہ جس طرح عمر، سن اور جنس کی تفریق کے بغیر فلسطینی بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور مردوں کو روزانہ تہِ تیغ کر رہا ہے اور مکانوں کو مکینوں پر ڈھاتا رہتا ہے اور جس طرح اُن کے خطوں میں ہمہ گیر معاشی ناکہ بندی کے ذریعے، انسانی بحران پیدا کرتا رہتا ہے؛ یہ ساری چیزیں دنیا والے دیکھ رہے ہیں، اقوامِ متحدہ کے اندھے بہرے ذمّے داروں و اہل کاروں کے علم میں لا کر یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے؛ لیکن اِسرائیل کے خلاف تادیبی کارروائی تو درکنار، اہلِ صلیب بالخصوص امریکہ (جو جنگِ عظیم دوم ۱۹۳۹-۱۹۴۵ء کے وقت سے، صہیونی ریاست کے قیام واستحکام کے حوالے سے، زیادہ پیش پیش ہے) اُس کے تئیں کوئی مذمتی قرارداد بھی پاس ہونے نہیں دیتا اور طاقت، سازش، دھونس اور عیّاری کے ذریعے؛ وہ صرف صہیونی عزائم کی تکمیل کی شاہ راہ کی تعمیر میں جٹا رہتا ہے۔



۱۹۷۵ء تک عربوں کا اِس بات پر مکمل اتحاد رہا کہ اسرائیل کی ریاست ناجائز ہے اور اُس کو فلسطین سے ختم ہونا چاہیے۔ اگر اِس وقت عرب اور مسلمان، عسکری اور اقتصادی طور پر کم زور ہونے کی وجہ سے، اسرائیل کو ختم نہیں کر سکتے، تو کوئی حرج نہیں، مزاحمت کے جن طریقوں کو، اُس کے خلاف کام میں لا سکتے ہیں لاتے رہیں اور اُس وقت تک سرگرمِ کار رہیں جب تک اسرائیل کم از کم ۱۹۶۷ء میں قبضہ کردہ زمینوں سے دست بردار نہیں ہو جاتا؛ لیکن ۱۹۷۵ء میں مصری صدر محمد انور سادات (۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۸ء - ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء) نے ریاستِ اسرائیل کا دورہ اور اُس کے بعد امریکہ کی سرپرستی میں، اُس کے ساتھ معاہدۂ امن کر کے، جس کے ذریعے، اُنھوں نے ریاستِ اسرائیل کو تسلیم کر لیا، عربوں کے اتحاد میں پہلی مرتبہ رخنہ ڈال دیا۔ اُس کے بعد، اردن نے اسرائیل سے صلح

کرلی، پھر ۱۹۹۱ء میں میڈریڈ (اسپین) میں تنظیم آزادی فلسطین اور اسرائیل کے درمیان مذاکرات کرائے گئے اور ۱۹۹۳ء میں معاہدۂ امن پر دستخط بھی ہو گئے۔ اِن معاہدوں میں نہ صرف اسرائیل کی ریاست کو باقاعدہ تسلیم کرلیا گیا؛ بل کہ ۱۵ سے ۲۰ لاکھ فلسطین سے اجاڑے گئے، فلسطینی پناہ گزینوں کی واپسی، شہرِ قدس کی پوزیشن اور مسجدِ اقصی وغیرہ جیسے بنیادی مسائل کے تعلق سے؛ مکمل خاموشی، اِبہام اور شاطرانہ اندازِ کار اپنایا گیا۔ اسرائیل اور امریکہ کی طرف سے سارے شہرِ قدس کو اسرائیل کی متحدہ ابدی راج دھانی۔ دارالحکومت۔ بنائے جانے کی چال چلی جاتی رہے، جب کہ فلسطینی مذاکرات کاروں کی طرف سے لجاتے، شرماتے اور گھبراتے ہوئے، صرف یہ کہا جاتا رہا کہ کم از کم مشرقی قدس (جس میں مسجدِ اقصی واقع ہے اور جہاں عربوں کی گھنیری آبادی ہے) ہم فلسطینیوں کو عنایت کردیا جائے؛ تاکہ ہم اُس کو اپنی اُس فلسطینی ریاست کا دارالحکومت بنا سکیں، جو ہنوز خواب و خیال سے زیادہ کچھ نہیں اور اِسرائیل کی نیت یہی ہے کہ فلسطینی ریاست نام کی کوئی شے، حقیقت کی زمین پر کوئی روپ دھار نہ سکے۔

۱۹۶۷ء سے اب ۲۰۰۷ء تک اِسرائیل نے شہرِ قدس کو یہودیانے، زمینی حقائق اور انسانی صورتِ حال کو تبدیل کردینے اور مزعومہ تاریخی حقوق کو اپنے حق میں ثابت کردینے کی ۹۹ فی صد کارروائی مکمل کرلی ہے۔ اُس نے مسجدِ اقصی کی مغربی دیوار (دیوار برّاق) جس کو وہ "حَائِطُ الْمَبْکٰی" دیوارِ گریہ کہتے ہیں اور ہیکل سلیمانی کی بلادلیل باقیات بتاتے ہیں، کو مکمل طور پر قبضے میں کرلیا ہے، مسجدِ اقصی کے نیچے سرنگیں کھود لی ہیں، مسجدِ صخرہ کو قبضے میں کرلینے کی کارروائی کو آخری شکل دے دی ہے۔ مسجدِ اقصی کو ڈھادینے اور اچانک مٹادینے کے منصوبے تیار کرلیے ہیں، نمازیوں کو مسجدِ اقصی تک پہنچنے میں رکاوٹیں پیدا کی جاتی ہیں، سیکورٹی کا سخت پہرہ ہے۔ مسجدِ اقصی کے گرد یہودی آبادیوں کو گھنیرا کردیا گیا ہے، مسلمانوں کو بہ زورِ طاقت اجاڑا جا رہا ہے اور جو باقی ہیں اُنھیں اجاڑ دیے جانے کا واقعی خطرہ ستاتا رہتا ہے، مسجدِ اقصی میں کسی بھی طرح کی اِصلاح و مرمت

بالکل ممنوع ہے۔

اِسرائیل نے سب سے بڑی کام یابی یہ حاصل کرلی ہے کہ اُس نے اور اُس کے پشت پناہ امریکہ اور یورپ نے فلسطینیوں کو مکمل طور پر تقسیم کردیا ہے، وہ دو فریق بن گئے ہیں، عملاً دونوں ایک دوسرے سے فکری اور عملی سطح پر برسرِ پیکار ہیں: ایک فریق اسلام پسندوں اور دین داروں کا ہے، جس کو فلسطینیوں کی اکثریت اور پوری دنیا کے مسلم عوام کی حمایت حاصل حاصل ہے، جس کا نقطۂ نظر، یہ ہے کہ فلسطین کی آزادی کا خواب، صرف مزاحمت اور مقدور بھر جدوجہدِ آزادی و جہاد سے ہی شرمندۂ تعبیر ہوسکتا ہے۔ اِس فریق کے نمایندوں میں سرِفہرست تحریک ''حماس'' ہے۔ دوسرا فریق سیکولر مزاجوں، بے دینوں، اِلحاد پسندوں، اسلام بےزاروں اور طرح طرح کے کھوکھلے نعروں والوں کا ہے، جو امریکہ و اسرائیل اور مغرب کا کارندہ ہے، جس کو اقتدار، دولت اور دنیا کی عزّت کی خواہشِ بے پناہ نے اندھا، بہرا اور گونگا بنادیا ہے۔ اُس کو فلسطین، مسجد اقصیٰ اور خانماں برباد فلسطینیوں، ہزاروں شہیدوں، اَن گنت عزّتوں کی پامالیوں، لاکھوں جوانوں، بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کی آہ و بکا اور صہیونی ریاست کی دہشت گردانہ کارروائیوں کی بھینٹ چڑھے لوگوں کی ہزاروں لاشوں کے ہمہ وقت اٹھائے جانے کے دل دوز مناظر سے کچھ لینا دینا نہیں، اُسے تو صرف دنیا کی فانی لذّت اور آنی جانی عزّت و اقتدار چاہیے اور بس۔ اِس فریق کے نمایندہ، تنظیمِ آزادیِ فلسطین کے اکثر ذمّے دار اور اہل کار ہیں۔ امریکہ و اسرائیل اور یورپ نے کمالِ چالاکی سے ثانی الذکر کو ہر طرح کی مالی و اخلاقی و عسکری مدد کے ذریعے، مضبوط کرکے، اوّل الذکر گروہ کے مدّمقابل کردیا ہے اور ۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کے صہیونی ڈرامے کے بعد سے (جو عربوں اور فلسطینیوں اور مسلمانوں کو بہ عجلت غلام بنالینے کے لیے اسٹیج کیا گیا تھا) بالخصوص اَوّل الذکر کو دہشت گرد قرار دے کر عالمی پیمانے پر، اُس کو الگ تھلگ کردیا گیا ہے، جب کہ اپنے وطن اور اپنی زمین پر قابضوں کے خلاف جدّ وجہد، دنیا کے کسی قانون میں بھی دہشت گردی نہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ وہ امریکہ اور یورپ جو

جمہوریت کی علم برداری کے سب سے بڑے دعوے دار ہیں، فلسطینی اسلام پسندوں کی انتخابات میں بھاری اکثریت سے جیت کے باوجود، اُس کی حکم رانی کو اس لیے گوارا نہ کر سکے کہ وہ جہاد و مزاحمت کی اپنی پالیسی کو ترک کرنے، دشمن ریاست کو ماننے اور قضیۂ فلسطین کے تعلّق سے، اُس اُصول و اَساس سے دست بردار ہونے کے لیے ہرگز تیار نہیں، جس سے صرفِ نظر کر لینے کے بعد، مسئلۂ فلسطین، کوئی مسئلہ ہی نہیں رہ جاتا اور صہیونی ریاست کے سارے عزائم کی تکمیل کی راہ یکسر ہم وار ہو جاتی ہے۔

چناں چہ خادم حرمین شریفین شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کی وساطت سے دونوں فلسطینی فریقوں میں صلح صفائی کرادی گئی تھی، مکۂ مکرمہ بلا کر دونوں سے متحدہ قومی فلسطینی حکومت کی تشکیل کے چارٹر پر دست خط لے لیے گئے تھے؛ لیکن اسرائیل اور امریکہ و یورپ کے مفادات کے، یہ کارروائی بھی بالکلیہ خلاف تھی؛ اِس لیے اِن نامعقولوں نے اِس کوشش کو بھی مسمار کر دیا اور بالآخر سیکولر فریق، یعنی محمود عباس و محمد دحلان کی جماعت اور تحریک حماس دونوں کو خانہ جنگی میں مبتلا کر دیا۔ حماس کے جاں بازوں نے محمود عباس کی ''فتح'' تحریک کے کارندوں کو رگید دیا اور حماس ''غزہ'' کے علاقے پر جون ۲۰۰۷ء میں قابض ہو گئی اور اب ۲۰۰۷ء = ۱۴۲۸ھ کے اواخر میں بھی یہی صورتِ حال قائم ہے۔

لیکن چوں کہ حالات کی یہ کروٹ اسرائیل و امریکہ و مغرب اور اُن کے ہم نوا عرب حکم رانوں کی مرضی و مفاد کے بالکل برعکس ہے؛ اِس لیے ایک طرف تو غزہ کے علاقے کا اسرائیل کی طرف سے بالخصوص اور ساری دنیا، جس میں عربی دنیا بھی شامل ہے، کی طرف سے بالعموم اقتصادی ناکہ بندی اور ہمہ گیر بائیکاٹ کے ذریعے، وہاں شدید انسانی بحران پیدا کر دیا گیا ہے، سیکڑوں بچے اور بیمار دوا وعلاج اور لقمۂ زندگی سے محروم ہو جانے کی وجہ سے روزانہ لقمۂ اجل بن رہے ہیں۔ دوسری طرف نہ صرف فتح تحریک اور محمود عبّاس کی طرف سے حماس والوں کو طرح طرح سے ستایا جا رہا ہے؛ بل کہ اسرائیل کو امریکہ و مغرب کی مادی و معنوی امداد اور اُن کے طرف دار عربی ملکوں کی تایید کے ذریعے،

غزہ کے سارے باشندوں کو عموماً اور حماس کے اہل کاروں اور ذمے داروں کو خصوصاً تہِ تیغ کرتے رہنے اور اُن کے خلاف منظم عسکری کارروائی روبہ عمل لاتے رہنے کے لیے کھلی اجازت دے دی گئی ہے۔ اِس مقصد کے تحت کئی کانفرنسیں اور میٹنگیں ہو چکی ہیں، آخری کانفرنس امریکہ کے ''اِیناپولس'' مقام پر ۲۷/۱۱/۲۰۰۷ء کو ہوئی ہے، جس میں امریکہ، اسرائیل و مغرب کے ساتھ متعدد عربی ممالک کے نمایندوں نے شرکت کی۔ اِس کانفرنس میں جہاں محمود عباس کے لیے مادی امداد اور سیکورٹی کے استحکام وغیرہ کا وعدہ کیا گیا، وہیں اسرائیل کو حماس تحریک اور مزاحمتی گروہ کا صفایا کر دینے کی، مکمل اجازت دے دی گئی۔ دوسری طرف محمود عباس سے، شہر قدس، فلسطینی پناہ گزینوں کی عدمِ واپسی اور مسجدِ اقصیٰ سے دست برداری کے حوالے سے، مزید عملی پیش رفت کا وعدہ وارادہ حاصل کر لیا گیا۔ مذکورہ کانفرنس کے عمل کو آگے بڑھانے کے لیے، دوشنبہ: ۶/ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ = ۱۷/دسمبر ۲۰۰۷ء کو ''فلسطین کو امداد دینے'' کے عنوان سے، پیرس میں یک روزہ کانفرنس کی گئی، جس میں دنیا کے ۹۰ وفود نے شرکت کی، اِس کا مقصد محمود عباس کے گروہ کو مدد دے کر، حماس اور دیگر اسلام پسندوں پر شکنجہ کسنا تھا۔ اِس کانفرنس میں ۶۸ ملکوں اور تنظیموں کی طرف سے ۷ ارب ڈالر کی امداد دینے کا وعدہ کیا گیا۔ چوں کہ اِس کا مقصد بھی صہیونی عزائم کے بہ روئے کار آنے کی راہ ہم وار کرنی اور تحریکِ مزاحمت کو کچلنا تھا؛ اِس لیے حماس نے امداد دینے کے اِس وعدے کو اپنے خلاف اِعلانِ جنگ قرار دیا ہے۔



کم و بیش ۳۵ برس سے، جب سے اِس راقم نے عربی میں لکھنا شروع کیا، فلسطین کے مسئلے سے اُس کو بہ راہ راست دلچسپی رہی۔ محرم ۱۴۰۳ھ = اکتوبر ۱۹۸۲ء میں اُس نے اِس مسئلے پر باقاعدہ لکھنے کا سلسلہ شروع کیا۔ وقفے وقفے سے وہ پہلے پندرہ روزہ اور اب ماہ وار ''الداعی'' عربی میں مسلسل، عالمِ اسلام کے اِس نمبر ایک مسئلے پر اِس طرح لکھتا رہا ہے جیسے یہ اُس کے گھر میں بپا کسی غم کی بات ہو۔ مذکورہ تاریخ سے ۱۴۲۸ھ = ۲۰۰۷ء کے

اواخر تک، اُس نے جو کچھ لکھا؛ قارئین کے سامنے اُس کو اب بہ شکلِ کتاب پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اِن مضامین کو پڑھنے سے جہاں اِس مسئلے میں پیدا شدہ اتار چڑھاؤ، مسلم اُمّہ کی اِس کے تئیں پرخلوص ہم دردی وتعاون، اسلام پسند فلسطینی مجاہدوں کی مزاحمت، فلسطینی عوام کی تباہی، شہادت، خانماں بربادی، پناہ گزینی کی الم انگیز زندگی، فلسطینی بچوں اور جوانوں اور مرد وخواتین کی اِس سب سے زیادہ بابرکت محاذ پر ثابت قدمی ومورچہ بندی کی داستانِ حقیقت بیان سامنے آجاتی ہے، وہیں مسلم وعرب حکم رانوں کی بے حسی، صہیونی وصلیبی سازشوں کا آسانی سے نہ صرف شکار؛ بل کہ آلۂ کار بنتے رہنے کی سچائی، قاتلینِ اَنبیا وفرزندانِ تثلیث کی ''اصول پسندی''، ''ثوابت'' پر اُن کے جمے رہنے کی خو اور اُس کے بالمقابل ''انقلاب پسندوں''، ''قوم پرستوں'' اور عربوں اور مسلمانوں کی قسمت کے سوداگروں کی پس پائی ودست برداری وخود سپردگی کی وضع اور شرم سار کردینے والے رسوا کن رویّے کی دل دوز سچّی اور من وعن کہانی پڑھنے کو ملتی ہے، جس کو پڑھنے کے بعد ہر باشعور، غیرت مند اور دلِ دردمند کے حامل قاری کو، یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ فلسطین کی آزادی، مسجدِ اقصیٰ کی بازیابی، شہرِ قدس کی واپسی اور فلسطینیوں کی اپنے گھر میں آبسنے اور چین سے دوبارہ رہنے کے خواب کی تعبیر، صرف اور صرف جہادِ مقدس، مخلصانہ مزاحمت اور سرفروشانہ جدّ وجہد ہی سے نکل سکتی ہے۔ اِس کے سوا سارے راستے گہری کھائی میں جاتے ہیں، جس میں لڑھک جانے کے بعد، اُس سے نکلنے کی کوئی امید نہیں۔ یہ ایسی سچّائی ہے جو نہ صرف یہود واہل صلیب کے حوالے سے، مسلمانوں کے تاریخی تجربے سے ثابت ہے؛ بل کہ فلسطین کے اُس مسئلے کا از اول تا آخر جائزہ (جو یہود واہل صلیب کی یگانگت اور فرزندانِ اسلام اور خود اسلام کے تئیں اُن کی نہ ختم ہونے والی عداوت کی کوکھ سے پیدا ہوا تھا) بھی اِسی حقیقت کی، اتنی بار اور اِتنے طریقوں سے تصدیق کرتا ہے کہ اُن کے بیان کے لیے، الفاظ ساتھ نہیں دیتے۔

اِن مقالات کا مطالعہ نہ صرف علما وطلبہ اور پڑھے لکھے لوگوں کے لیے ضروری ہے؛

بل کہ ہر حرف آشنا مسلمان کے لیے اِن کا بالاستیعاب پڑھنا، اس لیے ناگزیر ہے کہ ان سے مسئلہ فلسطین کے حوالے سے ایک چوتھائی صدی سے زائد مدّت کی سرگزشت، تاریخی تسلسل کے ساتھ سامنے آجاتی ہے۔ اِن مقالات میں نہ صرف حقیقت بیانی اور ہو بہ ہو تصویر کشی ہے؛ بل کہ سیکڑوں واقعات کے پس منظر و پیش منظر، تاریخ اور اعداد وشمار کو داعیانہ بصیرت، مفکّرانہ دیدہ وری، درمندانہ شعور اور ایمان افروز تجزیے کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اِن شاء اللہ ہر ذی شعور مسلمان کو اِنھیں پڑھتے وقت ایسا محسوس ہوگا کہ یہ اُسی کے دل کی بات کہ دی گئی ہے۔ کسی تحریر کی یہ سب سے بڑی قیمت ہوتی ہے کہ قاری کو یہ محسوس ہو کہ وہ جو کچھ پڑھ رہا ہے، اُس کے اپنے خیالات ہیں اور جگ بیتی نہیں؛ بل کہ یہ اسی کی آپ بیتی ہے۔

کتاب کے آغاز میں، اِس مُقدّمے کے معاً بعد (اَرضِ فلسطین) (شہر قدس) اور (۱۹۴۷ سے ۱۹۹۶ء تک یہودیوں کے ہاتھوں فلسطینیوں پر ہو رہے مظالم کی مختصر روداد) کے عنوان سے تین مُفصّل مضامین کا اِضافہ کیا گیا ہے، جو وسیع مطالعے کی روشنی میں تیار کیا گیا ہے۔ اِن سے قارئین کو فلسطین اور مسئلہ فلسطین کے تئیں، مربوط معلومات کا فائدہ بہ عجلت و بہ سہولت حاصل ہوگا۔ اِن شاءَ اللہ۔

یہ کتاب بہ یک وقت اردو اور عربی دونوں میں شائع کی جارہی ہے؛ تا کہ عربی زبان سے شغف رکھنے والے طلبہ، زبان کے حوالے سے بھی استفادہ کرسکیں اور اردو و عربی کے موازنے سے اُنھیں بہت سی تعبیروں اور مفردات کا سمیٹنا اور یاد کرنا آسان ہو۔ بہت سی جگہ آزاد ترجمے کے باوجود، اکثر جگہ اُنھیں بے شمار ذخیرۂ الفاظ وتعبیرات ملے گا؛ اِسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوے، راقم نے اِس کے عربی قالب کو زیادہ تر با اعراب کردیا ہے، نیز ہر ضروری لفظ اور تعبیر پر تشریحی حاشیہ لکھ دیا ہے، حال آں کہ یہ کتاب، درسی یا ریڈنگ بک نہیں؛ لیکن چوں کہ اِس کو عربی زبان میں بھی ہندوستان میں طبع کیا جارہا ہے؛ اِس لیے فائدے کو دوچند کرنے کے لیے، یہ طریقہ اپنایا گیا ہے۔ اِن شاء اللہ اِس کا عربی ایڈیشن

طلبۂ عربی کے لیے، ایک کام یاب ریڈنگ بک کی طرح، بے پناہ سود مند ثابت ہوگا۔ راقم کو یقین ہے کہ وہ اِس کتاب کے عربی اور اردو نسخوں کو ایک ساتھ بے پناہ محبت سے حاصل کرنے اور پڑھنے کی کوشش کریں گے۔ اِن شاء اللہ اِس کتاب کا مطالعہ، اُن کے لیے ہر طرح باعثِ برکت اور دنیا و آخرت کے بھرپور ذخیرے کا ذریعہ بنے گا۔

راقم کی دگر کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی، رموزِ املا اور قواعدِ تحریر کے حوالے سے بھی بہت مفید ثابت ہوگی؛ کیوں کہ اِس تعلّق سے، اِس کتاب میں سابقہ کتابوں سے زیادہ اہتمام کیا گیا ہے۔ گویا اِس حوالے سے یہ کتاب بہ ذاتِ خود مُعلّم ہے۔

اِس کتاب کے بہت سے مضامین کو عربی سے اردو کے قالب میں عزیزم مولوی ابرار احمد اِجراوی قاسمی مدھوبنی نے منتقل کیا ہے۔ اللہ پاک اُنھیں دینی و دنیوی ترقیات سے نوازے۔ اُن کے علاوہ دگر متعدّد عزیزوں اور مُخْلِصوں و محترمین نے اِس کتاب کی تبییض اور پروف ریڈنگ میں مدد دی، اللہ پاک اُنھیں حسبِ اِخلاصِ عمل اپنی نوازشوں کا محل بنائے۔

یقین ہے کہ قارئین کرام اُنھیں، اِس ناچیز کو اور اس کے والدین و اساتذۂ گرامی کو اپنی دعاؤں میں فراموش نہ کریں گے۔ وصلی اللّٰہ وسلم علی عبدہ ونبیہ محمد والحمد للّٰہ رب العالمین. اللّٰھم تقبل منا إنك أنت السمیع العلیم .

۱۰ بجے شبِ پنج شنبہ: ۹ رذی الحجہ ۱۴۲۸ھ
۲۰ ردسمبر ۲۰۰۷ء

نورعالم خلیل امینی
رئیسِ تحریر ''الداعی'' عربی
واُستاذ ادبِ عربی دارالعلوم دیوبند

ارضِ فلسطین

مختصر تعارف و تاریخ

اور صہیونیوں کے زیرِ قبضہ فلسطینیوں پر ٹوٹ رہے
مصائب کا سرسری احوالِ واقعی

عظیم تاریخ

(۱) ''فلسطین'' ملکِ شام کے مغربی جنوبی حصّے کو کہا جاتا ہے۔ یہ بَرِّ اعظم ایشیا کے مغرب میں، بحرِ ابیض متوسط کے ساحل پہ واقع ہے، اِس کی حیثیت بَرِّ اعظم ایشیا و برّاعظم افریقہ کے درمیان ذریعۂ ارتباط کی ہے۔ اِس کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ یورپ سے بھی قریب ہے۔ اِس کے شمال میں لبنان، شمالِ مشرق میں سیریا، مشرق میں اردن اور جنوب میں مصر واقع ہے۔ اِس کی متعارف سرحدوں کے حوالے سے، اِس کا کل رقبہ ۲۷۰۰۰ (ستائیس ہزار) مربّع کلومیٹر ہے، یہاں کی آب و ہوا معتدل ہے اور بحرِ ابیض متوسط کا سارا خطہ ہی متعدل آب وہواوالاشمار کیا جاتا ہے۔

(۲) سرزمینِ فلسطین، دنیا کے قدیم ترین تہذیبی علاقوں میں سے ایک ہے۔ جدید ترین دریافت کے مطابق ۹ ہزار سال قبلِ مسیح، استحکام وزراعت کی زندگی کی طرف سب سے پہلے اِنسان نے یہیں اپنی منزل طے کی تھی۔ اِسی کی گود میں دنیا کا قدیم ترین شہر ''اَریحا'' معرضِ وجود میں آیا تھا۔ یعنی ۸ ہزار سال قبل مسیح۔ ہنوز اَرضِ فلسطین، مختلف تہذیبوں کا گہوارہ ہے۔

فلسطین کے اہم شہر:

(۳) جغرافیائی رقبے کے حوالے سے انتہائی چھوٹا ہونے کے باوجود، فلسطین دنیا کا انتہائی گھنیری آبادی والا ملک ہے۔ ۱۳٦۸ھ/۱۹۴۸ء میں فلسطین میں تقریباً ۲۷ شہر اور ۹۳۵ دیہات اور دسیوں بدوی قبائل تھے۔ اِس وقت اُس کے موجودہ اہم شہر مندرجۂ ذیل ہیں:

۱- شہرقدس:

تیسرے ہزارہ قبل از حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اِس کی تعمیر یبوسی عربوں کے ہاتھوں

عمل میں آئی تھی۔ مکۂ مکرمہ اور مدینۂ منورہ کے بعد مسلمانوں کے نزدیک یہ روے زمین کا سب سے مقدس شہر ہے، اِس کی تقدیس کا سرچشمہ دیگر اسباب کے ساتھ دراصل مسجدِ اقصیٰ کا یہاں پایا جانا ہے، جو اسلام کی تیسری سب سے مقدس و متبرک مسجد ہے اور جو مسلمانوں کا پہلا قبلہ رہی تھی اور جہاں سے حضور ﷺ نے شبِ معراج میں آسمانوں کی طرف عروج کیا تھا اور جہاں کا، آپ ﷺ کو شبِ معراج میں مسجدِ حرام مکۂ مکرمہ سے سفر کرایا گیا تھا اور آپ ﷺ نے یہاں تمام اَنبیا کی نماز میں اِمامت کی تھی۔

۲- شہرالخلیل:

اِس شہر کا نام، حضرت ابوالاَنبیا اِبراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے نام پر ہے؛ کیوں کہ یہی آپؑ کا اور آپؑ کی اہلیہ حضرتِ سارہ علیہا السلام کا مدفن ہے۔ نیز حضرتِ یعقوبؑ اور حضرتِ یوسفؑ کی قبریں بھی یہیں واقع ہیں۔ یہ شہر، مغربی کنارے کے جنوب میں واقع ہے۔ یہاں کی آبادی اِس وقت تقریباً ایک لاکھ ۳۰ ہزار ہے۔ یہاں کے باشندے مذہب پسندی اور مضبوط اجتماعی رشتوں کا پاس کرنے کے تعلق سے، خاصی شہرت رکھتے ہیں۔ یہ شہر حضور ﷺ کی طرف سے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کو جاگیر میں ملا تھا۔ یہی شہر مشہور اِسلامی قائد فاتحِ اندلس اور والیِ شمالی افریقہ حضرت موسیٰ بن نصیرؒ (۱۹ھ/ ۶۴۰ء - ۹۷ھ/ ۷۱۵ء) کی جاے پیدائش ہے۔

۳- نابلس:

یہ شہر مغربی کنارے کے شمال میں واقع ہے۔ اِس کی جاے وقوع جنوباً جبلِ ''جرزیم'' اور شمالاً جبلِ ''عیبال'' کے درمیان واقع مشرق ومغرب سے کھلی ہوئی وادی ہے۔ بحرِ متوسط سے یہ شہر ۴۲ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، اِس کو مشہور صحابی فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تھا۔ اِس وقت اِس کی آبادی تقریباً ایک لاکھ ۴۰ ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ متعدد انقلابی تحریکوں میں چوں کہ یہاں کے باشندے پیش پیش رہے تھے؛ اِس لیے اِس کو اور آس پاس کے علاقوں کو ''کوہِ آتش'' بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں کے لوگ

عموماً پڑھے لکھے ہوا کرتے تھے۔ ماضی میں بھی اِس کی خاک سے جلیل القدر علما اٹھے، جنھیں عالمی شہرت ملی اور اِن شاء اللہ اُخروی سرخ روئی سے بھی وہ سرفراز ہوں گے۔ جیسے مشہور حنبلی فقیہ ابن قدامہ مقدسیؒ (سلیمان بن حمزۃ بن احمد بن عمر تقی الدین، ابن قدامہ مقدسی ۶۲۸ھ/ ۱۲۳۱ء - ۷۱۵ھ/ ۱۳۱۶ء) قاضی وفقیہ حنبلی مرداویؒ (یوسف بن محمد بن التقی عبداللہ ابوالمحاسن جمال الدین متوفی ۷۶۹ھ/ ۱۳۶۷ء) محدث واصولی وادیب سفارینیؒ (محمد بن احمد بن سالم سفارینی شمس الدین ابوالعون ۱۱۱۴ھ/ ۱۷۰۲ء - ۱۱۸۸ھ/ ۱۷۷۴ء) اور محقق ومؤرخ واہلِ قلم ومصنف محمد عزت دروزہؒ (۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۷ء - ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء)۔

۴- غزّہ:

اِس کو غزۂ ہاشم بھی کہا جاتا ہے؛ کیوں کہ حضورِ اکرم ﷺ کے جدّ اعلیٰ ہاشم بن عبدِ مناف، آپؐ کی بعثت سے قبل یہیں وفات پا کر دفن ہوئے۔ یہ فلسطین کے جنوب میں بحرِ ابیض متوسط کے ساحل پہ واقع ہے۔ اِس شہر کو اہم جغرافیائی خطِّ فاصل مانا جاتا ہے؛ کیوں کہ یہاں سے مصر اور شمالی افریقہ کی راہ گزرتی ہے۔ مشہور امام حضرت امام شافعیؒ (محمد بن اِدریس بن عباس بن عثمان ابن شافع ہاشمی قرشی مطلبی ابوعبداللہ ۱۵۰ھ/ ۷۶۷ء - ۲۰۴ھ/ ۸۲۰ء) کی یہیں پیدائش ہوئی تھی۔ آپ نے اِس شہر کے اشتیاق میں والہانہ شعر کہا ہے:

وَإِنِّي لَمُشْتَاقٌ إِلَىٰ أَرْضِ غَـــزَّةَ وَإِنْ خَانَنِي بَعْـدَ التَّفَـرُّقِ كِتْمَانِي
سَقَى اللّٰهُ أَرْضًا لَوْ ظَفِرْتُ بِتُرْبِهَا كَحِلَتُ بِهِ مِنْ شِدَّةِ الْوَجْدِ أَجْفَانِي

ترجمہ: بلاشبہہ مجھے ارضِ غزہ کا بے پناہ اشتیاق ہے، ہر چند کہ جدائی کے بعد میرے کتمان نے میرے ساتھ وفا نہیں کی، اللہ اِس سرزمین کو سیراب کرے کہ اگر میں اِس کی خاک سے بہرہ یاب ہوسکوں تو وفورِ جذبات کی وجہ سے میری پلکیں انھیں اپنا سُرمہ بنالیں۔

یہاں کی آبادی اِس وقت دس لاکھ سے زیادہ ہے۔ یہاں کے باشندے اپنی

شجاعت اور قوتِ ارادی میں، اپنی مثال آپ ہیں۔

۵- یافا:

اِس کو بحرِ احمر کی دلہن کہا جاتا ہے۔ ''یافا'' کنعانی لفظ ''یافی'' کا محرّف ہے، جس کے معنی ہیں ''حسینہ''۔ اِسی کے قریب یہودیوں نے ''تل ابیب'' شہر آباد کیا ہے۔ غاصب یہودیوں کے خلاف جدّ وجہد آزادیِ فلسطین میں اَہل یافا کا بڑا رول رہا ہے۔ یافا تحریکِ آزادیِ فلسطین کے بڑے قائد حسن سلامہ کی سرگرمیوں کا مرکز رہا تھا۔ یہ شہر اپنی بندرگاہ، تجارتی سرگرمیوں اور ترش پودوں اور کھٹے میٹھے پھلوں کی زرخیز زمینوں کے لیے مشہور ہے۔

۶- عکا:

یہ شہر، بحرِ ابیض متوسط کے ساحل پہ واقع ہے۔ حضرت عیسیٰ سے قبل کے تیسرے ہزارہ میں اِس کی بنیاد جرجاشی عربوں نے رکھی تھی۔ ۱۶ھ/ ۶۳۶ء میں اس کو صحابیِ رسولؐ حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام کی اپنی ولایت کے زمانے میں یہاں سفینہ سازی کا کارخانہ قائم کیا اور یہیں پہلی اسلامی بندرگاہ تعمیر کی، جس سے ''قبرص'' اور ''رودس'' کی فتح کے لیے اِسلامی افواج نے بحری راستے سے اپنا حملہ جاری رکھا، اور اِنھی اَفواج نے بعد میں یعنی ۱۲۱۴ھ/ ۱۷۹۹ء میں فلسطین پر، فرانسیسی قائد نپولین بونا برٹ (Napoleon Bonaparte ۱۷۶۹-۱۸۲۱ء) کے حملے کو پسپا کر دیا اور اُس کو شکست خوردہ الٹے پاؤں لوٹ جانا پڑا۔

(۴) فلسطین کی اہم تاریخی مسجدیں:

۱- مسجدِ اقصیٰ:

اِس کا رقبہ ۲ لاکھ ۶۰ ہزار مربع (اسکوائر) فٹ ہے، اس رقبے کے بیچوں بیچ ہشت گوشہ مسجد ہے، جس کو قبۂ صخرہ کہا جاتا ہے؛ لیکن مسجدِ اقصیٰ کے نام سے معروف درحقیقت وہ عمارت ہے جو اِس رقبے کی جنوبی سمت میں واقع ہے۔ جیسا کہ حدیث رسول ﷺ سے

معلوم ہوتا ہے، اِس کی تعمیر مسجدِ حرام کے ۴۰ سال بعد رو بہ عمل آئی تھی۔ مسجدِ حرام روے زمین پر عبادتِ الٰہی کے لیے تعمیر ہونے والی پہلی مسجد ہے؛ لہٰذا مسجدِ اَقصیٰ دوسری مسجد ہے۔

۲- مسجدِ ابراہیمی:

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ یہ شہرِ خلیل کے وسط میں ہے، خلفاے بنی امیہ و بنی عباس اِس کی تعمیر کی تجدید کرتے رہے ہیں۔ عہدِ مملوکی میں اِس میں خاصی توسیع کی گئی، جس کی وجہ سے یہ دنیا کی اُس وقت سب سے بڑی مسجد تھی۔

اِس وقت اِس کے اکثر حصوں پر یہودیوں کا قبضہ ہے۔ بہ روز جمعہ ۱۵/رمضان ۱۴۱۴ھ کو جب مسلمان نمازِ فجر میں محوِ سجود تھے، یہودیوں نے مصلیوں کا قتل عام کیا، جس کے نتیجے میں دسیوں افراد شہید اور سیکڑوں زخمی ہو گئے اور مسجد کے اکثر حصوں پر بہ زورِ بازو قبضہ کر لیا۔

۳- مسجدِ جزّار:

یہ عکا شہر کی سب سے بڑی جامع مسجد ہے۔ اِس کی عمارت خلافت عثمانیہ کی تعمیرانہ فن کاری کا بہترین نمونہ ہے۔ یہ سوقِ ابیض (سفید بازار) کے آخری سرے پہ واقع ہے۔ اِس کا نام مسجد جزّار اپنے بانی عثمانی قائد احمد پاشا جزّار کے نام پر ہے جنھوں نے ۱۱۹۶ھ/ ۱۷۸۱ء میں اِس کی تعمیر کی اور اِس کے لیے بہت سے اوقاف مختص کیے۔ اِس میں مدرسہ احمدیہ کے نام سے ایک مدرسہ بھی ہے، جس کی لائبریری میں بہت سی گراں قدر اِسلامی کتابیں اور مخطوطات ہیں۔

۴- عظیم مسجدِ یافا:

یہ مسجد شیخ محمد بیبی الامام نے ۱۱۵۸ھ/ ۱۷۴۵ء میں تعمیر کی تھی۔ اُنھوں نے اس کے مصارف کے لیے بہت سے اوقاف مختص کیے۔ یہ مسجد دو منزلہ ہے۔ یہاں بھی ایک اچھا سا کتب خانہ ہے، ماضی میں اِس کے صحن میں تعلیم و تعلم کے حلقے منعقد ہوتے تھے۔ یہ مسجد،

شہرِ یافا کے وسط میں گھنٹہ گھر کے سامنے ہے۔ اِس کے ستونوں میں سنگِ مرمر لگے ہوے ہیں، جو قیساریہ اور عسقلان کے کھنڈرات سے لائے گئے تھے۔[1]

⑤ فلسطین کی، ہر مسلمان کے دل میں بڑی عظمت ہے۔ قرآنِ کریم کے نصِ قطعی کی رو سے یہ مقدس اور مبارک سرزمین ہے، یہیں مسلمانوں کا قبلۂ اول مسجدِ اقصیٰ واقع ہے، جو مذہبِ اسلام میں تین بڑی مسجدوں میں سے ایک ہے۔ اِس کو ارضِ اِسرا و معراج ہونے کا شرف حاصل ہے، مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک حضور کو شبِ معراج میں پہلے یہیں کا سفر کرایا گیا تھا۔ یہ اُن تمام انبیا کی زمین ہے جن کا تذکرۂ مبارک قرآنِ پاک میں وارد ہوا ہے۔ اِسلامی نقطۂ نظر کے اعتبار سے یہ حشر و نشر کی زمین بھی ہے، اس کو اسلام کے اصلی گھر ہونے کی حیثیت تھی اور رہے گی۔ یہاں ثواب اور اجرِ الٰہی کی امید میں قیام کرنے والے کو مجاہد فی سبیل اللہ کا ثواب ملے گا، نیز یہ قیامت تک منصور و فتح مند اور حق پر جمی رہنے والی جماعت کا مرکز رہے گا۔

⑥ فلسطین کی سرزمین یہود و نصاریٰ کے ہاں بھی مقدس ہے۔ یہودی اِس کو اپنی ارضِ موعودہ مانتے ہیں، یعنی ایسی زمین جسے اُنھیں خدا کی طرف سے دیے جانے کا وعدہ کیا گیا ہے؛ لہٰذا اُن کے نزدیک یہ اُن کی تاریخ کا محور اور اُن کے اَنبیا کی خواب گاہ ہے۔ شہرِ قدس و خلیل میں اُن کے مُقدّسات کا مرکز بھی ہے۔ جب کہ عیسائیوں کے نزدیک یہ اُن کے مذہب کے وجود کی جا ہے؛ کیوں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت یہیں ہوئی تھی، یہیں اُنھوں نے اپنے دعوتی عمل کو انجام دیا، یہیں عیسائیوں کے مذہبی مراکز ہیں بالخصوص شہرِ قدس، بیت اللحم اور ناصرہ میں۔

⑧ مسلمانوں کا ایمان ہے کہ داؤد و سلیمان اور اَنبیاے بنی اسرائیل اور اُن کے صلحا کے اصل وارث اور سچے جانشیں وہی ہیں؛ کیوں کہ بنی اسرائیل کے انبیا و صالحین نے

---

(۱) روزنامہ "الریاض" ریاض، شمارہ (۱۱۶۸۷) استاذ عبداللہ الطلحہ: "أرضُ المسجد الأقصى، والأنبياء، وموطن العلماء"۔

یہاں توحید کی بنیاد پر ہی حکومت کی تھی اور چوں کہ مسلمان ہی اِس وقت علم بردارِ توحید ہیں اور راہِ انبیا کے سچے راہ رو ہیں اور یہودی راہِ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں، اپنی کتابوں میں اُنھوں نے تحریف کی ہوئی ہے، اپنے انبیا کے وہ قاتل ہیں اور اللہ کے غیظ و غضب کا محل ہیں؛ اِس لیے مسلمانوں کا یہ برحق عقیدہ ہے کہ اِس زمین کے وہی مالک و وارث ہو سکتے ہیں اور ہیں۔

(۹) فلسطین، بالخصوص شہرِ قدس میں اپنے اقتدار کے دوران، یہود و نصاریٰ کا رویہّ، دوسرے مذاہب کے ساتھ معاندانہ بل کہ دشمنانہ اور پرامن بقاے باہم کی روح سے متصادم رہا، دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے صفایا کی کوشش کی گئی؛ لیکن مسلمانوں کا رویہّ رواداارانہ اور بقائے باہم کے جذبے سے بھرا پُرا رہا، دوسروں کے حقوق کی پاس داری اور اُس کی مکمل حفاظت کی گئی۔

(۱۰) فلسطین میں بسنے والی قدیم ترین قوم ''کنعانی'' تھی، جس نے اِس کو اپنے رنگ میں رنگ دیا اور وہاں اپنی خاص چھاپ اور پہچان چھوڑی۔ کنعانی تقریباً ۴۵۰۰ سال قبل، جزیرۃ العرب سے یہاں آ بسے تھے، اِنھی کی وجہ سے فلسطین کو ''سرزمینِ کنعان'' سے جانا جانے لگا۔ فلسطین کے موجودہ فلسطینی اِنھی کنعانیوں کی اولاد ہیں یا اُن لوگوں کی اولاد ہیں، جن کا کنعانیوں سے اختلاط ہوا اور اُن سے رشتۂ اِزدواج میں منسلک ہوئے۔ یہ بحرِ متوسط کے مشرقی خطے اور عربی قبیلوں کے لوگ تھے۔ حال آں کہ فلسطین پر مختلف قوموں نے حکومت کی؛ لیکن وہاں کے اصل باشندے وہاں، بلا انقطاع آباد رہے۔ اِنھی باشندوں کی اکثریت حلقہ بہ گوشِ اِسلام ہوئی اور اسلام کی آمد کے ساتھ اُن کی زبان، عربی زبان بن گئی۔ ۱۵ھ=۶۳۶ء میں اسلامی فتح کے وقت سے اب تک، تاریخ کے اکثر اور طویل ترین دور میں فلسطین کی اِسلامی شناخت بلاتوقف قائم اور واضح رہی۔ ۱۹۴۸ء میں صہیونی قبضے کے بعد فلسطین کے کسی حصّے سے زبردستی فلسطینیوں کو جلاوطن خانماں برباد کردیے جانے سے، مذکورہ سچائی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

یہودیوں کے بے بنیاد دعوے:

(۱۱) سرزمینِ فلسطین پر عرب مسلمانوں کے حق کے سامنے، اُس پر یہودیوں کے حق کے دعوے تاش کے پتوں کی طرح بکھر جاتے ہیں؛ اِس لیے کہ یہودیوں کی ریاست کے قیام سے ۱۵۰۰ سو برس پہلے، مسلمانوں نے اِس سرزمین کو آباد کیا تھا، اِس پوری مدت میں یہاں اُن کی موجودگی کو تسلسل حاصل رہا۔ فلسطین پر یہودیوں کے بڑے بول کی حقیقت صرف یہ ہے کہ اُنھوں نے یہاں کے کچھ حصے پر حکومت کی تھی، سارے فلسطین پر اُن کا اقتدار کبھی قائم نہ ہوسکا۔ یہاں اُن کی حکومت کی مدت ۱۰۰۰ سے ۵۸۶ قبل مسیح میں صرف چار صدی پر محیط رہی۔ پھر اُن کے اقتدار کی بساط لپٹ گئی، جیسے دگر اقوام یعنی آشوریوں، فارسیوں، فراعنہ، یونانیوں اور رومیوں کے اقتدار کا اپنے اپنے وقت پر، سنت اللہ کے مطابق خاتمہ ہوتا رہا۔ جب کہ فلسطینی یہیں آباد رہے، اپنی خاک سے اُن کا رشتہ کبھی بھی منقطع نہیں ہوا۔ فلسطین پر اسلامی اقتدار ۱۲۰۰ سو سال تک قائم رہا یعنی ۶۳۶ء سے ۱۹۱۷ء تک جس میں صرف ۹۰ نوے سال کے صلیبی دور کا استثنا کیا جاسکتا ہے۔ یہودیوں کا فلسطین سے ۱۸۰۰ سو برس تک کوئی تعلق نہیں رہا، یعنی یہاں سیاسی، تہذیبی، اور قیادتی اعتبار سے اُن کی کسی موجودگی کا کوئی ریکارڈ، تاریخ کے کسی صفحے میں موجود نہیں۔ اُن کی مذہبی تعلیمات کا بھی یہاں کوئی نشان دور دور تک نہیں ملتا۔ موجودہ یہودیوں میں سے ۸۰ فی صد یہودی، خود یہودیوں کی تحقیقات کے مطابق، تاریخی طور پر فلسطین سے کوئی رشتہ نہیں رکھتے، نیز قومی اعتبار سے بنی اسرائیل سے اُن کا کوئی تعلق نہیں۔ آج کے یہودیوں کی بھاری اکثریت ''اَشکناز'' یہودیوں سے تعلق رکھتی ہے، جو قدیم تا تاری ترکی نسل کے قبیلوں سے عبارت ہیں، جن کی بود و باش شمالی قوقاز کے علاقے میں تھی۔ یہ قبیلے آٹھویں صدی عیسوی میں یہودیت میں داخل ہوئے؛ لہٰذا اگر یہودیوں کی کہیں واپسی وطنی طور پر ضروری ہے اور یہ حق اُنھیں ملنا چاہیے، تو اُنھیں جنوبی روس کو لوٹنے کا حق ملنا

چاہیے، نہ کہ ارضِ فلسطین و کنعان کی طرف۔

پھر یہ کہ فلسطین سے یہودیوں کے تعلق اور اُس کی مٹی سے اُن کی وابستگی کا دعویٰ اِس سچائی کے سامنے نہیں ٹھہرتا کہ بنی اسرائیل کی اکثریت نے ارضِ مقدسہ کی طرف روانگی کے تعلق سے موسیٰ علیہ السلام کی بات ماننے سے انکار کر دیا تھا، نیز اُن کی اکثریت نے، اُس وقت ''بابل'' سے یہاں آنے کو بھی مسترد کر دیا تھا، جب شہنشاہِ فارس قورش نے اُن کو یہ پیش کش کی تھی۔ پوری تاریخ میں تادمِ تحریر، فلسطین میں یہودیوں کی تعداد، دنیا کے سارے یہودیوں کے بالمقابل، بہتر سے بہتر حالت میں ۴۰ فی صد سے زیادہ نہیں رہی۔

(۱۲) فلسطین میں یہودی ریاست کی تعمیر کے لیے تگ و دو کرنے والی تحریکِ صہیونیت کے وجود کے مندرجۂ ذیل متعدد اسباب تھے: (الف) فلسطین میں یہودیوں کو لا بسانے کے مؤید رجحانات، جو بالخصوص ۱۶ ویں صدی عیسوی میں پروٹسٹینٹ مغربی مسیحیوں کے درمیان معرضِ وجود میں آئے۔ (ب) یورپ میں بالخصوص ۱۹ ویں صدی عیسوی میں قومی و وطنی نقطہ ہائے نظر اور قومی ریاست کے فلسفے کا ظہور۔ (ج) مشرقی یورپ میں روسیوں کے ہاتھوں، یہودیوں پر کیے گئے ظلم و جارحیت کے بعد، ''یہودی مسئلے'' کا ظہور۔ (د) یورپ اور امریکہ میں کئی ایک حلقہ ہائے اثر تک یہودیوں کی پہنچ، ساتھ ہی ''ہسکلا'' یہودی روشن خیالی کی تحریک کی ناکامی، جس نے یہودیوں کے لیے، جن جن معاشروں میں وہ رہ رہے تھے، انضمام اور گھل مل جانے کی سعی کی تھی۔

(۱۳) ''محفوظ ریاست'' کے رول کی ادائیگی کے لیے، یہودی ریاست کی تعمیر کا نظریہ، جس کو مغربی سامراج، بالخصوص برطانیہ نے، ہر طرح استحکام بخشا، عالمِ اسلام کے قلب میں، مغربی صہیونی خطرے کے بہ روے کار آنے کے نقطۂ عروج کی، نمایندگی کرتا ہے، جس کا مقصد ایشیا اور افریقہ میں عالمِ اسلام کے دونوں بازوؤں کو علاحدہ علاحدہ کرنا تھا؛ تاکہ عالمِ اسلام کا اتحاد و اتفاق پارہ پارہ ہو جائے اور اُس کے لیے انتشار کی وجہ سے عروج و ترقی کی راہ بالکل مسدود ہو جائے اور ماتحتی و زیردستی اُس کا یقینی نصیبہ بن جائے،

نیز عالمِ اسلام آیندہ کبھی بھی، سب سے بڑی اور زبردست اسلامی طاقت کا روپ دھار نہ سکے اور خلافتِ عثمانیہ کی قائم مقامی نہ کر سکے: لٰہذا یہودی صہیونی وجود کی بقا واستحکام وترقی، اُس کے آس پاس کی ساری اسلامی ریاستوں اور خطوں کی کم زوری، پس ماندگی اور انتشار میں مضمر ہے؛ اِس لیے اِس کا برعکس بھی بالکل اور یقینی طور پر صحیح ہے کہ قلبِ عالمِ اسلام و عالمِ عرب میں قائم کی گئی زبردستی کی یہودی صہیونی ریاست کے منصوبے کا یکسر خاتمہ، امتِ مسلمہ عربیہ کی ترقی واتحاد وطاقت کی بھرپور ضمانت ہے؛ بل کہ موقوف علیہ ہے۔

(۱۴) عالمی صہیونی تنظیم سوئزرلینڈ کے پال شہر میں ۱۸۹۷ء میں ٹیوڈار ہرزیل (Tudor Herzel) (۱۸۶۰-۱۹۰۴ء) کی قیادت میں، معرضِ وجود میں آئی۔ یہ شخص یہودی مجری رائٹر تھا۔ اِس تحریک کا واحد مقصد مغربی استعماری منصوبے کو بہ روے کار لانا تھا۔ پہلی جنگِ عظیم کے اختتام تک، اِس کو کوئی خاطر خواہ کام یابی نہ مل سکی۔ یہ خالص نسلی تحریک ہے، جو مذہبی قومی یہودی میراث کے پس منظروں اور پیش منظروں کی اساس پر قائم ہوئی تھی۔ اِس کی کام یابی کی واحد ضمانت، فلسطین میں عرب مسلمانوں کے وطنی حقوق کو سلب کر کے، اُن کی جگہ یہودیوں کو لا بسانے میں کام یابی کا حصول ہے۔ صہیونی نظریے کی روح کے اعتبار سے، یہودیوں کے مختلف سیکولر، اشتراکی، مذہبی، ثقافتی، سیاسی اور لیبرل دھڑوں میں کوئی فرق نہیں، سارے یہودی بالآخر صہیونی ہیں، جن کا واحد مقصد ''بلندتر اہداف'' کا حصول ہے، یعنی فلسطین میں صہیونی ریاست کے تحت، سارے یہودیوں کا اژدحام اور عربی فلسطینیوں کی خانما بربادی۔

برطانوی کردار اور صہیونی قبضہ:

(۱۵) برطانوی سامراج نے ہی، صہیونی منصوبے کو برپا کرنے کی ذمے داری اپنے سر لی تھی، اُسی نے ۱۹۱۷ء میں وعدۂ بالفور (آرتھر جیمس بالفور Arthur James Balfour ۱۸۴۸-۱۹۳۰ء برطانوی سیاست داں جو برطانیہ کا وزیر اعظم اور وزیر خارجہ رہا

تھا) کا اِجرا کیا اور فلسطین میں یہودیوں کے لیے، ایک قومی وطن کی تعمیر کا اپنے آپ کو پابند عہد کیا، ۱۹۱۸ء میں برطانوی سامراج کا فلسطین پر قبضہ ہوا، اُس وقت وہ اپنے اس وعدے کا پابند نہیں رہا کہ شریف حسین آزاد و مختار ہوں گے اور یہاں اُنھی کا عمل دخل رہے گا، چناں چہ برطانوی سامراج نے مئی ۱۹۱۶ء کے ''سائیکس بیکو'' معاہدے کے تحت شام و عراق کو اپنے اور فرانس کے درمیان تقسیم کرلیا، جس کی رو سے برطانیہ نے فلسطین کو عالمی خطہ قرار دینے کا منصوبہ بنایا، پھر اُس نے فلسطین کو، اپریل ۱۹۲۰ء کے ''سان ریمو'' معاہدے کے تحت اپنے لیے خاص کرلیا۔ فلسطین پر اپنے اقتدار کے تحت اُس نے وعدۂ ''بالفور'' کو عملی جامہ پہنانے کی سوچی، جس کی قرارداد لیگ آف نیشنس نے ۱۹۲۲ء میں پاس کردی۔

(۱۶) فلسطین پر اپنے قبضے کے عرصے (۱۹۱۸-۱۹۴۸ء) میں برطانیہ نے فلسطین کی طرف پوری دنیا سے یہودیوں کے ترکِ وطن کرکے، آبسنے کے دروازے چوپٹ کھول دیے۔ چناں چہ ۱۹۱۸ء میں یہودیوں کی جو تعداد ۵۵ ہزار تھی وہ بڑھ کر ۱۹۴۸ء میں ۶ لاکھ ۴۶ ہزار ہوگئی، یعنی کل آبادی کے ۸ فی صد کے تناسب سے بڑھ کر ۳۱ فی صد کے تناسب تک پہنچ گئی۔ برطانیہ نے فلسطین کی زمین میں بھی اُن کے حصے میں اِضافہ کردیا۔ پہلے اُنھیں فلسطین کی زمین کا ۲ فی صد حصہ ملا ہوا تھا اب ۶,۷ فی صد حصہ مل گیا۔ یہ زمینیں یہودیوں کو برطانوی حکومت کی طرف سے ملی تھیں، یا غیر فلسطینی ہاتھوں سے حاصل ہوئی تھیں۔ ۳۰ سال کی طویل مدت تک فلسطینی مسلمان حالات کی ساری ستم ظریفیوں کے باوجود، اپنی مٹی پر ڈٹے رہے، وہی یہاں کی غالب اکثریت رہے، یعنی اُن کا تناسب ۶۹ فی صد رہا اور وہ زمین کے اکثر حصے یعنی ۹۳,۳ فی صد کے مالک رہے؛ لیکن برطانوی اِستعمار کی تایید و حمایت سے یہودیوں نے اپنے اقتصادی، سیاسی، تعلیمی، عسکری اور اجتماعی اداروں کو خوب خوب مستحکم کرلیا۔ ۱۹۴۸ء تک وہ ۲۹۲ کالونیاں تعمیر کرچکے تھے۔ ۷۰ ہزار سپاہیوں پر مشتمل اپنی عسکری طاقت ترتیب دے کر، اپنی ریاست کے اِعلان کی پوزیشن

میں آ چکے تھے۔

(۱۷) باوجودے کہ فلسطین کے خلاف سازش، فلسطینی عوام کی صلاحیتوں سے کہیں زیادہ بڑھی ہوئی تھی؛ لیکن فلسطینیوں نے برطانوی قبضے اور صہیونی منصوبے کو یکسر مسترد کرتے ہوے آزادی کا مطالبہ کیا۔ الحاج امین الحسینیؒ (الحاج مفتی امین الحسینی ۱۳۱۱ھ/ ۱۸۹۳ء - ۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء) کی سر براہی میں قومی وطنی دھارے یک جٹ ہوکر عوامی، سیاسی تحریکات اور زبردست انقلابی مساعی میں تبدیل ہو گئے؛ چناں چہ ۱۹۲۰ء میں قدس انقلابی احتجاج و مظاہرے، ۱۹۲۰ء میں ''یافا'' تحریکیں، ۱۹۲۹ء میں ''براق'' انقلابی مظاہرے اور اکتوبر ۱۹۳۳ء میں احتجاجی مظاہرے برپا ہوے، نیز مجاہد کبیر عزالدین قسّام (محمد عزّالدین بن عبد القادر القسّام ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۲ء - ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء) کی قیادت میں جہادی تحریک کا آغاز ہوا اور کفِ اخضر (سبز ہتھیلی) اور جہادِ مقدس کی تنظیم کی اُساس پڑی۔

۱۹۳۶-۱۹۳۹ء کی زبردست انقلابی تحریک کے نتیجے میں، برطانیہ کو اپنے کتابِ ابیض (وہائٹ پیپر) بابت مئی ۱۹۳۹ء میں دس سال کے اندر فلسطینی ریاست کے قیام اور پانچ سال کے بعد فلسطین کی زمینوں کو یہودیوں کے ہاتھوں بیچنے، نیز فلسطین کی طرف یہودیوں کی مہاجرت کو روک دینے کا وعدہ کرنا پڑا۔

لیکن ۱۹۴۵ء کے اواخر میں برطانیہ اپنے وعدے پر قائم نہ رہ سکا اور امریکہ کی سرپرستی میں صہیونی منصوبہ، پھر بہ روے کار آنے لگا۔

(۱۸) نومبر ۱۹۴۷ء میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے، فلسطین کو دو ریاستوں عربی اور یہودی میں تقسیم کردیے جانے کی قرارداد نمبر (۱۸۱) پاس کی۔ یہودی ریاست کو فلسطین کی ۵۴ فی صد اراضی، جب کہ عربی ریاست کو صرف ۴۵ فی صد اراضی دیے جانے اور ایک فی صد اراضی، یعنی بیت المقدس کے خطے کو وقتی طور پر، عالمی خطہ قرار دیے جانے کی تجویز پاس کی گئی۔ جنرل اِسمبلی کی قراردادیں، اقوامِ متحدہ کے چارٹر کی رو سے بھی، عالمی برادری کے لیے واجب العمل نہیں ہوتیں، علاوہ ازیں یہ قرارداد تو اُس اصول کے بھی

خلاف ہے، جس پر اقوامِ متحدہ کی بنیاد ہے، یعنی یہ کہ اقوامِ عالم کو آزادی وخود مختاری کا مکمل حق ہوگا، نیز فلسطینی قوم سے، جس کا اِس مسئلے سے راست تعلق تھا، کسی طرح کا مشورہ کیا گیا اور نہ اُس سے رائے لی گئی۔ یہ قرارداد، اِس لیے بھی ظالمانہ اور طرف دارانہ تھی کہ اِس کی رو سے، آفاقی یہودی اقلیّت کو، جو دوسری جگہوں سے ترکِ وطن کر کے فلسطین میں زبردستی آبسی تھی، فلسطین کی زمین کا بڑا اور بہتر حصہ دے دیا گیا تھا اور اصل مکینوں، یعنی فلسطینیوں کو فلسطین کا چھوٹا اور اُس کی زمین کا اکثر ناقص حصہ دیا جانا تجویز کیا گیا تھا۔

غاصب اور ناجائز ریاست کے قیام کا اعلان (۱)

(۱۹) ۱۴/مئی ۱۹۴۸ء کو صہیونیوں نے اپنی ریاست ''اِسرائیل'' کے قیام کا اِعلان کر دیا۔ اِس موقع سے برسرِ تصادم عربی افواج کو اُنھوں نے شکست دے دی؛ کیوں کہ یہ

(۱) دردر کی ٹھوکر کھاتے رہنے کے بعد، یہودیوں نے اِسلام اور مسلمان دشمن مختلف النظریات والمذاہب قوموں اور افراد کے تعاون سے، جو اُنھوں نے (یہودیوں نے) اپنی طبعی چال بازی، مکاری، عیاری اور جوڑ توڑ کی بھیانک اور مجرمانہ صلاحیتوں کے ذریعے حاصل کی، کس طرح فلسطین میں زبردستی اور ظلم وجبر و ناانصافی کے تاریخِ عالم کے تمام ریکارڈوں کو توڑتے ہوئے، اپنی جگہ بنالی اور پھر اپنی غاصبانہ ریاست قائم کرلی اور بالآخر پورے فلسطین پر قبضہ کر کے، اصل مکینوں یعنی فلسطینیوں کو؛ اجنبی، غریب الدیار بنادیا اور لاکھوں کو دیس نکالا دے کر، وہاں رہنے پر اِصرار کرنے والوں پر، کس طرح ظلم کا پہاڑ توڑنے کی راہ ہموار کی؟؛ اِن حقائق کے تسلسل کو مختصراً جاننے کے لیے، ذیل کی سطریں پڑھنا کافی ہے، توقع ہے کہ اِس سے متن میں ذکر کردہ تفصیل کا اختصار قاری کے ذہن میں آسانی سے سمٹ آئے گا۔

حال آں کہ یہود ونصاری میں تاریخ کے اکثر ادوار میں باہم نہ صرف فکری؛ بل کہ ہر سطح پر تصادم کی کیفیت جاری رہی؛ لیکن مسلمانوں سے چوں کہ یہودیوں کو دیرینہ پرخاش رہی تھی؛ اِس لیے صلیبی جنگوں میں، یہودیوں نے کھل کر عیسائیوں کا ساتھ دیا اور مسلمانوں کے خلاف، عیسائیوں کے شانہ بشانہ لڑتے رہے؛ لیکن شیرِ اسلام حضرت صلاح الدین ایوبی نے عیسائیوں، رومیوں اور یہودیوں کو عبرتناک شکست سے دوچار کیا اور یوں یہودیوں کو بھی عرب ممالک سے نکلنا پڑا اور یہ روس، جرمنی، ہالینڈ، انگلینڈ اور فرانس منتقل ہوگئے۔ ان کی اکثریت خصوصاً امیر یہودی برطانیہ میں مقیم ہوئے اور وہاں کی اقتصادیات، نائٹوں، ڈیوکوں کی محلاتی سیاست میں دخیل ہوئے، تاہم عوام کے غم وغصہ کی تاب نہ لاتے ہوئے ۱۲۹۰ء میں برطانیہ بدر ہوئے۔ فرانس پہنچے وہاں سے ۱۳۰۶ء میں نکالے گئے۔ بلجیم میں جمع ہوئے تو ۱۳۷۰ء میں ←

فوجیں بدنظمی، ناتجربہ کاری اور قیادت کی ناکامی کا اعلیٰ نمونہ تھیں۔ اُن میں سے کچھ افواج استعمار کے زیرِ اثر تھیں اور اُس کے افکار و خیالات کی مؤید۔ صہیونی فلسطین کی ۷۷ فی صد اراضی پر قابض ہو گئے۔ انھوں نے ۸ لاکھ فلسطینیوں کو، اُن کے گھروں سے کھدیڑ دیا اور ۱ لاکھ ۲۵ ہزار یہودیوں پر مشتمل اپنی ریاست، فلسطینیوں سے چھینی گئی زمین پر قائم کرلی۔ مقبوضہ علاقے میں موجود ۵۸۵ فلسطینی گاؤں میں سے ۴۷۸ گاؤں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ ۳۴ مقتل انھوں نے قائم کیے، جہاں فلسطینیوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیا گیا۔ فلسطین کی باقی ماندہ زمین، یعنی مغربی کنارے کی ۵۸۷۸ مربع کلومیٹر کی زمین کو اردن نے باقاعدہ اپنی ریاست کا حصہ بنالیا، جب کہ غزہ پٹی کی ۳۶۳ مربع کلومیٹر کی زمین کو مصر نے اپنے زیرِ انتظام کرلیا۔

← چلتا کیے گئے، اس کے بعد انھیں کہیں مستقل ٹھکانہ میسر نہ آیا۔ چناں چہ چیکوسلواکیہ سے ۱۳۸۰ء، ہالینڈ سے ۱۴۹۴ء، روس سے ۱۵۱۰ء، اٹلی سے ۱۵۴۰ء اور جرمنی سے بھی ۱۵۵۱ء میں دیس نکالا ملا۔ یہ صدیوں خانہ بدوشوں کی طرح اِدھر اُدھر پھرتے رہے آخر کیوں؟ صرف اور صرف اِس لیے کہ یہ خود کو دنیا کی افضل ترین قوم سمجھتے تھے، دیگر معاشروں میں ضم ہونا انھیں منظور نہ تھا۔ مسلمانوں کے تو یہ ازلی دشمن تھے اور چوں کہ اس دور میں عرب ایک ترقی یافتہ، بہادر اور فاتح قوم تھے، اِس لیے ان کے خوف سے کوئی بھی ملک انھیں ٹکنے نہیں دیتا تھا۔ لیکن جوں ہی مسلمانوں کا زوال شروع ہوا یہودی برطانیہ، فرانس، روس اور امریکہ میں قدم جماتے گئے۔

صہیونی تنظیم کے قیام کا پہلا قدم ''روم اور یروشلم'' نامی کتاب کو قرار دیا جانا چاہیے، جسے ایک یہودی مصنف موسیٰ ھیس نے ۱۸۶۲ء میں لکھا اور اس میں بھٹکتے یہودیوں کو قومیت کا احساس دلایا، انھیں مجتمع کرنے اور دوسری اقوام کے ساتھ مل جل کر رہنے کی ترغیب دی۔ دوسرا قدم یقیناً روسی یہودی مصنف لیو پنسکر کی کتاب ''خود کار نجات'' کا ہے جو ۱۸۸۲ء میں شائع ہوئی۔ اس روسی یہودی نے اِسی پر اکتفا نہیں کیا؛ بل کہ اپنی بھرپور کاوشوں سے ۱۸۸۴ء میں جرمنی میں یہودی نیشنل کانفرنس منعقد کی، جس میں الگ وطن کے لیے متعدد ضابطے ترتیب دیے گئے۔ ان ضابطوں میں دوسرے معاشروں میں مل جل کر رہنا، نئی نسل کو سائنسی تعلیم اور حکومتوں میں اچھی اسامیاں حاصل کرنا اور باعزت مقام پیدا کرنے پر زور دیا گیا۔ اِس کانفرنس کے نتیجے میں ہر ملک، ہر شہر، جہاں یہودی آباد تھے جماعتیں اور لیگیں بننے لگیں۔ روس میں ۱۸۸۷ء میں ''صہیون محبان'' پارٹی وجود میں آئی، اس کا تو پیغام ہی یہ تھا کہ یہودی زیادہ سے زیادہ فلسطین میں آباد ہوں؛ تاکہ وہاں مستقبل میں اپنا وطن قائم کیا جائے۔ اس کے تقریباً ۹ برس بعد ۱۸۹۶ء میں تھیوڈور ہرزل نامی یہودی ←

دوسری طرف اقوام متحدہ نے اس شرط کے ساتھ، اِسرائیل کو اقوام متحدہ کا رکن تسلیم کرلیا کہ وہ خانما برباد فلسطینیوں کو دوبارہ اپنے اپنے گھروں کو واپس آجانے کی اجازت دے دے گا؛ لیکن اِسرائیل کو یہ بات نہ ماننا تھی نہ اس نے مانی۔

(۲۰) ۱۹۴۸-۱۹۶۷ء کے درمیان کا عرصہ ''جنگ کی قومیت'' اور ''اتحاد ہی راہِ آزادی ہے'' کا عرصہ رہا۔ جمال عبدالناصر (۱۹۱۸-۱۹۷۰ء) کی قیادت میں عربی

← نے ''یہودی ریاست'' کے عنوان سے کتاب لکھی جسے روس، امریکہ اور یورپ میں اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ اس کے کئی ایڈیشن نکلے اور تھیوڈور ہرزل کو عظیم رہنما اور بڑے بڑے القاب سے نوازا گیا۔ حقیقتاً یہی وہ پہلا شخص تھا جس نے یہودی ریاست کا واضح خاکہ پیش کیا اور تمام عواقب وعوامل پر تفصیلاً بحث کی۔ جب تھیوڈور ہرزل کو انتہائی پذیرائی ملی، تو اس نے یہودیوں کے بین الاقوامی کنونشن کے لیے راہ ہموار کی اور بالآخر ۱۸۹۷ء میں سوئٹزرلینڈ کے شہر ''باسل'' میں یہودیوں کی پہلی عالمی کانفرنس کے متعدد اجلاس ہوئے جس میں یہودیوں کی ایک بین الاقوامی تنظیم تشکیل دی گئی جس کا نام یروشلم کے نزدیک ایک پہاڑی صہیون کے نام پر ''صہیونیت'' تجویز کیا گیا۔ صہیونیت کے بانی تھیوڈور ہرزل نے اس تنظیم کے لیے بہت سے پروٹوکول بھی بنائے، ایک فنڈ قائم کیا گیا جس کا نگراں یورپ کا بہت بڑا یہودی بینک کار لارڈ روتس چائلڈ مقرر ہوا۔ چائلڈ نے ہر یہودی پہ اپنی آمدنی کا ۲ فی صد یہودی بینکوں میں جمع کرانا لازم ٹھہرایا۔ بینکوں نے سود کا چکر چلایا اور یوں چند سالوں میں ہی صہیونیت کا فنڈ اربوں میں جا پہنچا۔

صہیونیت کو خطیر رقم میسر آئی، تو اسے وطن خریدنے کی سوجھی چناں چہ ۱۹۰۲ء میں ہرزل کی سربراہی میں ایک وفد سلطان عبدالحمید سے فلسطین میں اسرائیلی ریاست قائم کرنے کے لیے ترکی پہنچا؛ لیکن سلطان نے ان کی ہر بڑی سے بڑی پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ تاہم یہ فتنہ گر آرام سے نہیں بیٹھے، انھوں نے عربوں اور ترکوں کو باہم ٹکرانے اور برطانیہ سے مدد کا منصوبہ تیار کیا۔ پہلی جنگِ عظیم میں ترکی نے جرمنی کا ساتھ دیا؛ لیکن لارنس نے عربوں کو جھوٹے وعدوں کے ذریعہ برطانیہ کی مدد پہ آمادہ کرلیا۔ ایک عیار یہودی کیمسٹ ڈاکٹر ویزمین نے اپنی بارودی دریافت کے بدلے برطانیہ کو زیر احسان کیا، جس کے نتیجے میں ''اعلان بالفور'' مرتب ہوا، جس کی توثیق فروری ۱۹۱۸ء میں فرانس، مئی ۱۹۱۸ء میں اٹلی اور ۱۹۲۲ء میں امریکہ نے کردی۔ اِس طرح گویا پوری مغربی دنیا، یہود کی پشت پناہ بن گئی اور یہی وہ دور ہے جب یہودیوں کے ایک خفیہ اجلاس میں باقاعدہ قرارداد کے ذریعے، یہ طے پایا کہ ''چوں کہ یہ دنیا اور اس کی ہر شے خدا کی ہے اور خدا صرف بنی اسرائیل کا ہے، اس لیے اس دنیا میں صرف ہم کو حکم رانی کا حق ہے۔''

یہاں ذرا لمحہ بھر کے لیے ضرور رُکیے اور سوچیے کہ ایک ایسی خانہ بہ دوش قوم جس کا کوئی ملک ہی نہ تھا، وہ اس وقت کی مضبوط ترین اقوام کی موجودگی میں دنیا پہ حکم رانی کی قرارداد پاس کررہی ہے۔ مزید یہ کہ اس کو عملی جامہ پہنانے ←

حکومتوں نے اسرائیل سے تصادم کی طرف پیش رفت کی، قومی فلسطینی قیادت کا کردار اِس اثنا میں پس گردی کا شکار رہا۔ عربی حکومتوں کے ہاں مؤثر طریقۂ کار، سنجیدگی اور اسرائیل سے فیصلہ کن جنگ لڑنے کے تعلق سے، سچے اِرادے اور پکی عزیمت کی کمی تھی۔ حکمتِ عملی اور مرحلہ پسندی کے تحت، فلسطینی مزاحمت بھی شکست وریخت کا شکار تھی، چناں چہ اُس کے پاس کوئی جامع منصوبہ اور حکمتِ عملی نہ تھی، اُس نے صرف عوامی جذبات کو بھڑکانے کا کام کیا اور اِسی میں تمام تر انہماک کی وجہ سے، اُس نے جنگ کی کسی تیاری کی کبھی نہ سوچی۔ جب کہ نوخیز اِسرائیلی ریاست، اپنے دست وبازو کو مسلسل مضبوط کیے جارہی تھی۔

عوامی مزاحمت اور تنظیمِ آزادیٔ فلسطین

(۲۱) ۱۹۶۴ء میں، احمد شقیری کی صدارت میں تنظیمِ آزادیِ فلسطین کی بنیاد پڑی۔ اِس کی اساس گزاری میں جمال عبدالناصر نے بہ راہ راست مدد دی تھی؛ کیوں کہ

← کے لیے چند ''خودکار اسکیمیں'' بھی بنائی گئیں۔ مثلاً عالمی بینک کاری پر مکمل کنٹرول؛ ذرائع نشر واشاعت، صحافت پر قبضہ؛ اپنی مرضی کی خبریں دینا اور من پسند لٹریچر کی تشہیر؛ مذاہب کے برعکس نئے تخریبی فرقوں کی تشکیل؛ جہاد کو جنگل کا قانون اور انسان دشمن جذبہ قرار دینا؛ کلیدی عہدوں پر فائز ہونا اور صنعت وتجارت پہ اپنی مکمل اجارہ داری۔ اگرچہ یہ قراردادیں ۱۹۰۱ء اور ۱۹۰۳ء میں تیار ہوئیں، تاہم تقریباً پندرہ سال بعد ۱۹۱۷ء میں منظر عام پر آئیں جب روس میں سرخ انقلاب آیا۔ جس کی قیادت لینن اور ٹرائیگی نے کی جو دونوں یہودی تھے۔ صرف یہی نہیں کارل مارکس بھی کٹر یہودی تھا اور اسٹالن بھی یہودنواز تھا۔ ان سب نے مل کر کمیونزم کی آڑ میں، جس طرح روسی مسلمانوں پر مظالم ڈھائے، اس کی مثال نہیں ملتی۔ عالمی بساط پہ یہود ونصاریٰ، روس اور اُن کے حواری جھوٹ، مکروفریب اور انسانیت کی تذلیل کا کھیل کھیلتے رہے اور بالآخر جنرل اسمبلی میں ۱۴؍مئی ۱۹۴۸ء کو چھ بج کر گیارہ منٹ پر امریکی نمایندے مسٹر آسٹن کا نائب پروفیسر فلپ پریشان حال اٹھا اور یہودی ریاست ''اسرائیل'' کے قیام کو تسلیم کرنے کا اعلان کردیا۔ اِس کے فوراً بعد روس نے بھی تسلیم کرلیا اور یوں فلسطین کے قلب میں ایک سفید جھنڈا اُبھرا، جس پر چھ کونوں والا نیلا تارا بنا ہوا تھا۔ بے شک یہ عالمی صہیونیت کی پروپیگنڈہ مشینری کا کارنامہ تھا، جس میں دنیا کے ہر ملک، ہر شہر میں ہر یہودی مرد وزن نے عیاریوں، مکاریوں اور انسانیت سے بعید ترین مکروہ کردار ادا کیا، تب ہی تو اسرائیل وجود میں آیا۔ اسرائیل کا یہ شجر خبیث سامراجیوں کی شہ پہ جب سے لگا ہے تب سے اب تک، لاکھوں عربوں کا خون پی چکا ہے۔ طرفہ تماشا یہ کہ یہودی ۱۹۴۸ء والے اسرائیل پہ ←

اُنھیں یہ اندیشہ تھا کہ قضیہ فلسطین کی زمام اب اُن کے ہاتھ سے نکل جارہی ہے؛ کیوں کہ فلسطین میں اُن دنوں خفیہ تحریکوں اور سرگرم تنظیموں کی باڑھ سی آئی ہوئی تھی، خصوصاً ''فتح'' تحریک کا بڑا زور تھا، جو ۱۹۵۷ء میں معرضِ وجود میں آئی تھی۔ تنظیم آزادیِ فلسطین کا اصل ہدف ۱۹۴۸ء میں صہیونیوں کے ذریعے قبضہ کردہ زمین کی بازیابی تھی۔ اُس کے چارٹر میں آزادی کی واحد راہ کے طور پر، مسلح جدّ وجہد پر ہی زور دیا گیا تھا۔ فلسطینیوں نے عام طور پر اِس تنظیم کو خوش آمدید کہا؛ کیوں کہ عرصے کے بعد یہ قومی فلسطینی وجود کے دور اُفق پر، امید کی ایک کرن بن کر طلوع ہوئی تھی۔ ۱۹۶۸ء میں ساری رضا کارانہ فلسطینی تنظیمیں، جن

→ بھی قانع نہیں؛ بل کہ وہ تو دنیا پہ حکم رانی کے پہلے مرحلے کے لیے، عظیم تر اسرائیل کے مجوزہ خاکے کے مطابق، صحرائے سینا، نہر سویز کے دونوں کنارے بہ شمول پورٹ سعید، قاہرہ، خلیج سویز اور بحیرہ احمر کا کچھ حصہ، شمالی حجاز، نجد مع مدینہ، کویت، عراق، اردن، شام، لبنان اور ترکی کے جنوبی حصے، کوہِ ارارات پر نیلا تارا چمکانا چاہتے ہیں۔

خود کو مہذب دنیا کی مہذب اقوام کہلانے والوں نے فلسطین کو تقسیم کرنے اور اسرائیل قائم کرنے میں جس عجلت، ڈھٹائی اور بے انصافیوں کا مظاہرہ کیا، یقیناً قیامت تک ایسی مثال ملنا ناممکن رہے گا۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے فیصلے، خود اس کے دستور کے مطابق ان کا نفاذ لازم نہیں آتا، جب کہ اس مخصوص فیصلے میں تو حالت یہ تھی کہ خود اس ادارے کے بنیادی اصولوں کی خلاف ورزی کی گئی اور عوام سے ان کی آزادی اور خود اختیاری کا حق چھین لیا گیا۔ اس غیر منصفانہ فیصلے کے مطابق، فلسطینیوں کی اکثریت کو نظر انداز کر کے یہودی اقلیت کو زمین کا ۵۴ فی صد حصہ عطا کیا گیا، جب کہ ان کے پاس اس وقت محض ۵٫۶ فی صد زمین تھی اور وہ کل آبادی پر ۳۱٫ اعشاریہ صد تھے۔ تقسیم فلسطین کے اعلان کے ساتھ ہی، جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ قلیل تعداد میں خود ساختہ ''جیش الانقاذ'' اور فلسطینی فوج ''الجہاد للقدس'' نے پہلے چھ ماہ بہت کام یابیاں حاصل کیں اور عرب ممالک کی طرف سے دیے گئے ناقص اسلحے کے باوجود، ۸۲ فی صد رقبہ بچا لیا۔ صرف مصر کی جماعت ''الاخوان المسلمون'' نے ہی فلسطین کے تحفظ کے لیے بہترین کوشش کی۔ ان کے رہنما مرشد حسن البنار نے اکتوبر ۱۹۴۸ء میں ہزاروں جاں بازوں کا دستہ روانہ کیا، ان میں سے گنتی کے مجاہدین مصری حکومت کی پابندیوں سے بچ کر پہنچے اور میدان جنگ میں انتہائی بہادری سے لڑے۔ سیکولر مصری حکومت نے لڑائی کے دوران ہی، بہت سے مجاہدین کو گرفتار کر کے، جیلوں میں ڈال دیا اور اخوان المسلمون پر سخت پابندی لگادی اور ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے ساتھ جنگ بندی کے شرم ناک معاہدے سے، چند روز پہلے قائد اخوان حسن البنار کو شہید کر دیا۔ فرعونوں کی سرزمین میں فرعونیت سے نسبت جوڑنے والوں سے، نہ تب خیر کی امید تھی نہ اب ہے۔ (اسحاق طور: فلسطین اور قبلۂ اوّل کی آزادی، سہ روزہ دعوت، نئی دہلی، شمارہ ۸۴، جلد ۵۵)

میں سرفہرست ''فتح'' تحریک تھی، تنظیمِ آزادیِ فلسطین میں ضم ہو گئیں۔ ''فتح'' کے سربراہ یاسر عرفات نے فروری ۱۹۶۹ء سے تنظیم کی قیادت کی۔ ۱۹۷۴ء میں عربی حکومتوں نے اِس تنظیم کو فلسطینیوں کی واحد قانونی نمایندہ تنظیم تسلیم کرلیا۔ اِسی سال اقوامِ متحدہ میں، اِس کو نگراں رکن کے طور پر نمایندگی دی گئی۔

(۲۲) جون ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں عربی حکومتوں کو زبردست ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا۔ چند ہی روز میں فلسطین کے باقی ماندہ حصوں پر بھی اسرائیل نے قبضہ کرلیا۔ مغربی کنارہ جس میں قدس شریف داخل ہے، نیز غزہ پٹی، دونوں اسرائیل کے قبضے میں آگئے۔ ۳لاکھ ۳۰ ہزار فلسطینی خانما برباد ہوگئے، نہ صرف یہ ہوا؛ بل کہ سیریا کے جنگی اہمیت کے حامل علاقہ گولان کی پہاڑی پر بھی اسرائیل نے قبضہ کرلیا، جس کا رقبہ ۱۱۵۰ مربع کلومیٹر پر پھیلا ہوا ہے، اِسی طرح مصر کے اہم خطے، صحرائے سینا پر قبضہ کرلیا، جس کا رقبہ ۶۱۱۹۸ مربع کلومیٹر پر محیط ہے۔

فلسطین کی یہودی کاری اور فلسطینی پناہ گزینوں کا مسئلہ:

(۲۳) صہیونی ریاست نے فلسطینی زمینوں کو بہت زور و شور سے یہودیانے کا عمل نہ صرف جاری رکھا؛ بل کہ فلسطین کی اِسلامی پہچان اور اُس کے تہذیبی نقوش کو مکمل طور پر مٹادینے کی کوشش کی، چناں چہ اُس نے ۱۹۴۸ء میں غصب کردہ زمینوں میں سے ۹۷ فی صد اراضی کو ہتھیالیا، جن میں ملک بدر کردیے جانے والے فلسطینیوں کی جایداد و املاک اور اسلامی اوقاف کی املاک کے ساتھ وہاں رہ رہے اکثر عربوں کی جایداد بھی شامل تھی۔ جب کہ ۱۹۶۷ء میں قبضہ کردہ زمینوں میں سے مغربی کنارے کی ۶۰ فی صد زمینوں کو اسرائیل نے ضبط کر کے وہاں ۱۹۲ کالونیاں بناڈالیں، اِسی طرح غزہ پٹی کی ۴۰ فی صد اراضی کو ہتھیا کر اُس پر ۱۴ کالونیاں تعمیر کرلیں۔ صہیونی ریاست نے جہاں خانما برباد پناہ گزیں فلسطینیوں پر، فلسطین واپسی کا دروازہ یکسر بند رکھا، وہیں دنیا کے کونے کونے سے

یہودیوں کو نہ صرف فلسطین میں آبسنے کی ترغیب دی؛ بل کہ اُن کے لیے ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔ چناں چہ ۱۹۴۹ء اور ۲۰۰۰ء کے عرصے میں ۲۸ لاکھ یہودیوں نے فلسطین کو مہاجرت کی، جس سے ریاستِ اسرائیل میں یہودیوں کی آبادی تقریباً ۵۰ لاکھ ہوگئی۔

(۲۴) صہیونیوں نے شہر قدس کی یہودی کاری پر پورا زور صرف کیا، چناں چہ انھوں نے اُس کے ۸۶ فی صد حصے کو ہتھیا کر اُس کو یہودی مہاجرین سے پاٹ دیا۔ ۲۰۰۰ء کی مردم شماری کے مطابق، شہرِ قدس میں صرف ۲ لاکھ فلسطینی ہیں، جب کہ یہودیوں کی تعداد ۴ لاکھ ۵۰ ہزار ہے۔ مسجدِ اقصی کے علاقے میں، یعنی مشرقی شہر قدس میں تقریباً ۲ لاکھ یہودیوں کو بسا کر، اُس کو یہودی کالونیوں سے گھیر دیا ہے، اِس طرح یہ خطہ اِسلامی عربی دائرے سے بالکلیہ الگ تھلگ ہوگیا ہے۔ یہودیوں نے شہرِ قدس کو صہیونی ریاست کا دائمی دارالحکومت اِعلان کردیا ہے۔ صہیونی یہودیوں کی مسجد اقصی پر قبضہ کرنے کی بھی کوشش رہی، چناں چہ دیوارِ بُراق کے نام سے موسوم مسجدِ اقصی کی مغربی دیوار کو انھوں نے اپنے قبضے میں کرلیا ہے، اُس کے متصل ''مغاربہ'' محلے کو مٹا کر اُس کی اراضی کو ضبط کر کے، اب تک وہاں پر مسجدِ اقصی کے نیچے کھدائی کے دس مرحلے، اُنھوں نے مکمل کرلیے ہیں۔ چار ایسی سرنگیں زیرِ مسجدِ اقصی کھود ڈالی ہیں، جن کی وجہ سے کسی بھی لمحہ مسجد کے منہدم ہوجانے کا خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔ ۲۵ یہودی تنظیمیں مسجدِ اقصی کو مسمار کر کے، اُس کی جگہ پر یہودی معبد تعمیر کرنے کے لیے، سرگرمِ عمل ہیں۔ ۱۹۶۷ء سے ۱۹۹۸ء کے عرصے میں مسجدِ اقصی کو نقصان پہنچانے والی ۱۱۲ سے زیادہ کارروائیاں صہیونیوں نے انجام دی ہیں، جن میں سے ۷۲ کارروائیاں ۱۹۹۳ء کے معاہدۂ اُوسلو کے بعد زیرِ عمل لائی گئی ہیں۔ مشہور ترین ظالمانہ کارروائی جو مسجدِ اقصی کے خلاف یہودیوں نے انجام دی، وہ ۲۱ راگست ۱۹۶۹ء کی کارروائی تھی۔

(۲۵) فلسطینی پناہ گزینوں کو بیرونِ فلسطین کسی اور ملک یا ملکوں میں بسانے کے حوالے سے، اب تک کے ۲۴۳ منصوبوں کو مسترد کرتے ہوئے، اُنھوں نے اپنے وطن

واپس آکر دوبارہ بود و باش اختیار کرنے کے، اپنے جائز حق پر جمے رہنے کے پختہ اور غیر متزلزل عزم کا مسلسل اظہار کیا ہے۔ لائقِ ذکر ہے کہ اقوام متحدہ نے خود ۱۱۰ سے زائد قراردادیں، فلسطینیوں کی اپنے وطن کو واپسی کے حق کے تعلق سے پاس کی ہیں؛ لیکن صہیونیوں نے اُن میں سے ہر ایک کو پائے حقارت سے ٹھکرادیا ہے؛ کیوں کہ بڑے ممالک نے اِس سلسلے میں کوئی سنجیدگی دکھائی نہ عالمی برادری نے صہیونی ریاست کو اِس حوالے سے مجبور کیا کہ اُس کو اُنھیں ماننے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہو۔

تقریباً ۵۰ لاکھ فلسطینی پناہ گزینی، کس مپرسی اور فقر و فاقے کی زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ تعداد اُن ۱۰ لاکھ باشندگانِ مغربی کنارہ اور غزہ پٹی کے علاوہ ہے، جنھیں اپنے گھروں کو، اِسرائیل کی طرف سے لوٹنے کی اجازت نہیں۔ یاد رہے کہ فلسطینی پناہ گزینوں کی اپنے گھروں کو واپسی بیسویں صدی اور اب اکیسویں صدی کا سب سے دیرینہ، دراز اور تکلیف دہ انسانی مسئلہ ہے، جس سے انسانی برادری بڑے بڑے خوش نما دعووں کے باوجود، چپ سادھے اور آنکھیں موندے بیٹھی ہوئی ہے۔

(۲۶) ۱۹۴۹ء سے بیسویں صدی کی ساتویں دہائی تک اقوام متحدہ، مسئلہ فلسطین کو، پناہ گزینوں کا مسئلہ باور کرتی رہی ہے اور اِسی حیثیت سے اس سے نمٹتی رہی ہے۔ ۱۹۷۴ء سے اُس نے اپنی جنرل اسمبلی سے بھاری اکثریت سے قراردادیں پاس کیں، جن میں فلسطینیوں کو خود مختاری کا حق دیا گیا ہے اور غصب کردہ حقوق کی بازیابی کے لیے مسلح جدوجہد کے قانونی جواز کو تسلیم کرتے ہوے، صہیونیت کو نسلی امتیاز کی صورتوں میں سے ایک صورت تسلیم کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی فلسطینیوں کی اپنے وطن کو واپسی کے حق کو، ناقابلِ تبدیل حق مانا گیا ہے؛ لیکن ریاست ہائے متحدہ امریکہ اِن قراردادوں کی معنویت کو ختم کردینے، اُن سے اِسرائیل کی طرف سے پیہم چشم پوشی کیے رہنے اور اُن میں سے ہر ایک کو ویٹو پاور کے ذریعے برپا نہ ہونے دینے کی، راہ پر چلتا رہا ہے۔ دوسری طرف ریاست ہائے متحدہ اور عالمی برادری، نہ صرف صہیونی ریاست کے قیام؛ بل کہ اُس کے

استحکام کے لیے، ہر طرح کا قانونی جتن کرتی رہی ہے، جس سے عالمی برادری کے دوہرے پن اور امریکہ کے نفاق اور دوغلے پن کا بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے۔

(۲۷) ۱۹۶۷ء تا ۱۹۷۰ء کا عرصہ رضا کارانہ عمل اور فلسطینی مزاحمت کے تعلق سے سنہرا دور تھا؛ لیکن ۱۹۷۰ء سے فلسطینی مزاحمت کو اردن کی سرزمین استعمال کرنے کی اِجازت نہیں رہی۔ اِس کے بعد صرف لبنان کے ذریعے اپنی کارروائیاں انجام دینے کی راہ اُس کے لیے کھلی رہ گئی تھی؛ لیکن ۱۹۷۵ تا ۱۹۹۰ء کی مدت میں لبنان کی خانہ جنگی کے دوران، فلسطینی مزاحمت کو وہاں بھی لوہے کے چنے چبانے پڑے تھے: کیوں کہ اُس کو بار بار نشانہ بنایا گیا اور اُس کی بیخ کنی کی پیہم کوششیں کی گئیں۔ ۱۹۷۸ء میں صہیونی ریاست کی طرف سے جنوبی لبنان پر حملے اور قبضے، پھر ۱۹۸۲ء میں اُس کی طرف سے کارندہ سیکورٹی پٹی کے قیام کی وجہ سے، مزاحمت کا اسٹرکچر بری طرح تباہ ہو گیا، بالآخر تنظیمِ آزادیِ فلسطین کو لبنان سے اپنے سپاہیوں کو نکال لینا پڑا۔ اِس طرح پہلی بار یہ ہوا کہ فلسطینی مزاحمت کے لیے ساری صہیونی سرحدیں مسدود ہو گئیں۔

(۲۸) بالعموم فلسطینی تحریکِ انقلاب کو اپنے عرب برادر ملکوں کی طرف سے بڑی مخالفت کا سامنا رہا، جس کی وجہ سے اُس کی توانائیوں کا ضیاع ہوتا رہا اور عربی حکومتوں کے ساتھ خون ریز تصادم کی وجہ سے، جانی خسارے سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ اِن عربی حکومتوں نے تحریکِ انقلاب کو سِدھانے، اپنے کنٹرول میں لینے، بہ جبر اُس کا ترجمان بننے اور اُس کے کندھے پر بندوق رکھ کر اُس کو چلانے کی کوشش کی۔

اکتوبر ۱۹۷۳ء کی جنگ کے بعد، جس میں مصر اور سیریا کے حق میں بہت سی معنوی کامیابیاں بہ روے کار آئیں اور ۱۹۷۴ء میں تنظیمِ آزادیِ فلسطین کو، فلسطینیوں کی واحد قانونی نمایندہ تنظیم مان لیے جانے کے بعد، فلسطین کے تعلق سے عربوں کا اِحساسِ ذمے داری کم زور پڑنے لگا۔ ستمبر ۱۹۷۸ء میں مصر کی طرف سے صہیونی وجود کے ساتھ تنہا ''کیمپ ڈیوڈ معاہدے'' پر دستخط کر دینے کے بعد، عربی صہیونی کش مکش سے، سب سے

بڑی عربی طاقت دست کش ہوگئی۔ ۱۹۸۰ تا ۱۹۸۸ء جاری رہنی والی عراق ایران جنگ کی وجہ سے تیل کی قیمتوں میں زبردست گراوٹ آگئی، جس کے نتیجے میں فلسطینی تحریک انقلاب کی مالی مدد بہت محدود ہوکر رہ گئی۔ ۱۹۹۰ء میں کویت پر عراق کے حملے کی وجہ سے، جو خلیجی جنگ پر منتج ہوئی اور جس کی وجہ سے عربی اسلامی صفوں میں ایسا انتشار رونما ہوا، جس کی نظیر ماضی میں نہیں ملتی، نیز سویت یونین کے زوال اور مشرقی بلاک کی شکست کے بعد، یک قطبی دنیا میں جو تباہ کن حالات و واقعات رونما ہوے، کی وجہ سے فلسطینی مزاحمت کی رہی سہی طاقت بھی بکھر گئی اور تنظیمِ آزادیِ فلسطین صلح و امن اور معاہدوں کی راہ پر چل پڑی۔ بالآخر اُس کی سرگرمیاں ''سیاسی امکان'' کے دائرے میں سمٹ کر رہ گئیں۔ یہ اِس لیے بھی ہوا کہ تنظیم کی قیادت میں اپنی بقا اور فلسطینیوں کی نمایندگی کی زمام اپنے ہاتھ میں لیے رہنے کے لیے، اپنے بعض ٹھوس اُصولوں سے دست برداری کا ذاتی رجحان پیدا ہو گیا تھا۔

صہیونی ریاست کے ساتھ امن پسندانہ سمجھوتہ

(۲۹) تنظیم آزادیِ فلسطین کی کم زوری میں اِضافے کے ساتھ ساتھ، صہیونی ریاست کے ساتھ امن پسندانہ صلح صفائی کا رجحان رکھنے والے دھڑے کی تعداد میں اِضافہ ہوتا گیا، یہاں تک کہ نومبر ۱۹۸۸ء میں تنظیم نے، اقوامِ متحدہ کی قرارداد (۱۸۱) کو تسلیم کرلیا، جس میں فلسطین کو عربوں اور یہودیوں کے درمیان تقسیم کردیے جانے کی بات کہی گئی ہے۔ نیز تنظیم نے، اقوامِ متحدہ کی قرارداد (۲۴۲) جاری کردہ نومبر ۱۹۶۷ء کو بھی مان لیا، جس میں قضیہ فلسطین کو محض پناہ گزینوں کا قضیہ باور کیا گیا ہے اور اِس قضیے کو امن پسندانہ راہوں سے حل کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اکتوبر ۱۹۹۱ء میں تنظیم اور عرب ممالک نے صہیونی ریاست کے ساتھ ''مڈریڈ'' میں براہ راست صلح و امن کے مذاکرات کا سلسلہ شروع کیا۔ تقریباً دو سالہ مذاکرات کے نتیجے میں تنظیم، ریاستِ اسرائیل کے ساتھ، کسی معاہدے کے نتیجے تک نہیں پہنچ سکی۔ ہاں دسمبر ۱۹۹۲ء میں رازدارانہ مذاکراتی چینل

کے ذریعے، بندراہ کچھ کھلتی نظر آئی، جس کے نتیجے میں ''اُوسلو معاہدہ'' یا ''پہلے غزہ-اریحا معاہدہ'' عمل میں آیا، جو ناروے کے شہر ''اُوسلو'' میں بہ روے کار لایا گیا، جس پر تنظیم نے سرکاری طور پر صہیونی ریاست کے ساتھ، واشنگٹن میں ۱۳ ستمبر ۱۹۹۳ء میں دستخط کیے۔

(۳۰) ''غزہ-اریحا'' معاہدے کی رو سے، تنظیم نے اسرائیل کے وجود کے حق کو تسلیم کرلیا، یہ ہی نہیں؛ بل کہ اَرضِ فلسطین کے ۷۷ فی صد حصے پر اُس کے قبضے اور ملکیت کے جواز کو بھی سندِ تسلیم عطا کردی۔ ساتھ ہی تنظیم نے مسلح مزاحمت اور انتفاضے سے دست برداری کا اپنے کو پابندِ عہد کرلیا اور سارے فلسطین کی آزادی کے سارے دعووں سے دست کش ہوجانے اور اپنے قومی چارٹر سے، صہیونی ریاست کی تباہی اور اُس کو مٹاڈالنے کی بات کی مکمل منسوخی کا اعلان کرتے ہوے، سارے مسائل کو پر امن راہوں سے حل کرنے کا پابند رہنے کی یقین دہانی کرادی۔ تنظیم کو اِس کے بدلے میں اسرائیل سے جو کچھ ملا وہ یہ کہ اس کو فلسطینیوں کا واحد قانونی نمایندہ مان لیا گیا اور غزہ پٹی اور مغربی کنارے کے کچھ ٹکڑوں پر، اس کو نام نہاد خود مختار حکومت قائم کرنے کا اختیار دیا گیا اور یہ کہ دگر بنیادی مسائل آیندہ ۵ سال کے دوران حل کرلیے جائیں گے۔

(۳۱) غزہ-اریحا معاہدے کے تعلق سے اہم ریمارکس اور اشارے

❁ فلسطینیوں کی طرف سے اِس معاہدے کو کتنا تسلیم کیا گیا تھا، اس کا اندازہ اِس سے کیا جاسکتا ہے کہ اِس کو صرف تنظیم کی قیادت کرنے والی تحریک ''فتح'' اور دو چھوٹے فلسطینی دھڑوں نے مانا تھا، جن کا عوام میں کوئی وزن نہ تھا یعنی ''فدا'' محاذ اور ''محاذِ قومی جدوجہد''۔ خود ''فتح'' کے اندر بہت سے دھڑوں نے اِس معاہدے اور اِس کی اساس پر ہونے والے دگر معاہدوں کی شدید مخالفت کی۔ جیسے ''فاروق قدومی'' ''ہانی حسن'' ''خالد حسن'' اور ''محمود غنیم'' وغیرہ نے۔

❁ فلسطینیوں کی اکثر تحریکیں اور مزاحمتی گروہ، اِس کے بالکل مخالف تھے اور ہیں،

جن میں تحریکِ ''حماس'' سرِ فہرست ہے۔ دگر باوزن طاقتوں اور تحریکوں نے بھی اس کو بالکل مسترد کر دیا تھا، جیسے ''عوامی محاذ'' ''جمہوری محاذ'' ''جہاد اسلامی'' اور دگر ساتت تنظیمیں۔

● معاہدے کا یہ منصوبہ ہی در حقیقت از اوّل تا آخر صہیونی ہے، جس کا مقصد گھنیری فلسطینی آبادی والے علاقوں کے بوجھ سے گلوخلاصی حاصل کرنا تھا، جہاں بہت سے اقتصادی اور سیکوریٹی کے مسائل ہیں۔ اسرائیل عرصے سے غزہ پٹی سے پلّو جھاڑنا چاہتا تھا؛ کیوں کہ یہ دنیا میں زبردست گھنیری آبادی والے خطوں میں سے ایک ہے؛ بل کہ کئی بار اُس نے یہ علاقہ مصر کے حوالے کرنے کی پیش کش کی؛ لیکن مصر اِس کے لیے کسی طرح تیار نہ ہوا۔

● اِس معاہدے کے لیے، تنظیم نے عوام سے کوئی رائے نہیں لی؛ بل کہ از خود یہ معاہدہ، تنِ تنہا کر لیا۔

● اِس معاہدے کی رو سے عملی طور پر فلسطینیوں کو، صہیونی ریاست کے زیرِ نگرانی اُس کے بہ راہ راست کنٹرول کے تحت، محدود اختیارات والی ''خود مختار حکومت'' کے قیام کا حق دیا گیا ہے۔ جائے حکومت پر بھی فلسطینیوں کو اقتدارِ اعلیٰ اور مکمل خود مختاری حاصل نہیں ہوگی، اُن کی حکومت، قانون سازی میں بھی صہیونی ریاست سے، رابطے اور ہم آہنگی کی پابند ہوگی۔

● اِس معاہدے میں بنیادی مسائل کے تئیں اِلتوا کی پالیسی اپنائی گئی ہے۔ فلسطینیوں کی مکمل آزادی پر منتج ہونے والی کسی صورتِ حال کا وعدہ نہیں کیا گیا ہے اور نہ مغربی کنارے اور غزہ پٹی سے اِسرائیل کے انخلا کی کوئی بات کہی گئی ہے۔ یہودی بستیوں کو ختم کرنے یا مشرقی قدس کو فلسطینیوں کے حوالے کرنے کے تعلق سے بھی مکمل خاموشی برتی گئی ہے۔ یاد رہے کہ مشرقی قدس میں ہی مسجدِ اقصیٰ واقع ہے۔ فلسطینیوں کی اپنے وطن کو واپسی کی بات بھی لپیٹ دی گئی ہے۔ مذاکرات کے سال ہا سال کے بعد بھی اب تک کوئی

مرکزی مسئلہ حل نہ ہوا، نہ اِس کی دور دور تک کوئی امید ہے؛ بل کہ صہیونی ریاست کی طرف سے مقبوضہ اَراضی کو یہودیانے کے تعلق سے ریس جاری ہے، اُس کو کسی معاہدے، وعدے، عالمی فیصلے اور عالمی برادری کی کسی مانگ کا کوئی پاس تھا نہ آیندہ ہوگا۔ فلسطینی مقتدرہ کو مغربی کنارے کی اَراضی میں سے انتظامی طور پر صرف ۴۲ فی صد اراضی پر کنٹرول دیا گیا ہے۔

* صہیونی ریاست کے خلاف کسی طرح کی فلسطینی جدوجہد، مسلح کارروائی اور انتفاضے کے تحت کیے جانے والے کسی بھی عمل کو کچل دینا، فلسطینی مقتدرہ کی مجبوری ہے؛ بل کہ اپنے ''خلوص'' اور نیک نیتی کو ثابت کرنے کے لیے، فلسطینی تنظیموں کے مجاہدین اور انتفاضہ کاروں کو گرفتار کرنا، جیل میں ڈالنا، سزا دینا، یا اِسرائیل کے حوالے کر دینا، فلسطینی مقتدرہ کی ذمے داری ہے؛ تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ اُس کو امن اور صلح سے دلچسپی ہے!!۔ اُس نے ۹ سیکورٹی اِدارے قائم کیے ہیں، جن کے ذریعے فلسطینی مسلمانوں کی سانسیں گنی جارہی ہیں اور اُن کی مصیبتوں سے بوجھل زندگی کو اور بوجھل بنایا جارہا ہے۔ لائقِ عبرت ہے کہ فلسطینی مقتدرہ اقتصادی، سیاسی اور اجتماعی میدانوں میں یکسر ناکام رہی ہے، حال آں کہ اِنھیں میدانوں میں اصلاً اُس کو اپنی کارکردگی ثابت کرنا چاہیے تھی۔ اُس کے سارے اِدارے بدعنوانیوں کی مثال بن گئے ہیں۔

* اِس معاہدے کی وجہ سے، دِگر اسلامی اور عربی ملکوں کے لیے، صہیونی ریاست کے ساتھ معاہدوں اور تعلقات کے قیام کے دروازے چوپٹ کھل گئے ہیں اور سارے عربی علاقوں میں اُس کی درآمد، اقتصادی رسوخ؛ بل کہ معاشی اقتدار اور قومی اِسلامی طاقتوں پر ضرب لگانے کی راہ، وا ہوگئی ہے۔

* اِس معاہدے کی وجہ سے تنظیمِ آزادیِ فلسطین، اپنی ذات، اپنے اہداف اور اپنے چارٹر کو یکسر مسترد کرتے ہوئے مسلح جدوجہد سے کنارہ کشی کی پابند ہوگئی ہے، جس کو اب ''دہشت گردی'' کا نام دے دیا گیا ہے۔ اسرائیل میں اُسی دن سے جشن کا سماں ہے

کہ تنظیم نے جو فلسطینیوں کی واحد نمایندہ جماعت تھی، فلسطینیوں کی اَراضی کو غصب کرتے رہنے، فلسطینیوں کو دربدر کر دینے اور اُن کے حقوق کو سلب کر لینے کی واضح طور پر منظوری دے دی ہے۔

(۳۲) صہیونی ریاست کے ساتھ، امن معاہدے کے تعلق سے، قابلِ اعتماد تمام علماے عرب و مسلمین نے عدمِ جواز کا فتوی دیا ہے۔ غصب کردہ فلسطینی اراضی کی بازیابی اور اسلام کے جھنڈے تلے اُن کی واپسی کے لیے مقدس جہاد کو لازمی قرار دیا ہے۔ اُنھوں نے عربوں کی اسرائیل کے ساتھ کش مکش کو حق و باطل کا تصادم مانا ہے، جو نسل در نسل مسلمانوں کو وراثت میں ملتا رہے گا، تا آں کہ اللہ جلّ شانہ اپنی قدرتِ کاملہ سے مسلمانوں کو فتح و غلبے سے ہم کنار کرے گا۔ مسلمانوں کی کسی نسل کو، جو ضعف اور ناتوانی اور بے سروسامانی سے دوچار ہو، آیندہ مسلمان نسلوں کو جہاد کے مقدس فریضے سے محروم کر دینے، یا اس کی راہ روک دینے کا حق حاصل نہیں۔ پیشِ نظر رہے کہ قضیہ فلسطین روئے زمین کے سارے مسلمانوں کا قضیہ ہے، جو اس سے کسی طرح بھی دست بردار ہونے کو تیار نہیں، خواہ اِس کے حل میں طویل زمانہ لگ جائے۔ یعنی یہ قضیہ صرف فلسطینیوں کا بھی قضیہ نہیں چہ جائے کہ تنظیمِ آزادیِ فلسطین اِس کو اپنا ذاتی مسئلہ تصوّر کر لے اور اُس کے جو جی میں آئے کرے۔

انتفاضہ اقصیٰ اولیٰ

(۳۳) ۱۹۸۷-۱۹۹۴ء کے انتفاضہ اولیٰ مبارکہ کے نتیجے میں، زبردست اِسلامی بیداری کی ایسی لہر پیدا ہوئی، جس نے فلسطینی مزاحمت میں ایک بنیادی عنصر کی حیثیت اختیار کر لی، خصوصاً ''اسلامی تحریکِ مزاحمت'' (حماس) کے ذریعے یہ بیداری ہر ایک اِسلام پسند فلسطینی کے دل میں ایمان و یقین کی ایسی چنگاری بن گئی، جس نے تذبذب، تردّد اور عدمِ یقین کے سارے اُثاثے کو خاکستر کر دیا۔ انتفاضے کی وجہ سے باہمی ہم دردی

اور قضیۂ فلسطین کے تئیں نہ صرف اسلامی و عربی صفوں میں؛ بل کہ عالمی برادری کی صف میں بھی از سرِ نو دلچسپی پیدا ہوئی؛ لیکن افسوس کے ساتھ یہ کہنا اور لکھنا پڑتا ہے کہ حالات کی ستم ظریفی اور فلسطینی و عربی قیادتوں کی ذہنیت نے انتفاضے کی سلگائی ہوئی آنچ کو وسعت پذیری اور آزادیِ فلسطین کے لیے مطلوبہ حد تک بے کراں ہو کر اپنی تاثیر دکھانے کا موقع نہ دیا؛ بل کہ غاصب صہیونی ریاست کے ساتھ امن معاہدے اور بے معنی تصفیے کی سمت میں، سرعت کے ساتھ سیاسی سطح پر فائدہ اٹھانے کے لیے، اُس کو منفی انداز میں استعمال کیا۔

(۳۴) ستمبر ۲۰۰۰ء میں شروع ہونے والے آخری انتفاضۂ اقصی نے، جو ہنوز جاری ہے، پوری طرح یہ ثابت کر دیا ہے کہ فلسطینی اپنی خاک کے حوالے سے، اپنے حق سے ذرہ برابر بھی دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں۔ اِس انتفاضے کے نتیجے میں مسلم عوام کی فلسطینیوں کے ساتھ بے پناہ ہم دردی اور برادرانہ و انسانی جذبات میں ہم آہنگی کے مظاہر دیکھنے کو ملے۔ اِس کی وجہ سے قضیۂ فلسطین کی اسلامی شناخت ایک بار اور پوری طرح اُجاگر ہوئی ہے۔ دوسری طرف نہ صرف صہیونیوں کی بربریت اور صہیونی امن پسندی کے کھوکھلے دعووں کی قلعی کھل گئی ہے؛ بل کہ تصفیے کے منصوبے کو زبردست طمانچہ رسید ہوا ہے، جو اُمّتِ مُسلمہ کے ناقابلِ تبدیل اصولوں اور ناقابلِ دست برداری حقوق کی قیمت پر بہ روے کار لایا جا رہا ہے۔

(۳۵) قضیۂ فلسطین، زبردست انسانی حیثیتوں کا حامل قضیہ ہے؛ کیوں کہ اِس کی شناخت حقوقِ انسانی کے نام نہاد دعوے داروں کے روبہ رو مظلوم کی فریاد کی ہے۔ نیز اِس سے عالمی برادری کے دوہرے پیمانوں اور جدید عالمی نظام کی بے طرح خرابیوں کا بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اِس سے ترقیِ علم و ہنر، ٹکنالوجی برتری اور انسانی حقوق کی پاس داری کے بے معنی دعووں پر بے تحاشا فخر کنندہ تہذیب کے گھناؤنے نفاق اور دوہرے پن کی بے ہودہ شرم گاہیں بے پردہ ہو جاتی ہیں، جس کو ۵۰ لاکھ پناہ گزینوں کو کھلے آسمان کے نیچے فرش زمین پر اپنے گھروں سے زبردستی نکال کر ڈال دیا جانا پسند ہو اور ۴۵۰۰ سو سال سے اپنے

وطن کو آباد کیے رکھنے والی قوم کو وہاں سے بہ زور بازو بھگا کر، دنیا کے کونے کونے سے فرسودہ و بے بنیاد دعووں کے تحت (جو نہ تو تاریخ کی منطق کے مطابق ہیں نہ جدید تمدنی اقدار سے ہم آہنگ ہیں نہ عالمی قوانین سے مطابقت رکھتے ہیں) ہر رنگ و نسل کے یہودیوں کا آبسنا نہ صرف گوارا ہو؛ بل کہ خوش آیند و خوش گوار ہو اور جس کو یہ بھی گوارا ہو کہ ارضِ مقدسہ کو بے گناہوں کے خون سے لالہ زار کیا جاتا رہے، جس کو محبت و امن کی زمین ہونا چاہیے۔ صہیونی تحریک اور اُس کا فلسطین پر قبضہ، درحقیقت اُس باقی ماندہ مغربی روایتی استعمار کا نمونہ ہے، جس کی بساط ساری دنیا سے لپٹ چکی ہے اور جلد یا بہ دیر، اِن شاء اللہ ارضِ فلسطین سے بھی لپٹ جائے گی۔

(۳۶) عالمِ اسلام کے قلب: فلسطین میں صہیونی ریاست کا وجود اور وسیع تر تباہی کے ہتھیاروں کا اُس کے ذریعے ذخیرہ کیا جانا، جن میں دو سو ایٹمی بم شامل ہیں اور اس کے اندر اِس بات کی صلاحیت کا پایا جانا کہ وہ تقریباً دس لاکھ کی نفری فوج کو ۷۲ گھنٹے کے اندر مکمل طور پر الرٹ کر سکتی ہے، عالمی امن کے دھماکے کے لیے ہمہ وقت یقینی خطرہ ہے، جس سے تیسری عالمی جنگ کا بھیانک خطرہ ہر وقت موجود ہے؛ اِس لیے کہ بالیقین کسی نہ کسی آیندہ وقت میں مسلمانوں کے پاس بھی وسیع تر تباہی کے ہتھیار اور طاقت کے ہمہ گیر اسباب ہوں گے؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ دنوں کو لوگوں کے درمیان تبدیل کرتا رہتا ہے اور حالات کی یکسانیت باقی نہیں رہتی اور یہ بھی یقینی ہے کہ مسلمان فلسطین میں اپنے حق سے کسی حال میں بھی دست بردار نہ ہوں گے اور اس کے قلب میں کسی ایسی اجنبی ریاست کو ہرگز قبول نہ کریں گے جو اُن کی کم زوری کا باعث بن کر اُن کے اتحاد کو پارہ پارہ کرتی رہے۔ وہ اس کے اِزالے کی اُسی طرح کوشش کرتے رہیں گے، جس طرح انھوں نے اِس سے قبل دوسری طاقتوں کے ازالے کی کوشش کی اور بالآخر انھیں کھدیڑ دیا۔ بہ جلد وہ وقت آیا چاہتا ہے جب بڑی ظالم طاقتوں کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ اِس ناجائز ریاست کا بیج بو کر انھوں نے کتنا بڑا ظلم کیا تھا، جس کی وجہ سے ساری انسانیت موت اور تباہی سے ہم

کنار ہونے کو ہے۔ اس خطرناک گھڑی کی آمد سے قبل یہ ریاست ٹوٹ کر بکھر جائے، تو ساری انسانیت کے لیے بڑی خوش آیند بات ہوگی (۱)

انتفاضۂ اقصیٰ ثانی

(۳۷) جمعرات: ۲۸ ستمبر ۲۰۰۰ء (مطابق ۲۷ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۱ھ) سے فلسطینی سرزمین پر مسجدِ اقصیٰ کے اندر سے انتفاضۂ ثانی (دوسرا انتفاضہ) شروع ہوا۔ اِس کی ابتدا اِس طرح ہوئی کہ صہیونیوں کی لیکوڈ پارٹی کا زعیم بدباطن ایریل شیرون، تین ہزار اسرائیلی پولیس کی حفاظت میں، مسجدِ اقصیٰ میں زبردستی گھس آیا، اُس کے ساتھ بہت سے صہیونی انتہاپسند اور دہشت گرد بھی تھے۔ فلسطینی نوجوانوں نے کھلے سینوں اور ننگے جسموں سے اسرائیلی پولس والوں کی گولیوں کا مقابلہ کیا۔ متعدد جوان شہید ہو گئے اور بہت سے زخمی۔ اِس کے بعد سارے ارضِ فلسطین اور غزہ کی پٹی اور رملہ کے علاقوں میں مزاحمت کی ایسی آگ بھڑک اٹھی کہ صہیونیوں کے بجھائے نہ بجھی۔ اسرائیلی فوجوں نے زبردست تباہی کے نت نئے امریکی ہتھیاروں کے ذریعے فلسطینیوں کا قتل عام کیا، ہزاروں کو زخمی اور اپاہج بنا دیا، لاتعداد فلسطینیوں کے گھر ڈھا دیے، سیکڑوں کو گرفتار کر کے اپنے بدترین عقوبت خانے: جیلوں میں ڈال دیا، سیکڑوں بچوں اور بوڑھوں کو تہِ تیغ کر دیا؛ لیکن مبارک زمین کے سعادت نصیب جوانوں نے سپر انداز ہونے کے کسی رویّے کو لبیک نہیں کہا۔ فلسطینیوں کے ایک دھڑے کو لالچ، دنیاوی مفادات اور مادی وسائل کی چکاچوند سے خیرہ کر کے خود فلسطینی بچوں، بوڑھوں کے خون کا سودا کرنے اور اُن کی بے لوث قربانیوں کو بے معنی بنا دینے کی کوشش کی گئی؛ لیکن صہیونی اور اُن کے سرپرست امریکی اس چال میں کام یاب نہ ہو سکے۔

دوسری تحریکِ انتفاضہ کی ابتدا سے اب تک کے وہ اعداد و شمار بھی، جو خود امریکن

---

(۱) ڈاکٹر محسن محمد سلیمان صالح: "فلسطين بلادنا الحبيبة" مؤسسة الفلاح، قاہرہ، مصر، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء۔

ریسرچ سینٹر سے شائع ہوے ہیں، انسانی برادری کو، اگر وہ انسانیت سے عاری نہ ہوئی ہو، چونکا دینے کے لیے کافی ہیں، جو کچھ اِس طرح ہیں:

۱- ۱۲۱ یہودی بچوں کے بالمقابل ۷۲۲ فلسطینی بچے شہید ہوے۔

۲- ۱۰۸۴ یہودیوں کے بالمقابل ۳۸۷۰ فلسطینی مرد وعورت شہید ہوے۔

۳- ۷۴۳۳ یہودیوں کے بالمقابل ۲۹۷۶۸ فلسطینی زخمی ہوے۔

۴- امریکہ نام نہاد فلسطینی مقتدرہ کو (جو دراصل امریکہ اور اسرائیل کی کارندہ یا اُس کے مفادات اور چال بازی کی اسیر ہے) دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے اور اپنی جھینپ مٹانے کے لیے یومیہ ۲۳۳۲۹۰ ڈالر دیتا رہا ہے، جب کہ یہودیوں کو یومیہ ۱۵۱۳۹۱۷۱ ڈالر دے رہا ہے۔

۵- دوسرے انتفاضے کے بعد سے ایک بھی یہودی جیل میں نہیں، جب کہ ۹۴۹۲ فلسطینی اسرائیل کی جیل: عقوبت خانے میں طرح طرح کی سزائیں جھیل رہے ہیں۔

۶- انتفاضے کی ابتدا سے اب تک ایک بھی اسرائیلی کا گھر منہدم نہیں ہوا؛ لیکن فلسطینیوں کے ۴۱۷۰ مکانات مکمل طور پر زمین بوس کر دیے گئے۔

۷- ۲۰۰۳ء تک فلسطینیوں کے لیے ایک بھی نیا مکان تعمیر نہیں ہوا؛ لیکن مارچ ۲۰۰۱ء سے جولائی ۲۰۰۳ء تک ۶۵ اسرائیلی آبادیاں بسائی گئیں۔

یاد رہے کہ یہ اعداد وشمار امریکی ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ فلسطینیوں کی تباہی اِس سے کئی گنا زیادہ ہوئی ہے۔

آزاد ذرائع کے مطابق ستمبر ۲۰۰۰ء میں انتفاضے کے بعد سے اب ستمبر ۲۰۰۷ء تک شہید ہو جانے والے صرف فلسطینی بچوں کی تعداد کم از کم ۲۸۰۰ ہے، جن کی عمریں عموماً ۱۵-۱۶ سال سے کم تھیں، جب کہ زخمی بچوں کی تعداد سیکڑوں ہے۔

مقبوضہ علاقوں میں یہودی افواج کے ہاتھوں شہید ہونے والے فلسطینیوں کی تعداد ۳۵۰۰، مسلح جدوجہد میں شہید ہونے والوں کی تعداد ۵۹۳، غزہ پٹی میں شہید ہونے والے

فلسطینیوں کی تعداد ۹۰۰۰، مغربی کنارے میں شہید ہونے والے فلسطینیوں کی تعداد تقریبا ۱۵۰۰۰ ہے۔

فلسطینیوں کے مکمل طور پر منہدم کردہ مکانات کی تعداد تقریبا ۲۶۰۰۰، جزوی طور پر منہدم ہو جانے والے مکانات کی تعداد تقریبا ۲۶۵۰۰ ہے۔

فلسطینیوں کے علاقے میں مقتدرہ کے دائرے میں آنے والے خطوں میں عام راستوں، شاہ راہوں اور عمارتوں کی تباہی کے خسارے کا تخمینہ ۳۰۰ ملین ڈالر سے زیادہ ہے۔ صہیونیوں کی ظالمانہ کارروائیوں کی وجہ سے ۱۴۰۰۰ سے زیادہ کسان متاثر ہوئے۔ صہیونی افواج نے زیر تعمیر نسلی دیوار (جو، جون ۲۰۰۲ء مطابق ربیع الاول ۱۴۲۳ھ سے صہیونی ریاست نے فلسطینیوں کو پریشان کرنے اور ان کی مزید زمینوں کو غصب کرنے کے لیے تعمیر کرنی شروع کی تھی) کے لیے (۲۰۸۷۰۵۰۰۰) اسکوائر میٹر زمینیں ہڑپ کرلیں اور (۶۸۷۲۸۰۰۰) اسکوائر میٹر زمینوں سے فلسطینیوں کو مکمل طور پر بے دخل کر دیا۔

۲۰۰۰ء سے ۲۰۰۴ء تک کے عرصے میں ۱۱۴۵۱۴۵ درخت اکھاڑ دیے، جب کہ ۳۵۰ سے زیادہ کنوؤں کو مکمل طور پر تباہ کر دیا، ۱۲۰۰ سے زیادہ حوض اور پانی کے ٹینکس تباہ کر دیے، ۶۰۰ سے زائد زرعی گوداموں کو ڈھا دیا، ۲۵۲۸۵۰۰۰ اسکوائر میٹر کو سیراب کرنے والے سینچائی کے نظاموں کو تباہ کر دیا، دسیوں نرسریوں کو اجاڑ دیا، ۱۵ سے زیادہ زرعی بلدوزروں کو تباہ کر دیا، ۱۵۰۰۰ سے زیادہ بھیڑ بکریوں کو مار دیا، ۱۳۹۹۰ سے زائد گایوں اور دیگر جانوروں کو تلف کر دیا، ۹۰۰۳۴۵ سے زائد گوشت کے مرغوں و مرغیوں نیز (۴۰۴۰۲۹) انڈے دینے والی مرغیوں کو مار دیا۔ جب کہ (۱۵۰۶۵) شہد کے چھتے برباد کر دیے۔

صنعتی سیکٹر کی سطح پر ۲۰۰۴ء کے اواخر تک ۹۰۰۷۸ ورک شاپوں اور تجارتی مراکز کو یکسر تباہ کر دیا گیا، ۳ لاکھ سے زائد لوگ بے کار ہو گئے۔ بے کار لوگوں کا تناسب ۳،۳۳٪ ہو چکا ہے اور غربت کی شرح ۶،۶۸ تک پہنچ چکی ہے۔[1]

(۱) رسالۃ الإخوان، لندن، شمارہ ۳۸۸۔

صہیونی جیلوں میں ۱۱ ہزار فلسطینی، جن میں ۳۳۰ بچے اور ۱۱۸ خواتین ولڑکیاں

(۳۸) فلسطینی مقتدرہ میں قیدیوں کے امور کی وزارت کے مطابق یہودی افواج نے ۱۹۴۸ء میں فلسطین پر قبضے کے وقت سے اب تک تقریباً ۸ لاکھ فلسطینیوں، یعنی کل فلسطینیوں میں سے چوتھائی کو قید و بند سے گزارا۔

صرف انتفاضۂ ثانی کے ۶ سال کے دوران ۴۲ ہزار فلسطینیوں کو گرفتار کیا گیا۔ یہ تعداد، اُن دسیوں ہزار فلسطینیوں کے علاوہ ہے جنھیں پہلے گرفتار کیا گیا اور کچھ عرصے بعد اُنھیں رہا کر دیا گیا، جن میں فلسطینی قانون ساز کونسل کے ۱۳۲ ارکان میں سے ۳۴ ہنوز اسرائیلی جیل میں سلاخوں کے پیچھے ہیں ساتھ ہی چار وُزرا بھی جیل میں بند ہیں۔

فلسطینی اتھارٹی (مقتدرہ) کے مطابق اسرائیل کی جیلوں میں ہنوز ۱۱ ہزار فلسطینی قید و بند کی مصیبتیں جھیل رہے ہیں، جنھیں تیس جیلوں یا قید خانوں یا حبس خانوں میں رکھا گیا ہے۔ اُن میں سے ۹۴۲۸ مغربی کنارے کے، ۸۵۰ غزہ پٹی کے، ۵۲۵ شہرِ قدس کے، ۱۴۲، ۱۹۴۸ء کے فلسطینیوں میں سے اور ۵۵ دگر عربی شہری ہیں۔ ان قیدیوں میں سے ۷۵۸۲ غیر شادی شدہ، ۳۴۱۸ شادی شدہ ہیں۔ اِن میں سے ۵۲۱۶ کے خلاف فیصلے صادر ہو چکے ہیں اور ۴۸۸۴ ابھی فیصلے کے انتظار میں حوالات میں ہیں، جب کہ ۹۰۰ انتظامی قیدی ہیں جو سخت حالات سے دوچار ہیں، کیوں کہ اسرائیلی جیلوں میں، جو صرف فلسطینیوں کو قید کرنے کے لیے بنائی گئی ہیں، انسانی حقوق کی پاس داری کا ذرہ برابر بھی خیال نہیں رکھا گیا ہے۔

لائقِ ذکر ہے کہ ۵۵۳ فلسطینی انتفاضۂ ثانیہ سے پیش تر سے قید ہیں۔ بعض قیدی اوسلو معاہدے اور فلسطینی مقتدرہ کے قیام سے پہلے سے قید ہیں، جنھیں پرانے قیدی کہا جاتا ہے اُن کی تعداد ۳۶۷ ہے۔

انتفاضۂ ثانی کے دوران ۶۰۰ خواتین ولڑکیوں کو قید کیا گیا، جن میں ۱۱۸ ہنوز قید

ہیں۔ انتفاضے کی ابتدا سے اب تک ۶۰۰۰ بچوں کو گرفتار کیا گیا جن میں سے ۳۳۰ بچے ہنوز کئی جیلوں میں بند ہیں۔

اِن قیدیوں میں سے ۹۸٪ کو سخت جسمانی اور نفسیاتی ایذا رسانی سے گزارا جارہا ہے، جس کی وجہ سے اب تک ۶۹ قیدی جاں بہ حق ہو چکے ہیں۔ اُن میں سے بہت سے قیدی طرح طرح کے امراض میں مبتلا ہیں اور اُن کے علاج معالجے کی کوئی سبیل نہیں۔[1]

حفاظتی دیوار

(۳۹) حفاظتی دیوار، جو صہیونیوں نے مغربی کنارہ، غزہ پٹی اور قدس میں ۱۶/ جون ۲۰۰۲ء کو اِس خیال سے تعمیر کرنی شروع کی تھی کہ ۱۹۴۸ء کے خطوں کی طرف ''دہشت گردوں کی آمد و رفت'' اور اسرائیل کے خلاف ہونے والی کارروائیوں کو روکا جاسکے؛ لیکن حقیقت کچھ اور تھی۔ اِس دیوار کے ذریعے صہیونیوں کا مقصد یہ ہے کہ فلسطینی زمینوں کے بڑے حصے کو، وہاں کے باشندوں سے خالی کر کے قطعی طور پر ریاستِ اسرائیل میں ضم کردیا جائے؛ نیز ''گرین لائن'' کے قریب والی بیش تر کالونیوں کا وجود مٹا کر، اُنھیں بھی اسرائیلی ریاست کا حصہ بنا دیا جائے، نئی سرحدیں متعین کی جائیں اور نئی سیاسی صورتِ حال مسلط کردی جائے؛ تاکہ ارضِ فلسطین کے کسی بھی ٹکڑے پر، کسی بھی فلسطینی خودمختاری کے برپا ہونے کو روکا جاسکے۔ واضح رہے کہ صہیونیوں نے اِس سے پہلے ہی صہیونی ریاست اور فلسطینی اراضی کے مابین نیز دیگر ملکوں کے مابین افراد اور سامانوں کی آمد و رفت پر مکمل کنٹرول کو یقینی بنا رکھا ہے۔

اِس دیوار کی بنیادیں ۱۹۶۷ء والی زمین کی گہرائیوں میں پیوست ہیں اور یہ مغربی کنارے کی ۲۳ فی صد زرخیز زمینوں اور وہاں کے ۷۵ فی صد پانی کو اپنے دائرے میں لے چکی ہے۔ اِس کے گھیرے میں، مختلف گاؤں اور شہروں میں رہنے والے ۸ لاکھ ۷۵

---

(۱) رسالة الإخوان، لندن، شمارہ: (۵۰۱)

ہزار فلسطینی ۷۸ شہر اور گاؤں دو دیواروں اور دروازوں کے درمیان آ گئے ہیں۔ یہ دیوار، موجودہ تاریخ کا سب سے بڑا قید خانہ سمجھی جاتی ہے جس میں ''قیدیوں'' کی بڑی سے بڑی تعداد آ گئی ہے۔ یہ دیوار، دیوارِ برلن سے تین گنا لمبی اور دوگنا اونچی ہے۔ اقوامِ متحدہ کی رپورٹ کے مطابق، اِس دیوار کا صرف ۱۱ فی صد حصہ اُس گرین لائن کے برابر سے گزرتا ہے، جو مغربی کنارے اور ۱۹۴۸ء میں قبضہ کیے گئے خطوں کو باہم جدا کرتی ہے۔

اِس طرح فلسطینی شہروں کے مابین قدرتی رابطے کے سامنے ایک بڑی رکاوٹ کھڑی کر دی گئی ہے، جس نے فلسطینیوں کو ایک دوسرے سے علاحدہ کر کے رکھ دیا ہے اور فلسطینی مقتدرہ اور پڑوسی ممالک کے درمیان سرحدی رابطے کی راہ مسدود کر دی ہے۔ مختصر یہ کہ اِس دیوار نے نہ صرف یہ کہ ایک خود مختار فلسطینی ریاست کے قیام کے امکانات کو کالعدم کر دیا ہے؛ بل کہ اِس سرزمین پر فلسطینیوں کے وجود کے اِمکانات کو بھی ختم کر دیا ہے؛ کیوں کہ اِس کی وجہ سے مُتوَقّع فلسطینی فریق ایک کٹی پٹی کم زور اور بے جان ریاست بن کر رہ گئی ہے۔

غزہ سے انخلا

(۴۰) ۱۵ راگست سے ۲۲ راگست ۲۰۰۵ء تک (۹ ررجب سے ۱۶ ررجب ۱۴۲۶ھ تک یعنی سموار تا سموار) کے درمیان غزہ سے یہودیوں کا انخلا فلسطینی رقبے کے ۱٫۳ فی صد سے زیادہ نہیں اور جہاں غاصب یہودیوں کی تعداد، مغربی کنارے میں بسنے والے یہودیوں کی مجموعی تعداد سے ۱٫۶ فی صد سے متجاوز نہیں۔ اِس انخلا کو قابض دشمن نے دنیا کے سامنے صہیونی ریاست کی طرف سے ایک بڑی دست برداری کا روپ دے کر پیش کیا ہے۔ حال آں کہ اِنخلا کی حقیقت، امنی سرگرمیوں، مذاکرات، عالمی قوانین، بین الاقوامی جائز قراردادوں، نیز دوطرفہ فلسطینی - یہودی معاہدوں اور نقشۂ راہ کی بنیادوں کی خلاف ورزی سے زیادہ کچھ نہیں؛ لہٰذا یہ خود ایک ایسی باقاعدہ کارروائی تھی، جس نے زیرِ

مذاکرات حل کو ناکام بنادیا، کش مکش کے دوسرے فریق کو کالعدم قرار دے دیا، یک طرفہ حل کو ہی تھوپ دیا اور غزہ پٹی کے سارے نشیب و فراز پر اپنا ہی کنٹرول برقرار رکھا؛ چناں چہ کسی فلسطینی کا غزہ میں قیام یا عدم قیام صہیونیوں کی مرضی پر منحصر ہوگا، اسی طرح فلسطینی فریق کو یہ حق نہیں کہ وہ کسی فلسطینی کو غزہ پٹی لوٹنے کی اجازت دے۔ ظاہر ہے کہ یہ ساری باتیں غزہ پٹی سے اِنخلا کے نظریے کے منافی ٹھہرتی ہیں اور اِس سے غزہ پٹی پر یہودیوں کے ہی کنٹرول کے برقرار رہنے کا پختہ یقین ہو جاتا ہے۔ صہیونیوں نے غزہ کو ایک ایسے بڑے قید خانے میں تبدیل کر دیا ہے، جس میں اُنھوں نے فلسطینیوں کو قید کیا ہوا ہے، صہیونی، اُنھیں اپنی زندگی جینے کے سلسلے میں ناکام بنائے دے رہے ہیں اور مختلف گروپوں کو خانہ جنگی پر آمادہ کیے دے رہے ہیں، جیسا کہ ہم اِن دِنوں، اِسی قسم کے حالات کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ عبرانی زبان کے ایک رائٹر اور تجزیہ نگار ''ناحوم برنیاع'' کے ٹھوس تبصرے کے مطابق: ''فلسطینیوں کے سامنے غزہ کا جال ڈال دیا گیا ہے اور وہ اِس میں پھنس گئے ہیں۔ اِس کا مقصد غزہ میں مقتدرہ کی ناکامی کو ثابت کرنا تھا۔ چناں چہ اِس کا نتیجہ بہ جلد سامنے آ گیا۔'' عملی طور پر صہیونیوں نے، دنیا والوں کو ایک تصویر، جو یہودیوں کے زیر سایہ غزہ کی ایک تصویر کے بالمقابل تھی، یہ ثابت کرنے کے لیے دکھائی کہ قبضے کے دوران غزہ کے جو حالات تھے، وہ اِس وقت کے فلسطینی مقتدرہ اور حکومت کے اقتدار والے، حالات سے زیادہ اچھے تھے؛ اِسی لیے سارے مناظر فلسطینی سیکورٹی کی ناکامی اور اُس خانہ جنگی پر مرکوز رکھے گئے ہیں، جس کی آگ فلسطینی تحریکات کے درمیان سلگانے کے حوالے سے، اکثر اِنھی صہیونیوں نے سرگرم رول ادا کیا ہے۔

فلسطینی انتخابات

(۴۱) جنوری ۲۰۰۶ء مطابق محرم ۱۴۲۷ھ کے فلسطینی انتخابات کو ایک فراڈ ہی کہا جا سکتا ہے؛ کیوں کہ صہیونیوں نے یہ کہا تھا کہ مقتدرہ کے خطوں اور فلسطین میں ایسے

صاف ستھرے انتخابات ہونا ناگزیر ہیں، جن کی چہار طرفہ نگرانی کی جائے۔ موجودہ تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں کو یہ حقیقت جاننی چاہیے کہ المیۂ فلسطین کا آغاز کسی فلسطینی فریق (یعنی حماس جو بھاری اکثریت سے کام یاب ہوئی) کی کام یابی اور دوسرے فریق (یعنی فتح جو بہت کم سیٹیں لاسکی) کی ناکامی سے نہیں ہوا؛ بل کہ یہ ظلم وستم کا ایک تسلسل ہے، جس کا فلسطینی پچھلے سو سال سے زائد عرصے سے شکار رہے ہیں۔ اِن صہیونیوں نے نئی فلسطینی حکومت کو اُن تمام چیلنجوں اور سرگرمیوں کے ساتھ، جس کا اُس کو موجودہ دنیا کے طویل ترین اور سخت ترین قضیے کے سلسلے میں سامنا رہا ہے، اِس مسئلے میں مشغول کر دیا ہے کہ کس طرح وہ لاکھوں افراد کے لیے دانہ پانی مہیا کرے اور کس طرح اپنے شہریوں کو امن وامان کی دولت سے نوازے اور کس طرح وہ خون خرابے کی صورتِ حال کو ختم کرے، جس کی افزائش میں مختلف دشمن فریقوں نے حصّہ لیا ہے۔

کہاں ہیں عالمی قوانین اور بین الاقوامی حکومت کے اِدارے، کہ ایک منتخب حکومت کے وزیروں کو قید خانے کی سلاخوں کے پیچھے ڈالا جا رہا ہے، اُس کی قانون ساز اسمبلی کے صدر اور نائب وزیر اعظم کو گرفتار کیا جا رہا ہے اور اُس کے وزیرِ اعظم کو قتل کی دھمکیاں مل رہی ہیں؟! کیا اِس خطے میں جمہوریت کی پاسبانی اِسی کا نام ہے؟! کیا یہ ہی نیا مشرقِ وسطی ہے، جس کی اِس خطے کو خوش خبری دی گئی تھی؟!! جمہوریت کے اُن علم برداروں نے اِنتخابات کے لیے نگراں کمیٹیاں کیوں تشکیل دیں اور کیوں اپنے کو اِس کی نگرانی میں تھکایا؟!! اگر اُنھیں معلوم تھا کہ جو بھی منتخب ہو کر آئے گا، اُس کو قید خانے میں ڈال دیا جائے گا، اُس کی آزادی سلب کر لی جائے گی اور اُس کی زبان پر تالا ڈال دیا جائے گا؟! آخر کیوں ہمیں اُن کی طرف سے مذمتی کلمات سننے یا کم از کم کوئی قانونی یا انسانی کردار دیکھنے کو نہیں ملتا؟! شاید اِن تمام سوالوں کا بس ایک ہی جواب ہے کہ ”سب اِس جرم میں برابر کے شریک ہیں“!!

لائقِ ذکر ہے کہ ۲۵/۱/۲۰۰۶ء (چہار شنبہ: ۲۴/ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ) کو فلسطینی قانون

ساز کونسل کے انتخابات کا انعقاد ہوا، جس میں حماس (اسلامی تحریکِ مزاحمت) کو بھاری اکثریت سے کام یابی ملی؛ لیکن امریکہ، اسرائیل اور نام نہاد عالمی برادری نے حماس کو (اُس کے اسلامی رُجحان کی وجہ سے کہ یہ عالمی برادری بالخصوص صہیونی صلیبی معاشرے کے نزدیک ناقابلِ معافی 'جرم' ہے، نیز اِس لیے کہ حماس مُسلّح مزاحمت کو ہی آزادیِ فلسطین کی صحیح اور مستقیم راہ گردانتی اور اُس پر محوِ سفر رہنا چاہتی ہے اور یہ صہیونیوں اور صلیبیوں کے نزدیک اول الذکر سے بھی بڑا اور بھیانک گناہ ہے) کی حکم رانی کی راہ میں طرح طرح کے روڑے اٹکائے۔ اِس سلسلے میں جُمہوری اُصولوں کی بھی کوئی پروانہیں کی، جن کا وہ نعرہ لگاتے نہیں تھکتی، جس سے ایک بار اور بہ خوبی عیاں ہوگیا کہ جُمہوریت کا اُن کا نعرہ نہ صرف کھوکھلا ہے؛ بل کہ اِس سے اُس کی وہ مراد نہیں، جو دنیا والے بالعموم سمجھتے ہیں۔ جُمہوریت سے اُن کی مراد درحقیقت اِسلامی حکم رانی کی راہ روکنا اور مسلم و عربی ملکوں میں اپنے مَفادات کی راہ ہم وار کرنی ہے۔ اب اگر جمہوریت سے کسی جگہ اور کسی وقت اُن کے مفادات کو نقصان پہنچتا ہو تو وہ (عالمی برادری) اُس کی راہ روک کے کھڑی ہو جاتی ہے اور اُس کے سارے اُصولوں کی دھجّیاں بکھیر دیتی ہے۔

اِسرائیل اور امریکہ کو بھلا "حماس" سے سوائے نقصان کے کسی فائدے کی کیوں کر اُمّید ہوسکتی تھی؟ اُس کی اُمّیدوں کا مرکز تو سیکولر "فتح" تحریک ہوسکتی ہے اور بالفعل ہے بھی، اِسی لیے دونوں اپنے مَفادات کی تکمیل کے لیے ہمیشہ اِسی کو مُہرے کے طور پر استعمال کرتے رہے ہیں۔ دونوں نے ہمیشہ حماس کے توڑ کے لیے اِس کو آگے بڑھایا ہے اور اِس کو مادی و اخلاقی مدد دے کر حماس کا مضبوط حریف بنانے کی کوشش کی ہے۔ اِس موقع سے بھی جہاں امریکہ اور اُس کی حلیف عالمی برادری نے اور اُس کی ناجائز اولاد اِسرائیل نے، باہر سے حماس کی راہ روکی، اُس کو ہر طرح سے ستایا، اُس کا ناطقہ بند کردیا، ہر طرح کی مالی اِمداد بند کردی، ساری دنیا کے بینکوں کو منع کردیا کہ حماس کو ایک پیسہ بھی منتقل نہ ہوسکے، حتیٰ کہ اِسرائیل نے فلسطینی عوام کی چنگی اور ٹیکس کی وہ رقم جو وہ اپنی حکومت

چلانے کے لیے ادا کرتے ہیں، بھی روک دی کہ حماس کی حکومت چوں کہ دہشت گرد تنظیم کی حکومت ہے؛ اِس لیے ہم اُس کے ساتھ تعاون نہیں کر سکتے؛ وہیں ''فتح'' نے اندرون خانہ حماس دشمنی میں کوئی کسر باقی نہ رکھی اور حماس کو تنگ کرنے اور اُس کی حکومت کو گرا دینے کی اَمریکی اِسرائیلی پالیسی پر لگن کے ساتھ عمل پیرا رہی۔ دوسری طرف اِسرائیل نے بار بار غزہ شہر پر، جس پر حماس کا عملی عمل دخل زیادہ رہا ہے، بار بار حملہ کیا اور شہریوں کا نہ صرف قتلِ عام کیا؛ بل کہ لازمی شہری سہولتوں سے محروم کیے رکھا؛ تا کہ فلسطینی عوام کی اکثریت حماس سے توبہ کرلے؛ لیکن از اول تا آخر عوام نے ساری بلائیں جھیل کر بھی حماس سے جی بُرا نہ کیا۔ حماس نے انتہائی بردباری اور تحمل کا ثبوت دیا؛ لیکن فتح نے اپنے سر پھرے سیکورٹی ذمے دار، زفرق تا بہ قدم سیکولر؛ بل کہ دین بے زار محمد دحلان کی قیادت میں بار بار تصادم کی راہ اختیار کی، جس نے بعد میں خوں ریز تصادم کی شکل اختیار کر لی۔ کئی ماہ کی رسّاکشی کے بعد سعودی فرماں روا شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز نے دونوں فریقوں کے نمایندوں کو مکۂ مکرمہ بلایا اور ان کے ساتھ از منگل ۱۷/محرم ۱۴۲۸ھ (۶/فروری ۲۰۰۷ء) تا جمعرات ۲۰/۱/۱۴۲۸ھ = ۸/۲/۲۰۰۷ء مصالحانہ فارمولے پر بات کی، جس کے نتیجے میں جمعہ ۲۰/۱/۱۴۲۸ھ = ۹/۲/۲۰۰۷ء کو مکہ چارٹر پر دونوں نے متحدہ حکومت (جس میں حسب تعداد ارکان اسمبلی دونوں کو حکومت میں شراکت دی گئی تھی) کے قیام کے لیے دست خط کیے اور اُسی دن اِس کا اعلان بھی کر دیا گیا۔ یہ حکومت کسی طرح بادل ناخواستہ بنی بھی؛ لیکن یہ نہ تو ''فتح'' کو ہضم ہو سکی نہ اِسرائیل اور اَمریکہ کو کہ فلسطینیوں کے اتحاد و اشتراک میں اِن کا سارا کھیل بگڑ جائے گا، چناں چہ اسرائیل و امریکہ نے فتح کو پھر حماس سے بھڑا دیا؛ لیکن حماس نے غزہ پر کنٹرول کرلیا اور جمعرات ۱۴/جون ۲۰۰۷ء کو ''فتح'' کے سارے ''جواں مرد'' اپنی خیر مناتے ہوئے جہاں جگہ ملی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اب اُس وقت سے ''حماس'' کو عالمی طور پر الگ تھلگ کر دینے اور فلسطینی عوام کو ہر طرح سزا دینے کا سلسلہ جاری ہے۔

فلسطینی مقتدرہ کی صدارت اور فلسطینی حکومت

(۴۲) اِس کا نتیجہ دونوں فریقوں کے درمیان اندرونی کش مکش کی شکل میں سامنے آیا ہے۔ ایک طرف دو شخصوں کی سربراہی میں قیادت ہے اور دوسری طرف وہ منتخبہ حکومت ہے، جس پر ایسی وزارتیں تھوپی گئی ہیں جن کی کوئی معنویت نہیں، یہ حکومت اِصلاح وتبدیلی کے سارے وسائل سے محروم ہے۔ معارضینِ اسلام پسند اور دشمنوں کا کہنا ہے: ایک ایسی حکومت جس کا صدر اور اُس کے بیش تر ارکان حماس سے تعلق رکھتے ہیں، یہ ہی فلسطینی قوم کی پریشانیوں، اُس کو بھوکوں مرنے اور اُن کی تذلیل کا سبب ہے۔ اِسی کی وجہ سے فلسطینی مقتدرہ کو امدادیں نہیں مل رہیں اور عالمی برادری نے اِس سے سارے روابط منقطع کر لیے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سارے اِلزامات اور فیصلے امریکہ اور یورپی اتحاد کے تال میل سے ہی گڑھے گئے ہیں، جو اسلامی رجحانات کی حامل کسی حکومت کو فلسطینیوں کے لیے، اِس لیے گوارا نہیں کر سکتے کہ اِس سے اُنھیں اور صہیونی مفادات کو نقصان پہنچنے کا یقینی اندیشہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ صہیونی دشمن اور اُس کے ہم نوا یورپ اور امریکہ، صہیونی، فلسطینی تنازع کے دونوں فریقوں کو کم زور کر کے اور خصوصاً غزہ پٹی میں فلسطینیوں کی اقتصادی ناکہ بندی کر کے، اُن پر سیاسی دباؤ ڈال کر، انھیں انارکی اور اندرونی لڑائی کی کھائی میں ڈھکیل دینے کے حوالے سے، ایک دوررس حکمت عملی کو بہ روے کار لانے میں کام یاب ہو گئے ہیں۔

اِس لیے سرزمین فلسطین پر جو انتشار اور انارکی پھیلی ہوئی اور جو اندرونی اُکھاڑ پچھاڑ مچی ہوئی ہے، یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ اِس میں صہیونی ریاست کی فساد انگیزی کا دخل نہ ہو؛ بل کہ یہ یہودی۔صہیونی پلاننگ کا ہی نتیجہ ہے۔ فلسطینی گروپوں میں، اپنے بھائیوں کے ہتھیاروں سے فلسطینیوں کا جو خون بہ رہا ہے، یہ مکمل طور پر صہیونیوں کے مفاد میں ہے۔ فلسطینی امور کی ماہر سیاسی تجزیہ نگار اور رائٹر ''اورلی نوی'' نے اپنے ایک مضمون بہ عنوان

،،فلسطینی اتھارٹی میں تخریب کاری کی مہم''۔ جس کو عبرانی زبان میں شائع ہونے والے اخبار ''بدیعوت احرنوت'' نے شائع کیا تھا۔ میں یہی کچھ لکھا ہے اور اُس میں، حماس اور فتح کے ساتھ برتاؤ کے تعلق سے اسرائیل کی جو پالیسی ہے، اُس کا خلاصہ اِس طرح پیش کیا ہے: ''اِس خطرناک کش مکش کا سبب، اسرائیل کی یہ پالیسی ہے کہ دونوں فریق: فتح اور حماس کو بلا تفریق اِس طرح کم زور کردیا جائے کہ اُن میں سے کوئی بھی مؤثر طریقے پر فلسطینی زمینوں پر کنٹرول نہ کرسکے۔ جب بھی اسرائیل نے یہ محسوس کیا کہ حماس اپنی عوامی بنیاد کھوتی جارہی ہے اور یہ کہ ''ابو مازن'' کی فوج کے لوٹ آنے کا احتمال ہے، تبھی وہ اِس کو طویل غور وخوض پر مبنی سیاسی یا عسکری اقدامات کے ذریعے کم زور کردیتی ہے۔ اسرائیل مسلسل اِسی پالیسی پر عمل پیرا ہے''۔

سارے مسلمانوں اور اہالیانِ فلسطین کے ساتھ رچائی جانے والی سازشوں کو ہمیں اچھی طرح جان لینا چاہیے۔ ہمیں اُن لوگوں پر، جن کا مقصد اپنی زمین کی حفاظت، قابض صہیونیوں کا مقابلہ، نیز اُن کی سازشوں اور فریب کاریوں کو ناکام بنانا ہے، مکمل طور پر یقین ہے کہ وہ کسی ایسی اندرونی لڑائی کی راہ ہم وار نہیں کرسکتے، جس میں صرف صہیونی دشمنوں کا فائدہ ہو۔

جس فریق نے (یعنی برطانیہ، امریکہ اور یورپ نے) فلسطین میں یہودیوں کے لیے ایک قومی وطن کا وعدہ کیا، وہاں کی زمینوں کی تقسیم کا فیصلہ کیا، ارضِ فلسطین پر صہیونیوں کی ریاست کو تسلیم کرلیا، فلسطین کے جلاوطن باشندوں سے چشم پوشی کرلی، قابض صہیونیوں پر دسیوں بین الاقوامی قراردادوں کی تنفیذ کے لیے دباؤ نہیں ڈالا، اُن کی ہر کارروائی اور جارحیت سے درگزر کرلیا، کھوکھلے معاہدوں کی سرپرستی کی، منتخبہ حکومت پر ہمہ گیر پابندی لگادی اور اُس کے وزیروں اور اُس کے نمایندوں کی گرفتاری کی مذمت نہیں کی؛ آج اُسی کا روپ لے لینے والا وہی فریق ہے، جو نہ صرف یہ کہ دین ووطن میں شریک بھائیوں کے درمیان برپا اِس لڑائی کی نگرانی کررہا ہے؛ بل کہ ایک فلسطینی فریق کو طاقت ور بنا کر،

دوسرے فلسطینی فریق کے خلاف ورغلانے کا رول بھی ادا کر رہا ہے۔ فریب کاریوں کا نہ ختم ہونے والا تسلسل ہے، جو ہمارے سامنے اُن تمام صورتوں کے ساتھ مجسّم ہے، جن سے شرم کے مارے ہمارا سر جھکا جاتا ہے۔

ہماری متنازعہ فریقوں سے صرف یہ گزارش ہے کہ: ہمیں اِس فریب دہی کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن کر کھڑے ہو جانا چاہیے؛ تا کہ ہم فلسطین اور وہاں کے عوام کے ساتھ ہونے والی سازشوں کا اِدراک کر سکیں اور یہ جان سکیں کہ اِن واقعات کے در پردہ کیا ہو رہا ہے اور کس طرح مکاری سے مغربی اور غیر مغربی میڈیا کو اِس کام کے لیے زیرِ دست کرلیا گیا ہے کہ وہ اِس مبارک سرزمین پر مسلمانوں کے بہ تدریج قتل کی پالیسی اور اُن کے خلاف گھیرابندی کو جائز ٹھہرائے؟ اِن دشمنوں نے تمام مسلمانوں کو باہم لڑانے اور اُن کے پاکیزہ لہو کو بہانے کے لیے سارے انتظامات کر رکھے ہیں۔(۱)

غزہ پر تحریکِ حماس کا کنٹرول اور موجودہ صورتِ حال

(۴۳) ۲۰۰۷ء = ۱۴۲۸ھ میں کئی ماہ تک ''فتح'' کی برادر دشمنی کی وجہ سے اُس کی ''حماس'' سے خوں ریز کش مکش رہی، جس کے نتیجے میں ۱۴ر جون ۲۰۰۷ء (بہ روز جمعرات ۲۷ر جمادی الاخری ۱۴۲۸ھ) کو حماس نے غزہ پٹی پر کنٹرول کر لیا، جس کی وجہ سے فتح کے سربراہِ اعلیٰ محمود عباس ابو مازن نے فلسطین کی قانونی متحدہ حکومت کے وزیرِ اعظم مسٹر اِسماعیل ہنیّہ کو غیر قانونی طور پر معزول کر کے ''سلام فیاّض'' نام کے ایک سیکولر مزاج اپنی طرح کے دین بے زار شخص کو غیر قانونی عبوری حکومت کا ذمے دار بنا دیا۔

دوسری طرف سارے عالمِ عربی کے حکم رانوں نے (جن میں سے اکثر امریکہ کے وفادار غلام ہیں) حماس کے بالمقابل ابو مازن کی تایید کی۔ صرف چند حکم رانوں نے ابو مازن کو حماس سے گفت گو کرنے اور قومی قربت کی راہ پیدا کرنے کا مشورہ دیا؛ ورنہ اکثر

(۱) رسالۃ الإخوان، لندن، شمارہ: ۵۰۵، استاذ عبد العزیز الغریب: "وهكذا خُدِعنا و مازلنا!!".

حکم رانوں کا رویہ امریکہ اور اسرائیل کی مرضی کے مطابق حماس کو الگ تھلگ کر دینے اور غزہ پٹی کو جس پر حماس کا کنٹرول ہے، ساری سہولتوں سے محروم کیے رہنے کی ہے؛ تاکہ حماس اپنی مزاحمت کی پالیسی کو یکسر ترک کر دینے پر مجبور ہو جائے۔

اسرائیل نے غزہ کے باشندوں کو عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے، وہاں پانی بجلی اور اشیائے خورد و نوش کا بحران پیدا کر کے، حماس کو شیشے میں اتارنے کی کوشش جاری رکھے ہوئے ہے، دوسری طرف مصر نے بھی اپنے ہاں اُن کی آمد و رفت روکنے کے لیے سرحد کو بند کر دیا ہے۔ اِدھر امریکہ نے مقتدرہ کے صدر عباس محمود کی سیکورٹی کو مضبوط کرنے، اُس کی ٹریننگ کا انتظام کرنے، اُس کو ہر طرح کی مالی مدد دینے کا وعدہ کیا ہے؛ بل کہ وعدے پر فی الفور عمل بھی شروع کر دیا ہے؛ تاکہ حماس کو زیر کرنے کی اُس کی اور اسرائیل کی تمنا پوری ہو سکے۔ اِس تحریر کے اواخر شعبان ۱۴۲۸ھ اوائل ستمبر ۲۰۰۷ء میں لکھے جانے کے وقت تک یہ ہی صورتِ حال قائم ہے۔ آگے اللہ اپنی مرضی سے زیادہ واقف ہے۔



شہرِ قدس و مسجدِ اقصیٰ: مختصر تعارف

دینی فضیلت، جائے وقوع، تاریخی اہمیت

اور

صہیونیوں کے زیرِ قبضہ موجودہ صورتِ حال

تاریخِ قدس ایک نظر میں

سال	واقعات
۳۰۰۰ق م	شہرِ قدس کی تعمیر یبوسی کنعانیوں کے ہاتھوں
۱۸۵۰ق م	شہر قدس میں ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آمد اور اُس کے موحد بادشاہ ملکی صادق سے اُن کی ملاقات
۹۷۰-۹۳۱ق م	اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کی قدس پر حکومت
۵۸۷ق م	شاہِ بابل بنوخذنصر کے ہاتھوں ہیکل کی تباہی اور یہودیوں کی اسیری
۱۳۵ء	شہنشاہِ روم ہادریان کے ہاتھوں قدس سے یہودیوں کی جلاوطنی
۴۰۰-۶۳۶ء	قدس پر بازنطینی حکمرانی
۱۷ھ/۶۳۸ء	امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں شہر قدس کی فتح
۴۹۳ھ/۱۰۹۹ء	شہرِ قدس پر صلیبیوں کا قبضہ
۵۸۳ھ/۱۱۸۷ء	حضرت صلاح الدین ایوبیؒ کے ذریعے، صلیبیوں سے شہرِ قدس کی آزادی
۹۲۳-۱۳۳۶ھ = ۱۵۱۷-۱۹۱۷ء	شہر قدس پر خلافتِ عثمانیہ کی حکمرانی
۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء	شہر قدس پر برطانوی استعماری قبضہ
۱۳۶۹-۱۳۸۷ھ = ۱۹۴۹-۱۹۶۷ء	اردن اور یہودیوں میں شہر قدس کی مشرقی و مغربی تقسیم
۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء	شہر قدس پر یہودیوں کا مکمل قبضہ
۱۴۰۱ھ/۱۹۸۰ء	یہودیوں کی طرف سے متحدہ قدس کے اُن کا دارالحکومت بنائے جانے کا اِعلان
۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء	اسرائیل کی عدالتِ عظمٰی کی طرف سے مسجدِ اقصیٰ کے صحن کے اسرائیلی ملکیت کا اعلان، نیز اس کو ''جبل ہیکل'' کے سکریٹریوں کی تنظیم کی سرپرستی میں دیے جانے کا اِعلان

بیت المقدس یا شہرِ قدس کی فضیلت واہمیت

بیت المقدس کی فضیلت واہمیت کے لیے صرف یہ کافی ہے کہ قرآنِ پاک نے اُس کا تذکرہ جب بھی کیا ہے، برکت وقدسیت جیسے الفاظ کے ساتھ ہی کیا ہے:

"إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَرَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيٰتِنَا" (الاسراء/۱)

ترجمہ: مسجدِ اقصیٰ تک جس کو گھیر رکھا ہے ہماری برکت نے؛ تا کہ دکھلائیں اُس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی اللہ نے فرمایا:

"يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ" (المائدة/۲۱)

ترجمہ: اے قوم! داخل ہو زمینِ پاک میں۔

بیت المقدس اور ارضِ شام کی طرف اپنے خلیل حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کی ہجرتِ اولیٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ پاک کا ارشاد ہے:

"وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوطاً إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا لِلْعٰلَمِينَ" (الانبیاء/۷۱)

ترجمہ: اور بچا نکالا ہم نے اُس کو اور لوط کو اُس زمین کی طرف جس میں برکت رکھی ہم نے جہان کے واسطے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا" (لاعراف/۱۳۷)

ترجمہ: اور وارث کر دیا ہم نے اُن لوگوں کو جو کم زور سمجھے جاتے تھے، اُس زمین کے مشرق اور مغرب کا جس میں برکت رکھی ہے ہم نے۔

حضرتِ سلیمان علیہ السلام کے واقعے میں اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے:

"وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا" (الانبیاء/۸۱)

ترجمہ: اور سلیمان کے تابع کی ہوا زور سے چلنے والی کہ چلتی اُس کے حکم سے اُس زمین کی طرف جہاں برکت دی ہے ہم نے۔

اہلِ سبا کی خوش حالی وفارغ البالی کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بٰرَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً" (سبأ/١٨)

ترجمہ: اور رکھی تھیں ہم نے اُن میں اور اُن بستیوں میں جہاں ہم نے برکت رکھی ہے، ایسی بستیاں جو راہ پر نظر آتی تھیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ "قری" سے مراد یہاں بیت المقدس کے گاؤں ہیں۔

حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ملکِ شام (اور بیت المقدس اور پورا فلسطین ملکِ شام ہی کا حصہ رہا ہے) پر فرشتے اپنے پر پھیلائے رہتے ہیں۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اُنھوں نے فرمایا کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

"يَا طُوبىٰ لِلشَّامِ، يَا طُوبىٰ لِلشَّامِ، يا طُوبىٰ لِلشَّامِ! قالوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَلِمَ ذَاكَ؟ قال: تِلْكَ مَلَائِكَةُ اللّٰهِ بَاسِطُوْ اَجْنِحَتِها عَلَى الشَّامِ" (رواه الترمذی واحمد وصحّحه الطبرانی والحاکم و وافقه الذهبی)

ترجمہ: خوشی وسعادت ہے شام کے لیے، خوشی وسعادت ہے شام کے لیے، خوشی و سعادت ہے شام کے لیے۔ صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول اتنی ساری برکتیں اور سعادتیں ملکِ شام کے لیے کیوں ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ دیکھو اللہ کے فرشتے ملکِ شام پر اپنے پر پھیلائے ہوئے ہیں (تو بھلا ایسے ملک کی برکت وسعادت کا کیا پوچھنا)۔

سلطان العلما العز بن عبد السلام (عبدالعزیز بن عبد السلام دمشقی ۵۷۷ھ/۱۱۸۱ء - ۶۶۰ھ/۱۲۶۲ء) نے فرمایا ہے کہ حضور ﷺ کے ارشادِ گرامی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ملکِ شام کی حفاظت اور نگرانی کے لیے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں۔

شہرِ قدس کا اسلام میں، مکۂ مکرمہ اور مدینۂ منورہ کے بعد سب سے بڑا درجہ ہے،

دونوں کے بعد دنیا جہان کی کسی جگہ کو ایسا تقدس وفضیات حاصل نہیں جو بیت المقدس اور بالآخر سارے فلسطین وشام کو حاصل ہے۔ یہیں وہ مسجد اقصیٰ ہے جو دنیا کی اُن تین مسجدوں میں سے ایک ہے، جس کے لیے شدّ رحال یعنی جس کی زیارت کی نیت سے شرعی نقطۂ نظر سے باقاعدہ سفر کیا جاسکتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اُنھوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَىٰ ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِیْ هٰذَا وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَىٰ" (متفق علیہ) (یعنی شرعی طور پر) صرف تین مسجدوں کی زیارت کی غرض سے سفر کیا جاسکتا ہے: میری یہ مسجد (مسجد نبوی مدینۂ منورہ) مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ۔

شبِ اِسراء ومعراج میں سرکارِ دوعالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حرم مکی سے، حرم اقصیٰ کا سفر کرایا پھر یہاں سے آسمانوں کی طرف آپ کو عروج کرایا گیا۔ اللہ پاک نے اِس عظیم واقعے کو وحی متلو کی شکل میں اپنی آخری اور پائندہ کتاب کا جزو بنادیا ہے:

"سُبْحٰنَ الَّذِيْ أَسْرَىٰ بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا إِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ" (سورہ اسراء/۱)

ترجمہ: پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات مسجدِ حرام (حرمت والی مسجد) سے مسجدِ اقصیٰ (پرلی والی مسجد) تک۔

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر کے موقع سے علامہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندیؒ ثم الپاکستانی بن مولانا فضل الرحمٰن دیوبندیؒ (۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء - ۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء) ترجمۂ شیخ الہند (حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ بن مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ ۱۲۶۸ھ/ ۱۸۵۱ء - ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء) کے حاشیے پر تحریر فرماتے ہیں:

"یعنی جس ملک میں مسجد اقصیٰ(۱) واقع ہے وہاں حق تعالیٰ نے بہت سی ظاہری وباطنی برکات رکھی ہیں۔ مادی حیثیت سے چشمے، نہریں، غلے، پھل اور میووں کی اِفراط اور

(۱) بیت المقدس کے لفظ کا اِطلاق مسجدِ اقصیٰ پر بھی ہوتا ہے؛ لیکن زیادہ تر یہ لفظ شہرِ قدس کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

روحانی اعتبار سے دیکھا جائے تو کتنے انبیاء و رسل کا مسکن و مدفن اور اُن کے فیوض وانوار کا سرچشمہ رہا ہے۔ شاید نبی کریم ﷺ کو وہاں لے جانے میں یہ بھی اِشارہ ہوگا کہ جو کمالات، انبیاے بنی اسرائیل وغیرہ پر تقسیم ہوے تھے، آپ ﷺ کی ذاتِ مقدس میں وہ سب جمع کر دیے گئے۔ جو نعمتیں بنی اِسرائیل پر مبذول ہوئی تھیں، اُن پر اب بنی اِسماعیل کو قبضہ دلایا جانے والا ہے۔ کعبہ اور بیت المقدس دونوں کے انوار و برکات کی حامل ایک ہی امت ہونے والی ہے۔ اَحادیثِ معراج میں تصریح ہے کہ بیت المقدس میں تمام اَنبیا علیہم السلام نے آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ گویا حضور ﷺ کو جو سیادت و اِمامتِ اَنبیا کا منصب دیا گیا تھا، اُس کا حسّی نمونہ آپ ﷺ کو اور مقربینِ بارگاہ کو دکھلایا گیا۔''

مسجدِ اقصی میں ایک نماز کا ثواب ۵۰۰ نماز کے برابر ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم (صحابہ رضی اللہ عنہم) نے حضور ﷺ کے روبہ رو اِس بات کا تذکرہ کیا کہ کون سی مسجد زیادہ فضیلت والی ہے: مسجدِ رسول اللہ ﷺ یا بیت المقدس کی مسجدِ اقصی؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا:

"الصَلاَةُ فِي الْمَسْجِدِ الحرامِ بِمِأَةِ أُلُفِ صَلاَةٍ، والصَّلاَةُ فِي مَسْجِدِي بِأُلْفِ صَلاَةٍ، والصَّلاَةُ فِي بَيْتِ الْمَقْدِس بِخَمْسِ مِأَةِ صَلاَةٍ" (حديث حسن رواه الطبراني في الكبير) یعنی مسجدِ حرام میں نماز کا ثواب، ایک لاکھ نماز کے برابر ہے، مسجدِ نبوی میں نماز کا ثواب ایک ہزار نماز کے برابر ہے، جب کہ مسجدِ اقصی میں نماز کا ثواب پانچ سو نماز کے برابر ہے۔ حضرت ابوذرؓ ہی کی ایک حدیث میں جس کو حاکمؒ نے روایت کیا ہے اور صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے بھی اُس کی صحت کو درست قرار دیا ہے یہ بھی ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ مسجدِ اقصی کو دیکھنے کی تمنا کریں گے اور کوئی اپنے گھوڑے کو باندھنے کی رسّی کے برابر کے فاصلے سے اگر اُس کو دیکھ سکے گا تو یہ اُس کے لیے دنیا اور دنیا کے سارے مال و اسباب سے بڑھ کر ہوگا۔

بیت المقدس میں نماز پڑھنے والوں کے لیے حضرت سلیمان علیہ السلام نے

مغفرت کی دعا کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ حضورؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ حضرت سلیمان نے بیت المقدس کی تعمیر سے فراغت کے بعد اللہ سے تین چیزوں کی دعا کی تھی، جن میں سے ایک یہ تھی کہ اس مسجد (مسجد اقصی) میں جو کوئی صرف نماز پڑھنے کی غرض سے آئے، تو اس کے سارے گناہ معاف ہو جائیں اور وہ ایسا معصوم ہو جائے کہ اُس کی ماں نے اُس کو اسی دن جنا ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اُن کی سابقہ دونوں دعائیں تو قبول ہو ہی گئی تھیں کہ اُن کی حکومت اللہ کی مرضی کے مطابق تھی اور اُن کی ایسی سلطنت کسی کو بھی نہ مل سکی اور مجھے امید ہے کہ اُن کی آخری دعا بھی قبول ہوگئی ہوگی۔ (نسائی و ابن ماجہ)

روایتوں میں ہے کہ اِسی حدیث کی وجہ سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حجاز سے مسجدِ اقصی تشریف لاتے تو اپنی نیت کو بے لوث رکھنے کے لیے، یہاں صرف نمازیں ہی پڑھتے اور یہاں کا پانی بھی نہ پیتے تھے؛ تاکہ وہ حضرتِ سلیمانؑ کی دعا کے مستحق بن سکیں۔

امام احمدؒ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وقوعِ فتن کے وقت، اہلِ شام ایمان پر ثابت قدم رہیں گے۔

ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری زمانے میں خلافتِ اسلامیہ کا پایۂ تخت ہوگا۔

امام ابوداؤد اور امام احمدؒ نے حضرت ابوحوالہ ازدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اُنھوں نے کہا کہ رسولِ اکرمؐ نے اپنا ہاتھ میرے سر پہ یا میری کھوپڑی پہ رکھا اور فرمایا:

"يَا ابْنَ حَوَالَةَ! إِذَا رَأَيْتَ الخِلاَفَةَ قَدْ نَزَلَتِ الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ، فَقَدْ دَنَتِ الزَّلاَزِلُ وَالْبَلاَبِلُ وَالْأُمُورُ العِظَامُ، والسَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنَ النَّاسِ مِنْ يَدِيْ هٰذِهٖ مِنْ رَأْسِكَ".

ترجمہ: اے ابن حوالہ! جب تم دیکھنا کہ خلافت (اسلامیہ) ارضِ مقدسہ میں حلول کرگئی ہے، تو تم یقین کرلینا کہ زلزلوں، پریشانیوں اور بڑے بڑے فتنوں کا وقت آچکا ہے

اور اُس دن قیامت، لوگوں سے اِس سے زیادہ قریب ہو جائے گی جتنا کہ میرا ہاتھ تیرے سر سے قریب ہے۔

مسجدِ اقصیٰ کی یہ بھی فضیلت ہے کہ مسجدِ حرام کے بعد تعمیر ہونے والی یہ دوسری مسجد ہے، جو روے زمین پر خداے واحد کی عبادت کے لیے تعمیر کی گئی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ روے زمین پر تعمیر ہونے والی سب سے پہلی مسجد کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مسجدِ حرام، میں نے پوچھا اس کے بعد کون سی مسجد بنی؟ آپ نے فرمایا: مسجدِ اقصیٰ۔ میں نے دریافت کیا دونوں کی تعمیر کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: چالیس سال۔ پھر آپؐ نے فرمایا: پھر جہاں بھی نماز کا وقت آن پہنچے، تم وہیں نماز ادا کرلیا کرو، اِس لیے کہ اِسی میں فضیلت ہے (کہ آدمی وقت پر کہیں بھی نماز ادا کرلے اِس میں مسجد کی بھی کوئی قید نہیں۔ ہاں اگر مسجد وہاں وقت پر میسر ہو، تو فبہا) (رواہ البخاری)

ہجرت کے بعد ۱۶ یا ۱۷ ماہ تک مسلمانوں کا نمازوں میں مسجدِ اقصیٰ ہی قبلہ رہی تھی۔ حضرت برار بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اُنھوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے ساتھ (یعنی آپ ﷺ کی اِمامت میں) میں نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے ۱۶ یا ۱۷ ماہ نماز پڑھی، پھر ہمارا قبلہ مسجدِ حرام کی طرف ہو گیا۔ (رواہ البخاری و مسلم)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بہ وقتِ موت ارضِ مقدس اور بیت المقدس سے قریب کردیے جانے کی خدا سے دعا کی تھی۔ حضرت امام بخاریؒ نے مرفوعاً روایت کیا ہے:

”فَسَأَلَ مُوسَىٰ اللّٰهَ أَنْ يُدْنِيَهُ مِنَ الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ رَمْيَةً بِحَجَرٍ؛ فَلَوْ كُنْتُ ثَمَّ لَأَرَيْتُكُمْ قَبْرَهُ إِلَىٰ جَانِبِ الطَّرِيقِ تَحْتَ الْكَثِيبِ الْأَحْمَرِ“ تو حضرت موسیٰؑ نے اللہ سے دعا کی کہ اللہ اُنھیں ایک پتھر پھینکنے کے فاصلے کی مقدار میں ارضِ مقدس سے قریب کردے، تو اگر میں وہاں ہوتا تو تم لوگوں کو راستے کے کنارے ریت کے سرخ ڈھیر کے نیچے اُن کی قبر دکھا دیتا۔

حضرت امام نوویؒ (یحیٰ بن شرف بن مری بن حسن حزامی حورانی نووی شافعی ابوزکریا محی الدین ۶۳۱ھ/۱۲۳۳ء - ۶۷۶ھ/۱۲۷۷ء) فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ سے ارضِ مقدس سے قریب کردینے کی درخواست، ارضِ مقدس کی شرف وفضیلت کی وجہ سے تھی۔

بیت المقدس کی یہ بھی فضیلت ہے کہ وہ طائفۂ منصورہ (اللہ کی مدد یافتہ جماعت) اور حق پر قائم رہنے والے گروہ کا مرکز رہے گا۔ حضور ﷺ سے حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ، ظَاهِرِينَ عَلَىٰ مَنْ نَاوَأَهُمْ، وَهُمْ كَالْإِنَاءِ بَيْنَ الْأَكَلَةِ، حَتَّىٰ يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كَذٰلِكَ". قلنا يا رسول الله! وأين هُمْ ؟ قال: "بِأَكْنَافِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ" (أخرجه الطبراني في الكبير)

ترجمہ: میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی، اپنے مخالفین پر غالب و منصور ہوگی، اُن کی حیثیت کھانے والوں کے درمیان ایک برتن کی ہوگی، یہاں تک کہ اللہ کا قطعی فیصلہ اِس حال میں بہ روے کار آئے گا کہ وہ اِسی حال پر ہوں گے۔ ہم (صحابہؓ) نے پوچھا: اللہ کے رسول! اِس طرح کے لوگ یا جماعت کہاں ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ بیت المقدس کے پہلو میں ہوں گے۔

ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اہلِ شام (جس میں فلسطین و بیت المقدس داخل ہیں) کی صالحیت، امتِ مسلمہ کی صالحیت کی دلیل ہوگی:

إِذَا فَسَدَ أَهْلُ الشَّامِ فَلَا خَيْرَ فِيكُمْ، لا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي مَنْصُورِينَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى تَقُومَ السَّاعَةُ" (رواه الترمذي وابن ماجة)

ترجمہ: جب اہلِ شام میں بگاڑ آجائے گا، تو تم میں کوئی بھلائی نہ رہے گی۔ میری امت کا ایک گروہ مسلسل نصرت سے ہم کنار اور فتح مند رہے گا، اُنھیں بے یار و مددگار چھوڑ دینے والے اُن کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکیں گے، تا آں کہ قیامت آجائے گی۔

حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کو ملکِ شام میں سکونت کی اِن الفاظ میں دعوت دی تھی:

"عَلَيْكُمْ بِالشَّامِ؛ فَإِنَّهَا صَفْوَةُ بِلَادِ اللّٰهِ يَسْكُنُهَا خِيرَةٌ مِنْ خَلْقِهِ؛ فَمَنْ أَبَى فَلْيَلْحَقْ بِيَمْنِهِ، وَلْيَسْقِ مِنْ غُدُرِهِ؛ فَإِنَّ اللّٰهَ تَكَفَّلَ لِي بِالشَّامِ وَأَهْلِهَا" (صحيح الجامع الصغير للألباني)

تم شام میں رہا کرو؛ اس لیے کہ یہ اللہ کی چیدہ آبادی ہے، اللہ کی منتخب مخلوق اُس میں بودوباش اختیار کرے گی، اگر کسی کو وہاں رہنے میں اِبا ہو، تو اُس کی برکت کے حصول اور اس کے تالابوں سے پینے سے محروم نہ رہے؛ اِس لیے کہ اللہ نے میرے لیے شام اور اہلِ شام کی ضمانت لی ہے۔

صحابۂ کرامؓ میں سے حضرت عمر، حضرت ابوعبیدہ عامر بن الجراح، ام المومنین حضرت صفیہ، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت خالد بن الولید، حضرت ابوذر غفاری، حضرت ابوالدرداء، حضرت سلمان فارسی، حضرت عمرو بن العاص، حضرت سعد بن زید، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص وغیرہم رضی اللہ عنہم بیت المقدس کی زیارت کو تشریف لائے اور یہاں کی برکتوں سے مستفید ہوئے۔

صحابہؓ کی اتباع کرتے ہوئے، دنیا جہان کے علما وصلحا بیت المقدس کی زیارت یا یہاں باقاعدہ رہایش کی غرض سے تشریف فرما ہوئے، جن کی تعداد کا اِحاطہ مشکل ہے۔ اُن میں مفسرِ کبیر مقاتل بن سلیمانؒ (مقاتل بن سلیمان بن بشیر ازدی بلخی ابوالحسن متوفی ۱۵۰ھ/ ۷۶۷ء) امامِ شام امام اوزاعیؒ (عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی ابوعمرو ۸۸/ ۷۰۷ء - ۱۵۷ھ/۷۷۴ء) امام سفیان ثوریؒ (سفیان بن سعید بن مسروق ثوری ابوعبداللہ امیر المومنین فی الحدیث ۹۷ھ/۷۱۶ء - ۱۶۱ھ/۷۷۸ء) امام مصر لیث بن سعدؒ (لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن فہمی ابوالحارث ۹۴ھ/۷۱۳ء - ۱۷۵ھ/۷۹۱ء) امام محمد بن ادریس شافعیؒ (محمد بن اِدریس بن العباس بن عثمان ابن شافع ہاشمی قرشی مطلبی ابوعبداللہ ۱۵۰ھ/ ۷۶۷ء - ۲۰۴/ ۸۲۰ء) سرِ فہرست ہیں۔

ایک حدیث میں بیت المقدس کو ارضِ محشر ومنشر، یعنی حشر ونشر کی جگہ بتایا گیا ہے، یعنی یہ کہ قیامت کے روز ساری خلق کو یہیں جمع کیا جائے گا اور یہیں سے سب اپنی اپنی راہ لے گی۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انھوں نے حضور ﷺ سے دریافت فرمایا: اے اللہ کے رسول! بیت المقدس کے سلسلے میں ہمیں فتوی دیجیے اور بتایئے کہ اس کا کیا مقام ومرتبہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "أَرْضُ الْمَحْشَرِ وَالْمَنْشَرِ" کہ وہ حشر ونشر کی زمین ہے۔

اور ابوداؤد کی روایت میں ہے:

اِئْتُوهُ فَصَلُّوا فِيهِ ؛ فَإِنْ لَمْ تَأْتُوهُ وتُصَلُّوا فِيهِ ، فَابْعَثُوا بِزَيْتٍ يُسْرَجُ فِي قَنَادِيلِهِ" (علما نے اِس حدیث کے رجال کی تعدیل کی ہے، جیسا کہ امام نووی نے المجموع میں اور عصرِ حاضر کے ثقہ عالم البانی نے اِس کو صحیح بتایا ہے)

ترجمہ: بیت المقدس میں جا کر نماز پڑھا کرو؛ اگر وہاں پہنچ کر نماز نہ پڑھ سکو، تو اُس کی قندیلوں میں جلنے کے لیے تیل بھیج دیا کرو۔

یہیں ارضِ فلسطین میں دجّال کو (جو ایک خبیث یہودی ہوگا) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں شہر "لُدّ" میں بیت المقدس کے پاس ہلاک کیا جائے گا۔ (صحیح مسلم)

بیت المقدس، بہت سے انبیاے کرام علیہم السلام کا وطن اور جائے بعثت رہا ہے، جن میں حضرت اِبراہیم علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت اِسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت موسی علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام سرِفہرست ہیں۔

حق وباطل کا فیصلہ کن معرکہ بھی یہیں برپا ہوگا، جس میں حق کی فتح اور باطل کی عبرت ناک شکست ہوگی۔

شہر قدس.. جائے وقوع:

شہرِ قدس قلبِ فلسطین میں، سطحِ سمندر سے تقریباً ۷۲۰-۸۳۰ میٹر اونچے ٹیلوں پہ

واقع ہے، جو شرقاً ۳۵ خطِ طول البلد اور شمالاً ۳۴ خطِ عرض البلد پہ واقع ہیں۔ قدس کے مشرق میں وادیِ قدرون واقع ہے، جو شہر کی مشرقی فصیل اور جبل زیتون (جبلِ طور) کے درمیان واقع ہے۔ شہر کے مغرب میں وادیِ سلوان، شمال میں جبلِ مشارف، جنوب میں جبلِ مبکر ہے، جس پر حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تھے، جب وہ شہر قدس میں فاتحانہ تشریف لائے تھے۔

شہر قدس: بحرِ ابیض متوسط سے تقریباً ۳۲ میل (۵۵ کلومیٹر) کے فاصلے پر، مغرب میں، بحرِ مُردار سے ۱۸ میل (۲۲ کلومیٹر) مشرق میں، نہرِ اردن سے تقریباً ۲۶ میل شمال میں، خلیل سے تقریباً ۱۹ میل جنوب میں، نیز سبسطیہ سے تقریباً ۳۰ میل شمال میں اور بحرِ احمر سے ۲۵۰ کلومیٹر جنوب میں واقع ہے۔

شہرِ قدس کے علاقے

شہرِ قدس دو حصوں میں بٹا ہوا ہے:

(الف) پرانا علاقہ: یہ پرانا تاریخی علاقہ ہے جہاں مسجدِ اقصی واقع ہے۔ اِس کا رقبہ تقریباً ایک مربع کلومیٹر ہے۔ یہ فصیل سے گھرا ہوا ہے، جس کی لمبائی تقریباً ۴ کلومیٹر اور اونچائی ۱۲ میٹر ہے۔ اِس کے سات دروازے ہیں جو ہمہ وقت کھلے رہتے ہیں: باب الساہرۃ اور باب الحمید جو شمال میں واقع ہیں۔ مغرب میں باب الخلیل ہے، جنوب میں باب مغاربہ اور باب داوٗد ہیں، مشرق میں باب اَسباط اور شمال مغرب میں بابِ حدید ہے اور مشرقی جانب ایک آٹھواں دروازہ ہے جو ہمہ وقت بند رہتا ہے اِس کو باب ذہبی (سنہرا دروازہ) کہا جاتا ہے۔

(ب) نیا علاقہ:

یہ علاقہ ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء میں یہودیوں کے قبضے سے پہلے دو حصوں میں بٹا ہوا تھا: مشرقی حصہ اور مغربی حصہ۔ اِس وقت دونوں حصے مع مسجدِ اقصی یہود کے قبضے میں ہیں۔

شہرِ قدس کی اِسلامی فتح

حضرتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے ہی ملک شام کی فتح کے لیے اِسلامی اَفواج، علاقۂ شام کا رخ کرتی رہی تھیں؛ لیکن اللہ پاک نے اِس کی فتح کی سعادت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے مقدر کر رکھی تھی؛ چناں چہ ۱۷ھ میں حضرت عمرؓ کی سرپرستی میں، حضرت ابوعبیدہ عامر بن الجراح اور خالد بن الولید رضی اللہ عنہما کی قیادت میں اُس کی فتح بہ روے کار آئی۔

مفتوح عیسائیوں نے اِسلامی فوجوں کے طویل محاصرے کے بعد، یہ شرط عائد کی تھی کہ وہ بہ نفسِ نفیس حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو ہی شہر کی چابیاں سپرد کریں گے۔ دوسری شرطیں اُن کی یہ تھیں کہ عیسائیوں کی مذہبی آزادی برقرار رہنی چاہیے، شہر میں واقع اُن کے مذہبی مُقدّسات کا اِحترام ہونا چاہیے اور شہر میں قدیم رومی سرکلر کے مطابق یہودیوں کا داخلہ ممنوع رہنا چاہیے۔ حضرت عمرؓ نے اُن کی ساری شرطیں من وعن تسلیم کرلیں؛ لیکن آخری شرط کہ یہودیوں کے لیے یہاں کا داخلہ اور بود و باش ممنوع ہوگی، کو حضرت عمرؓ نے مسترد کر دیا، آپؓ نے فرمایا کہ اللہ کی کتاب قرآنِ پاک نے اہلِ کتاب کے حقوق وواجبات کی تصریح کردی ہے، اُس میں اِس طرح کی کوئی دفعہ ایسی نہیں جس کی رو سے بیت المقدس میں اُن کا داخلہ ممنوع قرار دیا جاسکے۔ البتہ آپؓ نے اُن کی یہ بات مان لی کہ اُن کے گرجا گھروں اور اُن کے رہایشی محلوں میں یہودیوں کی آمد قطعاً ممنوع ہوگی۔ حضرت عمرؓ نے اُس وقت یزید بن معاویہ کو وہاں کا گورنر مقرر فرمایا اور اُنھیں حضرتِ ابوعبیدۃ بن الجراحؓ کے احکامات کا پابند رہنے کی تاکید کی۔ اپنی روانگی کے وقت سلامہ بن قیصر کو وہاں کا اِمام مقرر فرمایا۔

حضرت عمرؓ نے شہرِ قدس کی چابیاں، عیسائی پوپ اعظم ''صفرانیوس'' (Sophronius) سے اِس حال میں وصول کیں کہ آپ سرخ اونٹ پر سوار تھے، اونٹ پر دو تھیلیاں تھیں ایک

میں ستو اور دوسرے میں کھجوریں تھیں، سامنے پانی سے بھرا ایک مشکیزہ تھا اور سواری کے پیچھے ایک توشہ دان تھا۔ آپؓ کے جلو میں جلیل القدر صحابۂ کرام: حضرت زبیرؓ، حضرت عبادہ بن صامتؓ وغیرہما تھے۔ سفر کے دوران آپؓ باری باری اونٹ پر سوار ہوتے، کبھی آپؓ، کبھی آپؓ کا خادم۔ جس وقت شہر میں داخلے کا وقت تھا، اونٹ پر آپؓ کا خادم سوار تھا۔ شہر میں محصور نصرانیوں نے جب آپؓ کو اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے پیدل چلتے ہوئے دیکھا، تو اُنھیں یہ بہت عجیب سا محسوس ہوا؛ لیکن اُنھوں نے اِس واقعے کو اِتنی اہمیت دی کہ اُن کا دینی اُسْقُفِ اعظم ''صفرانیوس'' باچشمِ نم یہ کہنے لگا: ''مسلمانو! تمھاری سلطنت اب قیامت تک رہے گی؛ کیوں کہ ظلم کی ریاست کچھ وقت کے لیے ہوسکتی ہے؛ لیکن علم کی ریاست قیامت تک کے لیے ہوتی ہے''

عہدِ بنی امیہ میں شہرِ قدس، انتظامی طور پر بھی ملک شام کا حصہ بنا دیا گیا؛ لیکن حضرت معاویہؓ نے اُس کی گورنری پر سلامہ بن قیصر کو برقرار رکھا، سلامہ کا قیام ٹھیک اُسی جگہ رہا جہاں عہدِ رومانی میں ''ہیروڈس'' کا محل واقع تھا۔

عہدِ اسلامی میں، کبھی کسی یہودی کو عہدِ خلفاے راشدین وعہدِ بنی امیہ میں، قدس میں بود وباش اختیار کرنے کی ہمت نہ ہوسکی۔ عہدِ بنی امیہ میں عبدالملک بن مروان (۲۶ھ/۶۴۶ء - ۸۶ھ/۷۰۵ء) نے جنھوں نے مسجدِ اقصی کی تعمیرِ نو کی تھی اور ۷۲ھ/۶۹۱ء میں قبۂ صخرہ تعمیر کرایا تھا، اُنھیں (یہودیوں کو) جزیہ کی ادائیگی کے بدلے، صفائی ستھرائی اور جھاڑو وغیرہ لگانے کی خدمت انجام دینے کی اجازت دے دی تھی، لیکن جب ۹۹ھ/۷۱۷ء میں حضرتِ عمر بن عبدالعزیزؒ (۶۱ھ/۶۸۱ء - ۱۰۱ھ/۷۲۰ء) سریرآراے خلافت ہوئے، تو اُنھوں نے یہودیوں کی شہرِ قدس کے تعلق سے بری نیتوں کا اِحساس کرتے ہوئے، اُنھیں مسجدِ اقصی میں چراغ وغیرہ کی خدمت سے، جس پر وہ مامور تھے، علاحدہ کردیے جانے کا حکم صادر فرمایا اور سارے خدّامِ حرم، مسلمان مقرر فرمائے۔ خلیفۂ اموی سلیمان بن عبدالملک (۵۴ھ/۶۷۴ء - ۹۹ھ/۷۱۷ء) کو شہرِ قدس سے

بڑی محبت تھی حتیٰ کہ اُنھوں نے اپنے برادرِ محمد کو دمشق (دار الخلافہ) میں اپنا جانشیں مقرّر کرکے قدس کا نقلِ مکانی کے ارادے سے، سفر فرمایا۔ اُن کا ارادہ دار الخلافہ کو دمشق سے، یہیں منتقل کرنے کا تھا؛ لیکن بہ وجوہ وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔

عہدِ عباسی میں ۲۵۷ھ/۸۷۰ء میں پاپائے روم کی اجازت کے بعد، برنارڈ نے شہرِ بیت المقدس کا دورہ کیا تھا اور اپنا یہ تاثر ریکارڈ کیا تھا کہ میں نے یہاں مسلمانوں اور عیسائیوں کو مکمل مفاہمت اور پرامن بقائے باہم کے اُصول پر عمل کرتے ہوئے، ہم سکونت پایا ہے۔ یہاں بے انتہا امن وسکون ہے، اِس کی وجہ یہ ہے کہ مسافرِ شب کے لیے یہ ضروری ہے کہ اُس کے پاس اُس کا شناخت نامہ ہو؛ ورنہ اُس کو تا تحقیق وتفتیش جیل میں رہنا پڑے گا۔

شاہِ مصر شاہِ اِخشید (محمد بن طغج الِاخشید متوفی ۳۳۴ھ/۹۴۶ء) کے زمانے میں فارسی (ایرانی) سیّاح ناصری خسرو نے شہرِ قدس کے دورے کے بعد اپنا یہ تاثر بیان کیا تھا: یہاں بیس ہزار کی آبادی ہے، یہاں بڑے بڑے اور خوب صورت بازار ہیں، فرشِ زمین پر پتھر لگے ہوئے ہیں۔ یہاں بہت سے صلحا وزاہدین کی قبریں ہیں۔ قابلِ ذکر ہے کہ بنی اِخشید کے سارے بادشاہوں کی قدس ہی میں تدفین کی وصیت ہوا کرتی تھی؛ چناں چہ محمد الاخشید کا انتقال تو ۳۳۴ھ/۹۴۶ء میں دمشق میں ہوا؛ لیکن اُن کی تدفین قدس میں ہوئی۔ ۳۴۹ھ/۹۶۰ء میں اُنوجور بن الِاخشید کی وفات ہوئی، تو اُنھیں بھی قدس ہی لاکر اپنے والد کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ متنبّی کے مشہور ممدوح کافورِ الِاخشیدی بھی اپنی وفات ۳۵۷ھ/۹۶۷ء کے بعد، قدس ہی میں مدفون ہوئے۔ مشہور مؤرخ وسیاح ''اِصطخری'' (ابو اِسحاق اِبراہیم بن محمد الفارسی متوفی ۳۴۶ھ/۹۵۷ء) نے اِخشیدیوں کے دور میں قدس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہاں اِتنی بڑی مسجد تھی کہ اُس دور میں پورے عالمِ اِسلام میں اُس سے بڑی مسجد نہ تھی؛ لیکن وہاں کچھ چشموں کے سوا جو کھیتی کی سینچائی کے لیے ناکافی تھے آبِ رواں کا کوئی نظم نہ تھا۔ قدس کے پہاڑوں اور میدانی علاقوں میں زیتون،

انجیر، انگور، گولر اور ہر طرح کے پھل کی کاشت ہوتی ہے۔

۳۵۸ھ/۹۶۹ء میں مصر و شام پر فاطمیوں کا تسلط ہوگیا؛ چناں چہ قدس بھی مُعِزّ لدین اللہ الفاطمی (ابوتمیم مَعدّ بن المنصور ۳۱۹ھ/۹۳۱ء - ۳۶۵ھ/۹۷۵ء) کے زیر تسلط آ گیا۔ مُعِزّ کی، اہل کتاب اقلیتوں، بالخصوص یہودیوں سے ہمدردی کے حوالے سے بڑی شہرت تھی۔ فاطمیوں نے قدس میں بہت سی عمارتیں تعمیر کیں، مسجدِ اقصی کی توسیع بھی کی، زلزلے کے نتیجے میں اُس میں جو شگافیں پڑ گئی تھیں، اُن کی اِصلاح و مرمت بھی کی۔ قدس میں فاطمیوں کے دور کی اہم یادگاروں میں سے مشہور ''بیمارستان'' ہسپتال تھا۔ یہ یہاں کا پہلا شفاخانہ تھا، اِس پر فیاضی سے مال و زر صرف کیا جاتا تھا۔ یہاں کے اطبّا کو بالمقطع تنخواہیں ملا کرتی تھیں۔ فاطمیوں نے یہاں ایک ''دار العلم'' بھی قائم کیا تھا، جو قاہرہ میں ۳۹۵ھ/۱۰۰۴ء میں تعمیر کیے گئے ''دار الحکمت'' کی شاخ تھا۔

مشہور مؤرخ وسیّاح مقدسی (شمس الدین متوفی تقریباً ۳۸۰ھ/۹۹۰ء) نے بیت المقدس کے تذکرے میں لکھا ہے: اِس بڑے علاقے کے شہروں میں قدس سے بڑا کوئی شہر نہیں، یہاں سردی اور گرمی زیادہ نہیں ہوتی، برف باری بھی شاید و باید ہی ہوتی ہے، اِس طرح کا موسم جنت کا ہوگا، یہاں عمارتیں پتھروں کی ہیں، اِن عمارتوں سے زیادہ خوب صورت اور مضبوط عمارت میں نے کہیں نہیں دیکھی؟ یہاں کے باشندے انتہائی پاک طینت اور یہاں کی زندگی انتہائی خوش گوار ہے، یہاں کے بازاروں سے زیادہ صاف ستھرے بازار شاید و باید کہیں ہوں گے، نہ یہاں سے بڑی مسجدیں ہوں گی، نہ یہاں سے زیادہ مقدسات کہیں ملیں گے۔

۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء میں یہاں سلجوقیوں کا تسلط ہوگیا، جب سلجوقی بادشاہ الب ارسلان (عضد الدولہ محمد ابوشجاع متوفی ۴۶۴ھ/۱۰۷۲ء) نے اِس کو فاطمیوں سے چھین لیا۔ پھر سلجوقی بادشاہ ملک شاہ بن اَلب اَرسلان (۴۴۷ھ/۱۰۵۵ء - ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء) کے ترکمانی غلام اُدْتق بن اِکسِب نے ۴۷۰ھ/۱۰۷۷ء میں بہ زورِ تلوار بیت المقدس کو ہتھیا

کر وہاں اُرتھقیوں کی ریاست قائم کر لی۔

سلجوقیوں اور فاطمیوں کی رسّا کشی جاری تھی کہ صلیبیوں نے قدس پر حملے کی تیاری شروع کردی، چناں چہ ۴۹۳ھ/ ۱۰۹۹ء میں اُنھوں نے قدس پر، فرانس کے ''لورین'' صوبے کے گورنر'' گوڈوری ڈی بویان'' کی قیادت میں حملہ اور قبضہ کرلیا۔ شہرِ قدس کے سارے مسلمانوں اور یہودیوں کا قتلِ عام کیا، اُن کے مکانوں اور مقدسات کو جلا کر خاکستر کردیا اور یہاں داخلے پر اُن کے لیے مکمل پابندی عائد کردی۔ تقریباً ۸۸ سال تک شہرِ قدس صلیبیوں کے قبضے میں رہا، کئی صلیبی بادشاہوں نے یہاں حکومت کی۔ اُسی وقت صلیبیوں کے دو متشدد اور حقیقی معنی میں ''دہشت گرد'' گروہ معرض وجود میں آئے۔ ایک گروہ ''شہسوارانِ ہیکل'' (Tem plires) اور دوسرا گروہ ''شہوران قدلیس یوحنا'' (Hospitaliers) کے نام سے جانا گیا۔ اول الذکر ۵۱۲ھ/ ۱۱۱۸ء میں جب کہ ثانی الذکر ۵۰۷ھ/ ۱۱۱۳ء میں ظہور پذیر ہوا۔ پہلے گروہ کا کام مسلمانوں کا صفایا اور ان کا نام ونشان مٹانا تھا، جب کہ دوسرے گروہ کا کام شروع شروع میں بادی النظر میں عیسائی بیماروں کی دیکھ ریکھ تھا؛ لیکن اسلام کے پرسوز قائد حضرت صلاح الدین ایوبیؒ (یوسف بن ایوب ۵۳۲ھ/ ۱۱۳۸ء - ۵۸۹ھ/ ۱۱۹۳ء) کے حملوں کے بعد، یہ دونوں صلیبی جماعتیں بہ جلد ہی خالص عسکری بن گئیں، دونوں نے مسجد اقصیٰ کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز اور اپنے اسلحوں کے لیے ذخیرہ گاہ بنالیا۔

لائقِ ذکر ہے کہ قدس پر صلیبیوں کے قبضے ۴۹۳ھ/ ۱۰۹۹ء کے بعد سے ہی مسلمانوں نے برابر اِس کی مزاحمت جاری رکھی اور کبھی چین سے نہیں بیٹھے۔ معرکۂ حطین ۵۸۳ھ/ ۱۱۸۷ء سے فارغ ہوتے ہی شیرِ اسلام حضرت صلاح الدین ایوبیؒ نے شہرِ قدس کا محاصرہ کرلیا، صلیبیوں کے لیے خود سپردگی کے سوا کوئی چارہ نہ رہا، چناں چہ جزیے کی اَدائیگی کے عوض صلاح الدین نے ان کی خود سپردگی کو تسلیم کرلیا اور انھیں جزیے کی ادائیگی کے لیے ۴۰ دن کی مہلت دی۔

شاہِ فرانس ''لوئیس ۹'' (Louis 9) (۱۲۱۴ء - ۱۲۷۰ء) کی قیادت میں کیے گئے مسلسل صلیبی حملوں کی زبردست اور مؤثر مزاحمت کرتے ہوئے ۶۴۶ھ/ ۱۲۴۸ء میں ایوبی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا اور اس کی جانشیں سلطنتِ مملوکی ہوئی، جس نے صلیبیوں سے زبردست ٹکر لیتے ہوئے شہر قدس کی پوری پوری حفاظت کی اور مسلسل جنگوں کی وجہ سے پیدا شدہ تباہیوں کا ازالہ کیا، مسجدِ اَقصیٰ کی مکمل اِصلاح و مرمت کی، شہر قدس میں بہت سی عالیشان عمارتیں تعمیر کیں۔ سلطان ظاہر بیبرس (بیبرس العلائی البند قداری الصالحی رکن الدین ۶۲۵ھ/ ۱۲۲۸ء - ۶۷۶ھ/ ۱۲۷۷ء) نے، جنھوں نے صلیبی جنگ کے قائد ''لوئیس ۹'' (۶۱۱ھ/۱۲۱۴ء - ۶۶۸ھ/ ۱۲۷۰ء) کو گرفتار کرکے ہمیشہ کے لیے صلیبی جنگ کا باب بند کردیا۔ ۶۶۱ھ/۱۲۶۲ء اور ۶۶۴ھ/ ۱۲۶۵ء میں دوبار بیت المقدس کا بہ ذاتِ خود دورہ کیا اور وہاں شرعی علوم کی تعلیم کے لیے ایک دارالحدیث اور ''مدرسہ اباصیریہ'' قائم کیا، قبۃ الصخرہ کی منہدم شدہ عمارت کو دوبارہ تعمیر کیا۔ اِسی سلطنت مملوکی کے ہنرمند بادشاہ سلطان منصور سیف الدین قلاوون (خلیل بن قلاوون صالحی ۶۶۶ھ/ ۱۲۶۸ء - ۶۹۳ھ/ ۱۲۹۴ء) نے ۶۷۹ھ/ ۱۲۸۰ء میں بیت المقدس میں رباطِ قلاوون، مسجد قلندری، قبۃ الکلبکیہ اور اِن کے علاوہ بہت سی یادگار اور شان دار عمارتیں بنوائیں۔

مملوکی سلطنت کے دور میں ہی، ہمیشہ کے لیے بیت المقدس صلیبیوں سے پاک ہوگیا؛ بل کہ ملکِ شام سے ہی اُن کا صفایا ہوگیا؛ چناں چہ مذکورہ شاہِ اشرف خلیل بن قلاوون اور فرنگیوں کے مابین ''عکا'' شہر میں ۶۸۲ھ/۱۲۸۳ء میں مشہور تاریخی معاہدہ زیرِ عمل آیا، جس کے نافذ العمل اور مؤثر رہنے کی مدت اُس وقت دس سال دس ماہ دس دن اور دس گھنٹے متعین کی گئی تھی اور جس میں صلیبیوں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ شاہِ خلیل ہی کا بہ شمول شہر بیت المقدس سارے حجاز و مصر و شام و اردن و فلسطین پر اقتدار رہے گا۔ مملوکیوں کے دونوں دھڑوں بحریہ و شراکسہ کے پورے دور میں بیت المقدس اُن کے لیے خاص مرکزِ توجہ رہا۔ وہاں اُنھوں نے دینی، اجتماعی اور بری و بحری پروجکٹس برپا کیے۔ اُن میں سے

بہت سے نقوش ہنوز تابندہ ہیں۔

سلطان سلیم اوّل عثمانی (بن بایزید ثانی بن محمد الفاتح ۸۷۰ھ/۱۴۶۶ء - ۹۲۶ھ/۱۵۲۰ء) نے (جو نویں عثمانی سلطان تھے اور خلفاے عثمانی میں پہلے شخص تھے جنھیں ''أمیر المؤمنین'' کے لقب سے نوازا گیا) کے ہاتھوں ۹۲۳ھ/ ۱۵۱۷ء میں سلطنتِ مملوکی کا خاتمہ ہوگیا، اُنھوں نے مصر و شام پر قبضہ کرلیا۔ چوں کہ قدس شام کے ماتحت تھا؛ اِس لیے یہ بھی اُنھی کے زیرِ نگیں آ گیا۔ اِنھوں نے بیت المقدس میں ہی عثمانی سلطنت کا ملکِ شام کے لیے نائب مقرر کردیا۔ اِن کا ایک کارنامہ مؤرخین یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اِنھوں نے فلسطین وسَینا، کی طرف یہودیوں کی آمد کو باقاعدہ فرمان کے ذریعے، روک دیا تھا۔

عہدِ عثمانی میں شہرِ قدس ایک بڑی انتظامی اِکائی کی حیثیت رکھتا تھا اور ''سنجق القدس'' کے نام سے مشہور تھا۔ اِس کے ماتحت پانچ سیکٹر تھے جو قضاءِ قدس، قضاءِ یافا، قضاءِ الخلیل، قضاءِ غزۃ اور قضاءِ بئر السبع کے نام سے معروف تھے۔ نیز اِس شہر کو دس انتظامی گوشوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ہر سیکٹر کا منتظم ''قائم مقام'' کہلاتا تھا۔ شہرِ قدس کے جج کی عثمانی دور میں بڑی اہمیت ہوا کرتی تھی؛ کیوں کہ شہر کی تمام اِنتظامی اکائیوں کا ارتکاز اُسی کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ لائقِ ذکر ہے کہ سارے یا اکثر حکومتی ملازمین واہلِ کار، شہرِ قدس کے باسی ہوتے تھے۔ یہاں ایک مجلسِ شوری اور ایک مجلسِ عمومی بھی ہوتی تھی۔ عثمانی پارلیامنٹ میں ۱۹۰۸ء میں شہر قدس کے ۳ ارکان ہوتے تھے: ۲ خاص شہرِ قدس کے اور ایک ''یافا'' کا ہوا کرتا تھا۔

۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء میں عثمانی سلطنت کی جنگ عظیم میں ہزیمت کے بعد ۱۳۳۶ھ /۱۹۱۷ء میں بیت المقدس انگریزوں کے قبضے میں چلا گیا۔ (اتحاف الاخصا بفضائل المسجد الاقصی)

برطانوی اقتدار کے دور میں نہ صرف بیت المقدس؛ بل کہ پورے فلسطین کو یہودیوں کے حوالے کردیے جانے کی کارروائی قدم بہ قدم جاری رہی۔ انگریزوں نے یہاں

یہودیوں کی پوزیشن مضبوط کر کے مسلمانوں کو بے دست و پا کر دینے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی، سوائے شہر کے اُس حصے کے جو شہر پناہ کے اندر تھا اور سوائے چند متصل قریوں کے، کہ یہ فلسطین پر برطانوی اقتدار کے بعد بھی تقریباً ۱۹ برس تک اردن کے تصرف میں رہے۔ ۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۸ء میں عربی یہودی جنگ کے نتیجے میں، یہودیوں نے بیت المقدس کے ۶۶,۲ فی صد رقبے پر قبضہ کرلیا؛ لیکن پرانا شہر، اب بھی مسلمانوں کے قبضے میں رہا؛ لیکن فلسطین کے دگر باقی ماندہ حصوں کی طرح یہ باقی ماندہ اہم علاقے بھی ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء میں یہودیوں کے قبضے میں چلے گئے۔

بیت المقدس کو یہودیانے کی کارروائی

اِس کے بعد یہودیوں نے بیت المقدس کی وسعتوں میں بے پناہ اِضافہ شروع کیا اور مغربی کنارے کے علاقوں کے دگر شہروں کی قیمت پر اِس کے رقبے کو بری طرح پھیلانے کا عمل جاری رکھا۔ شہر کا رقبہ جو پہلے صرف ۱۳ مربع کلومیٹر تھا اُس کو بڑھا کر ۱۰۸ مربع کلومیٹر کر دیا گیا اور یہ ''بیت المقدس عظمیٰ'' کے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کیا گیا۔

اِسی سال یعنی ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء میں قدس پر قبضے کے بعد اِسرائیلی پارلیامنٹ (کنیسٹ) نے شہرِ قدس کے دونوں حصوں: مشرقی و مغربی کو ایک دوسرے میں ضم کر دینے کا بل پاس کیا۔ ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۰ء میں متحدہ قدس کو اِسرائیل کی ابدی راج دھانی اور دارالحکومت قرار دیے جانے کا قانون پاس ہوا۔ ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء میں ہی پورے قدس پر قبضے کے معاً بعد قدسِ عربی کی سکریٹریٹ تحلیل کر دی گئی اور عربی اپیل کورٹ (عدالتِ مرافعہ) کو قدس سے رام اللہ منتقل کر دیا گیا، ساتھ ہی شہر کے مسلمان باشندوں پر یہودی قانون کی عمل داری شروع ہوگئی، پانی اور ٹیلیفون کے نیٹ ورک اُن کی ریاست سے ہی جڑ گئے، ساری یہودی وزارتیں اور حکومتی ادارے شہرِ قدس ہی منتقل کر دیے گئے، عربی اسکولوں کے نصاب ہائے تعلیم کو بھی یہودیا دیا گیا؛ کیوں کہ اُن میں یہودی خیال کے

نصاب ہائے تعلیم داخل کر دیے گئے۔ اسی کے ساتھ، شہر کو معاشی طور پر اور کسٹم ڈیوٹیوں کی سطح پر دیگر فلسطینی شہروں سے الگ تھلگ کر دیا گیا۔

۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء میں قدسِ عظمیٰ کے منصوبوں کی تفصیلات منظرِ عام پر لائی گئیں جن کی رو سے قدس کے اردگرد تقریباً ۱۵ یہودی کالونیاں آباد کی گئیں۔

۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء میں صہیونی منصوبوں کے تحت ''رافل بنکر'' کا منصوبہ سامنے آیا، جن میں درجِ ذیل نقاط تھے:

۱- یہودی اقتدارِ اعلیٰ کے تحت پورا شہر بیت المقدس متحدہ شہر رہے گا۔

۲- شہر کی سرحدوں کو ۱۸ محلوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، ہر محلے کی ایک ذیلی بلدیاتی کونسل ہوگی، جو مرکزی بلدیاتی کونسل کے ماتحت ہوگی، جس کے ۵۵ ممبران ہوں گے، جن میں ۳۸ یہودی ہوں گے۔

۳- یہودی محلوں کو ایک قسم کی خودمختاری حاصل رہے گی۔

۴- مقاماتِ مقدسہ میں ہر مذہب والے کو عبادت کی آزادی ہوگی۔

۵- عرب باشندوں کی تعداد ۲۵ فی صد سے زیادہ ہونے نہ دی جائے گی۔

۶- شہر کی توسیع، شمالاً رام اللہ اور بیرہ شہروں تک کے عربی خطوں کو شامل ہوگی اور شرقاً ابو دیس اور عیزریہ کو اور غرباً لطرون کو جب کہ جنوباً بیت اللحم کو۔

۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء میں قدس کے نقشے میں مزید توسیع کی گئی، جس میں ۹ شہروں اور ۶۰ عربی مواضعات کو شامل کر لیا گیا، یعنی مغربی کنارے کے ۳۰ فی صد رقبے کو لے لیا گیا، جس میں مزید ۱۵ یہودی کالونیاں بنا کر سارے نئے خطے کو یہودیانے کے عمل کو جاری رکھا گیا۔

۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء تک صہیونی حکام نے ۹ مزید یہودی محلے شہرِ قدس کی حدود میں اور پرانے شہر کے مضافات میں بسا لیے۔

یہودی منصوبے میں پہلے ہی یہ صراحت کر دی گئی تھی کہ صرف ۲۰۰۰ء تک، شہر

قدس میں کم از کم ۱۰ لاکھ یہودیوں کو بسانا ہے اور عربوں کی تعداد ڈھائی لاکھ سے بڑھنے نہیں دینی ہے۔

چناں چہ اس پر سختی سے عمل کیا گیا۔ اِس وقت یہودیوں کی آبادی شہر کے اندر ۸۰ فی صد سے زیادہ ہے۔ مسلمان انتہائی کس مپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔

شہرِ بیت المقدس کی سرحدیں

فلسطین کے نقشے پر نظر ڈالنے سے شہرِ قدس کی جغرافیائی جائے وقوع کی اہمیت اجاگر ہو جاتی ہے اور یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ فلسطین کے بیچ میں مرکزی نقطے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اُس کی سیاسی، تہذیبی اور مذہبی پوزیشن تو اپنی جگہ مسلم ہی ہے۔ شہر کی آبادی کا نقطۂ ارتکاز شہرِ پناہ سے گھرا ہوا حصّہ رہا ہے؛ کیوں کہ پرانے دور میں شہروں کو فصیلوں سے گھیر دیا جاتا تھا؛ تا کہ شہر کی حفاظت اور اُس کا دفاع دونوں آسان ہوں۔ ۱۹ ویں صدی عیسوی کے اَوَاخر اور ۲۰ ویں صدی کے اوائل میں شہرِ پناہ سے گھرے ہوئے شہر میں بڑھتی ہوئی آبادی کو سمونے کی گنجایش باقی نہ رہی؛ اِسی لیے شہر کی آبادیاں چاروں طرف شہرِ پناہ کے باہر پھیلنے لگیں اور نئے نئے محلے آباد ہو گئے، جو قدسِ جدید (نیا بیت المقدس) کے نام سے جانے گئے۔ نیز اڑوس پڑوس کے گاؤں، جو شہر کے ماتحت تھے، وہ بھی شہر سے مل گئے۔ بیرونِ فصیل کی آبادیاں، دو سمتوں مغربی اور جنوبی میں زیادہ پھیلیں۔

چوں کہ شہر کے اطراف، آبادیوں کا یہ اضافہ عربی علاقوں میں ہوا تھا، اِس لیے شہر کی سرحدوں کی حد بندی، یہودی مفاد کو پیشِ نظر رکھ کر کی گئی؛ چناں چہ مغربی سمت کی طرف کی لائن کئی کلومیٹر تک چلی گئی، جب کہ جنوبی اور مشرقی سمتوں میں (ان کی آبادی کے عربی ہونے کی وجہ سے) شہری حد بندی کی لائن، صرف چند میٹروں تک جا کر روک دی گئی؛ لہٰذا شہر سے متصل عربی قریوں کے مدخلوں کے سامنے ہی شہری حدود کی لائن موقوف کر دی گئی۔

۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں میونسپل بورڈ کی حد بندی اِسی امتیازی سلوک کی بنیاد پر کی گئی۔

۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء اور ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء کی بلدیاتی حد بندی

دوسری مرتبہ بلدیاتی حد بندی ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء میں کی گئی، جس کے دوران مغربی حصے کی توسیع کی گئی۔ مشرقی حصے میں موضع ''سلوان'' کے جنوبی حصے کو شہر میں ضم کر لیا گیا۔ ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء اور ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء میں بیت المقدس کی تقسیم اور بین الاقوامی حیثیت دینے کے نظریے کا ظہور ہوا؛ چناں چہ (بیل کمیٹی) جو فلسطین کے تعلق سے شاہی کمیٹی تھی، اِس نظریے کو بروئے کار لانے کی طالب ہوئی۔ اُس نے شہرِ قدس، بیت اللحم اور ساتھ ہی اللدّ، رَملَّہ اور یافا کو مجوزہ عربی اور یہودی ریاستوں کی حدود سے باہر رہنے دینے کی تجویز پیش کی اور یہ سجھاؤ دیا کہ آمد ورفت کے لیے پرامن اور آزاد راہ داری بنائی جائے گی۔ اس نے یہ وضاحت بھی کی تھی کہ شہرِ قدس ایک علاحدہ اور الگ تھلگ خطہ رہے گا'' جو ایک مخصوص عالمی انتظام وانصرام کے ماتحت ہوگا، یعنی اقوامِ متحدہ کے زیرِ انتظام رہے گا، جو اِس کی سرپرستی ونگرانی کے لیے باقاعدہ مجلس تشکیل دے گی۔ بین الاقوامی ماتحتی کے لیے شہرِ قدس میں عین کارم، موتا، شعفاط، ابودیس اور بیت اللحم کو شامل کیا گیا تھا؛ لیکن ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء کے معرکوں کے نتیجے میں شہرِ قدس کو صرف دو حصوں میں تقسیم کر دینے پر عمل کیا گیا۔

۲۱/صفر ۱۳۶۸ھ=۳۰/۱۱/۱۹۴۸ء کو اسرائیلی حکام اور اُردن نے فائر بندی کے معاہدے پر دست خط کیے، دست خط سے قبل ۲۳/شوال ۱۳۶۷ھ=۲۲/۷/۱۹۴۸ء کو بیت المقدس کو دو حصوں: مشرقی اور مغربی میں تقسیم کر دینے کی تجویز زیرِ غور آچکی تھی، جو معاہدے میں شامل کی گئی۔

اِس تقسیم کے بعد شہر کے رقبے کی صورتِ حال اِس طرح بنی:

اردن کے ماتحت فلسطین کے ۱۱٫۴۸ فی صد حصے رہ گئے۔ مغربی قدس کے مقبوضہ حصے کا رقبہ ۸۴٫۱۳ فی صد ہو گیا۔ محفوظہ علاقہ، جو اقوامِ متحدہ کے ماتحت قرار دیا گیا، کا رقبہ

۴۰،۴۰ فی صد قرار دیا گیا۔

بیت المقدس و مسجدِ اقصیٰ، نئے تصورات و اصطلاحات

۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۷ء میں بھی جب سلطنت عثمانیہ کی جنگ عظیم میں شکست کے بعد فلسطین پر عارضی برطانوی اقتدار قائم ہونے کو تھا، شہر قدس ایک ہی شہر تھا، جو دسویں سلطانِ عثمانی شاہ سلیمان قانونی (بن سلطان سلیم اوّل ۹۰۰ھ/۱۴۹۵ء - ۹۷۴ھ/ ۱۵۶۶ء) کی دسویں صدی ہجری کے وسط میں تعمیر کردہ فصیل سے گھرا ہوا تھا، جس میں شہر پناہ سے باہر کے چند محلے بھی شامل تھے، جو سلطنتِ عثمانیہ کے دور میں شمالی، مشرقی اور جنوبی سمتوں میں معرضِ وجود میں آئے تھے؛ لیکن برطانوی قبضے کے دوران یہودی نمایندوں نے بلدیاتی حدود سے چھیڑ چھاڑ کی؛ چناں چہ سمتِ مغرب میں، جدھر یہودیوں کی گھنیری آبادیاں تھیں، کئی کلومیٹر تک شہر کی سرحدیں بڑھا دی گئیں، جب کہ سمتِ جنوب وسمت مشرق میں جدھر عربوں کی آبادیاں تھیں، صرف چند میٹروں تک ہی بلدیاتی خط کھینچا جاسکا، چناں چہ کئی بڑے بڑے عربی گاؤں، شہر کی حدود میں شمول کے استحقاق کے باوجود، سہولتوں سے محروم کرنے کے لیے، بلدیاتی دائرے میں نہیں آنے دیے گئے۔ اُن مواضعات میں طور، دیریاسین، سلوان، عیسویہ، مالحہ، بیت صفافا، شعفاط، لفتا اور عین کارم شامل ہیں۔

اِس ظالمانہ امتیازی عمل کی وجہ سے شہرِ قدس، ایک متحدہ عربی اور مسلمان شہر کی بہ جائے، کئی شہر نظر آنے لگا:

قدس قدیم: یا قدس عتیق، جو سلیمان قانونی کی تعمیر کردہ شہر پناہ کے اندر ہے اور جس کا رقبہ ۴۰،۴۰ مربع کلومیٹر ہے اور جو چار پہاڑوں پہ واقع ہے: جبلِ موریا، جبل صہیون، جبل آکرا اور جبل بزیتا۔ مسجدِ اقصیٰ قدیم شہر قدس کے جنوب مشرقی حصے میں جبلِ موریا پہ واقع ہے۔

قدسِ مشرقی: یہ قدسِ قدیم ہی ہے، جس میں بیرونِ فصیل مسلمانوں کے بسائے ہوئے محلے شامل ہیں، جیسے حی الشیخ جراح، حی باب الساہرۃ، حی وادی الجوز۔ مشرقی قدس کی

اصطلاح، صہیونی ریاست کے قیام سے پہلے مسلمانوں اور یہودیوں کے مابین کشیدگی میں اضافے کے بعد، سامنے آئی تھی؛ کیوں کہ مسلمان، بڑی اکثریت کے ساتھ شہر کے مشرق میں اور یہودی غالب اکثریت کے ساتھ شہر کے مغربی حصے میں مرتکز ہو گئے تھے؛ لہٰذا مشرقی حصے کو، قدسِ شرقی اور مغربی حصے کو، قدسِ غربی کہا جانے لگا۔

قدس غربی: یہ نیا قدس شہر، برطانوی اقتدار کے دور میں معرضِ وجود میں آیا، یہاں دنیا کے مختلف خطوں سے آنے والے یہودی آ کر بستے رہے، یہ بُری طرح پھیلتا گیا۔ ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء میں اِس کو برطانوی استعمار نے قدس کی بلدیاتی حدود میں شامل کرلیا تھا، چناں چہ قدس کا کل رقبہ ۱۹۰۰۰ مربع کلومیٹر ہو گیا تھا، یعنی پرانے قدس سے ۲۰ گنا زیادہ۔

مُتَّحِدہ قدس: یہ یہودیوں کی ایجاد کردہ اصطلاح ہے، جس کو وہ دونوں حصوں مشرقی اور مغربی پر اِطلاق کرنے کے لیے بولا کرتے ہیں۔ ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء میں- جیسا کہ بار بار کہا گیا- شہرِ قدس عملی طور پر دو حصوں: مشرقی عربی اور مغربی یہودی میں تقسیم ہو گیا تھا۔ ۲۸ر ربیع الاوّل ۱۳۸۷ھ = ۷ر جون ۱۹۶۷ء کو اِسرائیل نے سارے قدس پر قبضہ کرلیا، اُس کے بعد سے اُن کا اِصرار رہا اور ہے کہ ''متحدہ قدس'' اِسرائیل کا ابدی دارالحکومت ہے!۔

گریٹر قدس: یہ وہ وسیع تر قدس کا تصور ہے، جس کو برپا کر کے، صہیونی شہر کو یہودی شناخت دے کر اُس کی اِسلامی عربی پہچان کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ اُن کا اِرادہ ہے کہ ''عظیم تر قدس'' میں یہودیوں کی ایسی بھاری اکثریت ہو جائے کہ مسلمان انتہائی چھوٹی سی اقلیت بن جائیں۔ اُن کا مقصد یہ بھی ہے کہ مسلم عربی محلوں کو یہودی آبادیوں سے اِس طرح گھیر دیا جائے اور بیرونِ فصیل واقع عربی محلوں سے علاحدہ کر دیا جائے کہ عربوں کے لیے شہر کے اندر زندگی دشوار تر؛ بل کہ خارج اَز اِمکان ہو جائے اور بالآخر اُن کی اِسلامی عربی شناخت تحلیل ہو جائے یا وہ از خود یہاں سے ہمیشہ کے لیے چلے جائیں!۔

مسجدِ اقصیٰ

شہر قدس کی فصیل کے علاوہ شہر کے اندر اور ایک فصیل ہے، جو مسجدِ اقصیٰ کے گرد جبلِ موریا پہ واقع ہے، اِس فصیل کا مغربی گوشہ ۴۹۰ میٹر، مشرقی گوشہ ۴۷۴ میٹر، شمالی گوشہ ۳۲۱ میٹر اور جنوبی حصہ ۲۸۳ میٹر ہے۔ حرمِ قدس کے فصیل بند دائرے میں کئی ایک اسلامی عمارتیں اور مُقدّسات ہیں، جن میں مشہور قبۃ الصخرۃ ہے۔ جب ''مسجد اقصیٰ'' کا لفظ بولا جاتا تھا، تو سلف کے نزدیک فصیل بند سارا حرم مراد ہوتا تھا؛ لہٰذا مسجد قبۃ الصخرۃ حرمِ اقصیٰ کا حصہ ہے۔ اِسی طرح مسجد عمر، حضرت عمرؓ نے فتح کے وقت تعمیر کی تھی اور جس کی تعمیرِ نو عبدالملک بن مروان نے کی تھی، مسجدِ اقصیٰ ہی کا حصہ ہے۔

مسجدِ اقصیٰ کے نقشے پر ایک نظر

۱- مسجد اقصیٰ:

یہ وہ سارا حرم ہے جو فصیل بند دائرے میں واقع ہے، اِسی میں مسجد قبۃ الصخرہ بھی آتی ہے، جس کا گنبد سنہرا ہے، اور جو حرمِ اقصیٰ کے گویا قلب میں آتی ہے۔ اِسی طرح سیاہ مائل بہ سرمئی گنبد والا ''مصلائے قبلہ'' ہے جو جانبِ قبلہ مسجدِ اقصیٰ کے بالکل جنوب میں واقع ہے۔ اِس کے علاوہ تقریباً ۲۰۰ اِسلامی مُقدّسات ونقوش اِسی کے اندر آتے ہیں، جن میں مسجدیں، عمارتیں، گنبد، پانی کی سبیلیں، پانی کے پرنالے، گیلریاں، مدرسے، درخت، محرابیں، منبر، منارے، دروازے، کنوئیں اور لائبریریاں داخل ہیں۔

۲- رقبہ:

مسجد اقصیٰ کا کل رقبہ (۱۴۴۰۰۰) مربع میٹر ہے، اِس طرح یہ رقبہ فصیل بند شہرِ قدس کا چھٹا حصہ ہے۔ یہ رقبہ غیر مربوط گوشوں پر مشتمل ہے چناں چہ مغربی گوشے کی لمبائی ۴۹۱ میٹر، مشرقی گوشے کی لمبائی ۴۶۲ میٹر، شمالی گوشے کی لمبائی ۳۱۰ میٹر اور جنوبی گوشے کی

لمبائی ۲۸۱ میٹر ہے۔ اس رقبے میں جب سے مسجد بنی ہوگی کوئی کمی زیادتی واقع نہیں ہوئی۔ جب کہ مسجدِ حرام مکۂ مکرمہ، اور مسجدِ نبوی مدینۂ منورہ، میں بار بار ترمیم و توسیع ہوتی رہی ہے۔

۳- موجودہ صورتِ حال:

باوجودے کہ مسجدِ اقصیٰ کا انتظام وانصرام اردنی وزارت اوقاف وامور مقدسات اسلامیہ کے ماتحت انجام پذیر ہوتا ہے؛ لیکن مسجدِ اقصیٰ جیسا کہ معلوم ہے اِس وقت اسیرِ قبضۂ یہود ہے، اُس کی آمد و رفت کی راہیں صہیونی قبضے کے دائرے میں آتی ہیں، یہ قبضہ ۱۹۶۷ء سے قائم ہے۔ صہیونی حکومت غیر اِعلانیہ طور پر یہودیوں کے دعووں کی مؤیّد اور برپا ہونے کی راہ کے کانٹوں کو ایک ایک کر کے چننے میں لگی ہوئی ہے۔ یہودیوں کا بے بنیاد عقیدہ ہے کہ مسجدِ اقصیٰ ''ہیکل سلیمانی'' کے ملبے پہ واقع ہے، شہرِ قدس کے بغیر ریاستِ اسرائیل بے معنی ہے اور ہیکل کے بغیر شہرِ قدس بے معنی ہے (بن گوریون وزیر اعظم اوّل ریاستِ یہود)

مسجدِ اقصیٰ کا انہدام یہودیوں کا بڑا ہدف ہے۔ اِس سلسلے میں یہودیوں نے کئی طرح کی خطرناک کارروائیاں کرلی ہیں اور باقی ماندہ پروگراموں کو برپا کرنے کے لیے سنجیدگی سے درپے ہیں۔ اُنھوں نے مسجدِ اقصیٰ کی مغربی دیوار کے ایک حصے کو علاحدہ کر کے ''دیوار گریہ'' نام دے کر مسلمانوں کو اِس کے نزدیک جانے سے بھی روک دیا ہے۔ مسجدِ اقصیٰ کو جلانے، گرانے اس کو دھماکے سے اڑا دینے کی کئی کارروائیاں وہ کھلے عام کر چکے ہیں۔ اِس کے علاوہ اُنھوں نے مسجدِ اقصیٰ کے نیچے سرنگیں کھود ڈالی ہیں اور کسی نہ کسی بہانے سے کھدائی کا کام وہ کرتے ہی رہتے ہیں، جس کی وجہ سے مسجدِ اقصیٰ کے بہت سے حصوں میں دراڑیں پڑ گئی ہیں۔ نماز کے لیے مسجد میں مسلمانوں کی آمد و رفت بھی آزادنہ نہیں ہو پاتی۔ مسجد کی دیکھ ریکھ، اصلاح ومرمت پر بھی طرح طرح کی پابندیاں عائد ہیں۔ بار بار مسجدِ اقصیٰ پر اسرائیلی فوجوں اور صہیونی دہشت گردوں کے ذریعے دھاوا بولنے اور مسلم

نوجوانوں کو زدوکوب کرنے اور انھیں گرفتار کرنے کی کارروائی ہوتی رہتی ہے۔

مسجدِ اقصیٰ کے عناصر

بہت سے مسلمان گول سنہرے گنبد والی عمارت کو ہی مسجدِ اقصیٰ سمجھ بیٹھتے ہیں۔ مسجدِ اقصیٰ درحقیقت ایک اِحاطہ ہے، جس کے اندر عمارتیں، مدرسے، مسجدیں، پرنالے، گنبد، گیلریاں اور محرابیں وغیرہ ہیں اور یہ سارا کچھ مسجدِ اقصیٰ ہی سے عبارت ہے۔

۱- مسجدِ اقصیٰ کی عمارت: یہ مسجدِ اقصیٰ نہیں؛ بل کہ اِس کو مجازاً مسجدِ اقصیٰ کہا جاتا ہے، پہلے اِس کو جامع مسجد اور مسجدِ رجال (مسجد مرداں) کہا جاتا تھا۔ یہ موجودہ عمارت، خلیفۂ اموی عبدالملک بن مروان کے دور میں بنی تھی۔ اِسی طرح قبۂ صخرہ کی عمارت بھی مسجدِ اقصیٰ نہیں؛ بل کہ مسجدِ اقصیٰ مذکورہ ساری چیزوں سے عبارت ہے اور سب کی جامع ہے، نہ صرف مذکورہ دونوں عمارتیں بل کہ دیگر سیکڑوں تاریخی اِسلامی آثار ونقوش پر بھی مسجدِ اقصیٰ ہی کا اِطلاق ہوتا ہے، مسجدِ اقصیٰ کی بیچ والی گیلری کے نیچے قدیم مسجدِ اقصیٰ واقع ہے، جس کی تحریکِ اسلامی نے اِصلاح ومرمت کرائی تھی، جب کہ یہ دسیوں سالوں سے بند پڑی تھی۔

۲- مسجدِ اقصیٰ کا جنوب مشرقی گوشہ: مسجد کے اِحاطے میں یہ سب سے بلند حصّہ ہے۔ یہ مسجدِ اقصیٰ کے جنوب مشرقی حصّے کی آخری حد ہے۔

۳- مروانی مصلّٰی: شیخ رائد صلاح (مقبوضہ فلسطین کی تحریک اسلامی کے سربراہ) کی صدارت میں اِسلامی تحریک نے اِس کی اصلاح ومرمت کرائی تھی اور اُس میں ٹائلس لگوائے تھے۔ ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء میں نماز کے لیے اِس کا افتتاح ہوا تھا۔ سیکڑوں سال بعد مسجدِ اقصیٰ میں روبہ عمل آنے والا یہ سب سے بڑا تعمیری منصوبہ تھا۔ یہودیوں نے مصلّٰی مروانی کو اپنے زیرِ قبضہ لینے کی کوشش کی تھی۔ یہاں اپنا ہیکل بنا کر اُس کو اپنے مزعومہ ہیکلِ سلیمانی کے لیے دروازہ بنا ڈالنے کا اُن کا اِرادہ رہا ہے۔ مسلمانوں کی طرف سے اِس کی

صفائی ستھرائی اور ترمیم و اِصلاح کے بعد وہاں نماز کی ادائگی کی ابتدا سے، اُن کا منصوبہ سردست کھٹائی میں پڑ گیا ہے۔ ایریل شیرون نے (۲۸ ستمبر ۲۰۰۰ء = جمعرات ۲۷ جمادی الاخری ۱۴۲۱ھ) کو جو مسجدِ اقصی کو اپنے قدموں سے ناپاک کرنے کی اشتعال انگیزانہ کارروائی کی تھی، اُس کا مقصد درحقیقت مصلّٰی مروانی کا درشن کرنا تھا۔

۴۔ مصلّٰی مروانی کا راستہ: اِس جگہ اِسلامی تحریک نے کھود کر مصلّٰی مروانی کی سات گیلریاں دریافت کی تھیں۔ یہاں سے ہزاروں ٹن مٹی صاف کی گئی اور اِس بڑے مصلّٰی کے شایانِ شان، ایک بڑی راہ تعمیر کی گئی۔

۵۔ قبہ صخرہ: بہت سے مسلمان اِسی کو مسجدِ اقصی باور کر لیتے ہیں۔ حال آں کہ مسجدِ اقصی کے اِحاطے میں۔ جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا۔ واقع ساری چیزیں مسجدِ اقصی ہیں، یہ اُس کا ایک جزو ضرور ہے، قبہ صخرہ ان چیزوں: آثار و عمارات میں سے ایک ہے، جن کے مجموعے کا نام مسجدِ اقصی ہے۔ قبہ صخرہ، خلیفہ اموی عبدالملک بن مروان کے زمانے میں تعمیر کیا گیا تھا، جنھوں نے مصر کے خراج کی پوری رقم کو سات سال تک صرف اِسی پر خرچ کیا۔ یہ عمارت اُس صخرۂ مُشرّفہ کو محیط ہے، جس پر سے شبِ معراج میں حضور اکرم ﷺ کو دنیا سے آسمانوں کی طرف صعود ہوا تھا۔

۶۔ اموی محلات: یہ اموی محلات کے آثار ہیں، یہودیوں نے مسجدِ اقصی کی طرف کو اِن کے نیچے کھدائی کی ہے۔ ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء میں صہیونی وزیر اعظم یہود باراک کی حکومت نے مصلّٰی مروانی کی دیوار تک ایک راہ داری تعمیر کرائی۔ یہی دیوار مسجدِ اقصی کی جنوبی حد ہے۔ باراک نے بہ ذات خود اِس کا افتتاح کرتے ہوے یہ کہا کہ ہمارے ہیکلِ سلیمانی کا یہ ہی دروازہ ہے۔

۷۔ گوشۂ خنثیہ: یہ مسجد اقصی کا آخری جنوبی حصہ ہے۔ یہیں سے خلفا و اُمرا اپنے محلات سے مسجدِ اقصی آیا کرتے تھے۔

۸۔ گوشۂ جنوب مغربی: یہ مسجد اقصی کی آخری جنوب مغربی حد ہے۔

۹- دعوت واصولِ دین کالج: یہ جنوبی سمت میں مسجدِ اقصی کی ایک عمارت ہے۔ یہ ماضی میں بھی ایک مدرسے کے طور پر مستعمل رہی تھی۔ ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء تک یہ دعوت واصول دین کالج رہا تھا۔ اب یہ مسجدِ اقصی کی لائبریری کے بہ طور مستعمل ہے۔ صہیونی حکام نے انتفاضہ اولی (ابتدا از ۱۲/۸/۱۹۸۷ء انتہا ۷/۴/۱۹۸۸ء) کے وقت اِس عمارت کو بند کر دیا تھا۔

۱۰- اسلامی میوزیم: یہ بہت پرانی عمارت ہے، اِس وقت اِس میں اسلامی میوزیم ہے۔ بیت المقدس پر اسلامی حکم رانی کے مختلف ادوار کے بہت سے آثار یہاں محفوظ ہیں۔ یہیں نور الدین زنگی (ابن السابق اتابک متوفی ۵۷۰ھ/۱۱۷۴ء) کے منبر کی باقیات بھی ہیں، جس کو اگست ۱۹۶۹ء میں آسٹریلیائی صہیونی دہشت گرد "مایکل روہان" نے جلا دیا تھا۔

۱۱- بوابۂ مغاربہ: یہ دروازہ، مسجدِ اقصی کی مغربی سمت میں دیوار براق کے بالمقابل واقع ہے، اِسی دیوار کو یہودی بے بنیاد طور پر "دیوار گریہ" کہتے ہیں۔ یہ دروازہ ہی مغاربہ محلے سے مسجدِ اقصی میں آنے کی واحد راہ تھا۔ مغاربہ محلے کو یہودیوں نے قبضے کے بعد نیست و نابود کر دیا، مسلمانوں کو قتل کر دیا اور باقی ماندہ کو در بہ در کر دیا۔ اِسی کے ملبے پر آج یہاں حارۂ یہود (محلّۂ یہود) قائم ہے ۱۶/ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ = ۸/۱۰/۱۹۹۰ء کو مسجدِ اقصی میں یہودیوں نے جو قتلِ عام کیا تھا، اُس کے بعد مسلمانوں کے لیے اِس دروازے کو یہ کہہ کر بند کر دیا کہ دیوار گریہ کے پاس جو یہودی عبادت کو آتے ہیں، اُن کے لیے، مسلمانوں کے اِس دروازے سے مسجد میں آنے جانے کی شکل میں بڑا خطرہ رہے گا۔ قابلِ ذکر ہے کہ مسجدِ اقصی میں یہودی پولیس، اِسی راہ سے بار بار ہلّہ بولتی رہتی ہے۔

۱۲- دیوارِ برّاق: اِسی جگہ حضور ﷺ نے شب اِسراء و معراج میں اپنی برّاق سواری کو باندھا تھا۔ اُس کے بعد آپ مسجد میں تشریف لے گئے تھے، اِسی کو صہیونی بلا دلیل "دیوار گریہ" کہتے ہیں کہ یہ اُن کے مزعومہ ہیکلِ سلیمانی کی آخری نشانی اور باقیات ہے۔ اِس کے میدان میں اُن کی میزیں وغیرہ پڑی رہتی ہیں۔

۱۳- دروازۂ سلسلہ: بازار کی طرف کو جانے والا یہ مسجدِ اقصی کا ایک بڑا دروازہ

ہے۔ اِسی کے نیچے سے یہودیوں کی کھودی ہوئی "حشمونائیم" نام کی سرنگ دیوار براق کی جنوبی سمت سے مسجدِ اقصی کی شمال مغربی سمت تک جاتی ہے۔

۱۴- مدرسۂ عمریہ: یہ مدرسہ، مسجدِ اقصی میں شمالی جانب ہے، یہ مسجدِ اقصی کا جزو لاینفک ہے۔ یہودی اِس پر بھی قبضہ کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ وہ یہاں اپنی عبادت گاہ بنانا چاہتے ہیں۔

۱۵- شمال مغربی حد: یہ مسلمانوں کے محلے میں واقع ہے۔

۱۶- شمال مشرقی حد: یہ اسباط دروازے کے پہلو میں ہے۔

۱۷- دروازۂ اسباط: یہ مسجدِ اقصی کی شمالی سمت میں واقع ہے۔ اِس وقت یہ مسلمانوں کی آمد ورفت کا بنیادی دروازہ ہے، بالخصوص بابِ مغاربہ کے بند کردیے جانے کے بعد نمازی یہیں سے آتے جاتے ہیں۔ بسیں اور دگر گاڑیاں بھی یہیں سے آتی جاتی ہیں۔

۱۸- بابِ رحمت: یہ مسجد اقصی کے دروازوں میں سے ایک ہے۔ حضرت صلاح الدین ایوبیؒ نے اِس کو بند کردیا تھا؛ کیوں کہ اُس وقت اِس دروازے سے صلیبیوں کے دھاوا بول دینے کا خطرہ تھا، اِسی دروازے کے باہر مقبرۂ رحمت واقع ہے۔

۱۹- مقبرۂ رحمت: اِس قبرستان میں صحابۂ کرام میں سے حضرت شدّاد بن اوس، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما وغیرہ مدفون ہیں۔ یہ قبرستان تدفین کے لیے ہنوز مستعمل ہے۔ اقصی کی یہودی قتل گاہ کے شہدا بھی یہیں مدفون ہیں۔

۲۰- اسلامی مقبرے: جہاں پرانے زمانے سے بھی لوگ دفن ہوتے آئے ہیں۔

۲۱- مغربی اور شمالی مسلمان محلے: اِن کی بعض عمارتوں پر بہ زور بازو یہودیوں نے قبضہ کرکے انھیں عبادت خانوں میں تبدیل کردیا ہے۔

مسجدِ اقصی کے خلاف کی گئی صہیونیوں کی ظالمانہ کارروائیاں

۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء کے بعد سے ہی یہودیوں نے مسجدِ اقصی پر قبضہ کرنے کے لیے

اسلامی وضع کو بدلنے کی بہتیری کوششیں کی ہیں۔ جن میں کچھ اِس طرح ہیں:

۱- ۱۱/ جون ۱۹۶۷ء کو مغاربہ محلے کے مسلمان باشندوں کو یہاں سے چلے جانے اور اپنے مکانات خالی کردینے کی صرف ۲۴ گھنٹے کی مہلت کے بعد، یہودیوں کی ریاست نے مسجدِ اقصیٰ کی مغربی دیوار کے پڑوس کے اِس محلے کا نام ونشان مٹادیا۔ ۶۵۰ عربوں کو اُن کے گھروں سے زبردستی بھگا کر، انھیں زمین بوس کردیا گیا۔ اس محلے کی زمین، حضرت صلاح الدینؒ نے اِن عربوں کے آباواجداد کو دے کر انھیں یہاں بسایا تھا۔ اِسی طرح شرف محلے سے بھی ۳ ہزار عربوں کو دربہ در کردیا گیا اور اس کا نام حارۃ الیہود کردیا گیا۔ مسجدِ اقصیٰ کی مغربی دیوار پر جو حائطِ برّاق کے نام سے جانی جاتی ہے، اِس کے بعد ہی قبضہ کرکے زبردستی اُس کا نام حائط المبکی (دیوار گریہ) کردیا۔ اس کے سامنے کے میدان کو بھی اُنھوں نے خوب کشادہ کرلیا اور اب وہاں پوجا پاٹھ کرتے رہتے ہیں۔

۲- اُسی زمانے میں صہیونی ریاست نے مسجدِ اقصیٰ کے مغربی گوشے کو ڈھادیا، جو زاویۂ فخریہ کے نام سے معروف تھا، اس کے قریب عربوں کے ۱۴ گھر بھی ڈھادیے۔

۳- ۲۴/ جمادی الاخری ۱۳۸۷ھ = ۱۹۶۷/۸/۳۱ء کو صہیونی پولس نے، بابِ مغاربہ کی چابی مسلمانوں سے چھین لی، یہ مسجدِ اقصیٰ کے دروازوں میں سے مشہور دروازہ تھا۔

۴- ۱۳۸۹ھ/ ۱۹۶۹ء میں صہیونیوں نے مسجدِ اقصیٰ کے صحن کے سامنے کے مدرسۂ تنکزیہ پر قبضہ کرلیا، بہانہ یہ تھا کہ دیوار گریہ تک آنے جانے والے یہودیوں کی حفاظت اِس کے بغیر ممکن نہیں۔ اِسی مدرسے کے بغل کے ۱۰ گھروں کے ۱۰۵ مکینوں کو اُن کے گھروں سے زبردستی نکال دیا۔ یہ مدرسہ اب صہیونی بارڈر سیکورٹی فورسز کا مرکز ہے۔

۵- ۱۳۸۹ھ/ ۱۹۶۹ء میں ایک آسٹریلوی یہودی نے مسجدِ اقصیٰ کے جنوبی حصے کو جلادیا تھا، جس کے دوران حضرت صلاح الدین ایوبی کا منبر اور جنوبی دیوار بھی جل گئی تھی، جس میں عہدِ اموی وعہدِ عباسی کے مایۂ ناز نقش ونگار بنے ہوے تھے؛ لیکن صہیونی پولس والوں نے اُس کو باؤلا شمار کرکے گرفتاری کے بعد فوراً چھوڑ دیا تھا۔ یہ واقعہ جمعرات

۸/۶/۱۳۸۹ھ=۲۱/۸/۱۹۶۹ء کو پیش آیا دوسرے روز جمعہ کی نماز نہ ہو سکی اس کے بعد والی نمازِ جمعہ منبر کے بغیر ہوئی۔

۶-اسرائیلی سپریم کورٹ (عدالتِ عظمیٰ) نے ۲۳/۹/۱۹۹۳ء (۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ) کو ایسا فیصلہ سنایا جس کی رو سے حرمِ قدسی (مسجد اقصیٰ) کی حرمت کو ہر طرح سے پامال کرنے کی، صہیونیوں کو کھلی چھوٹ دے دی گئی۔ اِس فیصلے کے اہم مندرجات اس طرح تھے:

(الف) حرمِ مسجدِ اقصیٰ، ریاست اِسرائیل ہی کا رقبہ ہے؛ لہٰذا اِس پر اسرائیلی ریاست کے ہی قوانین واحکام برپا ہوں گے، جن میں تعمیری منصوبہ سازی اور آثار قدیمہ کے قوانین بھی داخل ہیں، نیز مقاماتِ مقدسہ تک آزادی کے ساتھ اور بلا روک ٹوک ہر عقیدے کے حامل کو آنے جانے کی اجازت ہوگی اور کسی کو بھی اِس آزادی سے کھلواڑ کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ عدالت کا مقصد یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ کے حرم میں یہودیوں کو بھی عبادت کی اِجازت ہونی چاہیے اور مسلم وزارتِ اوقاف کو یہاں اِصلاح ومرمت اور تعمیرِ نو کی کوئی اِجازت نہیں ملنی چاہیے۔

(ب) اِس قرارداد کی رو سے ''جبلِ ہیکل'' کے صہیونی سکریٹریوں کو حرمِ قدسی پر سرپرستی کا اختیار دیا گیا ہے۔

(ج) جبلِ ہیکل یا بہ قول عدالت ''جبل بیت'' کو یہودیوں کے نزدیک ۳ ہزار سال سے بڑی دینی اہمیت اور تقدس رہا ہے، یہ تقدس ابدی ہے، یہ کسی متعین اقتدار سے ہم رشتہ نہیں، یہ تقدس کسی بھی قانونی بالادستی سے فزوں تر اور برتر ہے۔ حال آں کہ عدالت نے اپنے مذکورہ فیصلے میں یہ بات بھی تسلیم کی ہے کہ ۱۳ سو برس سے یہ جگہ مسلمانوں کے لیے بھی مقدس ہے، نہ صرف یہ؛ بل کہ مسلمانوں کے نزدیک تقدس میں اِس کا رتبہ مکہ اور مدینہ کے معاً بعد ہے۔ بہ ہر کیف اسرائیل کی عدالتِ عظمیٰ کا عندیہ یہ ہے کہ اِس جگہ کی فضیلت مسلمانوں کے نزدیک اتنی نہیں، جتنی یہودیوں کے نزدیک ہے۔

(د) عدالت نے اپنے فیصلے میں اسرائیلی اِداروں کو اِس بات کا پابند کیا ہے کہ انھیں اِس وقت سے آیندہ ہمیشہ سارے آثارِ قدیمہ کی زبردست نگرانی کرنی چاہیے؛ تاکہ اِسلامی اوقاف کا اِدارہ یہاں کسی طرح کی اِصلاح ومرمت اور صورتِ حال میں من مانی تبدیلی نہ کرسکے۔

۷- ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء میں ایک صہیونی عدالت نے تو مسجدِ اقصیٰ کے صحن میں یہودیوں کے ''نماز'' پڑھنے کی بھی اجازت دے دی تھی اور صہیونی ریاست کو بہ ذریعہ پولس اِس کا انتظام کرنے کا پابند بنایا تھا۔

۸- مسجدِ اقصیٰ کے تمام دروازوں پر یہودی پولس کا قبضہ رہتا ہے اور مسجد کی سیکورٹی کی حفاظت کے بہانے، سارے نمازیوں بالخصوص جوانوں کی جامہ تلاشی اور اُن کی تذلیل کی جاتی ہے۔

۹- مسجدِ اقصیٰ کے اندر کئی بار صہیونیوں نے خون خرابہ کیا ہے، مشہور قتلِ عام ۱۶/ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ=۸/۱۰/۱۹۹۰ء کو کیا تھا، جس میں ۱۸ نمازی شہید اور سیکڑوں زخمی ہوگئے تھے۔

۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء سے ہی صہیونی، مسجد اقصیٰ کی اصلاح ومرمت اور وہاں کے گنبدوں، سبیلوں اور دگر آثار کی مرمت و اِصلاح کرنے نہیں دیتے، تاکہ یہ علی حالہ رہ کر گرجائیں، جو اُن کے اہداف کے عین مطابق ہے۔

شہرِ قدس کی دگر آباد مسجدیں

مسجد مُرابطین، مسجدِ انصار، مسجدِ دعوت، مسجدِ مُہاجرین، مسجدِ شیخ محمود، مسجد البلد، مسجد عمری، مسجدِ کرافان، مسجدِ اَبرار، مسجدِ حیِ بشیر، مسجدِ اُموی، مسجدِ زاویۂ قدیمہ، مسجدِ احمد ساحوری، مسجدِ بیر ایوب، مسجدِ عین اللّوزہ، مسجدِ العین، مسجدِ ابوہریرہ، مسجدِ شیخ عبداللہ، مسجد عمری، مسجدِ فاروق، مسجد محمد الفاتح، مسجدِ بلال بن رباح، مسجدِ امام شافعی، مسجدِ شیخ جراح، مسجد عابدین، مسجد حجازی، مسجدِ ساہرہ، مسجدِ سلمان فارسی، مسجدِ علمی، مسجد عمر بن الخطاب، مسجد خالد

بن ولید، مسجد شہدائے فلسطین، مسجدِ زاویۂ منصورہ، مسجدِ ثوری، مسجد نور، مسجدِ ارقم، مسجدِ بدرالدین لولو، مسجدِ مصعب بن عمیر، مسجدِ مولویہ، مسجدِ شیخ مکّی، مسجدِ شیخ ریحان، مسجدِ مئذنۂ حمراء، مسجدِ زاویۂ نقشبندیہ، مسجدِ زاویۂ أفغانیہ، مسجدِ درغث، مسجدِ شوربجی، مسجدِ مصطفیٰ، مسجدِ ابوبکر صدیق، مسجدِ عمر بن الخطاب، مسجدِ محمد قدمی، مسجدِ مثبت، مسجدِ رزّاق، مسجدِ خانقاہِ صالحیہ، مسجدِ قلاوون، مسجدِ قمری، مسجدِ حمزۃ بن عبدالمطلب، مسجدِ عمری صغیر، مسجدِ عثمان بن عفّان، مسجدِ عمری کبیر، مسجدِ دیسی، مسجدِ القلعہ، مسجدِ محارب، مسجدِ سلطان ظاہر برقوق، مسجدِ شرفار، مسجدِ بسیونی، مسجدِ یعقوبی، مسجدِ سعد وسعید، مسجدِ ادہمی، مسجدِ سیدہ بدریہ، مسجدِ علی بن أبی طالب، مسجدِ سلطان إبراہیم ادہمی، مسجدِ بدر، مسجدِ عبدالحمید شومان، مسجدِ کلیۃ الدعوۃ، مسجدِ أحباب اللہ، مسجدِ نور، مسجدِ أتقیار، مسجدِ بشیر، مسجدِ عبد بن رواحہ، مسجدِ فاروق، مسجدِ عیسویۃ، مسجدِ اُحد، مسجدِ أبوعبیدہ بن جراح، مسجدِ خلافہ اِسلامیہ(۱)۔

شہرِ قدس میں مدفون بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

۱- عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ (۳۸ ق.ھ/۶۴۴ء - ۳۴ھ/۵۸۶ء)

۲- ابوریحانہ

۳- اِبراہیم بن أبی عبلہ عقیلی مقدسی رضی اللہ عنہ متوفی ۵۲ھ/۶۷۲ء

۴- فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ، متوفی ۵۳ھ/۶۷۳ء بہ عہدِ سیدنا عثمان بن عفّان رضی اللہ عنہ

۵- شدّاد بن اوس رضی اللہ عنہ، متوفی ۵۸ھ/۶۷۷ء بہ عہدِ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

۶- ذوالاصابع تمیمی رضی اللہ عنہ

۷- مسعود بن اوس بن زید رضی اللہ عنہ

۸- وائلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ

---

(۱) کتاب "مُسْتَقْبَلُ الْقُدْسِ وسُبُلُ إِنْقَاذِهَا" از: ڈاکٹر ابراہیم ابوجابر، شائع کردہ "جمعیۃ الأقصی لرعایۃ الأوقاف الإسلامیہ" طبعۂ اولیٰ ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء، ص: ۷۰-۷۳۔

۹- ابو اُبی بن اُمِ حرام رضی اللہ عنہ

۱۰- یزید بن سلام رضی اللہ عنہ

۱۱- عبداللہ بن مُحیریز جُمحی رضی اللہ عنہ متوفی ۹۹ھ/ ۷۱۷ء

۱۲- زیاد بن ابی سودہ رضی اللہ عنہ

شہرِ قدس کے اہم مقبرے

مقبرۂ رحمت، مقبرۂ یوسفیہ، مقبرۂ باب الساہرہ، مقبرۂ ماَ من اللہ، مقبرۂ صور باہر، مقبرۂ بیت صفافا، مقبرۂ اُمّ طوبا، مقبرۂ جبل المبکر، مقبرۂ طور، مقبرۂ شرفات، مقبرۂ شعفاط، مقبرۂ کفر عقب، مقبرۂ مالحہ، مقبرۂ عین کارم، مقبرۂ دیر یاسین۔

شہرِ قدس کے اہم بازار

سوقِ علّون، سوقِ بازار، سوقِ حُصرُ، سوقِ لحّامین، سوقِ نحّاسین، سوقِ عطّارین، سوقِ باشورہ، سوق صیّاغ / تاجر، سوقِ یہود، سوقِ باب سلسلہ، سوقِ قطانین، سوقِ باب الزیت، سوقِ باب عامود، سوقِ باب حطہ، سوقِ حارۂ نصاری[1]



(۱) حوالۂ سابق، ص: ۸۰، ۸۵، ۹۰-۹۱۔

۱۹۴۷ء سے ۱۹۹۶ء

کے دوران صہیونیوں کے ہاتھوں

فلسطینیوں کے قتلِ عام کی کچھ اہم اور مختصر روداد

۱۹۴۷ء سے ۱۹۹۶ء
کے دوران صہیونیوں کے ہاتھوں
فلسطینیوں کے قتلِ عام کی کچھ اہم اور مختصر روداد

۳۱ دسمبر ۱۹۴۷ء گاؤں (الشیخ اور حواسہ)

''حیفا'' میں پٹرول ریفائنگ فرم کے باہر ایک بم پھٹنے کی وجہ سے، فرم آنے والے کئی عرب ملازمین ہلاک اور زخمی ہوگئے۔ اِس واقعے کے بعد، مذکورہ فرم میں کام کرنے والے عرب ملازمین مُشتعِل ہوگئے اور پھاوڑے، کلہاڑی اور آہنی ٹکڑوں سے فرم کے صہیونی مزدوروں پر حملہ کردیا، جس کے نتیجے میں تقریباً ساٹھ یہودی ہلاک اور زخمی ہوگئے۔ اِس فرم کے عرب مزدوروں کی ایک بڑی تعداد کا تعلّق جنوب مشرقی ''حیفا'' میں واقع دو گاؤں ''الشیخ'' اور ''حواسہ'' سے تھا؛ اِسی لیے صہیونیوں نے اِن دونوں گاؤں پر دھاوا بول کر انتقام لینے کی تیاری کرلی۔

۱۹۴۸ء کی پہلی تاریخ کی شب کو، نصف شب کے تھوڑی دیر بعد ہی ۱۵۰ تا ۲۰۰ صہیونیوں نے حملہ کرنا شروع کردیا۔ اُنھوں نے دونوں گاؤں کے اطراف کو خاص کر نشانہ بنایا۔ عربوں کے پاس ضرورت کی حد تک ہتھیار بھی نہ تھے اور صرف سڑکوں پر معمولی مقامی پہرہ داری تھی۔ صہیونیوں نے اُن دونوں گاؤں کے اطراف کے گھروں پر دستی بم پھینکے اور گھر میں سورہے لوگوں پر گولیاں چلائیں۔ یہ حملہ ایک گھنٹہ جاری رہا۔ قریب ۱۰ گھروں پر حملے کرنے کے بعد، صبح دو بجے یہ لوگ فرار ہوگئے۔ اِس حملے میں لگ بھگ ۳۰ آدمی جاں بحق اور زخمی ہوگئے، جن میں بیش تر خواتین اور بچے تھے۔

۱۴-۱۵/فروری ۱۹۴۸ء گاؤں (سعسع)

''بالماخ'' نام کی بٹالین-۳ نے ''سعسع'' گاؤں پر حملہ کر کے، مکانات کو مکینوں کے سروں پر گرا ڈالا، جس کے نتیجے میں ۶۰ عرب (جن میں اکثر عورتیں اور بچے تھے) ہلاک ہو گئے۔ اِس کارروائی کو صہیونیوں نے نمونے کی کارروائی بتایا تھا۔

۲۷/فروری ۱۹۴۸ء (رحوفوت)

''رحوفوت'' کے قریب شہر ''حیفا'' میں پل پر ٹرین میں دھماکہ کر کے ۲۷ عربوں کو شہید کر دیا گیا۔ اور دیگر ۳۶ افراد زخمی ہو گئے۔

۱۳/مارچ ۱۹۴۸ء (کفر حسینیہ)

اسرائیل کی ''ہاگاناہ'' تنظیم نے، کفر حسینیہ گاؤں پر حملہ کر کے نہ صرف اُس گاؤں کو تباہ و برباد کر ڈالا؛ بل کہ ۳۰ عربوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

۲۷/مارچ ۱۹۴۸ء (بنیامیناہ)

''بنیامیناہ'' میں دو خونی حادثے ہوے۔ یعنی دو ٹرینوں کو دھماکے سے اڑا دیا گیا۔ پہلا واقعہ ۲۷/مارچ کو پیش آیا، جس سے ۲۴ فلسطینی شہید اور ۶۰ سے زائد زخمی ہو گئے۔ اِسی مہینے کی ۳۱/تاریخ کو دوسری کارروائی روبہ عمل لائی گئی، جس کے نتیجے میں ۴۰ عرب شہید اور مزید ۶۰ زخمی ہو گئے۔

۹/اپریل ۱۹۴۸ء (دیر یاسین)

دو صہیونی عسکری تنظیموں نے (ایک ''ارگون'' جس کا سربراہ ''مناحیم بیگن'' تھا، جو بعد میں وزیر اعظم بھی بنا اور دوسری ''شتیرن لیحی''، جس کا صدر ''اسحاق شامیر'' تھا، جو ''بیگن'' سے پہلے اسرائیل کا وزیر اعظم رہا تھا) ''ہاگاناہ'' کے ساتھ پیشگی ساز باز کے ذریعے

''دیریاسین'' پر خون ریز حملہ کر دیا، جس میں مذکورہ گاؤں کے قریب ۲۶۰ نہتے فلسطینی شہید ہو گئے۔ یہ حملہ مسلح صہیونی تنظیموں کی دہشت گردی اور عذاب دہی کے زیرِ عمل طریقوں میں سے ایک طریقہ رہا ہے؛ تاکہ صہیونی ریاست کے قیام کی راہ ہم وار کرنے کے لیے، فلسطین کی صورتِ حال پر کنٹرول کیا جا سکے۔

یہ گاؤں (دیریاسین) قدس سے چند کلومیٹر کی دوری پر، قدس اور تل ابیب کو جوڑنے والی، چھوٹی پہاڑی پر واقع ہے۔ اُس وقت قدس پر بھی پے در پے حملے ہو رہے تھے۔ عرب چوں کہ فلسطینی مجاہد عبدالقادر حسینی کی قیادت میں اپنے محاذوں پر کام یابی کے پرچم لہراتے جا رہے تھے؛ اِس لیے صہیونیوں کو بھی، کام یابی کے حصول کی سخت ضرورت تھی۔ ایک فوجی افسر کے بہ قول: ''عربوں کے حوصلے کو پس کرنے اور صہیونیوں کے حوصلے کو بلند کرنے کے لیے کام یابی ضروری ہے''۔ چناں چہ ''دیریاسین'' ''ارگون'' کی افواج کے لیے نوالۂ تر تھا۔ اِسی طرح صہیونی عسکری تنظیموں کو، ایک ایسے ہوائی اڈے کی ضرورت تھی، جو قدس کے باشندوں کے کام میں آ سکے۔ حملے، خون خرابے اور قتل و غارت گری کی کارروائیوں کا اِعلان، اُس عام صہیونی طرزِ عمل کا ایک حصہ ہے، جس کا مقصد، قتل و جلاوطنی کے ذریعے، فلسطین کو، اُس کے اصلی باشندوں سے خالی کرنا ہے۔ اِس چھوٹے گاؤں میں ۴۰۰ لوگ رہتے تھے، جو آس پاس کی کالونیوں میں اپنی تجارت کرتے تھے۔ اُن کے پاس صرف پہلی عالمی جنگ کے قدیم اسلحے تھے اور بس۔

۹/اپریل ۱۹۴۸ء کو بہ وقتِ فجر ''ارگون'' کی افواج ''دیریاسین'' کی مشرقی اور جنوبی سمتوں سے اور ''شتیرن'' کی افواج شمال کی جانب سے داخل ہوئیں اور مغربی راستے کو چھوڑ کر، ہر طرف سے ''دیریاسین'' کا مُحاصَرہ کر لیا اور سُو رہے باشندوں پر یکا یک حملہ کر دیا۔ شروع میں اِس حملے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا گیا، جس کے نتیجے میں چار حملہ آور ہلاک اور ۴۰ زخمی بھی ہو گئے۔ فرانسیسی رائٹر ''پیٹرک میرسیون'' لکھتا ہے: ''حملہ آوروں نے اِس سے پہلے اِس قسم کی جنگ نہیں لڑی تھی۔ اُن کے لیے یہ بڑا آسان کام تھا کہ وہ اپنا دفاع

اور مزاحمت کرنے والے گاؤں پر حملہ کرنے کی بہ جائے، بھیڑ بھاڑ والے بازاروں کے بیچ بم باری کردیں؛ اسی لیے وہ لوگ اِس سخت لڑائی میں پیش قدمی نہیں کرسکے۔

گاؤں والوں کی ثابت قدمی کا مقابلہ کرنے کے لیے اُن حملہ آوروں نے، قدس کے قریب کے ایک فوجی کیمپ میں موجود ''بالماخ'' کی افواج سے مدد مانگی، جس نے حملہ آوروں کی مُہم کو آسان بنانے کے لیے، اُس گاؤں پر مورٹار توپوں سے حملہ کردیا۔ ظہر ہوتے ہی یہ گاؤں (دیریاسین) ہر قسم کی مزاحمت سے پوری طرح خالی ہوگیا۔ اِس کے بعد ''ارگون'' اور ''شتیرن'' کی افواج نے اُس منفرِد طریقے کا استعمال کیا، جس میں اُنھیں بڑی مہارت حاصل ہے۔ وہ طریقہ کیا ہے، یعنی پورے گاؤں کو ڈائنامیٹ سے اُڑادیا جائے۔ اِس طرح اُن افواج نے ایک ایک گھر پر دھماکہ کرکے، اُس گاؤں پر کنٹرول کرلیا۔ جب دھماکہ خیز اشیا ختم ہوگئیں، تو اُن افواج نے اگلے قدم کے طور پر یہ کیا کہ بموں اور مشین گنوں کے ذریعے اُس جگہ کو مزاحمت کے عناصر سے آخری حد تک پاک کرڈالنے کی کارروائی انجام دی۔ فوج والے مرد، عورت، بچے اور بوڑھے اور گھر کے اندر مُتحرّک ہر چیز پر گولیاں داغتے تھے۔ یہ افواج اتنی سنگ دل اور ستم پیشہ تھیں کہ انھوں نے دسیوں گاؤں والوں کو دیوار کے نزدیک کھڑا کرکے، اُن کے سینوں میں گولیاں پیوست کردیں۔ خوں ریزی کا یہ عمل مُسلسَل دو دنوں تک چلتا رہا۔ صہیونی افواج نے لاشوں کو ایذا پسندی کی ذہنیت سے مسخ کیا، اِس ذہنیت کو انگریزی میں Sadism کہا جاتا ہے یعنی ظلم و ستم کے ذریعے لطف اندوزی کا رُجحان۔

۵۳ زندہ بچوں کو پرانے شہر کی چہار دیواری کے پیچھے ڈال دیا گیا اور ۲۵ زندہ لوگوں کو بسوں میں بھر کر، لے جایا گیا؛ اُن لوگوں نے قدیم رومن فوج کی طرح، فتح مندانہ انداز میں، اُنھیں قدس کے اندر گھمایا۔ پھر اُنھیں گولی مار کر موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ لاشوں کو ''دیریاسین'' کے کنوئیں میں ڈال کر، اُس کے دروازے کو اچھی طرح بند کردیا گیا؛ تاکہ جرم کے نشانات کا پتہ نہ چل سکے۔ ''میرسیون'' کے بہ قول: ''چند ہی منٹ میں – حال

آں کہ بڑی بے جگری سے حملہ آوروں کے مقابلے کا جواب دیا گیا۔ ''ارگون'' اور ''شٹیرن'' کے جواں سال مرد اور عورتیں، جو ''اعلیٰ اقدار'' کے حامل تھے، قصاب کی طرح سنگ دلی اور بے رحمی کے ساتھ، گاؤں والوں کو اِس طرح ذبح کرنے لگے، جس طرح نازی جرمنی کی افواج نے کیا تھا۔ صہیونی عسکری تنظیموں نے، ریڈ کراس کے نمایندے ''جیک ڈی رینیہ'' کو، کئی دنوں تک گاؤں میں جانے سے روکے رکھا۔ جب کہ گاؤں پر قابض ''ہاگاناہ'' کے لوگوں نے اہتمام کے ساتھ بکھری لاشوں کو جمع کر کے، اُنھیں دھماکے سے اڑا دیا؛ تا کہ عالمی تنظیموں کے نمایندوں کو گم راہ کیا جا سکے اور اُنھیں یہ یقین ہو جائے کہ یہ لوگ مسلح ٹکراؤ میں مارے گئے ہیں۔ ریڈ کراس کے نمایندے کو بعد میں، کنوئیں میں ڈالی گئی لاشوں کا پتہ چلا۔

اِس خوں آشام کارروائی کے بعد، کئی صہیونی تنظیموں کا مختلف و متضاد ردِّ عمل سامنے آیا۔ چناں چہ ''مناحیم بیگن'' نے ''ارگون'' کے مقامی رہ نما ''رعنان'' کے نام ایک تہنیتی ٹیلی گرام بھیجا، جس میں اُس نے لکھا: ''آپ اِس عظیم کام یابی کے لیے، میری طرف سے مبارک باد قبول کیجیے اور اپنے فوجیوں تک یہ پیغام پہنچا دیجیے کہ اُنھوں نے اسرائیل میں ایک بڑی تاریخ رقم کی ہے''۔ اُس نے اپنی کتاب بہ عنوان ''انقلاب'' میں لکھا: ''ملک سے ۶۵۰ ہزار عربوں کو نکال باہر کرنے کے تعلّق سے، بلاشبہہ ''دیر یاسین'' کی خوں ریز کارروائی کا کلیدی رول رہا''۔ مزید لکھا: ''اگر دیر یاسین والی کارروائی نہ ہوتی، تو اسرائیل کے قیام کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوتا۔'' دوسری طرف بعض صہیونی قائدین نے اِس کارروائی سے اپنا دامن جھٹک لینے کی کوشش کی۔ چناں چہ ''ڈیوڈ شالٹیل'' جو اُس وقت قدس کی ''ہاگاناہ'' افواج کا سربراہ تھا، نے یہ کہا کہ ''یہ کارروائی عبرانی امن و سلامتی کی توہین ہے''۔ ''حاییم وایزمین'' نے بھی اِس کارروائی پر چوٹ کرتے ہوئے کہا: ''یہ ایک ایسا دہشت گردانہ عمل ہے، جو صہیونیوں کے شایانِ شان نہیں۔'' یہودی ایجنسی نے بھی مذکورہ خوں ریز کارروائی کی مذمت کی۔ جب کہ صہیونی پروپیگنڈے کی بنیاد یہ رہی کہ

''دیریاسین'' کی کارروائی مُستثنیات کے درجے میں ہے، اُس کو اُصول کا نام نہیں دیا جاسکتا اور یہ کہ مذکورہ کارروائی نہ صرف یہ کہ صہیونی قیادتوں کی دخل اندازی کے بغیر؛ بل کہ اُس کی خواہش کے برخلاف زیرِ عمل آئی تھی؛ مگر حقیقت آج نہیں، تو کل ضرور آشکارا ہوجاتی ہے۔ چناں چہ بعد کے چند سالوں میں ہی یہ راز فاش ہوگیا کہ ساری صہیونی تنظیمیں — قولاً، عملاً؛ یا سیاسی اور معنوی تعاون کے راستوں سے ہی سہی — یہ اور اس کے علاوہ دوسری تمام دہشت گردانہ کارروائیوں میں مکمل طور پر ملوّث رہی ہیں۔

۱- ''مناحیم بیگن'' نے اپنی کتاب: ''انقلاب'' میں یہ بھی لکھا کہ ''دیریاسین'' پر کنٹرول، عظیم منصوبے کا ایک حصہ ہے اور یہ کارروائی ''ہاگاناہ'' کی مکمل جان کاری اور اُس کے قائد کی منظوری کے ساتھ انجام دی گئی تھی، نیز یہ کہ یہودی ایجنسی اور صہیونی ترجمانوں کی کھلی ناراضگی کے باوجود ''دیریاسین'' پر قبضہ اور اُس پر مضبوط گرفت، عام پالیسی کی ایک منزل طے کرلینے کے مترادف ہے۔''

۲- اسرائیلی عالم ''روفائیل باٹای'' کی تالیف کردہ انسائیکلوپیڈیا ''صہیونیت اور اسرائیل'' میں لکھا ہے کہ صہیونی ورکنگ کمیٹی نے مارچ ۱۹۴۸ء کو اُن ''ہنگامی پروگراموں کو منظوری دے دی تھی، جن کی رُو سے ''ارگون'' کا اِس مسئلے میں مستقل وجود یقینی ہوجاتا ہے؛ لیکن کمیٹی نے ''ارگون'' کے تمام منصوبوں کو، ''ہاگاناہ'' کی قیادت کی پیشگی منظوری کے ماتحت کردیا تھا''۔

۳- ''ہاگاناہ'' اور قدس میں اُس کا قائد (ڈیوڈ شالٹیل) ''ارگون'' اور ''شتیرن'' میں سے ہر ایک پر اپنا کنٹرول قائم کرنے کے لیے، ہردم سرگرمِ عمل رہا کرتا تھا؛ چناں چہ جب اِن دونوں تنظیموں نے ''شالٹیل'' کی پالیسی کو محسوس کرلیا، تو اِن دونوں نے ''دیریاسین'' پر ایک ساتھ حملہ کرنے کی ٹھان لی۔ ''شالٹیل'' نے کارروائی سے دو دن قبل، یعنی ۷/اپریل کو مذکور الصدر دونوں تنظیموں کے نام ایک خط بھیجا، جس میں سیاسی اور معنوی سطح پر، تعاون کی یقین دہانی کرائی گئی تھی۔ اِس خط میں یہ جملہ بھی تھا: ''مجھے معلوم ہوا ہے

کہ آپ لوگ ''دیریاسین'' پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ میں آپ کی توجہ اِدھر مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ ''دیریاسین'' ہماری ہمہ گیر پالیسیوں کا صرف ایک مرحلہ ہے۔ مجھے آپ کے ذریعے اِس مشن کی انجام دہی پر کوئی اعتراض نہیں؛ لیکن اِس شرط کے ساتھ کہ آپ لوگ اُس گاؤں (دیریاسین) پر قبضہ کرنے کے بعد، وہیں جمے رہنے کے لیے، بھرپور تیاری کرلیں؛ تاکہ وہاں دوسری مُخالف طاقتیں قابض نہ ہوسکیں اور نہ ہی ہماری پالیسیوں کے لیے خطرہ بن سکیں''۔

۴- اسرائیلی وزارتِ خارجہ کی طرف سے شائع ہونے والے، ایک اخباری نشریے نے لکھا کہ ''جنگ برائے دیریاسین'' ''جنگ برائے قدس'' کا ایک اٹوٹ حصہ تھا۔

۵- صہیونی تحریکِ مزدوراں سے تعلق رکھنے والے ''مائیر بعیل'' نے ساتویں دہائی میں، یہ اقرار کیا تھا کہ ''دیریاسین'' والی خوں ریز کارروائی، اُس عام پالیسی کا ایک حصہ تھا، جس پر مارچ ۱۹۴۸ء میں ساری صہیونی تنظیمیں ہم رائے ہوگئی تھیں اور اُس کو ''پالیسی-د'' کا نام دیا گیا تھا۔ اُس پالیسی کا مقصد برطانوی افواج کے انخلا سے پہلے، بھیانک قتل وغارت گری اور فلسطینیوں کے درمیان خوف ودہشت کا ماحول پیدا کر کے، عربی گاؤں اور شہروں سے، اُنھیں نکال باہر کرنا تھا۔ چناں چہ فلسطینیوں کو اپنے گھروں کو چھوڑ کر بھاگنا ہی پڑا۔

۶- کارروائی کے تین دن بعد، یہ گاؤں ''ہاگاناہ'' کے حوالے کردیا گیا کہ وہ اس کا ہوائی اڈے کے طور پر استعمال کرے۔

۷- کئی یہودی پروفیسروں نے ''بن گورین'' کو خطوط لکھ کر ''دیریاسین'' کے علاقے میں یہودی کالونیاں نہ بسانے کی اپیل کی؛ لیکن ''بن گورین'' اُن کے معروضات پر عمل تو کیا کرتا، اُس نے اُن کے خطوط کا جواب دینے کی بھی زحمت نہ کی۔ چند مہینوں کے دوران ہی، مشرقی یورپ کے مہاجر یہودیوں کو ''دیریاسین'' میں لابسایا گیا۔

۸- ایک سال کے اندر ہی، اِس عربی گاؤں کی دھرتی پر ناچ گانے کی محفلیں آراستہ کی گئیں اور بہت سارے اِجلاس ہائے جشن مُنعقِد کیے گئے، جن میں سینکڑوں مہمان، یعنی

صحافی، اسرائیلی حکومت کے ارکان، قدس کے چیرمین اور یہودی علما شریک ہوے۔ اسرائیلی وزیرِ اعظم ''حاییم وائزمین'' نے ''دیر یاسین'' میں ''جیوٹ شاؤول کالونی'' کے افتتاح کے لیے ایک تہنیتی تار بھیجا۔ دن گزرنے کے ساتھ، شہر قدس کی اتنی توسیع ہوئی، کہ ''دیر یاسین'' کی زمینیں قدس کا حصہ بن گئیں اور اِس طرح یہ گاؤں، قدس کا مضافات بن گیا۔

کچھ بھی ہو ''دیر یاسین'' اور اُس سے ملتی جلتی دیگر خوں ریز کارروائیوں کو، محض اتفاقی حادثہ، یا انفرادی اور بے موقع استثنائی کارروائی کا نام نہیں دیا جا سکتا؛ بل کہ یہ اُس پایدار، مُتواتر اور مُسلسَل طرزِ عمل کا ایک اہم حِصّہ ہے، جس سے زمینی حقائق اور تاریخ وغیرہ کے حوالے سے صہیونی نظریے کی عکاسی ہوتی ہے؛ کیوں کہ تشدُّد اپنی مختلف شکلوں کے ساتھ صہیونی شخصیت کی تشکیلِ نَو اور اُس کو اُن طفیلی اور غیر اصلی علامتوں سے پاک کردینے کا ایک وسیلہ بن گیا ہے، جو پیشہ ورانہ جماعت کا رول ادا کرنے کے نتیجے میں، صہیونیت کے وجود سے آچکے ہیں۔ اِسی طرح اِس قسم کی کارروائیاں، فلسطین کو فلسطینیوں سے خالی کرنے، صہیونی نو آبادکاروں کو اُن کی جگہ لا بسانے، صہیونی ریاست کی بنیادوں کو مستحکم کرنے اور فلسطین پر ایسی نئی صورتِ حال تھوپ دینے کا بھی ایک ذریعہ ہے، جو صہیونیت کے سوا، اُن تمام دوسرے عناصر کو دیس نکالا دے دے، جو اپنی شناخت اور اپنی تاریخ بنانے کے لیے کوشاں ہیں۔

صہیونی ریاست نے ۳۲ سال بعد ''دیر یاسین'' والے خوں ریز واقعے پر، اِس طرح فخر کا اظہار کیا کہ اُس نے یہ طے کیا کہ اُس فلسطینی گاؤں کے ملبے پر بنائی جانے والی کالونی کی سڑکوں کو صہیونی تنظیموں: اِرگون، اِشتَل، ''بالماخ'' اور ''ہاگاناہ'' کے ناموں سے موسوم کردیا جائے۔

۱۴/اپریل ۱۹۴۸ء (ناصر الدین)

''طبریہ'' شہر میں عربوں اور صہیونیوں کے مابین لڑائی نے بڑی شدّت اختیار کرلی

تھی۔ چوں کہ آغاز سے ہی صہیونی، رِجالِ حرب اور جنگی ساز وسامان ہر اعتبار سے فائق اور مضبوط تھے؛ اِس لیے شہر ''ناصرہ'' اور اُس کے آس پاس کے دوسرے گاؤں کی طرف سے ''طبریہ'' کے مجاہدین کی مدد کی کوشش ہوئی۔ اِس قصبہ کے لوگوں کے پاس اس مدد کے بارے میں خبریں آئیں اور اُن سے چوکنا رہنے اور قصبہ پر گولیاں نہ چلانے کو بھی کہا گیا؛ لیکن جن صہیونی دشمنوں نے ''طبریہ'' کے اندر داخلہ کے دروازوں پر کنٹرول کر رکھا تھا، اُنھیں کسی طرح اِن خبروں کا پتہ چل گیا۔ چناں چہ دونوں تنظیموں: لیحی اور اِرگون نے، مذکورہ شب کو ''ناصرالدین'' میں فوج بھیج دی۔ یہ صہیونی فوجی عربی لباس پہنے ہوئے تھے؛ اِس لیے گاؤں والوں نے سمجھا کہ یہ ''طبریہ'' کی طرف مدد کے لیے جانے والے لوگ ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ اُن کا تپاک کے ساتھ استقبال بھی کیا۔ لیکن جب صہیونی گاؤں میں داخل ہوے، تو اُنھوں نے اپنے استقبال کرنے والوں (مسلمانوں) پر بندوقوں کا منھ کھول دیا۔ صرف چالیس افراد اِس کارروائی سے کسی طرح جان بچا کر بھاگ سکے، جنھوں نے پاس کے ایک گاؤں میں جا کر پناہ لی۔ صہیونیوں نے اِس کارروائی کے بعد ''ناصرالدین'' گاؤں کے سارے مکانات کو تباہ کر دیا۔

۱۶/اپریل ۱۹۴۸ء (تل لتفنسکی)

ایک صہیونی گروہ نے، برطانوی فوج کے ایک سابق فوجی کیمپ پر زبردست حملہ کر ڈالا، جس میں عرب رہتے تھے۔ اِس حملے میں ۹۰ عربوں کو اپنی جانیں گنوانی پڑیں۔

۲۲/اپریل ۱۹۴۸ء (حیفا)

صہیونی نوآبادکاروں نے نصف شب میں، شہرِ ''حیفا'' پر حملہ کر کے اُس پر قبضہ کر لیا اور ''حیفا'' کے باشندوں کی ایک بڑی تعداد کو موت کی نیند سلا دیا۔ مجبوراً وہاں کے باقی نہتے فلسطینیوں کو شہرِ ''مرفا'' کے راستے بھاگنا پڑا؛ لیکن صہیونیوں نے اُن کا تعاقب کر کے،

اُن پر گولیاں برسادیں۔ اِس حملے میں ۱۵۰ لوگوں کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا، جب کہ، کو شدید زخم آئے۔

۲۱ر مئی ۱۹۴۸ء (بیت داراس)

صہیونی دہشت گردوں نے، شہر ''غزہ'' کے شمالِ مشرق میں واقع اِس گاؤں (بیت داراس) کا مُحاصَرَہ کر کے، فلسطینی شہریوں کو حکم دیا کہ وہ لوگ سمتِ جنوب سے امن وسلامتی کے ساتھ گاؤں سے نکل جائیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے صہیونی دہشت گردوں کی گولیوں نے، اِس گاؤں کے نہتے باشندوں: بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو ابدی نیند سلا دیا، حال آں کہ، لوگ مُحاصَرَہ کرنے والی فوج کی ہدایات کے مطابق گاؤں خالی کر رہے تھے۔ مذکورہ گاؤں، کو، مارچ - اپریل ۱۹۴۸ء کے دوران بھی کئی بار، صہیونی حملے کا نشانہ بننا پڑا تھا۔ جب، صہیونی دہشت گرد اِس گاؤں کے مکانات اور وہاں کے کھیت کھلیانوں کو بموں سے اُڑا چکے، تو اُنھوں نے وہاں دو کالونیاں تعمیر کر ڈالیں۔

اوائل جولائی ۱۹۴۸ء (اللدّ)

''بالماخ'' کی افواج نے خون خرابے کی جتنی کارروائیاں سرانجام دی ہیں، اُن میں ''اللدّ'' والی کارروائی بڑی مشہور ہے۔ یہ کارروائی - جو ''دانی یلغار'' کے نام سے جانی جاتی ہے- اِس لیے کی گئی تھی کہ جولائی ۱۹۴۸ء میں، اسرائیلی قبضے کے خلاف سر اُبھارنے والی عربی تحریکِ اِنقلاب کا چراغ، ہمیشہ کے لیے بُجھا دیا جائے۔ چناں چہ یہ ہدایت جاری کی گئی کہ سڑک پر نظر آنے والے ہر شخص پر گولی چلائی جائے۔ یہ حکم پا کر ''بالماخ'' کے فوجیوں نے راہ چلنے والے سارے لوگوں پر اپنی بھاری بھرکم توپوں کے دہانے کھول دیے اور چند گھنٹوں میں ہی اِنتہائی درندگی کا مظاہرَہ کرتے ہوئے اِس ''نافرمان'' تحریک کا سر کچل دیا گیا۔ یہ لوگ ہر مُتحرِک نشانے پر گولیاں داغنے کے لیے، ایک مکان سے دوسرے

مکان میں جانے لگے۔ بریگیڈیر کی رپورٹ کے مطابق، ۲۵۰ عرب اِس حملے کی بھینٹ چڑھ گئے۔ اخبار ''ہیرالڈ ٹریبیون'' کے نامہ نگار ''کیتھ ہلی'' نے - جو ۱۲/ جولائی کو اس گاؤں میں گیا تھا- لکھا کہ ''موشی ڈایان''(۱) نے شہر میں جیپ گاڑیوں پر مشتمل ایک فوجی بٹالین کی قیادت کی تھی، جن پر بندوقوں اور ۶۰- مشین گنوں اور گولیاں برسارہی توپوں سے مسلح فوجی لدے ہوے تھے۔ اِن جیپ گاڑیوں پر سوار فوجی، مرکزی شاہ راہوں پر نظر آنے والی ہر متحرک چیز پر گولیاں چلا رہے تھے۔ اِس حملے کے بعد ہر طرف سڑکوں پر مردوں اور عورتوں کی ہی نہیں؛ بل کہ بچوں کی لاشیں بھی بکھری ہوئی تھیں۔ جب ''رام اللہ'' پر کنٹرول ہوگیا، تو اگلے دن اُن تمام عربوں کو گرفتار کرلیا گیا، جو فوج میں بھرتی کی عمر کو پہنچ چکے تھے اور اُنھیں خصوصی قید خانوں میں ڈال دیا گیا۔ دونوں شہروں میں دوسری بار گاڑیاں چکر لگا کر لاؤڈ اسپیکروں کے ذریعے، معمول کی وارننگ کا اعلان کرنے لگیں۔ ۱۳/ جولائی کو لاؤڈ اسپیکروں کے توسط سے آخری احکامات کا اِعلان ہوا، جس میں نکلنے کے راستے کے لیے متعینہ پُلوں کے ناموں کی تحدید کردی گئی۔

۲۹/ اکتوبر ۱۹۴۸ء (دوایمہ)

''لیحی''، تنظیم کی بٹالین-۹۸ نے ''موشی ڈایان'' کی قیادت میں ''دوایمہ'' گاؤں پر دھاوا بول دیا، جو شہر ''خلیل'' کی مغربی سمت میں پڑتا ہے۔ آدھی رات کو صہیونی بکتر بند گاڑیوں نے، اِس گاؤں کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ صرف مشرقی جانب کو کھلا چھوڑ دیا تھا؛ تاکہ گاؤں والے اپنا گھر بار چھوڑ کر چلے جائیں؛ اِس لیے کہ گاؤں والے اِس خطے میں عربوں کی دفاعی پوزیشن کم زور ہونے کے بعد، نازک صورت حال کے باوجود، گاؤں میں ہی مضبوطی کے ساتھ ڈٹے ہوے تھے۔

---

(۱) موشے ڈایان: ولادت ۱۹۱۵/۵/۲۰ء، موت ۱۹۸۱/۱۰/۱۶ء یہ ۱۹۶۷ تا ۱۹۷۴ء اسرائیل کا وزیر جنگ رہا تھا جب ''گولڈا مائیر'' نام کی یہودیہ اسرائیل کی وزیر اعظم تھی، جو ۱۷/ مارچ ۱۹۶۹ تا ۳/ جون ۱۹۷۴ء اپنے منصب پر رہی تھی۔

صہیونی نوآبادکاروں نے، ایک ایک کر کے گھروں کی تلاشی لی اور مرد، عورت اور بچہ جس کو بھی پایا، بے رحمی سے قتل کر ڈالا۔ نیز گاؤں کے سربراہ کا گھر بھی بم سے اُڑا دیا۔ اگلے روز صبح کو اُن ۷۵ عمر دراز لوگوں کو جان سے مار ڈالا، جو گاؤں کی مسجد میں پناہ لیے ہوئے تھے۔ اِسی طرح ایک غار میں چھپے ہوئے ۳۵ خاندانوں کو بھی مشین گنوں کی گولیوں سے بھون ڈالا گیا۔ جو لوگ کھانے اور پہننے کی چیزیں لانے کے لیے، دوبارہ اپنے گھروں کو گئے تھے، اُن کا بھی پرندوں کی طرح شکار کر لیا گیا اور کئی گھروں کو، گھر والوں سمیت بم سے اڑا دیا گیا۔ صہیونیوں نے اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے، لاشوں کو اکٹھا کر کے، اُنھیں گاؤں کے کنوئیں میں ڈال دیا۔ اِسرائیلی اخبار ''حداشوت'' نے اِس واقعے کی تفصیلات سے پردہ اٹھایا۔ ملحوظ رہے کہ صہیونیوں نے اِس اُجڑے گاؤں کی زمین پر ''اَمَاتزِیَاہ'' نام کی کالونی بھی تعمیر کر ڈالی۔

دسمبر ۱۹۴۸ء (یازور)

ایک طرف صہیونی، گاؤں ''یازور'' (جو شہر ''یافا'' کے سرے پر واقع ہے) پر پیہم حملے کرتے رہے، تو دوسری طرف اسرائیلی قافلوں کے حفاظتی دستے قدس/تل ابیب کے راستے پر گولیاں چلاتے اور اُس گاؤں اور گاؤں والوں پر بم پھینکتے رہے۔ جب پہرہ دار جیپ، جس میں سات صہیونی سوار تھے ''یازور'' کے قریب بارودی سرنگ سے ٹکرا گئی، جس کے نتیجے میں سارے سوار ہلاک ہو گئے، تو تنظیم ''ہاگاناہ'' کے آپریشن افسر ''ییگل یادین'' نے ''بالماخ'' کے قائد ''ییگل آلون'' کو یہ حکم دیا کہ وہ اُس گاؤں کے خلاف بہ جلد ایک فوجی کارروائی کرے کہ گاؤں والے مسلسل پریشانی کے عالم میں رہیں اور گاؤں کو آگ کی نذر کر دیا جائے اور باشندوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ یہ حکم پا کر ''بالماخ'' کی یونٹوں اور بریگیڈیر ''جبعاتی'' نے، فلسطینیوں کے گھروں اور اُن بسوں پر دہشت گردانہ کارروائی انجام دینے والی ایک ٹیم تشکیل دی، جن میں فلسطینی سوار تھے۔ صہیونی گروپوں

نے ۲۲؍جنوری ۱۹۴۹ء کو، یعنی اسرائیلی گشتی دستوں کے بارودی سرنگ سے ٹکرا جانے کے ۳۰ دن بعد، اپنی دہشت گردانہ سرگرمیوں کا آغاز کر دیا۔ ''اِسحاق رابن''(۱) نے - جو اُس وقت ''بالماخ'' کا آپریشن افسر تھا - بہ وقتِ فجر اُس گاؤں کے خلاف اچانک اور ہمہ گیر حملے کی قیادت کی اور حملہ آور افواج نے گاؤں کے کئی مکانات اور عمارتوں، جن میں برف کا کارخانہ بھی شامل تھا، کو ڈائنامیٹ کر دیا۔ اِس جارحانہ حملے میں گاؤں کے ۱۵ باشندوں کی جان گئی۔ ''یازور'' پر ہونے والا یہ حملہ اِس لیے غیر معمولی ہے کہ اِس جرم میں، اسرائیلی حکومت کے کئی ایسے ارکان ملوّث رہے تھے، جو اعتدال پسند کہلاتے تھے۔ یہ حملہ اِسرائیلی ریاست کے قیام کے بعد ہی، ہوا تھا؛ مگر اِس کی تفصیلات ۱۹۸۱ء میں منظرِ عام پر آسکیں۔

۷؍فروری ۱۹۵۱ء (شرفات)

۷؍فروری ۱۹۵۱ء کی صبح کو، ۳ بجے مقبوضہ قدس سے آنے والی خواتین گاڑیاں، اُس مورچے پر پہنچ گئیں، جو اِس شہر (شرفات) کے جنوب مغرب میں واقع ریلوے لائن سے ساڑھے تین کلومیٹر دور ہے۔ گاڑیوں کے رکنے کے بعد تین فوجی اتر کر، جنگ بندی لائن پار کر کے ''شرفات'' کے سامنے والے ٹیلے پر چڑھ گئے۔ ''شرفات'' مغربی کنارے میں پڑتا ہے اور قدس سے صرف ۵ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

اُن فوجیوں نے شہر کے اطراف کے خاردار تاروں کو کاٹ ڈالا اور اُس گاؤں کے سربراہ کے گھر کا گھیراؤ کر کے، اُس گھر، نیز اُس کے سامنے والے گھر کی دیواروں میں آتش گیر غبار ڈال دیا اور پھر اُن دونوں گھروں کو، گھر کے افراد سمیت اُڑا ڈالا۔ اِس حملے میں دس فلسطینی (دو بوڑھے، تین خواتین اور پانچ بچے) جاں بہ حق ہو گئے اور ۸ خواتین اور بچے زخمی ہو گئے۔

---

(۱) یہ شخص بعد میں دو میقاتوں میں اسرائیل کا وزیرِ اعظم رہا تھا: از ۳؍جون ۱۹۷۴ء تا ۲۲؍اپریل ۱۹۷۷ء اور از ۱۳؍جولائی ۱۹۹۲ء تا ۴؍نومبر ۱۹۹۵ء۔

۲۶ر جنوری ۱۹۵۲ء (بیت لحم)

۲۶ر جنوری ۱۹۵۲ء کی رات میں، جب مشرقی عیسائی جماعتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم پیدائش منا رہی تھیں، ایک اسرائیلی گشتی دستے نے، شہر ''بیت اللحم'' سے ۲ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ایک گاؤں ''بیت جالا'' کے قریب ایک گھر کو بم سے اڑا دیا، جس کی وجہ سے مالکِ مکان اور اُس کی بیوی شہید ہو گئے۔ عین اُسی وقت ''مار الیاس'' کے رومی آرتھوڈکسی خانقاہ (راہب خانہ) کے قریب، شمالی ''بیت اللحم'' سے ایک کلومیٹر کی دوری پر، ایک دوسری گشتی ٹیم نے ایک گھر پر گولیاں چلائیں، اُس پر دستی بم پھینکے، جس کے نتیجے میں مالکِ مکان، اُس کی بیوی اور اُس کے دو بچے ہلاک ہو گئے، نیز دو بچوں کو زخم بھی آئے۔ اُسی رات کو ایک تیسری گشتی ٹیم ''لطرون'' سیکٹر میں ہتھیاروں سے پاک خطے میں داخل ہو گئی۔ اور تین کلومیٹر کا راستہ طے کر کے ''عمواس'' گاؤں سے ۵۰۰ میٹر دور رہتے ہوئے، اُس پر اندھا دھند گولیوں کی بارش کر دی۔

۲۹ر جنوری ۱۹۵۳ء (فلمہ)

ایک طاقت ور دستہ، جس میں ۱۲۰-۱۳۰ فوجی تھے، نے مغربی کنارے میں واقع اِس گاؤں پر حملہ کر دیا اور اِس کو مورٹار توپوں سے پیس کر رکھ دیا۔ اِس حملے میں کئی ایک گھر زمین بوس ہو گئے، جب کہ ۲۰ زخمیوں سمیت ۹ فلسطینی شہید ہو گئے۔

۲۸ر اگست ۱۹۵۳ء (کیمپ بریج)

اسرائیلی فوج کے جوانوں نے غزہ پٹی کے اِس فلسطینی کیمپ پر حملہ کر کے ۲۰ افراد کو شہید اور ۶۲ لوگوں کو زخمی کر دیا۔

۱۰ر اکتوبر ۱۹۵۳ء (قلقیلیہ)

قلقیلیہ والوں نے، صہیونیوں کے خلاف جہاد کے لیے مال و زر اور ہتھیار اکٹھا

کرنے میں کافی دل چسپی لی تھی۔ اُن کے اور دشمنوں کے درمیان جھڑپوں کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا تھا۔ اِس گاؤں کے لوگوں کو جھکانے میں اسرائیلیوں کو جو ناکامی ہاتھ لگی تھی، اُس کی وجہ سے وہ غصے میں بے قابو ہوئے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ ''موشی ڈایان'' نے، جون ۱۹۵۳ء میں ایک جھڑپ کے بعد سرحد پر ایک اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے کہا: ''میں ''قلقیلیہ'' کو تہس نہس کر کے رکھ دوں گا'' ۱۰/اکتوبر ۱۹۵۳ء کو شام کے نو بجے، اسرائیلی فوج کی ایک ٹکڑی -- جس کے بارے میں اندازہ ہے کہ وہ پیدل اور زرہ پوش دستے پر مشتمل تھی، اُن کے ساتھ میدانی توپ خانے کی دو ٹکڑیاں اور قریب دس لڑاکا طیارے بھی تھے۔ ''قلقیلیہ'' میں گھس آئی اور ٹیلی فون لائنوں کو کاٹنے کے ساتھ، بعض راستوں کو بموں سے اڑا دیا۔ عین اُسی وقت آس پاس کی کالونیوں میں ایک بڑی فوج بھی اکٹھا تھی، جس نے اُسی دن دس بجے تین طرف سے ''قلقیلیہ'' پر حملہ بول دیا۔ اُس فوج کی ساری کوشش، زرہ پوش ٹکڑی کے ساتھ مل کر، اُس گاؤں کے پولس اسٹیشن پر مرکوز تھی؛ لیکن نیشنل گارڈس نے اِس حملے کے خلاف گاؤں والوں کا ساتھ دیا اور اُن لوگوں نے پوری طاقت کے ساتھ اُن فوجوں کا مقابلہ کیا، جس کی وجہ سے یہ حملہ ناکام رہا اور اُن زرہ پوش ٹکڑیوں کو الٹے پاؤں لوٹ جانا پڑا۔ ایک گھنٹے کے بعد، جب اُنھوں نے میدانی توپ خانہ کی گولیوں کے بل پر حملے کے لیے راہ ہم وار کر لی، زرہ پوش ٹکڑیوں کی حمایت میں، پیدل دستے کے ذریعے حملہ آوروں نے دوبارہ حملہ کر دیا۔ یہ حملہ بھی ناکام رہا اور بعض نقصانات برداشت کرنے کے بعد دشمنوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔

گاؤں والوں نے یہ محسوس کر لیا کہ حملے کا نشانہ، پولس اسٹیشن ہے؛ اِس لیے اُنھوں نے وہاں اپنی طاقت میں اضافہ کیا اور وہاں دفاع کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد اکٹھا ہوگئی؛ لیکن جب ٹکڑی نے دوبارہ حملہ کیا اور اُس گاؤں پر حملہ کرنے اور پولس اسٹیشن پر بم پھینکنے میں لڑاکا طیاروں نے حصہ لیا، تو گاؤں والوں کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ اسرائیلی دشمن نے تیسری بار، زوردار حملہ کر دیا اور پولس اسٹیشن پر قبضہ کر لیا۔ اِس کے بعد مکانات اور ہر نظر

آنے والے آدمی پر گولیاں چلاتے ہوئے مسلسل پیش قدمی کرتے رہے۔ اِس گاؤں اور آس پاس کے گاؤں والوں میں سے تقریباً ستر لوگ شہید ہوگئے، جو "قلقیلیہ" والوں کی مدد کو آئے تھے۔ مادی نقصانات اِس پر مستزاد ہیں۔ اردنی فوج کی ایک یونٹ "قلقیلیہ" کے قریب والے خطے میں موجود تھی، جو اِس حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے مدد کو آگے بھی بڑھی؛ لیکن وہ صہیونیوں کے ذریعے بچھائی گئی بارودی سرنگوں سے ٹکرا گئی، جس سے اُس کا کچھ نقصان بھی ہوا؛ لیکن اردنی توپ خانے نے دشمنوں پر گولہ باری کی اور اُن کو تھوڑا بہت نقصان بھی پہنچایا۔ اِس کے بعد اسرائیلی، گاؤں کو تباہ و برباد کرنے کے بعد بھاگ کھڑے ہوئے۔

۱۵/ اکتوبر ۱۹۵۳ء (قبیہ)

ماہِ اکتوبر ۱۹۵۳ء کے وسط میں، اسرائیلی فوج کی ٹیم-۱۰۱ نے "اِیریل شیرون"(۱) کی قیادت میں اِس گاؤں پر حملہ کردیا۔ یہ گاؤں اردن کے زیرِ انتظام، سرحدی خطے میں شہر قدس کے شمال میں واقع ہے۔ ۶۰۰ اسرائیلی فوجیوں نے اِس گاؤں کو پوری طرح گھیر کے، اُس پر بلاتفریق زبردست بم باری کی۔ جب اسرائیلی فوج، گاؤں میں موجود نیشنل گارڈس کی لمیٹڈ فوج کی مُزاحمت سے نجات حاصل کرنے میں کام یاب ہوگئی، تب اُن میں کا ایک فوجی اندھا دھند گولیاں چلاتے ہوئے گاؤں میں گھس آیا۔ جس وقت گولیوں کے ذریعے نہتے شہریوں کا قتل ہورہا تھا، دوسرے عناصر نے فلسطینیوں کے کئی مکانات کو بارودی سرنگوں کے دھماکے سے اڑادیا۔

اسرائیل نے شروع میں، یہ بہانہ بازی کی کہ یہ حملہ ایک یہودی عورت اور اُس کے بچے کے قتل کے انتقام کے طور پر کیا گیا ہے۔ نیز اُس نے یہ دعوی کرکے بھی عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی کہ اِس خوں ریز کارروائی کے پیچھے مُنظَّم افواج کا ہاتھ نہیں؛

---

(۱) یہ شخص بعد میں دو مرتبہ اسرائیل کا وزیرِ اعظم رہا: ۷/ مارچ ۲۰۰۱ء سے ۲۱/ نومبر ۲۰۰۵ء تک اور ۲۱/ نومبر ۲۰۰۵ء سے ۴/ جنوری ۲۰۰۶ء تک۔

بل کہ یہ صہیونی نوآبادکاروں کی کارستانی ہے؛ لیکن سلامتی کونسل نے۔ جس نے اِس صہیونی جرم کی مذمت کی۔ اِس کارروائی کو ایسا عمل قرار دیا، جس کی منصوبہ بندی طویل عرصہ پہلے کی گئی تھی، جس کی تائید بعد میں، بعض صہیونی / اسرائیلی قائدین کے بیانات سے بھی ہوئی۔

اِس کارروائی میں ۶۹ عورتوں، بچوں اور ضعیف العمروں کی جانیں گئیں، ۴۱ مکانات، ایک مسجد اور گاؤں کی پانی کی ٹنکی تباہ ہوگئی۔ ''عبدالمنعم قادوس'' کا پورا کنبہ، جو ۱۲ افراد پر مشتمل تھا، اِس حملے میں مارا گیا۔ ''قبیہ'' گاؤں والی کارروائی، اسرائیل کے ذریعے بین الاقوامی قوانین اور حقوقِ انسانی کی پامالی کے حوالے سے، ایک مشہور علامت اور اُس کی اُس پالیسی کا ایک کھلا نمونہ تصوُّر کیا جاتا ہے، جس کا مقصد فلسطینی قوم کو دیس نکالا دینا اور ۱۹۴۸ء کے جنگ بندی کے خطوں سے اُنھیں نکال باہر کر دینا ہے۔ ۲۵ رنومبر ۱۹۸۷ء کو، یعنی ''قبیہ'' والی کارروائی کی اکتیسویں برسی پر، دو عربی رضا کاروں نے رضا کارانہ کارروائی کی، جس کو اُنھوں نے ''قبیہ'' والی کارروائی'' کا نام دیا۔ اِن میں سے ایک رضا کار نے ۶ یہودیوں کا کام تمام کر دیا۔ بعد میں دونوں شہید ہوگئے۔

۲۹ رمارچ ۱۹۵۴ء (نحالین)

اسرائیلی فوج کے ۳۰۰ جوان، جنگ بندی لائن پار کر کے، مغربی کنارے کی اراضی میں چار کلومیٹر اندر تک گھس آئے، یہاں تک کہ ''بیت لحم'' کے پاس واقع اِس گاؤں (نحالین) میں پہنچ گئے، جہاں اُنھوں نے رہائشی آبادیوں پر بڑی تعداد میں بم پھینکے، گھروں اور جامع مسجد کے اندر سرنگیں بچھادیں۔ اِس کارروائی میں ۱۱ عرب شہید اور ۱۴ زخمی ہوگئے۔

۲ رنومبر ۱۹۵۴ء (دیرایوب)

۲ رنومبر کی صبح کو ۱۰ ربجے تین بچے ''یالو'' گاؤں کی مغربی جانب سے لکڑیاں چننے کے لیے نکلے۔ ان بچوں کی عمریں ۸-۱۲ سال کے درمیان تھیں۔ جب یہ بچے جنگ بندی

لائن سے ۴۰۰ میٹر کی دوری پر ''دیرایوب'' کے قریبی پوائنٹ پر پہنچے، چند اسرائیلی فوجی اچانک اُن کے پاس آگئے۔ اُن میں سے ایک بچی دوڑ کر بھاگنے لگی، تو فوجیوں نے اُس کی ران پر گولی ماردی؛ لیکن وہ پھر بھی دوڑتی رہی اور گاؤں آکر، گاؤں والوں کو اس کی خبر دی۔ وہاں رہ جانے والے دونوں بچوں کے گارجین بہ جلد اُس جگہ پہنچے، تو دیکھا کہ ۱۲ اسرائیلی فوجی اُن دونوں بچوں کو، جنوب کے ''بطن وادی'' کی طرف اپنے آگے آگے لے جارہے ہیں، جہاں اُنھوں نے دونوں بچوں کو کھڑا کر کے گولی ماردی۔ پھر وہ لوگ جنگ بندی لائن کے پیچھے جا چھپے۔ ایک بچے نے تو موقع پر ہی دم توڑ دیا، جب کہ دوسری بچی نے اگلے دن صبح کو، ہسپتال میں آخری سانس لی۔

۲رفروری ۱۹۵۵ء (غزہ)

ایک پیشہ ور ریاست کی طرح، اسرائیلی فطرت کے سبب، سامراج نے یہ چاہا کہ سامراجی معاہدوں کے سیریل کے حوالے سے مصر کی دشمنی کے خاتمے کے لیے، اسرائیل کے وجود سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اُنھی سامراجی معاہدوں میں سے ایک معاہدۂ بغداد بھی ہے، جس کی طرف دوسروں کو دعوت دینے اور اُس کو روبہ عمل لانے کی ذمے داری اُس وقت کے عراقی وزیر اعظم ''نوری سعید'' کے کاندھوں پر تھی۔ حال آں کہ مصر کا موقف واضح تھا؛ مگر اسرائیل نے مصر کے تئیں اپنے جارحانہ موقف کو سنگین بنادیا اور غزہ پٹی، جو مصری انتظامیہ کی زیر نگرانی تھا، پر حملہ کرنے کا ارادہ کرلیا۔ شروع میں صہیونی انتظامیہ نے مصر کو یہ کھلی دھمکی دینے کی کوشش کی کہ وہ طاقت کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے، مصری تحریک انقلاب کو ادب سکھانے اور اُس کو اُس کی سرگرمیوں سے باز رکھنے کی بھرپور طاقت رکھتی ہے؛ اسی لیے جس وقت انقلابی کمان کی مصری کونسل کے رکن: صلاح سالم، ۱۴راگست ۱۹۵۴ء کو عراقی وزیر اعظم نوری سعید کے ساتھ، اُنھیں عراق کو استعماری معاہدوں کی رسی میں باندھ دینے سے گریز کرنے پر مطمئن کرنے اور مصر کے ساتھ مشترکہ دفاع کے معاہدے پر دستخط

کرنے کی، اُن سے اپیل کرنے کے لیے، ملاقات اور میٹنگ کر رہے تھے؛ اسرائیلی افواج جنگ بندی لائن میں دبے قدموں داخل ہو رہی تھیں اور غزہ پٹی کی حدود کے اندر تین کلومیٹر تک گھس آئی تھیں۔ یہاں تک کہ اسرائیلی افواج، غزہ کے باشندوں کو پانی سپلائی کرنے والے، واٹرورکس تک پہنچ گئیں۔ اِن افواج نے واٹرورکس کے ٹیکنیشین نگراں کو جان سے مارڈالا اور اُس پانی اسٹیشن کی عمارت اور آب رسانی کے آلات میں سرنگیں بچھادیں۔ حال آں کہ مصری انتظامیہ نے اِن دھمکیوں کو مسترد کردیا اور اپنے رخ پر مسلسل کاربند رہی؛ لیکن صہیونی افواج نے غزہ پٹی میں واقعی ایک خوں ریز کارروائی اسٹیج کرڈالی۔

۲۸ر فروری ۱۹۵۵ء کی شام ساڑھے آٹھ بجے، اسرائیلی فوج کی کئی ٹکڑیاں، جنگ بندی لائن پار کرکے، زائد از تین کلومیٹر غزہ پٹی کے اندر گھس آئیں۔ پھر اُن میں سے ہر ایک ٹکڑی اپنا مفوّضہ مشن انجام دینے لگی۔ چناں چہ ایک ٹکڑی واٹرورکس کو بم سے اڑانے کے لیے آگے بڑھی اور پھر غزہ کے ریلوے اسٹیشن ماسٹر کے گھر کا رُخ کیا۔ ایک دوسری ٹکڑی، مشین گنوں اور مورٹار اور دستی بموں کے ذریعے، مصری مورچوں پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہوگئی، جب کہ تیسری ٹکڑی نے راستے میں سرنگیں بچھادیں اور مدد رسانی کی راہ روکے رکھی۔ یہ منصوبہ بڑی حد تک کام یاب رہا۔

واٹرورکس دھماکے سے اُڑ گیا اور اِس دھماکے کے ساتھ، اُس واٹرورکس کے قریب والے مصری فوجی کیمپ پر اسرائیلی گولیوں کی بوچھار بھی ہوتی رہی۔ کیمپ کے کمانڈر نے قریبی فوجی کیمپ سے مدد چاہی، تو فوج سے لدی کئی گاڑیاں مدد کو بہ جلد آگے آنے لگیں؛ لیکن یہ ساری گاڑیاں بارودی سرنگوں کی نذر ہوگئیں۔ اِس حملے میں ۳۹ لوگ مارے گئے، جب کہ ۳۳ زخمی ہوگئے۔

۴-۵ر اپریل ۱۹۵۶ء (غزہ)

اسرائیلی فوجیوں نے شہر غزہ پر بموں سے حملہ کردیا، جس میں ۵۶ عرب شہید اور ۱۰۳

دیگر زخمی ہو گئے۔

۳۰رمئی اور یکم ستمبر۱۹۵۵ء (خان یونس)

اس شہر کو ایک ہی سال کے دوران دو کارروائیوں سے دوچار ہونا پڑا۔ صہیونیوں نے پہلا حملہ ۳۰رمئی کو بہ وقت فجر اور دوسرا حملہ یکم ستمبر کی نصف شب کے بعد ۲ربجے کیا۔ پہلے حملے میں ۲۰ آدمی شہید اور ۲۰ دیگر زخمی ہو گئے۔ دوسرے حملے میں مختلف الانواع افواج کے مرکب دستے نے حصّہ لیا، جس میں آرٹیلری، ٹینکس، بکتر بند وہیکلس، انفنٹری اور انجینئرنگ کی یونٹیں شریک تھیں۔ اِس حملے میں ۴۶ عربی شہید اور دگر ۵۰ زخمی ہو گئے۔

۱۱-۱۲رستمبر۱۹۵۶ء (الرہوۃ)

قابض صہیونی افواج نے، اِس گاؤں کے پولس اسٹیشن اور اسکول پر دو دن حملہ کیا، جس میں ۱۵ عربوں کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ مذکورہ اسکول کو بھی بم سے اڑا دیا گیا۔

۲۹راکتوبر۱۹۵۶ء (کفر قاسم)

۲۹راکتوبر۱۹۵۶ء کو رات کے ابتدائی حصے میں مصر پر سہ فریقی حملہ کر کے، اسرائیلی فوج کی بارڈر سیکورٹی فورس نے، اُس خطے پر کرفیو نافذ کر دیا، جس میں اردن کی سرحد کے تکون پر ''کفر قاسم'' واقع ہے۔ اُس فورس کے کمانڈر - جس کا نام ''شموئیل ملنیکی'' تھا - کو یہ حکم ملا تھا کہ وہ اِس خطے میں شام پانچ بجے تک کرفیو کے آخری وقت کا اِعلان کر دے۔ گاؤں والوں اور خصوصاً اُن لوگوں کے لیے، جو گاؤں سے باہر کام کرتے ہیں، کرفیو کے مذکورہ وقت کا علم، محال تھا۔ اسرائیلی فوج کے کمانڈر کو گاؤں کے سربراہ نے اِس سے آگاہ کر دیا تھا کہ سارے باشندگانِ موضع کو کرفیو کے نفاذ کا اِتنی عجلت میں علم نہ ہو سکے گا۔ اِسی طرح لیفٹننٹ کرنل ''شدمی'' کی جانب سے بھی ''ملنیکی'' کو اُن لوگوں کو قتل کر دینے کی

واضح ہدایات ملی تھیں، جو کرفیو کے اوقات کی جان کاری کے بغیر گاؤں لوٹ رہے تھے۔
اُس کی ہدایت یہ تھی: ''بہتر یہ ہے کہ کچھ لوگوں کا قتل ضرور ہو۔ ہم گرفتار کرنا نہیں چاہتے۔
ہمارے جذبات کی تکمیل کرو۔''

پہلے پہل چار ملازم اُن کی بھینٹ چڑھے، جنھوں نے اسرائیلی افواج کو ''شالوم'' کہہ کر سلام کیا تھا، تو اُس کے جواب میں اسرائیلی افواج نے اُن میں سے تین کو جان سے مارڈالا، جب کہ چوتھے فلسطینی کی جان اِس طرح بچی کی فوج والے اِس وہم میں چھوڑ کر چلے گئے کہ یہ بھی موت کی نیند سو چکا ہے۔ نیز اُن فوجیوں نے اُن ۱۲ خاتون کو بھی شہید کردیا، جو زیتون چن کر لوٹ رہی تھیں۔ یہ سب کچھ بہ ذریعہ وائرلیس اعلیٰ قیادت سے مشورے کے بعد عمل میں آیا۔ ڈیڑھ گھنٹے کے اندر ۴۹ لاشیں ''کفر قاسم'' گاؤں میں بکھری ملیں اور ۱۳ زخم سے تڑپتے دکھائی دیے۔ ملحوظ رہے کہ اسرائیلی فوجیوں نے مقتولین کے روپے اور اُن کی گھڑیاں بھی چھین لیں۔

اسرائیلی حکام، پورے دو ہفتے تک اِس کارروائی کے سلسلے میں چپ سادھے رہے؛ لیکن جب اخبارات اور ذرائعِ ابلاغ کو اِن خبروں کا پتہ چل گیا، تو وزیرِ اعظم کے دفتر سے مجبوراً ایک بیان جاری کرنا پڑا۔ اِس جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے ۱۳ لوگوں پر مقدمہ بھی چلا، جن میں سرِ فہرست لیفٹنٹ کرنل ''شدمی'' تھا؛ لیکن ''موشی ڈایان'' اور ''حاییم ہیئر تزاج'' کی گواہیوں کی وجہ سے وہ باعزت بری ہوگیا۔ جب کہ ''ملنیکی'' کو ۱۷ سال اور ''دہان'' اور ''شالوم عوفر'' کو ۱۵-۱۵ سالوں کی سزا ملی۔ پانچ دوسرے لوگوں کو بھی سات سات سال کی سزا سنائی گئی، جب کہ باقی بری قرار دیے گئے۔

ہر چند کہ ''کفر قاسم'' والے قتلِ عام کی کارروائی کے پورے دو سال بعد ہی سہی، صہیونی ملزمین پر مقدّمات چلے؛ لیکن ۱۹۶۰ء سے پہلے یہ سارے مُجرِمین قید خانے سے باہر آزادی کے ساتھ گھوم رہے تھے؛ کیوں کہ ریاست اِسرائیل کے صدر ''اسحاق بن تسفی'' نے اِن کی مُعافی کا اِعلان کردیا تھا۔ طرفہ تماشا یہ کہ مُلازم ''دہان'' بہ جلد فرانس چلا

گیا اور اُس نے ''کفر قاسم'' والے معاملے کے مُرتکبین کے خلاف صادر ہونے والے عدالتی احکامات میں یہود کے دو فرقوں: ''سفارد'' اور ''اشکناز'' کے مابین، امتیاز برتنے پر اپنی سخت ناگواری کا اظہار بھی کیا۔

۳ر نومبر ۱۹۵۶ء (خان یونس)

یہ خوں ریز کارروائی اُس مدت کے دوران ہوئی، جب کہ صہیونی افواج کا ''خان یونس'' پر قبضہ تھا۔ اِن افواج نے نہ صرف یہ کہ ''خان یونس'' والوں پر گولیاں برسائیں؛ بل کہ اِس کے پاس والے پناہ گزیں کیمپ کو بھی زبردست نشانہ بنایا۔ اِس گاؤں اور کیمپ کے کل ملا کر ۲۷۵ لوگ شہید ہو گئے۔

۱۳ر نومبر ۱۹۶۶ء (السموع)

اسرائیل کی چھتری بردار افواج نے، جبال خلیل کے خطے میں واقع اِس گاؤں پر حملہ کر دیا۔ اِس کارروائی کا منصوبہ ''اُوائیل اِیتان'' نے تیار کیا تھا اور اِس کو روبہ عمل لانے میں ٹینک برگیڈیر اور پیدل دستے کے برگیڈیر جنرل دونوں نے حصہ لیا تھا۔ اِن دونوں کے ساتھ بہت سے ٹینک اور ایر فورس تھیں۔ اِس گاؤں پر، جو اردنی حکومت کے زیر انتظام تھا، بم باری کرنے کے بعد، اسرائیلی افواج گاؤں میں گھس آئیں اور ۱۲۵ مکانات، نیز اسکول، مطب اور مساجد کی عمارتوں کو بھی بموں سے اڑا دیا۔ حال آں کہ گاؤں والوں اور اردن کے ایک قلیل التعداد محافظ دستے نے، اِس مقابلے کا بڑی دلیری سے جواب دیا؛ مگر اُن کی ایک نہ چلی۔ اِسی سال دسمبر میں، عالمی سلامتی کونسل نے قرار داد (۲۸۸) پاس کر کے اِس اسرائیلی حملے کی مذمت کی اور اسرائیل نے حملے کے جواز کے طور پر، جو کم زور اور بودی دلیل پیش کی تھی کہ اکتوبر ۱۹۶۶ء میں دو بارودی سرنگیں پھٹ گئی تھیں، اُس کو بالکلیہ مسترد کر دیا۔

اِس خوں ریز حملے میں ۱۸ لوگ شہید اور ۱۳۰ زخمی ہو گئے۔ اُن میں عورتیں، بچے اور بوڑھے سبھی شامل تھے۔ یہ کارروائی، اُس منظم اور بنیادی دہشت گردی کا ایک نمونہ سمجھی جاتی ہے، جس کا صہیونی ریاست ارتکاب کرتی رہی ہے۔

۱۲ر فروری ۱۹۷۰ء (اوزعبل فیکٹری)

اِس اثنا میں کہ مصر اور اسرائیل کے درمیان جاری ہلاکت خیز جنگ عسکری مورچوں تک ہی محدود تھی، اسرائیل کے بم بار طیاروں نے ''ابوزعبل'' فیکٹری پر حملہ کر دیا۔ یہ فیکٹری معدنی مصنوعات تیار کرنے والی ایک پرائیویٹ کمپنی کی ہے۔ ۱۲ر فروری کی صبح کو یہ حملہ اُس وقت ہوا، جب فیکٹری میں ۱۳۰۰ افراد پر مشتمل عملہ کام کر رہا تھا۔ اِس حملے میں ۷۰ مزدور شہید اور ۶۹ دیگر زخمی ہو گئے۔ نیز یہ فیکٹری بھی جل کر راکھ ہو گئی۔

۸ر اپریل ۱۹۷۰ء (بحر البقر)

یہ خوں ریز کارروائی بھی اسرائیل کی طرف سے مُہلک جنگ کے درد سے مُتاثر ہو کر رو بہ عمل لائی گئی۔ ۸ر اپریل ۱۹۷۰ء کو اسرائیل کے بم بار طیاروں نے اِس گاؤں (بحر بقر) کے کسانوں کے بچوں کے ایک چھوٹے اسکول پر حملہ کر دیا۔ یہ گاؤں شرقیہ ضلع کے اطراف میں واقع ہے۔ یہ بم بار طیارے مسلسل زائد از دس منٹ تک بم برساتے رہے۔ اِس حملے میں ۱۹ معصوم بچوں کی جان گئی اور ۶۰ دوسرے لوگ زخمی ہو گئے۔ لائقِ ذکر ہے کہ یہ گاؤں کسی بھی طرح کے عسکری اہداف سے خالی تھا۔

۱۶ر جون ۱۹۸۲ء (صیدا)

یہ کارروائی ''لبنان'' پر اسرائیلی حملے کے دوران اُس وقت ہوئی، جب لبنان میں موجود قابض اسرائیلی افواج نے، اجتماعی قتل کی ایک ایسی واردات انجام دی، جس میں وہ

۸۰ شہری جاں بہ حق ہو گئے، جو شہر کے کسی کیمپ میں چھپے ہوے تھے۔

۱۶-۱۸ر ستمبر ۱۹۸۲ء (صَبرا و شاتیلا)

فلسطین کے اِن دونوں کیمپوں (صَبر او شاتیلا) پر اُس وقت کارروائی ہوئی، جب لبنان کے دارالحکومت پر حملہ کرنے کے لیے آنے والی اسرائیلی افواج لبنان پہنچ گئیں اور اِس کے مغربی خطے پر اپنا کنٹرول مضبوط کرلیا۔ اسرائیلی افواج کا بیروت میں داخلہ بہ ذاتِ خود اُس معاہدے کی خلاف ورزی کے مُترادِف تھا، جو ریاست ہاے متحدہ امریکہ کی سرپرستی میں ہوا تھا اور جس کی رُو سے اِس شہر سے فلسطینی مُزاحَمت کاروں کو جانا پڑا تھا۔

اسرائیلی افواج نے بڑے اہتمام اور لگن کے ساتھ ایک ایسی خوف ناک کارروائی کے ارتکاب کے لیے فضا ہم وار کی، جس کو لبنان کے دایاں بازو والے گروپوں نے، فلسطینیوں اور اُن کے لبنانی حلیفوں سے انتقام لینے کے لیے عملی جامہ پہنایا۔ اِس کے باوجود کہ یہ کیمپ ہر قسم کے ہتھیار اور مُسَلّح افراد سے یکسر خالی تھا، اسرائیل کے توپوں اور طیّاروں نے، ''صَبرَا اور شاتیلا'' پر حملہ کردیا اور اِس کیمپ کے دروازوں پر اپنی گرفت مضبوط کرلی، جو نہ صرف یہ کہ ہتھیاروں سے پوری طرح خالی تھا؛ بل کہ اِس میں فلسطینی پناہ گزینوں اور نہتے لبنانی شہریوں کے سوا کوئی اور نہ تھا۔ اِن افواج نے لبنانی صدر ''بشیر الجمیل''(۱) کے قتل کے بعد، انسانی خون کے پیاسے جنگ جوؤں کو اِس کیمپ میں داخل

---

(۱) ''بشیر بیار جمیل'' (۱۳۶۷ھ/۱۹۴۷ء - ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء) یہ مسیحی تھا اور ''فلانجسٹ'' پارٹی کا عسکری قائد تھا۔ یہ لبنان میں اسرائیل کا زبردست اور طاقت ور آدمی تھا؛ بل کہ اِس کی افواج کی ٹریننگ بھی اسرائیل ہی دیتا تھا اور وہیں سے اِس کو اسلحے ملتے تھے۔ ۱۹۸۱ء تک اِس نے اسرائیل سے اپنے تعلقات کو راز دارانہ رکھا؛ لیکن اُس کے بعد اسرائیلی اقدامات کی وجہ سے یہ راز منکشف ہوگیا۔ ۲۳ر ستمبر ۱۹۸۲ء کو وہ لبنان کا صدرِ جمہوریہ منتخب ہوا؛ لیکن ابھی حلف برداری کی تقریب، جو ۲۳ر ستمبر ۱۹۸۲ء کو ہونی تھی، روبہ عمل بھی نہ آئی تھی کہ سہ شنبہ: ۱۴ر ستمبر ۱۹۸۲ء جب وہ اپنی پارٹی کی ایک اہم میٹنگ کی اُس کے مرکزی دفتر میں صدارت کر رہا تھا، زبردست دھماکے میں، اُس کی موت واقع ہوگئی۔ دھماکہ اتنا شدید تھا کہ ۳ منزلہ عمارت کے پرخچے اڑ گئے۔ ←

کردیا۔ یہ خوں ریز کارروائی ایک دن سے زائد تک، عالمی رہ نماؤں اور اسرائیلی افواج کی آنکھوں کے سامنے مسلسل چلتی رہی۔ جس اسرائیلی فوج نے اِس کیمپ کو گھیر رکھا تھا، وہ ان جنگ جوؤں کو گولہ بارود اور کھانے پینے کی چیزیں پہنچا رہی تھی۔

یہ کارروائی جمعے کے دن سے ہفتہ کی صبح تک چلتی رہی۔ اِسی دوران، اسرائیل کے فوجی رپورٹر ''رون بن یشائی'' نے ''ایریل شیرون'' کو، جو ''مناحیم بیگن'' کی حکومت میں وزیرِ دفاع تھا، مُتنبّہ کیا کہ وہ صَبرا اور شاتیلا کی اِس خوں ریز کارروائی سے ''بیگن'' کو آگاہ کردے، تو شیرون نے انتہائی پرسکون انداز میں ''مبارک سال'' کہہ کر جواب دیا۔ اِس کے بعد ''بیگن'' نے اسرائیل کی پارلیمنٹ کے سامنے کھڑے ہوکر، حقارت کے ساتھ یہ اعلان کیا: ''پردیسیوں نے، پردیسیوں کا قتل کردیا... ہم کیا کریں؟

اسرائیل کے ''کاہان'' کمیشن کی رپورٹ میں، یہ اعتراف کیا گیا تھا کہ اِس حملے کے لیے ''بیگن'' اُس کی حکومت کے ارکان اور اُس کی فوج کے کمانڈر ذمّے دار ہیں؛ کیوں کہ اُنھوں نے صَبرا اور شاتیلا کی طرف فوج روانہ کرنے کی قرارداد پاس کرنے کے ساتھ ساتھ، اِس کیمپ پر چڑھائی کے لیے فوج کی مدد بھی کی تھی؛ مگر اِس کمیشن نے صرف اتنا اعتراف کیا کہ اسرائیلی حکومت کے ارکان بلاواسطہ اِس حملے کے ذمّے دار ہیں اور صرف ''شیرون'' کو برطرف کرنے اور فوجی جنرل ''روائیل ایتان'' کی اپریل ۱۹۸۲ء میں مدّتِ کار ختم ہونے کے بعد، اُس کی مدت نہ بڑھانے کا مطالبہ کیا اور بس۔ بیروت کے سامنے لنگر انداز امریکی بیڑے کے ایک ذمّے دار نے ''پنٹاگن'' کو پیش کی گئی رپورٹ میں قطعیّت کے ساتھ، اسرائیل کے سیاسی اور فوجی ذمّے داروں کو، اِس کارروائی کا راست

← اسرائیل نے اِس موقع کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے چہار شنبہ ۱۵ ستمبر کو اپنی افواج مغربی بیروت میں سیکورٹی کی حفاظت کا بہانہ بنا کر روانہ کردیا؛ جنھوں نے صابرا اور شاتیلا کے فلسطینی کیمپوں کا محاصرہ کرکے مسیحی ملیشیاؤں کو قتلِ عام کا موقع دیا، جنھوں نے مسلسل دو روز: جمعرات و جمعہ ۱۶-۱۷ ستمبر ۱۹۸۲ء کو نہتے فلسطینیوں کا خون پانی کی طرح بہایا، جس کے نتیجے میں تقریباً ۲۵۰۰ فلسطینی شہید ہوگئے، جن میں بڑی تعداد عورتوں اور بچوں کی تھی۔

ذمے دار ٹھہرایا اور یہ سوال کیا: ''اگر یہ جنگی جرائم نہیں، تو اور کیا ہیں؟'' لیکن افسوس کہ اس رپورٹ پر، ''کاہان'' کی رپورٹ کی طرح توجہ نہ دی گئی، حال آں کہ امریکی افسر: ''وسٹن بیرنیٹ'' نے انتہائی احتیاط کے ساتھ لحہ بہ لحہ، اِس خوں ریز کارروائی اور اُن میٹنگوں کی تفصیلات ریکارڈ کی تھیں، جو اِس کارروائی کو بہ راہِ راست روبہ عمل لانے والے افواج کے کمانڈر، خاص طور سے ''ایلی حبیقہ'' اور اسرائیل کے سیاسی رہ نماؤں کے درمیان ہوئی تھیں۔

صَبرا اور شاتیلا پر ہونے والے اِس حملے میں ۲۵۰۰ نہتے فلسطینی اور لبنانی مارے گئے، جن میں زیادہ تر بچے اور عورتیں تھیں۔ نیز اُن افواج نے سینکڑوں افراد کو نیم جان کر کے چھوڑ دیا اور کئی عورتوں کی بار بار آبروریزی بھی کی۔ یہ حملہ لبنان سے مُزاحمت کے خاتمے کے بعد، امریکہ کی طرف سے فلسطینیوں اور اُن کے نہتے حامی لبنانیوں کی سخت حمایت اور دیکھ ریکھ کے باوجود، ہوا۔

اِس کارروائی کے پیچھے دو ہدف تھے۔ ایک یہ کہ فلسطینیوں اور اُن کے لبنانی حلیفوں کے حوصلے کو پست کر دیا جائے اور دوسرے یہ کہ خود لبنانیوں کے درمیان فرقہ وارانہ دشمنی کی آگ فروزاں کر دی جائے۔

۱۶ رمئی ۱۹۸۴ء (عین الحلوۃ)

جنوبی لبنان کے شہر ''صیدا'' سے اسرائیلی افواج کے مُتوَقَّع اِنْخِلا کے فوراً بعد، اسرائیل نے اپنے ایک کارندے ''حسین عکر'' کو ''صیدا'' کے قریب ہی واقع اُس فلسطینی کیمپ (عین الحلوۃ) کے اندر حملہ کرنے کا اِشارہ کیا۔ یہ اِشارہ ملتے ہی اسرائیلی فوج ۱۵۰۰ جوانوں اور ۱۵۰ جنگی ہتھیاروں کے ساتھ اِس کیمپ پر ٹوٹ پڑی اور اِس کیمپ پر پھینکے جانے والے بموں سے اٹھنے والے شعلوں کی روشنی میں، کیمپ میں خون خرابہ مچانے لگی۔ یہ کارروائی آدھی رات سے لے کر اگلے دن تک مسلسل چلتی رہی۔ اِن افواج نے نہ صرف یہ کہ اِس کیمپ کے پناہ گزینوں کے ذریعے کیے جانے والے احتجاجی مظاہرے کا تعاقب

کیا؛ بل کہ پورے دن اِس کیمپ میں ایمبولنس کو بھی جانے سے روکے رکھا۔

اِس کارروائی میں بچے، جوان، عورتیں اور بوڑھے سمیت ۱۵ لوگ ہلاک اور زخمی ہو گئے۔ ۱۴۰ مکانات تباہ کر دیے گئے اور ۱۱۵۰ افراد کو گرفتار کر لیا گیا، جن میں خواتین، بچے اور بوڑھے بھی تھے۔

۲۰ ستمبر ۱۹۸۴ء (سحمر)

اسرائیلی فوج کی ٹکڑیوں اور جنوبی لبنان کی فوج میں اسرائیل کے گماشتے ''انطون لحد'' نے، جنوبی لبنان میں واقع اِس گاؤں (سحمر) پر دھاوا بول دیا۔ فوجیوں نے گاؤں والوں کو مرکزی میدان میں اِس لیے اکٹھا کیا کہ اُن سے اِس گاؤں کے قریب، لبنانی قومی مزاحمت کے ہاتھوں گماشتے ''لحد'' کے چار لوگوں کے قتل کے سلسلے میں پوچھ تاچھ کی جائے۔ اِن اسرائیلی فوجیوں اور ''لحد'' کی ماتحتی میں کام کرنے والے لوگوں نے، اسرائیلی افسر اور ''لحد'' کے احکامات کے مطابق، گاؤں والوں پر اپنی مشین گنوں سے گولیاں چلا دیں، جس کے نتیجے میں موقع پر ہی ۱۳ شہید اور ۴۰ دیگر زخمی ہو گئے۔

اسرائیل نے ''صبرا'' اور ''شاتیلا'' کی طرح یہاں بھی یہ دعوی کر کے کہ اِس کارروائی کی ذمے دار تنہا ''لحد'' کی افواج ہیں، اپنے جرم سے راہِ فرار اختیار کرنے کی کوشش کی؛ لیکن اِس کارروائی میں بچ جانے والے لوگوں نے زور دے کر کہا کہ حملہ کرنے والوں کی بڑی تعداد باہم عبرانی زبان میں گفتگو کر رہی تھی، جب کہ وہ لوگ بہ مشکل عربی بول پا رہے تھے۔

''سحمر'' میں جو کچھ پیش آیا، وہ جون ۱۹۸۲ء میں اسرائیلی افواج کے حملوں کے دوران، جنوبی لبنان میں رونما ہونے والے روزانہ کے حادثات کا ایک نمونہ تھا۔

۱۱ اکتوبر ۱۹۸۵ء (حمامات الشط)

تنظیم آزادی فلسطین کے ''بیروت'' سے نکلنے کے تین سال بعد، اسرائیلی لڑاکا

طیاروں نے اُس کے دفاتر پر حملہ کیا اور اُس کے اُن قائدین کا پیچھا کیا، جو ٹیونیشیا چلے گئے۔ اِن طیاروں نے ۱۱راکتوبر ۱۹۸۵ء کو، ٹیونیشیا کے دارالسلطنت کے جنوب میں واقع ''حمامات الشط'' کے اطراف پر دھاوا بول دیا، جس کے نتیجے میں ۵۰ افراد شہید اور ۱۰۰ لوگ زخمی ہو گئے؛ کیوں کہ شہریوں سے بھرے پُرے اُس کنارے پر بموں اور میزائلوں کی بارش کر دی گئی، جس میں فلسطینی خاندان، ٹیونیشیا والوں کے ساتھ مل جل کر گزر بسر کر رہے تھے۔ اسرائیلی صہیونی دہشت گردی کی راہ پر چلتے ہوئے ''تل ابیب'' نے، مغرب عربی کے اہداف کو ضرب لگانے کی اپنی فضائی طاقت پر فخر کرتے ہوئے، سرکاری طور پر اِس حملے کی ذمے داری قبول کرنے کا اعلان کیا۔

۲۵رفروری-رمضان کا آخری جمعہ ۱۹۹۴ء (حرمِ ابراہیمی)

معاہدہ ''اوسلو'' کے بعد مغربی کنارے میں واقع شہر خلیل-اس سوال کے بعد کہ کیا فلسطینیوں اور اسرائیلیوں کے درمیان ہونے والے آخری حل کے مذاکرات کے چوکٹے میں کالونیاں خالی کی جائیں گی اور اسرائیلی نو آباد کار وہاں سے کوچ کریں گے—اسرائیلی نو آباد کاروں کے لیے پیدا ہو جانے والے کشیدہ حالات کی روشنی میں خصوصی تَوَجُّہ کا مرکز بن گیا۔ اِس خاص اہمیت کا راز اِس میں مُضمَر ہے کہ شہرِ خلیل اپنی مذہبی اَہَمِّیَّت کے پیشِ نظر، بعض نو آباد کار انتہا پسندوں کا ایک اڈہ شمار کیا جاتا ہے۔ اگر مجھے کہنے کی اجازت دی جائے، تو میں کہہ سکتا ہوں کہ شہرِ خلیل، قدس شریف کے بعد، ارضِ فلسطین کا دوسرا مُقَدَّس شہر ہے۔

ماہِ رمضان کے آخری جمعہ کو بہ وقتِ فجر، یعنی ۲۵رفروری ۱۹۹۴ء کو، حرم ابراہیمی کی پہرہ داری پر مُتعَیّن اسرائیلی افواج نے، ایک یہودی نو آباد کار ''باروخ گولڈشٹاین'' کو، جو اپنی انتہا پسندی کے حوالے سے مشہور ہے، حرم شریف کے اندر داخلے کی اِجازت دے دی۔ اُس کے پاس اپنی بندوق اور کئی جنگی ساز و سامان تھے۔ داخل ہوتے ہی اُس نے

مسجد کے اندر نمازیوں کا قتلِ عام شروع کر دیا۔ اِس کارروائی میں ۶۰ فلسطینی شہید اور دسیوں دیگر زخمی ہو گئے۔ یہ اعداد و شمار، زندہ بچ جانے والے نمازیوں کو پکڑنے اور اُنھیں قتل کرنے سے پہلے کے ہیں۔

بارہا یہ خبریں آئیں کہ کئی مُسَلَّح اسرائیلی اِس خوں ریز واقعے میں شامل تھے؛ مگر انتہائی ہوشیاری کے ساتھ یہ افواہ پھیلا دی گئی کہ حرمِ ابراہیمی کے اندر، صرف ''گولڈ شٹاین'' نے ہی گولیاں چلائی ہیں۔ اسرائیلی فوجیوں اور مُسَلَّح نو آباد کاروں نے فوری رَدِّ عمل کے طور پر سامنے آنے والے احتجاجی مظاہروں میں شریک ہونے والے فلسطینیوں پر بھی زندہ گولیاں چلائیں اور ۲۴ گھنٹے کے اندر، مختلف خطوں اور شہرِ خلیل میں، مزید ۵۳ فلسطینی قتل کر دیے گئے۔

اسرائیلی حکومت نے یہ اعلان کرتے ہوئے کہ وہ فلسطینیوں کے ساتھ امن و سلامتی کے دامن کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہے، اِس خوں ریز عمل کی بہ جلد مذمّت کی؛ نیز اُس نے اِس کی ذمّے داری صرف ایک شخص، یعنی ''گولڈ شٹاین'' پر ہی ڈالی اور ''کاخ'' اور ''کاہانا'' تنظیموں کے نمایاں لوگوں کی ایک محدود تعداد کو گرفتار کرنے پر اکتفا کیا، جنھوں نے ''گولڈ شٹاین'' کے اِس جرم کو سراہا تھا۔ ساتھ ہی اسرائیلی حکومت نے دونوں تنظیموں کی سرگرمیوں پر پابندی لگانے کی ایک قرارداد بھی پاس کی؛ لیکن اتنی بات صاف ہے کہ اِن تمام کارروائیوں کی صحیح تصویر پیش نہیں کی جا سکتی۔ اسرائیلی حکم رانوں نیز مُتَّحِدہ عمل کی حکومت نے، نو آباد کاروں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے اور اُنھیں نہتا کر دینے سے دانستہ چشم پوشی کی۔

اِس میں کوئی شک نہیں کہ وسطِ خلیل کی یہ کالونی ''کریات اربع'' جہاں سے ''گولڈ شٹاین'' آیا تھا، اُن نو آباد کاروں کی دہشت گردی کا ایک کھلا ہوا نمونہ ہے، جو نہ صرف یہ کہ بہ ذاتِ خود اپنے اسلحوں کو بہ حفاظت رکھتے آ رہے ہیں؛ بل کہ مزدور پارٹی اور اُس کے بعد لیکوڈ پارٹی کی حکومتیں بھی شہرِ خلیل میں اُن نو آباد کارانہ خوابوں کو غذا فراہم

کرنے اور سلامتی سے متعلق اُن کے خیالات کو بڑھاوا دے کر اُنھیں نہتّے فلسطینیوں کے مقابلے کے لیے مُسلّح کرنے کے سلسلے میں دل چسپی لیتی رہی ہیں؛ بل کہ مزدور پارٹی اور لیکوڈ پارٹی میں سے ہر ایک نے بالقصد، فلسطینی اسرائیلی معاہدوں کی رو سے طے شدہ دوبارہ تعیین کو مؤخر کر دیا ہے؛ تاکہ سلامتی اور معیشت کے حوالے سے نسلی امتیازات کی بنیادوں پر، تقریباً ۴۰۰۰ یہودی نوآبادکاروں کو، اُن ایک لاکھ فلسطینیوں کے مقابلے کے لیے شہر خلیل میں ٹھیرے رہنے کی گارنٹی مل سکے، جو ''گولڈشٹاین'' کی طرز پر کی جانے والی خوں ریز کارروائیوں کے ہمیشہ نشانے پر رہے ہیں۔

''گولڈشٹاین'' کی اہمیت کا راز یہودیوں کے نزدیک یہ ہے کہ وہ ایک ایسے صہیونی دہشت گرد کے نمونے کی حیثیت رکھتا ہے، جو ''اُوسلو'' معاہدے کے بعد کی منزل میں بار بار سامنے آسکتا ہے۔

''گولڈشٹاین'' پیشے سے طبیب تھا؛ لیکن ایک نوآبادکار کی طرح جس معاشرتی اور تعلیمی نظام کے سایے میں اُس کی پرورش ہوئی تھی، اُس نے اُس کو نسلی امتیازات برتنے پر مجبور کر دیا اور اِسی حوالے سے وہ مشہور بھی ہوا۔ اُنھی نسلی امتیازات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ فلسطینیوں کے علاج معالجے سے صاف منع کر دیتا تھا۔ وہ غیر یہود کے خون کو مُباح سمجھتا تھا۔ ''گولڈشٹاین'' کے حافظے میں اُس اسرائیلی فوج کی بہت سی عمدہ یادیں محفوظ تھیں، جس کی خدمت کے دوران اُس نے یہ سیکھا تھا کہ فلسطینیوں پر مُسلّح چڑھائی کی جائے۔ وہ جہاں بھی جاتا تھا، ہتھیار بند رہتا تھا۔ ''گولڈشٹاین'' کی قبر، مغربی کنارے کے صہیونی نوآبادکاروں کے لیے ایک مُقدّس مزار میں تبدیل ہوگئی ہے۔

۱۸/اپریل ۱۹۹۶ء (قانا)

قانا والی یہ خوں ریز کارروائی ۱۸/اپریل ۱۹۹۶ء کو رونما ہوئی اور یہ اُس بڑی کارروائی کا ایک حصہ تھا، جس کا نام "عَمَلِيَّةُ عَنَاقِيدِ الْغَضَبِ" (خوشے دار غصّے کی

کارروائی) رکھا گیا تھا، جو اس مہینے (اپریل ۱۹۹۶ء) کی ۱۱ تاریخ سے ۲۷ تک چلتی رہی۔ یہ ۱۹۷۸ء، ۱۹۸۲ء اور ۱۹۹۳ء کے بھیانک حملے کے بعد، اسرائیلی افواج کی لبنان پر اپنی نوع کی چوتھی کارروائی سمجھی جاتی ہے۔ اس میں جنوب اور مغربی خطے کے ۱۵۹ قصبات اور گاؤں کو نشانہ بنایا گیا تھا۔

اِس کارروائی کی پشت پر وہ تین بنیادی اہداف کارفرما تھے، جو اُن اہداف کے سوا ہیں، جن کا اظہار حکومتی قائدین اور اسرائیل کے صحافیوں نے کیا تھا: ۱- اسرائیلی فوج کے روبہ زوال رعب و دبدبہ پر بند باندھنا۔ ۲- اِس مقصد کے حصول کے لیے لبنان اور سیریا کی حکومتوں پر زبردست دباؤ ڈال کر، حزب اللہ کو نہتا کر دینا، یا کم از کم اُس کو پابہ سلاسل کرنا اور اُس کی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دینا۔ ۳- اُس صہیونی ریاست کی حلیف جنوبی لبنان کی فوج میں موجود اسرائیل کے گماشتوں کا حوصلہ بلند کرنا، جس کی افواج اور اس کے قائدین، لبنان کی صورتِ حال کے حتمی تصفیے تک پہنچنے کے بعد اپنے متوقع انجام کے حوالے سے، دہشت، خوف، اُلجھن اور پریشانی کے عالم میں جی رہے ہیں۔ صہیونی رہ نماؤں نے یہ اِعلان کیا تھا کہ اِس کارروائی کا مقصد، شمال کی کالونیوں اور جنوبی لبنان کی مقبوضہ پٹی کی اسرائیلی افواج کی سلامتی ہے؛ مگر مُبصِرین نے وزیرِ دفاع اور وزیرِ خارجہ کے بیانات پر مُسلسل نظر رکھی۔ خود شمعون پیریز نے، جو اُس وقت اسرائیل کا وزیرِ اعظم تھا، اِن تینوں مذکورہ اہداف کی جانب اِشارہ کیا تھا۔

۱۹۹۳ء کے حملے کے بعد، جولائی ۱۹۹۳ء میں ایک سمجھوتہ ہوا تھا، جس میں لبنانی اور صہیونی دونوں فریقوں نے شہریوں سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنے کا عہد کیا تھا۔ چناں چہ لبنانی فریق نے، اِس سمجھوتے پر عمل کیا اور شمالی اسرائیل پر حملہ کرنے کا ارادہ ترک کر کے یہ کوشش کی کہ جنوبی لبنان کو فوجیوں سے پاک کر دیا جائے، جس پر اُنھوں نے ۱۹۸۲ء کی جنگ میں قبضہ کر لیا تھا؛ لیکن جوں ہی جنوبی لبنان کی قابض افواج کے مقابلے کے حوالے سے، حزب اللہ کی طاقت اور جراَت میں اِضافہ ہوا، اسرائیل کو خوف ستانے لگا اور اُس نے

محدود کارروائیاں کرکے، فوجیوں سے پہلے شہریوں پر حملہ کرنا اور اُس سمجھوتے کی خلاف ورزی کرنا شروع کردیا، یہاں تک کہ اُسے اپنے اعصاب پر قابو نہ رہا۔ اِسی بات کو ''شمعون پیریز'' نے ایک ایسی عسکری کارروائی میں تبدیل کردیا، جس کے ذریعے اُس اسرائیلی لشکر کا رعب و دبدبہ بہ حال کیا جاسکے، جو لبنانی اور فلسطینی مُزاحمت کی چکی میں پس کر رہ گیا تھا اور جس کے ذریعے سابق جنرل ''اسحاق رابن'' کے قتل کے بعد، مزدور پارٹی کی عسکری ساکھ کو بہ حال کی جاسکے۔ اسرائیلی کس قدر دہشت زدہ اور گھبرائے ہوئے تھے، اِس کا اندازہ اِس کم زور خطے پر استعمال کیے گئے جنگی ساز وسامان کی مقدار سے لگایا جاسکتا ہے؛ چناں چہ جنوبی لبنان اور مغربی خطہ، جنھیں نشانہ بنایا گیا، اپنے رقبے اور آبادی کے اعتبار سے بہت چھوٹے تھے؛ لیکن اِس کے باوجود اسرائیلی فوج کے طیاروں نے قریب ۱۵۰۰ بار پرواز کیا اور ۳۲ ہزار گولے داغے گئے۔ یعنی اسرائیلی افواج کے ذریعے استعمال شدہ جنگی ہتھیاروں کا روزانہ کا اوسط ۸۹ پرواز اور ۱۸۸۲ گولہ تھا۔ لبنانی مُہاجرِین، جنوبی لبنان میں اقوام متحدہ کے فوجی ہیڈ کوارٹرس پر ٹوٹ پڑے۔ اُنھی میں سے ایک ''قانا'' میں ''فیجی'' فوج کا ہیڈ کوارٹر بھی تھا۔ یہ دیکھ کر اسرائیلی فوج نے اُس مورچے پر گولے داغے، جس پر ۸۰۰ لبنانی تھے، نیز عین اُسی وقت اُس نے قصبۂ نبطیہ، مجدل زون، سحمر اور جبل لبنان میں دیگر خوں ریز کارروائیاں انجام دیں اور نہتے لبنانی شہریوں کا قتلِ عام کیا۔

اِس کارروائی میں ۲۵۰ لبنانیوں کی جان ضائع ہوئی، اُن میں سے ۱۱۰ صرف ''قانا'' کے رہنے والے تھے، نیز لبنان اور سیریا کے بہت سے فوجی اور حزب اللہ کے کئی ممبران بھی شہید ہوگئے۔ زخمیوں کی تعداد ۳۶۸ تھی، جن میں ۳۵۹ شہری تھے، جب کہ ۶۰ سے زائد بچے، یتیم ہوگئے۔

''قانا'' پر حملے کے بعد، جلد ہی اسرائیل کو دنیا کے سامنے بڑی رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔ چناں چہ اُس نے جلد ہی یہ اعلان کیا کہ یہ حملہ غلطی سے ہوا ہے؛ لیکن اسرائیلی افواج کے جھوٹ کا پردہ جلد ہی فاش ہوگیا۔ ایک ویڈیو فلم میں مذکورہ جگہ اور اُس کے آس پاس

کے سارے علاقوں کی تصویریں دکھائی گئی تھیں۔ اُس فلم میں ایک منظر یہ بھی تھا کہ اسرائیل کا سراغ رساں طیارہ، مذکورہ جگہ پر گولے برسا رہا ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ اقوام متحدہ میں کام کرنے والے کئی عینی شاہدین نے یہ بتایا کہ اُنھوں نے مُتاَثِّرہ مقام کے قریب دو ہیلی کاپٹروں کو دیکھا تھا۔ دوسری طرف اسرائیلی وزیر اعظم ''شمعون پیریز'' نے یہ تبصرہ کیا: ''بلاشبہہ یہ بدنامی کی بات ہے کہ یہاں ۸۰۰ شہری ساگوان کی ایک چھت کے نیچے جمے بیٹھے ہوں اور ہمیں اقوام متحدہ اِس کی خبر نہ دے۔'' لیکن اِس کا واضح جواب فوراً دیا گیا؛ اِس لیے کہ اقوامِ متحدہ کے ذمّے داروں نے اِعلان کیا کہ اُنھوں نے کئی بار اسرائیل کو یہ خبر دی تھی کہ ۹ ہزار پناہ گزیں شہری اقوام متحدہ کے مراکز میں پناہ لیے ہوے ہیں، نیز اُنھوں نے ساری دنیا سے یہ بھی برملا کہا کہ اسرائیل نے اِس عرصے میں ۲۴۲ مرتبہ بین الاقوامی افواج اور اقوامِ متحدہ کی تنصیبات پر گولیاں چلائیں۔ اقوامِ متحدہ کی رپورٹ میں زور دے کر، اِس دانستہ کارروائی کی ذمّے داری، ''شمعون پیریز'' کی حکومت اور اُس کے فوجیوں پر ڈالی گئی تھی۔ اقوامِ متحدہ کے اُس وقت کے جنرل سکریٹری، ڈاکٹر ''پطرس غالی''[1] پر امریکہ اور اسرائیل نے یہ دباؤ ڈالا تھا کہ وہ اِس رپورٹ کے مشمولات کو منظر عام پر نہ آنے دیں؛ لیکن اِس کے باوجود اُنھوں نے اِس کے کئی گوشوں سے پردہ اُٹھایا اور اُس کو عام کر دیا۔

۱۹۹۷ء میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے، ایک قرار داد پاس کر کے اسرائیل سے یہ اپیل کی کہ وہ ''قانا'' کی کارروائی میں ہلاک ہو جانے والوں کو مُعاوَضہ دے؛ مگر ''تل ابیب'' نے انکار کر دیا۔[2]



---

(۱) یہ مصری عیسائی ہیں، ابھی (رمضان ۱۴۲۸ھ/ اکتوبر ۲۰۰۷ء میں) حیات ہیں۔ یکم جنوری ۱۹۹۲ء سے ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۶ء تک اقوامِ متحدہ کے سکریٹری جنرل رہے تھے۔

(۲) دیکھیے کتاب "مَوسُوعَۃُ الْیَھُوْدِ وَالْیَھُوْدِیَّۃِ وَالصِّھیُوْنِیَّۃِ" از ڈاکٹر عبدالوہاب المسیری۔

فلسطینی عرب سے

(علاّمہ اقبالؒ)

زمانہ اب بھی نہیں جس کے سوز سے فارغ
میں جانتا ہوں وہ آتش ترے وجود میں ہے

تری دوا نہ جنیوا میں ہے، نہ لندن میں
فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے

سنا ہے میں نے غلامی سے امتوں کی نجات
خودی کی پرورش ولذّتِ نمود میں ہے


بسم الله الرحمن الرحيم

فلسطین کے حوالے سے، اَلمیۂ لبنان کا سبق (●)

برطانوی اسٹریٹیجک تحقیقات کے اِدارے سے جاری کردہ اَعداد وشمار مُظہر ہیں کہ عربی ممالک مصروشام ولیبیا والجزائر ومراکش وعراق وسعودی عرب کی ریزروافواج کے علاوہ، کُل افواج کی تعداد (۱۵۶۸۰۰۰) سے زیادہ نہیں۔ اِن سارے ملکوں کے جنگی طیاروں کی تعداد صرف (۲۲۹۵) ہے۔ جب کہ اِسرائیل کے پاس زیرِ سروس (۱۷۴۰۰۰) مسلح افواج ہیں، اُس کی ریزروافواج کی تعداد (۴۵۰۰۰۰) ہے اور اُس کے پاس ۶۳۴ جنگی طیّارے ہیں۔ (۱)

عربوں اور اِسرائیل کے مابین عسکری طاقت اور سامان ہائے ضرب وحرب کے اتنے بڑے اور واضح فرق کو دیکھ کر قارئین کو یقیناً تعجب ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ عربی ممالک کیوں ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہے؟ عسکری میدان میں اپنی طاقت جتانے سے کس چیز نے اُنھیں روکے رکھا؟ بے کسی، بے بسی، نفسیاتی شکست خوردگی، ذہنی پسپائی اور معنوی

(●) ترجمہ مضمون بہ عنوان: "مَأْسَاةُ لُبْنَانَ .. دُرُوسٌ وَعِبَرٌ" شائع شدہ "الداعی" شمارہ:۱، جلد:۶، ۷/محرم ۱۴۰۳ھ = ۲۵/اکتوبر ۱۹۸۲ء۔ ترجمہ در اردو بہ قلم خود بہ تاریخ: ۱۱ بجے شبِ پنج شنبہ: ۱۴/رمضان ۱۴۲۸ھ = ۲۷/ستمبر ۲۰۰۷ء۔ الداعی میں راقم کا یہ پہلا مضمون تھا جو فلسطین کے موضوع پر لکھا گیا اور الداعی کا شمارہ نمبر:۱، جلد:۶ پہلا شمارہ تھا، جو راقم الحروف کی اِدارت میں شائع ہوا۔

(۱) یاد رہے کہ یہ سطریں اوائلِ محرم ۱۴۰۳ھ = اواخرِ اکتوبر ۱۹۸۲ء میں لکھی گئی تھیں جب صَبرا اور شتیلا کے فلسطینی کیمپوں پر اسرائیل نے ۱۶-۱۸/ستمبر ۱۹۸۲ء (۷-۹/محرم ۱۴۰۳ھ) کو بے تحاشا بمباری کر کے سیکڑوں فلسطینیوں کو تہِ تیغ کردیا تھا، جس سے عالمی برادری کی (اُس کے اندھے بہرے ہونے کے باوجود) چیخیں نکل گئی تھیں۔ اب تو عربوں اور اسرائیل کے مابین عسکری طاقت کے حوالے سے، یہ تناسب بھی نہیں رہا۔ اب تو اسرائیل سارے عربی ملکوں کے بیچ تنہا عسکری سپر پاور اور واحد ایٹمی طاقت ہے اور کسی بھی وقت سارے عربوں کو ناکوں چنے چبوا سکتا ہے۔

ناکامیوں کی کیفیت کا اسیر رہنے پر اُنھیں کیا چیز مجبور کیے رہی؟ جب کہ دوسری طرف بے سروسامانی کے باوجود، بیروت اور لبنان کے دگر علاقوں میں فلسطینی قوم نے مثالی بہادری کا ثبوت دیا اور خودداری وپامردی کے ساتھ، اِسرائیل کے ظلم وجبر کے سامنے اس طرح سینہ سپر رہی، جس کو دیکھ ساری دنیا حیرت زدہ رہ گئی؟

عربوں کے لیے کیا چیز مانع ہے کہ وہ امتِ عربیہ مسلمہ کی ساری توانائیوں کو طویل المیعاد جہاد اور پیہم جدّ وجہد کی راہ پر ڈال کر، غصب کردہ اَراضی، سلب کردہ حقوق، مجروح خودداری، پامال کردہ عزّت وعظمت کی بازیابی اور دشمن سے کما حقہ انتقام کے ذریعے، ذلت اور عار کے دھبّے کو دھوڈالنے کا فریضہ انجام دے سکیں؟!

عربوں کو کیا ہو گیا ہے؟

عربوں کو کیا ہو گیا ہے کہ جب بھی اِسرائیل اُن کے خلاف وسیع پیمانے کی ''تادیبی'' کارروائی کرتا ہے، وہ فوراً ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا سہارا ڈھونڈنے لگتے ہیں کہ چوں کہ امریکہ ہی اِسرائیل کی طاقت وقوت کا اصل سرچشمہ ہے؛ اِس لیے اُسی سے یہ درخواست کی جائے کہ وہ اِسرائیل کو طاقت بہم پہنچانے میں تھوڑی سست روی سے کام لے یا اُس سے بالکلیہ ہاتھ روک لے؟ کیا عربوں کو نہیں معلوم کہ امریکہ کی رگِ جاں اِس وقت پنجۂ یہود میں ہے؟ اگر امریکہ سے مایوس ہوں تو فوراً وہ ''سوویت یونین'' کی پناہ لینے کی کوشش کرتے ہیں اور بے وقوفی سے سمجھتے ہیں کہ ''سوویت یونین'' اُنھیں، اسرائیل کو غرقِ سمندر کرنے میں اُن کا بھرپور ساتھ دے گا؟۔

کیا عربوں کو اِتنی سادہ سی بات نہیں معلوم کہ امریکہ کا ''ویٹو'' ہی اِسرائیل کی حمایت کا سب سے بڑا ذریعہ اور اُس کے سارے سرپھرے پن کی اصل بنیاد ہے۔ امریکہ نے ہی تو اِسرائیل کو نازپروردہ شریر ''شاہ زادہ'' بنادیا ہے، جو ہمہ وقت جس کو چاہتا ہے گالی دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے ضرب لگاتا ہے، جس کی چاہتا ہے توہین وتذلیل کرتا ہے اور جسے

چاہے جان سے مار ڈالتا ہے۔ اب اگر متاثر افراد شاہ - امریکہ - سے اُس کی شکایت کرتے ہیں، تو وہ اُنھیں بہت بری طرح اِس انداز سے گھورتا ہے، جیسے اِنسان کسی بہت بڑے مجرم کو گھورتا اور خوف ناک نظروں سے دیکھتا ہے، گویا وہ اپنی خفگی کی نظر سے اُن کی تادیب کرتا ہے کہ تم کون ہوتے ہو کہ شاہ زادے کی شکایت کرنے آگئے؟! نہ صرف یہ ؛ بل کہ شاہ دل ہی دل میں شاہ زادے کی ''حوصلہ مندی'' دلیری اور بے باکی پر بے انتہا خوش ہوتا ہے!۔

امریکہ کے تعلق سے ہم مسلمانوں کا اب تک کا تجربہ یہ ہے کہ وہ جب بھی یہ محسوس کرتا ہے کہ عربی اُفق پر اِسرائیل یا اُس کے تئیں ناراضگی کا بادل چھا رہا ہے، جو کسی وقت ''خدانہ خواستہ'' چند بوندیں ٹپکا سکتا ہے، تو فوراً وہ عربوں کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے، امن کے کسی فارمولے کے ساتھ سامنے آجاتا ہے؛ تاکہ نہ صرف عربوں کو بے وقوف بنایا جاسکے؛ بل کہ اسرائیل کو اپنے منصوبوں کی راہ پر محوِ سفر رہنے کے لیے، مزید وقت اور موقع دیا جاسکے۔

سوویت یونین (۱) کے حوالے سے عربوں کو یہ کیوں یاد نہیں رہتا کہ وہ ہر آڑے وقت پر اُنھیں بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے۔ ہاں نارمل حالات میں وہ چکنی چپڑی باتیں کرتا رہتا ہے، تاکہ عربوں کو فریب خوردگی کے جنجال میں تادیر اُلجھائے رہے۔ اُس کا حال عربوں اور مسلمانوں کے تئیں ہمیشہ منافقانہ رہا ہے؛ کیوں کہ وہ مسلمانوں کا دوست کبھی تھا نہ ہوسکتا ہے؛ کیوں کہ وہ جس تھیوری پر عمل پیرا ہے وہ یہودی نژاد ''کارل مارکس'' (۱۸۱۷-۱۸۸۳ء) اور ''لینن'' (۱۸۷۰-۱۹۲۴ء) کا ہی نظریہ ہے؛ اِس لیے اُس سے کسی خیر کی امید رکھنا سراسر بے وقوفی اور فریب خوردگی ہے۔

---

(۱) پیشِ نظر رہے کہ سوویت یونین اِس تحریر کے عربی میں آج سے ۲۵ سال پہلے لکھے جانے کے وقت موجود تھی اور امریکہ کے بالمقابل دوسری بڑی طاقت سمجھی جاتی تھی، اِس وفاقی ریاست میں روس کے علاوہ سولہ دگر خود مختار ریاستیں شامل تھیں؛ لیکن ۳۱ر اگست ۱۹۹۱ء (۱۹/۲/۱۴۱۲ھ) کو سوویت یونین کا سورج ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ اب روس اُس کا جانشیں ہے؛ لیکن دنیا کی دوسری بڑی طاقت کی حیثیت، اُس کو حاصل نہیں۔ رہے نام اللہ کا۔

دشمن ہر واقعے سے فائدہ اُٹھاتا ہے،

جب کہ عرب مرثیہ خوانی اور فریاد طلبی میں لگے رہتے ہیں

جب کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ دشمن ہمیشہ اپنے بازو پر اعتماد کرتا ہے، ہر واقعے سے فائدہ اُٹھاتا ہے، حالات و واقعات کو اپنے مقصد کے بہ روے کار لانے کا بہ راہِ راست ذریعہ بنالیتا ہے؛ بل کہ حالات و واقعات کی تخلیق کی بھی عجیب سی قدرت رکھتا ہے، پھر اُن سے فائدہ اٹھانے کا ہنر جانتا ہے۔ وہ نہ صرف قتل و غارت گری کے فن میں طاق ہے؛ بل کہ دہشت گردی، تشدّد اور اہلِ وطن کو بے وطن کرنے کا ایسا عادی ہے کہ اِس کے بغیر اُس کے لیے زندگی جینا مشکل ہے۔ وہ رہ رہ کے اِس سارے عربی علاقے کو دھما کہ خیز کش مکش کا خطرناک بھنور بناڈالتا ہے اور بے طرح بم باری کے ذریعے انسانی جانوں کی فصلیں کاٹتے رہنے کا رسیا بن چکا ہے۔ اِس سلسلے میں وہ کسی عالمی قانون کو خاطر میں لاتا ہے نہ کسی انسانی چارٹر کی پروا کرتا ہے اور نہ کسی گروہ یا طاقت کی کسی بات پر کان دھرتا ہے۔ وہ عموماً بپھرے ہوے سانڈ کی طرح اپنی راہ میں آنے والی ہر چیز کو اپنی سینگوں سے ضربیں لگاتا رہتا ہے، یا وہ اُس سیلابِ بلاخیز کی طرح ہے جو سارے نشیب و فراز پر غالب آجاتا ہے اور وہاں کی ساری چیزوں کا صفایا کر دیتا ہے۔ چناں چہ اسرائیل نے نہ صرف فلسطینی اراضی کو ہڑپ لیا ہے؛ بل کہ اُس نے مصر و شام اور اُردن و لبنان کے ایک بڑے حصے کو بھی بہ زورِ طاقت قبضہ کر کے اپنی ملکیت میں شامل کر لیا ہے اور لبنان کی باقی ماندہ اراضی اور دگر عربی ممالک کے بہت سے علاقوں پر وہ حریصانہ نظر گڑائے ہوے ہے۔ وہ اپنے جارحانہ خطرناک منصوبوں کے تحت ایک کے بعد دوسرے عربی ملک کے بہت سے حصّوں کو لقمۂ تر سمجھ کر نگلنے کے لیے آمادۂ ضرب و حرب ہے۔ اُس کی ''ارضِ موعودہ'' کی کوئی حد ہے نہ محدود دائرہ، اُس کی ریاستِ عظمی کے لیے سارے عربی ملکوں کی حدود و ثغور کی وسعتیں بھی ہیچ ہیں۔ لبنان کی سرزمین پر تصادم کی آگ سلگا کر اُس نے فلسطینی تحریکِ مزاحمت کے

بال و پر کترنے میں خاصی کام یابی حاصل کرلی ہے، جو اُس کا ایک بڑا مقصد تھا۔ اُس نے مزاحمتی گروہوں کو مختلف عربی ملکوں میں منقسم کر کے اُن کی توانائی کو منتشر کر دیا ہے۔ اس طرح اُس کو راحت و آرام کی ایک بڑی قسط مل گئی ہے، جس کے ذریعے وہ راحت کی سانس لے کر، مزاحمت سے بے خوفی کے ساتھ، آیندہ کام یاب جنگ چھیڑنے کے لیے، عسکری طاقت کو ازسرِنو مرتب کر کے، کسی بھی عربی خطے پر ٹوٹ پڑے گا اور فلسطینی مزاحمت کا صفایا کر دینے کی پوزیشن میں ہوگا۔

انتہائی افسوس کی بات ہے کہ دورِ زوال میں ہم نے صرف رونے دھونے اور بچوں کی طرح فریاد طلبی کے انداز میں شور مچانے کے فن میں ''اُستادانہ'' مہارت حاصل کی ہے۔ اسرائیل کی طرف سے فلسطینیوں کا پرندوں کی طرح شکار کیا جا رہا ہے اور ہم سارے مسلمان بالخصوص ہماری حکومتیں اُس بچے کی طرح ذرا دیر کے لیے شور مچا کے رہ جاتی ہیں، جس کے ہاتھ سے کوّا روٹی کا ٹکڑا چھین کے اڑ جاتا ہے اور وہ چیخنے چلانے کے سوا کچھ نہیں کر پاتا۔

آج بھی دنیا میں جنگل ہی کا قانون رائج ہے

ہماری امت کے لیے اب وقت آ گیا ہے کہ وہ اُس حکیمانہ عربی مثل پر سنجیدگی سے عمل پیرا ہو، جس میں کہا گیا ہے: "لَنْ یَحُكَّ جِلْدِيْ مِثْلُ ظُفُرِيْ" کہ میری کھال کو میرے ناخن سے زیادہ بہتر طور پر کوئی چیز نہیں کھجا سکتی۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشیں رہنی چاہیے کہ روشن خیالی اور تہذیب و تمدن کی کارفرمائی کے تمام دعووں کے باوجود، آج کی مُتَمَدِّن دُنیا میں بھی ماضی ہی کی طرح صرف اور صرف جنگل ہی کا قانون رائج ہے اور یہی معمول بہ ہے؛ چناں چہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج بھی کسی حق پرست اور صاحبِ حق کم زور پہ کوئی رحم نہیں کھاتا؛ لیکن باطل پرست اور ناحق پر قائم رہنے والے، اُس کی دعوت دینے والے اور اُس کی ڈٹ کر بڑھ چڑھ کر کار کرنے والے کی داروگیر کے سامنے ہر ایک بھیگی بلّی بن

جاتا ہے، خواہ کسی بے گناہ کے تازہ خونِ ناحق کے قطرے اُس کے دامن سے ٹپک کیوں نہ رہے ہوں!۔ آج بھی جس کی لاٹھی اُس کی بھینس کے اُصول پر عمل ہے اور ہر طاقت والا کم زور کو دبائے دے رہا ہے۔ شاعرِ اسلام علامہ محمد اقبالؒ (۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء - ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء) نے کتنی سچی بات کہہ دی تھی

ع "ہے جرمِ ضعیفی کی سزا، مرگِ مفاجات"(۱)

اِسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: "اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ"(۲) ترجمہ: طاقت ور مؤمن کم زور مؤمن سے زیادہ اچھا اور اللہ کو زیادہ محبوب ہے۔

فلسطین کی بازیابی کی واحد راہ

اِسرائیل اور اُس کے ہم نواؤں کے حوالے سے یہ بات عیاں ہوچکی ہے کہ وہ

---

(۱) بالِ جبریل، ص: ۱۳۴، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، مارچ ۱۹۹۳ء۔ پورا شعر اس طرح ہے:

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے ہے جرمِ ضعیفی کی سزا، مرگِ مُفاجات

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مَروی ہے، اُنھوں نے فرمایا کہ

"اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ، وَفِي كُلٍّ خَيْرٌ. اِحْرِصْ عَلَىٰ مَا يَنْفَعُكَ وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ ولا تَعْجِزْ. وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ فَلَا تَقُلْ: لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ، كَانَ كَذَا وَكَذَا؛ وَلٰكِنْ قُلْ: قَدَرُاللّٰهِ، وَمَا شَاءَ فَعَلَ؛ فَإِنَّ "لَوْ" تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ"

(صحیح مسلم، كتاب القدر، باب الأمرِ بالقوةِ و تركِ العجزِ والاستعانةِ باللّٰهِ وتفويضِ الْمَقَادِيْرِ لِلّٰه، حدیث نمبر (۲۶۶۴)؛ ابن ماجہ، كتاب الزهد، بابُ التوكلِ واليقين، حدیث نمبر (۴۱۶۸)؛ مسند احمد، ۳۶۶/۲؛ امام نسائی في "عمل اليوم والليلة" حدیث نمبر (۶۲۲)؛ صحیح ابن حِبّان، حدیث نمبر (۵۷۲۲)؛ سنن کبریٰ للبیہقي ۸۹/۱۰؛ مشكل الآثار للطّحاوي، حدیث نمبر (۲۶۲)

ترجمہ: طاقت وَر مؤمن اللہ کے نزدیک کم زور مومن سے زیادہ اچھا اور محبوب ہوتا ہے اور دونوں میں سے ہر ایک میں بھلائی ہے۔ اپنے لیے مفید باتوں سے دلچسپی لیا کرو اور اللہ سے مدد کے طالب رہو اور بے بسی کا شکار نہ ہو۔ اگر کسی نامناسب صورتِ حال سے دوچار ہوا کرو تو یہ نہ کہا کرو کہ اگر میں ایسا کرتا تو ایسا ایسا ہوتا؛ لیکن یہ کہا کرو کہ یہ اللہ کی تقدیر تھی اور اللہ نے جو چاہا کیا؛ اِس لیے کہ "اگر" سے شیطان کی سرگرمی کی راہ کھل جاتی ہے۔

صرف طاقت کی منطق کو ہی سمجھتے ہیں۔ نیز یہ نا قابلِ انکار سچائی ہے کہ فلسطین کی باز واپسی آج یا کل امن کی پیش کش یا معاہدۂ امن کے ذریعے نہیں؛ بل کہ ہوشیاری اور دانش مندی کے ساتھ سفارتی تگ ودو سمیت عسکری مقابلے کے ذریعے ہی ممکن ہو سکے گی۔ فلسطین کی باز واپسی کی راہ ''وہائٹ ہاؤس''(۱) یا ''کریملین''(۲) یا ''سلامتی کونسل''(۳) سے نہیں گزرتی؛ کیوں کہ اِن میں سے کوئی بھی ''بیگن''(۴) کی کچلیوں یا اِسرائیل کے خونی پنجوں سے ہمارے حقوق چھین کر ہمیں ''ہدیہ'' نہیں کرسکتا۔ یہ اِس لیے کہ اللہ اپنی سنت کو تبدیل نہیں کرتا اور نہ کائنات کی وضع بدلنے والی ہے۔ فلسطین کی واپسی کی محض ایک راہ ہے اور وہ مسلمانوں کا اپنی ذات پہ اعتماد، اپنے بازو پہ بھروسہ اور عربوں کا نتیجہ خیز اِتحاد، خواہ یہ اِتحاد صرف اِسی عظیم مقصد، یعنی آزادیِ فلسطین کے لیے کیوں نہ ہو۔ اِسی کے ساتھ اِرادے کی پختگی، سیاسی حکمتِ عملی، دانش مندانہ عزیمت، کام یاب خاکہ سازی، مفید منصوبہ بندی، تسلسل کے ساتھ بامقصد سرگرمی اور عسکری واقتصادی طاقتوں کی یک جائیت و ہمہ وقت تیاری بھی ضروری ہے اور اِس سے زیادہ ضروری ہے مطلوبہ سطح پر عربی ''غصہ و خفگی'' ملی نخوت، اسلامی غیرت اور اِیمان ویقین کی بیٹری کی چارجنگ، موت کو، ہیچ اور زندگی کو دشوار بنادینے والا عقیدہ اور بالآخر اللہ پر بھروسہ؛ اِس لیے کہ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا عِندِ اللّٰهِ

---

(۱) White House وہائٹ ہاؤس امریکہ کا صدارتی محل جہاں سے پوری دنیا میں حکومت کی جاتی ہے۔

(۲) Kremlin کریملین شہر ''ماسکو'' میں نہر ''موسکووا'' کے کنارے روس کا محل جو سوویت یونین کا مرکزِ حکومت تھا اور اُس کے زوال کے بعد اب روس کی حکومت کا مرکز ہے۔

(۳) سیکوریٹی کونسل (Security Council) اقوام متحدہ کا ایک ادارہ ہے، جس کی ذمے داری دنیا کی امن وسلامتی کی پاس داری ہے۔ اِس کے ۱۵ ارکان ہوا کرتے ہیں؛ لیکن قرار دادیں، صرف ۹ ووٹوں کی اکثریت سے پاس ہوتی ہیں، بہ شرطے کہ ویٹو پاور رکھنے والے پانچ ملکوں (امریکہ، سویت یونین اور اب اُس کی جگہ روس، برطانیہ، فرانس اور چین) میں سے کوئی ویٹو نہ کرے۔

(۴) یہ بہ وقتِ عربی تحریر، یعنی اوائل محرم ۱۴۰۳ھ = اواخرِ اکتوبر ۱۹۸۲ء میں اسرائیل کا وزیرِ اعظم تھا۔ اِس کا پورا نام ''مناحیم بیگن'' Menachem Begin ہے۔ یہ ۲۱ رجون ۱۹۷۷ء سے ۱۰ راکتوبر ۱۹۸۳ء تک اسرائیل کا وزیرِ اعظم رہا تھا۔

الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ" (آل عمران/۱۲۶) ترجمہ: اور مدد تو زبردست اور حکمت والے اللہ ہی کی طرف سے ہوا کرتی ہے۔

مذکورہ عناصر ہر معرکے میں مسلمانوں کی فتح کی کلید رہے ہیں اور آج بالکل اسی کلید کے ذریعے فتحِ فلسطین کے قفل کو کھولا جا سکے گا۔ اِس کے سوا ساری راہیں بے سمت ہیں، جن پر چل کر وقت اور توانائی کا ضیاع تو ہو سکتا ہے؛ لیکن آزادیِ فلسطین کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔



قضیۂ فلسطین .. دوسروں کو الزام دینے سے پہلے

مسلمانوں کو اپنے گریبان میں جھانکنے کی ضرورت (•)

ارضِ فلسطین میں اسرائیل نام کے ناپاک بیج کی کاشت اِس لیے کی گئی تھی کہ وہ فلسطینیوں کی لاشوں پر اپنی حکومت کا محل تعمیر کرتا رہے۔ وہ ایک ایسے تناور درخت کی شکل اختیار کر چکا ہے کہ اُسے اپنی جگہ سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کرنے والے، خواہ کتنا ہی زور لگالیں، وہ زمینی سطح پر اُس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے ـــ اِلاّ یہ کہ کوئی معجزۂ ربانی ظاہر ہو جائے اور اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے ـــ خصوصاً عربوں اور مسلمانوں کی جو موجودہ پوزیشن ہے، اُس میں کسی تبدیلی کی توقع کرنا فضول اور کارِ عبث ہے کہ عرب اور مسلمان دونوں ہی وقت کی دو بڑی طاقتوں کے چنگل میں پوری طرح جکڑ بند ہیں۔ دونوں عالمی طاقتوں (۱) نے مسلمانوں اور عربوں کو فٹ بال بنالیا ہے، جس کو وہ بالادستی اور فتح حاصل کرنے میں سبقت لے جانے کے لیے اپنے پیروں کی ٹھوکروں سے ایک دوسرے کے پالے کی طرف پھینکے دے رہی ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ اتنی ذلت آمیز اور دردناک صورتِ حال ماضی کے تین بڑے سامراج: برطانیہ، فرانس اور اٹلی کے عہد میں بھی دیکھنے کو نہ ملی تھی۔

(•) ترجمہ اشراقہ الداعی، شمارہ: ۵-۶، جلد: ۶، ۲۵ر دسمبر ۱۹۸۲ء -- ۱۰/۱/۱۹۸۳ء = ۸-۲۴ر ربیع الاول ۱۴۰۳ھ

ترجمہ از عربی: ۲۸ر ذی قعدہ ۱۴۲۷ھ = ۲۰ر دسمبر ۲۰۰۶ء۔

(۱) یعنی امریکہ اور سویت یونین۔ اِس تحریر کے دس سال بعد یعنی ۳۱ر اگست ۱۹۹۱ء (۱۹/۳/۱۴۱۲ھ) کو یہ ٹوٹ کر بکھر گیا اور اُس کا سب سے بڑا ملک روس اب کسی نہ کسی درجے میں اُس کا جانشیں ہے۔ دنیا کو اب انتظار ہے کہ عالم کی اِس وقت کی سب سے بڑی واحد فرعونی بڑی طاقت (یعنی امریکہ) جو اِسلام اور مسلمانوں سے ہر جگہ اور ہر سطح پر، برسرِ پیکار ہے اور ظلم کی ہر حد کو پار کر چکی ہے، کب پاش پاش ہوتی ہے؟۔

پہلے اپنے گریبان میں جھانکنا چاہیے:

ہمیں دوسروں پر لعنت ملامت کرنے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانکنا چاہیے اور اپنے آپ کو بُرا بھلا کہنا چاہیے کہ ہم کس طرح بے شرمی کے ساتھ ذلت وپستی کے گہرے کھڈ میں پڑے رہنے پر راضی ہیں، حال آں کہ اتحاد واتفاق کے سارے اسباب ہمیں وافر مقدار میں میسر ہیں: ہمارا دین ایک ہے، عقیدہ ایک ہے، کتاب ایک ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم سب ایک ہی رب پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہمارے رنج وغم اور ہماری امیدوں اور تمناؤں میں بھی اتحاد واشتراک ہے؛ لیکن ہم ہیں کہ مسلسل ٹکڑیوں میں بٹتے جارہے ہیں۔ ہمارے دشمنِ عقیدہ، اغراض ومقاصد اور افکار ونظریات میں زبردست اختلاف کے باوجود ہمیں صفحۂ ہستی سے مٹادینے کی راہ پر شانہ بشانہ چل رہے ہیں۔ ہم نے اِن حالات سے بس یہی سبق لیا کہ ایسے وفادار غلام کی طرح اظہارِ رنج وغم اور مذمت کی راہ پر سنجیدگی کے ساتھ چلتے رہیں، جو اپنے آقا کے سامنے سراپا ادب بن کر دبے اور ٹوٹے پھوٹے الفاظ اور توتلی زبان میں ہی کوئی درخواست کرتا ہے، ہم نے از خود اپنا وہ طاقت ور اور پرزور اسلوبِ کلام فراموش کردیا، جس کے ذریعے ہم ماضی میں اپنی سیادت وقیادت کے زمانے میں دنیا کی ہر طاقت سے مخاطب ہوتے تھے، آج حال یہ ہے کہ ہمارے ذہن اُس طرزِ عمل سے بھی ناآشنا ہیں، جس سے دو برابر کے آدمی باہم بات چیت کرتے ہیں۔

چند اُمید افزا باتیں:

اِس الم ناک اور تضحیک انگیز صورتِ حال میں — اور بدترین مصیبت وہی ہے، جو ہنسنے پر آمادہ کرے — ہمارے قلوب کے لیے وہ باتیں انتہائی فرحت بخش ہیں، جو ہمارے بعض پابندِ اسلام صحافیوں اور چند مسلم تنظیموں نے جرأت ودلیری اور غیرت وحمیت کے ساتھ اُن بڑی طاقتوں سے کہی ہیں، جو ہمارے قضیے اور ہمارے مستقبل سے، نوزائیدہ

بچے کے کاغذ سے کھیلنے کی طرح کھیل رہی ہیں۔ مثال کے طور پر اردن کی مجلس ''المنظمات الاسلامیہ'' (مجلسِ تنظیمات اسلامی) کا نام لیا جا سکتا ہے، جس نے حال ہی میں امریکی صدر رونالڈ ریگن کے نام ایک ٹیلی گرام بھیجا ہے، جس میں اُس نے مشرق وسطیٰ کے حوالے سے امریکہ کی مکروفریب، ٹال مٹول، بہانے بازی، نیز عالمی صہیونیت کے عربوں کو نگلنے، چبانے، عربی زمینوں پر قبضے اور اُن کے خون سے ہولی کھیلنے کے مواقع دینے میں ڈھیل دینے کی پالیسی کی سخت الفاظ میں مذمت کی ہے۔ یہی وہ پالیسی ہے، جس پر واشنگٹن اور کریملین، عربوں و مسلمانوں اور دنیا کی ہر کمزور قوم اور پس ماندہ ملک کے تئیں عمل پیرا ہیں۔ ٹیلی گرام میں جو بات کہی گئی ہے، اُس کا خلاصہ یہ ہے: ''تم لوگ صرف عربوں کے سلسلے میں میٹھی میٹھی باتیں کرتے رہو، تم اُن کے لیے کچھ نہ کرو!! تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ عرب کتوں جیسی ایک قوم ہیں، جسے تم مشتعل کرنے اور بھڑکانے کے لیے سر پہ مارتے ہو، پھر تم اُس کے سامنے روٹی کا ایک ٹکڑا ڈال دیتے ہو، جس کو حاصل کرنے کے لیے وہ تمھارے پاس آجاتی ہے۔''

اتحاد، شرطِ اولیں:

یہ ایسا اُسلوب ہے، جو اِسلامی اتحاد و اشتراک کی علامت، حرمین شریفین کے نگہبان اور عربیت و اسلامیت کے سچے خادم شاہِ معظم فیصل شہیدؒ (۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء - ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء) کے اسلوب سے بڑی حد تک ملتا جلتا ہے کہ وہ اِسی طرح روئے زمین کے ہر شیطان سے مخاطب ہوتے تھے۔

ضروری ہے کہ ہم اِسلامی مردانگی، عربی نخوت اور قومی غیرت کے ذریعے، قول و عمل میں یکسانیت پیدا کریں اور شاہ فیصل کے نقشِ قدم کا اتباع کریں، اپنی دولت اور اپنی صلاحیتوں کا ایک ایسے اسٹریٹیجک اور کارگر ہتھیار کی طرح استعمال کرنے میں اُن کی پیروی کریں، جس کی وجہ سے عظیم ترین طاقتوں کی راتوں کی نیند حرام ہو جائے۔ نیز تمام تر

وسائل کو کام میں لاکر اپنی صفوں میں اتحاد کی شمع روشن کر کے اور اختلافات کی خلیج کو پاٹ کر اُن کا نمونہ بن کر دکھائیں۔ اِسی طرح دشمن اپنے یقینی انجام سے دوچار ہوں گے، صرف اور صرف اِسی راہ سے ہم اپنے چھینے ہوے وطن اور ہاتھ سے گئی ہوئی اپنی مجد و شرافت کی بازیابی کر سکیں گے؛ نیز ہر اُس شخص کو ''ادب'' سکھانے پر قادر ہو سکیں گے، جس نے ہماری عزت و آبرو اور ہماری شرافت پر دست درازی کی ہے، ہمارے نوجوانوں اور بوڑھوں کے ساتھ ذلت آمیز سلوک کیا ہے، ہمارے کم سن بچوں اور عمر رسیدہ بزرگوں کو موت کی نیند سلا دیا ہے اور ہماری عورتوں کی عزت سے کھلواڑ کیا ہے۔



لبنان پر اسرائیل کا حملہ اور قبضہ..

ہدف اور طریقہ اور عربوں کے لیے باعثِ عبرت(●)

یہ بات تمام شکوک وشبہات سے بالاتر ہے کہ دشمن اسرائیل ''لبنان'' سے اتنی آسانی سے نہیں جانے کا، جتنی ارضِ لبنان اور آخرش مشرقِ وسطیٰ میں رونما ہونے والے حالات وواقعات پر نظر رکھنے والے متعلقہ فریق گمان کیے بیٹھا ہے؛ اسرائیل کے حوالے سے ہمیں معلوم ہے کہ وہ مقبوضہ اراضی سے اپنے قدم پیچھے نہیں ہٹائے گا؛ اِس لیے کہ اُس نے یوں ہی بے فائدہ قبضہ نہیں کیا ہے؛ بل کہ اِس قبضے کی پشت پر بہت سارے اُصولی عوامل کارفرما ہیں، جن کا رَاست تعلق عقیدے سے ہے اور جن کی جڑیں اُس کے دلوں کی گہرائیوں میں پیوست ہیں۔ دشمن کا مقصد ایسی وسیع صہیونی ریاست کا قیام ہے، جس کی سرحدیں نیل سے فرات تک پھیلی ہوئی ہوں؛ اِسی لیے وہ مغصوبہ اراضی کو اپنی مملوکہ زمین تصور کرتا ہے۔

اسرائیل کی مکاری وفریب دہی:

بلاشبہ اسرائیل، مکروفریب اور داؤ پیچ میں طاق ہے، عہد کرنے اور پھر اُس کی دھجیاں اڑانے، ٹال مٹول اور آج اور کل کی ٹیکنیک سے فائدہ اٹھانے، نیز مواقع اور فرصتوں کی مدت دراز کرنے اور ایسے حالات پیدا کرنے میں روئے زمین پر اُس کا کوئی

(●) ترجمہ اشراقہ، الداعی شمارہ: ۷، جلد: ۶، ۲۵رجنوری ۱۹۸۳ء = ۱۰رربیع الثانی ۱۴۰۳ھ۔ تاریخ ترجمہ: ۲۹رذی قعدہ ۱۴۲۷ھ = ۲۱ردسمبر ۲۰۰۶ء۔

ثانی نہیں، جن کے ذریعے اُس کے لیے متعلقہ فریقوں کی توجہ ہٹانا اور گدلے پانی میں شکار کرنا ممکن ہو۔ اُس کا جو بھی قدم اٹھتا ہے، وہ کسی نہ کسی مقصد کے حصول کے لیے ہوتا ہے، وہ کسی بھی چیز سے دست بردار ہوتا ہے، تو پہلے اُس کی بھاری قیمت وصول کر چکا ہوتا ہے اور کبھی دینے کی نوبت آتی ہے، تو اتنا ہی دیتا ہے جتنا اُس کے مفادات اور اہداف و مقاصد کے لیے نقصان دہ نہ ہو اور اُس کا بھی کئی گنا معاوضہ وصول کرتا ہے۔ اِسی اُصول کے مدنظر وہ اپنے اور لبنان کے مابین ہونے والے مذاکرات میں بے بس کر دینے والی نا قابلِ برداشت شرائط عائد کر رہا ہے۔

اِسرائیل، لبنان میں کیوں داخل ہوا تھا؟:

اِسرائیل، لبنان میں وہاں سے نکلنے کے لیے داخل نہیں ہوا تھا؛ بل کہ وہ اپنے خیال میں اپنے گھر میں داخل ہوا تھا؛ اِس لیے جو لوگ بھی اُسے وہاں سے نکال باہر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ ''مجرم'' ہیں۔ وہ جب تک لبنان کی جنگ سے اپنے تمام منصوبے اور اہداف کو حقیقت کا جامہ نہ پہنا لے، تب تک وہ لبنان سے انخلا کے لیے- اگر چہ ظاہراً ہی سہی- تیار نہ ہوگا؛ ہاں اگر لبنان اِس بات کی گارنٹی دے کہ اُس کی زمین سے اُس کے خلاف فدایانہ کارروائیاں نہ ہوں گی، تو وہ اِنخلا کے لیے کسی درجے میں ہامی بھر سکتا ہے۔ اِسرائیل- جیسا کہ اس کی عادت ہے- مذاکرات کی مدت میں توسیع کرنے اور لبنان کو ایسی راہ یا ایسے موڑ پہ لا کھڑا کرنے کی کوشش میں ہے، جس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ ہو۔ اِسرائیل یہ سب کچھ اُس امریکی کردار کو بے حیثیت کرنے کے مقصد سے کر رہا ہے، جو فطری طور پر اُن حالات کی وجہ سے درازیِ وقت کے ساتھ بے اثر ہوتا جا رہا ہے، جن سے اندرونِ ملک خود امریکی صدر ''ریگن'' دوچار ہیں؛ نیز وہ اِس لیے بھی ایسا کر رہا ہے تا کہ وہ ایسے فریقوں کو ڈھونڈ لے، جو دونوں کے درمیان معاہدے کی بہ جائے، لبنان اور دشمن کے درمیان باہمی قربت پیدا کرنے کی حمایت کرے۔ اِن تمام باتوں کی آڑ میں وہ

سارے فریقوں کو شکست خوردانہ دست برداری اور پسپائی پر مجبور کر رہا ہے۔

اسرائیل؛ ایک ماہر کھلاڑی...:

اِسرائیل اپنے کام یاب مستقبل کے حوالے سے، اُس ماہر کھلاڑی کی طرح مطمئن ہے، جو گیند کو بڑے آرام اور سنجیدگی سے اُچک کر، فریقِ مخالف کی طرف سے کسی کام یاب مزاحمت کے بغیر، سیدھے اُس کے پالے میں ڈال دیتا ہے: اس لیے کہ وہ ایسا کھلاڑی ہے، جو طویل تجربات کی روشنی میں مکر و فریب کا فن خوب جانتا ہے، کسی مخالف کے اندر اتنا دم خم ہی کہاں ہے کہ وہ گول کرنے کی سوچ بھی سکے۔ خصوصاً جب ریفری - جو یقیناً امریکہ ہے - ماہر کھلاڑی کا طرف دار اور حمایتی ہو اور دوسری ٹیم کے کھلاڑی سادہ لوح اور ناتجربہ کار ہوں۔ ایسی صورت میں وہ جتنا ''گول'' کرنا چاہے، کر کے رہے گا۔

اِسی لیے اِسرائیل اور لبنان کے مابین ہونے والے مذاکرات کے ایک راؤنڈ میں دشمن کے نائب وزیر دفاع نے کہا: ''تم لوگ یہ بات ذہن نشین کر لو کہ ہم کبھی بھی تمھارے ساتھ خوش گوار تعلقات قائم کر کے، اپنے مطالبات سے دست بردار نہ ہوں گے، ہم اِسی موقف پر ڈٹے رہیں گے، اِس کے علاوہ دوسری باتیں لغو اور بکواس ہیں۔ اگر تم تعلقات کو معمول پر لانے سے اِنکار کرو گے، تو ہم تمھارے ملک میں ہی جمے رہیں گے، ہم اُس سے ہرگز نہ نکلیں گے۔''



مسئلۂ فلسطین.. کیا اِس رات کی صبح نہیں ہونے کی؟!(٭)

ایک عربی ملک کے ٹیلی وژن پر میں خبریں سُن رہا تھا، اُس نیوز بلیٹن میں مقامی خبروں کے بعد عالمی خبروں کا سلسلہ شروع ہوا، جس میں سرِ فہرست یہ خبر تھی کہ: ''مقبوضہ فلسطین کے شہر ''طول کرم'' میں تین سو طلبہ پر زہریلا مادہ چھوڑ دیا گیا۔''

اِس میں کیا شک ہے کہ...

عقل و خرد سے عاری شخص ہی اِس بات میں شک کر سکتا ہے کہ اتنی گھٹیا اور انسانیت سوز حرکت اِسرائیل ہی نے کی ہے اور وہی عرب نوجوانوں کی نسلِ نو کو موت کے گھاٹ اتارنے اور ان کا مکمل صفایا کرنے کے لیے اِس قسم کی کارروائیاں کرتا رہتا ہے۔ مگر اُس نے حسبِ سابق اِس سلسلے میں کسی بھی قسم کی ذمے داری قبول کرنے سے اپنا دامن جھاڑ لیا ہے۔ اِس میں قابلِ تعجب کوئی بات نہیں کہ وہ فلسطین، لبنان؛ نیز عربوں اور مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ کرتا ہے، اِس حوالے سے ماضی میں اُس کا یہی رویہ رہا ہے کہ بے گناہوں کے خون سے ہولی کھیلنے، اُنھیں جلاوطن کر دینے اور اُنھیں تباہ و برباد کرنے کے بعد، بڑی ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ کہہ دیتا ہے کہ اُس نے کچھ بھی نہیں کیا، وہ تو اُسی طرح بے قصور اور بری الذمہ ہے، جس طرح یوسف علیہ السلام کے خون سے بھیڑیا!۔

فرض کر لیجیے کہ اسرائیل ذمے داری قبول کر لے اور جرم کا اِقرار کر لے، تو بھی عرب،

(٭) ترجمہ اِداریہ (کلمۃ العدد) الداعی بہ عنوان "أمَا لِهٰذا اللَّيْلِ مِنْ صَبَاحٍ؟!" شمارہ: ۱۳، جلد: ۶، ۲۶/رجب ۱۴۰۳ھ = ۱۰/مئی ۱۹۸۳ء

اسرائیل کا کیا بگاڑ سکتے ہیں، یقیناً کچھ کرنا اُن کے بس میں نہیں؛ اِس لیے جب تک مجرم کو قرار واقعی سزا نہ ملے اور اُس کو مکمل یقین ہو کہ اُس کے جرم کا نشانہ بننے والے لوگ بھیڑ بکری کی طرح ہیں، تو خواہ مجرم اِقرارِ جرم کرے یا نہ کرے، دونوں باتیں برابر ہیں۔

عربوں کا کام، بس قراردادیں پاس کرنا اور...

عرب اِس کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں کہ قرارداد پاس کر دیں، کانفرنس منعقد کر لیں اور ایسے بیانات جاری کر دیں، جن کے اندر جھاگ کی بھی طاقت نہیں رہی۔ اُن کے بس میں اِس کے علاوہ اور کیا ہے کہ وہ آہ و بکا اور گریہ وزاری کرتے ہوئے دردر کی ٹھوکریں کھاتے رہیں۔ اِس قسم کے لوگوں کی تعداد بھی انگلیوں پر شمار کی جاسکتی ہے کہ ایسا بھی وہی لوگ کرتے ہیں، جنھیں رنج والم اور مصیبت کی شدت کا اِحساس ہوتا ہے عربوں میں اب اِحساس اَلم بھی معدوم ہوتا جا رہا ہے؛ لیکن گریہ وزاری کی تدبیریں بھی دن گزرنے کے ساتھ اپنا اثر کھو چکی ہیں، یہاں تک کہ مشرق و مغرب کے مسلمانوں نے اپنے پلّے یہ بات باندھ لی ہے کہ اگر وہ کوئی کام بہتر طریقے پر انجام دے سکتے ہیں، تو وہ صرف چیخ و پکار اور رونا دھونا ہے کہ یہ بھی ایسا معمول کا کام ہو گیا ہے کہ اُس کی طرف کوئی توجّہ نہیں کرتا۔

اِس موقع سے ایک دل چسپ قصے کا تذکرہ عبرت سے خالی نہ ہوگا، جس سے مذکورہ حقیقت کی بھرپور ترجمانی ہوتی ہے۔ قصہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں ایک مقرر تھا - جو میرا خیال یہ ہے کہ شیعہ تھا - وہ ایک بڑے مجمع میں تقریر کر رہا تھا، وہ مسلمانوں کی بے بسی اور زبوں حالی اور دشمنوں کے مقابلے میں اُن کی بزدلی کی وضاحت کرنے لگا، زیادہ دیر بھی نہ ہوئی تھی کہ وہ دھاڑیں مار کر رونے لگا۔ قریب تھا کہ سامعین اُس کی تقریر کی کیفیت سے متاثر ہو جاتے کہ اچانک سامعین میں سے ایک شخص کھڑا ہو کر بول اُٹھا: بھائیو! اِس شخص کے رونے دھونے سے دھوکہ نہ کھائیں؛ اِس لیے کہ رونا دھونا اور ماتم کرنا اِس کی عادت ہے، کسی اندرونی جذبے سے یہ نہیں روتا۔"

یہ ایک سادہ اور واضح حقیقت ہے، جس کی مزید وضاحت اور مثال دینے کی چنداں ضرورت نہیں کہ جب کوئی چیز معمول بن جائے، تو پھر وہ کسی توجہ کا باعث نہیں ہوتی، یہاں تک کہ آفت و مصیبت بھی اگر ایک عرصے تک باقی رہے، تو پھر وہ بھی معمول کی چیز بن کر گوارا ہو جاتی ہے اور وہ ایسی فطری بن جاتی ہے، جس سے گویا کوئی مفر نہیں۔

اسرائیل کے توسیع پسندانہ عزائم:

دشمن انتہائی منصوبہ بندی اور ہر دم تازہ رہنے والی کوششوں کے ساتھ اپنے توسیع پسندانہ عزائم اور اپنے صہیونی مقاصد کو بروئے کار لانے، نیز اپنی نام نہاد ریاست کے دائرے کو پھیلانے اور اُس کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کی راہ پر تیز گامی کے ساتھ رواں دواں ہے۔ تمام شر پسند طاقتیں، نیز روئے زمین پر اللہ اور رسول کے جتنے دشمن ہیں، سب کے سب ایک جٹ ہو کر، اُس کی پیٹھ ٹھوک رہے ہیں اور اُس کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوے ہیں۔ امریکہ تو کھلم کھلا اُس کا حمایتی ہے، جب کہ روس ڈھکے چھپے اُس کو کمک پہنچاتا رہتا ہے۔

دشمن اپنے ہر ایک عمل کو ایک مقدس دینی فریضہ تصور کرتا ہے، اِس عمل میں جو بھی اُس کا ہاتھ بٹائے، اُس کے لیے (دشمن کے اعتقاد کے بہ موجب) جنت کی گارنٹی ہے؛ اِسی لیے وہ کسی بھی انسانی یا غیر انسانی طریقۂ کار کو عمل میں لانے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتا کہ انسان اُس کی نظر میں اگر کوئی ہے، تو وہ صرف یہودی ہیں، اُن کے علاوہ کسی کے ساتھ انسانوں جیسا معاملہ کرنا جائز نہیں۔

دشمن تو نیل سے فرات تک کے سارے خطۂ زمین کو اپنے آباء و اجداد کی جاگیر سمجھے بیٹھا ہے، جسے ہر قیمت پر حاصل کرنا اُس کے لیے ناگزیر ہے؛ اِس لیے کہ خدا نے اُس کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اِس مقصد کو ضرور رو بہ عمل لائے اور اِس فریضے کو ضرور ادا کرے۔

جب کہ ہمارا یہ حال ہے کہ ہم اِس مسئلے کو خالص سیاسی نظریے کے تحت دیکھتے ہیں

اور ہر ملک کی ایک خاص سیاسی عینک ہے، کسی کی سفید، کسی کی کالی، کسی کی سبز؛ تو کسی کی سُرخ یا زرد... اِسی لیے نہ نظریوں میں اتحاد ہوسکتا ہے، نہ نظریوں سے جنم لینے والی فکروں میں یکسانیت پیدا ہوسکتی ہے اور نہ ہی عرب کسی ایک نقطۂ اتحاد پر جمع ہو سکتے ہیں؛ ہاں اللہ ہی ایسا چاہے، تو کوئی بعید نہیں؛ بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

قضیۂ فلسطین میں کام یابی کی کلید:

مسئلہ فلسطین میں کام یابی اور یہودیت و اسلام کی جنگ میں فتح و نصرت، اُسی وقت ہاتھ آسکتی ہے، جب عرب-- جنھوں نے اب تک صرف سیاسی پہلو پر نظر جمائے رکھی ہے-- اِس کو ایک دینی قضیہ سمجھیں۔ اِسی راہ سے ہمارے قلوب ایک ہو سکتے ہیں، ہماری صفوں میں اتحاد آسکتا ہے، ہمارے قدموں میں حرکت آسکتی ہے اور مشرق و مغرب کے مسلمان باہم متعاون ہو سکتے ہیں؛ اِس لیے کہ عقیدہ نے ہی آپ ﷺ کے عہد میں، آپؐ کے دعوت اور پیغام کے ذریعے باہم برسرِ پیکار اور جنگ آمادہ اور بات بات میں لڑنے کٹنے والے عربوں کو ایک کر دیا تھا۔ عقیدے کا اتحاد ایسی طاقت ہے، جو ہر زمانے میں اور ہر جگہ دلوں میں اتحاد کی روح پھونکتی رہی ہے۔

بے شک عقیدے کی زبان ہی دلوں کو نرم کر دیتی ہے، وہی دلوں کے مابین حائل دیواروں کو منہدم کر دیتی ہے اور وہی تمام اختلافات کو مٹا دیتی ہے۔ سیاسی زبان تو ایسے اختلافات کو جنم دیتی ہے، جن کی کوئی حد نہیں ہوتی، وہ لوگوں کے مابین نفرت و کدورت اور انتشار کی گہری خلیج پیدا کر دیتی ہے؛ نیز اُس کے بطن سے ایسے ایسے جھگڑے اور دوریاں جنم لیتی ہیں، جن کی تپش میں ہم آج تک جلتے اور بھنتے جا رہے ہیں۔

اسلامی مفاد، ہمارا مشترکہ مفاد ہے:

اپنے بازوؤں پر مکمل اعتماد ہی، قضیۂ فلسطین کے حوالے سے مؤثر ہوسکتا ہے، اپنے

بازوؤں پر اعتماد کا نتیجہ، صرف اور صرف اتحاد اور خدا پر مکمل ایمان کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ سیاسی طریقہ ہائے کار اور سیاسی راستوں سے ہماری صفوں میں کبھی اتحاد نہیں آ سکتا، مشترکہ سیاسی مفادات کبھی بھی ہمارے دلوں کو اتحاد و اتفاق کی کوئی قسط نہیں دے سکتے۔ اگر کوئی چیز ہمیں اتحاد کے قیمتی سرمایے سے نواز سکتی ہے، تو وہ صرف اسلامی مفاد ہے کہ یہی عربوں اور مسلمانوں، نیز عرب ممالک کا مشترکہ مفاد ہے اور خدا کا شکر ہے کہ ہر ایک عربی ملک، اسلام کی دولتِ عظمیٰ سے سرفراز ہے۔ ہاں! میں پھر کہتا ہوں کہ یہی ہمارا مشترکہ مفاد ہے، چاہے ہم اس کے اشتراک کی وضاحت کریں یا نہ کریں۔ اِس کے علاوہ جتنے مفادات ہیں، وہ درحقیقت ہمارا مشترکہ مفاد نہیں، اگر چہ ہم لاکھ چیختے اور چلاتے رہیں کہ یہ ہمارے مشترکہ مفاد ہیں۔ بلاشبہ اِنھی دیگر مفادات نے ہمیں ہر مجلس میں کئی دھڑوں میں تقسیم کیا ہے، ہمیں ہر محاذ پر انتشار کی راہ پر ڈالا ہے اور ہمیں ہر جگہ رسوا اور ذلیل کیا ہے۔

بلاشبہ ہمارے ملک ہندوستان کے کفار و مشرکین، ہمیشہ ہم مسلمانوں کو یہ عار دلاتے رہتے ہیں کہ مسلمان کسی بھی جنگ میں جیت درج نہیں کر پاتے، اُن کا معبود بھی اُنھیں شکست سے دوچار کرنے لگا ہے۔ ہم یہاں اُن کے ساتھ جو جی میں آتا، بڑی آسانی سے کر گزرتے ہیں اور فلسطین میں یہودی اور سوویت، اِن مسلمانوں کے ساتھ من چاہی کارروائی کر رہے ہیں، حال آں کہ ان کے پاس مال و زر کی فراوانی ہے، اِن میں غور و فکر کرنے والے افراد کی بھی کمی نہیں اور اِن کی دنیا کے نقشے پر ایک قابلِ ذکر تعداد بھی موجود ہے۔

قضیۂ فلسطین میں ہماری فتح اور عربوں کا باہمی اتحاد؛ یہ دونوں دنیا والوں کے نزدیک ایک ایسا امرِ محال بن گئے ہیں، جن کا حصول کبھی ممکن نہیں۔

ایک لمبا عرصہ بیت گیا اور سارے مسلمان، عربوں کی طرف سے مرحوم شاہ فیصل (۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء - ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء) جیسے بہادرانہ کردار کے انتظار میں بے تاب ہوئے جا رہے ہیں، یعنی ایک ایسا رول، جو افغانی مسلمان، سرزمین افغانستان پر ادا کر رہے ہیں۔ اُن افغانی مسلم بھائیوں نے ایسی ذلت کی زندگی جینے سے انکار کر دیا ہے،

جس میں خدا بے زار دشمن، اُن پر اپنا وجود، بہ زور طاقت تھوپ دیں۔ اُنھوں نے یہ طے کرلیا ہے کہ یا تو موت کو گلے سے لگالیں گے، یا پھر مسلمان بن کر زندگی گزاریں گے۔

میں جس وقت اُن تین سو فلسطینیوں کے ساتھ پیش آنے والے حادثے والا نشریہ سُن رہا تھا، اِسی قسم کے خیالات میرے ذہن میں گردش کررہے تھے۔

میں نے سوچا، اب بھی یہی کچھ میں اور میرے ساتھ مشرق و مغرب کی وسعتوں میں رہنے والے سارے مسلمان سوچ رہے ہیں کہ کیا قضیۂ فلسطین کے حل کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوگا؟ کیا سارے عرب ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہوسکیں گے؟ ہر رات کی سحر ضرور نمودار ہوتی ہے، تو کیا اِس رات کی بھی سحر ہوگی؟!



فلسطینیوں کا آپسی تصادم اور اسرائیل کا اتحاد و یگانگت کیا یہ درسِ عبرت نہیں؟(*)

ایسے وقت میں جب کہ قاتلینِ انبیا کی اولاد صہیونی دشمن ہٹ دھرمی اور بے حیائی آمیز اِصرار کے ساتھ نہ صرف جنوبی لبنان کو ایک نئے مغربی کنارے میں تبدیل کر دینے؛ بل کہ پورے لبنان کو ''ویتنام'' اور ''مشرقِ وسطیٰ خرد'' کی شکل دے دینے کی مجرمانہ پالیسیوں کو روبہ عمل لانے کی راہ پر مسلسل اور بلا انقطاع چل رہا ہے اور لبنان میں اسرائیلی افواج کی از سرِ نو تعیناتی کی قرارداد پاس کی جا رہی ہے؛ نیز صہیونی دشمن عالمی سلامتی کونسل، اقوام متحدہ کی قراردادوں اور عالمی رائے عامہ کو پیروں تل روندتے ہوے اور عربی و اسلامی ضمیر کو زبردست چیلنج کرتے ہوے، مغربی کنارے میں بلا روک ٹوک کالونیاں بناتا جا رہا ہے۔ ان چیلنجوں کی آخری کڑی — جو یقیناً آخری نہیں ہے — وہ قاتلانہ کارروائیاں ہیں، جو اِنھی دشمنوں نے شہرِ خلیل کی اسلامی یونیورسٹی میں انجام دیں، جہاں اِنھوں نے گولیاں چلائیں، جس کے نتیجے میں ۳۴ فلسطینی طلبہ ہلاک اور زخمی ہوے۔ نیز ایسے وقت میں جب کہ دشمن فلسطینیوں اور مقابلے پر آمادہ ملکوں پر اولاً اور تمام عرب ممالک پر ثانیاً کنٹرول حاصل کرنے کے لیے، اپنی سازشوں میں خطرناک حد تک تیزی لاتا جا رہا ہے۔

فلسطینیوں کا باہمی تصادم باعثِ افسوس:

ایسے پر آشوب وقت میں تنظیمِ آزادیٔ فلسطین — جو فلسطینیوں کی اِکلوتی جائز

(*) ترجمہ اشراقہ، الداعی، شمارہ:۱۹، جلد:۶، ۳۰رشوال ۱۴۰۳ھ = ۱۰راگست ۱۹۸۳ء، تاریخِ ترجمہ: ۲۱ردسمبر ۲۰۰۶ء =۲۹رذی قعدہ ۱۴۲۷ھ۔

نمایندہ اور اُن کی آزادی اور جہاد پر مبنی اُن کی قیادت کی علامت ہے[1]۔۔ دل دوز اور خون کے آنسو رلانے والے ایسے اختلاف کی شکار ہے، جسے سپردِ قرطاس کرتے ہوے، قلم سے روشنائی کی بجاے خون ٹپکتا ہے، کیوں کہ کئی ہفتوں سے ہمارے بھائیوں کے مابین خونی جھڑپیں ہو رہی ہیں، جو رکنے کا نام نہیں لے رہیں، جن میں بالفعل طرح طرح کے بھاری بھرکم ہتھیار، گولیاں اور ٹینک شکن توپوں کا تبادلہ ہوا اور دشمنوں سے جہاد کے بغیر ناحق خون کی ندیاں بہیں؛ حال آں کہ ضروری تھا کہ یہ خون، دشمن کے ساتھ جہاد اور راہِ حق پر بہتا۔ ہمارے بھائیوں کو ایک ہی انجام سے گزرنا ہے، اُنھیں ایک ہی قضیے کا سامنا ہے اور اُنھیں ایک ہی دشمن سے ٹکر لینی ہے۔ افسوس ہے کہ اِن باتوں کی وجہ سے دشمنوں کو یہ سنہرا موقع ہاتھ آگیا ہے کہ وہ بری طرح ہنسیں اور ہمارا مذاق اڑائیں۔

اِس اختلاف کا سبب خواہ کچھ بھی ہو اور خواہ کوئی بھی عناصر اِس کا سبب ہوں، جو پسِ پردہ اختلاف کی آگ بھڑکا رہے ہوں اور اختلاف کی خلیج کو گہری کیے دے رہے ہوں، اُن سخت حالات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے، جو بڑا سوالیہ نشان بن کر کھڑے ہیں کہ آخر کیوں عرب اور مسلمان باہمی کشاکش اور اختلافات کا لقمۂ تر بنتے جا رہے ہیں؟ اُن کی صفوں میں پھوٹ ڈالنے والی ہر سازش کیوں کام یابی سے ہم کنار ہو رہی ہے؟ کیوں عرب ہی اختلاف و انتشار کی دنیا میں سب سے آگے اور نمایاں ہیں؟ خصوصاً جو ممالک دشمنوں کے نشانے پر ہیں، آخر سیاسی اِشتہا اور حرص و ہوس کی بھوک اُنھیں ہی کیوں کئی دھڑوں میں تقسیم کرتی جا رہی ہے، اور اگر اُن میں سفارتی سطح پر پھوٹ پڑ ہی گئی اور مختلف حصوں میں بٹ گئے، تو پھر کون سی چیز قدآور ادیبوں کی عربی مثل پر عمل کرتے ہوے، انھیں مشترکہ دشمن کے خلاف اتحاد و اتفاق کے راستے پر چلنے اور دشمن کے روبرو سیسہ پلائی دیوار

(۱) یہ سطریں جس وقت ۲۴ سال قبل لکھی گئیں، تنظیم کسی نہ کسی درجے میں اسلامی غیرت کی حامل تھی؛ لیکن اب ۱۴۲۸ھ / ۲۰۰۷ء میں سیکولر عناصر کی ہی اُس پر عمل داری ہے اور یہ تنظیم اسرائیل اور امریکہ کی کارندگی کے تعلق سے انتہائی بدنام ہے۔ ستمبر ۱۹۹۳ء = ربیع الاوّل ۱۴۱۴ھ سے مصالحانہ فارمولے پر عمل پیرا ہونے کے بعد سے، فلسطینی عوام میں، اُس نے اپنی ساکھ اور اعتبار مکمل طور پر کھو دیا ہے۔

بننے سے روک رہی ہے؟ یعنی اُس عربی مثل پر عمل کرتے ہوے، جس میں کہا گیا ہے: أَنَا وَ أَخِيْ عَلَى ابْنِ عَمِّيْ، وَأَنَا وَابْنُ عَمِّيْ عَلَى الْغَرِيْبِ.

''میں اور میرا بھائی ہر چند کہ چچازاد بھائی کے خلاف ہیں؛ لیکن میں اور چچازاد بھائی تیسرے اجنبی شخص کے خلاف ہیں۔''

کیا ہی اچھا ہوتا کہ عرب اُس دشمن کے خلاف اِس مثل کے دوسرے جز کو عملی جامہ پہناتے، جو اُن کے لیے بالکلیہ اجنبی ہے؛ اِس لیے کہ عرب، مثل کے پہلے حصے پر تو حرف بحرف عمل کر ہی رہے ہیں؛ کیوں کہ وہ چچازاد بھائیوں کی طرح باہمی اختلافات کی زندگی گزار رہے ہیں۔

تنظیم آزادیِ فلسطین کے لیے قابلِ تقلید نمونہ:

تنظیمِ آزادیِ فلسطین کے لیے، موجودہ افغان مجاہدین کی زندگی بہترین نمونہ ہے[1] جو تمام اختلافات کو پس پشت ڈال کر، ان کی صفوں کو کم زور کرنے کے مقصد سے مشرق و مغرب کے کسی بھی گوشے کی تاریکیوں میں بنائی گئی سازشوں کے خلاف سردھڑ کی بازی لگا کر ڈٹے ہوے ہیں۔ چناں چہ روسی حملہ آوروں کے خلاف جنگ کرنے والی ساتوں افغانی تنظیموں کے سربراہ سر جوڑ کر باہم مل بیٹھے اور اپنے میں سے ایک کے ہاتھ پر شرعی بیعت کرنے اور اپنی تمام تنظیموں کو تحلیل کرنے کی تجویز پر متفق ہو گئے، یہاں تک کہ وہ لوگ بے شرم دشمن کے خلاف باہم اتنے متحد اور مضبوط ہو گئے کہ کوئی لاکھ کوشش کرے اُن میں اختلاف کی تخم ریزی نہیں کر سکتا۔

اب فلسطینی قیادت کے لیے وقت آ گیا ہے کہ وہ اپنے گریبان میں جھانک کر اپنا محاسبہ کرے، وہ اپنی سابقہ کارروائیوں کا جائزہ لے؛ تا کہ اُسے اپنے اور افغانی قیادت کے مابین گہرے اور مطابقِ واقع فرق کے رازہائے پنہاں تک رسائی میسر آ سکے؛ کیوں کہ وہ

(۱) یہ سطریں سوویت یونین کے خلاف افغانیوں کی غیرت مندانہ جنگ کے دوران لکھی گئی تھیں۔

ایک ایسی منظم و مسلح بڑی طاقت سے لوہا لیتے ہوے، تمام تر اسلحوں سے تہی دست ہونے کے باوجود یکے بعد دیگرے کام یابی کے جھنڈے لہراتی جارہی ہے، جو افغانیوں کے خلاف محاذ آرا ایجنٹ اور گماشتہ کا کام کرنے والی نام نہاد افغانی حکومت کی حمایت یافتہ ہے۔ جب کہ تنظیم آزادیِ فلسطین کا یہ حال ہے کہ وہ بین الاقوامی حمایت اور اکثر عرب اور مسلم ملکوں کی تایید و نصرت کے باوجود، آدھا یا چوتھائی راستہ کی منزل بھی طے نہیں کرسکی ہے۔ کیا ہے کوئی، جو اِس سے عبرت حاصل کرے؟



دین و مقصد و مآل کے تعلق سے حقیقی بھائیوں کا تصادم مسلمانوں کے لیے باعثِ الم (•)

اُن تمام بحرانوں اور مسائل کے باوجود، جو ہمارے انتہا پسند برادرانِ وطن ہمارے لیے پیدا کرتے رہتے ہیں، جن کے ساتھ ہم پچھلے ہزار سال سے گزر بسر کرتے آرہے ہیں۔ یہ لوگ ہمارے اوپر مادی اور نفسیاتی دباؤ بنانے کے لیے مسلسل اور بلا انقطاع مسائل کی تخلیق کرتے رہتے ہیں اور ایسے فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بھڑکاتے رہتے ہیں، جو کسی حد پر رُکنے اور تھمنے کا نام نہیں لیتی۔ کہنا چاہیے کہ یہ فسادات ہمارے لیے روز مرہ کی چیزوں: ہوا پانی کی طرح ہوگئے ہیں۔ اِن فسادات کے نتیجے میں ہندوستان اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود، ہم مسلمانوں کے لیے تنگ ہوگیا ہے، ساتھ ہی ہمیں اقتصادی، تہذیبی، تعلیمی اور سیاسی گوشوں اور زندگی کے تمام میدانوں میں پیچھے دھکیلا جارہا ہے۔ حال ہی میں بعض علاقوں کے مسلمانوں کے نام تنبیہی سرکلر بھیجا گیا ہے، جس میں اُن سے دستاویزات کے ذریعے اپنی ہندوستانی قومیت (نیشنلٹی) ثابت کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ یہ سب کچھ اِس لیے عمل میں لایا جارہا ہے؛ تاکہ ہم اِس ملک سے اپنا بوریا بستر باندھ لیں؛ کیوں کہ مُتشدِّد برادرانِ وطن کے بہ قول "ہم ایک غیر ملکی حملہ آور قوم" ہیں؛ یا اگر ہم یہ ملک خالی نہ کریں، تو ہندوستان کی سیکولر قومیت کے سانچے میں ڈھل جائیں، یعنی اُنھی کی طرح ہندو بن جائیں؛ کیوں کہ ان کے نزدیک "سیکولرزم" "ہندوتو" کا مترادف ہے۔

(•) ترجمہ اشراقہ، الداعی، شمارہ: ۳، جلد: ۷، ۴رصفر ۱۴۰۴ھ = ۱۰رنومبر ۱۹۸۳ء

ترجمہ از عربی: ۱۲/۱/۱۴۲۷ھ = ۲۳/۱۲/۲۰۰۶ء

اِن تمام فسادات کے سلسلوں کے باوجود، جو پچھلے دنوں ہندوستان کے بہت سے اطراف اور گوشوں میں بھڑک اٹھے، جن سے اُٹھنے والے شعلے پورے ہندوستان یا اُس کے اکثر حصے کو اپنی لپیٹ میں لے چکیں ہیں یا لیا چاہتے ہیں، ہمیں فلسطینی بھائیوں کا مسئلہ بے چین کیے دے رہا ہے۔

ہماری بے چینی کا سبب:

اِن تمام حالات وواقعات کے باوجود- اللہ شاہد ہے- جو چیز ہمیں بے چین و بے تاب کر رہی ہے اور ہماری نیندیں اڑائے دے رہی ہے، وہ لبنان کے طرابلس شہر میں دین وعقیدے اور مقصد کے حوالے سے حقیقی بھائیوں کا تصادم ہے، اِس سے میری مراد وہ برادرانِ فلسطین ہیں، جو مشترکہ دشمن سے ٹکر لینے کی بہ جائے باہم ہی دست و گریبان ہیں اور جب وہ خدا اور رسول؛ نیز تمام مسلمانوں اور عربوں کے دشمن کو اپنی بندوقوں، توپوں اور گولیوں کا نشانہ بنانے میں کام یاب نہ ہوسکے، تو اب اُن کے نشانے پر اپنے برادران فلسطینیوں کے سینے ہیں۔

بلاشبہ اِس اَلم انگیز خبر نے- جس کو ہم لحہ بہ لحہ نظر میں رکھے ہوے ہیں- بہ خدا ہمیں اتنا جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے کہ ہمارے دلوں کی دھڑکنیں تیز ہوگئی ہیں، ہم نے اور دنیا کے تمام مسلمانوں نے یہ محسوس کیا ہے کہ گویا اُن کی اسلامی غیرت وحمیت کو ایک دردناک چوٹ پہنچی ہے۔ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ہمارے بھائیوں کے مابین جو زبردست رسّاکشی اور جھڑپیں ہوئی ہیں، اُس کا ریموٹ کنٹرول کئی طاقتوں کے ہاتھوں میں ہے، یہ طاقتیں جس رنگ میں ہوں اور وہ خواہ کتنی ہی مشتبہ اور چھپی ہوئی ہوں، وہ نامعلوم نہیں، وہ عربوں، مسلمانوں فلسطین اور اُس کے باشندوں کا حق مار رہی ہیں اور اُنھیں دھوکے میں ڈالے ہوئی ہیں۔ عربوں اور مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اُن سے اپنی برارت کا اظہار کردیں۔ وہ طاقت- خواہ وہ شام ہو یا اور کوئی ملک- جس نے اپنا اُلو سیدھا کرنے کے

لیے ہمارے بھائیوں کے درمیان اختلافات کی آگ بھڑکائی، جس نے اِس جھڑپ کی آگ کو ایندھن فراہم کیا اور فلسطینی بندوقوں کو ہاتھ سے چھیننے کی کوشش کی اور اُس اکلوتی اور بے یار و مددگار مزاحمت پر کنٹرول حاصل کرنے کی سرتوڑ کوشش کی، جو اپنی تمام خرابیوں اور کم زوریوں کے باوجود، بدباطن اور مکار دشمن کے خلاف مورچہ سنبھالے ہوئے ہے۔ دشمن کو جو تھوڑا خوف اور دہشت کا ہلکا سا احساس ہے، وہ اُسی کی دین ہے اور اُسی کی وجہ سے دشمن یک بیک لمبی چھلانگ لگانے کی بہ جائے قبضہ کرنے اور یہودیانے کی کارروائی میں سست رفتاری پر مجبور ہے۔ یقیناً یہ طاقت ہی بلاشبہ عربوں اور مسلمانوں کی دشمن ہے، تو کیا یہ طاقت اسرائیل کی حلیف ہے؟ جیسا کہ سیاسی مبصرین اور تجزیہ نگار زور دے کر کہہ رہے ہیں؟ وہ دن دور نہیں جب حالات خود اِس حوالے سے پردہ اُٹھادیں گے اور تمام حقیقت کو بے نقاب کر کے رکھ دیں گے؛ نیز آنے والا کل اِس سوال کا حتمی اور آخری جواب ضرور دے گا۔

ان جیسے لوگوں کو تاریخ کبھی معاف نہ کرے گی:

اختلافات کا بیج بونے، ہماری صفوں کو کم زور کرنے اور ہماری جمعیت میں پھوٹ ڈالنے کی راہ سے جو کوئی بھی -خواہ وہ فرد ہو یا جماعت یا ملک- دشمن کے مفادات کو تقویت پہنچا رہا ہے اور عقیدہ واہداف میں شریک ہمارے بھائیوں کے درمیان لڑائی کی آگ کو ہوا دے رہا ہے، اُسے تاریخ کبھی معاف نہ کرے گی، تاریخ آج نہیں تو کل، ہر دھوکے باز، مکار و عیار، بدباطن منافق، یا دوست کا لبادہ اوڑھ کر دشمن کا کردار ادا کرنے والے کے چہرے سے نقاب اُتار پھینکے گی۔

یقیناً یہ ایک ایسا دردناک المیہ ہے، جسے بیان کرتے ہوئے قلم سے خون ٹپکتا ہے، دشمنوں کو یہ موقع مل گیا ہے کہ وہ خوب اچھلیں، کودیں اور جشن منائیں۔ بے شک اِسرائیل اور امریکہ اِس کے ذریعے اپنی اُن تمام امیدوں اور منصوبوں کو روبہ عمل لے آئے گا، جن کا روبہ عمل آنا اُن کی براہِ راست کوششوں سے ممکن نہ تھا۔

دشمنوں کی تضحیک

کہ صرف چھوٹا سا اسرائیل مسلمانوں اور عربوں کے لیے، دردِ سر بنا ہوا ہے

کا درس انگیز پہلو(●)

ہندوؤں کے ترجمان روزنامہ ''پرتاپ'' (اردو) کے حالیہ شمارے کے اداریے میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو زہر آلود افکار و خیالات پڑھے، اُن سے ہمیں بے حد و حساب دکھ پہنچا اور ہمارا رنج والم انتہا کی ساری حد پار کر گیا۔ خصوصاً یہ بات کہ:

''مذہب اِسلام کو آئے چودہ سو سال کا طویل عرصہ گزر گیا اور حال یہ ہے کہ وہ آج دنیا میں پائے جانے والے بڑے مذاہب میں، سب سے چھوٹا مذہب ہے اور ہم ''مذہب'' کا لفظ استعمال کرنے میں بار بار غلطی کرتے ہیں؛ کیوں کہ ''مذہب'' تو وہ ہوتا ہے جس کی بنیاد ہر جگہ، ہر زمانے اور ہر حال میں متفقہ اصولوں اور سچائی کے معیار پر ہو۔ رہا اسلام، تو وہ اِس معیار پر پُورا نہیں اُترتا۔''

نیز اُن غلط افواہوں کو، جنھیں دشمنانِ اسلام بلا تکان دہراتے رہتے ہیں، بار بار دہرانے کے حوالے سے مذکورہ اخبار کی یہ بات کہ: ''عیسائیت اور اسلام دونوں ہی خصوصاً ہندوستان میں تلوار کے زور پر پھیلے ہیں؛ لیکن اب زمانہ بدل گیا ہے، تلوار اپنی تاثیر کھو چکا ہے اور وہ بے فائدہ ہو چکا ہے۔ فائدہ تو صرف مال و منال کے ذریعے ہو سکتا ہے۔

(●) ترجمہ کلمۃ العدد، الداعی بہ عنوان: ''إِسْرَائِيْلُ وَحْدَهَا صَارَتْ لَهَا صُدَاعاً'' شمارہ: ۴، جلد: ۷، ۱۹/صفر ۱۴۰۴ھ =۲۵/نومبر ۱۹۸۳ء ۔ تاریخ ترجمہ: ۹/ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ = ۳۱/دسمبر ۲۰۰۶ء ۔

عیسائیت اور اسلام دونوں ہی اپنی پیٹھ بے حساب روپیوں کے بل پر مضبوط کر رہے ہیں''۔

مذکورہ اداریہ، حقیقت کا آئینہ دار:

اِس اخبار نے ایک اہم کم زور بنیاد کو لے کر اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑایا ہے، اگرچہ اِس نے اِس حوالے سے غیر مثبت اور انتہائی تکلیف دہ طرزِ عمل سے کام لیا ہے، جس میں اندھی عصبیت اور دل کے اندر چھپے ہوے کینے کا مظاہر نمایاں ہے؛ لیکن اِس نے اُن تلخ حقائق سے پردہ اٹھایا ہے، جن کے اندر خود ہم مسلمان اور ہمارے اسلامی و عربی ممالک گلے گلے ڈوبے ہوے ہیں؛ اِس لیے کہ اِس نے ہمارے انتشار، ہماری آرا کے اختلاف، دشمنوں کے خلاف ہماری بزدلی؛ نیز ایک معمولی اور چھوٹے سے دشمن اسرائیل کے تعلق سے ہمارے لقمۂ تر بن جانے کی بات کہی ہے اور یہ بتلایا ہے کہ مسلمانوں اور اسلامی ملکوں کی بدترین صورت حال میں ہی ہندوؤں اور ہندوستان کی تمام تر بھلائی پوشیدہ ہے۔ کاش! یہ نعمت ہمیں ہمیشہ میسر رہتی۔ اخبار نے مزید کہا:

''اگر اسلامی اور عربی ممالک متحد ہو گئے، تو یہ ہمارے لیے بڑا خطرہ بن جائیں گے، اِن کے افتراق و انتشار میں ہی ہمارا تحفظ اور بچاؤ ہے۔''

''یقیناً یہی اسلام کا کم زور پہلو ہے! اسلام کے مستقبل کے تعلق سے موجودہ زمانے میں جو سوالات پیدا ہوتے ہیں، اُس کی وجہ اِس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسلامی اور عربی ممالک دوش بدوش نہیں چل سکتے۔''

اسلامی غیرت اور عربی خودداری - جو تاریخ کے پورے دورانیے میں مسلمانوں کا طرۂ امتیاز تھی - کو اُس وقت سخت چوٹ لگی، جب مذکورہ اخبار نے یہ کہا:

''ماقبل میں یہ بات آچکی ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے: میں دوبارہ زور دے کر کہتا ہوں کہ تلوار ہی کی طاقت سے اُس کو نیست و نابود کیا جا سکتا ہے اور یہ تلوار غیر مسلم، مسلمانوں کے خلاف استعمال نہیں کر رہا ہے؛ بل کہ وہ خود ہی باہم برسرِ پیکار اور

لڑنے کٹنے کو تیار ہیں۔"

"مال و دولت کی ریل پیل کے نشے میں وہ دادِ عیش دے رہے ہیں، یہی چیز آخر کار اسلام کے زوال کا سبب بنے گی۔ تمام کوششوں کے باوجود، عرب ممالک اپنا کوئی متحدہ محاذ نہیں بنا سکے۔ تنہا اسرائیل ہی اُن کے لیے دردِ سر بنا ہوا ہے۔ یہ ممالک اسرائیل کے مقابلے کی سوچ بھی نہیں سکتے۔ یہ لوگ اسرائیل سے کتنا خوف کھاتے ہیں اِس کا کچھ اندازہ اِس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب اسرائیل نے ابھی حال ہی میں لبنان میں فلسطینیوں پر حملہ کیا، تو کوئی بھی عربی ملک، فلسطینی رضا کاروں کی بھر پور مدد نہ کر سکا اور آخرش اُنھیں لبنان سے بوریا بستر بندھوا دیا"۔

اخبار نے آگے کہا ہے:

"اسلامی ممالک، اسلام کی راہ سے اتحاد کے کن خطوط تک پہنچ سکتے ہیں، اِس کا اندازہ لگانا اِن باتوں کی روشنی میں کچھ مشکل نہیں۔ اِسی لیے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام کے اچھے دِن لد گئے، اس کا مستقبل روشن نہیں۔"

ہم اِن حقائق سے چشم پوشی نہیں کر سکتے:

یہ بات اپنی جگہ ہے کہ مذکورہ اخبار کا اسلوبِ نگارش غیر مثبت اور تکلیف دہ ہے؛ لیکن اُس نے جو کچھ کہا ہے وہ ایسے حقائق ہیں، جن سے ہم صرفِ نظر نہیں کر سکتے۔ واقعی یہ باتیں ہماری روزمرہ کی زندگی بن گئی ہیں۔ ہم بے شرمی اور غیرت وحمیت کے فقدان کی اُس حد کو پہنچ گئے ہیں کہ ہم پر معمولی قسم کی ایک ایسی قوم ہنس رہی ہے، جس کا ماضی میں، کوئی ایسا کارنامہ نہیں، جس پر وہ آج کی مہذب اور ترقی یافتہ دنیا میں فخر کر سکے۔ ایک ہزار سال سے زائد عرصے سے مسلمانوں کے ساتھ بود و باش سے ہی اُس نے تہذیب وتمدن کا سبق سیکھا اور مسلسل اُس کے ماننے والوں کا ایک بڑا طبقہ، ظالمانہ طبقاتی فرق سے اوب کر، جہالت و وحشیانہ پن اور بڑے طبقے کی خودسری کو مسترد کرتے ہوئے، اسلام کی آغوش

میں پناہ لے رہا ہے۔ اُس کا مستقبل تہ بہ تہ دُھندھلکے کی لپیٹ میں ہے، جس کو ہٹا پانا صرف اُسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ دوسری تہذیب میں گھل مل جائے اور کسی دوسرے معقول مذہب کی پناہ میں آجائے اور دیگر نظام ہائے زندگی، خصوصاً معاشرتی، اقتصادی اور فکری نظام کے ساتھ رَل مل جائے۔



فلسطینی ہیڈکوارٹر پر اسرائیل کا حملہ..
اگر اب بھی نہ جاگے تو...

تنظیمِ آزادی فلسطین کے تیونیشیا میں واقع ہیڈکوارٹر پر اسرائیل کے حالیہ حملے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اسرائیل عربوں کے ساتھ عموماً اور تنظیمِ آزادیٔ فلسطین اور فلسطینیوں کے ساتھ خصوصاً جتنی اور جس طرح کی من مانی کارروائی کرنا چاہے؛ کر سکتا ہے، نیز اِس حملے سے انتہائی تاکید کے ساتھ یہ بات عیاں ہوگئی کہ عرب اب بھی - اور ہوسکتا ہے کہ آیندہ بھی طویل عرصے تک - اچھی طرح گریہ وزاری اور نوحہ خوانی اور رنج وغم کے خوب صورت تبادلے کے سوا کچھ بھی نہ کرسکیں گے۔ پھر اِس طرح ہاتھ پاؤں سمیٹ کر چپ سادھ لیں کہ اُن کے آس پاس سے، کسی ایسی اثر انگیز، نتیجہ خیز اور واقعی سرگرمی اور حرکت و عمل کا گزر نہ ہو، جس سے تاریکیاں کافور ہوں، رات کی تاریکی صبح کی روشنی میں تبدیل ہو؛ نیز جو عرب قوم کی پیشانی پر لگے داغ کو دھوڈالے اور مسلم قوم کے چہرے پر ذلت و رسوائی اور شکست خوردگی کا جو بدنما کلنک لگا ہے، اُس کو یکسر مٹادے۔

مسلمان، کانفرنسوں اور میٹنگوں والی قوم:

ہماری چیخ وپکار اور آہ بکا نے پوری فضا کو پاٹ دیا ہے۔ ہم نے اِتنی مذمت کی کہ

(●) ترجمہ کلمۃ العدد، الداعی بہ عنوان: "اَلْبَحْثُ عَنْ مَصْدَرِ الْاِنْتِصَارِ" شمارہ:۴، جلد:۹، ۹/صفر ۱۴۰۶ھ = ۲۵/ اکتوبر ۱۹۸۵ء ۔ تاریخ ترجمہ: ۲/ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ = ۲۴/دسمبر ۲۰۰۶ء

زمین وآسمان کی وسعتیں تنگ دامانی کی شکایت کرنے لگیں، ہم نے اسلامی اورعربی قضیوں کے حل کے لیے اِتنی کانفرنسیں، سیمینار، جلسے جلوس اور میٹنگیں منعقد کیں کہ سنتے سنتے دنیا والوں کے کان پک گئے اور دیکھتے دیکھتے اُن کی بینائی جواب دے گئی۔ لوگ قراردادوں، سفارشات اور بات چیت کی تفصیلات کی خواندگی سے اُکتا گئے؛ یہاں تک کہ اُنھوں نے ہمارا نام ہی ''کانفرنسوں اورمیٹنگو والی قوم'' رکھ دیا۔ ہم نے تادمِ تحریر دوسروں پر ذمے داری ڈالنے اور آپسی بغض وکینے اور ایک دوسرے پر الزامات لگانے میں ذلت کے ساتھ ایک طویل عرصہ بِتا دیا، یہاں تک کہ اِس کی وجہ سے ہم اپنے بھائیوں کو گالیوں کی سوغات دینے اور دین وعقیدے میں شریک بھائیوں سے بدگمانی کرنے کے فن میں ماہر ہوگئے۔

اگر مذہبِ اسلام کی ابدیت پر یقین نہ ہوتا، تو:

اِس وسیع دنیا میں دور دور تک ہمیں کوئی ایسی چیز دکھائی نہیں دیتی، جو خیر کی خوش خبری سنائے اور اِس تلخ ترین صورتِ حال میں کوئی تبدیلی پیدا کرے۔ اگر اسلامی پیغام کے دوام اور اِس دین کی ابدیت پر ہمارا ایمان نہ ہوتا، تو موجودہ حالات نے امید کی آخری کڑی بھی توڑ دی ہوتی اور ہم ہمیشہ کے لیے ناامید اور نفسیاتی شکست وریخت کے شکار ہوگئے ہوتے؛ لیکن یہ دین - جو غالب رہنے والا اور کبھی مغلوب نہ ہونے والا ہے- ہمارے دلوں کو کبھی نہ ختم ہونے والی امید سے لبریز کیے ہوے ہے؛ مگر یہ کہ اِس دین سے تعلق، ہم سے - اگر ہم قولاً اور ظاہراً نہیں؛ بل کہ واقعتاً مسلمان ہوں- یہ مطالبہ کرتا ہے کہ ہم اِس کی اپیل کو دل کے کانوں سے سنیں اور اِس کے اُن اصولوں پر لبیک کہیں، جن کے بغیر ہم بلندیوں کی سطح کو نہیں چھو سکتے۔ یہ دین ہمیں دعوت دیتا ہے کہ ہم اتنی تیاری کریں، جس سے دشمنوں کے مقابلے میں ہمارے قدم مضبوط ہوں، اُس سے اللہ اور رسول کے دشمن پر خوف اور دھاک بیٹھے؛ نیز یہ دعوت دیتا ہے کہ ہم دوسروں پر نہیں؛ بل کہ اپنے آپ پر تکیہ کریں اور ہم اُس حقیقت پر ایمان لائیں، جس کی یقین دہانی تاریخی اور انسانی تجربات

کی دستاویزات کرار ہے ہیں ''یعنی یہ کہ آدمی کی کھال کو اُس کے اپنے ناخن سے بہتر کوئی چیز نہیں کھجا سکتی۔''

ہم نے امریکہ اور سوویت یونین کو اپنے قضیوں کا فیصل بنانے میں حد کر دی اور ہم نے اُن دونوں پر اعتماد کرنے، پھر جن مسائل میں ہمیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور جن راؤنڈوں میں ہم خسارے میں رہے، اُن میں خسارے کی ذمے داری کا ٹھیکرا بھی اُنھی دونوں کے سر پھوڑنے میں ہم بڑے دور تک چلے گئے، پھر ہم یہ کہنے لگے کہ واقعی امریکہ اور سوویت یونین نے ہی ہمیں ذلیل و رسوا کیا ہے۔ ہم نے کبھی اِس بارے میں نہ سوچا، یا ہم نے سوچا ضرور؛ لیکن ہم نے اِس بات کو نظر انداز کر دیا- دوسری تعبیر زیادہ صحیح ہے- کہ اللہ کی مدد نے ہی ہمیں ہر جگہ ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا؛ اِس لیے کہ ہم نے فتح و نصرت اور دشمن پر غالب آنے کے اسباب سے بے اعتنائی برتی اور ہم نے ہمیشہ یہی سمجھا؛ بل کہ اِسی پر ایمان رکھا کہ تمام قضیوں کے حل کی کلید، واشنگٹن اور کریملن کے ہاتھوں میں ہے، ہمارے ذہنوں میں اِس کا خیال بھی نہ گزرا کہ طاقت کا سرچشمہ تو ہمارے ہی پاس ہے، بہ شرطے کہ ہم اسلامی احکام کے مطابق مطلوبہ تیاری کریں۔ تاریخ اور عقل بھی اِسی کی توثیق و تائید کرتی ہے۔

فتح و نصرت کا ضامن، طاقت کا توازن:

طاقت کا سرمایہ اور طاقت کا توازن ہی ہمیں عزت و وقار اور فتح و نصرت کی گارنٹی دے سکتا ہے۔ اِس موقع سے یہ باور کرا دینا ضروری ہے کہ ہماری یہ خواہش نہیں کہ ہم اِس وقت واعظ کا رول ادا کریں؛ اِس لیے کہ وعظ ہماری قوم کے افراد پر گراں گزرتا ہے؛ لیکن ہم یہ ذہن نشیں ضرور کر لیں کہ حالات میں تبدیلی اُسی وقت آسکتی ہے، جب ہم آج کی دنیا میں طاقت کے سرچشمے کو اپنے قبضے میں لے لیں۔ یہی وہ واحد راہ ہے، جس سے اللہ کی مدد آئے گی، ہمارے سروں کے اوپر سے غم و اندوہ کے بادل چھٹیں گے اور جس طرح

آج ہمارا دشمن اپنی منشا کے مطابق جو چاہتا ہے، کر گزرتا ہے، اُسی طرح ہم بھی دشمن کے ساتھ جو چاہیں گے، کر گزریں گے۔

ہمارے اتحاد کا خواب، کب شرمندۂ تعبیر ہوگا؟

اِس سے پہلے ضرورت ہے کہ ہمارا وہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو، جس کا شرمندۂ تعبیر ہونا ہماری افسوسناک اور رسوا کن حالت کے پیشِ نظر محال یا نیم محال سا لگتا ہے۔ ہمارا خواب یہی ہے کہ ہماری رگوں میں اتحاد و اتفاق کا خون دوڑ جائے اور خواہ مشترکہ مستقبل کے دائرے میں اور مشترکہ دشمن کے تئیں ہی سہی، ہم تمام اختلافات کو پس پشت ڈال دیں؛ لیکن بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہی ایک ایسی چیز ہے، جو بروئے کار نہیں آسکتی، خواہ اِس کے علاوہ دنیا کی دوسری ساری چیزیں کیوں نہ روبہ عمل آجائیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا والے اختلاف و انتشار اور دھڑے بازی کے حوالے سے، ہماری مثالیں دیتے ہوے کہتے ہیں: نعوذ باللہ! اِن لوگوں کے دین میں بھی اتنی سکت نہیں کہ وہ اِن کے تمام اختلافات کو مٹا کر اِنھیں ایک پلیٹ فارم پر لا کھڑا کردے۔ ہماری وجہ سے ہی دینِ اسلام کی اِتنی بدنامی ہو رہی ہے، ہم نے اِسی پر بس نہیں کیا؛ بل کہ ہم نے اپنے طرزِ زندگی سے اتنی بار مذہبِ اسلام کو بدنام کیا جس کو شمار کرنا ممکن نہیں۔

مذکورہ خواب - اِن حالیہ قضیوں کے چوکھٹے میں ہی سہی، جن میں ہماری بار بار کی ناکامی کی وجہ سے لوگ ہمیں ''ذلیل وشکست خوردہ قوم'' کے لقب سے یاد کرنے لگے ہیں- اگر حقیقت کا روپ اختیار کرلے، تو ہمارا ہر خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے اور ہم صرف تاریخ بتانے والے نہیں؛ بل کہ معجزہ دکھانے والے بن جائیں گے۔ ہم نہیں چاہتے کہ باتوں کے سلسلے کو دراز کریں؛ اِس لیے کہ- خدا کا فضل و کرم ہے کہ-صرف اس صدی کے ہمارے اہلِ قلم، مقررین وواعظین اور مفکرین کی بڑی تعداد نے اِتنا کچھ کہا ہے، جتنا کہ ہماری تاریخ کے تمام مؤرخین و مفکرین اور داعیوں نے ہرگز نہ کہا ہوگا۔ لوگ سنتے سنتے عاجز آگئے اور

اُنھیں اکتا جانے کا حق بھی ہے؛ وہ اب ہمارے مشترکہ قضیے کے حوالے سے ہماری کام یابی، یا ہماری خواہش کے مطابق اُن کا حل نکل آنے کی خبر کے سوا اور کچھ سننا نہیں چاہتے۔ وہ زخمی اسلامی احساس، جس کی کچھ خوبو ہمارے اندر باقی ہے اور ''ادب سکھانے'' کی ہمارے دشمن کی بار بار کی کارروائی، ہمیں بار بار سبق لینے پر آمادہ کر رہی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اِس سبق کو ہم میں سے بعض باتوفیق یاد رکھیں اور ہماری موجودہ تاریخ میں تبدیلی لے آئیں۔ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ. (یوسف/۲۱) اللہ تعالیٰ اپنے معاملے پر غالب رہنے والا ہے؛ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔



کامن ویلتھ والے، اسرائیل کا بائیکاٹ کب کریں گے؟(●)

کامن ویلتھ(۱) کی کانفرنس نے، جنوبی افریقہ کو نسل پرستی کی غیر انسانی اور اذیت رساں پالیسی اور اپنے قدیم سیاہ فام باشندوں کی اکثریت کے خلاف تشدد کی سیاست ترک کرنے پر مجبور کرنے کے لیے، جو عملی اِقدامات کیے ہیں، ہم اُن کا تہِ دل سے خیر مقدم کرتے ہیں۔ اِن اِقدامات میں - جن میں کامن ویلتھ کے ۴۹ حکام شریک ہوے - قرضوں پر پابندی لگانا، جنوبی افریقہ کی گولڈن کرنسیوں کی برآمدات پر روک، اُس کے ساتھ ٹیکنیکل اور ایٹمی معاملات اور عسکری تعاون کی تمام صورتوں کا سلسلہ بند کرنا؛ نیز اُس کے ساتھ تجارت کی تمام صورتوں اور اُس سے فضائی تعلقات منقطع کرنا وغیرہ شامل ہیں۔

اِن تادیبی کارروائیوں کو خوش آمدید کہنے کا حق، صرف مسلمانوں کو ہے:

انسانی دنیا کے کسی بھی حصے میں ہونے والے مظالم کے خلاف تادیبی کارروائیوں کو روبہ عمل لانے کو خوش آمدید کہنے کا سب سے زیادہ حق اگر کسی کو حاصل ہے، تو وہ بے شک مسلمان ہیں، جن کو اُن کے مذہب نے یہ تعلیم دی ہے کہ وہ برائی کو اپنے ہاتھ یا اپنی زبان سے روک دیں؛ یا اُس کو اپنے دل میں بُرا جانیں۔ بُرائی کو دیکھ کر کبھی بھی، کسی بھی حالت میں

(●) ترجمہ اشراقہ، الداعی، شمارہ:۴، جلد:۹، ۹/صفر ۱۴۰۶ھ = ۲۵/اکتوبر ۱۹۸۵ء ۔ تاریخ ترجمہ: ۱۱/۱۲/۱۴۲۷ھ = ۲/۱/۲۰۰۷ء ۔

(۱) کامن ویلتھ (دولتِ مشترکہ) Commonwealth برطانیہ کے آزاد کردہ ممالک کی برداری، جس کا سربراہ برطانیہ ہے اور جو برطانیہ ہی کی قرارداد ۱۹۳۱ء کے بہ موجب وجود میں آئی تھی۔ اِس کا مقصد مشترکہ مقاصد میں باہمی تعاون واشتراک ہے۔

خاموش نہ رہیں۔ ہم اپنے دینِ حنیف کے اس قاعدے پر عمل کرتے ہوے- جو دنیا سے تمام شر وفساد، منفی طرزِ عمل اور تاریکیوں کا خاتمہ کرنے آیا ہے-صدق دلی سے، ان اقدامات کا خیر مقدم کرتے ہیں اور تمام دلی جذبات واحساسات کے ساتھ ان کو سراہتے ہیں۔

لیکن اگر سیاست میں کسی اصول کی پابندی ہوتی یا اخلاقیات کا کوئی پہلو ہوتا، یا اُس کی لغت میں کوئی ایسا لفظ ہوتا، جو تضادات سے بچنے کا معنی دیتا، تو ہمارے لیے حق تھا کہ ہم اِس قسم کی پابندی، سب سے پہلے، سب سے بڑے دہشت گرد، یعنی اسرائیل پر عائد کرنے کا مطالبہ کرتے، وہی اسرائیل جو موجودہ دنیا میں بدترین جارحانہ کارروائی کررہا ہے، یقیناً اُس کا جرم جنوبی افریقہ کے حکام سے کسی بھی طرح کم نہیں؛ بل کہ اُس کا جرم مقدار و معیار ہر اعتبار سے یقیناً جنوبی افریقہ کے حکام کے جرم سے بڑھا ہوا ہے۔

اسرائیل کا بائیکاٹ ناگزیر:

اسرائیل جو جنوبی افریقہ سے کہیں زیادہ، اِس پابندی اور ہر قسم کے بائیکاٹ کا مستحق ہے، چوں کہ فلسطینی عوام کی مظلومیت اور اُس خطے میں- جس کو غیر جانب دارانہ طور پر اور ظالمانہ رویے پر کاربندی کے ساتھ ''مشرقِ وسطیٰ'' کا نام دے دیا گیا ہے- عربوں اور مسلمانوں کی تذلیل، اُس ظلم وجارحیت سے کسی بھی طرح کم نہیں ہے، جس کا سامنا اپنی ہی نسل کے سفید فام اور دل کے کالے حکم رانوں کے ہاتھوں، کالے افریقیوں کو کرنا پڑ رہا ہے۔

لیکن ایسا لگتا ہے کہ فلسطینی باشندے انسان کی اُس نوع سے تعلق نہیں رکھتے، جو ہم دردی اور غم خواری کے مستحق ہوں، اُن کے لیے ''ہم دردی'' کا واحد مطلب یہ ہے کہ مشرق، نفاق اور دورُخے پن سے لبریز لہجے میں اور مغرب، دبی ہوئی آواز اور پست لہجے میں مذمتی کلمات کہتا رہے۔ مغرب کے اِس پست لہجے والی مذمت کو بھی، امریکی ویٹو کی مار جھیلنی پڑتی ہے۔

میں پھر کہتا ہوں کہ اقتصادی، سیاسی، تہذیبی اور تعلیمی پابندیوں کی مستحق موجودہ دنیا

کی تمام شر پسند طاقتیں ہیں، خواہ وہ امریکہ ہو یا سویت یونین یا کوئی اور؛ اِس لیے کہ حقیقتاً تمام انسانی خطوں میں ظلم و جارحیت، دہشت گردی اور تشدد یہی طاقتیں برآمد کرتی ہیں، اُس کی تحریک کی نگرانی کرتی ہیں اور اُنھی کی طرف سے شہ پا کر دہشت گردی اور تشدد نے، طاقت بہم پہنچا کر انسانی معاشرے کی زندگی دوبھر کر دی ہے۔

امریکہ، جو دنیائے انسانیت کے سب سے بڑے دہشت گرد اسرائیل کی پشت پناہی کرتا اور اس کی پیٹھ ٹھوکتا ہے اور سویت یونین، جو دنیا میں آج خوں ریز سامراجی کارروائیاں انجام دیتا پھر رہا ہے، یہ دونوں طاقتیں ہر قسم کے بائیکاٹ اور پابندیوں کے لائق ہیں۔ اگر کوئی ایسی عالمی تنظیم ہوتی، جس کو ذرہ برابر بھی انصاف اور غیر جانبداری سے سروکار ہوتا، تو ہم ضرور یہ مطالبہ کرتے؛ لیکن ہائے افسوس!



کنکر پتھر کے جنرلوں کو سلام (•)

جب مصائب دراز ہو جائیں، ذلت و رسوائی کا تسلسل ہو اور غموں کا سلسلہ غیر منقطع ہو، تو نفسِ انسانی پر خواہ وہ فرد ہو یا جماعت، اُن کا سہنا آسان ہو جاتا ہے؛ اس لیے کہ انسانی فطرت اُن کی خوگر ہو جاتی ہے اور وہ اُس کے لیے خوش گوار اور قابلِ ہضم ہو جاتے ہیں، نیز وہ اُن کے ساتھ اِس طرح گزر بسر کرنے لگتا ہے، گویا وہ اُس کی ضرورت، یا اُس کے لوازماتِ زندگی میں سے ایک ہیں، جس سے پیچھا چھڑانا ممکن نہیں۔

ہماری رسوا کن اور افسوس ناک صورتِ حال:

ایسا صرف بادی النظر میں نہیں لگتا؛ بل کہ یقیناً ہم مسلمانانِ عرب و عجم قضیہ فلسطین کے حوالے سے خصوصاً اور دنیا میں اسلامی قضیوں کی متعدد شکلوں اور اُن کے مختلف حالات کے تعلق سے عموماً، اِسی تلخ، رسوا کن اور افسوس ناک صورتِ حال کے بیچ اپنی زندگی کے ماہ و سال گزار رہے ہیں۔

ہم ذلت و رسوائی کی فضا میں سانس لے رہے ہیں، ذلت و پسپائی ہر جگہ اِس طرح ہمارے تعاقب میں ہے، گویا وہ ہوا اور پانی ہیں، جن سے ہم جہاں اور جس حال میں رہیں چارۂ کار نہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حرماں نصیبی ہمارا قدرِ مقسوم اور ہمارا مقررہ حصہ ہے، جب کہ فتح و نصرت غیروں کا مقدر ہے۔

(•) ترجمہ کلمۃ العدد، الداعی، بہ عنوان: "تَحِیَّةٌ لِجَنَرَالاتِ الحِجَارَۃِ" شمارہ: ۱۳، جلد: ۱۱، ۲۰/رجب ۱۴۰۸ھ = ۱۰/مارچ ۱۹۸۸ء۔ تاریخ ترجمہ: ۱۳/۱۲/۱۴۲۷ھ = ۴/جنوری ۲۰۰۷ء۔

ہم ایسے ہو گئے ہیں، گویا ہم اُس قوم کے فرزند نہیں، جس نے بلندیوں کو اپنا مسکن بنایا تھا، عزت و شرافت نے جس کے قدموں کو بوسہ دیا تھا۔ صرف یہی نہیں؛ بل کہ اُس نے شرافت و عزت کی بنیادوں کو جاگزیں کیا اور جس نے روئے زمین کے چپے چپے پر نخوت و خودداری کا بیج بویا، ہماری یہ حالت ہوگئی ہے کہ ہم موت، جرأت و بہادری، قربانی اور آگے بڑھنے کے فن سے بالکل نابلد ہیں، ہم صرف باتیں اچھی کر سکتے ہیں، خوب صورت قراردادیں پاس کر سکتے ہیں اور اپنی زبانوں سے بہتر سے بہتر مذمت کر سکتے ہیں جس کو ہم صرف مقامی صرفے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

ہم مقدس اور اَنبیا کی سرزمین پر زخموں سے چور مسجدِ اقصیٰ، چھینے گئے فلسطین، مقبوضہ عربی سرزمین، شکستہ عربی شخصیت، پیروں سے روندی ہوئی عربی شرافت، پامال شدہ اسلامی آبرو، تہِ تیغ کی گئی عربی جانیں اور تعذیب و تذلیل کے بھیانک مراحل سے گزارے گئے عربی اور اسلامی جسموں کو بھلا بیٹھے ہیں۔

ہم نے لاتوں کی ٹھوکروں کو بھی فراموش کر دیا:

گویا ہم اُن طمانچوں اور لاتوں کی ٹھوکروں سے پہنچنے والی تکلیف کو بالکل بھول گئے، جو ہمیں خسیس اور ذلیل ترین قاتلینِ اَنبیا کی اولاد: یہودیوں نے پہنچائی؛ اِس لیے کہ ہمارے اندر قومی، تہذیبی اور اسلامی شعور کی رمق بھی باقی نہیں رہی، اِسی لیے ہم اُس کے سامنے اپنا بایاں گال بھی پیش کر دیتے ہیں؛ تاکہ وہ اُس پر وہی طمانچہ؛ بل کہ اُس سے زیادہ سخت طمانچہ رسید کرے جو وہ ہمارے دائیں گالوں پر رسید کر چکا ہے۔

ہم نے تاریخ کے اُس بے مثال ظلم و ستم، تعذیب و تذلیل، ہٹ دھرمی و جارحیت اور جلاوطنی کو فراموش کر دیا ہے، جن سے اِن مغصوبہ اراضی میں چالیس سال[1] سے،

---

(۱) یہ مدت، اِس تحریر کے عربی میں ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء میں لکھے جانے کے وقت کی ہے۔ اِس وقت ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء میں یہ مدت کم از کم ۶۰ سال ہو چکی ہے۔

ہماری زمینوں میں غیر قانونی طور پر در آنے والے ظالم و جابر صیہونی یہودیوں کے ہاتھوں، فلسطینی مجاہدین دوچار ہیں۔ مگر یہ کہ مجاہد فلسطینی عوام کی طرف سے وقفے وقفے سے ہونے والی مزاحمت ہی پاکیزہ اور گہرے لہو کو نذر کرنے کی راہ سے ہمیں یہ بتاتی ہے کہ قضیۂ فلسطین، ظلم پیشہ صہیونیوں کے بے بہا مظالم کے باوجود زندہ ہے۔ یہ مزاحمت ۱۹۶۷ء کے ظالمانہ قبضے کے وقت سے مسلسل جاری ہے، چناں چہ اُس دن سے آج تک کوئی ایسا دن نہیں گزرا، جس میں کوئی ایسی جرأت مندانہ کارروائی نہ ہوئی ہو، جس میں کسی مجاہد کا خون نہ بہا ہو، کسی حریت کے علم بردار کو جلاوطن نہ کیا گیا ہو، کسی شہری کا گھر منہدم نہ کیا گیا ہو، یا کسی تعلیم گاہ اور ادارے کو بند نہ کر دیا گیا ہو، یا کسی غیرت مند نوجوان کی جان نہ گئی ہو۔

بہادرانہ انتفاضہ:

مزاحمتوں کی پیہم کارروائیوں میں سے ایک حال کے مہینوں میں (۱) برپا ہونے والا وہ بہادرانہ عوامی انتفاضہ ہے، جو اپنی راہ پر تیزی کے ساتھ گام زن ہے اور اللہ کے حکم سے اس فتح کے حصول تک گام زن رہے گا، جس کی بنیاد اذنِ خداوندی سے جری عرب نوجوان ڈال رہے ہیں۔

ایسے حالات میں، جب کہ امتِ مسلمہ، حقیقی تہذیبی اور ایمانی شعور سے تہی دست ہے، عربی شخصیت کی پامالی اور اسلامی و عربی عزت و عظمت کی مجروحیت کے اِحساس سے جنم لینے والے اِسی مبارک انتفاضے نے ہمارے دلوں میں امید کی کرن جگائی اور طویل ناامیدی اور اس سے زیادہ طویل جمود و تعطل کے بعد، ہمارے قلوب کو ٹھنڈک پہنچائی ہے۔ یہ انتفاضہ گویا پُرسکون صحرا میں گونجنے والی حق کی ایک زبردست آواز ہے۔

اُن بچوں کی سلامتی کی دعائیں مانگیے!

اِس لیے ضروری ہے کہ اِس انتفاضے کے بہادر مجاہدوں: ہاتھوں میں پتھر اٹھائے

(۱) یہ انتفاضۂ اولی (پہلی تحریک بیداری) تھا جو ۱۲/۸/۱۹۸۷ء (۲۲/۵/۱۴۰۸ھ) کو شروع ہوا تھا

کم سن بچوں یا ''پتھر والے جنرلوں'' کو سلام کریں اور اُن کی زندگی کی دعائیں مانگیں، جنھوں نے - ایک کثیر الاشاعت ماہ نامے کے بہ قول - اُس وقت پیش قدمی کی، جب عرب افواج کے جنرل پیچھے ہٹ گئے، اُنھیں صرف ایمان باللہ کی طاقت آگے بڑھا رہی ہے اور اُنھیں صرف بہ راہِ راست اور بالواسطہ، خارجی اور داخلی ہر سطح کے دشمنوں سے انتقام لینے کا جذبہ ہی سرگرمِ عمل کر رہا ہے۔

مال اور افراد؛ نیز قول و عمل سے ہمیں اُن کا ساتھ دینا چاہیے؛ تاکہ وہ پہلے سے زیادہ طاقت ور، متحرک اور مؤثر ہو کر، نہ صرف عربیت اور وطن کے نام پر؛ بل کہ عربیت، اسلام اور وطن سبھی کے نام پر لڑی جانے والی جنگ اور جدوجہد آزادی میں دُھن کے ساتھ مسلسل لگے رہیں؛ اِس لیے کہ صہیونی دشمن - جیسا کہ میں نے بار بار کہا اور آیندہ بھی کہتا رہوں گا - ہم سے دین کے نام پر اولاً اور وطن و ارضِ موعودہ کے نام پر ثانیاً، جنگ لڑ رہا ہے - فلسطین کے معاملے میں عربی اسلامی موقف کی بنیادی کم زوری یہی ہے کہ ہم نے اُس کو صرف سیاسی اور وطنی نقطۂ نظر سے دیکھا اور ہم نے اُس کی اسلامی حیثیت کو کوئی اہمیت نہ دی۔ جب کہ مذہب ہی، قضیۂ فلسطین کے سلسلے میں حقیقی محرک تھا، ہے اور رہنا چاہیے۔ کیوں کہ دشمن ہم سے اِسی لیے برسرِ پیکار ہے کہ ہم اسلام کے ماننے والے، سلطان صلاح الدینؒ کے دینی فرزند اور محمد ﷺ کی امت ہیں۔

ہمارے اور یہودیوں کے مابین بنیادی فرق یہی ہے کہ وہ ہمارے اور ان کے درمیان جاری جنگ کو ایک ایسی مذہبی جنگ سمجھتے ہیں، جس پر وہ سیاست اور وطنیت کا غلاف چڑھائے ہوئے ہیں اور ہم اُس جنگ کو ایک سیاسی جنگ تصور کیے بیٹھے ہیں، جس میں صرف اپنی مقبوضہ اراضی کی بازیابی کے مقصد سے لگے ہوئے ہیں، اِس کے علاوہ اور کچھ ہمارا مقصد نہیں۔

اِس لیے واجب ہے کہ ہم جوانوں، ایمان کی علامتوں اور ننھے منے معصوم اور اسلامی بچوں کے اِس مبارک انتفاضے کو فروغ دیں، اُن کے قدموں کو مضبوط کریں،

انتفاضے کو زیادہ موثر بنائیں اور اُس کی آگ کو اتنا شعلہ زن بنا دیں کہ وہ بداعمال و بدکردار اسرائیل کو خاکستر کر کے رکھ دے۔ اُس کو اہمیت دینا اور ہر قسم کے مادی اور معنوی تعاون کے ذریعے اُس کو تقویت دینا ہم مسلمانوں پر واجب ہے؛ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اُن تمام باتوں سے بچیں، جن کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ اُن کے حوصلے پست ہو جائیں اور وہ اپنے بڑھتے قدم پیچھے کھینچ لیں۔ دشمن یہی کچھ چاہتا ہے اور اسے روبہ عمل لانے کے لیے ہر قسم کے حیلوں اور تدبیروں سے کام لے رہا ہے۔

ہمیں تمام احمقانہ روش سے بچنا چاہیے:

ہمارے لیے اُن تمام احمقانہ روش سے دامن بچانا بھی ضروری ہے، جو ممکن ہے کہ ایک مدت کے بعد امیدوں کی کرن روشن کرنے والے، عمل کی تحریک پیدا کرنے والے، رگوں میں جوش وغیرت کا تازہ خون دوڑانے والے اور حمیت کی لو کو تیز کرنے والے، اِس مبارک انتفاضے کو بے اثر بنا دیں - اور خبردار جو ہم نے یہ باور کر لیا کہ یہ انتفاضہ صرف قضیۂ فلسطین میں تحریک پیدا کرنے کے لیے وجود میں آیا تھا اور یہ عمل پورا ہو چکا؛ اِس لیے اِس کو اب ختم ہو جانا چاہیے ہمیں — ہمیں بھاؤ تاؤ، سودے بازی، وقت کے عنصر سے فائدہ نہ اٹھانے سے گریز کرنا چاہیے اور موقع گنوانے کی اُس سیاست سے محتاط رہنا چاہیے جس کو، دشمن، اس کے چھوٹے بڑے حلیفوں اور اُس کے دایاں اور بایاں بازو نے استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔

ہمیں جس بات کا شدید اندیشہ ہے، وہ یہ ہے کہ کہیں عرب اور مسلمان ماضی کے بار بار کے تجربوں کی طرح، اُن امریکی تجاویز کو قبول نہ کر لیں، جن سے اسرائیلی وجود کو بے پناہ فائدہ حاصل ہو اور جس کے منفی اثرات انتفاضہ، اُس کی حصول یابیوں، قضیہ فلسطین کی رفتار اور "پتھروں" کے اکتسابات پر پڑتے ہوں؛ اِس لیے اسرائیل یا امریکہ وغیرہ کے شہد کی طرح میٹھے، لیکن غیر حقیقی تمام وعدوں کو مسترد کر دینا ضروری ہے۔

انتفاضہ کے بہادر اور شیر بچوں کو بہ حکمِ خداوندی دشمنوں کی کمر توڑنے والا یہ زبردست اور نتیجہ خیز غصہ مبارک ہو، جو اپنے ہاتھوں میں پتھر اور تیل کی بوتلیں لے کر گولیوں، جلا ڈالنے والے کیمیائی مادوں اور گیس کے گولوں کے سامنے، کوہِ گراں بن کر ڈٹے ہوئے ہیں۔ کیا پتہ اگر اُن کے ہاتھ کے یہ پتھر، دشمنوں کو کھائی ہوئی بھس بنا ڈالنے والے سنگِ گل کے وہ پتھر ثابت ہوں جو بہ حکمِ خداوندی ابرہہ(۱) پر وار کرنے والے پرندوں کی چونچوں سے برسے تھے۔

تاریخ شاہد ہے...

یقیناً تاریخ شاہد ہے کہ مظلوم عوام جب ظالم۔خواہ وہ کتنا ہی طاقت ور اور کتنی ہی عسکری صلاحیت اور لشکرِ جرار والا ہو۔ کے مقابلے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، تو اُنھوں نے اُس کے تختِ حکومت کو ہلا کر رکھ دیا، اُس کے محل کو زمیں بوس کر دیا، اُس کے تیر و سنان کو بے کار کر کے رکھ دیا، اُس کے لشکر کو چاروں شانے چت کر دیا اور اُس کے جھنڈے کو ہمیشہ کے لیے سرنگوں کر دیا۔

جب صبر کا پیمانہ لبریز ہو جائے، ظلم اپنی تمام حدوں کو پار کر جائے، تو مظلوم، ظالم

(۱) یہ حضورِ اکرم ﷺ کی پیدائش سے کچھ ہی پہلے ملک ''یمن'' کا والی تھا جو شاہ ''حبشہ'' کی طرف سے متعین تھا۔ اُس بد بخت نے دیکھا کہ سارے عرب، کعبہ کا حج کرنے جاتے ہیں، تو اُس کو بہت حسد ہوا، اُس کی خواہش ہوئی کہ لوگ کعبے کی بہ جائے ہمارے پاس جمع ہوا کریں۔ اُس کی تدبیر یہ سوچی کہ اپنے عیسائی مذہب کے نام پر ایک عالی شان گرجا بنایا جائے، جس میں ہر طرح کے تکلفات اور راحت اور دل کشی کے سامان ہوں۔ اِس طرح لوگ اصلی اور سادہ کعبہ کو چھوڑ کر اِس مُکلّف و مُرصّع کعبے کی طرف آنے لگیں گے اور مکّے کا حج چھوٹ جائے گا؛ چناں چہ ''صنعا'' میں ۔۔۔ جو یمن کا بڑا شہر ہے ۔۔۔ اپنے مصنوعی کعبے کی بنیاد رکھی اور خوب دل کھول کر روپے خرچ کیے۔ اِس پر بھی لوگ اُدھر مُتوجّہ نہ ہوئے۔ عرب، خصوصاً قریش کو جب اِس کی اطلاع ہوئی، تو سخت خشم گیں ہوئے۔ کسی نے غصّے میں آ کر، وہاں پاخانہ پھیر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ بعض عرب نے آگ جلائی تھی، ہوا سے اُڑ کر اُس عمارت میں لگ گئی۔ ''اَبرَہہ'' نے جھنجھلا کر کعبہ شریف پر فوج کشی کر دی، بہت سا لشکر اور ہاتھی لے کر اِس ارادے سے چلا کہ کعبے کو مُنہدِم کر دے۔ درمیان میں جس قبیلے نے مزاحمت کی اُسے مارا اور مغلوب کیا۔ حضرتؐ کے دادا عبدُ المُطّلب، اُس وقت قریش کے سردار اور کعبے کے مُتولّی اعظم تھے، اُن کو خبر ہوئی تو فرمایا: لوگو! اپنا بچاؤ کر لو، کعبہ جس کا گھر ہے، وہ خود اُس کو بچا لے گا۔ ''اَبرَہہ'' نے راستہ صاف دیکھ ←

کے مقابلے کے لیے ضرور جلد یا بہ دیر اٹھ کھڑا ہوتا ہے، بہ شرطے کہ اُس نے ظلم کی تکالیف کو اپنے ذہنوں سے اوجھل نہ ہونے دیا ہو اور طمانچے کی ذلت کو نہ بھلایا ہو؛ اس لیے کہ یہی چیز اُس کو، اُس کے اندر انتقام کی آگ بھڑکا کر انتقام لینے پر آمادہ کرتی ہے، چناں چہ جسے تکلیف کا احساس نہ ہو، اُس کے پاس انتقام کا کوئی محرک بھی نہیں ہوتا۔

کم زور جب مؤثر غصے سے مجبور ہو کر طاقت ور کے سامنے اٹھ کھڑا ہوتا ہے، تو وہ اُس سے اپنا حق لے کر رہتا ہے، اگر چہ اُس کے پاس اینٹ، پتھر، لاٹھی اور اُن چھوٹے چھوٹے ڈنڈوں کے علاوہ اور کچھ نہ ہو، جن کے بل پر وہ بندوقوں، گولیوں، بموں اور گولوں سے ٹکر لیتا ہے؛ اِس لیے کہ مظلوم کی اینٹ، اُس کا پتھر اور اُس کے ساتھ حق کی طاقت، ظالم کی گولیوں، اُس کے بموں اور اُس کے گولوں سے کہیں زیادہ طاقت ور اور تباہ کن ثابت ہوتا ہے۔ خدائی فرمان ہے: كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ. وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِينَ (بقرہ/۲۴۹) کتنی ہی چھوٹی جماعتیں اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آگئیں اور اللہ صبر کرنے والوں کا حامی ہے۔



← کر یقین کر لیا کہ اب کعبے کو مُنہدِم کر دینا کوئی مُشکل کام نہیں؛ کیوں کہ اُدھر سے کوئی مقابلہ کرنے والا نہ تھا۔ جب وادی ''مُحَسِّر'' — جو مکّے کے قریب جگہ ہے — پہنچا تو سمندر کی طرف سے سبز اور زرد رنگ کے چھوٹے چھوٹے جان وروں — پرندوں — کی ٹکڑیاں نظر آئیں، ہر ایک کی چونچ اور پنجوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں تھیں۔ اُن عجیب و غریب پرندوں کے غول کے غول، کنکریاں لشکر پر برسانے لگے۔ خدا کی قدرت سے وہ کنکری پتھریاں بندوق کی گولی سے زیادہ کام کرتی تھیں۔ جس کے لگتی ایک طرف سے گھس کر دوسری طرف سے نکل جاتی اور ایک عجیب طرح کا سَمّی مادّہ چھوڑ جاتی تھی۔ بہت سے وہیں ہلاک ہو گئے، جو بھاگے وہ دوسری بڑی بڑی تکلیفیں اٹھا کر مرے۔

یہ واقعہ حضورؐ کی ولادت شریف سے پچاس روز پہلے ہوا؛ بل کہ بعض کہتے ہیں کہ خاص اُسی روز آپؐ کی ولادت با کرامت ہوئی۔ گویا یہ ایک آسمانی نشان آپؐ کی آمد آمد کا تھا اور ایک غیبی اشارہ تھا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی فوق العادت حفاظت فرمائی ہے، اُس گھر کے سب سے مُقدّس مُتولّی اور سب سے بزرگ پیغمبر کی حفاظت بھی اُسی طرح کرے گا۔ عیسائی یا کسی دوسرے مذہب کو موقع نہ دے گا کہ وہ کعبہ یا کعبہ کے سچے خادموں کا استیصال کر سکیں۔ (تفسیر عثانی از علامہ شبیر احمد عثانی دیوبندی ثم الپاکستانیؒ متوفی ۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء بر ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیو بندیؒ متوفی ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء)

ہم تو ساحل کے تماشائی ہیں..
تھپیڑوں کی ضربیں سہنے والوں کا بھلا کیا حال ہوگا؟(*)

غضب ناک عربی اسلامی انتفاضے کی کمر توڑنے اور اسے ناکام بنانے کے لیے، مقبوضہ فلسطین میں مسلمانوں، مسلم دوشیزاؤں، ایمان کی نرم و نازک کلیوں، کم سن اسلامی اور عربی بچوں، سن رسیدہ بوڑھوں اور عمر کی آخری منزل پر کھڑی عورتوں کے ساتھ ظالم و غاصب و قابض افواج کی خوں ریزی، تعذیب و تذلیل، دہشت انگیزی اور دھڑ پکڑ کی تصویروں کو چھوٹے پردے پر یعنی ٹیلی ویژن پر یا بعض بین الاقوامی اور مقامی اخباروں میں، زمین کے کسی بھی حصے کا مسلمان جب دیکھتا ہے، تو وہ غصے سے آگ بگولا ہو جاتا ہے، مارے غصے کے پھٹ پڑتا ہے اور خون کے آنسو رونے لگتا ہے۔

مسلمانوں کے تن بدن میں اُس وقت آگ لگ جاتی ہے، جب...

ایک مسلمان کے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے، جب وہ ایک ایسی عمر دراز فلسطینی عورت کو دیکھتا ہے، جس کو ایک ملعون یہودی نو آبادکار، یا بد باطن یہودی فوجی گھسیٹ رہا ہوتا ہے، وہ چیختی چلاتی ہے؛ لیکن کسی جواب دینے والے اور فریاد رس کو نہیں پاتی۔ اِسی طرح وہ جب کسی ایسے مسلم نوجوان کو دیکھتا ہے، جس کو صہیونی افواج ہر چہار جانب سے گھیرے ہوتی ہیں، اُن کے بندوقوں کی نالوں کا رُخ اُس جوان کی طرف ہوتا ہے اور وہ

(*) ترجمہ کلمۃ العدد، الداعی، بہ عنوان: "نَحْنُ نُشَاهِدُ .. فَكَيْفَ بِمَنْ يُكَابِدُ" شمارہ: ۱۵، جلد ۱۱، ۲۲/شعبان ۱۴۰۸ھ = ۱۰/اپریل ۱۹۸۸ء۔ تاریخ ترجمہ: ۱۶/۱۲/۱۴۲۷ھ = ۷/۱/۲۰۰۷ء۔

مایوسی اور ناامیدی کی حالت میں آنکھیں پھاڑے اُنھیں دیکھتا رہتا ہے اور ایسے وقت میں اللہ کی رحمت اور اللہ کی تیار کردہ پائے دار نعمتوں اور جنتِ عدن کی امید کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں پاتا، جس پر وہ بھروسہ کرے؛ نیز وہ ایک دوسرے نوجوان کو جب دیکھتا ہے کہ اسرائیلی فوجی اُس کے سر کو کسی دیوار سے ٹکرائے دے رہا ہے، یا اُس کے چہرے پر موٹی لاٹھی سے ضربیں رسید کر رہا ہے اور اہانت و تضحیک کے ساتھ اپنے قدموں سے اُس کی گردن کو کچل رہا ہے اِس حال میں کہ اُس کی ماں اُس کو اور اُس کے جسم کی مختلف جگہوں، اُس کی پیشانی، منہ اور اُس کی آنکھوں سے خون بہتا دیکھ کر، واویلا کر رہی ہوتی ہے اور میرے بچے! میرے بچے! کی چیخ و پکار کرتی رہتی ہے، تو غصے کے مارے اُس مسلمان کا خون جوش مارنے لگتا ہے۔

ہر شخص کو یہ سوچنا چاہیے:

اِس صورتِ حال کو دور سے دیکھ کر، جب ایک مسلمان غصے میں بھڑک اٹھتا ہے اور رنج والم کی آگ میں جھلسنے لگتا ہے، تو جو لوگ اُن شعلوں کی لپیٹ میں ہیں اور اُن دہلا دینے والے حالات کو جھیل رہے ہیں، بھلا اُن کا کیا حال ہوگا؟ خوف و دہشت، دھڑ پکڑ اور ہر طرح کی ذلت و رسوائی کے کڑوے گھونٹ پی کر جن لوگوں نے ارضِ فسلطین میں چالیس سال گزارے، آخر اُن کی کیا حالت ہوگی؟ کس طرح جی رہا ہوگا وہ شخص، جس کے ماں باپ کو اُس کی نظروں کے سامنے ذبح کر دیا گیا۔ کیسا منظر رہا ہوگا، اُس شخص کے سامنے جس کے رشتے داروں اور عزیزوں کے پیٹ کو اُس کے سامنے بے رحمی سے چاک کر دیا گیا؟ کیسی کیفیت رہی ہوگی، اُس شخص کی، جس کے گھر والوں کو زندہ درگور کر دیا گیا اور وہ رونے پیٹنے کے علاوہ کچھ نہ کر سکا؟ اُس شخص کا آخر کیسا حال ہوگا، جس کی بہنوں یا ماؤں کی ردائے عصمت اُس کی آنکھوں کے سامنے تار تار کر دی گئی؟ وہ شخص کس طرح کی مصیبت سے گزرا ہوگا، جس کو اپنے خاندان والوں کے ساتھ مردار بلی اور کتوں کے کھانے پر مجبور

کیا گیا ہوگا؟ اپنے باپ کو اِس حالت میں کس طرح کسی نے دیکھا ہوگا کہ اُس کے پاؤں اور ہاتھوں میں بیڑیاں اور زنجیریں ہیں اور اُسے نامعلوم مستقبل، غیر معلوم جگہ یا قید خانے، یا موت یا سزا کی طرف لے جایا جارہا ہے؟ اُس شخص کی زندگی کیسی ہوگی، جس کو جلاوطن کر کے تعذیب وتذلیل کے بعد، قید خانے کی کوٹھریوں میں ڈال دیا گیا، اُس پر اُس کے گھر کا دروازہ بند کردیا گیا؛ نیز اُس کے اور اُس کی جاے پیدائش اور اُس کے بچپن کی منزلوں کے مابین دیوار کھڑی کردی گئی؟

ہم میں سے ہر شخص یہ سوچے کہ اگر - خدانہ خواستہ - اُس کو اِن سخت اور دردناک مظالم سے گزرنا پڑے، تو وہ کیا کرے گا؟ اور کس طرح اِن حالات میں زندگی بسر کرے گا اور ایسا کرنے والوں کے ساتھ کیسا معاملہ کرے گا؟

صبر کی بھی ایک حد ہوتی ہے:

جب تک اُس کے صبر کا پیمانہ لبریز نہ ہو، وہ اپنے غصے کو قابو میں رکھتا اور اُسے پیتا رہے گا؛ چوں کہ صبر کی بھی ایک حد ہوتی ہے، اِس لیے پھر کل یا پرسوں اُس کے صبر کا پیمانہ چھلک اٹھے گا اور جہاں تک اُس کے ہاتھوں کی رسائی ہے، دشمن جیسا ہتھیار نہ سہی، وہ پتھر اور اینٹ لے کر ہی دشمن کے مقابلے کے لیے اٹھ کھڑا ہوجائے گا، پھر کیا ہوگا کہ اُن کے ہاتھوں کے یہی سخت پتھر توپ، تلوار، تیر، نیزے، گولے اور کڑک دار بجلی بن جائیں گے۔

وہ موت سے نہیں ڈرتا؛ اِس لیے کہ اُس نے موت ہی کی گود میں زندگی گزاری ہے، اُس کی تلخیوں کو چکھا اور اُسی کے دستر خوان پر کھاپی کر پرورش پائی ہے، جو موت سے خوف نہ کھائے، موت اُس سے گھبراتی اور خوف کھاتی ہے، اُس کے سایے سے بھی دور بھاگتی ہے؛ نیز اُس کے غیظ وغضب اور اُس کی پکڑ سے گریزاں رہتی ہے اور اُس کو کوئی پیچھے نہیں دھکیل پاتا؛ خواہ یہ کوئی جدید ترین، طاقتور اور مہلک ہتھیاروں سے لیس فوجی ہی کیوں نہ ہو؛ اِس لیے کہ وہ انتقام اور فتح وکامرانی کی لذت سے سرشار ہوتا ہے، مزاحمت، جہاد، طاقت

ور مدد، اللہ کے راستے میں شہادت؛ نیز عزت و آبرو اور حقیقت کی حفاظت و پاسداری، مغصوبہ وطن اور چھینے ہوئے امن کی بازیابی کا جذبہ اُس کو مہمیز کرتا رہتا ہے۔

انتفاضے کی حصول یابیاں:

اے لوگوں! ہاتھ میں پتھر لیے بچوں اور حال ہی میں بھڑکنے والے اُس فلسطینی عوامی انتفاضے کے بہادروں نے یہی کچھ کیا ہے، جس کی وجہ سے پوری کی پوری سرزمین فلسطین سے مزاحمت اور جہاد کی روح کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ اِسی انتفاضے نے مایوس دلوں میں شیریں امیدوں کی قلم لگائی ہے، اِسی نے دشمنوں اور دوستوں کی توجہ مبذول کرائی ہے، صہیونیوں اور اُس کے قریبی اور دور دراز کے حلیفوں کی توجہ حاصل کی ہے؛ نیز اِسی انتفاضے نے صہیونیوں کی نیند حرام اور ان کی زندگی دوبھر کر دی ہے اور اِسی نے صہیونیوں کے تمام حلقوں میں خوف و دہشت پھیلا دی ہے۔ اِس بات کا اظہار اخبار ''یدیعوت اَحرنوت'' نے یہ کہتے ہوئے کیا ہے: اسرائیلی افواج نے چھ جنگیں لڑیں۔ ۱- جنگ برائے قیامِ اسرائیل ۱۹۴۸ء، ۲- جنگِ سویز ۱۹۵۶ء، ۳- ۱۹۶۷ء کی جنگ، ۴- ۱۹۶۸ء تا ۱۹۷۲ء لڑی جانے والی خوں ریز جنگ، ۵- اکتوبر ۱۹۷۳ء کی جنگ، ۶- جنگِ لبنان ۱۹۸۲ء ، وہ اب ایک اور ساتویں جنگ لڑ رہی ہیں، جو بہت ہی سخت اور جدوجہد بھری ہوگی''۔

''پتھر کے جنرلوں'' کو اچھی طرح معلوم ہے:

اِن دشوار گزار سالوں میں مظالم کا درد سہنے والے اور اُس کی آگ میں تپ کر کندن بن جانے والے ''پتھر کے جنرلوں'' یعنی بہادر فلسطینی بچوں اور جوانوں نے بہ خوبی سمجھ لیا ہے کہ دونوں بہادروں: امریکہ اور سوویت یونین کے تمام وعدے، - امریکہ تو بالخصوص اِسی لیے آیا ہے کہ وہ دشمن کے ذریعے فلسطینیوں کو ستانے، اُنھیں تہِ تیغ کرنے، اُن پر محاصرہ سخت کرنے، اُن کی زمینوں پر یہودی نو آبادیاں بسانے اور اُن کی گردنوں کو دبانے کا مزید

وقت اور موقع فراہم کرے- امن وسلامتی کی تمام قراردادیں، قیامِ امن کے لیے ہونے والی تمام کانفرنسیں، ڈھیر سارے سیاسی حل کے مذاکرات اور سلامتی کی تمام بات چیت خواب وخیال کی طرح پریشان ہوگئے اور اِن ساری چیزوں کو دشمن نے اِس طرح پائے حقارت سے ٹھکراتا رہا، جس طرح ماہر کھلاڑی گیند کو پیروں سے ٹھوکر مارتا رہتا ہے۔ انھوں نے — فلسطینی بچوں اور جوانوں نے — سمجھ لیا ہے کہ دشمن نے اُن کے ساتھ ظلم و بربریت کے جو ''نایاب وکم یاب کارنامے'' انجام دیے ہیں، امریکہ اُن میں سے ہر ایک کے بدلے اُنھیں مزید اسلحے اور مزید عسکری امداد اور اپنے اسلحہ خانے سے نئے نئے ہتھیاروں کا تحفہ دے رہا ہے اور دیتا رہے گا اور یہ کہ موقع پرستوں، کھلاڑیوں، مفاد پرستوں، کھوکھلے اور احمقانہ نعرہ لگانے والوں اور بے وقوفی پر مبنی آئیڈیالوجی پیش کرنے والوں اور نفسیاتی اعتبار سے شکست خوردہ لوگوں نے اِس کے سوا اور کیا کہ انھوں نے سادہ لوح کھلاڑی یا بے وقوف تماش بین کا کردار ادا کیا؛ نیز یہ کہ اِن سب باتوں سے اُنھیں کوئی فائدہ ہوا اور نہ اُن کے زخم مندمل ہوے؛ بل کہ اِن کی وجہ سے فلسطینی، کمینہ بخیلوں کے دسترخوان پر یتیموں سے زیادہ لائقِ بے توجّہی ثابت ہوے اور اِن کی وجہ سے اُن کی بدنصیبی اور ذلت ورسوائی میں اضافہ ہی ہوا۔

ہم مسلمانوں کے لیے باعثِ خوشی:

ہمیں آفتابِ نیم روز کی طرح یقین ہے کہ یہ انتفاضہ، جس یقینی فتح کی راہ ہموار کر رہا ہے، وہ یقیناً ہم مسلمانوں کے لیے باعثِ خوشی ہے؛ اِس لیے چھین جھپٹ میں ماہر داخلی اور خارجی موقع پرستوں کی اِس کو ناکام بنانے اور پابہ سلاسل کرنے کا کوئی ہتھیار اب تک کارگر نہ ہوسکا۔

اِس وقت ہماری لازمی ذمے داری ہے کہ ہم اپنی تمام توجہ اِس پر مرکوز کردیں کہ ہمارے باہمی اختلافات اور عربوں کی آپسی رساکشی اِس مبارک مزاحمتی انقلاب کی آتشِ

فروزاں کو سرد نہ کردے، اور ہم ایک ہی سوراخ سے بار بار ڈسے جانے والے نہ بن جائیں اور کہیں سابقہ مواقع کی طرح یہ موقع بھی ہمارے ہاتھوں سے نکل نہ جائے اور بہ جائے اس کے کہ ہم اِس انتفاضے کی حصول یابیوں کو حتمی اور اصلی حل تک پہنچنے میں استعمال کریں، یہ کام یابیاں رائیگاں نہ چلی جائیں۔ بیت المقدس کی آزادی، صہیونیوں کے ناپاک وجود سے مقدس اراضی کو پاک صاف کرنا ہی فلسطینی مسئلے کا قطعی اور اصلی حل ہے۔ کیا ہم ایسا کرسکیں گے؟



اُمّیدوں کی جا، اِنتفاضۂ مُبارکہ (*)

۸/دسمبر ۱۹۸۹ء کو مقبوضہ فلسطین میں شروع ہونے والے انتفاضۂ مبارکہ نے اپنی عمر کے دوسال پورے کر لیے۔ ۷/دسمبر ۱۹۸۷ء کو اُس کی داغ بیل، اسلام کی سمجھ بوجھ اور اُس کے اصولوں پر کاربند رہنے والے اُن نوجوانوں کے ہاتھوں ڈالی گئی تھی، جو قرآن کے صاف و شفاف چشمے سے سیراب ہوے تھے، اسلام کی عزت اُن کے رگ و پے میں پیوست تھی اور عظمت و خودداری اور سربلندی کی وہ روح اُن کی رگوں میں خون بن کر دوڑ رہی تھی، جس سے اسلامی اور محمدی پیغام اُن لوگوں کو نوازتی اور سرفراز کرتی ہے، جن کے قلوب اسلامی روح سے سرشار ہوں۔ یہ وہ نوجوانانِ اسلام تھے، جنھوں نے ''فلسطین'' اور اُس کی آزادی کے نام پر انقلاب برپا کرنے والی افواج کا بےصبری سے انتظار اور ان ''تنظیموں'' پر اعتماد کرتے ہوے چالیس سال سے زائد عرصہ[1] گزار دیا، جن تنظیموں نے جہاد، توحید، عقیدہ، اپنے نفس اور خدا کے ساتھ سچائی کا علَم اپنے ہاتھوں میں اٹھانے کی بہ جائے کھوکھلے نعرے لگائے، خوب صورت بینرس فضا میں لہرائے، اُن تنظیموں کے عقائد میں گہرا اختلاف تھا اور اُن کے افکار و نظریات فاسد تھے۔ یہ وہ نوخیز غیور نوجوان تھے، جنھوں نے محض تجاویز کی بے وزنی اور غیر ملکی آئیڈیالوجی کے فریب کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا؛ اِسی لیے اُنھوں نے یہ طے کیا کہ عزت و شرافت اور فلسطین کی ایک بالشت زمین سے بھی

(*) ترجمہ کلمۃ العدد، الداعی، بہ عنوان: ''الرَّجَاءُ فِي الْإِنتِفَاضَةِ الْمُبَارَكَةِ كَبِيْرٌ'' شمارہ: ۱۱، جلد: ۱۳، ۱۲/جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ = ۱۰/جنوری ۱۹۹۰ء۔

(۱) یہ مدت جنوری ۱۹۹۰ء تک کے حساب سے تھی۔ ظاہر ہے اب ۲۰۰۷ء میں یہ مدت ۶۰ سال ہو چکی ہے۔

دست بردار ہوے بغیر اُس کی آزادی کی راہ، صرف سچا جہاد، ثابت قدمی اور مسلم عربی نو جوان کی رگوں میں جوش مارنے والے پاکیزہ خون کے آخری قطرے تک کی قربانی ہے۔

قومیت واشتراکیت کے بہادروں کے اندازے غلط ثابت ہوے:

مسلمان بہادروں کے نہیں؛ بل کہ یہودیوں اور قومیت، عربیت اور اشتراکیت کے اُن بہادروں کی سوچ غلط ثابت ہوئی، جنھوں نے یہ یقین کرلیا تھا کہ یہ انتفاضہ، پیالی کا اُبال ثابت ہوگا، جس کی کل عمر بہ مشکل ایک یا دو ہفتے کی ہوگی، پھر وہ ہمیشہ کے لیے بہت سے اُن انقلابات وتحریکات کی طرح سرد پڑ جائے گا، جو سمندر کی جھاگ کی طرح بلند ہوے اور پھر ناپید ہوگئے۔ اُنھوں نے یہ نہیں سمجھا - اور نہ وہ یہ سمجھنے کے قابل ہیں - کہ یہ انتفاضہ ایک ہمیشہ باقی رہنے والا جہادی انقلاب ہے، جس کا مقصد ارضِ اِسرا ومعراج کی ایک ایک انچ زمین کی آزادی اور وہاں سے ناپاک قابض نو آبادکاروں کو نکال باہر کرنا ہے (دیکھیے حماس کا پہلا بیان، ۱۵/دسمبر ۱۹۸۷ء) یہ کوئی وقتی زخم یا ہنگامی الجھن سے گلو خلاصی حاصل کرنے کے لیے وجود میں آنے والا انتفاضہ نہیں۔ (انتفاضۂ مبارکہ، ص:۸)

حالیہ انتفاضہ:

حالیہ انتفاضہ، اُس اجتماعی اور متحدہ کارروائی سے عبارت ہے، جس کی پشت پر، سیاسی، عسکری، معاشرتی اور اقتصادی تمام میدانوں میں، فلسطینی، عربی اور عالمی سطح پر بہت سارے عوامل کارفرما ہیں، اُن عوامل کے ضمن میں، جبر وتشدد اور ہٹ دھرمی کے ساتھ روبہ عمل آنے والا غاصبانہ قبضہ بنیادی عامل ہے؛ کیوں کہ قبضہ نے ہی لاشعوری طور پر اِس انتفاضے کو جنم دیا ہے اور مقبوضہ اراضی میں نو آبادکاری پر مبنی جارحانہ پالیسیاں اس کے بھڑک اٹھنے کا سبب بنی ہیں۔ ''موشی ڈایان'' اسرائیل کو اِس قسم کے انتفاضے سے متنبہ کرتے ہوے کہتا رہا تھا: ''اگر فلسطینی وطنی اور عوامی جارحیت پر آمادہ ہوجائیں گے، تو

ہمیں بہت سی مشکلات جھیلنا پڑیں گی اور ہم تھک ہار جائیں گے۔"(۱)

واقعی اِس انتفاضے نے صرف دو سال کے قلیل عرصے میں، اتنی ساری کام یابیاں حاصل کی ہیں، جو مقدار و معیار کے اعتبار سے گزشتہ چالیس سالوں میں ہونے والے تمام مزاحمتی عمل پر بھاری ہیں۔ اِس حقیقت کے اِظہار میں تمام مسلم اور غیر مسلم اخبارات نے جو کچھ لکھا ہے، وہ انتفاضہ کے لیے خوشی و مسرت کا باعث ہے۔

انتفاضے کی سب سے بڑی کام یابی:

لیکن میرے خیال میں انتفاضے کی سب سے بڑی کام یابی، یہ ہے کہ ملعون اور چال باز دشمن کے ساتھ، تصادم کی تاریخ میں پہلی بار یہ ہوا ہے کہ اِس سے جہاد کا قضیہ اتنا نمایاں ہوا ہے جتنا ماضی میں کبھی نہ ہوا اور یہ اجاگر ہوا ہے کہ یہ تصادم اور کش مکش صرف اپنی بقا، زمینوں کی بازیابی اور حدود و ثغور کے لیے نہیں؛ بل کہ یہ لڑائی عقیدے، جہاد اور اسلام کی لڑائی ہے، جیسا کہ عربیت، اشتراکیت اور قومیت کے اُن بہادروں نے اِسی پہلو پر زور دینے کی راہ اختیار کی ہوئی ہے، جنھوں نے اسرائیل کے ساتھ جنگ کا علم اپنے ہاتھوں میں اٹھایا لیکن اُنھوں نے پیہم بد دیانتی اور مسلسل دھوکہ دے کر ۱۹۴۸ء سے لے کر جون ۱۹۶۷ء تک دشمنوں کو تسلیم نہ کرنے کے حوالے سے عربوں کے طاقت ور اور مضبوط اجماع کو ہمہ گیر دست برداری اور پسپائی میں تبدیل کر دیا۔ وہ عالمی، یہودی، صلیبی، اشتراکی اور مغربی سازشوں کا نہ صرف شکار ہوے؛ بل کہ عربوں کو مکمل بائیکاٹ کے موقف سے ہٹا کر اتنی فضیحت اور بے شرمی کے ساتھ دشمنوں کے ساتھ خوش گوار تعلقات قائم کرنے اور اس سے معاشقہ بازی کرنے کی راہ پر لگا دیا، جو انتہا درجے کی بزدلی، بے غیرتی ہے اور خطرناکی کے احساس اور رنج والم کی بے پناہی کے شعور سے محرومی کی عکاس ہے۔

مصر کے صدر انور سادات پہلے بد دیانت شخص نہ تھے اور نہ اسرائیل کا اُن کا پہلا

(۱) الیوم السابع، ص: ۱۲۳، ۱۳ر جون ۱۹۸۸ء ، بحوالہ انتفاضہ مبارکہ، ص: ۱۴۰۔

دورہ پہلی یا آخری بد دیانتی تھی اور نہ ہی کیمپ ڈیوڈ والا معاہدہ(۱) پہلا فریب، یا فلسطینی مسلمانوں اور عربی و اسلامی امت کے دل پر لگنے والا آخری گہرا زخم تھا؛ بل کہ اس سے پہلے بھی عہد شکنی اور غداری کی صورتیں نمایاں ہوتی رہی ہیں اور اِس کے بعد بھی(۲)

میں نے بار ہا یہ کہا ہے:

میں نے بار ہا یہ بات کہی ہے کہ مشرقِ وسطی کے قضیے کو سیکولرزم اور اشتراکیت کا رنگ دینا، اِسی طرح فلسطین اور اُس کی زمینوں کی آزادی کے قضیے کو خاک اور زمین کی

---

(۱) اِس پر سادات نے ۱۹۷۸ء میں دست خط کیے تھے۔

(۲) تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اردن نے اسرائیل سے ۱۹۴۹ء سے ہی سانٹھ گانٹھ شروع کردی تھی۔ اس کے بعد مارچ ۱۹۵۰ء، ستمبر ۱۹۶۷ء، ستمبر ۱۹۶۸ء، جنوری ۱۹۶۹ء، مارچ ۱۹۷۴ء میں ملاقاتیں اور مذاکرات؛ بل کہ بعض اہم اُمور پر معاہدے ہوتے رہے تھے۔ اِسی طرح فلسطین سے ۱۵۰۰ میل کے فاصلے پر واقع ایک عربی ملک یعنی مراکش، اسرائیل کے ساتھ پینگیں بڑھانے میں دگر عرب ملکوں سے بھی آگے بڑھ گیا تھا؛ حتی کہ مصر اور اسرائیل کا معاہدہ بھی مراکش کی تگ و تاز کا نتیجہ تھا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مراکش اور اسرائیل کے روابط اسرائیلی ریاست کے قیام کے بعد سے ہی شروع ہوگئے تھے۔ ۱۹۷۰ء سے تو اسرائیلی قائدین اور مراکشی حکام کے مابین باقاعدہ گھنیری اعلی سطحی ملاقاتیں اور مذاکرات روبہ عمل آتے رہے ہیں؛ بل کہ تنظیم آزادیِ فلسطین کو مصالحتی فارمولے پر عمل پیرا ہونے کے لیے، دستاویزات کے مطابق، مراکش نے ہی بھاؤ دیا اور اِس سلسلے میں ۱۹۷۳ء سے ہی مراکش کی سرزمین پر تنظیم کے نمایندوں اور اِسرائیل کے اعلی حکام کی خفیہ ملاقاتیں ہوتی رہی تھیں۔ بہ ہر کیف اسرائیل کے اعلیٰ قائدین میں سے تقریباً ہر ایک سے شاہانِ مراکش و قائدینِ مراکش کی، مراکش کی سرزمین پر اور خود اِسرائیل میں راز و نیاز کی باتیں ہوتی رہی ہیں۔ بعد میں تو پھر کھلے عام مذاکرات کی باڑھ سی آگئی، جو نہ صرف مراکش؛ بل کہ سارے قابلِ ذکر عربی و اسلامی ملک کو اپنی مرضی کی سمت میں بہالے گئی۔

چوں کہ شروع دن سے صہیونیوں کی یہ کوشش اور منصوبہ رہا تھا کہ عالمِ عربی میں موجود نسلی اور مذہبی اقلیتوں کو مسلم اکثریت کے خلاف اُبھار کر اپنے صہیونی توسیع پسندانہ عزائم کو بہ روئے کار لانے کے لیے استعمال کیا جائے؛ چناں چہ لبنانی عیسائیوں کے ذہن میں صہیونیوں نے ہمیشہ یہ بات جاگزیں کرنے کی کوشش کی کہ اگر ہم دونوں فرقے باہم مُتّحِد و متعاون رہیں، تو لبنان میں عیسائی ریاست اور فلسطین میں یہودی ریاست کے قیام و استحکام کی راہ آسان رہے گی؛ اِسی لیے ۱۹۴۸ء سے پہلے سے لبنان کے عیسائی صہیونیوں کے ساتھ فلسطین میں اُن کے آبسنے اور اپنی ریاست قائم کرلینے کے لیے ہر طرح کی مدد اُنھیں دیتے رہے ہیں۔ ۱۹۷۰ء سے تو اِن کا آپسی تعاون سارے عالم کے لیے عیاں ہوگیا تھا۔

آزادی کا قضیہ بنانا، یہ اِس سلسلے کی پہلی سازش تھی؛ چناں چہ جب اسرائیل عربوں اور مسلمانوں کے ساتھ عقیدے کی جنگ لڑتا رہا، عرب اور فلسطینی قائدین اشتراکیت اور سیکولرزم کا دم بھرتے اور اسلام اور عقیدے کو چھوڑ کر ہر قسم کا نعرہ لگاتے رہے۔ اگر دشمنوں کے ساتھ جہاد، اسلام اور دلوں میں جذبات کی شمع روشن کرنے والے، غصے کی آگ بھڑکانے والے، نیز غیرت وحمیت اور خودداری کے شعلے کو روشن کرنے والے عقیدے کی جنگ ہوتی، تو دست برداری، پس روی، درماندگی اور غدارانہ شکست کا منھ نہ دیکھنا پڑتا؛ نیز واشنگٹن کی تجاویز، موسکو کے وعدے، امن کے بے معنی منصوبے، سودے بازی اور بھید بھاؤ

۱۹۷۵ء - ۱۹۷۶ء میں جب عیسائیوں نے لبنان میں خانہ جنگی کی آگ سلگائی تو یہودیوں اور عیسائیوں کا باہمی تعاون انتہائی عروج پر آگیا؛ کیوں کہ لبنانی مسلمانوں کے خلاف اِستعمال ہونے والے سارے اسلحے لبنانی عیسائیوں کو صہیونیوں سے ہی ملا کرتے تھے، یہودیوں کا اِس سے یہ فائدہ ہوا کہ لبنانی مسلمانوں کی طرف سے اُن کی ناجائز ریاست کے خلاف ہر طرح کی مزاحمت عرصے تک کے لیے موقوف ہوگئی، یہ صورتِ حال اِس بات پر منتج ہوئی کہ اِسرائیل نے ۱۹۸۲ء میں لبنان سے ساری فلسطینی تنظیموں کو مار بھگایا اور اُنھیں ٹیونیشیا میں پناہ لینی پڑی۔

اسرائیل کے ساتھ صلح کے مُتعدِّی مرض سے تنظیمِ آزادیِ فلسطین، اپنے اُصول جس پر وہ قائم ہوئی تھی، سے انحراف کرتے ہوئے ۱۹۷۷ء سے شکار ہونا شروع ہوئی؛ بل کہ فرانسیسی پریس ایجنسی کے نامہ نگار "بیار بیل" کی تحقیق کے مطابق، تنظیم کے مصالحتی میلان کی تاریخ ۱۹۶۹ء تک جاتی ہے؛ لیکن زیادہ ٹھوس دستاویز کی روشنی میں اِس فلسطینی تنظیم اور یہودیوں کی باقاعدہ ملاقاتیں ۲۰/۳/۱۹۷۷ء (۲۷/۴/۱۳۹۷ھ) سے شروع ہوئیں۔ یاد رہے کہ تنظیمِ آزادیِ فلسطین ۱۹۶۴ء/۱۳۸۴ھ میں قائم ہوئی تھی۔ مصالحانہ مذاکرات کی راہ پر تنظیم کو دراصل اُس کے موجودہ (یعنی اِس وقت ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء میں) صدر ابو مازن محمود عباس نے ہی ڈالا تھا؛ اِسی لیے آج اگر فلسطینیوں کو اسرائیلی درندوں کے ہاتھوں بیچ کھانے کے لیے اگر یہ ناپسندیدہ شخص بے تاب ہے تو جائے تعجب نہیں۔

خود مصری سطح پر اِسرائیل کے ساتھ تعلقات کی داغ بیل صدر جمال عبد الناصر (۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء - ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء) نے تو ۱۹۵۴ء میں ہی ڈال دی تھی، جب اِخوان المسلمون کے ساتھ اُس نے تعلقات خراب کر لیے تھے، اِس لیے ۱۹۷۷ء میں سادات کا دورۂ اسرائیل اور مارچ ۱۹۷۹ء میں اسرائیل کے ساتھ امریکہ کی سرپرستی میں، کیمپ ڈیوڈ کے مقام پر معاہدۂ امن پر دستخط، کوئی اچنبھے کی بات نہ تھی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ سب سے بڑے اہم عربی ملک کی طرف سے دشمن کے ساتھ یہ باقاعدہ سپر اندازی کی کارروائی تھی، جس نے بعد میں سارے عربی ملکوں کو سپر انداز ہوجانے کی راہ ہموار کردی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے کتاب "التَّطْبِيْعُ اِسْتِرَاتِيْجِيَّةُ الْاِخْتِرَاقِ الصَّهْيُوْنِيّ" از غسان حمدان، دَارُ الْاَمان، بیروت، لبنان۔ پہلا ایڈیشن ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء، ص: ۳۲-۸۵)

کی کوششیں سامنے نہ آتیں۔ پھر نہ اقوامِ متحدہ قراردادیں پاس کرتی اور نہ اُس ملتِ کافرہ کے وزرائے خارجہ دورے پر دورے کرتے، جو ہم سے اُسی وقت راضی ہو سکتی ہے، جب ہم اُس کے پیروکار بن جائیں۔ اس ملت کے فرزند ہم سے اسی لیے ناراض ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لانے والے اور اُس کے رسول کی اتباع کرنے والے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ جب دشمن جری اور بے باک انتفاضے کو جھکا نہ سکا اور اُس کی راہ نہ روک سکا، تو وہ اور اُس کے حلیف، ماضی کی طرح دوسری بار، امن پر مبنی تجاویز پیش کرنے لگے؛ تاکہ وہ تحریکِ انتفاضہ کی طاقت اور اُس کی سرگرمی کو نچوڑ لیں، اُس کے انقلاب کی چنگاریوں کو بجھا دیں اور اُن فلسطینیوں کے غصے کی آگ کو ٹھنڈی کر دیں، جو چالیس سالوں سے جلاوطنی کی زندگی گزار رہے ہیں، دانے دانے کو ترس رہے ہیں، اُنھیں بہ زورِ طاقت جھکایا جا رہا ہے اور جسمانی ونفسیاتی تعذیب کے جاں گسل مراحل سے گزارا جا رہا ہے۔ جہاں تک دشمن کی بات ہے، تو وہ مسجدِ اقصیٰ، اِسرا، معراج اور قبلۂ اول کی سرزمین کی بے حرمتی کی راہ پر بے حیائی اور ہٹ دھرمی کے ساتھ رواں دواں ہے۔

اُن پیہم دست برداریوں سے بھی عربوں اور فلسطینیوں کو، کوئی فائدہ نہ ہوا، دشمن فلسطینیوں اور اُن کے واجب وجائز حقوق کے مفاد کے خانے میں جانے والے کسی بھی فیصلے کو مسلسل مسترد کرتا رہا، وہی دشمن، جس کی خواہش، عربوں کے ہمہ گیر بائیکاٹ کے وقت صرف یہ تھی کہ عرب صرف اُس کے وجود کو تسلیم کر لیں۔

انتفاضۂ مبارکہ سے، ہمیں بڑی امیدیں وابستہ ہیں، میرا پختہ یقین ہے کہ مکمل اسلامی شعور کے حامل یہ غیور فلسطینی نوجوان، داخلی اور خارجی دشمنوں کے خلاف اِس موقع کو نہ گنوائیں گے، اُن کو پھنسانے کے لیے بچھائے جانے والے جال میں نہ پھنسیں گے اور اشتیاق انگیز محرکات کے سامنے شکست نہ کھائیں گے اور نہ سازشوں کے فریب کا شکار ہوں گے اِن شاءَ اللہُ۔

❁ ❁ ❁

عربو! جس نے تمھیں خبردار کردیا، اُس نے کوتاہی نہیں کی (٭)

جنوبی لبنان پر حالیہ اسرائیلی جارحیت، عربوں، فلسطینیوں اور مسلمانوں کے خلاف، پہلی یا آخری جارحیت نہیں؛ بل کہ یہ اُس منصوبہ بند اور بلا انقطاع ہو رہی جارحیت کا تسلسل ہے، جو آیندہ بھی "مناسب وقت" میں، "مناسب سطح پر" اور "مناسب جگہ" میں رو بہ عمل لائی جاتی رہے گی۔ چوں کہ عربی اسلامی زمینوں کے قلب میں، جارحیت اور دہشت گردی کی مضبوط بنیاد پر بہ زورِ طاقت اسرائیلی پودے کی کاشت کی گئی تھی اور چوں کہ یہود کی فطرت میں جرائم، جارحیت اور دہشت گردی؛ نیز انبیاء اور صالحین کے قتل کے عناصر رچے بسے رہے ہیں- یہاں تک کہ یہودیوں پر لعنت بھیجی گئی اور اُن کے چہروں کو مسخ کرکے بندر اور خنزیر بنا دیا گیا- اس لیے اگر وہ، کسی بھی مقدار میں، دن اور رات کے کسی بھی حصے میں اور ہفتے، مہینے اور سال کے کسی بھی عرصے میں، دہشت گردی اور جارحیت کے کسی بھی طرح کے جرم کا ارتکاب کرے، تو اس میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ محض وقتی طور پر بھی یہ توقع رکھنی کہ اسرائیل جارحیت و دہشت گردی اور درندگی و بہیمیت کی راہ چلنی چھوڑ دے گا، ایسی توقع ہے جو صرف وہی نابلد اور احمق کرسکتا ہے، جو یہ توقع رکھے کہ شیر چیر پھاڑ کھانے کی عادت، چوہا کترنے کی فطرت، سانپ ڈسنے کے فطری عمل

(٭) ترجمہ اشراقہ، الداعی، بہ عنوان: "لَقَدْ أَعْذَرَ مَنْ أَنْذَرَكَ أَيُّهَا الْعَرَبُ" شمارہ: ۲، جلد: ۱۷، ربیع الاول- ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ = ستمبر ۱۹۹۳ء۔ ترجمہ اردو بہ تاریخ: ۲۱/۱۲/۱۴۲۷ھ = ۱۱/۱/۲۰۰۷ء۔

اور شیطان راہ بھٹکانے کی لعنت سے باز آجائے گا۔ جسے یہ یقین ہے کہ واقعی اسرائیل اخلاص کے ساتھ اپنے اور عربوں کے مابین کشیدہ تعلقات کو خوش گوار بنانے، یا پُر امن بقائے باہم کے اُصولوں کو قبول کرنے پر رضا مند ہو جائے گا؛ یا وہ واقعتاً ''زمین کے بدلے امن'' یا بلا معاوضہ صرف امن قائم کرنے کے لیے تیار ہو جائے گا، اُس کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی یہ خیال کرے کہ وہ سورج کی شعاعوں کو گرفتار کرلے گا، برف کی سِلوں سے گرمی اور آگ کے شعلوں سے ٹھنڈک حاصل کرلے گا؛ یا یہ تصور کرے کہ ہمالیہ پہاڑ، کل نہیں، آج ہی شام اپنی جگہ سے ٹل جائے گا۔

اسرائیل کی گوش مالی، ایک خواب وخیال:

جس شخص کا یہ اعتماد ہو کہ امریکہ، یا برطانیہ، یا فرانس، یا جرمنی، یا سارے یوروپی ممالک؛ اقوام متحدہ، یا سلامتی کونسل، یا جاپان، یا عوامی چین، یا دوہرا معیار اپنانے والا روس، آج، کل؛ یا تا قیامت کسی بھی دن اسرائیل کی- جس کا خمیر ہی جرائم اور جارحیت و دہشت گردی سے اٹھا ہے اور جسے تمام دہشت گرد و جارحیت پسند ممالک کی پشت پناہی حاصل ہے- گوش مالی کرے گا اور اُس کو اُس کے جرائم اور شرانگیزی سے روک دے گا، تو وہ ایک شاذ و نادر کے دائرے میں آنے والا بے وقوف ہے، جس کی تخلیق - اللہ کی تخلیق کی پشت پر بہت سے امور مخفی ہوتے ہیں - خالقِ کائنات اِس لیے کرتا ہے کہ آج کا انسان جان لے کہ وہ ماضی کی طویل تاریخ کے دورانیے میں اِنسانوں سے واسطہ نہ پڑنے والے، جدید اور بدترین قسم کی حماقت کی تخلیق پر بھی ٹھیک اُسی طرح قادر ہے، جس طرح وہ اُن جدید ترین امراض کو وجود بخشنے پر، جن سے ماضی کے طبیبوں کو واسطہ نہ پڑا تھا۔ جیسے ایڈز وغیرہ۔

عربی اسلامی مسائل کے حل کے لیے، اقوامِ متحدہ کا سہارا لینا، درحقیقت اپنے نفس کی اِصلاح کے لیے ابلیسوں کا سہارا لینا ہے اور ہدایت حاصل کرنے کے لیے، شیاطین

کے در پر حاضری دینے کے مترادف ہے۔ اِس کی مثال یہی ہے کہ ہم بکریوں کی جان بچانے کے لیے بھیڑیوں کے پاس جائیں اور جان و مال کے تحفظ کے لیے رہزنوں کے در پر حاضری دیں۔

تاریخی شہادتوں سے یہ بات یقین کی حد کو پہنچ گئی ہے کہ ''اقوامِ متحدہ'' کو صہیونیوں اور صلیبیوں نے، صہیونی مقاصد اور صلیبی جرائم کو بروئے کار لانے اور عربوں، مسلمانوں اور اُن کے مفادات کے خلاف ہر قسم کی جارحیت اور دہشت گردی کو نافذ کرنے کے مقصد کے تحت قائم کیا تھا۔

چناں چہ تاریخ نے چیخ چیخ کر یہ شہادت دے دی ہے کہ جن طاقتوں نے عربوں اور مسلمانوں کو دامِ فریب میں پھنسانے کے لیے اِس ادارے کی داغ بیل ڈالی تھی، اُنھیں طاقتوں کی وجہ سے یہودیوں کو فلسطینی زمین کو ہڑپنے، وہاں کے مسلم عوام کو ظلم وستم کی چکی میں پیسنے، اُنھیں جلاوطن اور تہ تیغ کرنے؛ نیز اُنھیں اذیت ناک سزائیں دینے اور اُن کی قدیم اور تاریخی تہذیب کا تیا پانچہ کرنے کی قدرت ملی۔

تاریخ نے یہ ریکارڈ کیا ہے کہ:

تاریخ نے یہ نوٹ کیا ہے کہ ۱۹۴۷ء میں اقوامِ متحدہ کی طرف سے ارضِ فلسطین کی تقسیم والی قرار داد ہی کی وجہ سے، اسرائیل نام کے ناجائز بیج کو کھاد پانی ملنے اور تناور درخت بننے کا موقع میسر آیا اور یہ کہ قرار داد نمبر ۲۴۲، اسرائیل کے متحدہ عربی بائیکاٹ اور اُس ملعون اور ذلیل دشمن کو تسلیم نہ کرنے کے سلسلے میں سرکاری عربی اِجماع کے حوالے سے، عربوں کی ثابت قدمی کی سیسہ پلائی دیوار میں پہلا سیندھ تھا۔ واضح رہے کہ بائیکاٹ کا یہ متفقہ فیصلہ ۱۹۴۸ء سے لے کر، جون ۱۹۶۷ء کی جنگ میں عربوں کی شکست تک انتہائی اور مکمل طور پر مؤثر رہا۔

اُس قرار داد کو- جس کی رُو سے اسرائیل کے وجود کو، عربوں کے ذریعے تسلیم کر لینے

کے بدلے، مقبوضہ عرب زمینوں سے انخلا کرنا تھا؛ نیز ''فلسطینی مسئلہ'' کو حل ہونا تھا اور قدس میں موجود مقدس مقامات کے لیے خصوصی پوزیشن کی گارنٹی حاصل ہونی تھی۔ عربوں نے منظوری کیا دی کہ یہ اسرا اور معراج کی سرزمین پر یہودیوں کے وجود کو مسترد کرنے والے عظیم عربی موقف کے حوالے سے پہلی پس روی ثابت ہوگئی؛ اس لیے کہ ۱۹۶۷ء میں ہتھیائی گئی زمینوں سے اسرائیلی انخلا کے محض وعدے کے بدلے اسرائیل کے لیے عربی حکومتوں نے پرامن سرحدوں کی منظوری دے دی۔

انور سادات کی بددیانتی:

اُسی دن سے تصفیے کی تجاویز، صہیونیوں کے وجود اور اُن کے ساتھ پُرامن بقائے باہم کے اُصولوں پر مشتمل متعدد منصوبوں کو عربوں کی طرف سے بے تکان منظوری ملنے لگی اور اُسی دن سے عربی اور اسلامی مفادات پر شب خوں مارنے کا نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہوگیا۔ عربی اور اسلامی مفادات کے ساتھ عربوں کی بددیانتی کی سب سے واضح مثال انور سادات کی بددیانتی ہے کہ اُنھوں نے ۱۹۷۷ء میں مقبوضہ بیت المقدس کا دورہ کرنے کے بعد ۲۶/مارچ ۱۹۷۹ء کو صہیونیوں کے ساتھ تنہا شکست خوردانہ معاہدہ کرلیا۔ بات یہیں پر ختم نہ ہوئی بل کہ ۱۸/نومبر ۱۹۸۰ء کو قاہرہ میں اسرائیلی سفارت خانہ کا آغاز کردیا گیا اور ۲۶/فروری ۱۹۸۰ء کو اسرائیل میں مصر کا سفارت خانہ بھی کھول دیا گیا۔ اس کے افتتاح کے ساتھ ہی عربی اسرائیلی تعلقات کے ایک نئے عہد اور حیرت انگیز رویّے کا آغاز ہوا، جس کو انور سادات نے - جو بڑے پیش رو، ''قومی''، ''وطنی''، ''انقلابی'' فرعون صفت رہ نما: جمال عبد الناصر کے بہترین جانشیں تھے - ''خوش گوار تعلقات'' کا نام دیا۔

اِس کے بالمقابل اسرائیل، روزِ اول سے، ان سطور کے سپردِ قرطاس کرنے کی تاریخ: ۱۱/اگست ۱۹۹۳ء تک اَصحابِ مکان فلسطینیوں اور تمام عربوں کے ساتھ عموماً، جارحیت ودہشت گردی کے ہر قسم کے ان گنت جرائم کا ارتکاب کرتا رہا ہے۔ یہ سب کچھ

نام نہاد اقوامِ متحدہ کی شہ پر اور صلیبی و یوروپی ممالک -جن میں سرفہرست امریکہ اور برطانیہ ہے- کی حوصلہ افزائی کے چھتر چھایے میں ہورہا ہے، ان تمام مجرمانہ کارروائیوں کو تمام اسلام مخالف طاقتوں (سارے دشمنانِ اسلام کُفّارِ عالَم، جن کی ملت ایک اور شکلیں کئی ایک ہیں) کی حمایت حاصل ہے۔

اقوامِ متحدہ کا جانب دارانہ رول:

اقوامِ متحدہ اِس طویل دورانیے میں قرارداد پر قرارداد پاس کر کے عربوں کو دھوکہ دیتی رہی اور مغربی صلیبی ممالک اسرائیل کو ہری جھنڈی دکھاتے، مادی تعاون پیش کرتے اور ہتھیار و جنگی ساز و سامان سے لیس کرتے رہے۔ دوسری طرف یہی ممالک عربوں کو بہلاتے اور پھسلاتے رہے؛ تا کہ اُن کا لے پالک اور معشوق اسرائیل، وقتی طور پر کھلی جنگ، دائمی طور پر مجرمانہ دہشت گردانہ اور بلا انقطاع و لامحدود جارحانہ کارروائیوں کو روبہ عمل لانے کی راہ سے اطمینان و سکون کے ساتھ اپنے توسیع پسندانہ عزائم کو بروئے کار لانے اور نیل سے لے کر فرات تک اپنی سرحد کی توسیع کے عمل میں تیزی کے ساتھ اور مسلسل لگا رہے۔ اسرائیل یہ سب کچھ اقوامِ متحدہ کی تمام نام نہاد قراردادوں، دھوکے باز یوروپ و امریکہ کے تمام دباؤ اور سلامتی کونسل کی ہر بے وزن جد و جہدِ اَمن کو واضح طور پر چیلنج کرتے ہوئے انجام دیتا رہا ہے۔

تاریخ نے یہ مشاہدہ کیا کہ اقوامِ متحدہ میں سرگرمِ کار صہیونیت کی پشت پناہ صلیبی اور مغربی اقوام نے، نام نہاد بین اقوامی قراردادوں میں سے کسی قرارداد کو ماننے پر اسرائیل کو مجبور کرنے کی جرأت نہیں دکھائی -بل کہ اِس کی کسی درجے میں کوشش بھی نہ کی- اور تاریخ نے یہ بھی مشاہدہ کیا کہ مغربی یا مشرقی ملکوں کا کوئی دباؤ، کسی بھی وقت اور کسی بھی جگہ، من چاہی کارروائی کرنے کے اسرائیلی ارادوں کی راہ نہ روک سکا۔

اقوامِ متحدہ اور یوروپی ممالک کا کیا کہنا، اُنھوں نے تو بد باطن اور ناپاک یہودیوں

کے خلاف، اُس کے وجود سے لے کر اب تک ذرہ برابر طاقت کے استعمال کی کوشش نہیں کی؛ بل کہ عربوں کو ''ادب'' سکھانے اور فلسطینیوں کو سزائیں دینے کے حوالے سے اسرائیل نے، جو''شاندار'' کام یابی حاصل کی ہے، اُس پر بہ طورِ انعام، اُس کو پے در پے مادی، معنوی اور جنگی تعاون کا تحفہ پیش کرتے رہے اور یہ سب مل کر جدید ترین ہتھیاروں، تجربات اور جنگی ٹکنالوجی سے اسرائیلی اسلحے خانے کو طاقت ور اور مستحکم بناتے رہے؛ تاکہ وہ پورے خطے میں سب سے طاقت ور ملک بن کر، عربوں کو تہذیب و شایستگی کا سبق سکھانے اور آخرش عربوں اور مسلمانوں کی زمین پر، اپنے توسیع پسندانہ عزائم کو پایے دار شکل میں برپا کرنے پر قادر ہو سکے۔ اِس کے برخلاف اقوامِ متحدہ اور یورپی ممالک نے عربوں کو تمام ترقی یافتہ ہتھیاروں سے تہی دست کرنے اور اسرائیل کے تمام پڑوسی عربی ملکوں کو خصوصاً اور اُس کے غیر پڑوسی عربی ممالک کو عموماً کم زور کرنے کی کوشش کی۔ یہ کام عربوں کو جال میں پھنسانے اُن سے بے گار لینے اور ذلیل کرنے؛ نیز آسانی کے ساتھ اُن کے سرمایوں کو چوسنے اور اُنھیں اسرائیل کا لقمۂ تر بنا دینے کے مقصد سے مسلسل سیاسی اور عسکری کھیل اور ڈراموں کی راہ سے انجام دیا جاتا رہا ہے۔

یوروپی ممالک، امریکہ اور اُس کی قانونی چھتری ''اقوامِ متحدہ'' کا دوہرا رویّہ اور عالمی معاملات؛ نیز عربی اسلامی قضیوں کے حوالے سے اُس کا دورُخا معیار نہ محتاجِ بیان ہے اور نہ ہی اُس پر کوئی دلیل پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

کویت پر عراق کے جارحانہ حملے کی مذمت:

حال آں کہ تقریباً تمام عالمی طاقتوں نے اتحاد کا مظاہرہ کرتے ہوئے، کویت پر ظالمانہ اشتراکی بعثی عراقی حملے کی کھل کر مذمت کی تھی؛ لیکن یہ سب کچھ خلیجی بحران کے تعلق سے اُن تمام حالات کے منطقی نتیجے تک پہنچنے کے بعد ہوا، جنھیں امریکہ اور یورپی ملکوں نے اوّلاً اور بعثی اشتراکی صدام نے ثانیاً، ہم عربوں اور مسلمانوں کے سر تھوپا تھا۔ میں نے اوّلاً کی قید

اِس لیے لگائی ہے کہ امریکہ اور اُس کے اسلام مخالف حلیفوں نے ہی، اِس پورے ڈرامے کا تانابانا تیار کیا تھا اور اُنھوں نے ہی انتہائی ہوشیاری، شیطان کی مکّاری اور ابلیس کی چال بازی کا بھر پور مظاہرہ کرتے ہوے، اِس ڈرامے کو اسٹیج کیا تھا اور ثانیاً کی قید لگانے کی وجہ یہ ہے کہ سرکش، ڈکٹیٹر اور اشتراکی صدام حسین[1] ہمیشہ امریکہ اور اُس کے حلیفوں کا گماشتہ رہے اور پورے ڈرامے کے اسٹیج ہونے اور ایک ایسے عربی ملک-عراق-کو نہتا کرنے تک اس پر اٹل رہے اور ہنوز ہیں، جو طاقت میں قریب قریب اسرائیل کا ہم پلہ ہے اور اس کو، نیز اُس کے تمام انڈے اور بچے کو "ادب سکھانے" کی طاقت رکھتا ہے، بشرطے کہ اُس کا قبلہ درست ہو، اُس کی نیت میں کھوٹ نہ ہو اور اُس کی زمامِ کار نا آشنائے عربیت و اسلام صدام حسین جیسے شخص کے ہاتھوں میں نہ ہو، جو عالمِ عربی کے عربوں اور مسلمانوں کے خلاف مغربی اور امریکی سازشوں کو بروئے کار لانے کے لیے دست و بازو کا کام کرتا رہا۔ حالات کے معمول پر لوٹنے کے بعد مغربی ممالک، خود امریکہ اور اس کی "اقوام متحدہ" کی صدق دلی کے حوالے سے عالمی سطح پر بہت سے ناگزیر سوالات نے جنم لیا اور تا دمِ تحریر جنم لے رہے ہیں؛ کیوں کہ پوری تاریخ کے دوران، اُن میں سے کسی نے ایک بار بھی اِسرائیل کے خلاف کوئی ایسی عسکری یا نیم عسکری یا کم از کم "تادیبی" کارروائی کرنے کی جانب پیش قدمی نہ کی، جو اسرائیلی غرور و تکبر، اُس کی ہٹ دھرمی اور دندناہٹ کی کوئی حد مقرر کر سکے۔

زائد از چار سو فلسطینیوں کی جلاوطنی:

حال ہی میں اسرائیل نے چار سو سے زائد فلسطینی باشندوں کو جنوبی لبنان کے علاقہ "مرج الزہور" میں جلاوطن کر دیا، جس پر کچھ دن ہوے کہ اسرائیل نے اپنی شہریوں کی

(۱) یہ تحریر عربی میں ربیع الاوّل ۱۴۱۴ھ = ستمبر ۱۹۹۳ء میں لکھی گئی تھی اب جب کہ رمضان ۱۴۲۸ھ/ ستمبر-اکتوبر ۲۰۰۷ء میں اِس کے اردو ترجمے کو طباعت کے لیے تیار کیا جا رہا ہے، صدام حسین کو امریکہ کی شہ پر؛ بل کہ اُس کے حکم سے، عراق کی کٹھ پتلی نوری مالکی کی حکومت، بہ وقتِ قبیلِ صبحِ صادق بہ روز شنبہ ۱۰رذی الحجہ (بہ تقویم عالمِ عربی) ۸رذی الحجہ ۱۴۲۷ھ (بہ تقویم ہندوستان) مطابق ۳۰ردسمبر ۲۰۰۶ء پھانسی دے چکی ہے۔

تا ابد رہائی اور وہاں تک اپنے رقبے کی توسیع کے مقصد سے مسلسل بم باری کی۔ اس کھلی جارحیت کے خلاف افراد اور تنظیموں نے احتجاج کیا اور ''اقوام متحدہ'' اُس کے آقا ''امریکہ'' اور یوروپی ممالک کی طرف دنیا کی نظریں اٹھیں؛ مگر سب لا حاصل۔ اُلٹے امریکہ نے اسرائیل کو بڑی مادی مدد پیش کی؛ نیز یہودیوں اور عربوں کے درمیان امن مذاکرات کے نام سے انتہائی ناپاک ڈرامے کی دَل دَل میں پھنسا کر، عربوں کی توجہ اصل مسئلے سے ہٹانے کا کام کیا۔ بعض متعلقہ عرب ممالک -- جن کا دامن قومی، اسلامی اور عربی شعور کے سرمایے سے خالی ہے - نے بھی اِس ڈرامے میں حصہ لیا، حال آں کہ چار سو فلسطینیوں کی جلاوطنی کو ابھی زیادہ وقت نہ گزرا تھا۔

یورپ کا ظلم و بربریت:

بوسنیا اور ہرزے گووینا میں — جہاں صلیبی، آرتھوڈکسی، صربی، کیتھولیکی اور کرواتی دہشت گردوں کے ہاتھوں مسلمانوں کو اِس طرح وحشت و بربریت کے ساتھ موت کے گھاٹ اُتارا جا رہا ہے(۱)، جس کی نظیر تاریخ انسانی نے ماضی میں کیوں دیکھی ہوگی —

(۱) اپریل ۱۹۹۲ء (رمضان ۱۴۱۲ھ) سے تقریباً پانچ سال تک صربی نسل کے آرتھوڈکس عیسائیوں نے — جنھیں سارے یورپ کے ہر مسلک کے عیسائیوں کی فی الجملہ تایید وتعاون حاصل تھا — ''بوسنیا ہرزے گووینا'' جو خطۂ بلقان کا حصہ ہے، کے مسلمانوں کا، جس طرح تذلیل اور بربریت کے ساتھ منصوبہ بند طریقے سے قتلِ عام کیا، اِس کی نظیر تاریخ انسانی میں شاذ و نادر ہی ملے گی۔ صرف ایک سال کے عرصے میں یعنی اپریل ۱۹۹۳ء تک ایک لاکھ پچاس ہزار (۱۵۰۰۰۰) مسلمانوں کو قتل کر دیا گیا، دس لاکھ (۱۰۰۰۰۰۰) مسلمانوں کو ملک بدر کر دیا گیا، ڈیڑھ لاکھ (۱۵۰۰۰۰) مسلمانوں کو بری طرح مجروح کر دیا گیا، ایک لاکھ ساٹھ ہزار (۱۶۰۰۰۰) مسلمانوں کو تعذیبی کیمپوں میں رکھ کر، اُن پر ظلم و وحشت کا ایسا پہاڑ توڑا گیا، جس کی داستان سن کر کلیجا منھ کو آنے لگتا ہے۔ پندرہ ہزار (۱۵۰۰۰) مسلمان معذور و بے کار ہوگئے اور منظم طریقے سے کم از کم چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) مسلمان عورتوں کی اجتماعی آبروریزی کی گئی؛ تا کہ اُن کے بطن میں عیسائی بچے پرورش پا سکیں! اور اُن کی اور اُن کے ہم مذہبوں کی نیز اُن کے مذہب کی پوری دنیا میں تذلیل ہو!۔ بعد کے سالوں میں یہ تعداد تین گنی ہوگئی؛ نیز کم از کم (۸۰۰) آٹھ سو مسجدیں اور بے شمار ثقافتی تاریخی مقامات کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ (دیکھیے کتاب "اَلْبُوسْنَۃ وَالْهَرْسَك .. حَقَائِقُ وَأَرْقَامٌ" از استاذ خالد اُصور، سلسلہ دعوۃ الحق، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ، شمارہ (۱۶۶)، شوال ۱۴۱۶ھ)۔

یوروپ، امریکہ، اُس کی اقوامِ متحدہ اور اُس کے ہٹ دھرم اور سرکش مسیحی صدر کے رویوں کا بھانڈا پھوٹ گیا ہے، اِن تمام موقف میں یوروپ نے صلیبی دہشت گردوں کو اتنا وقت دینے کے مقصد سے ٹال مٹول، اکتا دینے والی تاخیر اور کھوکھلے مذاکرات سے کام لیا، جتنے وقت میں وہ یوروپ کے اُس خطے میں اسلامی وجود کا بالکل صفایا کر سکے، وہی یورپ جہاں کے پرستارانِ صلیب نے بیک آواز دوٹوک انداز میں کئی بار کہا کہ وہ یہاں اسلامی وجود کو کسی قیمت پر برداشت نہیں کریں گے۔(۱)

یورپی ممالک، امریکہ اور اُس کی ''داشتہ'' اقوامِ متحدہ، ہر مسلم اور عربی ملک کے خلاف ہر قسم کی گھناؤنی اقتصادی، عسکری یا سیاسی قرارداد پاس کرنے اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اُس کو روبہ عمل لانے میں اتنی جلدی مچاتے ہیں کہ گویا اُس کے نفاذ میں تھوڑی سی تاخیر کی وجہ سے آسمان زمین پر آگرے گا اور قیامت اپنے وقت سے پہلے آجائے گی؛ جب کہ اگر معاملہ کسی غیر عربی، غیر اسلامی اور ان دونوں سے پرخاش رکھنے والے ملک کا ہو، تو یہ سب اُس کے خلاف کوئی بھی قرارداد پاس کرنے کے سلسلے میں انتہائی صبر آزما ٹال مٹول سے کام لیتے ہیں۔

عربوں کو عقل کے ناخن لینے کی ضرورت:

مذکورہ باتوں کے سبب- اور اِس طرح کی صورتِ حال پہلے بھی ہزاروں مرتبہ پیش آچکی ہے- از سرِ نو یہ یقینی ہو جاتا ہے کہ عربی یا اسلامی کسی بھی قضیے، خصوصاً قضیۂ فلسطین کے حوالے سے، جس کا نام خود مغربی ممالک نے کسی غرض یا مرض کی وجہ سے ''قضیۂ مشرق

(۱) اس کا کچھ اندازہ، اِس سے کیا جا سکتا ہے کہ اپریل ۱۹۹۲ء میں مسلمانوں کے صربیوں کے ہاتھ قتلِ عام شروع ہونے کے بعد، جون ۱۹۹۳ء میں ''اَتھینس'' میں آرتھوڈکس کلیسا کے پوپِ اعظم نے، صربیوں کی مالی و مادی مدد کے لیے زبردست اِجلاس منعقد کیا، جس کا سلسلہ عرصے تک جاری رہا، جس میں سارے عیسائی مقررین نے اِسلام اور مسلمانوں کے خلاف، زبردست آتش نوائی کی، ایک مقرر نے تو یہ تک کہ ڈالا کہ ''اسلامی سانپ کو مارنے کے لیے، ایک مضبوط آرتھوڈکسی فولادی کمان کی تیاری ناگزیر ہے۔'' (دیکھیے حوالۂ سابق، ص: ۴۷ اور ص: ۵۵)۔

وسطیٰ'' رکھ دیا ہے، امریکہ یا مغربی اور مشرقی طاقتوں، یا اقوامِ متحدہ پر نگاہیں مرکوز کرنا، سراسر فریب، سراب کا سہارا لینا اور بچکانہ عمل ہے اور یہ کہ اسرائیل سے نمٹنے نیز کھوئے ہوئے عربی وقار و اعتبار کی بازیابی اور فلسطین کی آزادی کا واحد راستہ، یہی ہے کہ عرب ہوش کے ناخن لیں، پھر سے اسرائیل کا ہمہ گیر بائیکاٹ کریں اور تینوں نفیوں - (اسرائیل کے ساتھ نہ صلح ہوگی، نہ اُس کا وجود قابلِ تسلیم ہوگا اور نہ اُس کے ساتھ بات چیت ہوگی) کے بطن سے جنم لینے والے حقیقت پسندانہ عظیم موقف کی طرف بازگشت کریں، جنھیں خرطوم کی عرب چوٹی کانفرنس نے اپنی قرارداد میں اُجاگر کیا تھا، نیز اُس عسکری عمل کی ترجیح کی راہ پر لوٹیں، جس پر اسرائیل ہمیشہ اپنی بقا کا دار و مدار رکھتا آ رہا ہے، جب کہ دوسری طرف وہ عربوں کو اتنے ذلت آمیز انداز میں تہی دست کرتا رہا ہے، جو کسی بھی غیور کے شایانِ شان نہیں، چہ جائے کہ یہ اُن عربوں کو زیب دے، جن کا خمیر ہی غیرت و خودداری اور دشمنوں سے انتقام لینے سے اٹھا ہے، خواہ اِس کے لیے اُنھیں جان و مال کی کتنی ہی قربانی پیش کرنی پڑے، عربوں کو یہ ذہن نشیں کر لینا چاہیے کہ امن مذاکرات کا ڈرامہ اُن پر اِس لیے تھوپا جا رہا ہے، تاکہ اسرائیل کے ہاتھوں اُنھیں غلام بنانے کی کارروائی کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا جا سکے۔ مجھے توقع ہے کہ عرب اِس بات کو کل کے ''چاشت کے وقت'' سے پہلے سمجھ لیں گے۔ اے اللہ! ہم تیری فتح و نصرت کی آس لگائے بیٹھے ہیں۔



غزہ اور اریحا والا معاہدہ..
فاتح کے پانے اور مفتوح کے کھونے کے منفی عمل کا نتیجہ (*)

''غزہ پٹی اور اریحا پہلے'' والا معاہدہ، جس پر یاسر عرفات (۱۳۴۸ھ/ ۱۹۲۹ء - ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء) اور صہیونیوں نے دست خط ثبت کر دیے ہیں [1]، یہ معاہدہ اُن واقعات میں سرِ فہرست ہے، جن پر پوری دنیا کے صحافیوں اور میڈیا والوں نے بھرپور توجہ دی

(*) ترجمہ کلمۃ المحرر، الداعی شمارہ: ۳، جلد: ۱۷، ربیع الثانی - جمادی الاولی ۱۴۱۴ھ = اکتوبر ۱۹۹۳ء۔ ترجمہ اردو: ۱۴۲۷/۱۲/۲۲ھ = ۲۰۰۷/۱/۱۲ء۔

(۱) اِس معاہدے پر اسرائیل کی طرف سے اُس کے وزیر اعظم ''اِسحاق رابین'' نے دست خط کیے تھے، جس کی پاداش میں ایک متعصب اور انتہا پسند یہودی نے ۱۹۹۵ء میں اُس کی جان لے لی؛ کیوں کہ یہ معاہدہ بھی، جو سراسر اسرائیلی مفادات کے مطابق تھا، اُس کے نزدیک اور اُس جیسے بہت سے صہیونیوں کے نزدیک ''قومی خیانت'' تھا جس کا ارتکاب اِسحاق رابین نے کیا تھا!۔

واضح ہو کہ اسرائیل اور فلسطینیوں کے مابین مصالحانہ مذاکرات ''کیمپ ڈیوڈ ۲'' کے عنوان سے بہ روز سہ شنبہ: ۹ر ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۱ر جولائی ۲۰۰۰ء سے شروع ہوے تھے۔ اِن مذاکرات کی سرپرستی اور صدارت صدرِ امریکہ ''بل کلنٹن'' نے کی تھی۔ لیکن پہلے دور کے یہ مذاکرات بہ روز چہار شنبہ ۲۴ر ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۶ر جولائی ۲۰۰۰ء تک ہی جاری رہ سکے؛ کیوں کہ شہر قدس کے مسئلے پر اسرائیل کے یک طرفہ موقف پر اِصرار کی وجہ سے مذاکرات ناکام ہو گئے تھے۔ یاسر عرفات کا اُس وقت کا یہ موقف باعثِ تعریف تھا کہ اُنھوں نے اسرائیل کے اِس موقف کو سختی سے مسترد کر دیا تھا کہ شہر قدس مکمل طور پر اِسرائیل ہی کا دار الحکومت رہے گا؛ چناں چہ جب وہ کیمپ ڈیوڈ سے فلسطین لوٹے تو مسلمانوں نے اُن کا زبردست استقبال کیا؛ لیکن بعد میں وہ اپنے موقف پر قائم نہ رہ سکے؛ کیوں کہ اسرائیل اور امریکہ کے مکر و فریب کے سامنے ہر اُس قائد کو ڈھیر ہو جانا ہے، جو اِن دونوں سے راہ و رسم بڑھائے گا!۔

بالخصوص عالمِ عربی وعالم اسلامی کے ذرائع ابلاغ کی توجہ کا یہ معاہدہ مرکز رہا: کیوں کہ یہ حادثہ" سانحہ" عالمِ عرب واسلام کا سانحہ ہے اور عربی واسلامی ضمیر کی گہرائیوں پر اثر ڈالنے والا ہے۔

اِس حادثے کے نتیجے میں اتنی تیزی سے تبدیلیاں رونما ہوئیں کہ اِن کی وجہ سے میڈیا والوں کو اِس کے کوریج، اِس پر مسلسل نظر رکھنے اور اس کے تحلیل و تجزیے کے عمل سے اُنھیں پھانس سی لگ رہی ہے۔

اِبلاغ والے دو دھڑوں میں منقسم ہیں۔ایک دھڑا غیر اسلامی ہے، جس میں مشرق و مغرب اور عرب کے سیکولر اور "اعتدال پسند" یا عربی اور اسلامی ممالک میں مغرب کے ہدایت یافتہ منصوبہ بند ذرائع ابلاغ میں سرگرمِ عمل صحافی شامل ہیں۔

دوسرا گروپ اسلام پسندوں کا ہے، جس میں بھی مختلف نقطۂ ہائے نظر اور دل چسپیاں رکھنے والے صحافیوں کی ٹیم ہے۔

خیر، ہر ایک نے اِس معاملے/ انسانی المیے پر اپنے اپنے رجحانات کے چوکھٹے میں معاملے کا جائزہ لیا، رجحانات خواہ اس کے اپنے شخصی رہے ہوں یا سرکاری۔

غیر مسلم صحافیوں نے اِس واقعے کو اِس طرح پیش کیا کہ گویا یہ صرف "مشرقِ وسطی" یا عالمِ عربی اور عالمِ اسلامی کی سطح پر نہیں؛ بل کہ عالمی سطح پر۔ جس میں اُس کا بڑا دھڑا: خوب صورت اور ناز و نخرے والی حسینہ یعنی اسرائیل کی سرپرستی کرنے والا امریکہ اور یورپ بھی شامل ہے۔عصرِ جدید کی سب سے بڑی کام یابی ہے۔

بالخصوص تعلقات کو "قدرتی بنانے" کے حامی عربی صحافیوں نے "یاسر عرفات" اور اُن غدارانہ اور نامعقول معاہدے کی دَل دَل میں پھنسنے والے اُن کے رفقائے کار کو ٹھیک وہی وصف دے دیا ہے اور ہنوز دے رہے ہیں، جس وصف سے اِسلامی تاریخ نے، انبیا کی سرزمین فلسطین کو صلیبیوں کی گندگی سے صحیح معنوں میں پاک کرنے والے اسلام کے سپوت فرزند: سلطان صلاح الدین ایوبی کو یاد کیا تھا۔

اِس واقعے کو اسلام پسند صحافیوں نے واقعی ایک مصیبت باور کیا ہے، جو اُس مصیبت سے بھی خطرناک ہے، جو انور سادات نے بیت المقدس کے اپنے دورے اور دشمن کے ساتھ اپنے غدارانہ معاہدے کی راہ سے مسلم عربوں کے سر لادی تھی، ہر چند کہ معشوق اسرائیل کے ساتھ معاشقے بازی کے میدان میں اُنھیں اَوَّلِیَّت حاصل ہے، تاریخ نے اُن کی اِس اَوَّلِیَّت کو ریکارڈ کرلیا ہے اور حکیم و قادرِ مطلق کے منشا کے مطابق یہ آدمی اپنے عشق "معصومانہ" ہی کی بھینٹ چڑھ گیا۔

دوسرے اسلام پسند صحافیوں کی طرح ہمارے لیے، اِس سے راہِ فرار نہ تھی کہ ہم اِس دردناک واقعے اور عرفات کی اِس خطرناک بددیانتی کا جائزہ لیں۔

قارئین اُس مضمون میں جو اگلے صفحے سے شروع ہو رہا ہے، یہ محسوس کریں گے کہ اِس واقعے کا تذکرہ ہماری اُن توجّہات میں سرفہرست ہے، جن کو ہم نے اولیت اور ترجیح دی ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ آیندہ شماروں میں بھی ہماری خاص توجّہ کا مرکز رہے۔



غزہ-اریحا معاہدہ، خیانتی عمل کا تسلسل (•)

یاسر عرفات اور فلسطینی قضیے کی تجارت کرنے والے اشتراکیت کے علم بردار اُن کے سیکولر رُفقا کی اسرائیل کے ساتھ مصالحت اور ۱۳ر ستمبر ۱۹۹۳ء = ۲۵ر ربیع الاول ۱۴۱۴ھ کو ''غزہ-اریحا اولاً'' (غزہ اور اریحا پہلے) والے معاہدے پر دست خط کرنا، کوئی اچانک پیش آنے والی بات نہیں، جس پر روزِ اوّل سے آج تک قضیۂ فلسطین پر گہری نظر رکھنے والے اسلام پسند تجزیہ نگاروں، صحافیوں، سیاست دانوں اور قلم کاروں کو حیرت و استعجاب ہو۔

چناں چہ ''یاسر عرفات اور ان کے گروپ کے لوگ (جو قولاً و عملاً سیکولرزم، اشتمالیت اور قومیت پسندوں کے ہم نوا ہیں اور جنھیں اسلام پسندوں سے ازلی دشمنی ہے اور جن کا مقصد قضیۂ فلسطین کو محض ایک فلسطینی، غیر اسلامی اور غیر عربی اور زمین، رہائش گاہ اور مکان کا قضیہ بنا ڈالنا اور اُس کو ایسے دینی، عقائدی اور اسلامی سرزمین کے قضیے کی حیثیت سے عاری کر دینا ہے، جس سے دست بردار ہونا، یا اُس سلسلے میں یہودیوں کے ساتھ مصالحت اور سودے بازی کرنا، ساری دنیا کے مسلمانوں کے لیے بھی جائز نہیں) مسلسل صہیونیوں کے ساتھ مضبوط خفیہ تعلقات قائم کرنے اور اُن کے ساتھ رابطے اور میٹنگیں کرنے میں جُٹے رہے ہیں (۱)، یہ لوگ ثالثی کا رول ادا کرنے والوں کی تلاش میں سرگرداں

(•) ترجمہ کلمۃ العدد، الداعی، بہ عنوان: ''اِتِّفَاقُ غَزَّةَ - أَرِيحَا أَوَّلاً... وَالْمُسَلْسَلُ الْخِيَانِيُّ'' شمارہ: ۳، جلد: ۱۷، ربیع الثانی - جمادی الاولی ۱۴۱۴ھ = اکتوبر ۱۹۹۳ء۔ ترجمہ اردو: ۷ر محرم ۱۴۲۸ھ = ۲۷ر جنوری ۲۰۰۷ء۔

(۱) ۲۰ر ۳ر ۱۹۷۷ء سے تو باقاعدہ علانیہ تعلقات اور میٹنگیں اسرائیل کے ساتھ تنظیمِ آزادی والے کرنے لگے تھے؛ بل کہ فرانس پریس ایجنسی کے نامہ نگار (جس نے ایجنسی کے لیے مسلسل دس سال یعنی ۱۹۷۳ء سے ۱۹۸۳ء تک کام کیا) کی تحقیق یہ ہے کہ فلسطینیوں کے بعض گروہوں کے اِسرائیل سے، ۱۹۶۹ء سے ہی روابط رہے ہیں؛ کیوں کہ اُسی سال ←

رہے ہیں اور فلسطین میں یہودیوں کے حق اور اُن کے حوالے سے پُر امن بقائے باہم کے اُصولوں پر عمل کرنے کے عوض اُن کی طرف اِس لیے ذلت کا ہاتھ پھیلاتے رہے ہیں کہ وہ کسی طرح صلح پر آمادہ ہو جائیں اور اِن کے لیے مقبوضہ اراضی کے چند بالشت ٹکڑوں پر نام نہاد خود مختار حکومت قائم کرنے کا موقع دے دیں، جو خواہ روٹی کے سوکھے ٹکڑے کے برابر بھی نہ ہو۔

اِسلام پسند اہلِ قلم کی حقیقت کشا کتابیں:

اِسلام پسند اہلِ قلم اور صحافی، معراج و اِسرا کی زمین: فلسطین اور وہاں رونما ہونے والے واقعات اور تبدیلیوں کے موضوع پر جو کتابیں تالیف کرنے میں ہمہ تن منہمک رہے ہیں، اُن میں اسرائیل کے ساتھ اُن عشقیہ تعلقات اور ناجائز روابط کی دستاویزات شامل ہیں، جنھیں قائم کرنے کے حوالے سے، عرب ممالک اور خاص طور سے بہ راہ راست اسرائیل کا سامنا کرنے والے ممالک، کے اُن شکست خوردہ اور قومیت پسند بالشتیہ حکم رانوں نے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کی، جو اشتراکیت اور سیکولرزم کی پوجا کرتے اور انقلابی و ترقی پسند کہلانے کے اِعزاز سے سرفراز رہے ہیں۔

یہ کتابیں ذلیل دشمن کے ساتھ، اُن عرب رہ نماؤں کے رسوا کن اور اِہانت آمیز روابط سے پردہ اٹھاتی ہیں، جو گلا پھاڑ پھاڑ کر اُس عرب لیگ کے اسٹیج سے چیختے رہتے ہیں جس نے خرطوم میں منعقدہ اپنی چوٹی کانفرنس میں بھاری بھرکم تینوں عربی نفیوں (اسرائیل کے ساتھ مصالحت ہوگی، نہ اُس کا وجود تسلیم ہوگا اور نہ اُس کے ساتھ بات چیت ہوگی) والی قرارداد پاس کی تھی۔ نیز اُسی عرب لیگ نے مئی ۱۹۵۱ء میں دشمن کے ہمہ گیر بائیکاٹ کا عربی نظام وضع کرنے کی بالاتفاق بات بھی طے کی تھی۔

← ''جمہوری محاذ برائے آزادیِ فلسطین'' سے تعلق رکھنے والے ''نائف حواتمہ'' کے گروپ نے اِسرائیل کی ''ماٹسپن'' کمیونسٹ تنظیم کے اہل کاروں سے ملاقات کی تھی۔ (دیکھیے کتاب "التَّطْبِيعُ اِسْتِرَاتِيجِيَّةُ الْاِخْتِرَاقِ الصُّهْيُونِيِّ" ص ٦٥)۔

اِس حمام میں سبھی ننگے ہیں:

قضیہ فلسطین میں آنے والے نشیب وفراز کا بہ غور جائزہ لینے والا انسان یہ جانتا ہے کہ مصری صدر انور سادات ۱۹۷۷ء میں مقبوضہ بیت المقدس کا دورہ کر کے ناز ونخرے میں پلے اسرائیل سے عشق کے رسوا کن جرم کا ارتکاب کرنے والا پہلا شخص نہ تھا، اِسی دورے کے نتیجے میں ۱۹۷۹ء میں کیمپ ڈیوڈ میں صہیونیوں کے ساتھ مصر کا غدارانہ معاہدہ ہوا تھا، جسے اُس وقت عالمی پریس نے ''منفرد معاہدے'' کا نام دیا تھا؛ بل کہ درحقیقت یہودیوں کے ساتھ بددیانتی پر مبنی بہت سی ملاقاتیں، ناجائز روابط اور بدنام زمانہ میٹنگیں ہوتی رہی ہیں، جن میں ایک لمبے عرصے سے اردن، مغرب، لبنان، مصر اور فلسطینی خفیہ یا علی الاعلان شریک رہے ہیں۔

لیکن یاسر عرفات اور اُن کے رفقا نے یہودیوں کے ساتھ جو ڈھیر سارے اِبہام آمیز، سوالیہ نشانات والے اور حقیقی خطروں، بزدلی، شکست خوردگی اور ذلت و بے شرمی کے عناصر سے مرکّب معاہدۂ ''غَزّہ/ اَرِیحا اَوّلاً'' پر دستخط کیے ہیں، وہ ہر خیال اور تخمینے سے بالاتر ہے۔ اِس گٹھ جوڑ اور معاہدے پر دستخط سے ''تنظیمِ آزادیٔ فلسطین'' کی پول کھل گئی ہے، جو فلسطین کی آزادی اور اسرائیل کی مزاحمت کے لیے وجود میں آنے والی تنظیموں میں ہمیشہ سیکولرزم کی ایک علامت رہی اِس تنظیم کی زمام کار ہمیشہ اُن قائدین کے ہاتھوں میں رہی، جن میں سے اکثر غیر اسلامی قومی انتساب کی نمایندگی کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ یہ ہمیشہ تمام مسلم وعرب حکام اور خصوصاً اُن غیر اسلامی انتساب والے حکم رانوں کے نزدیک معقول ومقبول رہی، جو عربی اور اسلامی نام رکھنے کے باوجود، اسلام کو آؤٹ آف ڈیٹ تصور کرتے رہے ہیں۔ اِس معاہدے کی وجہ سے اُس بدباطن اور ناپاک پودے (یعنی اسرائیلی پودے) کی تمام آرزوئیں اِس طرح خوب صورتی سے برآئیں ہیں کہ جس کا اُس نے خواب بھی نہ دیکھا تھا؛ اِس لیے کہ اِس معاہدے کا مطلب درجِ ذیل تھا:

۱- صہیونیوں نے معاہدے کے خفیہ ضمیمے کے مطابق، مذکورہ مشتبہ معاہدے کی وساطت سے، عرفات اور اُن کی جماعت کے لوگوں کو، امن معاہدے کی مخالف، فلسطین کی آزادی اور اُس کے لیے جہاد کا نعرہ لگانے والی فلسطین کی مسلم جماعتوں سے ٹکراؤ کی پوزیشن میں کھڑا کر دیا ہے؛ اِس لیے کہ اِس معاہدے کے نفاذ کے آغاز اور اِس کی سرگرمیوں پر نظر رکھنے کے تین مہینے بعد، اپنے اور صہیونیوں کے مابین امن معاہدے کے اُصولوں کا اِعلان کرنے کے خصوصی خفیہ ضمیمے کی ایک دفعہ کے ضمن میں، تنظیم آزادیِ فلسطین نے، اِس معاہدے کی مخالف فلسطین کی مذہبی اور غیر مذہبی جماعتوں کی فہرست اور نام و پتے اسرائیل کو سپرد کرنے کی ذمے داری لے لی ہے؛ نیز اسرائیل کی تباہی اور اُس کے شہریوں کے قتل کا ارادہ رکھنے والی کسی بھی اپوزیشن فلسطینی سیاسی یا فوجی مہم کے صفایے کے لیے سرگرم عمل رہنے کا وعدہ کیا ہے۔ اِس طرح اُس نے صہیونیوں کی خدمت میں اپنے کو پوری طرح لگا دیا ہے اور ملعون دشمن کے خلاف جہاد کا نعرہ لگانے والی ہر اسلامی آواز کو دبانے کے لیے وہ صہیونی افواج کے ساتھ ایک ہی خندق میں کھڑی ہو گئی ہے۔

اِس طرح اسرائیل نے اپنے دفاع کا بُوجھ عرفات اور اُن کے رفقا کے کندھوں پر ڈال دیا ہے۔ اُنھیں اسرائیل نے اپنے مفادات کی نگرانی کرنے والا فرماں بردار ملازم بنا لیا ہے، اور اپنے ہی بھائیوں کے ساتھ خون خرابہ اور تصادم کی پوزیشن میں ڈال دیا ہے اور اُنھیں ایسی خوں ریز خانہ جنگی کی بھٹی میں جھونک دیا ہے، جس کے نقصانات اور خطرات کی بے پناہی کا سوائے اللہ کے کسی کو علم نہیں۔ اِن باتوں کی راہ سے اسرائیل اتنی ساری کامیابیاں حاصل کر لے گا، جن کا اُس نے کبھی خواب بھی نہ دیکھا ہوگا۔ ۱۹۸۳ء میں لبنان میں رونما ہونے والے فلسطینی تصادم کی تفصیلات اور فلسطینیوں کے درمیان تاہنوز جاری ''تطہیری'' کارروائیوں سے واقف کار آدمی اچھی طرح جانتا ہے کہ کس طرح دشمن، ابلیس اور اُس کے اُن لشکروں -جن میں سے ایک یا اُن میں سب سے آگے خود اسرائیل ہے- جیسی ہوشیاری کے ساتھ اُنھیں لڑانے بھڑانے پر قادر ہو گیا ہے۔ تمام باتوں

کا ایک ہی مقصد ہے کہ فلسطینیوں کا خود فلسطینیوں کے ہاتھوں قتل کرایا جائے۔ یقیناً ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ دشمن اِس کم زور فلسطینی اتھارٹی کا ہی کام تمام کر دے گا، جو ''امن و سلامتی کے تحفظ'' کے بینر تلے فلسطینیوں کے صفایا اور اُن کی جڑ کھودنے میں لگی رہے گی۔ جس وقت صہیونی وزیر خارجہ ''شمعون پیریز'' نے ''حماس'' کے مقابلے کے لیے تنظیمِ آزادیِ فلسطین کو مُسلّح کرنے کی اسرائیلی تیاریوں کا اعلان کیا تھا، اُس وقت اُس کی یہی مراد تھی۔

اِس کا صاف مطلب ہے کہ انتفاضے کے شیر بچے جوانانِ جہاد اور حماس کے مزاحمت کار اور یہ نعرہ لگانے والے کہ شرف وعزت کی بازیابی، فلسطینی اسلامی زمین کی آزادی اور وہاں سے اسرائیلی کتوں کو کھدیڑنے کی واحد راہ وہ اسلامی جہاد ہے، جس پر کاربند رہنے کی صورت میں اسلام — اِس کے بعد کہ پوری دنیا عربوں کے چہرے پر شرمندگی کی کالک پوتنے والے امن اور شکست خوردگی کے کھیلوں کا مشاہدہ کر چکی ہے — اپنا مثبت اور سرگرم رول ادا کرے گا؛ یقیناً ایسے بنیاد پرست دہشت گرد کی شکل اختیار کر لیں گے، جنھیں رگیدنا، دوڑانا، اُن سے لڑنا اور عظیم مقصد یعنی اسرائیلی حکومت اور اُس کے امن کے تحفظ والے مقصد کے لیے پل پل اُن کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھنا ضروری ہوگا۔

۲- پھر صہیونیوں نے سیاسی تعاون سے متعلق خفیہ ضمیمے میں یہ شرط بھی لگائی ہے کہ اُنھیں کسی بھی وقت جب ضرورت محسوس ہوگی کسی بھی اسرائیلی فلسطینی معاہدے پر عمل نہ کرنے کا حق ہوگا، خصوصاً جب صہیونیوں کو یہ اندازہ ہو کہ ریاستِ اسرائیل کا سیاسی اور سلامتی مفاد اِن معاہدوں سے متصادم ہے، یا یہ کہ معاہدوں کی وجہ سے اسرائیل میں ایسا انتشار در آیا ہے، جس پر کنٹرول کرنا آسان نہیں۔

اِسی کے توسط سے اسرائیل، اپنے سیاسی اور سلامتی کے مفادات کی تاویل کے مطابق، اپنی حکومت اور اپنی مختلف سیاسی پارٹیوں کو بھرپور اختیارات دے دیے ہیں کہ وہ جب چاہیں اِن معاہدوں کو بے معنی بنا سکتے ہیں۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ اسرائیل اِسی

واسطے سے فلسطین میں ہمہ گیر خانہ جنگی بھڑک اٹھنے کی مکمل توقع رکھتا ہے، جس کا حتمی نتیجہ فلسطینی جہاد کی ناکامی کی شکل میں برآمد ہوگا اور آخرش یہ خانہ جنگی معاہدے کی منسوخی اور دشمن کے مفاد کے روبہ عمل آنے کا سبب بن جائے گی۔ اِس بات کو دشمن، دنیا والوں کے سامنے یہ دلیل بنا کر پیش کرے گا کہ فلسطینی، محدود پیمانے پر اور انتہائی ناقص اختیارات کے تحت بھی، خودمختار حکومت چلانے کی اہلیت نہیں رکھتے اور یہ کہ خطے میں امن وسلامتی کے قیام کی صرف ایک شکل ہے کہ اسرائیلی ریاست کی بنیادیں مضبوط ہوں اور اُس کی سرحدیں نیل سے فرات تک پھیلی ہوئی ہوں اور اُس ریاست میں کوئی اور محدود اختیار کی ریاست نہ ہو۔(۱)

۳- بددیانتی پر مبنی اس معاہدے کے خفیہ ضمیمے میں صہیونیوں نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ ان کو بالفعل فلسطینی سفارت خانوں کو ختم کرنے کا حق بھی حاصل ہوگا اور اگر فلسطینی مقتدرہ چاہے تو اسرائیلی سفارت خانوں میں اُن فلسطینیوں کو ملازمت دی جاسکتی ہے، جو خودمختار حکومت کے خطوں میں فلسطینی امور کے نظم ونسق کی ذمے داری سنبھالیں گے۔

اِس طرح فلسطینیوں کی بیرونی سیاسی سرگرمی یک لخت ختم ہوجائے گی۔ نتیجتاً تنظیمِ آزادیٔ فلسطین اور اسرائیل کی غلام اور اس کے چشم وابرو کے اشارے پر ناچنے والی اس کی حکومت خارجی فلسطینی امور سے اپنا ہاتھ کھینچ لے گی۔ اور اسرائیل کی شرطوں کے مطابق مستقبل میں اِس حکومت کا کوئی مستقل سیاسی وزن نہ رہے گا؛ اِس لیے کہ اِس کو نہ تو کوئی مستقل سیاسی حکومت بنانے کا حق حاصل ہے اور نہ اِس کو نقدی یا پاس پورٹ جاری کرنے کا اختیار ہوگا۔ خودمختار حکومت کے پانچ سالوں کے دوران تنظیمِ آزادی کو یہ حق بھی نہ ہوگا کہ وہ اردن، سیریا، لبنان یا مصر میں موجود پناہ گزینوں کی واپسی کا مطالبہ کرے۔ اِس کا

(۱) قارئین کو تعجب نہ ہونا چاہیے کہ ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء میں اِس مضمون کے اردو میں ترجمے کو طباعت کے لیے تیار کیے جانے کے وقت فلسطین میں ''فتح'' تحریک اور ''حماس'' کے درمیان مکمل طور پر خانہ جنگی کی کیفیت برپا ہے اور جن خطرات کی طرف آج سے ۱۴ سال پہلے، اِس تحریر کے عربی میں ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء میں لکھے جانے کے وقت، اِشارہ کیا گیا تھا، وہ سارے، عملی دنیا میں حقیقت بن چکے ہیں اور بن رہے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ملک سے باہر گزر بسر کرنے والے فلسطینی، آیندہ پانچ سالوں میں ہونے والے سیاسی حل کے رحم وکرم کے سہارے جیتے رہیں گے اور حل کی ساری شکلیں بھی بلا شبہہ ٹال مٹول اور بھید بھاؤ کے فن میں ماہر، اسرائیل کے ہاتھوں کا کھلونا بنی رہیں گی۔

۴- سیکورٹی تعاون کے حوالے سے اُس خفیہ ضمیمے میں دوٹوک انداز میں اسرائیل کی یہ شرط مذکور ہے کہ اسرائیل کی بیخ کنی پر آمادہ تمام فلسطینی تحریکات اور تنظیموں کو موت کی نیند سلا دینے کی ذمے داری بھی تنظیمِ آزادیٔ فلسطین یا عبوری خود مختار حکومت کے کاندھو پر رہے گی؛ نیز اُس نے مذکورہ تنظیم کو، کوئی بھی تحریک، یا تنظیم، یا کسی قسم کی پارٹی کی تاسیس کے حق سے بھی محروم کر دیا ہے؛ کیوں کہ اسرائیل کو یہ خوف کھائے جا رہا ہے کہ کہیں اِس غدارانہ معاہدے کے بعد، فلسطینی مزاحمت پر نہ اُتر آئیں اور اُس کے لیے خطرات پیدا کر دیں۔ اِس کے بعد تنظیمِ آزادیٔ فلسطین کا صرف یہ کام رہ جائے گا کہ وہ اسرائیلی پولس کے اندرونی ضابطوں کے تحت اور اُن کی نگرانی میں اپنی حکومت کے زیرِ انتظام علاقوں میں داخلی سلامتی کو قائم و بحال رکھے۔

۵- جہاں تک اقتصادی، تجارتی اور مالی تعاون کی بات ہے، تو معاہدے کے خفیہ ضمیمے کے مطابق، صہیونیوں نے خود مختار حکومت والے خطوں کی اقتصادیات کو اسرائیلی فیصلے کے زیرِ کنٹرول رکھا ہے؛ چوں کہ اُنھوں نے یہ صاف اور برملا کہہ دیا ہے کہ خود مختار حکومت کا بجٹ، اسرائیلی بجٹ کا ایک حصہ رہے گا، اِس حکومت کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ سرکاری یا غیر سرکاری مالی تعاون حاصل کرے، ہاں اگر وہ اسرائیلی حکومت کو اِس سے آگاہ کرے اور اُس کو اعتماد میں لے، تو اُسے تعاون قبول کرنے کی اِجازت ہوگی۔ نیز تعاون میں ملنے والی رقم، اسرائیل کے عام بجٹ کے اکاؤنٹ میں جمع کرنی ہوگی۔

اِسی پر بس نہیں؛ بل کہ درآمدات و برآمدات کے لیے اسرائیلی وزارت خارجہ کا سہارا لینا پڑے گا اور سب کچھ اُسی کے توسّط سے انجام پائے گا، خود مختار فلسطینی حکومت کے لیے یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ خود مختار حکومت والے خطوں سے باہر رہنے والے فلسطینیوں سے

اقتصادی یا تجارتی کاروبار کرے۔ اِس طرح اُن علاقوں میں مقیم فلسطینیوں اور حکومت کے مابین کوئی رابطہ اور تعلق باقی نہ رہے گا اور یہ خودمختار حکومت نہ چاہتے ہوے بھی صہیونی تاجروں اور سرمایہ کاروں کو اپنے زیرِ انتظام خطوں میں تجارتی، صنعتی اور تعمیری پروجیکٹ لگانے کی اجازت دینے پر ایسے وقت میں مجبور ہوگی، جب اسرائیلی حکومت کے پیشگی جائزے کے بغیر خودمختار حکومت کو مشترکہ اقتصادی، مالی، یا تجارتی منصوبوں کے معاہدوں پر دستخط کرنے کا حق نہ ہوگا۔ اِس راہ سے اسرائیل نے فلسطینی سرمایے کی نقل وحرکت کو پابہ سلاسل کر دیا ہے اور فلسطینی حکومت کے علاقوں میں اسرائیل کو سرمایہ کاری کی کھلی چھوٹ دے دی ہے۔ اِسی طرح -خفیہ ضمیمے کے مطابق- خودمختار حکومت نے، دوسرے عرب ممالک کے ساتھ امن معاہدوں پر دستخط کرنے کے بعد، عرب ملکوں میں تجارتی اور اقتصادی پروجیکٹ حاصل کرنے کے سلسلے میں، اسرائیل کا تعاون کرنے کی ذمے داری لے لی ہے، ساتھ ہی اُس نے یہ ضمانت بھی لے لی ہے کہ وہ اسرائیلی مصنوعات کو ہر جگہ رواج دے گی؛ اِس لیے کہ اسرائیل فلسطینیوں اور تیل پیدا کرنے والے عربی ممالک کے مابین تجارت اور کاروبار کا میدان کھولنے اور بیرونِ ملک کام کرنے کے لیے فلسطینی اہلیتوں کی بیرونِ فلسطین منتقلی کے عمل کو آسان تر بنانے کا خواہش مند ہے۔

٦- اِن ساری باتوں سے زیادہ پُرخطر بات یہ ہے کہ اگر کسی بھی عربی ملک کے ساتھ اسرائیل کی فوجی، یا سیاسی، یا ابلاغی دشمنی پیدا ہو جائے - خواہ اُس عربی ملک اور اسرائیل کے مابین دستخط شدہ امن معاہدہ ہو یا نہ ہو- تو ایسی حالت میں اُس دشمنی کی بنا پر معاملات میں دخل اندازی یا اسرائیل کی مخالفت کا حق خودمختار فلسطینی حکومت کو حاصل نہ ہوگا۔ جب کہ دوسری طرف اسرائیلی فوج کو یہ حق ہوگا کہ وہ پڑوسی عربی خطوں میں تعینات ہو کر امن وسلامتی کے تحفظ کا فریضہ انجام دے، اُسے فلسطین کی عبوری حکومت کو اِس کی اطلاع دینے کی بھی چنداں ضرورت نہ ہوگی۔ رہے فلسطینی، تو قرب وجوار کے عرب خطوں میں اسرائیلی افواج، یا اسرائیلی حکومت کے کاموں میں دخل در معقولات کے حق سے وہ

یکسر محروم رہیں گے۔

اسرائیلی حکومت کو یہ حق بھی حاصل ہوگا کہ:

نیز اسرائیل کو یہ حق بھی حاصل ہوگا کہ وہ خود مختار حکومت کے کام کاج پر گہری نظر رکھے اور اُس کی سرگرمیوں پر نظر رکھنے کے لیے اسرائیلی مُبصِرین مُتعیّن کرے۔ اِسی طرح اُس کو اور اُس کی امن مشنری کو، خود مختار حکومت کے خطوں میں مُتعیّن ہونے اور اسرائیلی حکومت کو، وہ جس وقت چاہے گی، مطلوب فلسطینی یا اسرائیلی شر پسند عناصر کی دھر پکڑ کا حق ہوگا؛ چوں کہ اِن کارروائیوں کو مخفی رکھنے کی گارنٹی لی گئی ہے؛ اِس لیے اسرائیل کو خود مختار حکومت کو، اِن جیسی اہم کارروائیوں سے آگاہ کرنے کی اُسی وقت ضرورت ہوگی جب وہ کارروائیوں سے فارغ ہو چکا ہوگا۔

اِن خفیہ دفعات کے ذیل میں، جن دارالحکومتوں میں یہ غدّارانہ معاہدہ مرتب کیا گیا، اُن کے کئی ذرائع نے یہ خبر دی ہے کہ امریکہ اور اسرائیلی حکومت نے ایک ایسے خطرناک معاہدے پر دست خط کیے ہیں، جس کی رُو سے امریکہ اسرائیل کو ایک نیا سیٹلائٹ سیارہ فراہم کرے گا، جس کے بنانے اور داغنے کی ذمے داری واشنگٹن کی ہوگی۔ یہ سیارچہ ''غزہ / اریحا'' کے احوال پر چوبیس گھنٹہ نظر رکھنے کے ساتھ وہاں کی ساری تفصیلات سے باخبر کرے گا۔ ساتھ ہی واشنگٹن اسرائیلی افواج کو جدید ترین راڈار اور لیزر کی شعاعوں سے چلنے والے ہتھیاروں کی کھیپ فراہم کرے گا۔ اِن سب کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی طاقتوں اور اِس خیانت آمیز معاہدے یا مستقبل میں ہونے والے شکست خوردانہ حلول کی مخالفت کرنے والے ہر ایک شخص پر نظریں جمائے رکھنے کے ساتھ ''نئے ڈھانچے'' میں امن و سلامتی کو یقینی بنایا جاسکے۔ مذکورہ ذرائع کے مطابق مصر۔ جس کے سر، ماضی میں بھی قضیۂ فلسطین کے ساتھ بددیانتی اور اسرائیل کے ساتھ معاشقانہ روابط کا سہرا رہا ہے۔ نے مشترکہ اسرائیلی مصری چیک پوائنٹس قائم کرنے کی ذمے داری لے لی ہے؛ تاکہ غزہ پٹی

کے راستے، مصر سے کسی بھی فلسطینی کے سرحد عبور کرنے سے روکا جاسکے۔

تنظیمِ آزادی فلسطین کی مُفوّضہ ذمے داریاں:

معاہدے کے خفیہ ضمیمے کی وضاحت کے مطابق، تنظیمِ آزادی فلسطین نے اپنے سر یہ ذمے داری بھی لے لی ہے کہ وہ ''دشمنانہ مہمات'' کے سلسلوں پر بند باندھے گی، جب کہ اسرائیل، دوسرے عرب ممالک کے بنیاد پرستوں اور دہشت گردوں (اسلام پسندوں) سے مقابلے کے لیے مشترکہ فلسطینی اسرائیلی میڈیا کو ہدایات دے گی۔ مزید یہ کہ تنظیم آزادی فلسطین، فلسطین پر یہودیوں کے تاریخی حق کے حوالے سے، اُن کے خلاف دشمنانہ یلغاروں کو بھی روکے گی اور عالمی صہیونیت کو، ممالک واقوام، خصوصاً مسلمانوں اور اسلام کو نشانہ بنانے والی ایک عالمی نسلی تحریک مانتے ہوے، اُس کے خلاف سر ابھارنے والی یورشوں کا، قلع قمع کرے گی۔

اس خیانت آمیز معاہدے (جس کے بارے میں ناروے، جس کی نگرانی اور سرپرستی میں اس مشکوک معاہدے کا سبب بننے والی پیہم خفیہ ملاقاتیں ہوئیں، کے وزیر خارجہ نے بے لاگ انداز میں کہا ہے کہ اُس نے خصوصی چور دروازے سے سفارتی عمل داخل کیے جانے کو ترجیح دی؛ تاکہ یہ معاہدہ کام یابی سے ہم کنار ہو) کے خفیہ دائرے کو نظر میں رکھتے ہوے بلاخوفِ تردید کہا جاسکتا ہے کہ اِس معاہدے کا ڈھونگ بس اِسی لیے رچایا گیا ہے کہ از سرِ نو صہیونی مفادات کو استحکام بخشا جاسکے، یا- جیسا کہ بعض اسلام پسند صحافیوں نے کہا - یہ معاہدہ اس لیے وجود میں آیا ہے، تاکہ ۱۹۱۷ء میں برطانوی وزیر خارجہ ''بالفور'' (۱۸۴۸-۱۹۳۰ء) کے ذریعے اسرائیل کے ظہورِ اولیں کے اعلان کے بعد، یہ معاہدہ اس کے دوسرے سرکاری ظہور کا اعلان کرے۔ یہ سارے نقصانات یاسر عرفات سے کیے گئے بے معنی اور ڈھیلے ڈھالے وعدوں کے عوض کیے گئے کہ ان کو اسلامی حماسی انتفاضہ اور فلسطین کی دیگر وطنی قیادتوں کی کاری ضرب سے بچایا جائے گا۔

فلسطین و مصر کی یقین دہانیاں:

بلاشبہ عظیم قربانیاں، رگوں میں دوڑنے والا پاکیزہ خون، اُن فلسطینی بھائیوں کے جانی و مالی نقصانات۔ جن کا یہ ایمان ہے کہ اِسلامی فلسطین کی آزادی کی پہلی اور آخری راہ، صرف وہ اسلامی جہاد ہے، جس کی بنیاد شیرِ اسلام اور پیغام محمدی کے وفادار سپاہی یعنی عرب نوجوانوں کے قلوب کی گہرائیوں میں پیوست ہیں۔ تلخ ترین مصیبتیں، جسمانی اور اندرونی ایذارسانی، قتلِ عام، جلاوطنی، اِغوا، آبروریزی، بے حرمتی، یعنی وہ مصائب جن کے بیچ فلسطینیوں کی زندگی گزری، نیز وہ تمام جنگیں جو اُنھوں نے لڑیں، وہ ساری جھڑپیں اور تصادم جن کی آگ میں وہ جلتے رہے، وہ تمام اصول و تصورات جن کا وہ نعرہ لگاتے رہے ہیں، حریت اور خودداری سے سرشار مجاہد فرزندانِ عرب اور مسلمانوں کے تمام نعرہ ہائے تکبیر (اللہ اکبر) اور اُس سرزمینِ جہاد پر اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے والے ہزاروں شہدا کا پاکیزہ خون، ساری چیزوں کو خاک میں ملا دیا گیا اور قضیۂ فلسطین کو اُن بالشتیے اور شکست خوردہ رہ نماؤں کے رویوں کی بھاری قیمت چکانی پڑی، جن کی فطرت میں اسلام، بلند تر اور عظیم اسلامی تصورات کے سوا ساری آئیڈیالوجی رچی بسی تھیں؛ کیوں کہ صہیونیوں نے دونوں فریقوں: فلسطین اور مصر کو اسرائیلی افواج کے ساتھ تعاون کی یقین دہانی کے راستے، اسرائیلی امن و سلامتی کے تحفظ و بقا کو یقینی بنا کر، اپنے تمام مقاصد کو حقیقت کا جامہ پہنا دیا ہے۔ فلسطین و مصر نے اِس بات کے لیے تیار رہنے کی یقین دہانی کرائی ہے کہ وہ اسلامی مخالفت کو کچلنے، اسلام پسندوں کے تعاقب اور جنوبی لبنان پر حالیہ تباہ کن چڑھائی کے ذریعے، لبنان کے ساتھ ملنے والی اپنی شمالی سرحدوں کے تحفظ کے بعد صہیونیوں کی اندرونی صفوں پر کاری ضرب لگانے سے اسلام پسندوں کو روکنے کے حوالے سے، صہیونی افواج کے ساتھ ضرور ہاتھ بٹائیں گے۔ سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ عرفات اور اُن کے ساتھیوں نے مذکورہ خفیہ شرائط کے ذریعے صہیونیوں کو نہ صرف یہ کہ ''مزاحمت''۔ جسے

عیسائی، صہیونی اور مغربی حلقے ''دہشت گردی'' کا نام دیتے ہیں- سے؛ بل کہ ہر طرح کی مُسلّح جدوجہد سے دست برداری کی گارنٹی دے دی ہے؛ کیوں کہ عرفات کی تنظیمِ آزادیِ فلسطین نے اپنے بنیادی منشور کی اُن تمام دفعات پر خطِ تنسیخ کھینچ دی ہے، جن سے ''دہشت گردی'' اور ''تشدد'' کا کوئی مفہوم نکلتا ہے۔

اِس خیانت آمیز معاہدے کے تعلق سے، عربوں کا موقف:

ہر چند کہ یاسر عرفات نے یہودیوں کے ساتھ جس معاہدے کو آخری اور حتمی شکل دی ہے، وہ اسلامی مقاماتِ مقدسہ، اسلامی زمین، قضیہ فلسطین، امتِ مسلمہ اور خود فلسطینی عوام کے ساتھ ایک بڑی اور کھلی ہوئی خیانت ہے؛ لیکن باعثِ افسوس تو اِس خیانت آمیز معاہدے کے تعلق سے عرب ملکوں کا موقف ہے کہ چند کے اِستثنا کے ساتھ، تمام عرب ممالک نے یہ تصور کرتے ہوئے کہ یہ ایک خالص فلسطینی مسئلہ ہے، جس میں فلسطینیوں کو پسند و ناپسند کا حق ہے، اِس معاہدے کو کھلے دل سے خوش آمدید کہا اور اِس کی تائید و توثیق کی؛ نیز اُن ممالک کا یہ خیال ہے کہ فلسطینیوں کو اِس قضیے کے حوالے سے کوئی بھی معاہدہ کرنے کا حق ہے، خواہ یہ معاہدہ اُمتِ مسلمہ اور اُس کے سیاسی، اقتصادی اور عسکری موقف کو زک پہنچانے والے دوررس منفی اسٹریٹیجک نتائج کا سبب ہی کیوں نہ بن جائے؟ اِن عرب ممالک نے یہ خیال کر کے اِس معاہدے کی حمایت کی کہ یاسر عرفات فلسطینیوں کے حقیقی نمائندہ ہیں، اُنھیں صہیونیوں کے ہاتھوں قدس کی خرید و فروخت، اُن کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھانے، اپنی آبرو باقی رکھنے کے لیے اور اقتدار کی کُرسی تک پہنچنے کے لیے اُن کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کا مکمل حق ہے، خواہ اِس کی وجہ سے پاکیزہ اُصولوں، مقدس اقدار اور عظیم ترین مسلمات سے دست بردار کیوں نہ ہونا پڑے۔ حتیٰ کہ اِن عرب ممالک کے ذرائع ابلاغ، اسرائیل سے حسنِ ظن رکھنے کی اپیل کرنے لگے اور یہ دہائی دینے لگے ہیں کہ موجودہ نیا کا بین الاقوامی نظام اِس کی اجازت نہیں دیتا کہ اسرائیل سے

فلسطینیوں کے حقوق کی بازیابی کے لیے مُسلّح جدوجہد کا سہارا لیا جائے؛ نیز یہ کہ اسرائیل کے ساتھ امن معاہدہ اِس حقیقت پسندی کے زمانے میں عقل ومنطق کے عین مطابق ہے، اِس معاہدے کی مخالفت کرنے والے حقیقت پسندی سے کوسوں دور ہیں، وہ لاشعوری کی حالت میں عالمی انقلابات کے حاشیے پر جی رہے ہیں۔

بلاشبہہ افکار وخیالات اور پہاڑوں کی طرح مضبوط اور بلند مُقرّرہ اور پائے دار عربی اسلامی تصورات میں تبدیلی لانے کی یہ ساری کوششیں بھی عربوں، مسلمانوں، قضیہ فلسطین اور اُمّتِ مسلمہ کے ساتھ ایک دوسری خیانت ہے؛ کیوں کہ تبدیلی لانے کی یہ کوششیں یہودیوں کے مزاج سے ناواقفیت کا نتیجہ ہیں، جن کا خمیر غدّاری، عہدشکنی اور بددیانتی سے اٹھا ہے۔ وعدہ خلافی پر اڑے رہنا اور روئے زمین پر خون خرابے کی کوشش کرنا، یہودیت کی رگوں میں خون بن کر دوڑتا رہا ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے تئیں انتہائی درجے کی دشمنی اُن کی فطرت ثانیہ ہے۔

قرآن کی درج ذیل آیتوں سے اِن باتوں کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے: وَلَنْ ترضٰی عَنْكَ الْيَهُوْد ولا النَّصٰرىٰ حتّٰى تتّبعَ مِلَّتُهم (بقرہ/۱۲۰) اور ہرگز نہ راضی ہوں گے تجھ سے یہود اور نصاریٰ، جب تک تو تابع نہ ہو اُن کے دین کا۔

وَلَتجدنَّ أشَدَّ النَّاسِ عَدَاوةً لِلَّذِين آمَنُوْا اليَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ أشْرَكُوْا (مائدہ/۸۲) تو پاوے گا سب لوگوں سے زیادہ دشمن مسلمانوں کا، یہودیوں کو اور مشرکین کو۔

وَقَالتِ اليهودُ يدُ اللهِ مَغْلُوْلة غُلَّتْ أيديْهِمْ ولُعِنُوْ بما قالُوْا؛ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوْطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشاءُ ولَيَزِيْدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَّا أُنْزِلَ إلَيْكَ مِنْ رَّبّكَ طُغْيَانًا وَكُفرًا وأَلْقَيْنَا بَيْنَهُم الْعَدَاوَةَ وَالبَغْضَاء إلى يَوْمِ القِيامة كُلَّمَا أوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ أطفأها اللهُ ويَسْعَوْنَ فِي الْأرضِ فساداً واللّٰهُ لا يُحِبُّ المفسدين (مائدہ/۶۴)

اور یہود کہتے ہیں کہ اللہ کا ہاتھ بند ہو گیا ہے۔ اُنھی کے ہاتھ بند ہو جاویں اور لعنت ہے اُن کو اِس کہنے پر؛ بل کہ اُس کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ خرچ کرتا ہے جس

طرح چاہے اور اُن میں بہتوں کی بڑھے گی اِس کلام سے جو تجھ پر اترا، تیرے رب کی طرف سے شرارت اور اِنکار اور ہم نے ڈال رکھی ہے اُن میں دشمنی اور بیر قیامت کے دن تک۔ جب کبھی آگ سلگاتے ہیں لڑائی کے لیے، اللہ اُس کو بجھا دیتا ہے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرتے ہوے اور اللہ پسند نہیں کرتا فساد کرنے والوں کو۔

فَبِمَا نَقُضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهم بِآيَاتِ اللّٰه وَقَتْلِهِمُ الانْبِياءَ بغَيْرِ حَقٍّ وقَوْلِهِمْ قُلُوْبنا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْها بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْن إلَّا قلِيْلًا (نسار/۱۵۵)

اُن کو جو سزا ملی، سو اُن کی عہد شکنی پر اور منکر ہونے پر اللہ کی آیتوں سے اور خون کرنے پر پیغمبروں کا ناحق اور اِس کہنے پر کہ ہمارے دل پر غلاف ہے۔ سو یہ نہیں؛ بل کہ اللہ نے مہر کر دی اُن کے دل پر کفر کے سبب۔ سو ایمان نہیں لاتے؛ مگر کم۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُم لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يحرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِه ونَسُوْا حَظّاً مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهِ وَلَا تزالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَائِنَة مِّنْهُمْ إلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ. (مائدہ/۱۳)

سو اُن کے عہد توڑنے پر، ہم نے اُن پر لعنت کی اور کر دیا ہم نے اُن کے دلوں کو سخت۔ پھیرتے ہیں کلام کو اُس کے ٹھکانے سے اور بھول گئے نفع اٹھانا اُس نصیحت سے، جو اُن کو کی گئی تھی اور ہمیشہ تو مطلع ہوتا رہتا ہے، اُن کی کسی دغا پر؛ مگر تھوڑے لوگ اُن میں سے۔

سَمَّاعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكَّالُوْنَ لِلسُّحْتِ (مائدہ/۴۳)

جاسوسی کرنے والے، جھوٹ بولنے کے لیے اور بڑے حرام کھانے والے۔

بد دیانتی کے فن کے ماہرین، جو چاہیں کریں؛ لیکن...

بد دیانتی کے فن میں عالمِ عرب کے ماہرین، قضیۂ فلسطین اور عربی اسلامی قضیوں کے ساتھ جو اُن کے جی میں آئے، کریں؛ لیکن میں کہے دیتا ہوں کہ قدامت پرستی، تشدد پسندی، دہشت گردی، مجرمانہ کارروائیوں، جذباتیت وعجلت بازی، عدمِ حقیقت پسندی؛

نیز ترقی و کشادہ ظرفی اور روشن خیالی کی راہوں کو روکنے، موجودہ صورت اور نئے چیلنجوں کے اشارات و کنایات کو اچھی طرح نہ سمجھنے کا الزام سر منڈھنے کے توسط سے، اسلام پسندوں کے حوصلوں کو خواہ کتنا ہی پست کیا جائے؛ لیکن یہ لوگ تمام خیانت آمیز رویوں، مشتبہ سازشوں، شکست خوردانہ معاہدوں، بھاؤ تاؤ والے معاملوں، تعلقات کو خوش گوار بنانے کی کوششوں، عالمِ عربی میں صہیونیوں، مسیحیوں، مغرب والوں اور امریکیوں کی سیندھ لگانے کی پالیسیوں، امن وسلامتی کی فریب دہندہ کوششوں کے باوجود؛ نیز عقلِ عربی کو گم راہ کرنے، اسلامی شعور کو چھیننے، مسلمہ تصورات کو اَدلنے بدلنے، غیر اسلامی باطل نظریات کی بنیادوں کو مضبوط کرنے، میڈیا کو اندھیرے میں رکھنے، عرب نوجوانوں کی برین واشنگ، عوام کی زبانوں پر تالے ڈالنے کی دھمکیوں، نفسیاتی ایذا رسانیوں، قلموں کو توڑ ڈالنے، کاغذات کو پھاڑ ڈالنے، افکار و خیالات پر چھاپہ ماری، اخبارات و رسائل کو بند کر دینے، غیروں کے خیالات کو بہ زورِ طاقت سر تھوپنے، تختۂ دار پر لٹکا دینے؛ یا بامشقت عمر قید اور بھاری جرمانوں کے احکامات صادر کر دینے جیسے تمام اقدامات کے باوجود اسلام پسند اپنے موقف پر ڈٹے رہیں گے اور وادی کی چٹان کی طرح کوہِ گراں بن کر اڑے رہیں گے، اُنھیں اُن کی جگہ سے کوئی بھی کوشش، خواہ اُس کو مشرقی اور مغربی طاقتوں کی کتنی ہی پشت پناہی اور حمایت کیوں نہ حاصل ہو، پیچھے نہ ڈھکیل سکے گی۔

سیکولرزم اور اشتراکیت پسندوں اور اُن کے علاوہ بزعمِ خود ''بہادر فلسطینی رہ نماؤں'' نے اگرچہ اپنی بات کہہ دی ہے، قضیۂ فلسطین کے حوالے سے اپنے موقف کا اظہار کر دیا ہے اور اگرچہ عرب و مسلم ''حقیقت پسند'' اور ''معتدل مزاج'' قائدین، اُن کی تایید اور اُن کے کام کا خیر مقدم کرنے کے تعلق سے ہم رائے ہیں- یا ہم رائے ہوا چاہتے ہیں-؛ لیکن اسلام پسندوں کی رائے دوسری ہے، جسے وہ اِس طرح اپنے سینے سے لگائے رہیں گے، جس طرح بخیل اپنے قلیل سرمایے کو بہ حفاظت بچا کر رکھتا ہے۔ وہ اپنی راہ میں آنے والی تمام رکاوٹوں کے باوجود، اُس کے برملا اظہار پر مضبوطی سے جمے رہیں گے؛ کیوں کہ اُنھی

افراد اور اُن کے جانشینوں سے ہی اِس ''ایوبی راہ'' پر چلنے کی امید ہے، جو فلسطینی اسلامی زمینوں کی آزادی کی منزل تک لے جاتی ہے، اِسی راہ پر چل کر تمام بددیانتوں کو اوندھے منہ گرایا جاسکتا اور سازش کرنے والوں کو سرِ عام رسوا کیا جاسکتا ہے۔ قرآن میں ہے: اللہ ضرور بالضرور اس شخص کی مدد کرتا ہے، جو اُس کی مدد کرے۔ اللہ تو زبردست طاقت کا مالک ہے۔ ولَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ إن اللَّه لَقوِيٌّ عَزِيزٌ (حج/۴۰)

اور اللہ مقرر مدد کردے گا، اُس کی جو اُس کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ زبردست ہے زور والا۔



مسجدِ ابراہیمی کا اَلَم ناک واقعہ (•)

۱۵ ررمضان المبارک ۱۴۱۴ھ = ۲۵ رفروری ۱۹۹۴ء بہ روز جمعہ، مسجدِ ابراہیمی میں نمازِ فجر ادا کرتے ہوے؛ بہ یک وقت ایک ہی مقام پر ساٹھ فلسطینیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور سو سے زائد زخمی اور معذور کر دیے گئے۔

اِس واقعے کے بعد ہم نے کوئی ایسی زوردار احتجاجی آواز نہ سنی، جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ یورپ، امریکہ، برطانیہ، سلامتی کونسل اور اقوامِ متحدہ، حقوقِ انسانی کی حمایت کے حوالے سے سچے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ انسانی حقوق صرف عیسائیوں، یہودیوں اور غیر مسلموں کی جاگیر ہیں۔ جہاں تک مسلمانوں کی بات ہے، تو اِس سینۂ گیتی پر اُن کا صرف یہ حق ہے کہ وہ قتل و غارت گری، عزت و آبرو کی پامالی اور طرح طرح کی سزاؤں پر صبر کا دامن تھامے ہوے تذلیل و تحقیر کا کڑوا گھونٹ حلق سے نیچے اُتارتے رہیں اور جلاوطنی کے گرم آنسوؤں کو پیتے رہیں۔

مسجدِ ابراہیمی میں خدا کے حضور میں جبینِ نیاز خم کیے ہوے، مقبوضہ زمین کے فلسطینیوں کو جس اَلَم ناک حادثے سے دوچار ہونا پڑا، وہ یقیناً اُس تعذیب و تذلیل کے سلسلے کی آخری کڑی نہیں، جس کو ملعون دشمن روزِ اول ہی سے عربوں اور مسلمانوں پر بروئے کار لانے کا عادی رہا ہے، قتل و غارت گری کی کوئی بھی کارروائی اُس دشمن کی طرف سے مُستَبعَد و حیرت انگیز نہیں، جو اِس قسم کی کارروائی کو ایسا کارِ ثواب سمجھے بیٹھا ہے کہ دنیا اور آخرت کے دِگر کاموں میں اُسے یہ ثواب نظر نہیں آتا۔

(•) ترجمہ کلمۃ المحرر، الداعی، شمارہ: ۱۰، جلد: ۱۷، ذی قعدہ - ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ = مئی ۱۹۹۴ء۔

قابل تعجب تو فریب خوردہ عرب قائدین وسیاست دانوں کا دشمنوں پر اعتماد ہے، جو بلا انقطاع، امن مذاکرات اور خیانت وشکست آمیز معاہدوں پر زور دیتے رہتے ہیں۔ اللہ میری قوم کو ہدایت دے؛ کہ یہ حقیقتِ حال سے واقف نہیں۔

اُس خسیس اور ناپاک دشمن پر اعتماد کرنا، جو اپنی طویل تاریخ میں انبیا و رسل سے برسرِ پیکار رہا، اُن کی زبانوں سے ملعون ٹھہرایا گیا اور جس کی پوری تاریخ فریب، دسیسہ کاری اور بد دیانتی سے بھری پڑی ہے، یہ اتنی بڑی بے وقوفی ہے، جس کے لیے تاریخ ہمیں کبھی معاف نہ کرے گی، چاہے ہم اِس کے لیے کتنے ہی وجوہِ جواز کا سہارا لیتے رہیں۔



اسرائیل کا ذہن، رویہّ اور طریقۂ کار بدلا ہے نہ بدلے گا(●)

مہلت لینے اور ہماری عربی اسلامی زمین میں اپنی دوررس صہیونی حکمتِ عملی کو بہ روئے کار لانے کے لیے، اسرائیل خواہ کتنا ہی امن معاہدوں کا کھیل کھیلے اور صلح صفائی کی چال چلے، اُس کی ذہنیت ہرگز نہ بدلے گی۔ اسرائیلی ذہنیت کا خمیر ہی، اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ازلی دشمنی، سینۂ گیتی پر دندنانے، اُس پر فساد مچانے، یہودیوں کی نسلی برتری کے غیر حقیقی اِحساس؛ نیز جنسی بے راہ روی، اِباحیت پسندی اور عورتوں کی آزادی کے نام پر انھیں بگاڑ کی راہ پر ڈالنے، اُنھیں پردے کی قید سے آزاد کرنے اور بے حیائی پر آمادہ کرنے؛ اِسی طرح سینما، فلموں، کھیلوں اور میڈیا اور نسلِ انسانی کو تباہی کی نذر کرنے والی اُن تمام تدبیروں کی راہ سے تمام اقوامِ عالم، خاص طور سے امت مسلمہ کو زیرنگیں کرنے کی پالیسی سے اٹھا ہے، جس سے تمام بنی نوعِ انسان، خصوصاً امتِ محمدیہ پر یہودیوں کے جبر و تسلط کی منزل آسان ہوتی ہے۔

ہم میں سے بہت سے لوگ خواہ کتنا ہی فریب کا شکار ہوں، یا شترمرغ کی طرح ریت کے تودے میں سر چھپا کر اِس بھیانک صورتِ حال سے تجاہل برتنے اور اطمینانِ قلبی یا حیلے حوالے اور ذرائع پسندی پر یقین کر کے یہ گمان کرنے کی کوشش کریں کہ اسرائیل نے اب اپنی پرانی روش سے توبہ کر لی ہے اور وہ عربوں کے ساتھ امن قائم کرنے

(●) ترجمہ کلمۃ المحرر، الداعی، شمارہ :۱۱، جلد ۱۹، ذی قعدہ ۱۴۱۶ھ = اپریل ۱۹۹۶ء ۔ ترجمہ اردو: ۱۴/۱/۱۴۲۸ھ = ۳/۲/۲۰۰۷ء ۔

کے حوالے سے سچائی پسند اور کھرا بن گیا ہے؛ یہ لوگ جتنا دھوکہ کھائیں یا دھوکہ کھانے کی کوشش کریں؛ لیکن یہ بات دو دو چار کی طرح واضح ہے کہ اسرائیل اپنی سوچ اور ''دوستی'' کو دشمنی میں تبدیل کر لینے سے کسی بھی وقت دست بردار ماضی میں ہوا ہے اور نہ مستقبل میں دو دور تک اِس کی اُمید ہے۔ یہی وہ اسرائیل ہے، جو مسلسل اور بلا انقطاع عربوں کو ذلیل کرنے اور نام نہاد پُر امن کارروائیوں کے دوران بھی اُن کا مذاق اڑانے کی اپنی فطرت پر اٹل رہا ہے۔ جو کوئی یہ سمجھے کہ اسرائیل کے اندر، حالات نے تھوڑی بہت اچھائی اور انسانیت کی کوئی خوبی پیدا کر دی ہے، تو وہ ایسا شخص ہے، جو سراب کو پانی سمجھ کر اُس کے پیچھے ہانپتے کانپتے بھاگتا ہے۔ یاد رکھیے! یہودیوں میں کوئی تبدیلی اُسی وقت آسکتی ہے، جب پہاڑ ہموار زمین بن جائیں، شیر نیک اور سچے انسان بن جائیں اور شیاطین فرشتوں کا روپ دھار لیں۔ یہودی جو کل تھے، وہی آج بھی ہیں اور جو آج ہیں، مستقبل میں بھی وہی رہیں گے۔ اُن کے ساتھ مصالحت کرنے کا حکم، کسی راسخ العلم اور مذہبِ اسلام کی روح کو جذب کرنے والے کسی عالم نے کبھی نہیں دیا۔ اسرائیل کے ساتھ صلح کے ''ڈرامے'' میں پھنسنے کے لیے عرب اِسی لیے تیار ہوئے ہیں کہ وہ معنوی شکست اور اقتصادی اور سیاسی پس ماندگی سے دوچار ہو چکے ہیں؛ لیکن عربوں کی یہ صورتِ حال ہمیشہ باقی نہ رہے گی، وہ دن ضرور آئے گا، جس میں بہ مددِ خداوندی، مسلمان سُرخ رو ہوں گے۔ راقم نے کلمۃ العدد میں اِنھی حقائق کی طرف اشارہ کیا ہے، جو آیندہ صفحات میں پیش کیا جارہا ہے۔



اسرائیل وعرب اور جنگل کے بیچ میں واقع فلیٹ کا قصّہ (●)

عرب ممالک یکے بعد دیگرے، اِسرائیل کے ساتھ جو امن معاہدے کر رہے ہیں، اُن کے حوالے سے خواہ کتنی بھی صفائی اور عذر پیش کر کے اُن کو جواز کی سند دی جائے اور خواہ جتنا بھی اُن ''حقیقی حصول یابیوں'' کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جائے، جنھوں نے عربوں کو امن کارروائی کے قابلِ نفریں سیریل کے جال میں پھنسنے پر مجبور کیا؛ یہ ایک ناقابلِ تردید واضح حقیقت ہے کہ عربوں کا یہ اقدام صرف شکست خوردانہ ذہنیت، زوال پذیر سوچ اور اُس بونے پن کا نتیجہ تھا، جس کے عذاب میں، مغربی، صہیونی، سیاسی چالوں کی وجہ سے ہمارے ''قد آور'' عرب عرصے سے مبتلا ہیں۔

اگر عرب باہم متحد ہوتے:

اگر عرب طاقت ور، بہادر اور باہم متحد ہوتے، وہ مطلوبہ روحانی سرمایے کی دولت سے مالا مال ہوتے اور اسرائیل کے عام اور ایٹمی اسلحے جیسا اُن کے پاس بھی اسلحہ خانہ ہوتا، تو وہ کبھی بھی، امن کی اُس ریل پر ذلت کے ساتھ سوار ہونے کو تیار نہ ہوتے جس پر وہ

(●) ترجمہ اداریہ (کلمۃ العدد) الداعی، بہ عنوان: "إسْرَائِيْلُ وَالْعَرَبُ وَقِصَّةُ فِيْلاً فِي الْأَحْرَاشِ"، شمارہ: ۱۱، جلد: ۱۹، ذی قعدہ ۱۴۱۶ھ = اپریل ۱۹۹۶ء۔

سوار ہو گئے ہیں۔

دوسرے لفظوں میں، اِسرائیل کبھی یہ جرأت نہ کرتا کہ وہ اُس اَمن اور زیادہ صحیح الفاظ میں شکست خوردگی، دوررس و طاقت ور اور ہمہ گیر غلامی کا طوق اُن عربوں کے گلے میں ڈالنے کی کوشش کرے، جو عرب ہونے کی بنا پر ذکاوت و فطانت، جرأت و بہادری اور انکارِ ظلم کے حوالے سے مشہور رہے ہیں۔ اُنھیں یہ صفات نسل در نسل ورثے میں ملی ہیں۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ عرب، نبی اکرم ﷺ۔ جن کے صدقے میں خدائے بخشندہ نے اُنھیں عزت و شرافت کے لازوال خزانے سے اُس وقت تک نوازا، جب تک وہ اُن کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے رہے۔ پر ایمان رکھنے کے سبب ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسے جاسکتے، چہ جائے کہ ایک ہی سوراخ سے ناقابلِ شمار مرتبہ ڈسے جائیں۔ اگر عرب مقدور بھر طاقت سے مُسلّح ہوتے کہ اُس کی وجہ سے خدا اور اُن کے دشمنوں کے دل میں دہشت بیٹھ جاتی اور اللہ کی بتائی ہوئی شرطوں پر پورے اترتے، یعنی یہ کہ وہ آپسی اختلاف و نزاع کا شکار نہ ہوتے، جس سے اُن کی ہوا اکھڑ گئی اور وہ ناکامی سے دوچار ہوے، تو اسرائیل کو کبھی یہ ہمت نہ ہوتی کہ وہ شکست، ذلت و رسوائی اور غلامی کو ہمارے سر تھوپے۔

اَمن سیریل کو اُن پر تھوپے جانے کی واحد وجہ اُن کی شکست خوردگی، عربی اتحاد واشتراک کی ناکامی اور اِسلامی صف کا بکھراؤ ہے۔ اور اِس کے حتمی نتائج کے بہ طور مستقبل میں خطرناک اور خوف ناک شکل میں جو کچھ سامنے آئے گا، اُس کا سرچشمہ یہی مذکورہ دونوں عناصر ہوں گے، خواہ ہمارے دانش مندی کا دم بھرنے والے قائدین و سیاست داں اور صحافی و سفارت کار تاویلات گھڑنے، ذرائع پسندی، حکمت عملی اور اسرائیلی جن کو بوتل میں بند کرنے یا سوئی کے ناکے میں اونٹ کے داخل کرنے کی محال مُثل کو بروئے کار لانے کے لیے، وقت کے عنصر سے فائدہ اٹھانے کے لیے دلیلیں تخلیق کرنے کے فن میں کتنی ہی مہارت کیوں نہ دکھائیں۔

معاہدۂ کیمپ ڈیوڈ:

انور سادات نے ''مناحیم بیگن'' کے ساتھ کیمپ ڈیوڈ والے معاہدے پر دست خط کر کے عربوں کے ساتھ جو خیانت کی اور یاسرِ عرفات نے ''اسحاق رابن'' کے ساتھ ''اوسلو'' معاہدے پر دست خط کر کے امن وسلامتی کے دروازے کو چوپٹ کھول کر، عربوں خصوصاً اردن جو امن کی ریل پر سوار ہو چکا اور سیریا کے ساتھ - جو اِسی کردار کی ادائگی کے لیے اپنی باری کے انتظار میں ہے اور قرائن وشواہد بتلاتے ہیں کہ وہ اِس ریل پر دیر یا سویر سوار ہو ہی جائے گا - جس ''دیانت'' کا مظاہرہ کیا؛ دونوں قائدین کے یہ دونوں اِقدامات ''خیانت'' و ''دیانت''، ذلت پسند ذہنیت اور اندرونی شکست اور معنوی پسپائی کا نتیجہ تھے۔ انور سادات کی خیانت ہو یا یاسر عرفات کی دیانت، دونوں طاقت ور فاتح اسرائیل کی طرف سے اپنی مرضی کو تھوپنے کی وجہ سے اور اُس کے سرپرست امریکہ اور اُن مغربی ممالک کے چشم وابرو کے اِشارے پر روبہ عمل آئی تھیں، جنھوں نے اِس اسٹریٹیجک خطے سے مربوط اپنے ناگزیر مفادات کے لیے حفاظتی دیوار کی طرح اِسرائیل نام کے بیج کی عالمِ عربی کے قلب میں کاشت کی اور اُس کی دیکھ ریکھ کرتے رہے ہیں۔

نفسیاتی شکست کے اثرات:

اِسی نفسیاتی شکست نے ہی بے چارے اردنی شہری ''ابوسعید'' کو یہ کہتے ہوے اپنے بیٹے کا نام ''اسحاق رابین'' تجویز کرنے پر مجبور کیا کہ میری دلی تمنا ہے کہ میرے گھر ایک لڑکا پیدا ہو؛ تاکہ میں اُس کا نام ''اسحاق رابین'' رکھوں، جس کے لیے میرے دل کے نہاں خانوں میں بے پناہ عزت ہے، اِس لیے کہ وہ ایسا امن پرور سپاہی ہے، جس نے ''چچازاد بھائیوں''(۱) کے مابین قائم نفسیاتی خلیج کو پاٹ دیا اور امن ہی کے لیے اپنی جان

(۱) یہودیوں۔

قربان کردی۔'' اُس شخص نے ہفت روزہ اردنی اخبار ''مشرق'' کو بیان دیتے ہوئے کہا کہ اِس نام سے خوشی محسوس کرنے والی اُس کی بیوی، ''رابین'' کی بیوہ کو یہ بتانے کے لیے اُس کے پاس جائے گی کہ ''رابین'' مرے نہیں؛ بل کہ وہ ہم عربوں کے مابین پھر سے پیدا ہو گئے ہیں۔ ہم میں سے بصیرت مندوں کے عبرت حاصل کرنے کے لیے یہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ ''اسحاق رابین'' تو ہمارے نزدیک ''صہیونی دہشت گرد'' ہے اور عقل کے اُلٹے اُردنی کے نزدیک امن پر جان نثار کرنے والا شہید سپاہی ہے۔ یہی ''اسحاق رابین'' اُس اسرائیلی فوج کا چیف آف اسٹاف تھا، جس نے ۱۹۶۷ء میں شہرِ قدس کے تقدس کو پامال کیا اور قدس سمیت پورے مغربی کنارے کو، اُس پر اقتدار رکھنے والے اردن کے ہاتھوں سے چھین لیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ مذکورہ اردنی شخص کو فلسطینی انتفاضے کے بچوں اور جوانوں کے اسرائیل کے ذریعے پاؤں توڑنے کی کارروائی سے کوئی سروکار نہ ہو؛ لیکن یہ بتانا ضروری ہے کہ اِس کارروائی کی اسرائیلی افواج کو واضح ہدایات کسی اور نے نہیں اِسی ''اِسحاق رابین'' نے دی تھی۔

اِسی نفسیاتی پسپائی نے مصری شہری کو اِس بات پر مجبور کیا کہ وہ سابق اسرائیلی وزیر اعظم ''مناحیم بیگن'' کے جس نے مصری صدر انور سادات کے ساتھ معاہدۂ ''کیمپ ڈیوڈ'' پر دستخط کیا تھا، نام پر ''بہ طور تبرک'' اپنے لڑکے کا نام ''بیگن'' رکھے۔

اسرائیل نے ساری کارروائیاں، فتح مندی کے احساس کے تحت کیں:

اِس کے بالمقابل ماضی، حال یا مستقبل میں ہونے والے امن کے واقعات، ارضِ فلسطین میں اسرائیلی ریاست کے روزِ اول سے اِن سطور کے سپردِ قرطاس کرنے تک [1] عرب ممالک کے ساتھ اسرائیل کے تمام طرز ہائے عمل پر گہری نظر رکھنے والا ہر کوئی یہ محسوس کرے گا کہ اسرائیل نے جتنے اقدامات و کارروائیاں کیں اور عربوں کے ساتھ باہم جتنے

(۱) یہ سطریں، عربی میں اوائلِ ذی قعدہ ۱۴۱۶ھ = اوائلِ اپریل ۱۹۹۶ء میں لکھی گئی تھیں۔

سلوک کیے، وہ سب فتح مند و کام یاب اِحساسِ برتری اور طاقت اور غلبہ کے احساس کے تحت کیے۔ اِسرائیل کو یہ حق ہے کہ وہ فخر و مُباہات میں مبتلا ہو؛ اس لیے کہ وہ ایک ایسی قوم ہے، جس کی فطرت میں ہی غرور و تکبر اور شر پسندی داخل ہے۔ آج اِسرائیل نے مغرب اور خود امریکہ کی طرف سے ملنے والے لامحدود اور مسلسل تعاون کے بل پر عالم عربی کے بیچ میں ایک طاقت ور ملک کا روپ اختیار کر لیا ہے، اُس نے اپنے بہت سارے خوب صورت خوابوں کی تعبیر، عالمِ عربی پر اپنے کو اس طرح تھوپ کر ڈھونڈ ھ نکالی ہے، جس سے چشم پوشی کرنا عربوں کے لیے کسی بھی طرح ممکن نہیں؛ چناں چہ اُس نے اپنے ساتھ ہر عربی ملک کو الگ الگ نام نہاد امن مذاکرات کرنے پر بہ زورِ طاقت مجبور کیا اور عرب ممالک کھڑے منہ دیکھتے رہ گئے، نہ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کر سکے اور نہ دوٹوک انداز میں یہ کہنے کی ہمت جٹا سکے کہ اگر ہم مذاکرات کی میز پر بیٹھیں گے، تو ایک ساتھ اور ایک وقت میں بیٹھیں گے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسرائیل کو عرب ممالک پر اپنی تمام شرطیں تھوپنے اور یہ طے کرنے کا موقع مل گیا کہ وہ جب چاہے گا اور جس طرح چاہے گا اُسی وقت اور اُسی طرح مذاکرات کرے گا۔ کس سے پہلے اور کس سے دوسرے اور تیسرے مرحلے میں بات چیت ہوگی؟ یہ اختیار بھی اُسی کو ہوگا۔ مذاکرات کو مقدم و مؤخر اور طویل و مختصر کرنے کا عمل اُسی کی مرضی پر منحصر ہوگا۔ دوسری طرف عرب ملکوں کا یہ حال ہے کہ وہ پت جھڑ کے موسم میں درخت سے پتوں کے جھڑنے کی طرح، اُس کی گود میں گرے پڑ رہے ہیں، اُن میں سے ہر ایک اِس کوشش میں دن رات ایک کیے ہوا ہے کہ وہ اپنے بے وفا محبوب اسرائیل کے ساتھ تعلقات قائم کرنے اور دوستی کی پینگیں بڑھانے کے فن میں اپنے پڑوسی ممالک پر سبقت لے جائے۔

اسرائیل کو یہ حق ہے:

اِسرائیل کو یہ حق ہے کہ وہ برتری کے اِحساس سے بدمست ہو، اِس لیے کہ اُس نے

فوجی اور اسٹریٹیجک دونوں سطحوں پر عرب ممالک پر برتری اور سیاسی تسلط حاصل کرلیا ہے، اُس کو اتنی بین الاقوامی حمایت وتعاون حاصل ہے، جتنی آج کی تاریخ میں کسی عربی ملک کو حاصل نہیں، ساتھ ہی اُس کے پاس عرب ملکوں کے مقابلے کے لیے زبردست مغربی طرز کی افواج اور عربوں کو شکست دینے کے لیے روایتی عسکری طاقت ہے، نیز سراغ رسانی کی اتنی قدرت ہے، جس کے آس پاس بھی کوئی عربی ملک نہیں، پورے خطے میں رونما ہونے والے سیاسی واقعات پر اسرائیل کو راست اور بالواسطہ خود مختارانہ کنٹرول کرنے کی طاقت حاصل ہوگئی ہے۔ اسرائیل نے یہ سب کچھ اپنی فطری چالاکی وعیاری، اپنی اُس منافقانہ، موقع پرستانہ اور داؤ پیچ والی مثالی قدرت کی وجہ سے حاصل کیا ہے، جس کے سبب وہ عموماً یورپ اور خصوصاً امریکہ کو ہر وقت اپنے مفادات اور وقتی یا دائمی فائدے کے لیے استعمال کرنے کے فن میں پختہ مہارت رکھتا ہے۔

داؤ پیچ اور مکاری کے فن میں طاق ہونے کی وجہ سے، اسرائیل کو گزشتہ سالوں میں، عالمِ عرب کے اندر گرم اور سرد باہمی کش مکشوں اور خون خرابوں کی آگ بھڑکانے میں کامیابی ملی ہے، اِس معاملے کی وجہ سے عالمِ عرب کو مزید ذلت ورسوائی اور ناکامی ونقصانات کا منحوس چہرا دیکھنا پڑا۔ نام نہاد امن معاہدوں کو عرب ممالک کے سر تھوپ کر ہی، اسرائیل کے لیے یہ ممکن ہوا کہ وہ اُن بڑے بڑے اہداف ومقاصد کو عملی جامہ پہنائے، جن کی وجہ سے عالمِ عربی تمام شعبوں میں اور تمام سطحوں پر تلخ وکڑوا گھونٹ حلق میں اتارنے کی آزمائش میں مبتلا ہے؛ چناں چہ ایک طرف تو اسرائیل نے مٹی، مذہب وعقیدہ اور اہداف و انجام کے حوالے سے حقیقی بھائیوں اور دونوں گروپوں (یاسر عرفات کی سرکردگی میں سیکولر گروپ اور حماس کی قیادت میں اِسلام پسند گروپ) کے فلسطینیوں کے درمیان خوں ریز دائمی کش مکش کی تخم ریزی کی اور اُنھیں خطرناک تصادم کی راہ پر ڈال دیا اور سیکولر گروپ کے لیے اِسلام پسند گروپ کو جڑ سے اکھاڑ ڈالنے کی راہ آسان کردی، اِس طرح صہیونی دشمن نے ایک ہی مذہب اور مشترکہ انجام کی لڑی میں پروئے ہوئے بھائیوں کو ایک ایسے پیچیدہ

اور ناقابلِ حل پوزیشن کے بیچ لاکھڑا کردیا، جس سے اُنھیں اپنی جلاوطنی کے سالوں میں کیوں واسطہ پڑا ہوگا؛ اِس ''خوب صورت طریقے'' سے بھائی کو بھائی کی مزاحمت پر اُبھارنے کی نظیر سے، پوری عربی تاریخ کا دامن خالی ہے کہ کس طرح کمال چالاکی سے مکار دشمن نے فلسطینیوں کو اِس بات پر آمادہ کردیا کہ وہ اپنے کو دھوکہ دے کر خوش ہوں۔ اِس شیطانی امن سیریل کے جال میں پھنسنے والے فلسطینی اور غیر عرب عن قریب یہ جان لیں گے کہ اُنھوں نے صہیونیوں کی فطرت اور قاتلانِ انبیا کے مزاج سے دانستہ آنکھیں موند کر کیا کھویا اور کیا پایا ہے؟

اتحاد والے قدرِ مشترک کے احساس کا فقدان:

دوسری طرف سیاسی ماہرین اور عالمِ عربی کے حالات، اسرائیل کے عزائم، صہیونی مقاصد اور صہیونیوں کے خطرناک منصوبوں سے باخبر افراد کا یہ خیال ہے کہ عربوں کو باہمی اتحاد کی لڑی میں پرونے والے قدرِ مشترک کا احساس اُسی وقت سے بے وزن اور کم زور ہوگیا، جب سے عرب، امن کی طرف جانے والی مختلف و متعدد راہوں پر چل پڑے؛ چناں چہ فلسطینی، اردنی اور سیریائی سبھوں نے الگ الگ راہ اختیار کرلی۔ اُن لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ اِس قدرِ مشترک کا احساس آگے چل کر، شہرِ قدس کے عربی ہونے کی حفاظت کے حوالے سے عربوں کی باہمی دل چسپی کی رسی ڈھیلی ہونے کی صورت میں یا تو مزید زوال پذیر ہوجائے گا، یا پھر بالکلیہ ناپید ہوجائے گا۔ اِس بنیادی مُحرّک کے ناپید ہونے کی صورت میں عربوں کا باہمی اتحاد و اشتراک ختم ہوجائے گا اور اِس طرح طاقت ور اسرائیلی دشمن کو عربوں پر ٹوٹ پڑنے، اُنھیں اور اُن کے مفادات کو مزید تکلیف دہ ضرب لگانے اور اُن کے گھر کے اندر ہر قسم کی تباہی و بربادی کا کھیل کھیلنے کا موقع ہاتھ لگ جائے گا۔

قدس کی عربیت کے مسئلے کے گرد، عربوں کی یک جائی، نیز اِس پر اصرار کہ قدس عربی اور وسیع تر وطن عربی کا ایک حصہ رہے اور یہ کہ اسلام و مسلمانوں کے کنٹرول میں ہی

رہے: یہ رسالت محمدیہ خاتمہ کے بعد، عربوں کے باہمی اتحاد اور اُن کے مابین اٹوٹ رشتے کا سب سے بڑا اور طاقت ور محرّک تھا اور ہے۔

سیاسی حصول یابیاں، امن سیریل والی مخصوص بات چیت، ایک طرف دشمن، مغربی قائدین اور وہائٹ ہاؤس کے اہل کاروں کے بیانات اور دوسری طرف عرب قائدین، خصوصاً یاسرعرفات کے پانی کے بلبلو کے مانند بے جان کھوکھلے اعلانات سے، عربی صورتِ حال میں آنے والے گرم نشیب وفراز پر معمولی سی نظر رکھنے والے کو بھی، حالات کو اچھی طرح پڑھنے اور سمجھنے کا موقع ملتا ہے؛ تاکہ وہ اِس سے یہ نتیجہ اخذ کرے کہ عرب، بیت المقدس کے سلسلے میں سہل انگاری سے کام لینے لگے ہیں اور یہ کہ وہ دن دور نہیں جب یہودی شہر قدس کو، بالکلیہ یہودیالیں، اور پوری دنیا والوں کے سامنے اُس کو اسرائیل کی دائمی راجدھانی بنادینے کا اِعلان کردیں اور مسجدِ اقصی کو منہدم کرکے، نام نہاد ہیکلِ سلیمانی بناڈالیں۔

شمعون پیریز کا مغرورانہ بیان:

چناں چہ صہیونی وزیراعظم ''شمعون پیریز'' نے اوائلِ فروری ۱۹۹۶ء میں امریکہ کے یہودی علما کے ساتھ اپنی میٹنگ میں زور دے کر یہ بات کہی ہے کہ مستقبل میں عرب اوراسرائیل کے درمیان ہونے والے مذاکرات کے ایجنڈے میں کبھی قدس شامل نہ رہے گا۔ برلن کی طرح شہرِ قدس کو دوحصوں میں تقسیم کرنے کی بات انتہائی حماقت اور بے عقلی ہے۔ اِسی میٹنگ میں ''پیریز'' نے پہلی کانفرنس کے سوسال پورے ہونے پر، اگلے سال ۱۹۹۷ء میں ایک صہیونی کانفرنس کے انعقاد کی اپیل، اِس مقصد سے کی کہ اس میں شہر قدس کے اسرائیلی راجدھانی ہونے کا اعلان کیا جائے۔ اِس طرح کی پہلی کانفرنس یہودیوں نے ۱۸۹۷ء میں سوئزرلینڈ کے شہر بال (Bale) میں منعقد کی تھی، جس میں انھوں نے ''عظیم اسرائیل'' کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کی منزل تک پہنچنے کے اپنے

مقاصد متعین کیے تھے۔ مذکورہ پہلی یہودی کانفرس کے بعد سے ہی، یہودی شہرِ قدس کو یہودیانے کی جانب مسلسل قدم بڑھاتے رہے اور عالمی برادری، اقوامِ متحدہ میں نمایندہ بن کر اُن کے ساتھ گٹھ جوڑ کرتی اور اُن کا ساتھ دیتی رہی؛ کیوں کہ اُنھوں نے ۲۹/فروری ۱۹۴۷ء کو فلسطین کی تقسیم اور شہرِ قدس کو بین الاقوامی بنانے کی قرارداد پاس کردی تھی، ۱۹۴۸ء کی جنگ اور فلسطین کے ملبے پر اسرائیل کے قیام کے اعلان کے بعد ۱۳/دسمبر ۱۹۴۹ء کو قدس کے اسرائیلی راجدھانی ہونے کا اِعلان جاری کیا، ۱۹۶۷ء کے بعد اسرائیل نے مشرقی قدس کا انضمام کرکے وہاں ۸۴ ایسی کالونیاں قائم کرلیں، جن میں ایک لاکھ ستر ہزار یہودی رہنے لگے، ۳۰/جون ۱۹۸۰ء کو اسرائیلی پارلیمنٹ نے ایک ایسے قانون پر منظوری کی مہر لگادی، جس کی رو سے پورا قدس اسرائیل کی متحدہ راجدھانی بن جاتا ہے۔

عربی اور فلسطینی قائدین کی، قضیۂ قدس سے بے تَوَجُّہی:

دوسری طرف اسرائیل کے ساتھ مذاکرات کی میز پر بیٹھنے والے عرب و فلسطینی اور اُس کے ساتھ بلا انقطاع امن معاہدہ کرنے والوں نے، قدس کا نام لیے بغیر اسرائیل کے ساتھ معاہدے کو آخری شکل دینے والے ''انور سادات'' کے طرزِ عمل کی شروع سے ہی پیروی کرتے ہوے قضیۂ قدس پر کوئی توجہ نہ دی اور اُن عربی قائدین کے نقش قدم پر چلتے ہوے قضیۂ قدس سے بے اعتنائی برتی، جو اکتوبر ۱۹۹۱ء کو مڈریڈ کانفرنس میں شرکت کے لیے گئے، حال آں کہ دعوت نامے میں قدس کا نام بھی نہ لیا گیا تھا، اُن عرب قائدین نے صرف یہ کیا کہ اُنھوں نے ''اسرائیل'' کے وجود اور فلسطین پر اُس کے کنٹرول کو تسلیم کرلیا؛ نیز اُن عربوں، فلسطینیوں اور امن معاہدہ کرنے والوں نے اخیر میں معاہدہ ''اوسلو'' کو مانتے ہوے قضیۂ قدس کو پسِ پشت ڈال دیا، جس پر یاسر عرفات نے اسرائیل کے ساتھ دست خط کیا تھا، حال آں کہ قدس اور اُس کے مستقبل کے حوالے سے اُس میں کوئی واضح

بات نہ تھی، اُس میں یہ بات درج تھی کہ معاہدے کے ایک سال کے دوران شہر قدس کی صورتِ حال پر بات چیت اور غور و خوض ہوگا۔ بات چیت کیسی اور کس طرح کی ہوگی؟ اس سلسلے میں بھی کوئی وضاحت نہیں کی گئی تھی۔ معاہدہ کو ہوے کئی سال ہو گئے، کوئی بات چیت نہ ہوئی اور نہ آیندہ دور دور تک اِس کے کوئی آثار نظر آتے ہیں، جیسا کہ خود ''شمعون پیریز'' نے کئی موقع پر اِس کی صراحت کی ہے کہ اِس سلسلے میں اب کوئی بات نہیں ہونے کی۔ یاسر عرفات نے اِعلان کیا تھا کہ وہ قضیۂ قدس کے حل کے تئیں ویٹیکن کے فارمولے پر مضبوطی سے قائم ہیں، بعدازاں یہ راز بھی کھل گیا کہ ویٹیکن نے، قدس پر اسرائیلی کنٹرول سے چھیڑ چھاڑ نہ کر کے، مقدس مقامات پر بین الاقوامی کنٹرول کا مطالبہ کیا ہے، اِس میں شک و شبہہ کی کیا گنجائش ہے کہ یہ عمل بھی قدس پر اسرائیلی تسلّط کو ایک دوسرے انداز میں تسلیم کر لینے کے ہم معنی ہے۔

صہیونی اپنے مقاصد کی راہ پر محوِ سفر:

رہے یہود، تو وہ کسی کو اعتماد میں لیے بغیر، اپنے تمام منصوبوں کو بر پا کرنے کی راہ پر تیزی کے ساتھ گام زن ہیں، اُنھوں نے شہرِ قدس کو اپنی راج دھانی اعلان کر کے تمام رکاوٹ کو عبور کر لیا ہے، وہ پچھلے کئی مہینوں سے دکانیں تعمیر کر رہے ہیں، جوئے، شراب اور رقص و سرور کی گرم بازاری کر کے، نو آباد کالونیوں کے رقبے کو پھیلا رہے ہیں شہرِ قدس کو یہودیانے اور اُس پر یہودی کنٹرول کو مُسلّط کرنے کی آخری کارروائی کرنے کی غرض سے، وہاں یہودیوں کی تعداد میں اِضافے کے ذریعے، اس مقدس شہر کے تقدس و پاکیزگی کی دھجیاں بکھیر رہے ہیں۔

خصوصاً قضیۂ قدس اور عموماً قضیۂ فلسطین سے قطعِ نظر کرتے ہوے، اِسرائیل کے ساتھ امن معاہدوں کے بعد کی صورتِ حال پر نظر رکھنے والے قاری کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اِن معاہدوں سے پہلا اور آخری استفادہ کرنے والا صرف اسرائیلی فریق ہوگا اور یہ

یقین بھی کہ عربوں کے حصے میں صرف نقصانات اور مزید پریشانیاں آئیں گی۔ واقعی یہ خوف ہمیں ستا رہا ہے کہ اسرائیل کو عالمِ عربی کا ایک عنصر کے طور پر قبول کرنے کے بعد، عرب تعلقات کی سطح پر ایسے لاینحل مسائل سر ابھاریں گے، جو عالمِ عرب کو تشدد کی راہ پر ڈال دیں گے اور اسرائیل و مغربی ممالک اِس تشدد کی آگ پر تیل ڈالتے رہیں گے۔ اِس طرح عالمِ عربی اسرائیل کے ساتھ معاہدے کے بعد، مزید بدامنی کے خطرے سے دوچار ہے کہ اِس پر حقیقی نتائج کے بطن سے جنم لینے والی بہت سی مضبوط دلیلیں موجود ہیں۔ جب کہ اسرائیل کے پاس عالمی ذرائع اِبلاغ - جن میں سے اکثر یورپ اور امریکہ کی قیادت میں اسرائیل کا وفادار دوست ہے- کے توسط سے اپنے لیے پوری دنیا میں یہ ڈھنڈورا پیٹنے کی بھرپور قدرت ہے کہ اُس کے آنگن میں امن وسلامتی کھیلتی ہے، وہ عالمی سرمایہ کاری اور ہمہ جہتی بین الاقوامی ٹکنالوجی کا پُر امن گہوارہ ہے، اِس لیے جس شخص کو بھی خطۂ مشرق وسطی میں سرمایہ کاری سے دل چسپی ہو، اُس کے لیے اسرائیل بہترین اور مناسب جگہ ہے، نیز یہ کہ اسرائیل کے قبضۂ قدرت میں واضح اسٹریٹیجک پالیسی ہے اور اُس کے مقاصد واضح ہیں اور دوسری طرف ایک مکمل اور ہمہ گیر یونٹ کی طرح عربوں کی پالیسی کی تصویر دھندلی ہے، اِسی طرح اُن کے مقاصد کیا ہیں؟ اِس کا بھی کچھ اَتہ پتہ نہیں، خصوصاً یہ کہ عربوں کو باہم تین قسم کے چیلنجوں کا سامنا ہے۔ ۱- سیاسی چیلنج کہ وہ سرحدوں کے تنازع کے شکار ہیں، بے روزگاری اپنے پیر پسارے ہوے ہے اور عالمی مجلسوں میں اُن کی متحدہ نمائندگی معدوم ہے۔ ۲- فکری و تہذیبی چیلنج کہ عرب دو مرکزی دھڑوں میں بٹے ہوے ہیں۔ ۳- اقتصادی چیلنج کہ اگر چند تیل پیدا کرنے والے ممالک کو چھوڑ دیا جائے، تو عالمِ عرب، خصوصاً اُس خلیجی جنگ کے بعد سخت اقتصادی بحران سے دوچار ہے، جس نے خلیج کی اقتصادی صلاحیتوں کو پوری طرح مفلوج کر دیا ہے۔ حال آں کہ خلیج کا یہ خطہ پورے عالمِ عرب کے لیے اہم وسائلِ آمدنی کی حیثیت رکھتا تھا۔ عالم عربی کی صورتِ حال کا تجزیہ کرنے والوں کو یہ اندیشہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ امن کا ڈراما ختم ہونے کے بعد یہ تینوں

چیلنج مزید طاقت ور اور بھیانک ہو جائیں اور عربوں کی صلاحیتوں کو برباد کرنے کی راہیں ہموار ہو جائیں، جس کے نتیجے میں عالم عربی کوئی پالیسی اور واضح مقصد کی تعیین نہ کر پائے؛ اس لیے کہ عالمِ عربی اپنے بہت سے مسائل پر مُتّحِد الخیال نہیں ہے۔ اِس طرح اسرائیل تنہا سیاسی اور اقتصادی دونوں سطحوں پر بیک وقت امن کا پھل توڑتا اور کھاتا رہے گا اور عالمِ عرب تاریک مستقبل کی زندگی جیتا رہے گا۔

اِن حقائق اور کام یابیوں کی روشنی میں، اِسرائیلی قائدین اور جنرلوں کے لیے صرف جائز ہی نہیں؛ بل کہ مناسب ہے کہ وہ عربوں کے تعلق سے اپنے طرز ہائے عمل کے اظہار میں طاقت، برتری اور اسرائیلی ریاست پر اِترانے اور ناز کرنے کے اِحساس میں بدمست اور سرشار رہیں اور اِشارے کنایے میں، عربوں کے ساتھ بھونڈے مذاق اور بدترین مذمت پر مشتمل گرم گرم بیانات دیا کریں۔

یہود باراک کا بیان:

اِن بیانات میں تازہ ترین وہ بیان ہے، جو سابق اسرائیلی جنرل اور موجودہ وزیر خارجہ "یہود باراک" نے حال ہی میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ہونے والے اجلاس میں دیا تھا، جس کا انعقاد یہودی امریکی یونینوں کی مرکزی تنظیم نے کیا تھا۔ اُس نے کہا: "سیریا کے ساتھ جو اسرائیلی بات چیت ہو رہی ہے، وہ اُس طاقت ور موقف کے ذریعے ہو رہی ہے، جس کی وجہ سے اسرائیل کو پورے طور پر داؤ پیچ کا اعلیٰ معیار فراہم ہوگا۔"

اُس نے مزید کہا: "عربی سوچ میں تبدیلی کا بنیادی سبب یہ ہے کہ عالمِ عرب کو ہماری طاقت کا پورا اِحساس ہوگیا ہے؛ کیوں کہ ہمارے پاس ایٹمی طاقت ہے۔ عالم عربی میں اب بھی بہت سوں کی سوچ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے؛ لیکن ہم اپنی طاقت کی جی توڑ، حفاظت کریں گے؛ تا کہ ہم یہ ضمانت لے سکیں کہ آیندہ اِن معاہدوں کا احترام کیا جائے گا۔"

اُس نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوے کہا: اسرائیل، انسان نما درندوں کے

درمیان واقع، ایک ایسے فلیٹ میں رہ رہا ہے، جس میں مال وزر کی بہتات ہے اور جس کا تہذیب وٹکنالوجی پر خاصا کنٹرول ہے۔ اِس فلیٹ کے باہر دوسرے مخالف قوانین واصول چلتے ہیں، جہاں کم زوروں کے لیے نہ کوئی جگہ ہے اور نہ ہی اُن کے حقوق۔

مصری اخبار ''الاہرام'' کا غیظ وغضب:

مصری اخبار ''اہرام'' نے اِس جنرل اور اسرائیلی وزیر خارجہ کے خلاف زبردست غیظ وغضب کا اظہار کیا، جس نے بڑے ذلت آمیز طریقے سے عربوں کا مذکورہ لفظ سے مذاق اڑایا تھا، یعنی ''فلیٹ'' سے اُس کی مراد ریاستِ اسرائیل تھی جو جنگلی درندوں کے بیچ واقع ہے۔ ''جنگلی درندوں'' یا ''جنگلی لوگوں'' کے لفظ سے اُس نے اُن عربوں کی طرف اِشارہ کیا تھا، جن کے پاس کم زوری، ذلت اور حقوق سے محرومی کے سوا اور کیا ہے؟

اخبار کہتا ہے: اسرائیل ہمیشہ اِسی متکبرانہ زبان سے بات کرتا رہا ہے اور جارحانہ جذبے اور غلط بیانی سے کام لیتا رہا ہے، جس نے اسرائیل کے نام نہاد امن کے سارے معاہدوں کی دھجیاں اڑا کر رکھ دی ہے اور جس سے، اِس خطے میں، اسرائیل کے حقیقی عزائم کے تئیں شکوک گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ اسرائیل کے ذریعے حقوقِ انسانی کی پامالی سے بھی اچھی طرح واقف ہیں۔ اسرائیل حقوق، ذمے داریوں اور قوانین کی بات کرنے میں دنیا کی ساری قوموں سے، پیچھے رہتا ہے۔ (۱)

جب میں نے یہ سچی باتیں پڑھیں، تو میرے دل میں اِس تمنا نے انگڑائی لی کہ کاش پڑوسی ملک مصر کو اِسی طرح یا اِس سے کم غضب ناک انداز میں اُن لوگوں کے خلاف گرجنے اور برسنے کی توفیق مل گئی ہوتی، جو ماضی میں بھی ''حسینہ'' اسرائیل کے گالوں کا گرم گرم بوسہ لینے کے لیے دوڑتے رہے ہیں اور اب بھی دوڑے جا رہے ہیں، اُن لوگوں نے پہلے بھی اُس کے خوب صورت رخساروں کو چومنے کے حوالے سے ایک دوسرے پر سبقت

---

(۱) الاہرام ۱۵/۲/۱۹۹۶ء = ۲۵/۹/۱۴۱۶ھ۔

لے جانے، نیز دوسرے ''عرب مشتاق'' یعنی قائدین و حکم راں پر اِس ''عظیم سعادت''
کے حصول میں فوقیت لے جانے کی کوشش کی اور ہنوز اِسی عمل میں مصروف ہیں۔

یہ کوئی پہلا موقع نہیں:

اگر چہ ''یہود بارک'' کا یہ بیان، دگر صہیونی رہ نماؤں کے اِس قسم کے بیانات کے مقابلے میں، زیادہ واضح اور ہمہ گیر ہے؛ لیکن یہ کوئی پہلا موقع نہیں ہے کہ کسی صہیونی رہ نما نے اِس قسم کا تکلیف دہ اور جارحانہ بیان دیا ہو۔ چناں چہ اِس سے پہلے جون ۱۹۶۷ء کی اِسرائیل عرب جنگ کے دوران اِسرائیلی وزیر دفاع ''موشے ڈایان'' نے، جو ''بارک'' ہی کی طرح طاقت اور برتری کے اِحساس میں بدمست تھا، بہت ساری عربی زمینوں پر اسرائیلی قبضے کے بعد کہا تھا: ''اَب یا آیندہ، سوائے ٹیلی فون کے پاس بیٹھنے کے، ہمارا کوئی کام نہ ہوگا، عرب ہمارے ٹیلی فون کا نمبر جانتے ہیں۔''! اِسی طرح اِسرائیل کی ''تسویٹ'' پارٹی کے موجودہ صدر اور سابق اسرائیلی جنرل نے اِس صدی کی آٹھویں دہائی میں کہا تھا: ''وہ وقت آنے والا ہے، جس میں فلسطینی شیشے کی بند بوتل کے اندر بے ہوش جھینگر بن جائیں گے اور اِسی بنیاد پر اُس وقت ہم اُن کے ساتھ جو چاہیں گے، کریں گے۔''

اگر ہم یہ پیشِ نظر رکھیں کہ اسرائیل کے جنرل دنیا کے دوسرے ملکوں کے عام جنرلوں کی طرح نہیں ہوتے کہ وہ اپنے فوجی پیشے میں ہی لگے رہتے ہیں، اُنھیں سیاسی کاموں، قیادت اور قانون سازی کے منصوبوں سے کوئی لینا دینا نہیں ہوتا، ہنگامی حالات اور اِستثنائی صورتِ حال اِس سے مُستثنیٰ ہے؛ لیکن اِسرائیلی جنرل تو اپنے فوجی ڈریس اتارتے ہی اِس مقصد سے ہیں کہ وہ اِسرائیلی معاشرے میں مُتوقّع سیاسی رول ادا کریں۔ اگر ہمارے ذہن میں یہ سچائی رہے تو ہم عربوں کے ساتھ امن اور صلح صفائی کے اسرائیلی تصوّر سے سرشار جنرلوں کے بیانات کے معنی و مفہوم کو اچھی طرح سمجھنے کی پوزیشن میں ہوں گے اور ہمارے لیے یہ بات عیاں ہو جائے گی کہ اسرائیل، کسی منطق پر اُس طرح

یقین نہیں رکھتا، جس طرح وہ طاقت کی منطق پر یقین رکھتا ہے اور یہ کہ عسکری صلاحیت کو اسرائیل فیصلہ کن مانتا ہے اور اِس پر اسرائیل کو اتنا اعتماد ہے، جتنا اُن اقدار میں سے کسی قدر پر اُس کو اعتماد نہیں، جن پر انسانوں کا ایمان ہوتا ہے۔ تو کیا وقت آ گیا ہے کہ ہمارے سرکردہ سیکولر سیاسی رہنما اِس سبق کو سمجھیں اور یاد رکھیں گے، جس کو اسرائیل مفت اور بغیر کسی فیس کے اُنھیں سکھانا چاہتا ہے۔!!



اسرائیل کے لیے، صرف اسلام پسند مجاہدین ہی زبردست چیلنج ہیں(*)

اسرائیل کی من مانی اور ہٹ دھرمی کا عالم یہ ہے کہ وہ فلسطین والوں کے ساتھ جو چاہے کر گزرتا ہے، اُس کے جیں میں جو آتا ہے، بے چارے عربوں کے سر ڈھٹائی سے تھوپ دیتا ہے اور تمام ممکنہ تدبیروں کو کام میں لاکر وہاں کے اصلی باشندوں کا صفایا کرتا رہتا ہے۔ رہ نمایانِ عالم کی زبانیں مُقفّل ہیں کہ وہ اسرائیل کو دہشت گرد نہیں کہتے؛ لیکن بے چارے کم زور فلسطینی اگر اپنے وطن، اپنی عزت و آبرو اور مذہب کا دفاع کرنے کے لیے کوئی اِقدام کرتے ہیں، تو اِن کی زبانوں کا تالا کھل جاتا ہے اور وہ اِن اقدامات کو دہشت گردی کا عنوان دیتے ہیں، اسلام پسندوں کو دہشت گرد کہتے ہیں اور اسلام کے ساتھ دشمنی، بد نیتی اور اپنی بد باطنی کی وجہ سے، اسلامی جہاد اور دہشت گردی کو گڈ مڈ کر دیتے ہیں۔

اللہ ڈاکٹر یوسف قرضاوی مصری (۱) کو جزائے خیر دے کہ اُنھوں نے دوحہ، قطر میں

(*) ترجمہ کلمۃ المحرر، الداعی، شمارہ:۱۲، جلد:۱۹، ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ = مئی ۱۹۹۶ء۔ ترجمہ اردو: ۱۴۲۸/۱/۱۲ھ = ۲۰۰۷/۲/۲ء۔

(۱) علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی، بحمدہ تعالیٰ — جب یہ سطریں اواخر ۱۴۲۸ھ = اواخر ۲۰۰۷ء میں بہ شکل کتاب چھاپنے کے لیے ترتیب دی جارہی ہیں — حیات ہیں اور علم و فکر و ثقافت و دعوتِ اسلامی کے ہمہ گیر میدان میں ہنوز محوِ کار ہیں۔ علامہ اِس وقت عالمِ اسلامی و عربی کے عظیم مفکر، قد آور داعی اِلی اللہ، مؤلف و قلم کار اور زبردست فصیح و بلیغ مقرر ہیں۔ موجودہ اسلامی مفکرین میں اِس وقت بہ وقتِ تحریر، قلم و زبان کی زبردست صلاحیت کے حوالے سے، اُن کا کوئی ہم پلہ نہیں۔ وہ موسلا دھار بارش کی طرح تقریر کرتے ہیں اور قلم کی روانی کے لیے یہ کافی ہے کہ ہزاروں مقالات ←

حال ہی میں اپنے بیانات میں اِن ناپاک کوششوں کا منہ توڑ جواب دیتے ہوئے کہا:

''اِس میں کوئی شک نہیں کہ پورا کا پورا اسرائیلی معاشرہ جنگ جو ہے۔ اُنھوں نے عربی میڈیا میں در آنے والی تبدیلی کے بارے میں حیرت اور استعجاب کے ساتھ سوال کیا کہ آخر یہ تبدیلی کیوں واقع ہوئی ہے؟ کہ عربی میڈیا والے بھی ''اسرائیل'' کو ایک مسکین طبع بکری کا بچہ سمجھنے لگے ہیں، حال آں کہ وہ سب سے بڑا دہشت گرد ہے، جو ''بنیاد پرستی'' سے جنگ کے بہانے اسلام سے برسرِ پیکار ہے۔

← ومحاضرات کے علاوہ اُن کے قلم سے پچاس (۵۰) سے زائد کتابیں شائع اور مقبول ومشہور ہوچکی ہیں، جن میں سے بعض کئی کئی جلدوں میں ہیں۔ اُن کے ہاں فکری اعتدال کے ساتھ، ثوابتِ دین میں بڑی حد تک پختگی اور تقاضاہائے عصرِ حاضر کی حکیمانہ آگہی ورعایت پائی جاتی ہے۔ اُن کی تحریر وتقریر وتفکیر میں ایک راسخ العلم عالم کی پختگی، ایک مؤمن ادیب کی روشن ضمیری اور ایک درمند داعی الی اللہ کا سوز پایا جاتا ہے۔

وہ ۱۹۲۶/۹/۹ء (۱۳۴۵/۳/۳۰ھ) کو مصر کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے، ساری تعلیم از اول تا آخر جامعہ ازہر میں حاصل کی۔ وزارتِ اوقاف اور ازہر میں علمی ودعوتی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۶۱ء (۱۳۸۱ھ) میں وہ قطر آگئے، جہاں جامعہ قطر کے علمی اداروں، کلیات اور شعبہ ہائے تالیف وغیرہ میں تدریسی، تاسیسی اور انتظامی خدمات انجام دیں۔ ہنوز وہ قطر ہی میں مقیم ہیں، جہاں وہ ہمہ گیر طور پر محوِعمل ہیں۔ مسجد کی امامت، منبر کی خطابت اور مجالس ومؤتمرات وندوات کی شرکت ومحاضرہ اندازی سے لے کر دعوت وافتا وارشاد وہدایت کا کوئی ایسا اسلامی شعبہ نہیں جس میں اُنھوں نے اپنے انمٹ نقوش ثبت نہ کیے ہوں۔

اُن کی خدمات کے اعتراف میں شاہ فیصل ایوارڈ سے لے کر اب تک دسیوں انعامات واعزازات سے اُنھیں نوازا جاچکا ہے۔ عالمِ اسلام وعرب کی اسلامی کانفرنسیں اور سیمینار اُن کی شرکت کے بغیر ادھورے سے لگتے ہیں۔ وہ اعلیٰ پایے کے شاعر بھی ہیں، اُن کا دیوان ''نفحات ولفحات'' شائع ہوکر ادبا وشعرا سے خراجِ تحسین حاصل کرچکا ہے۔ اُن کے قلم کی چاشنی اور تقریر کی لذّت کی وجہ سے اُن کا قاری وسامع کبھی اکتاتا ہے نہ کبھی بے مزہ ہوتا ہے۔ اُن کا اسلوب ''سہلِ ممتنع'' کا بہترین نمونہ ہے۔ اُن کی ہر تحریر وتقریر میں بے پناہ ادبیّت وجاذبیّت ہوتی ہے۔

اُن کی مشہور کتابیں یہ ہیں:

الحلال والحرام في الإسلام، فقه الزكاة، حتميّة الحلّ الإسلامي، درس النكبة الثانية، الإسلام والعلمانيّة وجهًا لوجه، فوائد البنوك هي الربا المحرم، فتاوى معاصرة، الفتوى بين الانضباط والتّسيب، الاجتهاد في الشريعة الإسلامية، غيرالمسلمين في المجتمع الإسلامي، بيع المرابحة للآمر بالشراء، ←

موصوف نے جہاد اور خودکشی کے مابین واضح فرق کو بیان کیا اور کہا کہ جہاد ہلاکت کا نام نہیں؛ بل کہ جہاد کو چھوڑنے سے تباہی و بربادی جنم لیتی ہے۔ اُنھوں نے ایٹمی اسلحہ سمیت ہر قسم کے ہتھیاروں سے لیس اسرائیل کے خلاف — جو ایٹمی اسلحہ سمیت ہر قسم کے اسلحوں سے لیس ہے — جہاد کے ذریعے، اسلام پسندوں کے چیلنج بن جانے کے تعلق سے اپنی بے پناہ خوشی کا اظہار کیا۔



← فقه الصيام، مشكلة الفقر وكيف عالجها الإسلام، صحوة الشباب الإسلامي ظاهرة صحيّة يجب ترشيدها لامقاومتها، الصحوة الإسلامية بين الجحود والتطرف، الصحوة الإسلامية وهموم الوطن العربي والإسلامي، من أجل صحوة إسلاميّة راشدة تجدد الدين وتنهض بالدنيا، الصحوة الإسلامية بين الاختلاف المشروع والتفوّق المذموم، الحلّ الإسلامي فريضة وضرورة، أولويّات الحركة الإسلاميّة، فقه الدعوة .. ملامح وآفاق.

عبرانی دہشت گردی اور عربی دہشت گردی کا سرسری موازنہ (٭)

۲۵ رفروری - ۹ رمارچ ۱۹۹۶ء کی درمیانی مدت میں، قدس اور عسقلان میں ہونے والے فدائی حملوں میں، جوں ہی ساٹھ یہودی جہنم رسید ہوے، پوری دنیا میں جیسے قیامت برپا ہوگئی، ہوا کے دوش پر سوار ہوکر اسرائیل اور نام نہاد خود مختار فلسطینی اتھارٹی سمیت، دنیا کے چوٹی کے لیڈران، مصر کے شہر "شرم الشیخ" کے ہوٹل میں اکٹھے ہوے۔ اِس کانفرنس میں کل تیرہ عربی اور بارہ غیر عربی ممالک نے حصہ لیا، جن میں سے چار ممالک سلامتی کونسل کے مستقل ممبر ہیں۔ جن عرب ممالک کا فلسطینی اسرائیلی قضیے سے راست تعلق ہے، اُن میں سے سیریا اور لبنان اِس کانفرنس میں، اِس لیے شریک نہیں ہوے کہ اُن دونوں نے کانفرنس اور اُس کے مقاصد کے تعلق سے بہت پہلے ہی اپنی معترضانہ راے پیش کردی تھی؛ لیکن سارے معاملے پر کنٹرول رکھنے والے فریقوں نے - جن کا ہراول دستہ امریکہ ہے - اُن کی تجاویز کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا۔

صرف ساٹھ یہودیوں کی ہلاکت نے، دنیا کے قائدین کی نیندیں اڑا دیں:

اِن فدائی حملوں میں، حال آں کہ صرف ۶۰ یہودیوں کی جانیں گئیں؛ لیکن اِس

(٭) ترجمہ اداریہ (کلمۃ العدد) بہ عنوان: "بَیْنَ الْاِرْهَابِ الْعِبْرِيِّ وَالْاِرْهَابِ الْعَرَبِيِّ" شائع شدہ در الداعی، شمارہ: ۱، جلد ۲۰، محرم ۱۴۱۷ھ = جون ۱۹۹۶ء۔ ترجمہ اردو: ۹ رصفر ۱۴۲۸ھ = ۲۸/۲/۲۰۰۷ء۔

واقعے نے دنیا کے قائدین کی نیندیں حرام کردیں اور فلسطینی عربی ''دہشت گردی'' کے خلاف سرگرم مشن کی منصوبہ بندی کے لیے، کانفرنس کے انعقاد کے حوالے سے، اس طرح گرم جوشی کا مظاہرہ کیا گیا، گویا اگر ابھی چند گھنٹوں کے اندر اس معاملے کا کوئی حتمی حل نہ نکالا گیا، تو قیامت ضرور آجائے گی۔

قبضے کے بعد سے لے کر، اب تک ذلیل دشمن کے ہاتھوں ظلم کی چکی میں پسے ہوئے نہتے فلسطینی، اگر کوئی سنگ ریزہ یا پتھر بھی دشمن کی طرف پھینک دیتے ہیں، یا کوئی معمولی سی رضا کارانہ کارروائی کر بیٹھتے ہیں، تو سارے عالم میں- جس کی قیادت کی باگ ڈور ناجائز طریقے سے امریکہ کے ہاتھوں میں ہے، جو کسی بھی طرح قیادت کا مستحق اور اُس کا سزاوار نہیں- بھونچال آجاتا ہے اور پوری دنیا اپنے تمام ممکنہ وسائل کے ذریعے، اس ہلاکت خیز اور خوف ناک ''دہشت گردی'' کا مقابلہ کرنے کے لیے بے تاب ہو جاتی ہے۔

فلسطینیوں کے ساتھ یہ امتیاز کیوں؟

بہ ہرحال اسرائیل، جو ارضِ فلسطین میں اپنے ناجائز وجود کے وقت سے ہی فلسطینیوں اور دوسرے عربوں کے ساتھ، طرح طرح کے انسانیت سوز جرائم اور تعذیب و تذلیل کی جاں گداز کارروائیوں کا ارتکاب کرتا رہا ہے؛ اُس کی کارروائیوں کو دہشت گردی سے تعبیر کرنے کی ہمت، قائدینِ عالم نے کبھی نہ دکھائی اور اُس دہشت گردی سے لوہا لینے کی کسی نے مانگ نہ کی۔

فلسطینیوں کا پرندوں کی طرح شکار کرنے کے لیے، اسرائیل جن دہشت گردانہ قتل وغارت گری کا مسلسل اور بلا روک ٹوک ارتکاب کرتا آرہا ہے اور جس کے نتیجے میں آدھے عرب فلسطینیوں کو اپنی جانوں سے ہاتھ دھونا پڑا، کیا وجہ ہے کہ دنیا اُسے دہشت گردی قرار نہیں دیتی، آخر کیوں اُس پر مہر سکوت لگی ہوئی ہے۔

صابرہ، شتیلا، قبیہ، دیر یاسین، سموع، کفر قاسم اور مسجدِ ابراہیمی میں ہزاروں فلسطینیوں

کو اسرائیل نے اجتماعی طور پر موت کی نیند سلا دیا؛ لیکن قائدینِ عالم کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی اور اُس دہشت گردی کے خلاف دنیا کی قیادت کا دم بھرنے والوں نے ادنیٰ سی کارروائی کرنے کی نہ سوچی، جو عالمِ عربی کے اندر، عرب مسلمانوں کو ذلیل کرنے کے لیے بنائی گئی ناجائز ریاست، ماضی میں بھی کرتی رہی اور ہنوز اِسی راہ پر چل رہی ہے۔

آخر کیوں اسرائیل کو یہ موقع دیا گیا کہ وہ عالمِ عربی کے چپے چپے پر دست درازی کرتا رہے اور کسی بھی عربی ملک پر اپنی افواج اور سامانِ ضرب وحرب کے ذریعے دھاوا بول دے؛ چناں چہ ماضی میں اسرائیل نے عراق کے ایٹمی ری ایکٹر کو تہس نہس کر کے رکھ دیا، لبنان کے فلسطینی مزاحمت کاروں کو شہر بدر کر دیا اور ''تونس'' کے فلسطینی مورچوں کو - انھیں لبنان سے دربدر کرنے کے بعد - زبردست بم باری سے اڑا دیا، اُس کی جنگی اَنا کو اب بھی تسکین نہ ملی، تو اُس نے مقبوضہ فلسطین کے ایک چوٹی کے مجاہد ''ابو جہاد'' کو ٹھکانے لگا دیا، یاسر عرفات کا تعاقب کیا اور - جب تک اُنھوں نے اسرائیل کے ساتھ امن معاہدے پر دستخط نہیں کیا تھا - اُنھیں اور اُن کے ساتھیوں کو ''فلسطینی دہشت گردی'' کی علامت قرار دیتے ہوئے، قتل کرنے کی کوشش کی[1]

اسرائیل کی لبنان پر بم باری:

اور آج ''شرم الشیخ کانفرنس'' کے ذریعے اسرائیل کو عربوں اور فلسطینیوں کے

---

(۱) باعثِ عبرت ہے کہ اُوسلو معاہدے پر، یاسر عرفات کے ۱۹۹۳ء میں دستخط کر دینے کے بعد بھی اسرائیل نے، اُن کی تذلیل وتحقیر میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی، حتیٰ کہ اُنھیں ''رَمَلَّہ'' میں عرصے تک اُن کے دفتر میں محصور رکھا، اُن کے دفتر کے اکثر حصوں کو سخت بم باری کے ذریعے مسمار کر دیا، اُنھیں اچانک قتل کرنے کی بار بار کوشش کی اور جب یہ کوشش بہ وجوہ کام یاب نہ ہو سکی، تو اُنھیں اُن کی یہودی بیوی ''سُہیٰ'' کے ذریعے ایڈس کے جراثیم والا زہر دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تحریکِ حماس کے ذمے داروں نے اُسی وقت، جب اُن کی موت واقع ہوئی تھی، اِس خدشے کا اظہار کیا تھا کہ یاسر عرفات کی موت قدرتی نہیں؛ بل کہ قتلِ بَطی کی کوشش کے ذریعے ہوئی ہے۔ بعد میں باوثوق ذرائع کی تحقیق سے، بالآخر یہ ثابت ہو گیا کہ عرفات صاحب اسرائیل ہی کی ستم گری کے ذریعے، موت کی آغوش میں گئے تھے۔

خلاف - اگر وہ اُس کے تمام خوابوں کے برآنے کی راہ میں روڑے اٹکائیں - من چاہی کارروائی کرنے کو ہری جھنڈی دکھانے کے بعد، اس نے ۱۱-۲۷/اپریل ۱۹۹۶ء کے درمیانی وقفے میں لبنان کے جنوبی گاؤں پر جم کر بم باری کی، اُس کی بحری، بری، فضائی ہر طرح سے گھیرابندی کی، وہاں کے باشندوں کو دانے دانے کے لیے ترسایا، وہاں کی تنصیبات کا تیاپانچہ کر کے رکھ دیا، وہاں کے ہزاروں افراد کو جلاوطنی پر بادل نہ خواستہ مجبور کیا، اُس عربی ملک کے حیاتیاتی اور اقتصادی بنیادی ڈھانچے کو تباہی کے سامانوں سے بُری طرح پاٹ دیا، جس کی ۱۵ فی صد اراضی پر وہ دنیا والوں کی آنکھوں کے سامنے ناجائز طور پر ۱۴سالوں (۱) سے قبضہ کیے جما بیٹھا ہے۔

اسرائیل - جو امریکہ اور مغرب کا ناز پروردہ لئے پالک، یا دوسرے الفاظ میں (بعض عرب صحافیوں کے بہ قول) وہ دراصل اضافی امریکی ریاست ہے، جو جُغرافیائی حد بندی کے سبب، ریاست ہائے متحدہ امریکہ سے علاحدہ ہے - صرف اتنے پر ہی اکتفا نہیں کرتا؛ بل کہ جنوبی لبنان کے قصبہ ''یافا'' پر اندھادھند آتش و آہن کی بارش برسانے کی جرأت کرتا ہے، جہاں اقوامِ متحدہ کی تحفظِ امن افواج کا مرکزی دفتر ہے، وہ بلا روک ٹوک اس ہیڈ کوارٹر اور اُس کے اڑوس پڑوس رہنے والے شہری باشندوں کو نشانہ بناتا ہے، جس کے نتیجے میں ۱۰۳ شہری جاں بہ حق اور تین سو سے زائد زخمی ہو جاتے ہیں۔

اقوامِ متحدہ کے ذریعے مذمت؛ مگر پست لہجے میں:

اقوامِ متحدہ اپنی عالمی ساکھ کو بچانے اور اپنی جھینپ مٹانے کی ناکام کوشش کرتے ہوے، کوئی تحقیقی یا تفتیشی اقدام کرتی بھی ہے، تو عالمی طاقتوں کے بھوت سے، مارے خوف

(۱) یعنی ۱۹۸۲ء میں اُس نے لبنان پر حملہ کر کے فلسطینی کیمپوں کو تباہ کر دیا تھا اور وہاں جم کے بیٹھ گیا تھا؛ لیکن لبنان کے شیعی رہ نما ''حسن نصر اللہ'' کی تحریک ''حزب اللہ'' کی سخت مزاحمت کے بعد، اِسرائیل کو آج ۱۴۲۸ھ = ۲۰۰۷ء بہ وقت ترجمہ اردو سے، کئی سال قبل لبنان سے شکست خوردہ لوٹ جانا پڑا۔

کے اسرائیل کی انتہائی پست آواز میں اِس طرح مذمت کرتی ہے کہ اُس نے دانستہ طور پر اقوامِ متحدہ کے مرکز اور امن پسند باشندوں کو نشانہ بنایا ہے۔ لیکن اسرائیل کو اقوامِ متحدہ کا یہ دھیما لہجہ گوارا نہیں ہوتا؛ چناں چہ یہ سنتے ہی بلا کسی تاخیر کے امریکہ اور اسرائیل یہ کہتے ہوے عصا بہ کف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں کہ یہ کارروائی دیدہ ودانستہ انجام نہیں دی گئی، تو بے چاری اقوامِ متحدہ یہ کہہ دیتی ہے: یہ واقعہ - جس کو امریکہ اور اسرائیل اتفاقی حادثہ بتا رہے ہیں - بھول کا نتیجہ ہے، قصد وارادے کا اِس میں کوئی دخل نہیں۔

لوگ حیرت کے ساتھ پوچھتے ہیں کہ آپ نے اسرائیل کو اِس کی اجازت کیوں دے رکھی ہے کہ وہ بلا روک ٹوک کسی بھی فرد یا کسی بھی ملک کے ساتھ ہر قسم کے جرائم کا ارتکاب کرتا رہے اور ہر قسم کی جارحیت کی فصل اُگاتا پھرے؟۔

جب سے فلسطین میں ایک ریاست کی شکل میں اسرائیل کے ناپاک پودے کی کاشت کی گئی، وہ داخلی اور خارجی ہر سطح پر ملکی اور بین الاقوامی قوانین کو بے رحمی سے پیروں تلے روندر رہا ہے، فلسطینیوں کو دانے دانے کا محتاج بنانے کی پالیسی پر تیزی کے ساتھ چل رہا ہے۔ ڈرانے دھمکانے، ایذادہی اور اندھا دھند قتل وغارت گری کا بازار گرم کر رکھا ہے فلسطینیوں کی گھیرابندی، اُس کا روزمرہ کا کام بن گیا ہے اور اُنھیں یکسر جلاوطن کرنے کے لیے ہر طرح کی شیطانی تدبیروں پر عمل پیرا ہے؛ لیکن ان سب کے باوجود - ایک عربی صحافی کے بہ قول - کسی بھی ریاست اور اِدارے کے برخلاف ریاست اِسرائیل شروع سے ہی اپنے اُن گناہوں اور جرائم کی ذمے داری سے مستثنیٰ کی ہوئی ہے، جو وہ عالمی قانون کو روندنے کے لیے کیا کرتی ہے۔

اس کے بعد دستاویزات کو ہمیشہ ظالمانہ طور پر اِس طرح گڈمڈ کر دیا جاتا ہے کہ ظالم اور قابض اسرائیلی فریق کو مظلوم ثابت کر دیا جاتا ہے اور ظالمانہ قبضے کے زیرِ سایہ بے بسی اور کس مپرسی کی زندگی جینے والے فلسطینی، ظالم، گنہ گار؛ بل کہ دہشت گرد قرار دے دیے جاتے ہیں۔ انصاف کا یہ کون سا پیمانہ ہے؟

غیر جانب دار سیاسی مبصرین کا متحدہ موقف:

تمام سیاسی ماہرین اور عالمی اموز سے واقفیت رکھنے والے سارے غیر جانب دار مبصرین اِس سلسلے میں ہم رائے ہیں کہ اسرائیل نے ہی قوم وملل کی عظیم تاریخ میں پہلی بار اتنے منصوبہ بند طریقے سے دہشت گردی کی فصل لگائی ہے اور اُس کی آب یاری کر کے اس کو برگ و بار لانے کے قابل بنایا ہے اور اپنے توسیع پسندانہ عزائم کے خاکوں میں حقیقت کا رنگ بھرنے، عربوں کو زیرنگیں کرنے اور نیل سے فرات تک وسیع تر ریاست کے قیام کے لیے ایک کارگر ہتھیار کی طرح اُس کا سہارا لیا ہے؛ چناں چہ اسرائیلی پارلیمنٹ کے ہال میں آویزاں بورڈ پر یہ جملہ مکتوب ہے ''اے اسرائیل! تیری سرحدیں نیل سے لے کر فرات تک ہیں۔''

دہشت گردی کی تعریف:

دہشت گردی کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے پہلے اُس کی تعریف جاننی ضروری ہے۔

''دہشت گردی'' کی تعریف اِس طرح کی جاتی ہے کہ وہ:

ایسے وسائل کو استعمال کرنا ہے، جن کا مقصد سماج میں خوف و دہشت کا ماحول پیدا کرنا ہو، یا سماج کی روش کو بدلنے کے لیے، کسی جگہ کے باشندوں کو دہشت زدہ کرنا ہے، جس کے سلوک کو کسی اور طریقے سے تبدیل کرنا خارج از امکان بن گیا ہو۔(۱)

اِس تعریف میں ریاستی اور گروہی، دونوں قسم کی دہشت گردی شامل ہے؛ لیکن قلم کاروں، صحافیوں، سیاسی زُعما اور قائدین کے اِس رویے پر افسوس ہے کہ وہ اپنے ناپسندیدہ

---

(۱) مقالہ بہ عنوان "مُشْكِلَةُ الْمَفَاهِيمِ لِدِرَاسَةِ إِرْهَابِ الدَّوْلَةِ" بہ قلم: مائکل نیکلسن M. Nichelson Government Violence (Connelgut) Greenwood press 1986 p. 31 (المجتمع، کویت)

ذاتی مفادات کے پیش نظر، چند ٹکوں میں اپنے ضمیر کا سودا کر لیتے ہیں اور وہ صرف جماعتوں اور افراد کی دہشت گردی پر ہی اپنا سارا زور صرف کر دیتے ہیں۔ وہ ریاستی دہشت گردی سے چنداں بحث نہیں کرتے۔ روئے زمین پر بہت سے ایسے ممالک آپ کو مل جائیں گے، جنھوں نے اپنے ہاں کے عوام اور دیگر بنی نوعِ انسانی کے ساتھ، ماضی میں بھی روح فرسا دہشت گردی کا کھیل کھیلا ہے اور اب بھی بلا روک ٹوک یہ کھیل کھیل رہے ہیں۔ اُن سارے ملکوں کا ہراول دستہ یہی اسرائیل ہے۔

ڈاکٹر مائیکل نیکلسن (Dr. M. Nichelson) نے ''ریاستی دہشت گردی'' کو ذیل کے چار خانوں میں تقسیم کیا ہے:

۱- دہشت گردی کی راہ سے ریاست کی شہریوں پر کنٹرول کی کوشش
۲- سامراجی پالیسیوں کے دائرے میں دہشت گرانہ کارروائی
۳- جنگوں میں دہشت گردی کا سہارا لینا
۴- جنگ کے مُتبادِل کے طور پر دہشت گردی سے کام لینا

اسرائیل کا دامن، ہر قسم کی دہشت گردی سے داغ دار:

تاریخ شاہد ہے کہ فلسطینیوں کے خلاف مذکورہ چاروں قسم کی دہشت گردی سے اسرائیل کا دامن داغ دار رہا ہے۔ واشنگٹن کی جارج ٹاؤن یونیورسٹی کے شعبۂ سیاسیات کے پروفیسر ڈاکٹر مامون فندی نے چاروں قسموں کو، تحلیل و تجزیے کے بعد، اسرائیل پر اِس طرح منطبق کیا ہے:

''ان چاروں صورتوں کے ذریعے، فلسطینیوں کے ساتھ، اسرائیل کے طرزِ عمل کو گہرائی سے جانا جاسکتا ہے، چناں چہ اسرائیل کی تمام کارروائیاں دوسری صورت (نوآبادیات میں اصلی باشندوں پر کنٹرول حاصل کرنے کے لیے دہشت گردی کا سہارا لینا) کے ضمن میں آتی ہیں۔ اسرائیلی جیلوں میں بند فلسطینی قیدیوں کی تعداد اور اُن کے

ساتھ غیر انسانی سلوک کی، حقوق انسانی کی بین الاقوامی تنظیموں کے ذریعے، ہر دن منظر عام پر آنے والی رپورٹوں کے غیر جانب دارانہ مطالعے سے، یہ بات آشکارا ہو جاتی ہے۔ اسرائیل جس طرح خرمستیاں دکھارہا ہے، فلسطینیوں کو تعذیب و تذلیل کے کڑوے گھونٹ پینے پر مجبور کررہا ہے، رہایشی علاقوں کی ناکا بندی اور کرفیو نافذ کر کے انسانیت کو سرعام رسوا کررہا ہے: عالمی تنظیمیں اِن سارے حقائق سے ہمیشہ پردہ اٹھاتی رہتی ہیں۔

جن دیگر ذرائع کو اسرائیل نے استعمال کیا ہے، اُن میں سے ایک یہ ہے کہ ہم نے حال ہی میں اسرائیل کو فلسطینیوں کے مکانات کو زمیں بوس کرتے دیکھا، حتیٰ کہ اگر اسرائیل کو یہ شبہہ بھی ہو گیا کہ کسی گھر والے نے فلسطین میں سرگرم اسلامی تحریک سے تعلق رکھنے والے سے بات چیت کے گناہ کا بھی ارتکاب کیا ہے، تو اُس کے گھر کو منہدم کردیا گیا۔ ابھی کچھ دنوں پہلے کی بات ہے کہ اسرائیل نے کئی ایک فلسطینی، مثلاً "فتحی شقاقی" اور "یحیٰی عیاش" وغیرہ کو گھات لگا کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اسرائیل نے ان کارروائیوں سے فلسطینیوں کو یہ پیغام دینا چاہا ہے کہ اسرائیل کا ہاتھ ہر فلسطینی تک، خواہ وہ سرحد کے اندر ہو یا باہر، پہنچ کررہے گا۔ اِس کا مقصد ہر فلسطینی اور ہر اُس شخص کے دلوں میں خوف و دہشت پیدا کرنے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے، جو اسرائیل کی تمام پالیسیوں کی تائید و حمایت نہ کرتا ہو۔

قارئین کرام ۱۹۴۸ء، ۱۹۶۷ء، ۱۹۷۳ء کی عرب- اسرائیل جنگ اور ۱۹۸۲ء میں لبنان والی جنگ کے ذریعے، اُن دلائل میں اضافہ کرسکتے ہیں، جن سے اسرائیل کی دہشت گردانہ سوچ اور اُس کو جنگ کے متبادل کے طور پر استعمال کرنے کی ذہنیت پر بہ خوبی روشنی پڑتی ہے۔(۱)

اسرائیل کی تائید و پشت پناہی اور دہشت گردی، اسلامی بنیاد پرستی اور مذہبی انتہا پسندی کے بہانے پوری دنیا میں عموماً اور اسرائیل کے تعلق سے خصوصاً، اِسلامی مزاحمت کو

---

(۱) "الشق الثاني للإرهاب": (مأمون فندی) المجتمع، کویت: شمارہ:۱۱۹۶۔

کچلنے اور دبانے کے پیچھے امریکہ اور دنیا کے دوسرے ممالک کے، اپنے اپنے مفادات پوشیدہ ہیں؛ اِسی لیے وہ اِس حوالے سے سرگرم عمل ہیں؛ لیکن سوال یہ ہے کہ ہمارے عرب قائدین کو کیا مجبوری پیش آگئی اور اُنھیں کس چیز نے ''اسلامی عربی دہشت گردی'' سے مقابلہ کرنے کے لیے عاجلانہ پالیسی وضع کرنے کے لیے ''شرم الشیخ'' کانفرنس میں بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اکٹھا ہونے پر آمادہ کیا!!

ڈاکٹر مامون فندی نے صحیح کہا ہے:

''اُن ممالک کی پالیسیوں کے خلاف آواز بلند کرنے والوں کا مقابلہ کرنے، اُنھیں سزائیں دینے اور قتل کرنے کے وسائل میں مشابہت، ہمارے بعض عرب قائدین اور اسرائیل کے مابین قدرِ مشترک ہے۔(۱)

لبنانی رکنِ پارلیمنٹ اور اسلامی مفکر ''فتحی یکن'' نے دور اور نزدیک کے اُن اہداف کو جن کی وجہ سے ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور صہیونی طاقتوں کو ''شرم الشیخ'' کانفرنس کے انعقاد پر مجبور ہونا پڑا۔(۱۴) الگ الگ خانوں میں پیش کیا ہے:

۱۔ مسلسل فدائی حملوں کی وجہ سے چوں کہ یہودیوں بالخصوص اسرائیل کا حوصلہ پست ہو گیا ہے؛ اِس لیے اُس کو مہمیز کرنا۔

۲۔ اسرائیلی امن وسلامتی کے خوش گوار ماحول پر، شب خوں مارنے والی طاقتوں کے صفایے اور اُن کی توڑ کے لیے ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور اُس کے حلیف ممالک جو عسکری اور امنی کارروائی کر رہے ہیں، اُس کو ملکی اور عالمی سطح پر قانونی حیثیت دینا۔

۳۔ صہیونیوں کے ساتھ صلح نامے۔ جس کو مذاکراتی عمل کو ناکامی سے بچانے کا نام دیا جا رہا ہے۔ پر دست خط کرنے پر مجبور کرنے کے لیے سیریا، خصوصاً لبنان پر دباؤ ڈالنا۔

۴۔ ''بنیاد پرستی اور دہشت گردی'' کے خلاف جنگ اور ''قیامِ امن'' کے جھوٹے

(۱) ''الشقُّ الثّاني لِلإرْهَاب'' از ڈاکٹر مامون فندی، نقل کردہ از ''المجتمع'' شمارہ ۱۱۹۶۔

نعروں کے تحت اسلامی تحریکات پر بالعموم کاری ضرب لگانے کے لیے، مقامی اور بالواسطہ عالمی جواز حاصل کرنا۔

۵- امریکی انتظامیہ اور اسرائیل نے جن خاص حالات و واقعات سے فائدہ اٹھایا ہے، اُن کے سہارے ''شرقِ اوسط'' کے نام سے مشہور صہیونی منصوبے کو بہ روئے کار لانے کی ابتدا کرنا۔ اِس کا یہ مطلب ہے کہ اسرائیل کو بھی ''عربی اسلامی خاندان'' کا ایک رکن بنانے کا جواز حاصل کرلیا جائے۔

۶- اب تک جتنے عربی ممالک صہیونی منصوبوں کو مسترد کرتے رہے ہیں، اُنھیں الگ تھلگ کر کے، اُن کی گھیرابندی اور بالآخر اُن کی گردن دبانے کی کوشش کرنا، اُن پر اقتصادی، عسکری اور امنی پابندی لگانا، ملکی اور عالمی سطح پر اُن کے کردار اور فیصلے کو بے وزن بنانا اور اُن ممالک کی داخلی سلامتی کو، کسی نہ کسی شکل میں بدامنی میں تبدیل کیے رہنا۔

۷- امریکی قرار دادوں اور صہیونی منصوبوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے والی حکومتوں کو اقتصادی اور عسکری اعتبار سے مضبوط کرنا، اُنھیں مکمل تحفظ دینا، اُنھیں اِسلامی طاقتوں -خواہ وہ ''اعتدال پسند'' ہوں یا ''تشدد پسند'' - کے جسموں پر کاری زخم لگانے کے لیے اکسانا اور بھرپور تعاون دینا۔

۸- مشرقِ وسطیٰ اور عالمی سطح پر سراغ رسانی کا کام کرنے والی ایک تنظیم کی تشکیل، تاکہ وہ قیامِ امن اور دہشت گردی سے جنگ کے درپردہ معلومات فراہم کرتی رہے اور اسلامی رجحانات کے خلاف عموماً مشترکہ کارروائی انجام دیتی رہے۔

۹- انتظامی جگہوں تک اسلام پسندوں کے پہنچنے کی راہ مسدود کرنے کے لیے، ایک ہمہ گیر منصوبہ وضع کرنا، جیسا کہ ترکی میں ہوا اور ہر جگہ اُس کو دہرایا جاسکتا ہے۔

۱۰- رفاہی مالیاتی ذرائع کو بند کرکے، یا سرمایہ کے ذرائع کی ضبطی کے ذریعے اور رفاہی انسانی اور اسلامی اداروں کا ناطقہ بند کرکے، مادی اور اقتصادی طور پر، اسلامی اِداروں کا گلا گھونٹ دینا۔

۱۱-عرب لیگ، عرب چوٹی کانفرنس، خلیجی تعاون کونسل، مشترک عربی دفاع کونسل وغیرہ اسلامی عربی شناخت رکھنے والے اداروں کے رول کو بہ تدریج کم کرنا، یہاں تک کہ اُن کا خاتمہ ہو جائے اور اُن کی جگہ مشرق وسطیٰ کے عبرانی عربی ادارے سنبھال لیں۔

۱۲-اُس اسلامی تہذیبی لہر کی راہ روکنا، جس نے بہ طورِ متبادل پوری دنیا میں اپنی راہیں، ہموار کرلی ہیں۔

۱۳-صہیونی-عربی تعلقات کو قدرتی طور پر بہ حال کرنے کے رول، خصوصاً تعلیمی، ابلاغی اور اقتصادی کردار کو فعال بنانا؛ تاکہ عربی اسلامی شناخت کی بنیاد کو کھوکھلا کیا جاسکے۔

۱۴-اِن میں سے ہر ایک منصوبے سے قریبی صدارتی انتخاب میں امریکی صدر کی جانب سے کام لینا اور اِسی طرح اسرائیل کے انتخابات میں اُس کو بھرپور طور پر استعمال کرنا، جن میں صہیونی وزیراعظم شمعون پیریز حصہ لینے والے ہیں۔(۱)

اسرائیلی دہشت گردی کے ریکارڈ پر، سرسری نگاہ

جس وقت کوئی دہشت گردی سے بھرے پُرے ریکارڈ کو پڑھتا ہے، تو اُس وقت حیرت سے اُس کی آنکھیں پھٹی رہ جاتی ہیں، جب وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ دنیا ایک بار بھی کھل کر یہ کہنے کا حوصلہ نہیں دکھاتی کہ اسرائیل! بس کرو، تمھیں دہشت گردی کی اجازت نہیں دی جائے گی؛ بل کہ اِس کے مقابلے میں وہ یہ دیکھتا ہے کہ پوری دنیا اسرائیل کو مبارک باد اور شاباشی دے رہی ہے، اُس کو پیار سے چومتی چاٹتی ہے، اُس کی پشت پر ہاتھ پھیرتی ہے اور اُس کی پیشانی کو بڑھ بڑھ کے بوسہ دیتی ہے۔

وہ اِن تمام حالات کا بہ غور جائزہ لینے کے بعد حیرانگی کے عالم میں پوچھتا ہے: آخر کیوں اسرائیل دہشت گردی کے ہر قسم کے گھناونے جرائم کے ارتکاب کے بعد، اِس طرح معصوم اور ہر گناہ سے پاک ہو جاتا ہے، جیسے اُس نے آج ہی اپنی ماں کے پیٹ سے جنم لیا

(۱) مَاذَا بَعْدَ مُؤْتَمَرِ شَرْمِ الشَّيْخِ: فَتِّحِي يَكَنْ، المجتمع، کویت، شمارہ:۱۱۹۶۔

ہو؛ وہ سوال کرتا اور پوچھتا جاتا ہے؛ مگر اُسے کوئی جواب نہیں ملتا۔

اسحاق رابین کی ذاتی ڈائری کے، آتشیں اقتباسات:

ہاں! اُس کو بعض جوابات اُس وقت مل جاتے ہیں، جب وہ ''اسحاق رابین'' کی ذاتی ڈائری کے آتشیں اقتباسات کو پڑھتا ہے۔ یہ ڈائری اُس زمانے کی ہے، جب وہ ۱۹۶۸ء -۱۹۷۳ء کی درمیانی مدت میں، اسرائیل کا واشنگٹن میں سفیر تھا، اُس میں اُس نے اپنے عہدِ سفارت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے:

''ریاست ہائے متحدہ امریکہ ایک ایسا ملک ہے، جہاں عوامی انتخابات ہوتے ہیں۔ جمہوریت کی صحیح تعبیر کے مطابق یہ ایسا ملک ہے، جہاں چار سالہ میعاد کے لیے صدر کا انتخاب ہوتا ہے۔ کانگریس کے ممبران، صرف دو سال کے لیے منتخب ہوتے ہیں۔ ایوانِ بالا کے ایک تہائی ممبران، ہر دو سال پر ایک بار چن کر آتے ہیں۔ اِن تمام لوگوں کو ووٹ، ڈالر اور تائید کی سخت ضرورت پڑتی ہے۔ امریکہ میں یہودیوں کی آبادی کا تناسب ۳٫۵ فی صد سے زیادہ ہے؛ لیکن اقلیت میں ہونے کے باوجود، وہاں اُن کا بڑا اثر و رسوخ ہے؛ اِس لیے کہ تمام سیاسی میدانوں پر اُن کی مضبوط گرفت ہے، وہ ہر میدان میں نظر آتے ہیں، انتخابات میں اُن کی حصہ داری کا تناسب کافی حد تک بڑھا ہوا ہے، وہ انتخابات میں حصہ لینے والے امیدواروں کو مالی تعاون دینے والے فنڈس کے صدر ہیں؛ اِسی لیے امریکہ کے اکثر خطے میں، یہودیوں کے ووٹوں کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے۔''

آگے کہتا ہے:

''ہم نے امریکی انتظامیہ کے قائدین کے ساتھ پہلے ذاتی تعلقات قائم کیے اور اُس کی وساطت سے ہم نے امریکی انتظامیہ کے فیصلوں کی میز پر اسرائیل کی بنیادی ضرورتوں کو رکھا۔''(۱)

---

(۱) اَلإرْهَابُ صِنَاعَةٌ إسْرَائِيْلِيَّةٌ : الأُسْتَاذُ فَهَدْ سَلْمَانُ ، روزنامہ ریاض: شمارہ:۱۰۱۲۶۔

دہشت گردی رک سکتی ہے بہ شرطے کہ:

بلاشبہہ ہم جہاں دہشت گردی کی مذمت کرتے ہیں، وہیں یہ یقین بھی رکھتے ہیں کہ مُنظّم سرکاری دہشت گردی -حکومتی دہشت گردی میں پہلا نمبر اسرائیلی دہشت گردی کا ہے- کے ذریعے جن گروہوں کو اُن کے گھر کے اندر اور باہر ظلم وستم کی چکی میں پیسا جارہا ہے اور جن کا ہر جگہ پیچھا کیا جارہا ہے، اُن کے خلاف جاری دہشت گردی کے اُس وقت تک رکنے کی کوئی امید نہیں، جب تک کہ اسرائیل خود اپنی دہشت گردی سے توبہ نہ کرلے، جب تک دنیا کے تمام ممالک اسرائیل کی حمایت، اُس کے تعاون، اُس کو اسلحے کی کھیپ بھیجنے اور روز بہ روز انڈے بچے دینے والی، اُس کی دہشت گردی کو سندِ جواز عطا کرنے سے باز نہ آجائیں، اُس وقت تک دگر گروہوں کی دہشت گردی پر، بند باندھا نہیں جاسکتا۔

اسرائیل کی خرمستیاں دیکھ دیکھ، عرب و فلسطینی اُکتا چکے ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ عرب اور خصوصاً فلسطینی طویل تاریخی دورانیے میں اسرائیل کی شاطرانہ چالوں کو دیکھ دیکھ کر اُکتا چکے ہیں اور اُس کے روبہ رو عربی عقلوں کی رسوائی اور رُسوائی کی مکروہ صورت کو بار بار دیکھ کر اوب چکے ہیں، یعنی اسرائیل کی خرمستی، اُس کی دندناہٹ، اُس کے غرورِ بے جا، تمام عالمی قوانین اور بین الاقوامی قراردادوں کی خلاف ورزی، عربوں کے قتلِ عام، اُنھیں بھوکوں تڑپانے، سزائیں دینے، اُنھیں دربدر کرنے اور اُن کے ساتھ انسانیت سوز دہشت گردانہ عمل کے حوالے سے، اسرائیل کی جرأتِ بے جا سے عربی اور فلسطینی عاجز آگئے ہیں؛ نیز مقبوضہ عربی زمینوں اور دیگر مقامات پر اسرائیل کی مجرمانہ کارروائی پر ہونے والے اعتراضات کے ہر نشان کو مٹانے کا بہانہ تلاش کرنے کے لیے یورپ اور امریکہ کی بھاگ دوڑ سے وہ تنگ آگئے ہیں۔ اسرائیلی اسلحہ خانے کو مزید ہلاکت خیز ہتھیار سے پاٹنے، اُس کو بڑی بڑی امریکی یورپی امداد پیش کر کے طاقت ور

بنانے؛ نیز اپنی مرضی کا مشرقِ وسطیٰ تشکیل دینے کے لیے، عربوں کے خلاف روح فرسا کارروائیاں کرنے، اُنھیں غلام بنانے اور اُن کے گلوں میں ذلت کا طوق ڈالنے کے لیے، اسرائیل کو مزید توانائی فراہم کرنے کا جواز پیدا کرنے کے لیے۔ جس طرح اسرائیل، فلسطینی بچوں، نوجوانوں اور بوڑھوں کے سینوں کو چھلنی کر رہا ہے، اُس کو دیکھ کر عرب اور فلسطینی اسرائیل سے نیک توقعات وابستہ کرنے کو کارِ عبث سمجھ رہے ہیں۔ اسرائیل کے ذہنوں میں مشرقِ وسطیٰ کا جو تصور ہے، وہ کوئی نیک نیتی پر مبنی نہیں؛ بل کہ یہ ایک ایسا نام نہاد مشرقِ وسطیٰ ہوگا، جس میں عربی مسلمانوں کی عزت و شرافت کے تقدُّس کی دھجیاں اڑائی جائیں گی، اگر وہ اسرائیل کو ایک حقیقی بھائی کی طرح تسلیم کرنے پر رضامند نہ ہوں گے۔ اِس طرح اسرائیل کے لیے ہمیشہ عربوں کی پیٹھ میں قریب سے بہ آسانی خنجر گھونپنا آسان ہو جائے گا اور اُس کو اپنے صہیونی مزاج کی تسکین اور اُن لوگوں سے انتقام لینے کی بھرپور صلاحیت حاصل ہو جائے گی، جنھوں نے یہودیوں کو ایک دن نبی ﷺ کے جھنڈے کے نیچے یثرب (مدینہ منورہ) اور پھر جزیرۂ عرب سے ذلت کے ساتھ نکال باہر کیا تھا۔

اسرائیل ہی ہر قسم کی دہشت گردی کی جڑ:

روزِ اوّل سے تا دمِ تحریر عرب اسرائیل کش مکش کی تبدیلیوں پر لمحہ بہ لمحہ گہری نظر رکھنے والے اور وہاں رونما ہونے والے نت نئے واقعات اور پوری دنیا کی صورتِ حال سے باخبر رہنے والے ہم ہندوستانی اسلامی صحافی بہ بانگ دُہل یہ کہتے ہیں کہ عالمِ عربی میں خصوصاً اور دنیا کے دیگر خطوں میں عموماً کسی فرد، یا جماعت، یا اسٹیٹ کی طرف سے ہونے والی تمام دہشت گردانہ کارروائیوں کا سبب؛ ہر اعتبار سے یہی اسرائیلی دہشت گردی ہے۔ اگر قائد ینِ عالم، خصوصاً امریکی قائدین؛ دہشت گردی سے جنگ کی جدوجہد میں مخلص ہیں، تو اُنھیں اِس کام کا آغاز اسرائیل سے کرنا چاہیے۔ اسرائیل ہی چوں کہ دہشت گردی کی جڑ اور اُس کا جنم داتا ہے؛ اِس لیے اِس جڑ کو ہی اکھاڑ پھینکنا ضروری ہے۔

اسرائیل جس دن انسانوں کی طرح زندگی گزارنے لگے گا، وہ انسانوں سے انسانوں کی طرح پیش آئے گا اور پورے بنی نوعِ آدم خصوصاً عربوں کو یہ سمجھنے لگے گا کہ وہ بھی نسلِ انسانی سے تعلق رکھتے ہیں، اُس دن خود بہ خود سارے مسائل اور بحرانوں کا حل نکل آئے گا۔ اگر یہ نہیں ہوا، تو اسرائیل کو عربوں پر بہ طورِ حکم راں مسلط کرنے اور عربوں کو غلام بنانے کی ساری کارروائیاں بہ حکمِ خداوندی آج نہیں تو کل ضرور ناکامی سے دوچار ہوں گی اور کل دور نہیں۔



''امن مارچ'' سے عربوں کو، کیا ملا؟(*)

اسلام پسند اور اسی طرح بہت سے غیر اسلام پسند تجزیہ کنندگان، اِس سلسلے میں ہم رائے ہیں کہ عالمِ عربی، انتشار اور بکھراؤ کی جس فضا میں سانس لے رہا ہے، وہ اُن دشمنوں کی پلاننگ اور منصوبہ بندی کی دین ہے، جنھوں نے ماضی میں بھی اِس حوالے سے سرتوڑ کوشش کی کہ جسمِ اسلامی کا بنیادی عنصر یعنی: عرب، کبھی باہم متحد نہ ہوں اور یہ ''عربی بھوت'' اور شیر صفت فرزندانِ اسلام، اسلامی شعور سے بے خبر، نیز موروثی خودداری اور ضرب المثل عربی غیرت سے بالکلیہ تہی مایہ ہوکر زندگی گزارتے رہیں۔ دشمنانِ اسلام اِسی تگ و تاز میں سرکھپا رہے ہیں اور آیندہ بھی یہی کچھ کرتے رہیں گے؛ تاکہ عرب اُن کے لیے لقمۂ تر ثابت ہوں، اُن کے مفادات کے کارندے اور اُنھی کے آسمان میں گردش کرنے والے رہیں، اُنھی کی مصنوعات و پیداوار کا استعمال کریں، اُنھی کے پیچھے پیچھے دوڑیں بھاگیں اور اُن کی آواز پر اُسی طرح لبیک کہیں، جس طرح بکریوں کا ریوڑ چرواہے کی آواز پر لبیک کہتا ہے۔

اُن تجزیہ کاروں کے مابین اِس حوالے سے کوئی اختلاف نہیں کہ اِسی صورتِ حال کی وجہ سے اہلِ مغرب، عرب ممالک کو اُس ''امن مارچ'' میں شامل ہونے پر بہ زورِ طاقت مجبور کرسکے، جو درحقیقت چٹیل میدان کی، اُس ریت سے زیادہ کچھ بھی نہیں، جس کو پیاسا پانی خیال کر بیٹھتا ہے۔ اِس امن مارچ کا فریب ابتدا سے ہی صبح روشن کی طرح واضح ہے، بہ شرطے کہ دونوں آنکھیں بینائی کی دولت سے محروم نہ ہوں؛ اِس لیے کہ اِس امن مارچ کا

(*) ترجمہ کلمۃ المحرر، الداعی، شمارہ: ۳، جلد: ۲۰، ربیع الاول ۱۴۱۷ھ = اگست ۱۹۹۶ء۔

اصل مقصد ہی یہ ہے کہ عرب فلسطین سے یکسر دست بردار ہو جائیں، اسرائیل کے ساتھ وسیع تر اور طویل المیعاد سیاسی، تجارتی تعلقات قائم کرلیں اور وہ ہر چیز سے پہلے، غاصب صہیونیوں کو تسلیم کرلیں۔

تادمِ تحریر ''امن مارچ'' کی کوکھ سے جنم لینے والے نتائج کی روشنی میں بلاخوفِ تردید کہا جاسکتا ہے کہ امن مارچ کی ریل پر سوار ہوکر، ذلت و رسوائی اور شکست خوردگی کے سوا، عربوں کی جھولی میں کچھ نہ آیا؛ کیوں کہ، جیسا کہ صورتِ حال بتاتی ہے، کہ امن مارچ کا ڈھونگ تو دراصل عربوں کو آخری حد تک غلام بنانے کی ہی کارروائی ہے۔

اختلاف و انتشار کی اُس حالت کے (جس کو، کویت پر عراق کے حملے نے مزید سنگین اور گمبھیر بنادیا ہے) کے اختتام کے ذریعے ہی اُن عربوں کے تعلق سے دشمنوں کی ریشہ دوانیوں کے سیلاب کے سامنے مضبوط بند باندھا جاسکتا ہے، جن کی قسمت - گرچہ وہ لاکھ انکار کریں - اسلام ہی سے وابستہ ہے، جس نے اُنھیں ضلالت کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لا کھڑا کیا تھا، وہ باہم دست و گریباں تھے، اسلام ہی نے اُنھیں اتحاد کی لڑی میں پرو دیا؛ وہ ذلیل و حقیر تھے، اُنھیں اسلام ہی نے شرف و عزت سے سرفراز کردیا؛ وہ کم زور و ناتواں تھے، اُنھیں اسلام ہی نے طاقت کی دولت سے مالا مال کردیا؛ وہ گہری نیند میں تھے اُنھیں اُسی نے جگادیا۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُومِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُوْلاً مِّن أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وِيُزَكِّيْهِمْ ويعلِّمُهم الْكِتٰبَ والحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلالٍ مُّبِينٍ. (آل عمران/۱۶۴) ترجمہ: اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر، جو بھیجا اُن میں رسول اُنھی میں کا۔ پڑھتا ہے اُن پر آیتیں اُس کی اور پاک کرتا ہے اُن کو یعنی شرک وغیرہ سے اور سکھلاتا ہے اُن کو کتاب اور کام کی بات اور وہ تو پہلے سے صریح گم راہی میں تھے۔



عرفات اور عرفات کے لوگوں کو
امن معاہدے کے بدلے صہیونیوں سے کیا ملا:(•)

یہودیوں کو خوش کرنے کے لیے یاسر عرفات نے ماضی میں جتنی دست برداری کا مظاہرہ کیا، اُن سب کے باوجود عرفات اور اُن کے حامیوں کو، خدا اور رسول کے دشمن: یہودیوں کی طرف سے بہ طورِ انعام رسوائی، ناکامی اور تذلیل وتحقیر کے سوا اَور کیا ہاتھ آیا، وہ دنیا کی آنکھوں کے سامنے ہے؛ چناں چہ ۱۳ر ستمبر ۱۹۹۳ء کو صہیونیوں کے ساتھ اُس شکست خوردانہ، ناکامیوں اور نقصانات سے عبارت معاہدے -جس کی عالمِ عربی اور عالمِ اسلامی کے تمام غیرت مند اسلام پسندوں نے شدید مخالفت کی تھی- کے وقت ہی سے، باغیانِ خدا ورسول: یہودیوں کی جانب سے دھوکہ، چال بازی اور معاہدوں سے ہاتھ جھاڑ لینے کے سوا، عرفات کی جھولی میں کچھ نہ آیا اور نام نہاد فلسطینی خود مختار حکومت والے علاقے سے، اسرائیلی افواج کے انخلا اور فلسطینی مُقتَدِرَہ کو مزید اختیارات دینے سمیت، فریقین کے مابین دست خط شدہ معاہدوں میں جتنے عہد وپیان یہودیوں نے کیے تھے، اُن سب کی دھجیاں اڑانے کے سوا، یاسر عرفات کو اور کچھ نہ ہاتھ آیا۔

اِس کے برخلاف اسرائیل کے ظالمانہ، اور مغرورانہ فطرت کے حقیقی نمائندہ: اسرائیلی وزیر اعظم ''بنیامین نتن یاہو'' Benyamin Netan Yahu(۱) کی حکومت نے مسجدِ اقصی کی مغربی دیوار میں سرنگ کھودنے کا آغاز کر دیا ہے، جس کی وجہ سے فلسطینیوں

(•) ترجمہ کلمۃ المحرر، الداعی شمارہ: ۵، جلد: ۲۰، جمادی الاولی - جمادی الاخری ۱۴۱۷ھ = اکتوبر ۱۹۹۶ء ۔ ترجمہ: ۲۸/۱/۱۴۲۸ھ = ۱۶/۲/۲۰۰۷ء ۔

(۱) یہ شخص ۷ر مارچ ۲۰۰۱ء سے ۲۱ر نومبر ۲۰۰۵ء تک صہیونی ریاست ''اسرائیل'' کا وزیر اعظم رہا تھا۔

میں غیظ و غضب کی لہر دوڑ گئی ہے اور وہ اسرائیلی افواج، پولس، ٹینکوں، توپوں اور مشین گنوں سے ننگے سینوں ہی سے تصادم پر اتر آئے ہیں، جوابی کارروائی میں صہیونی افواج اور پولیس نے اُن پر اندھادھند آتش و آہن کے دہانے کھول دیے ہیں، جس کے نتیجے میں ۶۵ شہید اور سینکڑوں زخمی ہو گئے۔ فلسطینیوں پر اُن کی جارحانہ کارروائی رکنے کا نام نہیں لے رہی، فلسطینی نوجوان بھی اِس الم ناک سانحے کی وجہ سے غیظ و غضب اور رنج والم کے گھونٹ پی کر غصے میں آپے سے باہر ہو رہے ہیں، جس نے اُن کے احساسات کو کاری زخم لگایا، اُنھیں موت کے گھاٹ اتارا اور اُنھیں ماضی کی طرح زبردست نقصانات سے دوچار کیا۔

ہم مسلمانوں کے حد درجہ افسوس اور ناپسندیدگی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے، یاسر عرفات نے اپنے اور عربوں کے موجودہ آقا صدرِ امریکہ کے عاجلانہ حکم پر واشنگٹن کا دورہ کیا، حال آں کہ وہ اِس حوالے سے تھوڑا بہت تردد کی کیفیت کے ضرور شکار رہے تھے۔ وہاں صدرِ امریکہ، وزیرِ خارجہ اور انتہا پسند اسرائیلی وزیر اعظم ''نتن یاہو'' سے ملاقات کی؛ لیکن وہ وہاں سے خالی ہاتھ لوٹے، مذکورہ سرنگ کی کھدائی بند کرنے یا خود مختار حکومت والے علاقوں سے اسرائیلی افواج کے چلے جانے کا کوئی عہد اُن سے نہ کیا گیا؛ بل کہ اسرائیلی وزیر اعظم حالیہ واقعے کی ساری ذمے داری تنہا فلسطینیوں کے سر ڈالنے پر حد درجہ مُصِر رہا اور اپنی اِس بات پر اٹل رہا کہ اُنھیں کی دہشت گردی اور تشدد پسندی کی وجہ سے یہ حادثہ رونما ہوا اور یہ کہ یہودیوں اور فلسطینیوں کے مابین ہونے والے اگلے مذاکرات میں فلسطینیوں کو اِس بات پر مجبور کرنے کے مسئلے کو اولیت دینا ضروری ہے کہ وہ ''تشدد'' اور ''دہشت گردی'' سے بالکلیہ باز رہنے کا اپنے کو پابند بنائیں، یعنی ضروری ہے کہ فلسطینی ہم یہودیوں کی طرف سے، جذبات اور غیرت و خودداری کو مجروح کرنے والی مزید کارروائیوں کو برداشت کرنے کے لیے آیندہ صبر کا دامن تھامے رہنے کی اپنی رضامندی کا اظہار کریں اور یہ عہد کریں کہ اگر اُنھیں تحقیر و تذلیل کے مرحلے سے گزارا جائے اور اُنھیں بھیانک سزائیں دی جائیں، تو ''اُف'' کہنا بھی اُن کے لیے جائز نہ ہوگا۔

کل کے یہودی ہی، آج کے یہودی ہیں(٭)

عہد شکنی، معاہدوں کی خلاف ورزی اور ذمے داریوں کی پابندی سے راہِ فرار اختیار کرنا؛ اِن میں سے کون سی صفت ہے، جس میں اسرائیل ممتاز نہ ہو اور کیا روئے زمین پر کوئی ایسی قوم ہے جو اِن صفات کے حوالے سے اسرائیل کی ہمسری کر سکے جس کی سرشت میں تکبر، غرور، ہٹ دھرمی اور دندناہٹ کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ یہ ہی وہ منفی اور قابل نفریں اخلاق ہیں جن کی وجہ سے اسرائیل نے اپنے ناپاک و ناروا وجود سے لے کر آج تک فلسطینی معاملات کو سنجیدگی کے ساتھ نہیں لیا اور نوعِ انسانی کے ساتھ اُس طرح پیش نہیں آیا، جس کا رتی برابر بھی انسانیت سے تعلق ہو۔

یہودیوں کے منفی عادات و اخلاق، کتاب و سنت کے نصوص سے ثابت ہیں:

امتِ مسلمہ کو چھوڑ کر دیگر اقوامِ عالم پر خواہ یہودیوں کے اخلاق و عادات کی یہ تصویریں مشتبہ ہو جائیں کیوں کہ یہودیوں کے تعلق سے دِگر قوموں کی جانکاری - اگر اُنھیں یہ جانکاری حاصل ہو سکی ہو- اور تجربہ ممکن ہے کہ دوسرے انسانی کاموں کی طرح ناقص اور ادھورا ہو؛ لیکن امتِ مسلمہ پر یہودیوں کے عادات و اطوار کے مشتبہ ہو جانے کا کوئی معنی نہیں؛ کیوں کہ امتِ مسلمہ کو یہودیوں کی اُس فطرت کی جانکاری جو تمام انسانی اقدار سے نا آشنا ہے اور جو یہودیوں کے نسلی قومی مفادات کو چھوڑ کر، تمام آداب و اخلاق

(٭) ترجمہ اداریہ، بہ عنوان: "اَلْیَھُوْدُ بِالْاَمْسِ ھُمُ الْیَھُوْدُ الْیَوْمَ" شمارہ:٦، جلد:٢٠، جمادی الاخری - رجب ١٤١٧ھ =نومبر ١٩٩٦ء ۔ ترجمہ اردو: ٢٢/٢/١٤٢٨ھ=١٣/٣/٢٠٠٧ء ۔

سے عاری ہے، کی اساس، یہودیوں کے ساتھ اپنے طویل اور تلخ تجربات پر ہے، نیز کتاب وسنت کے نصوص، نبی ﷺ اور صحابہؓ کے یہودیوں کے ساتھ تعامل پر بھی ہے۔

بلا شبہہ قرآنِ کریم نے - جو اللہ کی آخری زندۂ جاوید ایسی کتاب ہے، جس میں آگے اور پیچھے کہیں سے بھی باطل کا گزر نہیں؛ کیوں کہ وہ حکیم وخبیر کا اتارا ہوا کلام ہے- واضح عربی زبان میں نہایت تفصیل کے ساتھ یہودیوں کے مکر وفریب، اُن کی شر انگیزی و بد باطنی، اُن کی بے پناہ وعدہ خلافی، خواہشاتِ نفسانی کی تسکین اور دنیا کی چند روزہ لذتوں سے لطف اٹھانے کے لیے، اللہ کی کتاب تورات میں تحریف سے پردہ اٹھایا ہے اور وضاحت کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ اُنھوں نے کس طرح انبیا اور خدا کے نیک بندوں کو قتل کیا تھا اور اولیاء اللہ کا کس طرح مذاق اڑایا کرتے تھے۔

قرآنی نصوص سے یقینی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ یہودیوں پر صرف وہی اعتماد کر سکتا ہے، جو عقل وخرد سے بالکلیہ تہی مایہ یا فریب خوردہ ہو۔

لہٰذا کس چیز نے بے کس و بے بس، مظلوم اور خانماں برباد فلسطینیوں اور امن کی کشتی- جس کا یہودیوں کے مکر وفریب کے سمندر میں غرق ہونا یقینی ہے- پر سوار اردنی عرب بھائیوں اور اُس کشتی پر سوار ہونے کے لیے سراپا شوق بنے سیریا اور لبنان والوں کو دھوکے میں ڈال دیا ہے، کس چیز کی وجہ سے اُس سراپا نقصان سے عبارت امن معاہدے کا دور یا قریب سے تماشا دیکھنے والے اور اُس کو دیکھ دیکھ تالیاں بجانے والے تمام عرب قائدین و حکام یہودیوں سے دھوکہ کھا گئے، حال آں کہ کتاب اللہ اور سیرت کی کتابیں چیخ چیخ کر یہودِ مدینہ کے نفاق، مکر وفریب اور مسلمانوں کے خلاف مشرکوں کو ابھارنے کی سازشوں کو کھلے الفاظ میں بیان کر رہی ہیں۔ عربوں کو یہودیوں کے ساتھ معاصر تاریخ میں جن قدیم وجدید تجربات سے سابقہ پڑا، اُن سے بھی اُنھوں نے سبق نہ لیا اور یہودیوں کے پھیلائے گئے دامِ تزویر میں جا پھنسے۔ حال آں کہ یہ تازہ تجربات بھی کسی ایسے ڈرامے میں پھنسنے سے کلی اجتناب پر آمادہ کرنے کے لیے کافی تھے جن پر دھوکے میں ڈالنے اور آنکھوں میں

ڈھول جھونکنے کے لیے "امن معاہدے" کا لیبل چسپا کر دیا گیا ہے۔

انسان، خواہ کتنا ہی کند ذہن کیوں نہ ہو؟

انسان، خواہ کتنا ہی کند ذہن ہو کہ وہ کسی بھی معاملے کے انجام کو اُس کے مہلک منفی اثرات سے گزرے بغیر بھانپ نہ سکے؛ اُسی آدمی کے ساتھ معاہدے کے لیے رضامند ہوتا ہے، جس میں معاہدے کی پابندی اور اُس پر عمل کرنے کی تھوڑی سی بھی استعداد یا اہلیت محسوس کرتا ہے، تو کیا ہمارے برادرانِ عرب- جنھیں ربِ دو جہاں نے اپنی پسند کی ذکاوت و ذہانت سے نوازا اور اپنے آخری اور ابدی پیغام کے لیے اولین مخاطب بنایا- اتنے بے وقوف ہو گئے ہیں کہ وہ فطرت، اخلاق اور سیرت کے اعتبار سے مسخ شدہ اور فکر، طرزِ عمل اور طور طریق کے حوالے سے تمام انسانی طبقات سے الگ تھلگ، اُن انسانی نمونوں، یعنی یہود پر اعتماد کر بیٹھے ہیں۔ یہ ایسے انسانی نمونے ہیں، جن کی بنیاد ہی دروغ گوئی پر ہے، یہ عہد و پیمان، توڑنے ہی کے لیے کرتے ہیں، افراد اور جماعتوں کے ساتھ باہمی لین دین میں بھی اُن کے غرورِ بے جا کا عنصر شامل ہوتا ہے اور نسلِ یہود پر جھوٹا فخر تو اُن کی گھٹی میں پڑا ہے۔

یہی وہ یہود ہیں، جو کھلے بندوں فلسطینیوں کے ساتھ ہونے والے معاہدوں کو پیروں تلے روندر ہے ہیں اور ۱۹۹۳ء میں ہونے والے معاہدۂ اوسلو اور اُس کے بعد ہونے والی مسلسل میٹنگوں، ملاقات اور مذاکرات میں جتنی پابندیاں اُن پر عائد کی گئی تھیں، وہ اُن سے دامن بچا کر بھاگ رہے ہیں۔

اِس معاہدے کی رو سے خطۂ خلیل اور مغربی پٹی سمیت خود مختار حکومت والے علاقوں سے اسرائیلی افواج کو چلا جانا تھا اور آخرش مقبوضہ اراضی سے مکمل انخلا کر کے ۴ر جون ۱۹۶۷ء کی سرحدی پوزیشن پر واپس لوٹ جانا تھا۔

شرائط کے نفاذ سے، یہودیوں کا فرار:

معاہدوں اور قراردادوں کی شرائط کو عملی جامہ پہنانے سے یہودیوں کا جی چرانا-

جیسا کہ میں نے ابھی کہا- عربی قضیوں اور خصوصاً مسئلہ فلسطین کے تعلق سے کوئی نیا واقعہ نہیں؛ بل کہ اسرئیلی قائدین، ذمے داریوں کو ماننے اور اُنھیں عملی جامہ پہنانے کے حوالے سے ہمیشہ بے مثال بے شرمی کے ساتھ ٹال مٹول سے کام لیتے رہے ہیں۔ اُن کا یہ رویہ اُس اولین شکست خوردانہ معاہدے کے وقت سے ہی دیکھنے کو مل رہا ہے، جس کی طرف پیش قدمی کا سہرا مصری صدر محمد انور سادات کے سر جاتا ہے۔ یہ معاہدہ ۱۹۷۸ء میں ''کیمپ ڈیوڈ'' میں ہوا تھا، مصر کی طرف سے انور سادات اور اسرائیل کی طرف سے اُس وقت کے اسرائیلی وزیر اعظم ''مناحیم بیگن''(۱) نے امریکی صدر جیمی کارٹر کی نگرانی میں اُس پر دست خط کیے تھے۔

اُس وقت بھی بیگن نے قرارداد نمبر ۲۴۲ سے نکل بھاگنے کی کوشش کی تھی، جس کی رُو سے اُن تمام زمینوں سے اسرائیل کو بالکلیہ انخلا کر دینا تھا، جن پر اُس نے جون ۱۹۶۷ء کی جنگ میں قبضہ کر لیا تھا؛ لیکن کیمپ ڈیوڈ والے دن بھی بیگن یہ کہنے سے نہ چوکا کہ ''بہ زورِ طاقت زمینوں پر قبضہ کرنے کے عدمِ جواز والے فقرے کا، اسرائیل پابند نہیں ہے۔''

اُس وقت جمی کارٹر نے بیگن کو اِس بات پر مطمئن کرنے کے لیے زبردست بھاگ دوڑ کی تھی کہ قرارداد کا مطلب ہی اسرائیل کا، مقبوضہ اراضی سے مکمل انخلا ہے، جس پر اُس کو کاربند رہنا ہوگا۔ عرب- اسرائیل تنازع سے تعلق رکھنے والے فائل کہتے ہیں کہ بیگن نے عملاً اِس بات کو مان لیا تھا اور اُس کی جگہ لینے والے دوسرے اِسرائیلی وزرائے اعظم اور قائدین بھی اِس کو تسلیم کرتے رہے، تاآں کہ یہودی فطرت کا حقیقی نمایندہ ''نتن یاہو''

(۱) ''مناحیم بیگن'' ۱۹۷۷ء میں اسرائیل کا وزیرِ اعظم بنا تھا، مصر کے ساتھ معاہدے کے مذاکرات میں اسرائیلی وفد کی ہمیشہ اِسی نے صدارت کی، جس کے نتیجے میں ۱۹۷۹ء میں ''کیمپ ڈیوڈ'' والا معاہدہ روبہ عمل آیا۔ اسی بیگن نے اپنی وزارتِ عظمی کے زمانے میں ۱۹۸۱ء میں عراق کے ایٹمی ری ایکٹر کو اپنے جنگی جہازوں کے ذریعے یہ کہتے ہوے تباہ کروادیا تھا کہ ''اِسرائیلی قوم کے خلاف وسیع تر تباہی کے ہتھیار کو استعمال کرنے کے لیے، ہم اپنے دشمنوں (عربوں) کو وسیع تر تباہی کے ہتھیار کو ڈیولپ کرنے کی ہرگز اجازت نہ دیں گے۔ اِسی کے عہد میں ۱۹۸۲ء میں اسرائیلی افواج نے جنوبی لبنان پر حملہ اور قبضہ کر لیا اور فلسطینی مزاحمت کا قلع قمع کرنے کے لیے، وہ مسلسل ۱۸ سال تک لبنان میں جمی بیٹھی رہیں۔

مسندِ اقتدار پر آیا اور آتے ہی اُس نے بغیر کسی لاگ لپیٹ کے اِعلان کردیا کہ ''وہ قرارداد کی پابندیوں سے مطمئن نہیں''۔

اس نے ماہِ اکتوبر ۱۹۹۶ء میں ایک دن ایسی بات کہی، جس کا صاف مطلب یہ تھا کہ اسرائیل کبھی بھی سیریا کے ''گولان'' کی پہاڑیوں سے انخلا نہیں کرے گا؛ اس لیے کہ اسرائیل اُس کو اپنی اصل مملوکہ زمین تصور کرتا ہے۔ ساتھ ہی اُس نے سیریا کو دھمکی آمیز انداز میں کہا کہ اُس کو ہم اسرائیلیوں کے ساتھ بغیر کسی پیشگی شرط کے مذاکرات کرنا ہوگا؛ ورنہ وہ ہمارے ساتھ جنگ کے لیے تیار رہے۔ ''نتن یاہو'' نے کہا:

''اگر سیریا ہمارے ساتھ نہیں چلے گا، تو سیریا کے اندرونی حالات پر اسرائیل کا فوجی ادارہ ساتوں آنکھوں سے نظر رکھے ہوے ہے۔ سیریا کو یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ صورتِ حال کو سنگین بنانا دونوں فریقوں میں سے کسی کے لیے بھی اچھی بات نہیں۔ سیریا والوں کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ مذاکرات کی میز پر لوٹ آئیں''۔

اُسی دن اسرائیلی وزیرِ دفاع ''اسحاق مورخای'' نے برملا یہ کہا:

''ہم سیریا والوں کے ساتھ کشیدگی اور تناؤ نہیں چاہتے، ہم اُنھیں ازسرِ نو یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ ہمارا جنگ اور حملے کا ارادہ نہیں؛ لیکن اِسی کے ساتھ ہم ناگزیر اقدامات کررہے ہیں۔ مطلوبہ اقدامات کی راہ روکنے کے لیے کسی بھی شخص کی طرف سے ہونے والی کسی بھی کوشش سے نمٹنے کے لیے اسرائیلی فوج مکمل طور پر اَلرٹ ہے''!

دوسرے الفاظ میں اسرائیل گویا پوری دنیا کے سامنے بہ بانگِ دہل یہ اعلان کررہا ہے کہ سیریا اور لبنان اُس کی مرضی کی شرائط پر، جن میں سرِفہرست ''امن کے بدلے امن''، نہ کہ ''زمین کے بدلے امن'' والی شرط ہے، اُس کے ساتھ معاہدے پر بالضرور دستخط کردے؛ ورنہ اُس کے سامنے صرف ایک راستہ ہے کہ وہ ان دونوں کو امن معاہدے پر مجبور کرنے کے لیے، نیز اُس کے ساتھ خوش گوار تعلقات کی فضا بنانے کے لیے طاقت کا استعمال کرے اور امن مذاکرات میں تاخیر کرنے پر بہ طور جرمانہ اُن دونوں کی مزید اراضی

پر قبضہ بھی کر لے۔

اسرائیل نے صاف لفظوں میں کہنا شروع کر دیا ہے کہ عربی زمینوں سے انخلا کے مسئلے پر معاہدہ نہیں ہوا ہے، اُس پر ابھی کوئی حتمی فیصلہ نہیں لیا گیا ہے؛ اس لیے یہ مسئلہ ہنوز منتظرِ مذاکرات ہے۔ چناں چہ اسرائیل نے یہودیوں اور فلسطینیوں کے مابین خطہ "خلیل" کے تقسیم کی باقاعدہ تجویز بھی پیش کی تھی۔

اِس معاہدے میں یہ صراحت کی گئی تھی کہ اسرائیلی حکومت کالونیاں بنانے کا سلسلہ بند کر دے گی اور مستقبل میں کالونیاں بنانے کا کوئی قدم نہیں اٹھائے گی؛ لیکن اسرائیل طرح طرح کی مکارانہ کارروائیوں اور حیلے حوالوں کے ذریعے، یہاں یہودیوں کو لا بسانے اور فلسطینی باشندوں سے زمین ہڑپنے کی کوششوں میں جٹا رہا، تاکہ مذاکرات کے لیے کوئی خالی مقبوضہ زمین ہی باقی نہ رہے۔

زمین برائے امن کا مُعاہَدہ:

لائقِ ذکر ہے کہ عربوں کے حوالے سے اِن سراسر نقصانات سے عبارت معاہدوں کے سلسلے میں نعرہ ہی یہ بلند کیا گیا تھا کہ یہ معاہدہ، زمین کے بدلے امن والا ہے، یعنی اسرائیل تمام مقبوضہ زمینوں یا اُس کے بیش تر حصوں سے چلا جائے گا؛ تاکہ اُس کو امن کی دولت ہاتھ آجائے، ہم سایہ عربی ملکوں کے ساتھ امن و سکون کے ساتھ زندگی جینے کا اُس کو حق مل جائے، اپنی اقتصادی سرگرمیوں سے فائدہ اٹھائے اور عرب ممالک کے اندر دور رس عسکری اور اسٹریٹیجک مقاصد حاصل کر کے، وہ عربی جسم کا ایک حصہ بن جائے، جب کہ اب تک وہ ناقابلِ قبول رہا تھا کہ یہ ایک ایسا فاسد اور باہر سے لاکر پیوند کیا جانے والا حصہ ہے جس سے جسم کے مکمل طور پر سڑ جانے کا خطرہ ہے؛ لہٰذا جسم کو بچانے کے لیے، اُس کو کاٹ کر الگ کرنا ضروری ہے۔

لیکن یہودی آج برملا یہ کہنے لگے ہیں کہ معاہدہ، امن برائے امن ہوا ہے یعنی اُن

زمینوں پر قبضہ برقرار رکھنے کے بدلے امن معاہدہ ہوا ہے، جن پر ۱۹۶۷ء کی جنگ اور اُس سے پہلے اسرائیل نے قبضہ کرلیا تھا۔ ہم صاف ہی کیوں نہ کہہ دیں کہ اسرائیل گویا عربوں کو یہ ماہرانہ اشارہ دے رہا ہے کہ ہم یہودی نہیں؛ بل کہ عرب ہی، امن وامان اور ہم یہودیوں کے ساتھ جنگ کی حالت کوختم کرنے کے اُس وقت تک محتاج ہیں، جب تک ہم ایک ایسی خطرناک عسکری اور ایٹمی طاقت کے مالک ہیں، جس کے پاس ایسے جدید ترین ترقی دادہ ہتھیاروں سے اَٹا اسلحہ خانہ ہے، جو سارے عرب ملکوں کے پاس بھی نہیں۔ علاوہ ازیں وہ (عرب) باہم اِس طرح دست وگریباں ہیں کہ وہ نازک گھڑیوں میں بھی اتحاد واشتراک کا دامن نہیں تھام سکتے۔

حال آں کہ اگر اسرائیل مقبوضہ اراضی خالی بھی کردے، تب بھی فلسطینیوں کو اصل فلسطینی رقبے کا صرف ۳۲ فی صد حصہ ہی ہاتھ آسکے گا، اِس کے باوجود فلسطینی، قبضے کی وجہ سے جن تلخ اذیتوں کا گھونٹ پی رہے ہیں، اُن میں سے کچھ سے گلوخلاصی حاصل کرنے کے خیال سے، اپنے حقوق سے اِس درجہ دست برداری پر رضامند ہوگئے ہیں؛ لیکن اسرائیل حسبِ عادت بُری طرح ٹال مٹول اور دھوکے بازی کی راہ پر چل رہا ہے؛ اِس لیے کہ بچھو، اپنی فطرت سے ہرگز باز نہیں آسکتا اور سانپ کو ڈسنے میں، جو مزہ آتا ہے اُس سے وہ علاحدہ نہیں ہوسکتا۔ بچھو اور سانپ کو ملامت کرنا صحیح نہیں؛ بل کہ قابلِ ملامت تو وہ شخص ہے، جو بچھو اور سانپ کو فرشتہ سمجھتے ہوے، اُن کی طرف مخلصانہ دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہے۔

مُعاہدۂ اوسلو اور اُس کے بعد کے مذاکرات:

معاہدۂ اوسلو اور اُس کے بعد ہونے والے مذاکرات اور میٹنگوں نے جو طویل مسافت طے کی ہے، اُس پر سرسری نظر ڈالنے سے نہ صرف فلسطینیوں کی دست برداریاں الم نشرح ہوجاتی ہیں؛ بل کہ یاسر عرفات اور خودمختار حکومت کے قائدین اُن کے رفقا کو اِس طویل دورانیے میں جن رسوائیوں اور ذلت کا منہ دیکھنا پڑا، اُن سے بھی پردہ اٹھ جاتا ہے۔

اِن تمام باتوں کے باوجود اُنھیں، صہیونیوں کی طرف سے بدلے میں وہی چیز ہاتھ آئی، جس سے شیطان اور اُس کی ذریت نافرمانوں اور گنہ گاروں کو نوازتی ہے کہ وہ (شیطان اور اُس کی ذریت) انسانوں کو کفر و عدوان پر ابھارتی ہے، پھر جب یہ خدا کی نافرمانی کر بیٹھتے ہیں، تو شیطان اور اُس کی ذریت یہ کہتے ہوئے اُن باغیانِ خدا سے اپنا دامن جھاڑ لیتی ہے کہ میرا تم سے کوئی لینا دینا نہیں، مجھے تو ربِّ دو جہاں کا خوف کھائے جا رہا ہے۔

اسرائیل نے طول طویل معاہدوں اور تعلقات کو معمول پر لانے کی کارروائیوں کے در پردہ، صرف یہی چاہا ہے کہ وہ دوسروں سے سب کچھ لے لے؛ مگر اپنا کچھ بھی نہ دے، منافع حاصل کر لے؛ مگر اُن کی کوئی قیمت ادا نہ کرے، فراوانی سے خرچ کرے اور دادِ عیش دے؛ مگر اُس کا بل بھی ادا نہ کرے۔ اُس نے ماضی اور حال میں اِسی پالیسی پر عمل کیا ہے اور آیندہ بھی — جب تک صہیونی اللہ کی مشیت و حکمت سے روے زمین پر موجود رہیں گے — اِسی راہ پر چلتے رہیں گے۔

اسرائیل کی چاہت:

اسرائیل کی یہ چاہت تھی کہ وہ نام نہاد خود مختار فلسطینی حکومت کو اپنا ایسا محافظ اور پولس بنا لے، جو اُن جوانانِ انتفاضہ اور حماس کے مزاحمت کاروں پر لگام کسے، جن کے صبر کا پیمانہ قبضے کی تاریکیوں اور مشکلات و ایذا رسانی کی راتوں کی بے پناہ درازگی سے لبریز ہو چکا ہے۔ صہیونیوں کی نظر میں اُن کا بس اتنا جرم ہے کہ وہ برملا یہ اِقرار و اِظہار کیوں کرتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ، ہمارا نبی محمد ﷺ اور ہمارا مذہب اسلام ہے، فلسطین صرف عربوں اور مسلمانوں کا ہے، شہرِ قدس ایک اسلامی شہر ہے، جس کی ایک بالشت زمین سے بھی دست برداری جائز نہیں، خواہ اِس راہ میں کتنی ہی قربانیوں کے جاں گسل مرحلوں سے کیوں نہ گزرنا پڑے اور تازہ و پاکیزہ عربی اسلامی لہو کا دریا ہی کیوں نہ بہانا پڑ جائے؟ نیز ظالم، خائن، بدکردار اور قاتلینِ انبیا: صہیونیوں کے ساتھ تعلقات کو معمول پر لانا تو درکنا، اُن سے ذلت

دخواری اور ایمانی غیرت سے دست برداری کے ساتھ صلح کرنا بھی جائز نہیں۔

کم سن بچوں کے ساتھ، اسرائیل کا جارحانہ رویہ:

ہاں جب کم سن بچے اور عربی اسلامی نوجوان، تاریخی آزادی وعزت کی راہ میں اپنے پاکیزہ لہو کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور ناکامی و مایوسی اور بد باطن قابض صہیونیوں کی ایذا رسانی کے سخت احساس کے بعد دسمبر ۱۹۸۷ء میں غزہ پٹی اور مغربی کنارے میں انتفاضہ کا عمل شروع کیا، تو صہیونیوں نے اُن کی راہ میں روڑے اٹکائے، قسم قسم کے ہتھیار اور جنگی ساز وسامان سے اُن کا مقابلہ کیا۔ ہاتھوں میں سنگ ریزے اٹھائے بچوں، انتفاضہ کے جواں سال رضا کاروں اور حماس کے قائدین کی بڑی تعداد کو گرفتار کر کے جلاوطن کر دیا یا عقوبت خانوں میں ڈال دیا، یا اُنھیں بے دردی سے تہ تیغ کر دیا۔ جو بچ گئے، اُنھیں فلسطین سے نکالا دے کر کھلے آسمانوں کے نیچے بے آب وگیاہ صحراؤں میں زندگی جینے پر مجبور کر دیا۔ اِن سارے واقعات کی خبریں عالمی ذرائع ابلاغ نے -جن میں سے اکثر کو اسلام اور اسلامی عربی قضیوں سے خدا واسطے کی دشمنی ہے- شائع کیں اور قلم بندی کر کے اُن کی تصویریں بھی دنیا والوں کو دکھلائیں۔ تاریخ کی فائلوں میں یہ سب کچھ محفوظ ہے۔ اِن باتوں نے سنگین صورتِ حال سے اسرائیل کے دامن بچا کر نکل بھاگنے میں ماہر ہونے کے باوجود، اس کے چہرے کے خدوخال کو دنیا والوں کے سامنے مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔ اِن خبروں کے منظر عام پر آنے کی وجہ سے، اسرائیل انگارے پر لوٹنے لگا ہے اور ایسی بوڑھی طوائف کی شکل میں سامنے آیا ہے، جس کے چہرے کو بدکاری کے طویل دورانیے نے اتنا بدشکل بنا ڈالا ہو کہ اُس کی طرف کسی کی نگاہِ رغبت نہیں اُٹھتی۔

اسرائیل کی طرف سے، امن معاہدوں کا ڈرامہ:

جب اُس کو یہ یقین ہو گیا کہ اگر انتفاضہ، اس کے مقابلے کی سر توڑ ممکنہ کوششوں

کے باوجود، اِسی طرح جاری رہا تو اُس کو ناقابلِ تصور مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا جنھیں وہ اگر فی الحال انگیز کر لے تو مستقبل میں انھیں انگیز کرنا اُس کے لیے مشکل ہوگا؛ اِس لیے اُس نے اپنے وفاشعار و کارساز آقا امریکہ کے اشارے پر یہ سوچا کہ فلسطینیوں پر فلسطینیوں کے ذریعہ ہی ٹوٹ پڑے، اُنھیں خانہ جنگی میں مبتلا کر دے اور فلسطینیوں کی طرف سے آنے والی ہر مُتَوَقَّع مصیبت کے سامنے، فلسطینیوں کو ہی ڈھال بنالے۔

چناں چہ اسرائیل نے اُن امن معاہدوں کے سیریل کا ڈرامہ شروع کیا، جنھوں نے ماضی میں بھی اُس کو بے پناہ فائدہ پہنچایا اور مستقبل میں بھی وہ اُن کے درپردہ اتنے سارے فائدے حاصل کرتا رہے گا، جتنے اُس کو اُن معاہدوں کے بغیر کبھی حاصل نہیں ہوسکتے تھے۔ اِس ڈرامے کا پہلا پھل اُس ''خود مختار مُقتَدِرَہ'' کے کھلونے کی ایجاد کی شکل میں ظاہر ہوا، جس کے کاندھوں پر اسرائیل نے سب سے پہلی ذمے داری یہ رکھی ہے کہ وہ اس کی مزاحمت پر آمادہ مسلم نوجوانوں کی تحریکوں کو کچل ڈالے؛ خود مختار مقتدرہ کو اِن تحریکات پر کتنا قابو ہے، چوں کہ صرف یہی بات اُس کے آیندہ برسرِ اقتدار رہنے یا نہ رہنے کی صلاحیت کا پیمانہ ہوگا؛ لٰہذا اس کے سارے اختیارات چھین لیے جائیں گے اور ہر قسم کے حیلوں اور تدبیروں سے اُس کو تحلیل کر دیا جائے گا۔ بالفعل بھی اسرائیل اِس پیمانے کے ذریعے خود مختار مقتدرہ کی صلاحیت کو آزما رہا ہے؛ چوں کہ بیش تر اوقات میں وہ اپنی صلاحیت کا مظاہر نہیں کر پاتی؛ اِس لیے اسرائیل اُس کو تحلیل کر دینے، اُس کی صلاحیتوں کو سلب کر لینے اور اُس کو فنا کے گھاٹ اتار دینے کی دھمکی دیتا رہتا ہے۔

اسرائیل نے کبھی نہ چاہا کہ فلسطین کے نقشے پر فلسطینیوں کا کوئی وجود ہو اور فلسطین ایک ایسی آزاد ریاست کی حیثیت سے افقِ عالم پر نمودار ہو، جو وقتاً فوقتاً اپنے حقوق و مطالبات کی مانگ کرے اور اسرائیل سے گاہے بہ گاہے انخلا کی اپیل کرتا رہے؛ کیوں کہ اسرائیل ہمیشہ کھلے بندوں یہ کہتا رہا ہے کہ ''وہ اُسی طرح ایک آزاد و خود مختار فلسطینی ریاست کے قیام کی مخالفت کرتا رہے گا، جس طرح وہ مغربی سمت میں نہرِ اردن پر کسی غیر ملکی اقتدار

کی مخالفت کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا۔"

اسرائیل کا برملا اعلان:

موجودہ فلسطینی مقتدرہ پر، چوں کہ اسرائیل کو ہر قسم کا تحفظ فراہم کرنے کی ذمے داری ڈالی گئی تھی، اِس لیے اسرائیل نے بار بار برملا کہا ہے: "وہ آخری حل تک پہنچنے کے لیے فلسطینی مقتدرہ کے ساتھ مذاکرات کرے گا، بہ شرطے کہ وہ اپنے اوپر عائد تمام ذمے داریوں کو روبہ عمل لائے۔"

یہ جملہ فلسطینی اتھارٹی کو سزا کی کھلم کھلا دھمکی ہے؛ کیوں کہ اگر اسرائیلیوں کو یہ نظر آیا کہ فلسطینی مقتدرہ اُن کی مرضی کے مطابق کام نہیں کر رہی، تو وہ اُس کو اپنی مرضی کے مطابق سزا دے سکتے ہیں۔ واقعی اسرائیل اپنے طے شدہ اہداف کو برپا کرنے کے تعلق سے بڑی حد تک کام یاب ہے اور اگر انتفاضہ برپا نہ ہوتا اور وقفے وقفے سے فلسطینی عوام احتجاج اور مظاہرے نہ کرتے، تو ایسی کوئی چیز نہ تھی، جس کی وجہ سے دنیا، بنیادی فلسطینی قضیے پر توجہ دیتی اور "فلسطینی اتھارٹی" یا "خود مختار حکومت" کے قائدین روشنی میں آتے اور مرکز توجہ بنتے۔

فلسطینی قائدین اور اسرائیل کی خوش قسمتی:

فلسطینی قائدین: عرفات اور اُن کے رفقائے کار اور اسرائیل، دونوں کی خوش قسمتی کہیے کہ حال ہی میں ایک ایسی صورتِ حال پیدا ہوئی جس کی وجہ سے دونوں عالمی توجہ کا مرکز بن گئے۔ یعنی وہی فلسطینی انتفاضہ، جو ۲۴ ستمبر ۱۹۹۶ء کو منگل کے دن شروع ہوا اور مسلسل چار روز تک اپنے شباب پر رہا، جس نے ستر آدمیوں (۶۰ فلسطینی، ۱۵ صہیونی) سے زائد کی جان لے لی، یہ انتفاضۂ مبارکہ اِسرائیل کی طرف سے، مسجد اقصیٰ کا اِحاطہ کرنے والی سرنگوں کے ایک دوسرے دروازے کے کھولنے کے معاً بعد شروع ہوا۔

یہ اسرائیل کی خوش نصیبی ہی تو ہے کہ ماضی ہی کی طرح اُس کو یہ موقع ہاتھ آ گیا کہ وہ گدلے پانی میں شکار کرے اور اولاً فلسطینیوں کی ''دہشت گردی'' اور اُن کی ''تشدد پسندی'' اور ثانیاً صورتِ حال پر قابو پانے اور اُن فلسطینی نوجوانوں پر گرفت مضبوط کرنے؛ نیز عرفات اور اُن کے رفقا کی ناکامی کا دنیا والوں کے سامنے ڈھول پیٹنے کے لیے، اِس صورت حال سے بہ خوبی فائدہ اٹھائے، یعنی اُن فلسطینی نوجوانوں پر شکنجہ کسنے کے لیے جو وقتاً فوقتاً ''آداب'' شکنی کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں اور سرزمین فلسطین پر بلوں (یعنی کالونیوں) میں چھپ کر رہنے والے ''چوہوں'' کے لیے زبردست خطرے کا روپ دھارنے کی سکت رکھتے ہیں اور جن کے تن بدن میں اتنی طاقت ہے کہ وہ برہنہ سینوں کے ذریعے ہی اسرائیلی اسلحوں کے مقابلے میں کھڑے ہو جائیں۔ اِس طرح فلسطینی ''دہشت گردی'' کا ہوا کھڑا کر کے اسرائیل کے لیے اپنے آپ کو معصوم اور مظلوم ثابت کرنا آسان ہو گیا ہے۔

یہ انتفاضہ، خودمختار فلسطینی حکومت کے قائدین کے لیے اِس اعتبار سے خوش قسمتی کی بات ثابت ہوا کہ اِس کی وجہ سے وہ اسرائیل کو تھوڑا بہت برہنہ کرنے اور دنیا کو اسرائیل کے مکروفریب اور معاہدوں میں کیے گئے وعدوں کی صریح خلاف ورزی اور اُس کے جارحانہ اور انسانیت سوز جرائم -جن کی وجہ سے فلسطینی، باقی ماندہ صبر کی پونجی بھی کھو دینے کو ہیں- سے کسی نہ کسی حد تک آگاہ کرنے کی طاقت بہم پہنچا سکیں۔

لیکن عالمی ذرائع ابلاغ نے یہ یقین کر لیا ہے کہ یاسر عرفات اور اُن کے حامیوں نے عالمی رائے عامہ کے سامنے اپنے موقف کو صحیح طور پر پیش نہیں کیا اور نہ ہی اُن لوگوں نے حال ہی میں اسرائیل کے مجرمانہ اقدامات کے نتیجے میں سرزمینِ فلسطین پر خون کی جس بُری طرح ندیاں بہیں، اُن کی ذمے داری اسرائیل کے سر ڈالنے میں ہنرمندی سے کام لیا؛ کیوں کہ اسرائیل نے معاہدوں کی شرائط کی دھجیاں اڑائیں اور مسجدِ اقصی کے نیچے سرنگ کھود کر فلسطینیوں کو آگ بگولہ کیا۔ ہاں یاسر عرفات اور اُن کے ساتھیوں نے اپنے

قضیے کو پیش کرنے میں اُس سلیقہ مندی کا مظاہرہ نہیں کیا، جس کا اظہار اسرائیل ماضی کی طرح فلسطینیوں کو ملزم ثابت کرنے اور نسبتاً پرسکون صورتِ حال کو دھماکہ خیز بناڈالنے کی ذمے داری اُنھی کے سرڈالے جانے، کے اپنے موقف کو پیش کرنے کے تئیں کرتا رہا ہے۔

عرفات کی بے بسی:

چناں چہ مسٹرعرفات چہار فریقی چوٹی کانفرس (جس میں امریکی صدر بل کلنٹن، شاہ اردن حسین، فلسطینی اتھارٹی کے سربراہ مسٹر یاسر عرفات اور اسرائیلی وزیر اعظم نتنیاہو نے بھی شرکت کی) کے نام سے ۶/ اکتوبر ۱۹۹۶ء اتوار کو شروع ہونے والی بات چیت میں شریک ہوے؛ لیکن وہاں سے اپنا سا منھ لے کر لوٹے: کیوں کہ ''نتن یاہو'' کسی بھی قسم کے سخت دباؤ کے سامنے ڈھیر نہ ہوا، جس کا اُس کو واشنگٹن میں سامنا کرنا پڑا؛ بل کہ دباؤ بنانے والی ساری صورتِ حال سے بہ آسانی چھٹکارا حاصل کرلیا، اُس کو فلسطینی فریق کے لیے کسی بھی طرح کی دست برداری کے لیے مجبور نہ ہونا پڑا۔

جہاں تک یاسر عرفات کی بات ہے، تو اُنھوں نے مذاکرات کی کارروائی کے دوران اپنی بات کو کما حقہ سامنے نہیں رکھا؛ بل کہ اُنھوں نے ذلت ورسوائی کو قبول کرنے کی حد تک دست برداریوں کی مزید دوسری قسط تھال میں سجا کر پیش کردی؛ اِس لیے کہ اُنھوں نے ایجنڈے سے مسجدِ اقصی میں کھدائی کے موضوع کے حذف کیے جانے کو بسرو چشم تسلیم کرلیا، حال آں کہ اِسی کی وجہ سے بحران دھماکہ خیز ہوا؛ اِسی وجہ سے حماس کو یہ کہنا پڑا ''عرفات اور خود مختار حکومت کے اُن رفقا کا یہ موقف وطن پر جاں نثار کردینے والے شہدا اور انتفاضۂ اقصیٰ کے مجروحین کے خونوں کے ساتھ ایک بھونڈا اور رسوا کن مذاق ہے۔''

عبرت کے لیے ہم یہ بتادیں کہ معاہدۂ اوسلو نے شروع دن سے ہی عربوں کو بے پناہ نقصان پہنچایا ہے، یہ اُن کے لیے سراسر گھاٹے کا سودا ثابت ہوا، جب کہ اسرائیل کو فائدے ہی فائدے ہاتھ آئے ہیں۔

اسی معاہدے کے نتیجے میں اسرائیل کو یہ موقع ملا کہ وہ اپنی بین الاقوامی گوشہ نشینی سے اچانک نکل آئے۔ چناں چہ دنیا کے ساٹھ ممالک نے۔ جو اُس دن کے انتظار میں بے صبری سے بیٹھے تھے جس میں وہ مشرق سے لے کر مغرب تک اسرائیل کے ساتھ اپنے تعلقات قائم کریں۔ اسرائیل کو بجلی کی سی تیزی کے ساتھ تسلیم کرلیا اور اُس کے ساتھ سیاسی، تجارتی اور عسکری تعلقات بحال کر لیے۔ ساتھ ہی بہت سی عالمی کمپنیوں نے، عربوں کی طرف سے اسرائیل کے اقتصادی بائیکاٹ کے مکمل خاتمے کی مانگ کردی، نیز عربوں کی اقتصادی حالت کو نقصان پہنچا کر، اسرائیل کی اقتصادی حالت کی بہتری کے مقصد سے اقتصادی کانفرنسیں منعقد ہونی شروع ہوئیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اسرائیل کے ساتھ ہر سطح پر تعلقات کی بحالی کے لیے ہر طرف سے زبردست کوششیں شروع ہوگئیں۔

اسرائیل کے، ذریعے قراردادوں کی پامالی:

اسرائیل، سلامتی کونسل کی قرارداد نمبر ۲۴۲ اور قرارداد نمبر ۳۳۸ پر عمل کرنے میں خواہ کتنا ہی ٹال مٹول کرے، زمینی اور عملی سطح پر ۴ر جون ۱۹۶۷ء کی سرحد تک فلسطینی زمین چھوڑنے سے باز رہے۔ حال آں کہ امن کے بدلے زمین کا حصول ہی قضیے کی اصل بنیاد ہے اور دست برداریوں کی یہ آخری حد ہے، جس سے عربوں کو آگے نہیں بڑھنا چاہیے مجھے کہنے دیجیے کہ اسرائیل جون ۱۹۶۷ء کی جنگ میں قبضہ کی گئی عربی زمینوں سے چاہے مکمل انخلا نہ کرے کہ تمام علامتوں سے یقیناً یہی عیاں ہے کہ وہ ہرگز انخلا نہیں کرے گا؛ لیکن کیا عربوں کے بس میں ہے کہ وہ پوری دنیا سے اسرائیل کے بائیکاٹ اور اُس کو از سرِ نو پوری دنیا سے الگ تھلگ کرنے کا مطالبہ کریں؟ عرب نہ ماضی میں یہ مطالبہ دنیا والوں سے کر سکے اور نہ مستقبل میں اِس کی دور دور تک امید ہے۔ معاہدۂ اوسلو اور اُس کے بعد کی کارروائیوں سے اسرائیل نے سب سے بڑا فائدہ یہی حاصل کیا ہے کہ وہ اب پہلے کی طرح دنیا سے الگ تھلگ نہیں رہے گا۔ اسرائیل کے بس کی بات نہ تھی کہ وہ یہ ہدف

حاصل کر لیتا، اگر یہ معاہدہ نہ ہوتا، جس نے عربوں کو آج ایک دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے کہ وہ آگے بڑھیں، یا پیچھے کو لوٹ جائیں۔ دونوں حالتوں میں اُن کے حصے میں ناکامی ہی آئے گی۔ فَإِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكىٰ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِهِ (تو اللہ سے ہی ہے اور اُسی کے ذریعے طاقت وقوت)

"وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ". (شعراء/۲۲۷) اور اب معلوم کریں گے ظلم کرنے والے، کہ کس کروٹ الٹتے ہیں۔



آقا امریکہ کی ناراضگی سے بچتے ہوئے(•)

امریکی پارلیمنٹ نے چند روز قبل جو یہ قرارداد پاس کی کہ مقبوضہ شہرِ قدس، صہیونی دشمنوں کا متحدہ دارالحکومت ہے اور ساتھ ہی امریکی سفارت خانے کو "تل ابیب" سے منتقل کر کے شہرِ قدس لے جانے کے لیے سو ملین ڈالر کی ایک بڑی رقم بھی مختص کر دی، تو اِس کے خلاف پورا عالمِ عرب و عالمِ اسلام اور تمام اسلامی تنظیمیں بہ یک آواز چیخ اٹھیں اور جگہ جگہ احتجاجی مظاہرے کیے۔

بڑے پیمانے پر اس مذمت کی ہماری طرف سے پسندیدگی کے باوجود؛ ہمیں سب سے زیادہ دکھ اور افسوس اُس جی حضوری والے لہجے پر ہے، جس کا واضح ثبوت عربی اسلامی تنظیموں اور جمعیتوں کے، اِس سلسلے میں دیے گئے اکثر بیانات ہیں کہ وہ کس طرح دبے لہجے میں مذمت کرتے ہیں کہ کہیں ہمارے آقا امریکہ اور حضور بل کلنٹن کو یہ ناگوار نہ گزرے۔

حالیہ قرارداد، اکتوبر ۱۹۹۵ء میں امریکی سینٹ کی طرف سے جاری اُس قرارداد کی تایید کے طور پر پاس کی گئی ہے، جس میں شہرِ قدس کو صہیونیوں کا پایۂ تخت قرار دیا گیا تھا۔

امریکہ نے حالیہ قرارداد کیوں پاس کی؟

ہمارے سیکولر اخبار نویس، صہیونیوں کے ساتھ امریکہ کی بے پناہ اور مسلسل جانب داری

(•) ترجمہ کلمۃ العدد، الداعی، بہ عنوان: "تَفَادِيًا مِنَ اسْتِيَاءِ السَّيِّدَةِ أَمْرِيكَا" ، شمارہ:۴، جلد:۲۱، ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ = اگست-ستمبر ۱۹۹۷ء

کو اِس خانے میں ڈالنے کے عادی ہو گئے ہیں کہ امریکہ اِس پالیسی پر اِس لیے عمل پیرا ہے کہ وہ امریکی قانون سازیہ اور وہاں کی انتظامیہ میں موجود بااثر اور سرگرم صہیونی لابی کے ووٹوں کو بہ آسانی حاصل کر سکے، یا یہ اخبار نویس یہ کہتے ہیں کہ اِس جانب داری کا سبب، نازی جرمنی اور اُس کی پارٹی کے لوگوں کے ہاتھوں یہودیوں پر کیے گئے ظلم وستم کا من گھڑت افسانہ ہے، وہ افسانہ جس کی وجہ سے یہودی، امریکیوں اور خصوصاً اُن کیتھولک عیسائیوں کی توجہ کا مرکز بن گئے، جنھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے خون سے یہودیوں کو بری کر دینے کی قرارداد پاس کی تھی۔

لیکن امریکی موقف کا سنجیدگی اور گہرائی سے مطالعہ کرنے سے یہی مستحکم تاثر اُبھر کر سامنے آتا ہے کہ اُس کی (امریکی موقف کی) بنیاد اُن سیکولر مزاج صحافیوں کے اُس بودے اور بے وزن خیال پر نہیں، جو ہمیشہ اسلام کے خلاف مشرق ومغرب کی دشمنانہ پالیسیوں کو عرب اور اسلام دشمنی کے علاوہ دیگر بے اساس اسباب وعلل سے جوڑتے رہتے ہیں، یعنی یہ کہتے رہتے ہیں کہ مشرق ومغرب کی اِس پالیسی کا مقصد اسلام دشمنی نہیں؛ بل کہ اِس کا مقصد وہ بہت سارے سیاسی، اقتصادی، تجارتی اور عسکری مفادات ہیں، جو آج کی دنیا میں، سارے ممالک کو، خواہ وہ ایک دوسرے کے دوست ہوں یا دشمن، ایک دوسرے سے ہم رشتہ کرتے ہیں۔

اسرائیل کے تئیں امریکہ کا جو موقف ہے، اگر ہم اُس کو اِس کسوٹی پر پرکھیں، تو ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ گویا امریکہ کو صہیونیوں کے ساتھ مسلسل جانب داری کرتے ہوئے عربوں اور مسلمانوں سے وابستہ اپنے، لامحدود مفادات کی کوئی پروا نہیں ہوتی، تو کیا اِس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کریں کہ ذرائع ابلاغ والوں کا امریکی موقف کا جائزہ سراسر مفروضہ اور غلط ہے، جس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں، یا ہمارا یہ خیال ہے کہ امریکہ بے وقوفی؛ بل کہ جنون کی حد تک عقل وخرد سے عاری ہے کہ وہ پیہم عربوں کے ساتھ اپنے تعلقات اور اُن سے مربوط اپنے مفادات کو یقینی خطرے میں ڈال رہا ہے۔

امریکی رَوَیُّوں میں اسلام دشمنی کا عنصر پوشیدہ ہے:

سچی بات یہ ہے کہ امریکہ اسرائیلی دشمن کے حوالے سے جتنے جانب دارانہ رویوں کا مظاہرہ کرتا ہے، ہمیشہ اُس میں اسلام دشمنی کا عنصر چھپا ہوتا ہے۔ اُسے بھلا عربی رائے عامہ اور اسلامی جذبات کی کیا پروا؟! وہ تو ہمیشہ اسلامی جذبات کے ساتھ اِس طرح کھیلتا ہے، جس طرح بچے کاغذ کے کونے سے کھیلا کرتے ہیں؛ کیوں کہ اُس کو معلوم ہے کہ عرب اُس کے مفادات کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کر سکتے، وہ خلیجی ممالک میں امریکی ارادوں کو چیلنج کرنے کی پوزیشن میں کبھی نہیں آسکتے، خواہ امریکہ اُن پر کتنی ہی ضربیں لگائے اور کتنی ہی بار اُنھیں ڈس لے؛ کیوں کہ امریکہ کو یقین ہے کہ وہ عربوں کے غصے کو چوسنے اور اُن کی فکر وعقل میں تکلیف کے احساس کی جگہوں کو سن کرنے کا ''زوداثر طریقہ'' جانتا ہے۔

صہیونی دشمن کے تئیں امریکہ کے جانب دارانہ موقف کے تسلسل پر گہری نظر رکھنے والے کو یہ یقین کرتے دیر نہیں لگتی کہ امریکہ ہمیشہ ''مناسب وقت'' میں اچانک اقدامات کرتا رہا ہے، یعنی ایسے وقت میں وہ اِس قسم کے اقدامات کرتا رہا ہے، جب کشیدگی میں اضافہ ہوجاتا ہے، اسرائیل کا غرورِ بے جا بڑھ جاتا ہے اور فلسطینیوں پر، اُس کے ظلم وجارحیت میں تیزی آجاتی ہے۔

زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں، ابھی کل ہی کی بات ہے کہ صہیونیوں نے کالونیاں بنانے کی مُنظَّم پالیسی کو نافذ کیا اور فلسطینیوں سے بہ طورِ خاص مقبوضہ شہرِ قدس میں آتش وآہن کے بل پر زمینیں چھینیں، جس کی وجہ سے شکست خوردانہ تصفیہ کی کارروائی، تمام کوششوں اور مسٹر یاسر عرفات اور ''نتن یاہو'' (جو ظاہر و باطن ہر اعتبار سے صہیونیت کا حقیقی نمایندہ ہے) کے ہر قسم کے جتن کے باوجود ناکامی کا منھ دیکھ رہی ہے۔

امریکی کانگرس اور حکومت کا اصل مقصد:

اسرائیل کی متحدہ راجدھانی کا اعلان کرنے والی اِس امریکی قرارداد کی، وہ بھی اِس

''سلگتے موقع'' سے، کیا تاویل کی جاسکتی ہے؟ کیا اِس سے دودو چار کی طرح یہ عیاں نہیں ہوجاتا کہ امریکی حکومت اور اُس کی کانگریس کی یہی چاہت ہے کہ اسرائیلی دندناہٹ کے لیے راستہ ہَموار کردے اور یہودی تسلط کے سامنے عربوں کو ہتھیار ڈالنے اور جھکنے پر بہ زور طاقت مجبور کردے۔

امریکہ، جس کی اسرائیل کے ساتھ ہم دردی اور حمایت دنیا کے بے وقوفوں کے لیے بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی؛ اِس لیے ہمارے ''عقل مند'' عرب سیاست دانوں، قائدین اور ہمارے سیاہ وسفید کے مالکوں کے لیے یہ کس طرح جائز ہوگا کہ وہ ہمارے مسائل اور خصوصاً مسئلہ فلسطین کے حوالے سے، امریکہ پر اعتماد کریں اور اُس کی منصفانہ ثالثی کو تسلیم کرلیں؟!۔

اِس کا صاف مطلب ہے کہ ہم ظلم کے کڑوے گھونٹ مزے لے لے کر پی رہے ہیں:

ہمارے جذبات اور ہمارے مسائل کے ساتھ ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے جتنا کھلواڑ کیا ہے اور ظلم وتعدّی کا جو ریکارڈ توڑا ہے، اُس کے باوجود اُس پر ہمارے مسلسل اعتماد کا مطلب یہی تو ہے کہ ہم خطرات سے بچنے کے لیے شترمرغ کی طرح ریت کے تودے میں منہ چھپالیتے ہیں، یا یہ مطلب ہے کہ ہم ظلم کے کڑوے گھونٹ کو مزے لے کر پینے اور ''ذلت کی گود'' میں بہ خوشی جینے کے عادی ہوگئے ہیں اور یہ کہ ہم دوسروں کے ہاتھوں مارے جانے سے پہلے ہی اپنے ہاتھوں اپنی موت کا انتظام کرلیتے ہیں۔

بلاشبہہ ہمارے خلاف امریکہ کا اشتعال انگیزی کا رویہ، ہم سے اِس کا بھی متقاضی ہے -- اور اِس سے پہلے بھی سینکڑوں بار ہم سے تقاضا کرچکا ہے -- کہ ہم امریکہ سے صاف کہہ دیں: مکار لومڑی اور بدباطن بچھو! دور ہوجا۔ ہم نے ماضی میں تمھاری مکاری میں پھنس کر دھوکہ کھایا ہے اور ہم ہزاروں بار تمھاری وجہ سے ڈسے گئے ہیں، اب ہم نے یہ

طے کرلیا ہے کہ تمھاری میٹھی میٹھی باتوں اور تمھارے طرزِ عمل کی نمایشی خوب صورتی سے کبھی تمھارے دامِ فریب میں نہ پھنسیں گے۔

مذمت اور مذاکرات سے کچھ بھی فائدہ نہ ہوا:

امریکہ نے ہمارے خلاف جتنی سازشیں رچائیں اور ہمارے خلاف جتنے رویے اختیار کیے، ہم نے اُن کی مذمت، اُن کے خلاف بیانات جاری کرنے اور میٹنگیں اور مذاکرات کی میز پر بیٹھنے میں حد کردی۔ کیا ایک مرتبہ بھی ہمیں اِس سے فائدہ پہنچا؟ کیا امریکہ نے ایک بار بھی اسرائیل کی طرف داری سے اپنے قدم پیچھے ہٹائے؟ اِس کا جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔ اُس نے ہمیشہ جو کچھ بھی کیا کہ بعض اوقات اپنی کسی قرارداد کو روبہ عمل لانے سے رکا رہا تو اِس لیے رکا رہا کہ وہ ہمارے اعصاب کو سُن کرنے اور احساس کی جگہوں کے بے حس ہونے کے لیے وقت کے عنصر سے فائدہ اٹھائے۔ پھر حسبِ سابق امریکہ نے اُس کو کسی ایسے ''موزوں وقت'' میں نافذ کیا جس کی وجہ سے ہم اپنے حسّاس مسائل میں سے کسی مسئلے میں الجھ کے رہ گئے۔ امریکہ کو یقین کی حد تک یہ معلوم ہے کہ ہم لوگ ایک سادہ لوح قوم اور سیدھی سادھی اُمّت ہیں، جس کو ''غفلت'' میں ڈالنا؛ بل کہ ''بے حس'' کردینا اور اُس کو اطاعت شعاری پر آمادہ کرنا بڑا آسان کام ہے۔ اب خواہ اُس کو کتنے بھی طمانچے رسید کیے جائیں اور کتنی بھی ایڑ کی ضربیں لگائی جائیں، وہ بے ہوش اور غافل ہی رہے گی۔

امریکہ کی نیند حرام ہوجائے گی، اگر ہم مسلمان...

ہم اربوں کی تعداد میں دنیا کے نقشے پر موجود ہیں، اگر ہم شہد کی مکھی بن کر ایک جٹ ہوکر امریکہ کے خلاف بھنبھنانے لگیں تو اُس کا صبر و سکون ختم ہوجائے گا۔

پوری دنیا کو یہ معلوم ہے کہ عرب اور مسلمان، عربی اسلامی قضیوں، خصوصاً قضیۂ

فلسطین کے حوالے سے امریکہ کے موقف اور صہیونیوں کی اُس کی پیہم حمایت سے انتہائی بیزار ہیں۔ صہیونیوں کے تعلق سے امریکہ کا کیا رویہ ہے، آفتابِ نیم روز کی طرح سب پر عیاں ہے؛ لہٰذا ہم بہ صد ادب واحترام عالم عربی- جو سیدنا محمد ﷺ کا دیار ہے- کی حکومتوں اور قیادتوں سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ عربی اور مسلم عوام کے ساتھ ہم آواز ہوں اور عربی اسلامی رائے عامّہ کا ساتھ دیں اور ظلم وفریب دہی کے لیے ''مشرق وسطیٰ'' کا نام دیے گئے خطے میں امریکہ کے دشمنانہ رویوں کے تعلق سے کھلی ہوئی اور واضح پالیسی اختیار کریں۔ تو کیا اُن کی طرف سے قابل اطمینان التفات حاصل ہو سکے گا؟۔



دوحہ کی ۱۹۹۷ء کی اسرائیل نواز کانفرنس (*)

عربی یا عجمی کسی بھی مسلمان کو یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ صہیونی دشمنوں کی طرف تعاون، مصالحت اور یک جہتی کا ہاتھ بڑھانا، اسلامی غیرت و خودداری، اَخلاقی اُصولوں اور اُن تمام ربّانی تصریحات سے متعارض ہے، جن میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ یہودیوں کے ہاں وعدوں اور معاہدوں کی کوئی پاس داری نہیں اور یہ کہ وہ مسلمانوں سے اتنی سخت دلی نفرت کرتے ہیں، جتنی صرف مشرکین ہی کیا کرتے ہیں۔

اِس حقیقت کے باوجود عربی ممالک، یکے بعد دیگرے صہیونیوں کے ساتھ، امن معاہدوں کی دَل دَل میں گرتے اور پھنستے رہے حال آں کہ تادمِ تحریر جتنے امن معاہدے ہوے، سب کے سب چٹیل میدان کا ایسا سراب ثابت ہوے، جس کو پیاسے پانی سمجھ کر، اُس کی طرف تیزی سے دوڑتے ہیں۔ انور سادات پہلے ایسے شخص تھے، جنھوں نے عربوں کے اتحاد کی دیوار میں سیندھ لگائی، اُس کے چند سالوں بعد یاسر عرفات کی سربراہی میں تنظیمِ آزادی فلسطین نے اور اُس کے بعد اُردن نے دشمنوں کی سازش کے جال میں پھنس کر عربوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا۔ اب لبنان اور سیریا اپنی باری کے منتظر ہیں۔ کئی ایک عربی ممالک نے موقع غنیمت جان کر بہ جلد دشمنوں کے ساتھ ''عشقیہ تعلقات'' قائم کر کے، تجارتی اور ثقافتی تبادلوں کی بنیادیں استوار کر لی ہیں۔

دوسری طرف صہیونیوں کو جدید ترین ہتھیار فراہم کیے گئے اور اُس کے اَسلحہ خانے کو ہر قسم کے ایسے اَسلحوں کی بڑی بڑی کھیپیں بھجوائی گئیں، جن کی وجہ سے دشمن جب چاہے،

(*) ترجمہ کلمۃ المحرر، الداعی، شمارہ: ۸، جلد: ۲۱، شعبان ۱۴۱۸ھ = دسمبر ۱۹۹۷ء۔ ترجمہ اردو: ۲۳/صفر ۱۴۲۸ھ = ۱۴/۳/۲۰۰۷ء۔

عرب ممالک کے خلاف تباہ کن جنگ کا بگل بجا دینے پر قادر ہو چکا ہے، یہاں تک کہ اسرائیل، صرف ہتھیاروں اور قسم قسم کے جنگی ساز وسامان کا اسٹور روم بن کر رہ گیا ہے۔ یہ سارے منصوبے اُن تمام عرب ممالک کے خلاف بہ روئے کار لائے جا رہے ہیں، جن کے پاس - اِس خطّے کے تمام ممالک کی عسکری صلاحیتوں پر مشتمل تازہ ترین بین الاقوامی رپورٹ کے مطابق - صہیونی دشمنوں کا عشرِ عشیر ہتھیار بھی نہیں۔

اولاً امریکہ، ثانیاً یورپ اور ثالثاً اِن دونوں کی گماشتہ اقوامِ متحدہ کی حمایت وتعاون سے جب دشمنوں نے یہ تمام دیوقامت مقاصد حاصل کر لیے، تو اَب اُن کی اقتصادی امداد کے منصوبے تشکیل دیے جا رہے ہیں۔ چناں چہ اِس مقصد کے تحت بہ عنوان ''اقتصادی کانفرنس برائے مشرقِ وسطی اور شمالی افریقہ'' مغرب اور اردن میں کئی کانفرنسیں منعقد کی گئیں۔ اب اِس طرح کی کانفرنس پڑوسی ملک قطر کی راجدھانی ''دوحہ'' میں ۱۶رنومبر ۱۹۹۷ء کو ہونے جا رہی ہے۔

خلیجی ممالک جتنے زبردست اور بھیانک دباؤ کے سایے میں جی رہے ہیں، اُس کے باوجود، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ اُس نے بہت سے عربی اہلِ قلم، دانش وروں اور تعلیم یافتہ لوگوں میں شدید اسلامی غیرت وحمیت کی روح پھونک دی انھوں نے صرف دشمنوں کے مفاد کو نظر میں رکھ کر امریکہ اور اُس کے حلیفوں کی طرف سے ایک عربی اسلامی ملک قطر میں اُس مُجوَّزہ کانفرنس کے انعقاد کی زبردست مخالفت کی، قطر نے ماضی میں بھی عربوں اور مسلمانوں کے مفادات کے حوالے سے قابلِ قدر اور لائقِ شکر کردار ادا کیا اور ہنوز کر رہا ہے۔

ہمیں خدائے قادر پر یقین ہے کہ وہ تمام عربوں اور خصوصاً اہل ''قطر'' کو یہ توفیق ارزانی کرے گا کہ وہ اِس کانفرنس کو مسترد کر دیں گے[1]۔ إنَّ اللّٰہَ تَعالَیٰ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ.
بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے، کر ڈالتا ہے۔

(۱) بدقسمتی سے، یہ توقع پوری نہ ہو سکی اور مذکورہ کانفرنس ہو کے رہی۔

مسجدِ اقصیٰ اور سرزمینِ فلسطین کی آزادی
عمرؓ و صلاح الدینؒ کے ایسے غیرت مندوں ہی کے ہاتھوں ہوگی (٭)

یہودیوں کے چنگل سے مسجدِ اقصیٰ کو آزاد کرانے اور مبارک اِسلامی زمینوں کی بازیابی کا عمل نہ شکست خوردہ رہ نما اور قائدین انجام دے سکتے ہیں اور نہ ہی یہ کام اُن علماے سو کے بس کی بات ہے، جو بڑھ بڑھ کے نہ صرف اپنی زبانوں؛ بل کہ اپنے قلم سے بھی ماتحتی اور ذلت و رسوائی کی تمام شکلوں کی تشہیر و تصدیق کرتے اور اُنھیں سندِ جواز عطا کرتے رہتے ہیں۔

رسولِ اکرم ﷺ کی معراجی گزرگاہ، ہمارا قبلۂ اول اور جن تین مسجدوں کی طرف سفر کرنے کی فضیلت احادیث میں وارد ہوئی ہے، اُن میں تیسرے مقام پر فائز: مسجدِ اقصیٰ اور اُس کے اِردگرد کے مبارک خطوں کی دشمنوں سے بازیابی، صرف اور صرف ہماری قوم کے دینی غیرت و حمیت سے سرشار وہ ''عمرؓ'' و ''صلاح الدینؒ'' کراسکتے ہیں، جن کے اندر اِیمان کی چنگاری بھڑک رہی ہوگی، جن کے قلوب مجلّٰی اور مصفّٰی ہوں گے اور جو معدے اور مادے کے تمام محرکات اور مشرق و مغرب کے ہر قسم کے دباؤ پر اللہ کی خوشنودی کو ترجیح دینے والے ہوں گے، نیز جو سنگ دل اور سخت حالات کے سامنے کوہِ گراں بن کر ڈٹ جانے والے ہوں گے۔

(٭) ترجمہ کلمۃ المحرر، الداعی، شمارہ: ۹-۱۰، جلد: ۲۱، رمضان-شوال ۱۴۱۸ھ = جنوری-فروری ۱۹۹۸ء۔ ترجمہ اردو: ۱۴۲۸/۲/۲۳ھ = ۲۰۰۷/۳/۱۴ء۔

ڈاکٹر محمد محمود صیام نے دارالعلوم دیو بند کے اپنے حالیہ دورے (۱) میں مسلم نوجوانوں کے سامنے بڑی سچی بات کہی تھی، جس کا خلاصہ یہ تھا: بلاشبہہ ہم مسلمان، اللہ کی رحمت سے نا اُمیدی کا شکار نہیں ہوتے، ناکامی اور نامرادی کا خواہ ہمیں کتنا بھی سامنا ہو، وہ ہمارے بازوؤں کو توڑ نہیں سکتی اور نہ ہمارے عزم و اِرادے پر کوئی منفی اثر مُرتَّب کر سکتی ہے؛ اس لیے کہ ہم ایسی قوم ہیں کہ اگر ہمارے آسمان کا کوئی ایک ستارہ اوجھل ہو جائے، تو کئی ایک آفتاب ہائے عالم تاب طلوع ہو کر اپنی روشنی بکھیر نے لگتے ہیں اور اگر ناکامی اپنی بھیانک شکل میں ہمارے سامنے ایک بار، یا دو بار، یا تین بار یا دو چار اور دس مرتبہ آنے کا حوصلہ دکھائے گی، تو ہمارے مضبوط اور ناقابلِ شکست عقیدے کے دربار میں، ہمارے ایمان کے محل میں، ہمارے قصرِ یقین میں، ہمارے مذہب کے قلعے اور ہماری عزیمت کی گڑھی میں محبت و قدر دانی و احترام کا خراج ادا کرنے کے لیے، کامیابیاں رضا کارانہ بے شمار طور پر بار آئیں گی اور ماضی میں بھی آتی رہی ہیں۔

کتنی ہی بار رات کی تاریکیوں نے ہم سے معافی مانگی، اگر اس کے ''اِنجن'' میں اچانک خرابی کی وجہ سے اُنھیں راہ فرار اختیار کرنے میں تاخیر ہوئی، جس کی وجہ سے وہ روشن صبح دیر سے نمودار ہوئی، جو ہم سے ملنے کی مشتاق تھی۔

ڈاکٹر صاحب کی اِس بات میں شک وشبہہ کی کیا گنجائش ہے کہ ناکامی- بہ شرطے کہ

(۱) ڈاکٹر شیخ محمد محمود الصیام سابق امام وخطیب مسجدِ اقصیٰ وناظم الامور جامعہ اسلامیہ غزہ نے دارالعلوم دیو بند کا دورہ چہار شنبہ- پنج شنبہ: ۱۸-۱۹ر رجب ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹-۲۰ر نومبر ۱۹۹۷ء کو کیا تھا۔ یہاں بدھ- جمعرات کی درمیانی شب میں ''جامع رشید'' میں اُنھوں نے مغرب کی نماز کی امامت بھی کی اور اُن کے پیچھے تقریباً ۲۰۰۰۰ طلبہ واساتذہ واَہالیانِ شہر نے نماز ادا کی۔ مغرب کی نماز کے بعد اِسی مسجد میں دارالعلوم نے زبردست استقبالیہ جلسہ منعقد کیا، جس میں دارالعلوم کی طرف سے شیخ کو عربی زبان میں تحریری سپاس نامہ پیش کیا گیا۔ شیخ نے جواباً بڑی پر جوش، ولولہ انگیز اور سوز میں ڈوبی ہوئی فصیح وبلیغ تقریر کی، جس میں اُنھوں نے دارالعلوم دیو بند کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا اور فرمایا کہ یہ اِدارہ اور اس کے مشائخ ہمیشہ حق پرست، حق گو اور حق کے ترجمان رہے ہیں۔ مجھے یہاں آ کر اتنی خوشی ہوئی ہے، جس کو میں الفاظ کے ذریعے بیان نہیں کر سکتا۔ یہاں بڑے بڑے لوگ دنیا کے کونے کونے سے آئے، میں اُن سب سے زیادہ سعادت مند ہوں؛ کیوں کہ مجھے اِس کی قدیم وجدید، دونوں تاریخوں کو دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا ہے۔

یہ تعبیر صحیح بھی ہو- نے اگر کسی محاذ پر اپنا خوف ناک چہرہ دکھایا ہے، تو ہم ہی وہ لوگ ہیں، جنھوں نے بہت سے ایسے محاذ کھولے ہیں، جن میں جنگ جو دشمنوں کو ہم نے ہلاکت کے گھاٹ اتار دیا اور مستقبل میں بھی ہم اُن کے ہوش ٹھکانے لگاتے رہیں گے۔

سَلِ الرِّمَاحَ الْعَوَالِيْ عَنْ مَعَالِيْنَا وَاسْتَشْهِدِ الْبِيْضَ هَلْ خَابَ الرَّجَا فِيْنَا

نیزوں اور اُن کی اَنیوں سے ہماری بلندیوں کا حال معلوم کرلو اور چمکتی ہوئی تلواروں سے گواہی لے سکتے ہو تو وہ بتا دیں گے کہ ہم سے وابستہ توقّع پوری ہو کر رہی اور کبھی بھی اِس توقع کے خلاف نہیں ہوا۔

ہاں، ہم سے وابستہ توقّعات پوری ہو کر رہیں گی؛ اِس لیے کہ ہم حبیبِ خدا، نبی ہاشمی قرشی مکی و مدنی محمد ﷺ کے سچے وفادار ہیں۔ ہم ہمیشہ اپنے عہد پر قائم رہیں گے، ہم دشمنوں کے لیے رنج و اَلم کی بھیانک علامت اور دوستوں کے لیے خوشی و مسرت کا پیغام بنے رہیں گے اور اُس دن اللہ کی مدد سے مومنین خوش ہوں گے۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔



امریکہ اور برطانیہ ہی، فلسطین کے حوالے سے اصل مجرم ہیں اور رہیں گے (*)

ساری دنیا کے مسلمان اور عرب بالخصوص فلسطینی آج کل فلسطین کے اس المیہ کی یاد منا رہے ہیں جو تاریخِ اسلام میں ہر اعتبار سے گنے چنے المیوں میں سے ایک ہے۔

ایک طرف تو ہم مسلمانانِ عالم اِس طویل عرصے میں اپنے سروں پر ٹوٹنے والے رنج و غم کی ٹیس کی یادیں دلوں میں تازہ کر رہے ہیں، تو دوسری طرف عالمی صہیونیت، خصوصاً اسرائیل اور کینہ پرور صلیبیت اِس کو بیسویں صدی کے معجزے کے جشن (در بدر کی ٹھوکر کھاتے رہنے والی قوم یہود کے وطن پا جانے کا جشن) کے طور پر منا رہی ہے۔ چناں چہ امریکہ اور مغربی ممالک کی راجدھانیوں میں تقریبات ہو رہی ہیں، رقص و سرور کی محفلیں منعقد ہو رہی ہیں اور ناچنے گانے والیاں، اپنی ساحرانہ اداؤں کے جلوے بکھیر رہی ہیں۔

اِس میدان میں امریکہ اور برطانیہ سب سے سرگرم اور آگے آگے دکھائی دے رہے ہیں کہ یہی دونوں اُن سامراجی ممالک کے ہر اول دستہ تھے، جنھوں نے قلبِ فلسطین میں اسرائیل کے ناپاک پودے کی کاشت کا عمل کیا تھا۔

یہ کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ ہمارے برادرانِ عرب، قضیہ فلسطین کے حوالے سے امریکہ، برطانیہ اور مغربی ممالک سے ہی انصاف کی بھیک مانگ رہے ہیں، حال آں کہ نہ

(*) ترجمہ کلمۃ المحرر، الداعی، شمارہ: ۳، جلد: ۲۲، ربیع الاول ۱۴۱۹ھ = جولائی ۱۹۹۸ء۔ تاریخ ترجمہ اردو: جمعرات ۱۴۲۸/۲/۱۴ھ = ۲۰۰۷/۳/۱۵ء۔

صرف امریکہ اور برطانیہ؛ بل کہ تمام یورپی ممالک اسرائیل کی ہمیشہ کھلم کھلا تائید کرتے رہے ہیں، وہ مسلسل اپنے ویٹو پاور کے ذریعے ہمارا مذاق اڑاتے اور ہماری توہین کرتے رہے ہیں۔ ان کا یہ رویہ مسئلہ فلسطین کے تعلق سے کبھی تبدیل نہ ہوا۔

کیا یہ ہمارا تجاہلِ عارفانہ، تاریخ انسانی کا بے نظیر تجاہلِ عارفانہ نہیں؟ جب یہ جائز نہیں کہ دودھ کی حفاظت کی ذمے داری بلی پر اور جان کے تحفظ کی ذمے داری سانپ اور بھیڑیوں پر ڈالی جائے، تو بھلا یہ کب جائز ہوسکتا ہے کہ ہم دنارت پیشہ انسانی درندوں سے زندگی کی بھیک مانگیں اور سنگ دل انسانی بھیڑیوں سے رحم کی درخواست کریں؟!

دشمن کی وعدہ خلافی اور عہد و پیمان سے، راہِ فرار اختیار کرنے کی پالیسی؛ سب کچھ قرآن کی شہادتوں، اِس کے ساتھ نبی ﷺ کے برتاؤ اور ماضی و حال میں دشمن کے ہمارے ساتھ تعامل کی روشنی الم نشرح ہو چکی ہے۔ قرآن صاف گواہی دے رہا ہے کہ یہودی اپنی اِنھی عادتوں کی وجہ سے رحمتِ خداوندی سے دور اور لعنت کے مستحق ہوے۔

دشمنوں کے ساتھ، مشرق و مغرب کے اشارے پر، امن معاہدوں کے سیریل میں پھنسنا اور معاہدوں کی میز پر بیٹھنا، اپنے آپ کو دھوکہ دینے اور شتر مرغ کی طرح ریت میں سر چھپانے کے مترادف ہے۔

اِن تمام رویوں سے، دشمن کے خلاف صرف جہاد اور مسلح مزاحمت کی افادیت پر یقین رکھنے والے لوگوں کی سچائی عیاں ہو جاتی ہے اور یہ بات بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ مسلمان اور عرب تدریجاً اِسی بات کی افادیت پر ایمان لانے کی راہ پر چل رہے ہیں؛ لیکن ہوسکتا ہے کہ اِس سلسلے میں اُنھیں مکمل اطمینانِ قلب مفادات کے مزید ضیاع کے بعد ہی ہو سکے گا۔



تاریخ، اِسرائیل کے حتمی زوال کے عمل کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے والے ہیرو کے انتظار میں (*)

عرب وعجم کے مسلمان، جہاں اِن دنوں اُن اَلم ناک واقعات کی ٹیس اپنے دِل کی گہرائیوں میں محسوس کررہے ہیں، جس کے نتیجے میں ۱۹۴۸ء میں قضیۂ فلسطین نے جنم لیا تھا، وہیں اسرائیل اور دنیا کے اطراف میں موجود اُس کے حمایتی قیامِ اسرائیل کے پچاس سال پورے ہونے پر جشن منارہے ہیں، سڑکوں پر ناچتے گاتے اور اس پر فخر کرتے پھر رہے ہیں۔

خبریں مظہر ہیں کہ اِس سال ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں بڑے پیمانے پر، اتنی ساری تقریبات منعقد ہوئیں، جن کی ماضی میں کوئی نظیر مشکل ہی سے ملے گی۔ امریکی حکومت نے اپنے حلیف ممالک: برطانیہ، فرانس یا جاپان وغیرہ کے یومِ آزادی کے موقع سے اتنی تقریبات کا اہتمام کبھی نہیں کیا، جتنی اُس نے اسرائیل کے حوالے سے کیا ہے۔

رہا برطانیہ، تو وہاں کے قد آور اور چوٹی کے لیڈروں نے اِس ظالم و غاصب ریاست کے قیام کو ”بیسویں صدی کا ایک معجزہ“ قرار دیا ہے۔

خون کے آنسو رلانے والی مصیبت:

حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی طویل تاریخ نے بغداد میں خلافت بنی عباس

(*) ترجمہ اداریہ (کلمة العدد)، الداعی، بہ عنوان: ”اَلْأَیَّامُ فِي انْتِظَارِ مَنْ بِیَدِہٖ یَتِمُّ زَوَالُ إِسْرَائِیْلَ الْحَتْمِيّ“ شمارہ:۳، جلد:۲۲، ربیع الاوّل ۱۴۱۹ھ = جولائی ۱۹۹۸ء۔ تاریخ ترجمہ اردو: ۱۴۲۸/۲/۲۸ھ = ۲۰۰۷/۳/۱۹ء۔

کے زوال اور اسپین و برّصغیر ہند میں اسلامی حکومت کے خاتمے کے بعد اتنی سخت اور خون کے آنسو رُلانے والی مصیبت کبھی نہ دیکھی، جتنی بڑی مصیبت ۱۴رمئی ۱۹۴۸ء کو عربی اسلامی فلسطین کے سینے پر ''یہودیوں کے وطن'' کے قیام کے برطانوی اعلان کے بعد، اسلامی تاریخ نے مسلمانوں پر ٹوٹتے دیکھی۔

بل کہ یہ آفت تو ایذادہی کی مقدار و معیار دونوں اعتبار سے سابقہ تمام آفتوں سے کہیں بڑھ کر ہے؛ کیوں کہ اسلامی عربی تاریخ میں کبھی ایسا نہ ہوا کہ ۲۰۰۰۰۷ نفوس پر مشتمل کسی اسلامی وطن کی نسل کشی بل کہ نسلی تطہیر، اتنے بڑے پیمانے پر ہوئی ہو، جتنی فلسطین میں دیکھنے کو ملی۔ ہزاروں گاؤں صاف کر دیے گئے۔ ۸ لاکھ فلسطینیوں کو شہر بدر کر کے مختلف شہروں میں جلاوطنی کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا گیا، پھر نہ اُنھیں اور نہ اُن کی نسلوں کو اپنے وطن لوٹنے کی اجازت دی گئی۔ جتنی زمینیں، کھیت کھلیان، گھر اور مال و دولت وہ چھوڑ کر گئے تھے، اس کا بھی انھیں کوئی معاوضہ نہیں دیا گیا۔

دشمنوں کی روح فرسا کارروائیاں:

مسئلہ فلسطین کی وجہ سے جتنی مصیبتوں سے مسلمانوں کو دوچار ہونا پڑا، اُس کی نظیر تاریخِ اسلامی میں ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے گی۔ چناں چہ مسلمانوں کی عزت و آبرو سے کھلواڑ کیا گیا، اُن کی غیرت و حمیت کو چیلنج کیا گیا اور ذلت کے ڈنڈوں سے اُن کی خودداری کی خبر لی گئی، تختۂ دار پر بے رحمی سے اُنھیں لٹکا دیا گیا، اُن کے لہو سے اُس دھرتی کے چپے چپے کو رنگین کیا گیا، اُن کی نسل کُشی کی ہر تدبیر کام میں لائی گئی، دوشیزاؤں کی عفت و عصمت لوٹی گئی، پیٹ چاک کر کے اُنھیں تڑپتا چھوڑ دیا گیا۔ بوڑھوں کو بری طرح زدوکوب کیا گیا، نوجوانوں کی ہڈیاں توڑی گئیں۔ دشمنانِ اسلام نے بچوں اور عورتوں تک کو دانے دانے کے لیے ترسنے پر مجبور کر کے، وہاں کے اصلی باشندوں کو ملک بدر کر دیا۔

گزشتہ پچاس سالوں کی دین:

اِن پچاس سالوں میں شکست و انتشار سے دوچار رہنے، بھیڑیوں اور کتوں سے بھیک مانگنے، چیر پھاڑ کھانے والے درندوں اور برادرانِ خنازیر سے رحم کی درخواست کرنے، ظلم پیشہ وحشیوں اور قاتلینِ انسانیت سے مدد مانگنے، قضیۂ فلسطین کی تجارت کرنے، خوابوں کے سہارے جینے، شیاطین سے دھوکہ کھانے، اِلزامات کے تبادلے، افسانے کو حقیقت اور حقیقت کو افسانے کا رنگ دے دینے اور مخلص ہم دردوں کو دل خراش بُرے سے بُرے ناموں سے پکارنے اور اُنھیں زہرہ گداز القاب سے یاد کرنے وغیرہ کے اتنے سارے واقعات رونما ہوئے، جن کی نظیر اسلامی تاریخ میں شاید و باید ہی ملے گی۔ نیز اِن پچاس سالوں کے دوران جس طرح راہِ حق پر ڈٹے ہوئے مجاہد اور رضا کار نو جوانوں- جنھوں نے اپنے وطن کو دشمنوں کے چنگل سے آزاد کرانے، دشمنوں سے انتقام لینے اور اُس کو اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کا اپنے خدا سے عہد کر رکھا ہے- کو عجیب عجیب قسم کے گڑھے ہوئے بدنما ناموں سے یاد کیا گیا، نیز جس طرح اُن مجاہد نو جوانوں کو کبھی دہشت گرد، کبھی انتہا پسند، کبھی شدت پسند، کبھی اِحیائیت پسند، کبھی جذبات کی رو میں بہ جانے والے عجلت پسند اور کبھی غیر دانش مند جیسے بھونڈے القابات سے نوازا گیا، اِس کی مثال بھی اِسلامی تاریخ میں خال خال ہی ملے گی۔

بہت سی مرتبہ اپنے برادرانِ قبیلۂ وعقیدہ اور شرکائے قسمت کی طرف اُنھیں سخت ترین سزائیں دینے کے لیے کمیٹیاں تشکیل دی گئیں اور منصوبے بنائے گئے، نیز اُنھیں بعض دفعہ ایک ہی سوراخ سے ایک دو مرتبہ نہیں؛ بل کہ لاتعداد مرتبہ ڈسنے کی راہ ہموار کرنے کی کوشش کی گئی۔ الغرض مسلمانوں کو کسی قومی مصیبت کے نتیجے میں اِتنے بُرے دن نہیں دیکھنے پڑے، جتنے بُرے دن المیہ ٔ فلسطین کی وجہ سے دیکھنے پڑے۔

انسانی تاریخ میں ایسا پہلی بار ہوا کہ اَطرافِ عالم سے اکٹھا کر کے، کسی اجنبی قوم کو

ایک قدیم عربی اسلامی سرزمین پر بہ زورِ طاقت لابسایا گیا اور وہاں کے اصلی باشندوں: عرب مسلمانوں کو جلاوطن کردیا گیا۔

ایسا پہلی بار ہوا کہ...

ہاں ایسا کبھی دیکھنے کو نہ ملا کہ اصلی باشندے اپنے ہی ملک میں اجنبی اور بے یارومددگار بن کر رہ گئے اور اُس وطن میں اِدھر اُدھر سے آبسنے والے بے حیثیت اور کمینے لوگ نہ صرف وہاں کے اصلی باشندے کہلانے لگے؛ بل کہ آتش وآہن اور ذلت آمیز طریقہ ہائے کار کے بل پر، اصلی باشندوں کے سیاہ وسفید کے مالک اور وہاں کے اصل حاکم بن گئے۔

چشمِ فلک نے ایسا ماضی میں کبھی نہ دیکھا کہ دنیا کے دیگر خطوں سے کوئی اجنبی قوم کسی مسلم ملک میں آدھمکی ہو اور اُس نے یہ اعلان کردیا ہو کہ یہ ملک ابتداے آفرینش ہی سے انسانی آبادی سے خالی اُجاڑ پڑا تھا، اور مشرق ومغرب والے، اُس کی اِس بات پر ایمان لے آئے اور اپنی ''عدل پروری'' کا دم بھرنے والے مغربی ممالک نے چھوٹتے ہی اُس کی تصدیق کردی، جیسا کہ فلسطین میں یہی کچھ پیش آیا کہ صہیونیوں نے عالمی ذرائع ابلاغ کے توسط سے یہ بات (کہ سرزمینِ فلسطین میں انسانوں کا کوئی گزربسر نہ تھا، وہ ایک چٹیل صحرا تھا، جس کو یہودیوں نے سرسبز وشاداب اور لہلہاتے ہوے باغات اور چمن زاروں میں تبدیل کردیا ہے) اِتنی بار دہرائی کہ بس خدا کی پناہ!

صہیونیوں نے مقامِ انسانیت سے گرا ہوا کام یہ کیا کہ اُنھوں نے ظالم ہونے کے باوجود، سارا الزام مظلوم کے سر ڈالتے ہوے، فلسطینیوں کے وجود کو ملیا میٹ کرنے کے لیے، اپنے دعووں کو زور وشور سے عام کرنا شروع کردیا۔ ایک دو سال ہی گزرنے پائے تھے کہ صہیونیوں نے ''فلسطینیوں'' کی جگہ ''عربوں'' کی اصطلاح استعمال کرنی شروع کردی؛ کیوں کہ فلسطینی صہیونیوں کی راہ میں رکاوٹ تھے، نیز یہ کہ فلسطینیوں ہی کی زمین

ہڑپ لی گئی تھی اور وہ جلاوطن کر دیے گئے تھے؛ اِس لیے بہتر یہ تھا کہ ''غیر آباد زمین'' کا افسانہ گڑھ لیا جائے اور یہ دعویٰ کیا جائے کہ فلسطینی ایسے عرب ہیں، جو پڑوسی ملکوں سے فلسطین میں اِس مقصد سے در آئے ہیں کہ وہ یہودیوں کے ہاتھوں برپا شدہ نعمتوں اور آسایشوں سے لطف اندوز ہوں۔ اگر یہ بات صحیح مان لی جائے، تو پھر ایسا کیوں تھا کہ ۱۹۴۶ء تک بھی یہودی زمین کے صرف سات فی صد حصے ہی کے مالک تھے۔(۱)

مغرب والوں کی چال بازی:

اگر ہم یہ پیشِ نظر رکھیں کہ برطانیہ - جس نے فرانس اور اٹلی کے ساتھ مل کر عالمِ اسلام کو اپنی نو آبادیات بنانے کا عمل کیا - ہی اِس عربی اسلامی زمین میں اسرائیل نام کا ناپاک بیج بونے میں پیش پیش رہا تھا، تو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عالمی صلیبیت کے قلب کی پہنائیوں میں پیوست دشمنی کا ہمیں کچھ نہ کچھ اندازہ ہو جاتا ہے۔

دنیا کے تمام خطوں میں عموماً اسلام کے ساتھ طویل صلیبی عداوت اور خصوصاً ہندوستان میں انگریزی صلیبی سامراج کی کارستانی کا جو شخص بھی غیر جانب داری سے مطالعہ کرے گا اور بوسنیا، ہرزے گووینا، کوسوو میں حال ہی میں اور فلسطین میں کل صلیبیوں نے ظلم وستم کی جو مختلف شکلیں ایجاد کیں، نیز صلیبی یورپ آج عالمِ اسلام کو سرنگوں کرنے، مسلمانوں کو زیر کرنے، اسلام پر الزامات تھوپنے، صہیونیت کو گلے لگانے؛ بل کہ اُس کو شاباشی دینے اور اسلام دشمنی پر مبنی مقصد کو روبہ عمل لانے کے لیے آخری حد تک صہیونیت کے ساتھ مل کر، جو کارروائیاں انجام دے رہا ہے، اِس کی پوری تاریخ کو جو شخص بھی سنجیدگی اور غور وفکر کے ساتھ پڑھے گا، تو اُس کو مکار صہیونیت کے حمایت یافتہ مغربی صلیبیوں کی

---

(۱) JOHN CHAPPLE'S JEWISH LAND SETTLEMENT PALESTINE 1964.

مقالہ بہ عنوان ''خَمْسُونَ عَاماً مِنَ الْاِسْتِقْلَالِ؛...! اَلَيْسَتْ خَمْسِينَ عَاماً مِنَ الظُّلْمِ!'' بہ قلم: چارلی ریس، شائع شدہ در روز نامہ ''ارلانڈو سنٹیل، شہر اورلانڈ، ریاست فلوریڈا، بہ تاریخ: ۳۰؍اپریل ۱۹۹۸ء (روزنامہ ریاض سعودی عرب)

چال بازی کا اچھی طرح اندازہ ہوجائے گا کہ صلیبی یورپ ایک طرف ریاستِ اسرائیل کو ڈھال بنا کر، در پردہ عربی مسلمانوں پر دھاوا بول کر نہ صرف اسلام سے اپنے انتقام کی آگ کو سرد کرنا چاہتا ہے؛ بل کہ وہاں کے اصل باشندوں اور فرزندانِ عرب کو ذلت کا گھونٹ زہر مار کرا کر اپنے انتقام کے جذبے کو بھی تسکین دینا چاہتا ہے، تو دوسری طرف وہ عربوں کی دولت میں لوٹ کھسوٹ مچانا، اُن کے مابین طویل اور پائے دار کش مکش کا بیج بونا اور ایسے اختلافات کی خلیج کھود دینا چاہتا ہے، جن سے عالمِ اسلام کبھی نہ نکل پائے اور ہمیشہ اُنھی میں الجھ کر رہ جائے۔

انگریزوں کی شرانگیزی، اُن کی بد باطنی اور نیت کا کھوٹ عربوں کے لیے راز کی بات ہو تو ہو، برِّ صغیر ہندوستان میں رہنے والے ہم مسلمانوں کے لیے اُن کی شر پسندی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں؛ اِس لیے کہ ہم مسلمانانِ ہند، پوری دو صدی تک یا اس سے زیادہ اپنے اس دیار میں، جس پر ہم نے تقریباً ایک ہزار سال حکومت کی، اُن صلیبی دشمنوں کی آگ میں جل اور جھلس چکے ہیں۔ اِن عیسائیوں نے سات سمندر پار سے ہمارے ملک پر حملہ اور قبضہ کر کے ہمارے مردوں کو تہِ تیغ کیا، ہماری عورتوں کو ذلیل کیا، ہمارے نونہالوں کے پیٹ چاک کر ڈالے، ہمارے بادشاہوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا، ہمارے عزت داروں کو ذلت کی بھیک مانگنے پر مجبور کیا، ہمارے گھروں کو تباہ و برباد کیا۔ عیسائیوں نے اِن دو صدیوں میں ظلم وستم کے اتنے پہاڑ ہم پر توڑے کہ محض اُن کے تذکرے سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

دیارِ عرب اور فلسطین میں عیسائیوں نے جس عہد میں وہاں کے باشندوں پر ظلم ڈھائے، اُسی عہد میں اُس نے ہم ہندوستانیوں کو بھی ظلم وستم کا نشانہ بنایا۔ ہر جگہ مغربی سامراج کے خلاف جنگ بھی زوروں پر تھی، فرانس اور برطانیہ ۱۹۱۶ء میں عثمانی سلطنت- جو اپنی تمام خرابیوں کے باوجود اسلام اور مسلمانوں کے ڈھال کی حیثیت رکھتی تھی- کی زمینیں مل بانٹ لینے پر متفق ہو گئے تھے اور صلیبی سامراج نے سلطنت عثمانیہ کو ''مردِ بیمار'' کا

نام دے دیا تھا۔ اللہ اُس سامراج پر لعنت برسائے، اُسے آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ہر جگہ رسوا کرے اور دشمنوں کی ہر سازش کو اُن پر ہی لوٹا دے۔

تاریخی شہادتیں:

۲رنومبر ۱۹۱۷ء کو برطانوی وزیر خارجہ ''لارڈ آرتھر بلفور'' نے قائدینِ تحریکِ صہیونیت کو فلسطین میں ایک یہودی ریاست کے قیام کا یقین دلایا۔

۲۹ردسمبر ۱۹۱۷ء کو پہلی عالمی جنگ کے دوران برطانوی افواج کے کمانڈر ''جنرل لبنی نے'' قدس میں قدم رکھا، پھر ۱۹۱۸ء میں پورے فلسطین پر قبضہ کرلیا گیا، جو ۲۵ر اپریل ۱۹۲۰ء کو منعقدہ ''سان ریمو'' کانفرنس کے ذریعے برطانوی انتداب کے زیراثر آ گیا تھا۔

اُسی وقت سے واقعات کی جھڑی سی لگ گئی، یہاں تک کہ ۲۹رنومبر ۱۹۴۷ء کو وہ دن بھی آیا، جب اقوامِ متحدہ نے قرارداد (۱۸۱) کا اعلان کردیا، جس کی رُو سے فلسطین کو دو ریاستوں میں تقسیم کردیا گیا۔ ایک یہودی اور دوسری عربی۔ فلسطینیوں نے اِس قرارداد کو یکسر مسترد کردیا؛ کیوں کہ یہودیوں کو فلسطین کا زیادہ تر رقبہ دے دیا گیا جو دیگر زمینوں سے زیادہ شاداب تھا۔ جب کہ صہیونی قائدین نے مکمل اہداف کے حصول کے لیے ایک بڑا اقدم قرار دیتے ہوئے اِس کو فوراً قبول کرلیا۔

۱۵رمئی ۱۹۴۸ء کو زیرو آور (Zero Hour) کے وقت برطانوی انتداب کے ختم ہونے سے آٹھ گھنٹے قبل ''ڈیوڈ بن گارین'' نے ۱۴رمئی ۱۹۴۸ء کو قیامِ اسرائیل کا اعلان کردیا، اُس دن کو مشرق و مغرب کے کسی بھی خطے میں بسنے والے مسلمانوں نے ''یومِ مصیبت'' قرار دیا اور اُسی دن پہلی عرب-اسرائیل جنگ چھڑ گئی۔

۱۳رجنوری ۱۹۴۹ء کو پہلی عرب اسرائیل جنگ ختم ہوئی۔ اُس جنگ کے نتیجے میں اُن زمینوں کے چار سو فلسطینی گاؤں اجاڑ دیے گئے، جن پر صہیونی ریاست قائم کی گئی اور

۸ لاکھ سے زائد فلسطینی مغربی کنارے، غزہ پٹی اور پاس پڑوس کے ممالک میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔

اُس دن سے آج تک ظلم وستم میں کوئی کمی آئی، نہ مسلمانوں کو پہنچنے والے زخم کی ٹیس میں کوئی فرق آیا، نہ صہیونیوں صلیبیوں اور مسلمانوں کے مابین جاری یہ جنگ اب تک ختم ہوسکی اور مغربی امریکی دسیسہ کاریاں بالکلیہ ختم تو کیا ہوتیں، اُن میں روز بہ روز اضافہ ہی ہوتا رہا۔

برادرانِ فلسطین پر صہیونیوں کا ظلم:

الم انگیز واقعات، آنسوؤں، خونوں، مقتولوں، مسخ شدہ لاشوں اور رنج وغم سے بھری پُری اِس طویل تاریخ کے دوران، عربی مسلمان اور فلسطینی، دشمنوں کے ساتھ خوں ریز جنگوں میں اُلجھے رہے ہیں۔ اکثر جنگوں میں فلسطینیوں کو ہی ہر قسم کے جانی اور مالی نقصانات سے دوچار ہونا پڑا، جب کہ صہیونی دشمن کو زبردست منافع ہاتھ آئے۔ اُنھوں نے مزید زمینوں پر قبضہ کرلیا، مسلمانوں کو مزید ذلت وخواری کی نت نئی شکلوں سے گزارا اور فلسطینیوں کو ظلم وجبر، غرور وسرکشی اور جارحیت کے طرح طرح کے طریقوں سے مزید ستایا۔ دشمن نے یہ سب کچھ برطانیہ، فرانس، مغرب اور امریکہ کی بے حد وحساب کھلی ہوئی عسکری، اقتصادی اور اخلاقی امداد وحمایت سے شہ پاکر انجام دیا۔

گزشتہ پچاس سالوں میں اور ہنوز برادرانِ فلسطین انگاروں پر لوٹ رہے ہیں۔ اپنے رب اور سرزمین فلسطین کا ایک ایسی مقدس عربی اسلامی سرزمین کی حیثیت۔ جس کو بیچنا، کرایے پر دینا، یا اس سے دست بردار ہونا، یا اللہ اور اس کے رسول کے دشمن، قاتلین انبیا اور عقیدہ وطرزِ عمل کے حوالے سے انسانیت کی پیشانی پر بدنما داغ کی حیثیت رکھنے والوں کے مفاد میں، جس کے تعلق سے کسی قسم کی کوتاہی کرنا جائز نہیں۔ پر ایمان رکھنے والے، برابر دشمنوں کی اُن سازشوں اور مسلمانوں کے درپے آزار اُن لوگوں کے سامنے

صبر واستقامت کا پہاڑ بنے ہوے ہیں، جو بچھو یا پھاڑ نے کھانے والے بھیڑیوں کی طرح ہیں کہ اُنھیں انسانوں کو پھاڑ کھانے میں کوئی باک تو درکنار، شرم بھی نہیں آتی۔

صہیونی ریاست بڑھتی اور پھیلتی جا رہی ہے، اُس کے ظلم و جبر اور سرکشی کا پارہ ساتویں آسمان کو چھوتا جا رہا ہے، وہ بلا روک ٹوک تعذیب و تذلیل اور جارحیت کی انسانیت سوز فصلیں اُگاتی اور کاٹتی جا رہی ہے اور اپنے توسیع پسندانہ عزائم اور صہیونی اہداف کو برپا کرنے کی راہ پر تیزی کے ساتھ چل رہی ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ کھلم کھلا پوری دنیا کی نظروں کے سامنے اور نام نہاد اقوامِ متحدہ، تمام عالمی طاقتوں اور روئے زمین کے تمام شیطانوں کو (جو اسرائیل کی سرپرستی کرتے ہیں) آخری حد تک رسوا کن چیلنج کے ساتھ ہو رہا ہے۔ اسرائیل انتہائی اہانت کے ساتھ پاگل ہاتھی کی طرح، اقوامِ متحدہ کی تمام قراردادوں اور عالمی احکامات کو پیروں تلے روندتا جا رہا ہے۔

عرب قائدین کا اب تک کا رویّہ:

اِن پچاس سالوں [1] میں عرب قائدین بس یہ یقین دہانی کراتے رہے کہ وہ ''عقلیت پسندی'' کا سب سے بڑھ کر دامن تھامنے والے اور ''اصولوں'' پر انتہائی ثابت قدم رہنے والے ہیں۔ وہ اقوامِ متحدہ کی قراردادوں اور عدل وانصاف کا دم بھرنے والے اور اسلام اور مسلمانوں کی جڑ کھودنے والے عالمی رہ نما اور قائدین کے احکامات پر سب سے زیادہ کاربند رہنے والے ہیں؛ نیز وہ بنیاد پرستی، دہشت گردی، انتہا پسندی، اِحیائیت و تشدد پسندی اور جذباتیت وغیرہ منفی صفات کے خلاف پوری دنیا سے زیادہ اور کہیں آگے بڑھ کر لوہا لینے والے ہیں۔ مسلمان یہی باور کراتے پھرتے رہے کہ وہ نہ صرف اپنے ہم نسلوں اور بھائیوں کو دوسروں سے زیادہ سزا دینے اور پکڑ پکڑ کر سلاخوں کے پیچھے دھکیل

(۱) یہ مدت، اِس تحریر کے عربی میں ربیع الاوّل ۱۴۱۹ھ = جولائی ۱۹۹۸ء لکھے جانے کے اعتبار سے ہے؛ ورنہ اِس وقت رمضان ۱۴۲۸ھ = اکتوبر ۲۰۰۷ء میں یہ مدت ساٹھ سال پر دراز ہے۔

دینے والے ہیں؛ بل کہ وہ دوسروں سے لڑنے کے بالمقابل، اپنے لوگوں سے لڑنے پر زیادہ قادر ہیں اور اپنے لیے تحفظ کی ضمانت لینے سے کہیں زیادہ دیرینہ دشمنوں کے امن وسلامتی کی بقا کی ضمانت لینے والے واقع ہوے ہیں۔

لیکن مسلمانوں کو فریب دہ سراب، میٹھی میٹھی تمناؤں، بڑے بڑے وعدوں، اکتا دینے والے معاہدوں، معاہدوں کی بھاری بھرکم دستاویزات، سبزہ زاروں اور خشکی وتری میں موجود چنیدہ تفریح گاہوں میں ملاقاتوں، میٹنگوں، سیمیناروں، کانفرنسوں اور دوروں، نیز دانستہ ٹال مٹول اور اُن کی طرف روٹی کا ایک باسی ٹکڑا پھینکنے والے ذلت آمیز آج کل کے رویّے کے سوا اور کیا ملا؟، یہ سب کچھ دنیا والوں کے سامنے ہے۔

فلسطینیوں کے صبر کا پیمانہ چھلک اٹھا ہے:

طلوعِ صبح روشن پر، شبِ دیجور کی دست درازی اور واضح حق پر مہیب تاریکی کی بے باکی کی وجہ سے فلسطینی بچے، بوڑھے اور عورتیں سب کے سب تنگ آ گئے ہیں، اُن کے صبر کا پیمانہ چھلک اٹھا ہے؛ اِس لیے اینٹ پتھر، جو کچھ بھی اُن کے ہاتھوں میں آیا، لے کر، ناجائز طریقے سے اپنی زمینوں میں گھس آنے والے قابض دشمنوں پر ٹوٹ پڑے ہیں، تو دشمنوں نے اِس کا جواب ہلاکت خیز ہتھیاروں سے دیا ہے، اُنھیں جسمانی اور نفسیاتی ایذائیں پہنچائیں ہیں، اُن کی اجتماعی نسل کشی کی ہے، اُن کی بے حرمتی کے ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کیے ہیں، اُنھیں ایک ایک دانے کو ترسایا اور اُنھیں ذلت کے ساتھ ملک بدر کر دیا ہے۔

صہیونی افواج کی درندگی:

کسی فلسطینی بچے نے اگر کسی اسرائیلی پولس، یا فوجی، یا شہری کے منھ پر تھوک بھی دیا، تو اس کا جواب اُن کے سینوں میں گولیاں پیوست کر کے دیا گیا۔ دشمنوں میں سے اگر

کسی ایک کو بھی جان سے مارا گیا، تو اِس کا جواب صہیونی افواج اور شہریوں نے اِس طرح دیا کہ جتنے فلسطینیوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کی سکت رکھتے تھے، اُتنوں کو بالضرور موت کی نیند سلا دیا اور وہ بھی اِس وحشیانہ انداز میں کہ عورتوں، مردوں، بچوں اور بوڑھوں میں بھی کوئی امتیاز روا نہ رکھا۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ صہیونیوں کی ہر جارحیت جوابی قدم پر مبنی تھی؛ بل کہ اُن کی بیش تر جارحیت اقدامی کارروائی کے طور پر سامنے آئی ہے؛ اِس لیے کہ ایک بار کا واقعہ ہے کہ ایک اسرائیلی شہری فلسطینی نمازیوں کے بیچ میں کھڑا ہوا اور اُن پر اس طرح بندوق کی گولیوں کا دہانہ کھول دیا، جیسے وہ پرندوں کا شکار کر رہا ہے۔ اِس کا کسی نے قانونی نوٹس نہ لیا۔ کبھی اسرائیلی فوجیوں پر جنون - اللہ انھیں جنون اور غرق اور جلانے کے ذریعے رسوا کرے - سوار ہوا اور فلسطینی نوجوانوں پر اُنھوں نے تابڑ توڑ گولیاں برسا دیں، یا اُن کی ہڈی پسلی توڑ ڈالی یا اُن کے چہرے بگاڑ دیے۔

فلسطینیوں کی طرف سے معمولی سی حرکت پر اُنھیں ''مناسب سزا'' دینے کے لیے برطانیہ، امریکہ اور اقوامِ متحدہ، ہر موقع سے نہ صرف فائدہ اٹھاتے ہیں؛ بل کہ مواقع پیدا کرتے رہے ہیں، حیرت ناک ذہانت سے کام لیتے رہے ہیں اور صہیونیوں کو مزید جدید ترین ہتھیاروں، روپے پیسے اور ماہرین کی کھیپ در کھیپ فراہم کرتے اور اُنھیں ''موقع'' اور ''وقت'' سے فائدہ اٹھانے کا سجھاؤ دیتے رہے ہیں۔

انجمنوں اور تحریکات کا مختلف النوع کردار:

ظلم و جارحیت کی تاریکیوں کا سامنا کرنے کے لیے، فلسطین میں بہت سی انجمنوں، تنظیموں اور تحریکوں نے جنم لیا۔ فتح، حماس، کتائب قسام اور تنظیم آزادیِ فلسطین وغیرہ اِسی مقصد کے لیے وجود میں آئیں، اِن میں سے چند نے اسرائیل کا مقابلہ کرنے کے لیے، عقلیت پسندی، مرحلہ واریت، اور طویل پالیسیوں کو اپنانے کی اپیل کی، تو بعض نے اصول پسندی کو مطمحِ نظر بنا کر غیرت و خودداری، جوش و جذبے، سچے اور واضح تصور، دشمن کی

دہشت اور اُس کی بد باطنی و فریب دہی کے گہرے مطالعے اور اس ''فیصلہ کن'' غصے کے تقاضوں پر عمل کیا، جو اُس شخص کے تن بدن سے اُبل پڑتا ہے، جس کی ماں اور اُس کی بہن کی اُس کی نظروں کے سامنے عزت لوٹی جائے، اُس کے روبہ رو اُس کے باپ اور بھائی کو قتل کر دیا جائے، اُس کے رشتے داروں اور اہلِ خانہ کو طرح طرح سے ستایا جائے اور اُس کے گھر والوں کو جلاوطن کر دیا جائے اور وہ کچھ بھی نہ کر سکے۔ جب کہ مذکورہ تنظیموں میں سے چند کا طغراے امتیاز، سیکولرزم اور اس کے تقاضے ومحرکات رہا ہے، جب کہ بعض تنظیموں نے ہمیشہ اسلام پسندی اور اُس کے جذبے کو پیش نظر رکھا۔

نقطہ ہاے نظر اور طریقہ ہاے کار کے اختلاف کی وجہ سے، اِن تنظیموں اور تحریکوں کے مابین اختلافات کا ظہور فطری بات تھی۔ دشمنانِ اسلام، خصوصاً ہماری زمینوں کو ہڑپنے، ہماری عزتوں سے کھیلنے اور مکینوں کا قتل کر کے مکانوں پر قبضہ کر لینے والے صہیونی تاک میں بیٹھے تھے، چناں چہ اُنھوں نے ہمیشہ اِن تنظیموں اور انجمنوں کو باہم دست و گریباں کیے رکھا اور یہ کوشش کی کہ برادرانِ عرب-جن کا مستقبل، عقیدہ اور خواب و تمنائیں مشترک ہیں-ایک پلیٹ فارم پر جمع نہ ہونے پائیں اور اتحاد و اشتراک کی راہ پر کبھی نہ چلیں؛ اِس لیے کہ یہ اُن کی یقینی موت کا سبب بن سکتا ہے۔

جہاد کی روح کو قبض کرنے کے لیے، دشمنوں کی کوشش:

دشمن کے خلاف جہاد اور مسلح جدوجہد کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ دشمن اور اُس کے انگریزی، یورپی اور امریکی حلیفوں نے ساری دوڑ دھوپ اِسی غرض سے کی کہ فلسطینیوں اور عربوں میں جہاد کی رُوح پیدا نہ ہو، اُن کی جنگ میں مذہبیت کا جذبہ کارفرما نہ ہو اور اُن کے دلوں اور ذہنوں میں یہ خیال نہ گزرے کہ دشمنوں کے خلاف اس مزاحمت کی بنیاد، مذہب اور عقیدہ ہے۔ جب کہ دشمن روزِ اول سے ہی ہمارے ساتھ اِس جنگ کو مذہبی روح سے سرشار ہو کر لڑتا رہا اور اِس کو اُس کے فاسد خیالات اور جھوٹے قصے مہمیز

کرتے رہے ہیں۔

دشمنوں کو اپنی کوشش میں بڑی حد تک کام یابی ملی؛ کیوں کہ سیکولر رجحان کے فلسطینیوں اور عربوں نے یہ مان لیا کہ دشمنوں کے ساتھ یہ جنگ: ''زمین کی جنگ''، ''سیاسی جنگ''، ''مفتوح کے ساتھ فاتح کی جنگ'' اور ''مغلوب قوم کے ساتھ سامراج کی جنگ'' ہے اور بالفعل فلسطینیوں اور عربوں نے اپنی تحریروں وتقریروں، بین الاقوامی مجلسوں اور مقامی ملاقاتوں میں بھی ''فلسطینی قضیہ'' ''اسرائیلی فلسطینی قضیہ'' اور ''قضیۂ مشرقِ وسطیٰ'' کے کلمات ہی دہرائے اور استعمال کیے۔

قضیۂ فلسطین، ایک اسلامی اور عقائدی قضیہ:

عربوں اور فلسطینیوں کی مصیبت یہ ہی رہی ہے کہ اُنھوں نے اپنے ذہن سے اسلام کے نام کو نکال دیا ہے، جب کہ قضیۂ فلسطین، ہمیشہ اسلامی عقائدی مسئلہ رہا ہے اور رہے گا۔ دشمنوں کے ساتھ ہماری یہ جنگ ''جہاد'' تھی، ہے اور رہے گی۔ دشمن ہمارے ساتھ اپنی جنگ میں مذہبی عوامل سے کبھی خالی الذہن نہ ہوا۔ عقیدہ خواہ کتنا بھی بے بنیاد ہو، وہ اپنے فرزندوں کو طاقت وتحریک دیتا ہے، ناقابلِ بیان حوصلہ عطا کرتا ہے، ناقابلِ شکست جرأت وبسالت سے نوازتا ہے، ہردم تروتازہ رہنے والی ثابت قدمی عطا کرتا ہے، کبھی شکست نہ کھانے والے صبر اور ایسے عزم سے ہمکنار کرتا ہے، جس کو کبھی شکست کا منہ دیکھنا نہیں پڑتا۔ رہا سیاسی، مغصوبہ اور مقبوضہ زمینوں کی واپسی، مکار دشمن کے ساتھ بقائے باہم کی پالیسی اور اُن سے مصالحت پر رضامندی، قاتلوں کی طرف ہاتھ بڑھانے اور سنگ دلوں سے منت سماجت کرنے کا محرک، تو یہ سارے عوامل مل کر بھی انسان کو مضبوط قوتِ ارادی اور فیصلہ کن عزم وہمت سے بہرہ ور نہیں کر سکتے۔ ان محرکات کی وجہ سے انسانوں کے دل میں غیرت وحمیت کی آتش فروزاں ہوتی ہے، نہ خودداری پر سان چڑھتی ہے اور نہ ہی انسان ان کی وجہ سے موت کی چوکھٹ تک، دشمنوں سے نتیجہ خیز مقابلے کی سوچ سکتا ہے۔

اسرائیل کی، توسیع پسندانہ عزائم پر کاربندی:

دوسری طرف اسرائیل، اپنے من گھڑت عقیدے اور ارضِ موعودہ کے جھوٹے خواب پر مبنی اپنے توسیع پسندانہ عزائم کو عملی جامہ پہناتا رہا، مسلسل پیش قدمی کرتا رہا اور فلسطینیوں کے لہو پر چلتے ہوئے فلسطین اور خصوصاً قدس میں موجود مقدس مذہبی مقامات کو روندتے اور ہر جگہ عربوں اور مسلمانوں کے جذبات و احساسات کو زخمی کرتے ہوئے، تیز گامی سے آگے بڑھتا رہا۔ اُس نے مسلمانوں کو جانوروں کی طرح ذبح کرنے اور فلسطینی عوام کو جبراً ترکِ وطن کرنے پر مجبور کرنے کے حوالے سے کبھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔

اِس الم ناک صورت حال کے سایے میں اور جہاد کے جذبے کو کچلنے کی دانستہ کارروائیوں کے بعد، قریب تھا کہ سارے عرب مُسلّح جدوجہد اور مُقدّس جہاد کی راہ چلنا چھوڑ دیں؛ لیکن خدائی مصلحت دیکھیے کہ ۱۴ر دسمبر ۱۹۸۷ء کو فلسطینی انتفاضے نے یکا یک جنم لیا۔ اِس انتفاضے نے نہ صرف یہ کہ جہاد کی اہمیت اور اس کے کردار کو ازسرِنو بحال کیا؛ بل کہ پوری دنیا کو مجبور کیا کہ وہ اِس نمبر ایک اسلامی قضیے پر توجہ دے۔ اِس سے پہلے تو ساری دنیا نے عمداً اِس اسلامی قضیے سے، اِس طرح تغافل برتا کہ فلسطینی عوام کو چبانا اور نگلنا، فلسطینی مقدسات کے ساتھ، کھلواڑ کرنا اور اسلامی عربی زمینوں کو یہودیانا اسرائیلی دشمن کے لیے معمول کی بات بن گیا۔ جب اِس انتفاضے نے یہودیوں کا جینا حرام کر دیا، تو بھاگ کر اُنھوں نے اپنے آقا اور حلیف: امریکہ اور مغرب کی پناہ لی، جنھوں نے اُن سے یہ کہا کہ وہ سرِ دست اپنے فلسطینی حریف سے نمٹنے کی پالیسی بدل ڈالیں، اُس کو ''امن کی ریس'' اور ''منافع کی باہمی تقسیم'' کے جال میں پھنسالیں اور اُس کو چند محدود خطوں میں فلسطین کے قیام کا سبز باغ دکھائیں کہ وہ خود اپنے آپ میں ہی اُلجھ کر رہ جائیں؛ نیز وہ اپنے حریف کو ڈھال اور فوجی بنالیں، یہاں تک کہ وہ اتنا وقت اور موقع حاصل کرلیں کہ وہ اپنے باقی ماندہ منصوبوں، یعنی یہودیانے، فلسطینی زمینوں کو اصل عرب باشندوں سے خالی

کرانے، مزید یہودی کالونیوں کی تعمیر، مسجدِ اقصی کے انہدام، اس کی جگہ نام نہاد ہیکل سلیمانی کے قیام، پورے فلسطین پر پائے دار قبضے کو یقینی بنانے، عربوں سے بے گار لینے، ان کی دولت وثروت کو لوٹنے اور وہاں کی زمینی پیداواروں پر دادِ عیش دینے کے اپنے منصوبوں کو بہ روے کار لانے پر قادر ہو جائیں۔

فریب خوردہ قائدین کا، شرم ناک رول:

مرحوم سادات (محمد انور السادات ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۸ء - ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء) ایسے واحد مجرم نہ تھے[1]، جس نے دشمنوں کے ساتھ تنہا معاہدہ اِس لیے کیا تھا کہ مقبوضہ "سینار"

---

(۱) صدرِ مصر محمد انور سادات نے ۱۹۷۷ء میں مقبوضہ شہر قدس کا دورہ کیا اور ۱۹۷۵ء میں امریکہ کی سرپرستی میں اسرائیل کے ساتھ امریکہ کے شہر "کیمپ ڈیوڈ" میں معاہدۂ امن پر دستخط کیے، جس کی وجہ سے اُنھیں کو اور اُس وقت کے اسرائیلی وزیرِ اعظم "مناحیم بیگن" کو نوبل انعام برائے ۱۹۷۸ء آدھا آدھا ملا، ۱۹۷۹ء میں مصر واسرائیل کے مابین تعلقات کو باقاعدہ معمول پر لانے کے معاہدے پر اُس نے دست خط کیے، جس کی وجہ سے نہ صرف اندرونِ مصر عوام وخواص کی اکثریت آگ بگولا ہوگئی؛ بل کہ اکثر عربی ملکوں نے مصر سے، اپنے سارے تعلقات ختم کر لیے، حتی کہ عرب لیگ کا مرکزی دفتر قاہرہ سے ٹیونیشیا منتقل ہوگیا۔ مصری عوام وخواص کی طرف سے اِسرائیل کے ساتھ معاہدوں کی شدید مخالفت کے بعد، سادات نے اپنے عوام سے معذرت خواہی کی بہ جائے، اُس کو آہنی ہاتھوں سے کچلنے کی پالیسی اختیار کی اور اپنی ایک تقریر میں یہ تک کہہ ڈالا کہ میں، معاہدے کی مخالفت کرنے والوں کو ہرگز نہ بخشوں گا۔ ۱۹۸۱ء میں مصری سیکورٹی افواج کے اہل کاروں نے بڑے پیمانے پر گرفتاریاں کیں، جن کی زد میں ہر طبقے کے عوام وخواص آئے، حتی کہ جامعات کے اساتذہ، فلم انڈسٹری سے وابستہ فلم اسٹارس، اخبار نویس، اہل قلم، اُدبا وعلما کی بہت بڑی تعداد کو گرفتار کرلیا گیا اور بہت سے سرکاری ملازمین کو اُن کے عہدوں سے سبک دوش کردیا گیا۔ ۶/اکتوبر ۱۹۸۱ء (۶/محرم ۱۴۰۲ھ) اسرائیل عرب کی جنگ اکتوبر ۱۹۷۳ء (رمضان ۱۳۹۳ھ) کی یاد میں فوجی پریڈ کے دوران فوجیوں ہی میں سے کچھ افراد نے جو اسلامی جذبے سے سرشار تھے اور سادات کی اسرائیل کے ساتھ پسپائی کی ذلت آمیز معاہدانہ کارروائیوں کے شدید مخالف تھے، سادات پر، برسرِ اسٹیج گولیوں کی بوچھار کردی، جس سے وہ موقع پر ہی ہلاک ہوگئے۔ سادات کو ہلاک کرنے والوں میں خالد شوقی اسلامبولی (ش ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء) پیش پیش تھے، اُنھیں ماہ جمادی الآخری ۱۴۰۲ھ مطابق مارچ ۱۹۸۲ء میں پھانسی دے دی گئی۔ اللہ اُنھیں غریقِ رحمت کرے۔ (سادات کی مزید معلومات کے لیے دیکھیے "تتمۃ الاعلام للزرکلی" ج:۱ص:۴۸-۴۹، بہ حوالہ السجل الذهبي للعظماء ص:۱۸؛ أعلام في دائرة الاغتيال ص:۱۵۰-۱۵۳؛ أشهر الاغتيالات السياسيّة ۲۶۱/۱؛ مئة عَلَم عربي في مئة عام ص:۴۱-۴۶؛ موسوعة حكام مصر ص:۱۳۰)

کی کچھ زرخیز زمین کی بازیابی کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو؛ بل کہ انتفاضۂ مبارکہ کے ظہور کے بعد، فریب خوردہ قائدین وسیاست دانوں نے بھی، مغربی ممالک اور امریکہ کی چوکھٹ پر جبہہ سائی کے لیے، ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی کوشش کی۔ دشمن بھی گویا تیار بیٹھا تھا، اُس نے فوراً ہامی بھردی اور اُس نے اِس امن معاہدے کو اپنے حلیفوں (امریکہ و مغرب) کی پیشگی منصوبہ بندی کے ذریعے، باقی ماندہ زمینوں کو ہڑپنے، قدس اور فلسطین کو یہودیانے کے باقی منصوبوں کو برپا کرنے اور عربوں کو ملک بدر کرنے کا منصوبہ بناڈالا۔ دشمنوں نے اِس امن معاہدے کی آڑ میں، کبھی ترغیب سے اور بسا اوقات ترہیب، کوڑوں، ڈنڈوں اور بندوقوں کے بل پر، فلسطینیوں کو وطن چھوڑنے پر مجبور کیا۔

قدس کی آزادی کی واحد راہ:

انتفاضے کے رجالِ کار، ہر جگہ کے اسلام پسند اور اِس بات پر ایمان رکھنے والے کہ غیرت وضمیر اور خودداری کی شریعت میں اسرائیلی دشمن کے ساتھ معاہدہ اور مصالحت جائز نہیں؛ بڑے ذہین تھے کہ اُنھوں نے روزِ اول سے ہی یہ یقین کر لیا تھا کہ قدس کی آزادی، مقبوضہ فلسطینی زمینوں کی بازیابی، چھینے ہوے حق، لوٹی ہوئی عزت، پامال شدہ شرافت کی واپسی کی واحد راہ، صرف مُسَلَّح جدوجہد اور مُقَدَّس جہاد ہے۔ اِس کے علاوہ کسی بھی راہ کا انتخاب مواقع کو گنوانے، غلامی پر دستخط کرنے، تنگ جگہ میں پھنسنے اور دشمن کو اتنا وقت دے دینے کے مُتَرادِف ہے، جس میں وہ اپنے اُن سارے مقاصد کو حاصل کرلے گا، جو اب تک کسی وجہ سے وہ حاصل نہ کرسکا ہے۔

ہمارے امن پسند، کفِ افسوس ملیں گے:

آج ہمارے ''امن پسندوں'' نے امن، پُرامن بقائے باہم اور دشمنوں کے ساتھ خوش گوار تعلقات قائم کرنے کی راہ پر طویل مسافت طے کرلی ہے اور اپنی تحریروں،

تقریروں اور اپنی زندگی کی لغت سے لفظِ ''دشمن'' کو حذف کر دیا ہے؛ لیکن یہ لوگ اپنے کیے پر پچھتانے کو ہیں اور عقیدہ و انجام میں شریک اپنے بھائیوں کی باتوں کی تصدیق کرنے کو ہیں، لیکن وقت نکل جانے کے بعد، وہ حیرت زدہ ہوں گے کہ وہ کیا کریں؟۔

ہمارے رب نے سچ کہا ہے:

''وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ'' (بقرہ، آیت:۱۲۰)

ترجمہ: اور یہود و نصاریٰ تجھ سے اُس وقت تک ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک تم اُن کے دین کے تابع نہ ہو جاؤ۔

تاریخ گواہ ہے اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ آمیزش کے واقعات اور موجودہ صدی کے حادثات جو دشمن کے ساتھ زبردست اور بہ راہِ راست کش مکش سے عبارت ہیں، مکمل طور پر گواہ ہیں کہ دشمنوں کے وعدوں اور معاہدوں پر بھروسہ کرنا بالکل ایسا ہے، جیسے شیطان کے وعدوں پر اعتماد کہ جب اُس نے انسانوں سے کفر کرنے کو کہا۔ جب وہ کفر کر بیٹھے، تو شیطان نے کہا: میرا تم سے کیا لینا دینا؟ مجھے تو دونوں جہان کے پروردگار کا ڈر ہے (حشر:۱۶)

''كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّيْ بَرِيْءٌ مِنْكَ إِنِّيْ أَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ'' (الحشر/۱۶)

(جیسے قصہ شیطان کا، جب انسان کو کہے کہ تو منکر ہو، پھر جب وہ منکر ہو گیا تو کہے میں تجھ سے الگ ہوں، میں تو سارے جہان کے رب سے ڈرتا ہوں)

اَن گنت بار ثابت ہو چکا ہے کہ قدس کی آزادی، قضیۂ فلسطین کے حصول اور دشمنوں کی شکست کی واحد راہ، ماضی میں بھی جہاد اور مُسَلَّح جد و جہد کی راہ تھی اور آج بھی یہی راہ ہے اور آیندہ بھی یہی راہ رہے گی، جس پر افسوس ہے کہ دشمن ہم سے زیادہ طاقت کے ساتھ ایمان رکھتا ہے اور ہم سے زیادہ بہتر انداز میں عمل کے میدان میں اِس سے کام لیتا ہے۔

بہادر مجاہدو! تمھیں سلام!

عربی، اسلامی زمین اور عقیدہ و ایمان کی مٹی، یعنی اپنے وطن میں تمام تر سر بلندی و خودداری کے ساتھ جمے رہنے اور دشمنوں کے دانت کھٹے کر دینے والے جوانوں کو سلام ہے، جن کے مضبوط بازؤں پر نہ آتش و آہن نے اثر دکھایا، نہ ترغیب و ترہیب کے ہتھکنڈوں نے اُن کے حوصلوں کو پست کیا، نہ وہ ناکامی و نامرادی کے طوفان سے گھبرا کر ایک طرف کو جا بیٹھے، نہ اپنوں کی خیانتوں سے بد دِل ہوے، نہ غیروں کی فریب دہی کے جال میں پھنسے اور نہ دشمنوں اور اپنے دوستوں کے مظالم کے سامنے ڈھیر ہوے۔ یہ وہ نوجوان ہیں، جنھوں نے مبارک مسجدِ اقصی، خلیل کی مسجدِ ابراہیمی، عیون قارہ، نحالین، خان یونس اور حاجز ایریز میں انسانی جانوں کے ضیاع کا دل دوز منظر دیکھا تھا۔ نیز جنوبی لبنان کے شہر قانا میں لبنانی عوام پر جو قیامت ٹوٹی اور اُس سے پہلے صابرا شتیلا وغیرہ میں انسانی لاشوں کے جو ڈھیر لگے تھے؛ یہ سب دیکھ کر بھی ان کے عزم و حوصلے میں کمی نہیں آئی۔

پائے دار اُصولوں اور معززانہ کارروائیوں پر مضبوطی سے ڈٹے رہنے والو، مجد و شرافت کی بنیاد گزاری کرنے والو، اپنے پاکیزہ لہو اور گرم گرم آنسوؤں سے اپنی تقدیر لکھنے والو، تماش بینوں کے درمیان شعلہ بہ کف رہنے والو، تمھارے لہو سے خریدے ہوے پھولوں کی سیج اور تمھاری لاشوں پر چلنے والے درندوں کے بیچ کانٹوں پر لوٹنے والو!!! تمھیں سلام ہے۔

اِن بہادروں کو یہ یقین ہوگیا کہ سچ بہ ہر حال سچ ثابت ہو کر رہے گا اور اللہ اپنی رضا اور اپنی مشیت کے اُصولوں کے معیار پر اترنے والوں ہی پر رحمت و برکت نازل فرمائے گا۔

انھیں یہ یقین ہوگیا تھا کہ پاکیزہ لہو سے خوشبودار پھول، ہرے بھرے باغات اور نعمتوں کی جنت زمین پر اُگتی ہے اور اُس سے روزِ روشن کی طرح واضح مقاصد رو بہ عمل آتے ہیں۔ اُن کے دل کی گہرائیوں میں یہ یقین پیوست تھا کہ ظلم و جارحیت کے علم بردار،

صرف اور صرف اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے والے اور موت کا استقبال کرنے والے اُن نوجوانوں کے ہاتھوں سے ہی اپنے انجام بد (موت) کو پہنچیں گے، جو راہِ خدا میں جامِ شہادت کا تہِ دل سے استقبال کرنے والے اور جو عزت و آبرو اور پاکیزہ خاکِ وطن کی حفاظت کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دینے والے ہیں۔

انسانی تاریخ اور کائنات میں اللہ کی سنت سے پتہ چلتا ہے کہ اسرائیل کا زوال یقینی ہے؛ لیکن زمانہ اُن خوش نصیبوں کے انتظار میں ہے، جن کے ہاتھوں اسرائیل کا زوال رو بہ عمل آئے گا۔



شاہ حسین کی رحلت اور ”مُتبادِل وطن“ کی سازش کی صورت میں اسرائیل کے توسیع پسندانہ عزائم کا انکشاف (*)

۲۱رشوال ۱۴۱۹ھ = ۸رفروری ۱۹۹۹ء بہ روز منگل دنیا کے زائد از چالیس قائدین اور سر براہانِ عالم، تھوڑے تھوڑے وقفے سے مختلف اوقات میں، شاہِ اردن حسین بن طلال بن عبداللہ کی آخری رسومات میں شرکت کے لیے، پڑوسی ملک اردن کے دارالحکومت پہنچے۔

مرحوم شاہِ اردن کو الوداع کہنے اور آخری منزل تک پہنچانے کے لیے، دنیا کے تمام براعظموں سے دوست اور دشمن، سبھی کا اِس طرح اجتماع ہوگیا کہ باہم متصادم دشمنوں کو ایک دوسرے سے دور رکھنے کی کوشش میں اردنی پروٹوکول کی مشنری کو، کافی مشقت اٹھانی پڑی۔ رہ نمایانِ عالم کی بہ یک وقت یک جائی سے یہ عیاں ہوگیا کہ مرحوم اپنی فطری کارکردگی اور فعّالیت، مشرقِ وسطیٰ کے قضیوں میں خصوصاً اور عالمی مسائل میں عموماً، اپنی مؤثر موجودگی اور بین الاقوامی قراردادوں کی سازندگی میں، مؤثر و فعال کردار ادا کرنے والے قائدین کے ساتھ تعلقات کے حوالے سے اپنی عجیب و غریب طاقت و صلاحیت کی وجہ سے، دنیا والوں کے نزدیک کتنی اہم شخصیت کے مالک تھے۔

اردن جوں ہی اِس طاقت ور اور دور اندیش مردِ میدان سے محروم ہوا، خطرات اور

(*) ترجمہ کلمۃ المحرر وکلمۃ العدد، بہ عنوان: ”النَّوَايَا الْإِسْرَائِيلِيَّةُ بَعْدَ رَحِيلِ الْمَلِكِ الْحُسَيْنِ: مُؤَامَرَةُ الْوَطَنِ الْبَدِيلِ“ ، الداعی، شمارہ:۱، جلد:۲۳، محرم ۱۴۲۰ھ = مئی ۱۹۹۹ء۔ ترجمہ اردو: چہار شنبہ: یکم ربیع الاول ۱۴۲۸ھ = ۲۱/۳/۲۰۰۷ء

اندیشوں، یعنی لوٹ کھسوٹ، گدلے پانی میں شکار کرنے اور کم زور شکار پر ٹوٹ پڑنے کے اَندیشے، اُس کے اردگرد گھیرا ڈالنے لگے ہیں۔ کیا اردن کو اِن خطرات کا سامنا پڑوسی عربی اسلامی ملکوں کی طرف سے ہے؟ نہیں! بل کہ اُردن کو یہ خطرے اسلام، عربوں اور مسلمانوں کے درپے آزار رہنے والے دشمنوں کی طرف سے درپیش ہیں، جن میں سرِ فہرست قلبِ عالمِ عرب و عالمِ اسلام: مقدس و مبارک فلسطین میں ناجائز طریقے پر قائم کی گئی صہیونی ریاست اور وہ طاقتیں ہیں، جو اِس کی تایید اور پشت پناہی کے لیے ہر وقت محوِ عمل رہتی ہیں۔

شاہ حسین کی وفات کے تھوڑی دیر بعد ہی، اسرائیل نے اپنے شر انگیز اِرادوں سے پردہ اٹھانا شروع کر دیا؛ چناں چہ اِسرائیلی اخبار ''ہارٹز'' نے چند روز قبل ''اردن کی ترجیح'' کے عنوان سے ایک اشتعال انگیز مضمون شائع کیا تھا، جس میں فلسطینیوں اور صہیونیوں کو اردن پر دھاوا بولنے پر ورغلایا گیا تھا اور اِس کے لیے ایسے عجیب و غریب وجوہِ جواز پیش کیے گئے تھے، جن کی وجہ سے ہر عربی مسلمان عموماً اور ہر اردنی خصوصاً اُس وقت آگ بگولا ہو جاتا ہے، جب اُس کو اُن ناپاک و بے پناہ توسیع پسندانہ عزائم کا پتہ چلتا ہے، جن کو صہیونی اپنی حکمت عملی کے تحت بھی راز میں نہیں رکھ سکے۔

ہم نے ''الداعی'' کے ''عالم اسلامی'' کے کالم میں لندن کے ''رسالۃ الاخوان'' سے نقل کر کے شمارہ (۱) جلد (۲۳) محرم ۱۴۲۰ھ = مئی ۱۹۹۹ء میں وہ زہر آلود مضمون اِس لیے شائع کیا ہے؛ تاکہ اردنی و فلسطینی خصوصاً اور عرب و مسلمان عموماً اُن خطرناک عزائم سے واقف ہوں اور نہ صرف اُن سے بچنے کے لیے لازمی احتیاطی تدابیر اختیار کریں؛ بل کہ کل وقتِ چاشت سے پہلے اِس کے لیے پوری طرح ہوشیار و بیدار ہو جائیں۔ رسالۃ ''الاخوان'' نے یہ مضمون اردنی جریدہ ''السبیل'' سے بعینہٖ نقل کر کے نشر کیا تھا۔

تحریک ''اخوان المسلمون'' کے ترجمان اردنی اخبار ''السبیل'' میں شاہ حسین کی وفات کے بعد اِس خطے کے تعلق سے، جو صہیونی سازشیں ہو رہی ہیں، اُن کے بارے میں

ایک مفصل قیمتی تحقیق چھپی تھی کہ کس طرح صہیونی فریب دہی اور دسیسہ کاری سے کام لیتے ہوئے ایک ایسی ٹیم بنانے میں لگے ہوئے ہیں، جس کے ذریعے اُن کے منصوبوں کے نفاذ کی راہ آسان ہو جائے۔ اِس تحقیق کے مشمولات کی اہمیت کے پیشِ نظر، ہم اِس کو افادۂ قارئین کے لیے یہاں شائع کر رہے ہیں۔

اردن کے خلاف، اشتعال انگیز مضامین کا سلسلہ:

کئی دنوں سے اِسرائیلی صحافت میں اُردن کے خلاف اشتعال انگیز مضامین اور تبصروں کا سیلاب آیا ہوا ہے۔ یہ بات کسی ایک اخبار تک محدود نہیں؛ بل کہ اِسرائیل کے ترجمان کئی ایک اخبار بھی اِسی راہ پر چل رہے ہیں۔ اُردن کے خلاف پڑوسی ممالک کو اُکسانے اور اُس کی اہلیت کے حوالے سے تشکیک کا ماحول پیدا کرنے کے لیے، اسرائیلی میڈیا کی نظر چند محوروں پر مرکوز ہے:

۱- ایک بااختیار ملک کے بہ طور، امن واستحکام کے سلسلے میں اردن کی صلاحیت پر شبہے کی تخم ریزی۔

۲- اردن کے سلسلے میں یہودی عزائم کے حوالے سے پرانی باتوں کو دہرانا اور اِس خیال کی تجدید کہ اردن اسرائیل ہی کا ایک ٹکڑا ہے جس کو اُس سے علاحدہ کر لیا گیا تھا۔

۳- اردن کے اندر داخلی فسادات کی آگ بھڑکانا اور اردن کے عوام کے باہمی اختلاف وعدمِ اتحاد کا پوری دنیا میں پروپیگنڈہ کرنا۔

۴- اردن اور عربی پڑوسی ممالک: سعودی عرب، عراق، سیریا اور فلسطین کے مابین تصادم برپا کرانا اور اگر حالات کا تقاضا ہو، تو اسرائیل کو عسکری مداخلت کی اِجازت دینا۔

۵- ''متبادل وطن'' کے منصوبے کا اِحیا اور اردن پر نظر رکھنے اور آخری حل سے نمٹنے کے تعلق سے اسرائیلی ترجیح کے طور پر مذکورہ منصوبے پر بات چیت کرنا۔

صہیونی اخبار ''ہارٹز'' نے ''یسرائیل ہرئیل'' کا لکھا ہوا مضمون بہ عنوان ''اردن کی

ترجیح'' چند روز قبل چھاپا تھا۔ اُس مضمون میں پچھلی ساری باتیں واضح الفاظ میں موجود ہیں، جو بہت ہی چونکا دینے والی ہیں۔ ہم صہیونی سازشوں اور اُس کے ناپاک عزائم کی خطرناکی سے قارئین کو روشناس کرانے کے لیے اُس مضمون کو شائع کررہے ہیں:

''سعودی عرب، عراق اور سیریا کے باشندوں نے، اردن سے وابستہ اپنے خصوصی مفادات کو کبھی پوشیدہ نہیں رکھا۔ اِس خطے کے اکثر ممالک کے قیام کا طریقہ، اردن کے قیام کے طریقے سے کوئی بہت زیادہ مختلف اور الگ نہیں، نیز اردن کی سرحدوں کی تعیین دنیا کے بڑے امپیریل ممالک کے ہاتھوں ہوئی تھی؛ لیکن اِن تمام حقیقتوں کے باوجود، اُن ممالک نے اردن کو کبھی ایک متحدہ اور پایدار ملک نہیں مانا۔ ہم نے نہیں؛ بل کہ اردن کے وجود کی حقیقت کو جھٹلانے کی بار بار کوشش کرنے والے لوگوں نے ہم سے اردن کو اُس وقت چھینا، جب سیریا اور عراق میں انقلابات کی آندھی چلی ہوئی تھی۔ اِن انقلابات کی وجہ سے اُن ممالک کے وجود کو، کوئی خطرہ لاحق نہ ہوا؛ لیکن اِس کے بالمقابل اگر ''شاہ حسین'' کے قتل کی ایک سازش کام یاب ہوگئی ہوتی، تو اِس میں شک تھا کہ اردن اپنے آپ کو ایک ملک کی طرح باقی رکھ پاتا یا نہیں۔ ایسی حالت میں اردن کے پڑوسی برادر عربی ممالک چیر پھاڑ کر کھانے والے جارح پرندے کی طرح اُس پر ٹوٹ پڑتے۔

انگریزوں کا مضحکہ خیز اِقدام:

انگریزوں نے مضحکہ خیز استعماری اِقدام کرتے ہوئے ۱۹۲۲ء میں مشرقی کنارے کو یہودی وطن سے الگ تھلگ کردیا تھا۔

اسرائیل میں رہنے والے بہت سے یہودیوں- جن کے اِدارے اب تک اسرائیل ہی میں تھے- کے بس کی بات نہ تھی کہ وہ برطانیہ کا دوبدو مقابلہ کرسکیں، جو اِس خطے میں اِس طرح اپنے اختیارات کا بلا روک ٹوک استعمال کررہا تھا، گویا وہ اِس کا بادشاہ اور مالک ہو۔ دوسری بڑی عالمی طاقتوں اور انجمنِ اقوام (League of Nations) نے بھی

سرزمینِ اسرائیل پر انتداب کی دستاویز، سرکاری طور پر انگریزوں کو دے دی۔ یہ دونوں اسرائیلی زمینوں کی تقسیم کو روک سکے اور نہ ہی روکنے میں کوئی دل چسپی دکھائی۔ ممکن ہے کہ یہی پرانی غلطی، اردن کے وجود کو دائمی سوالات کے گھیرے میں لا کھڑا کرنے کا سبب بنی ہو۔ اِس مملکتِ ہاشمی (اردن) کے قیام سے لے کر اب تک وہاں، کسی ایک قوم یا متحدہ قوم کے وجود کے لیے، کوئی نمایاں نسل سامنے نہ آئی۔ جب کہ دوسرے عربی ملکوں میں ایسی نسلیں موجود رہی ہیں۔

سیریا اور عراق والے، شاہ حسین کے عہد کے خاتمے کے بعد سے ہی اردن میں اپنے ہزاروں گماشتے مقرر کر رہے ہیں؛ تاکہ اردن کی بے چینی میں مزید اضافہ ہو جائے۔ سعودی باشندے - جن کے اردن سے خاص مفادات وابستہ ہیں- بھی سازشوں کے تانے بانے بن رہے ہیں۔ فلسطینی کیوں پیچھے رہیں، وہ بھی اپنے ہاتھ کھینچ نہیں سکتے۔

آزاد اُردن میں، اسرائیلی مفادات:

پچھلی دو دہائیوں سے دیکھنے کو مل رہا ہے کہ ایک آزاد اردن کے وجود میں اسرائیل کے بھی ڈھیر سارے مفادات پوشیدہ ہیں، یعنی اسرائیل کا مفاد ایسے اردن سے مربوط ہے، جو اپنے عرب پڑوسیوں کے لیے تو خطرہ نہ بنے؛ لیکن جو دوسرے لوگ اسرائیل پر ضرب لگانے کے مقصد سے، اُس کی زمینوں کے اندر سے اپنے عزائم کو بہ روئے کار لانے کی کوشش کر رہے ہیں، اُن کو وہ ضرور پابہ سلاسل کر دے؛ اِسی لیے اردن کے پڑوسی ممالک کے ذریعے، اُس کی موجودہ صورتِ حال، اُس کی آزادی اور اُس کی زمینوں کی وحدت سے چھیڑ چھاڑ کیے بغیر، اگر اُس کی یعنی اردن کی حکومت بدل جائے، تو بہ ظاہر اسرائیل مشرقی پڑوسی کی زمینوں پر پیش آ رہے حالات میں دخل اندازی ہرگز نہ کرے گا؛ لیکن اگر سیریا، یا عراق، یا سعودی عرب- یا سب ایک ساتھ- مداخلت اور مملکتِ اردن کی زمین کے ٹکڑوں کو ہڑپنے - اگر مرحوم حسین کے جانشیں، اردن کی حکومت کے ستونوں کو مضبوط

کرنے میں کام یاب نہ ہوے، تو یہ سب کچھ ممکن ہے۔ کی کوشش کریں گے، تو اردن میں دخل اندازی سے ہمارے باز رہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ صدام حسین یا حافظ الاسد کے لیے دروازہ وا ہوجائے۔ ہماری مشرقی سرحدوں پر، ہمارے مقابلے کے لیے حکومتیں قائم کرنے کے عزائم کے تعلق سے یقیناً اِسی منظر نامے کا امکان ہے۔ سیریا، لبنان میں جو جنگ لڑ رہا ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ اتنی شدت اختیار کر جائے کہ اُس کی لپٹیں اردن کی سرحدوں تک پہنچ جائیں۔

ہر شخص، بہ شرطے کہ وہ اپنے ضمیر کی آواز کو جھٹلانے کا عادی نہ ہو، اچھی طرح جانتا ہے کہ دو الگ الگ مزاج ورجحان کی حامل قومیں، زیادہ دنوں تک اسرائیل کی تھوڑی سی مغربی زمینوں پر گزر بسر نہیں کر سکتیں اور نہ ہی اسرائیل کے بس میں ہے کہ وہ مستقل دو ریاستوں کو اپنے اندر جذب کر سکے۔

وسیع وعریض اراضی والی ریاستیں جنھیں مزید کسی زمین کی ضرورت نہیں، اگر اردن کی زمینوں کی طرف لالچ بھری نظروں سے دیکھتے ہیں، تو اسرائیل کو چاہیے کہ وہ اُس زمین کے تعلق سے "بالفور" کے وعدے اور انجمنِ اقوام کی قرارداد کی روشنی میں اِن زمینوں پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کردے۔ ملکیت کا دعوی کرنے والے دوسرے لوگوں کو، اسرائیل کی طرح دعوی کرنے کا حق نہیں ہے اور اگر بالفرض اُنھیں بھی یہ حق حاصل ہو، تو از روے انصاف اسرائیل کا دعوی زیادہ صحیح اور منصفانہ ہے۔

اگر ہمیں اردن کی زمین کا کچھ حصہ بھی ہاتھ آگیا، تو اُس کی وساطت سے ہمارے اور فلسطینیوں کے مابین جاری جنگ کے ایک اہم حل تک ہم پہنچ جائیں گے؛ لیکن اِس شرط کے ساتھ کہ فلسطینی ہمارے ساتھ تعاون کریں۔

اسرائیل کی طاقت:

اسرائیل کے اندر اِس کی بھرپور طاقت ہے کہ وہ مملکتِ فلسطین کے قیام میں ہاتھ

بنائے، نیز اگر دشمنانہ مقاصد کے لیے اردن کی زمینوں کے کسی ٹکڑے پر، کسی فلسطینی مملکت کا از خود قیام عمل میں آتا ہے، تو اُس کی راہ روکنے کا بھی دم خم اُس کے اندر پایا جاتا ہے۔ اسرائیل کے تعاون سے جو فلسطینی ریاست وجود میں آئے گی، وہ اُن اراضی کے تعلق سے اپنی صاف نیتی کی دلیل دینے کے بعد متحد ہوسکتی ہے، جو اسرائیل میں یاسر عرفات کو دی گئی تھیں۔ اِس معاہدے کے بعد فلسطینی ریاست کا رقبہ اسرائیل کے رقبے سے دوچند ہوجائے گا۔ اِس طرح کی حقیقت ہی ہمیں، اُس وقت اپنے ہاتھوں میں موجود اسرائیل کے بقیہ حصوں کو ملانے کی ہمیں اجازت دے گی (واضح رہے کہ ان خطوں کے ۹۰ فی صد یا اس سے زائد عرب اِس وقت بھی اسرائیلی حکومت کے کنٹرول میں نہیں) اگر ہم اِس منصوبے کو روبہ عمل لانے کے لیے انتھک جدوجہد کریں گے اور اپنی توانائی کو ایک ایسی مملکت کے وجود کی گارنٹی کے لیے، بے فائدہ کام میں ضائع نہ کریں گے، جس کی بنیادیں اتنی کم زور ہوں کہ اُس کا انجام حتمی زوال کی شکل میں ہی سامنے آئے گا، تو ہم اپنے اور اپنے پڑوسیوں کے مفادات کی بنیادیں مضبوط کرنے والے بن جائیں گے۔ اِس راہ سے ہم ایسی فضا پیدا کردیں گے، جو نہ صرف سیاسی تصفیے پر منتج ہوگی؛ بل کہ دونوں قوموں کے مابین باہمی اعتماد اور مصالحت کا بھی سبب بنے گی۔ (ہارٹز کا زہریلا مضمون ختم ہوا)

اسرائیلی پارٹی کے لیڈر کا بیان:

دوسری طرف اسرائیلی مزدور پارٹی کے ایک چوٹی کے لیڈر "حاییم رامون" نے حال ہی میں صاف لفظوں میں کہا تھا: وہ اپنی بات کی حد تک اردن میں، فلسطینی ریاست کو عملاً قائم مان کر، اُس کے قیام کی تائید نہیں کرے گا۔ جب کہ اسی پارٹی کا دوسرا لیڈر "یہود براک" یہ کہتا پھر رہا ہے کہ وہ قضیہ فلسطین کے لیے، اردن کی پسند کو ترجیح دیتا ہے۔

اِس قسم کے اسرائیلی بیانات، اِس خطے کے سلسلے میں خطرناک اندیشوں کو ازسرِ نو جنم دے رہے ہیں، نیز اِن کے ذریعے اردن اور فلسطین کے باشندوں پر "متبادل وطن" یا اس

کے علاوہ دیگر بہت سی وہ شکلیں تھوپنے کے امکانات کا پتہ چلتا ہے، جن میں سے ایک نام نہاد ''کونفڈرل ازم اور فڈرل ازم'' کی تجاویز کا ازسرِ نو اِعادہ بھی ہے۔

توسیع پسندانہ صہیونی مُہمّوں کا جواب دیتے ہوے اخبار ''السبیل'' نے کہا ہے کہ درج ذیل باتوں پر زور دینا ضروری ہے:

۱- اردن اُس صہیونی ریاست سے زیادہ قدیم اور زیادہ مضبوط ہے، جو ناجائز طور پر استعماری طاقتوں کے تعاون وحمایت سے، اِس لیے اِس خطے پر بہ زورِ طاقت مسلط کی گئی کہ وہ اُمتِ اسلامیہ کا تیا پانچہ کرنے، اُس کے امن وامان کی بنیادوں کو ہلانے اور اُس کی توانائیوں کو اسپنج کی طرح چوسنے کا تباہ کن مقررہ کام انجام دے۔

۲- ہمیں معلوم ہے کہ صہیونی عزائم ہی، صہیونیوں کے دل ودماغ پر ہر دم چھائے رہتے ہیں کہ تمام امن معاہدے بھی اُنھیں، اُن کے دماغوں سے کُرید کر مٹا نہیں سکتے؛ اِس لیے کہ صہیونی جارحیت پسند اور اپنی توسیع کے عمل کو ہر حال میں اور ہر قیمت پر روبہ عمل لانا چاہتے ہیں، اُنھیں امن وامان سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ وہ تو صرف طاقت کی زبان سمجھتے ہیں۔

۳- بلاشبہ اُردن کی متحد اور ہم آواز قوم، اسرائیلیوں کے خیال سے کہیں زیادہ طاقت ور اور باہم متحد ہیں۔ وہ دن دور نہیں، جب اسرائیلیوں کے اندازے غلط ثابت ہو جائیں گے؛ کیوں کہ اردنی قوم اِس وقت پہلے سے زیادہ اُن کے عزائم اور سازشوں کا شعور رکھتی ہے۔

۴- اردن، اردن ہے اور فلسطین، فلسطین ہے۔ ہر اردنی اور فلسطینی اپنی مقدور بھر طاقت کے ساتھ اسرائیل کے چھکے چھڑا دے گا۔ اردن میں، اردنی اور فلسطین میں، فلسطینی ''متبادل وطن'' کی اِس سازش کو بہ یک آواز مسترد کر دیں گے، جو فلسطین کے لیے بھی اتنا ہی خطرناک ہے، جتنا اردن کے لیے اور وہ صہیونیوں کے منصوبوں اور سازشوں کو روبہ عمل نہ نہیں دیں گے۔

۵- اردن جن خطرات اور اندیشوں کے بیچ کھڑا ہے، وہ نہ شمال سے اس کو لاحق ہیں، نہ مشرق اور نہ ہی جنوب سے؛ بل کہ یہ سارے خطرات صہیونیوں کی دین ہیں۔

۶- پڑوسی ممالک: سعودی عرب، عراق اور سیریا کے شہریوں کے خلاف صہیونی اشتعال انگیزی پر مبنی مہم جوئیوں کی حدود کا، اردنی عوام کو اچھی طرح اِدراک ہے۔ اُن پر صہیونی فریب کا جادو کبھی کام یاب نہ ہو سکے گا، صہیونیوں کی یہ کوشش ہے کہ حقیقی خطرات سے اُن کی نظریں پھیر دیں اور اردن کے پڑوسیوں کے مابین فسادات کی آگ بھڑکا دیں۔

دوسری طرف حزب جبہۃ العمل الاسلامی (عمل اسلامی محاذ پارٹی) کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر عبداللطیف عربیات نے کہا ہے: اسرائیل کی دخل اندازیوں سے متنبہ رہنا چاہیے۔ اُن معلوم صہیونی عزائم سے مقابلے کے لیے احتیاطی اقدامات کرنا ضروری ہیں، جو اکثر صہیونی قائدین کی زبان پر آتے رہتے ہیں۔ اُنھوں نے اخبار ''السبیل'' کو دیے گئے بیان میں مزید کہا کہ صہیونی پارٹیوں کی رہ نمائی میں یہ معاملہ اِس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اب صہیونی دشمن یہ کہنے لگے ہیں کہ اردن ہی ''متبادل فلسطینی وطن'' ہے۔ یہ تجویز انتہائی خطرناک ہے۔ اگر یہ بات اردن کے سوا، کسی دوسرے ملک کے خلاف کہی جاتی، تو احتجاج اور مذمتوں کا طویل سلسلہ چل پڑتا؛ اِس لیے کہ یہ کسی بھی وطن کے لیے خطرناک بات ہے۔ ڈاکٹر عربیات نے مزید کہا کہ صہیونیوں کی حالیہ کارروائیاں، اردن کے لیے کھلا چیلنج کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی اشارہ دیا کہ صہیونی خطرہ ہمیشہ قائم و برقرار رہے گا، خواہ صہیونی دشمنوں کے ساتھ ڈھیر سارے معاہدے بھی کیوں نہ کر لیے جائیں اور یہ کہ ''وادی عربہ'' کا معاہدہ اسرائیلیوں کے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ یہ لوگ اپنے مفادات کو ہر عہد و پیمان سے اہم تصور کرتے ہیں۔



ارضِ فلسطین، کسی کی باپ دادا سے ملی ہوئی میراث نہیں بل کہ عربی اسلامی میراث ہے (*)

قضیۂ فلسطین - جو ماضی میں بھی نمبر ایک اسلامی قضیہ رہا، ہنوز ہے اور مستقبل میں بھی اُس وقت تک رہے گا، جب تک صحیح اسلامی تناظر میں اُس کو حل نہ کردیا جائے - کے تعلق سے مصالحت اور شکست خوردانہ معاہدوں کے جتنے سارے ڈرامے اسٹیج ہوئے اور اب بھی ہورہے ہیں، اگر گہرے جائزے پر مبنی اُن کی فہرست جاری کی جائے، تو سارے اسلامی اور عربی عوام کو پتہ چل جائے گا کہ قضیۂ فلسطین، فلسطینی قوم اور فلسطین کی مٹی کو کتنے بڑے بڑے نقصانات کا درد جھیلنا پڑا ہے۔ نیز اُنھیں اِس جائزے سے، عربی خودداری و اسلامی حمیت کے زوال، لمبے چوڑے دعووں اور اُن زرق برق اور پُرشور نعروں کے کھوکھلے پن کا اچھی طرح اندازہ ہوجائے گا، جو ہمارے عرب و مسلمان قائدین وسیاست داں، گلا پھاڑ پھاڑ کر لگاتے رہے ہیں۔

تنظیمِ آزادیِ فلسطین اور صہیونی دشمنوں کے درمیان ہونے والے "معاہدۂ اوسلو" پر سات سال کا عرصہ بیت چکا ہے، مصری صدر انور سادات اور ملعون صہیونیوں کے مابین ہوئے معاہدۂ "کیمپ ڈیوڈ" کو اکیس سال ہوگئے [1]۔ اِس طویل مدت میں نہ صرف یہ کہ

(*) ترجمہ کلمۃ المحرر، الداعی، شمارہ: ۵، جلد: ۲۴ جمادی الاولی ۱۴۲۱ھ = اگست ۲۰۰۰ء ۔ ترجمہ اردو: یکم ربیع الاول ۱۴۲۸ھ = ۲۰۰۷/۳/۱ء ۔

(۱) یہ دونوں مدتیں عربی تحریر کے ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۰۰۰ء میں لکھے جانے کے وقت کے حوالے سے تھیں۔ اب جب کہ اِس کا اردو ترجمہ ۱۴۲۸ھ = ۲۰۰۷ء میں طباعت کے لیے تیار کیا جارہا ہے، تو یہ دونوں مدتیں بہ ترتیب ۱۴ سال اور ۲۸ سال ہوجاتی ہیں؛ کیوں کہ معاہدۂ اوسلو پر دست خط ۱۹۹۳ء میں، جب کہ صدر سادات نے معاہدۂ کیمپ ڈیوڈ پر ۱۹۷۹ء میں دست خط کیے تھے۔

''خرطوم'' کانفرنس(۱) کی گونج دار تینوں نفیاں (لَاصُلحَ وَلَا تَفَاوُض وَلَا اعتِرَافَ بِاِسرَائِیلَ یعنی اسرائیل کے ساتھ صلح کرنی ہے نہ مذاکرات کرنے ہیں اور نہ اُس کے وجود کو تسلیم کرنا ہے) کالعدم ہوگئیں؛ بل کہ خودداری اور غیرت وحمیت کے بہت سے اُن معانی وتصوُّرات کا بھی کوئی وجود نہ رہا، جو اُن عربوں کی اہم اور نمایاں خصوصیت رہی ہے، جن کے بارے میں سیدنا عمر بن خطابؓ کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ اسلام کی اصل پونجی ہیں، نیز یہ غیرت وحمیت سارے مسلمانوں کا بھی نشانِ امتیاز رہی ہے؛ کیوں کہ اُن کا خمیر ایسے خصوصی عناصر سے اٹھایا گیا ہے، جن سے عام انسانوں کا خمیر تیار نہیں ہوا۔

عرصہ پہلے یعنی ۲۵-۲۸ر جنوری ۱۹۸۱ء کو مکہ مکرمہ میں منعقدہ تیسری اسلامی چوٹی کانفرنس نے اپنے اختتامی بیان میں قدس کے حوالے سے کہا تھا:

''یہ کانفرنس قضیہٴ فلسطین کو، مشرقِ وسطی کے تمام مسائل کی جڑ اور امت مسلمہ کا پہلا قضیہ مانتی ہے، یہ تمام مقبوضہ عربی فلسطینی زمینوں کی آزادی کا پابندِ عہد رہنے پر زور دیتی ہے۔ کوئی بھی ایسی صورت کو جس کی وجہ سے شہرِ قدس پر عربی کنٹرول پر زد پڑتی ہو، قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہ جائز نہ ہوگا کہ عربی اِسلامی فریقوں میں سے کوئی بھی فریق تنہا اپنی پسند سے، قضیہٴ فلسطین اور مقبوضہ عربی زمینوں کے قضیے کو حل کرلے۔''

ذرا دیکھیے کہ عربوں، خصوصاً تنظیمِ آزادیِ فلسطین نے اپنے اوپر پس روی اور شکست خوردگی کی کیسی ذلت مُسَلَّط کرلی ہے؟ اِس تنظیم نے مکینوں (فلسطینیوں) کا اپنے

---

(۱) یہ کانفرنس، سوڈان کے پایۂ تخت ''خرطوم'' میں ۲۹ر اگست تا یکم ستمبر ۱۹۶۷ء (۲۲ تا ۲۵ر جمادی الاخری ۱۳۸۷ھ) میں ہوئی تھی اور اِس نے ''تین نفیوں والی چوٹی کانفرنس'' کے نام سے ہی شہرت حاصل کی تھی۔ اِس کانفرنس میں، ''دار بیضاء'' مراکش میں منعقدہ چوٹی کانفرنس جو از ۱۳ تا ۱۷ر ستمبر ۱۹۶۵ء (۱۵ تا ۱۹ر جمادی الاخری ۱۳۸۵ھ) تک جاری رہی تھی، کی اُن قراردادوں کی توثیق وتایید کی گئی تھی، جن میں عربی مقصد کے اتحاد، اجتماعی عمل اور عربی تعاون و اشتراک کے چارٹر کی پابندی کی بات کہی گئی تھی۔ خرطوم چوٹی کانفرنس میں، اسرائیلی جارحیت کے سارے اثرات کے اِس اساس پر، اِزالے پر زور دیا گیا تھا کہ ساری مقبوضہ اراضی، عربی اِسلامی اراضی ہیں، جن کی بازواپسی کی ذمے داری مشترکہ طور پر، سارے عربی ملکوں پر عائد ہوتی ہے۔

آپ کو تنہا والی و سرپرست بنالیا ہے، یہ تنظیم ظالمانہ قبضے، دشمن کے ذریعے زمینوں کو ہڑپنے، قدس کی حرمت، عربی شرافت اور اسلامی خودداری پر شب خوں مارنے کے عمل کو قانونی شکل دینے اور جواز کی سند عطا کرنے کے گڑھے میں گر پڑی ہے۔

دشمن کے ساتھ مُصالحت اور مُعاہدے کے عنوان سے، روبہ عمل آرہے شکست خوردانہ سیریل پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے سے، یہ بات الم نشرح ہو جاتی ہے کہ دشمن نے اپنی چاہتوں اور آرزوؤں سے کہیں زیادہ منافع حاصل کیا اور یہ کہ جن سے حقوق چھینے گئے تھے، وہی خسارے در خسارے میں رہے۔ جو کچھ آیندہ ہونے والا ہے، وہ اِس سے زیادہ تلخ اور کڑوا ہوگا۔

قضیۂ فلسطین کے دائرے میں سرگرمِ عمل ہر شخص کو یہ بات ذہن میں مُستحضر رکھنی چاہیے کہ فلسطینی زمینیں، اُس کے باپ دادا سے اُس کو وراثت میں ملنے والی زمینیں نہیں ہیں؛ بل کہ یہ خدائی فیصلے، اِسلامی حکم اور تمام علماے اُمّت کے اِجماع کی رو سے، ایک اسلامی اور عربی زمین ہے؛ اِس لیے کسی شخص کے لیے، یہ روا نہ ہوگا کہ وہ اِس کو اپنے باپ کی جاگیر سمجھ کر، اِس میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔



قضیۂ فلسطین کے تعلّق سے، سیکولر مسلمانوں کا افسوس ناک رَوَیّہ (٭)

قضیۂ فلسطین کے سلسلے میں تمام مسلمانانِ عالم کے لیے افسوس ناک بات یہ ہے کہ سیکولر مسلمان اور دشمن دونوں نے روزِ اول سے ہی صرف دو باتیں بروے کار لانے کی کوشش کی:

۱- قضیۂ فلسطین کو، خالص فلسطینیوں کے قضیے کا روپ دے دیں، تا آں کہ وہ عالمِ عرب و عالمِ اسلام کی اُس توجّہ سے محروم ہو جائے، جس کا وہ مستحق رہا ہے اور اُس وقت تک مستحق رہے گا، جب تک مسلمانوں کی مرضی کے مطابق اُس کا حل نہ نکل آئے۔

۲- یہودیوں کے تعلق سے اِس مسئلے کو عقائدی جنگ باور کرایا جائے، جب کہ مسلمانوں اور فلسطینیوں کے حوالے سے اُس کو ایک بے معنی سیاسی جنگ ہی کہا جائے۔

اِسی لیے صہیونی دشمن اور مسلمانوں کی جنگ غیر مساوی جنگ بن گئی ہے؛ کیوں کہ دشمن، ارضِ موعودہ کی واپسی، نیل سے لے کر فرات تک صہیونی ریاست کی توسیع، مبارک مسجدِ اقصی کے ملبے پر نام نہاد ہیکلِ سلیمانی کی تعمیر کے تعلق سے یہودی عقیدے، بے بنیاد تاریخی دعوے اور مختلف وعدوں و معاہدوں کے جذبے سے سرشاری کے ساتھ مسلمانوں سے لڑتا رہا ہے۔ اِس کے علاوہ بھی ایسے بہت سے مقاصد دشمنوں کو تحریک دیتے رہے

(٭) ترجمہ کلمۃ المحرر، الداعی، شمارہ: ۶، جلد: ۲۴، جمادی الاخری ۱۴۲۱ھ = ستمبر ۲۰۰۰ء۔ ترجمہ اردو جمعرات: ۲/۳/۱۴۲۸ھ = ۲۲/۳/۲۰۰۷ء۔

ہیں، جنھیں مختصراً ''خوف ناک توسیع پسندانہ عزائم'' کا نام دیا جاسکتا ہے، جو عربوں اور مسلمانوں کی مکمل تذلیل اور اُنھیں شکست دیے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے۔ ساتھ ہی دشمن دائیں بازو کی پارٹیوں کی شکل میں سیاسی طور پر بھی ایک زبردست سہارے سے ہمکنار رہا ہے۔ دائیں بازو والی یہ پارٹیاں قدس کی بازیابی، پناہ گزینوں کی وطن واپسی اور ۱۹۶۷ء میں قبضہ کی گئی زمینوں سے انخلا کو مسترد کرتی رہی ہیں، ساتھ ہی دشمن مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے اتنی فوجی تیاری کرتا رہا ہے کہ ریاستِ اسرائیل، عالمِ عرب کے بیچ اب سب سے طاقت ور ریاست بن گئی ہے۔

جہاں تک عربوں اور مسلمانوں کی بات ہے تو - اُن چند اسلام پسندوں کو چھوڑ کر، جو اپنی جانیں ہتھیلی پر لے کر اسلامی سرحدوں کی نگرانی کر رہے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ فلسطین کی آزادی، چھینے ہوے شرف وعزت کی بازیابی، ہڑپی گئی زمینوں کی واپسی اور عزت وآبرو کی بحالی کی واحد اور صحیح اور ''پر امن'' راہ، صرف اِسلامی جہاد ہے، جو روزِ قیامت تک جاری رہے گا - یہ سارے کے سارے صرف تماش بینوں کا کردار ادا کرتے رہے۔ عرب قائدین وسیاست دانوں کا تو بہت ہی بُرا حال ہے، وہ تو اپنے محلات و باغات میں دادِ عیش دیتے پھر رہے ہیں، اپنی راحت وآسایش کا معمولی حصہ بھی فلسطین کے لیے قربان کرنے کو تیار نہیں، چناں چہ وہ ''زمینی سچائی'' کے اعتراف کر لینے پر ایمان رکھتے ہیں اور تمام مسلمانوں کو اپنے نقطہ ہائے نظر کو تسلیم کر لینے کی دعوت دیتے رہتے ہیں۔

جہاں تک غیر اسلامی اُن عام فلسطینیوں کا تعلق ہے جو مُعزِّزانہ جدوجہد آزادی پر ایمان نہیں رکھتے، تو وہ عقیدے سے عاری سیاسی سوچ کے ساتھ اِس کش مکش میں ہاتھ ڈال رہے ہیں، جس کا مقصد صرف ایک فلسطینی ریاست کا قیام ہے، خواہ وہ ڈھیلی ڈھالی اور بے اساس کیوں نہ ہو اور خواہ اُس کے لیے بڑی سے بڑی قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔

میں نے بارہا لکھا ہے کہ: عرب وعجم کے تمام اسلام پسندوں کے نزدیک، قضیۂ فلسطین، صدفی صد ایک اسلامی اور عقائدی قضیہ ہے۔ قضیۂ فلسطین کی یہی حیثیت اُس کو

عرب وعجم کے سارے مسلمانوں اور مختلف نقطہ ہائے نظر کے فلسطینیوں کی طرف سے لائق توجہ وتعاون بناتی ہے اور اِسی حیثیت کو پیشِ نظر رکھ کر قضیہ فلسطین کا ہماری مرضی کے مطابق امن پسندانہ حل نکل سکتا ہے اور اِسی طرح ہم دشمنوں پر اپنی رائے مُسَلَّط کر سکتے ہیں اور دشمن ہمارے اوپر اپنی رائے نہیں تھوپ سکتا؛ لیکن اِس حیثیت کو نظر انداز کرنے کی صورت میں ہر چیز ہوسکتی ہے، جو ہو رہی ہے۔

وَاللّٰہُ غالبٌ عَلیٰ أَمْرِہٖ وَلٰکِنَّ أَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (یوسف:۲۱)

ترجمہ: اور اللہ اپنے معاملے پر غالب آنے والا ہے؛ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔



کروڑوں مسلمانوں کی موجودگی میں قدس ہرگز ضائع نہیں ہوگا(*)

جب عیسائی - جن میں سرِ فہرست امریکی، برطانوی اور عام یورپین ہیں - مسلمانوں سے اپنی خدا واسطے کی دشمنی کی بنیاد پر، اپنے نبی عیسیٰ علیہ السلام کے قاتلین (یہ ان کا اپنا ذاتی خیال ہے، اِس کے برعکس ہم مسلمانوں کا عقیدہ اپنی کتاب قرآن پاک کی صراحت کی مضبوط بنیادوں پر قائم ہے کہ حضرت عیسیٰ کو قتل نہیں کیا گیا؛ بل کہ اللہ نے اُنھیں آسمان پر اُٹھالیا) یہودیوں سے بغل گیر ہوکر، عالمِ عربی کے قلب اور فلسطین کی اسلامی عربی زمین میں، یہودیت کے ناپاک پودے کی بہ زورِ طاقت کاشت کر سکتے ہیں اور ۱۴/مئی ۱۹۴۸ء کو، مسلمانوں سے ناجائز طور پر ظلم و جارحیت کے ساتھ غصب کی گئی اسلامی سرزمین پر، عیسائیت اور دیگر اسلام دشمن طاقتوں کی کوشش اور حمایت سے پوری دنیا کے سامنے، عیسائی ایک آزاد اور خود مختار صہیونی ریاست کے قیام کا اعلان کر سکتے ہیں (اگر ایسا ہوسکتا ہے، یعنی دو بے جوڑ باتیں یک جا ہوسکتی ہیں اور دو دشمن، اسلام اور مسلمانوں سے انتقام لینے ے لیے، مُتَّحِد ہو سکتے ہیں اور مسلمانوں کی بیخ کنی، ایذا دہی اور طویل عرصے کے لیے دیس نکالا دینے کے لیے تقسیمِ کار کر سکتے ہیں) تو پھر کون سی چیز مسلمانوں کے باہمی اتحاد و اشتراک کی راہ روک رہی ہے کہ وہ اُس مکار دشمن کے خلاف سیسہ پلائی

(*) ترجمہ کلمۃ العدد، الداعی بہ عنوان: "لَنْ تَضِیعَ الْقُدْسُ وَوَرَاءَ هَا الْمَلْيَارَاتُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ" شمارہ:۶، جلد:۲۴، جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ = ستمبر ۲۰۰۰ء۔ ترجمہ اردو، شنبہ: ۴/ربیع الاول ۱۴۲۸ھ = ۲۰۰۷/۳/۲۴ء۔

دیوار بن کر کھڑے ہو جائیں، جو خدائی غیظ و غضب کا نشانہ بنا، خدا نے اُس پر لعنت بھیجی اور اس وقت گم کردہ راہ کر دیا، جب اُس نے ہدایت پر گم راہی کو ترجیح دی۔ حال آں کہ مسلمانوں کا دین ایک، کتاب ایک، نبی ایک، عقیدہ ایک اور اُن کا قبلہ بھی ایک ہے، اُن کے جذبات و احساسات بھی ایک ہی ہیں۔

عثمانی خلیفہ عبدالحمید کی قابلِ رشک جرأت:

جب عثمانی خلیفہ عبدالحمید (۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء = ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء) خلافت عثمانیہ کے تمام قرضوں کی ادائیگی کے بدلے، فلسطین کی ایک انچ زمین بھی یہودیوں کو دینے کے لیے تیار نہ ہوے اور بد باطن یہودیوں کے ذریعے، کئی ٹن سونے کی پیش کش کو بھی اُنھوں نے ٹھکرا دیا، حال آں کہ اُس وقت خلافتِ عثمانیہ سخت اقتصادی بحران سے گزر رہی تھی، تو پھر کون سی ایسی ضرورت آن پڑی ہے کہ عربی ممالک کے قائدین اور اسلامی ملکوں کے حکام- حال آں کہ اِن ملکوں کے پاس سیاہ سونے یعنی تیل کے ذخیروں کے زمین سے اُبل پڑنے کی وجہ سے، سونے، چاندی، نشان لگے ہوے گھوڑوں، جانوروں، باغات اور کھیتوں اور مال و دولت کی اتنی بڑی مقدار ہے، جو عثمانی خلیفہ عبدالحمید کے پاس ہرگز نہ تھی -تمام معاوضوں کو ٹھکرا نہیں رہے اور صہیونیوں، صلیبیوں- جن میں پیش پیش یہودیوں کے غلام امریکہ والے ہیں- کی تمام دھمکیوں، چیلنجوں اور پیش کشوں کے سامنے ثابت قدمی کا مظاہرہ نہیں کر رہے اور بہ یک آواز یہ نہیں کہہ رہے کہ ہم روئے زمین کے سارے مال و اسباب اور سامانِ آسایش کے بدلے بھی، فلسطین کی اسلامی زمین کے ایک انچ سے بھی دست بردار نہیں ہو سکتے اور یہ کہ خداے بخشندہ نے اپنے فضل و کرم سے جو کچھ ہمیں دیا ہے، وہ تمھارے اندوختوں سے کہیں بڑھ کر ہے۔ آخر کون سی چیز، برملا وہ بات کہنے کی راہ روکے کھڑی ہے، جو بات سیدنا سلیمان علیہ السلام نے ملکۂ سبا سے علی الاعلان کہی تھی:

أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ فَمَا آتَانِيَ اللَّهُ خَيْرٌ مِّمَّا آتَاكُم بَلْ أَنتُم بِهَدِيَّتِكُمْ

تَفرَحُونَ (نمل/۳۶)

ترجمہ: سو جو اللہ نے مجھ کو دیا ہے، بہتر ہے اُس سے جو تم کو دیا ہے؛ بل کہ تم ہی اپنے تحفے سے خوش رہو۔

عرب سربراہوں میں خودداری کا فقدان:

اِن عرب سربراہوں کو جانے کیا ہو گیا ہے کہ وہ اُس طرح سنجیدگی سے اُن دشمنانِ اسلام کو چیلنج نہیں کرتے، جو تاریخ میں عرب مسلمانوں کی شناخت رہی ہے اور جس کے وہ ہمیشہ خوگر رہے؛ کیوں کہ اُنھوں نے کبھی محض باتوں کا سہارا نہیں لیا اور کبھی لمبی چوڑی کھوکھلی باتیں نہیں کیں؛ بل کہ چیلنج، سربلندی اور خودداری کے حوالے سے، ہمیشہ اُن کی شناخت ایسی عملی کارروائی رہی ہے، جس سے مدِّ مقابل کے ہوش اڑ جاتے تھے اور دشمنوں کو اپنی سرکشی کا سلسلہ روکنے اور اپنے ارادوں سے باز آنے پر مجبور ہونا پڑتا تھا۔ سربراہانِ عرب، سلیمان علیہ السلام کے نقشِ قدم پر چلتے ہوے دشمنوں کو یہ چیلنج کیوں نہیں کرتے کہ:

ملعون یہودیو! کان کھول کر سن لو! ہم تمھارے اوپر ایسے لشکروں کے ساتھ دھاوا بول دیں گے، جن کا تم مقابلہ نہ کر سکو گے اور ہم تم کو ارضِ فلسطین سے بے عزت اور ذلیل بنا کر نکال دیں گے۔

عرب وعجم کے مسلمانوں کے اندر ہزار عیب اور خامی سہی؛ لیکن وہ آج بھی عربی اسلامی زمینوں کی ایک ایک بالشت سے اُن یہودیوں کو ذلت کے ساتھ کھدیڑ سکتے ہیں، جنھوں نے اسلام دشمن طاقتوں کے تعاون سے اِن زمینوں کو غصب کر لیا ہے، بہ شرطے کہ مسلمان اختلاف و انتشار کی تمام صورتوں کو خیر باد کہہ کر اتحاد کی راہ پر چل پڑیں، اپنے بکھرے گھر کو مرتب کر لیں، اپنا محاسبہ کرنے لگیں اور عقیدہ و انجام، غم و آرزو اور تاریخ و ثقافت، لازوال خدائی کتاب، متحدہ عربی محمدی زمینوں (جن کے کسی جز کو ایک دوسرے سے علاحدہ نہیں کیا جا سکتا) اور اُس عربی زبان کے قدرِ مشترک کو قبول کر لیں، جس کو اللہ کی

پسندیدہ زبان ہونے کی وجہ سے، وہ خود بھی دوسری زبانوں پر ترجیح دیتے ہیں۔

خصوصاً اِس لیے کہ اسلام اور مسلمانوں پر دھاوا بولنے کے لیے، ہمارے جانی دشمن متحد ہو رہے ہیں اور اسلامی زمینوں کے غصب کنندوں کی ہی منھ بھرائی کر رہے ہیں اور ہماری زمینوں میں اُن کے لیے نام نہاد تاریخی حق کی بات کر رہے ہیں۔ دوسری طرف دشمن، زمین اور مکان کے معمولی معاوضے پر فلسطین کے اصلی باشندوں کو راضی کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ معاوضے بھی کسی نہ کسی شکل میں ملعون یہودیوں سے نہیں؛ بل کہ عربوں اور مسلمانوں ہی سے اکٹھے کیے جائیں گے۔

قدس کا مقام و مرتبہ:

مشرق و مغرب کے گوشے گوشے میں بسنے والے مسلمانوں کے دلوں میں قدس کا عظیم ترین مرتبہ ہے؛ کیوں کہ اُس کی گود میں مبارک مسجدِ اقصیٰ واقع ہے، شہرِ قدس کو معراج کے موقع پر آپ ﷺ کی گزرگاہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مسلمان دوسرے مقامات کے سلسلے میں کسی چیرہ دستی اور بدتمیزی کو برداشت کر سکتے ہیں؛ لیکن فریب دہ امن و سلامتی (جس کا ظاہر رحمت ریز اور باطن ایذا اور عذاب دہی سے عبارت ہے) کے عوض قدس سے دست برداری کے بارے میں سوچنا تو درکنار، اُس کی شان میں کسی زیادتی کو بھی ہرگز برداشت نہیں کر سکتے۔ اللہ ہماری سوچ پر رحم کرے اور اِن مقدس و مبارک اسلامی زمینوں کے سلسلے میں ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرمائے، ہمیں راہِ مستقیم پر گام زن رکھے، راہِ حق کی طرف ہماری رہ نمائی کرے، ہمیں عزم و حوصلے اور جرأت و شجاعت کی دولت عطا کرے اور جس طرح ہم اپنی طویل تاریخ میں ظلم بے زار تھے، دوبارہ وہی خوبی ہمارے اندر ودیعت فرمادے۔

سَلِ الـرِّماحَ الْعَـوَالِيَ عَـنْ مَعَـالِيْنَا
وَاسْتَشْهِدِ الْبِيْضَ هَلْ خَابَ الرَّجَا فِيْنَا

ترجمہ: طویل نیزوں سے ہماری بلندیوں کا حال معلوم کرلو اور چمکتی تلواروں سے یہ شہادت لے لو کہ کیا ہمارے سلسلے میں کبھی ایسا ہوا کہ کوئی توقع پوری نہ ہوئی ہو؟۔

یاسر عرفات کا ایک مُعزِّزانہ مَوقِف:

یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ قضیۂ فلسطین کے تعلق سے بہت سے مسلمہ حقائق میں، یاسر عرفات سے بہت سی کوتاہیاں ہوئیں؛ لیکن دوسری کیمپ ڈیوڈ چوٹی کانفرنس میں خصوصاً قضیۂ قدس کے سلسلے میں اپنے اٹل موقف اور امریکی سرپرست یعنی (عالمی پولس مین امریکہ) سے دوٹوک انداز میں اُن کا یہ کہہ دینا کہ قدس اور مسجدِ اقصی کے متعلق کوئی فیصلہ لینے کا اُنھیں اختیار نہیں؛ اِس لیے کہ یہ دونوں تمام عربوں اور مسلمانوں کی ملکیت ہیں؛ اِن دونوں باتوں کی وجہ سے یاسر عرفات یکا یک سیاسی منظرنامے پر عام مسلمانوں کے عموماً اور فلسطینیوں کے خصوصاً چہیتے قائد بن کر اُبھرے ہیں، جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سارے اسلامی قضیوں میں، اِس پہلے قضیے سے مسلمانوں کا کس درجہ والہانہ لگاؤ ہے۔ اگر یاسر عرفات اِس کے علاوہ کوئی دوسرا موقف اختیار کرتے، تو سارے عرب اور مسلمان یک جُٹ ہوکر اُنھیں تھوتھو کر دیتے، وہ اُنھیں اتنی لعنت ملامت کرتے کہ جس کی نظیر اسلام اور مسلمانوں کی پوری تاریخ میں بہت کم ملتی۔ اگر یاسر عرفات اِس کے علاوہ دوسرا موقف اختیار کرتے، تو تاریخ اُن کی اِس بھیانک غلطی کو کبھی معاف نہ کرتی اور پوری دنیا کے مسلمان اِس حوالے سے اُن کا کوئی عذر قبول نہ کرتے اور اسلامی تاریخ کے سب سے ناپسندیدہ قائد بن گئے ہوتے۔ عرفات نے اپنے اِس موقف سے جہاں ایک طرف اپنی جرأت کا سکہ جما دیا ہے اور اپنی آبرو کی لاج رکھ لی ہے، وہیں دوسری طرف قضیۂ فلسطین کو صحیح رنگ وروپ دے دیا ہے۔

دوسری کیمپ ڈیوڈ کانفرنس میں جوں ہی امن مذاکرات کا ڈرامہ ناکامی سے دوچار ہوا، امریکی اور اسرائیلی حلقوں نے بڑھ بڑھ کے، ناکامی کی ذمے داری تنہا فلسطینی فریق پر

ڈال دی اور امریکی سرپرست اُس کو لعنت ملامت کرنے، الزامات دینے اور دھتکارنے لگا اور دائمی دارالحکومت کے طور پر پورے شہرِ قدس کو اسرائیل کے حوالے کر دینے کے، اسرائیلی موقف کو قبول کرنے پر آمادہ کرنے کے لیے، فلسطینی فریق پر ہر طرح دباؤ ڈالنے لگا۔

فلسطینیوں پر بل کلنٹن کا دباؤ:

بل کلنٹن، فلسطینیوں پر جو مبینہ دباؤ ڈال رہا ہے، اگر کوئی اُس سے اِس سلسلے میں باز پرس کرے، صہیونیوں کی جانب داری اور برملا حمایت پر کوئی اُس سے معقول وجہ طلب کرے، تو سوائے اِس کے اُس سے کوئی جواب نہ بن پڑے گا کہ وہ کہے- بہ شرطے کہ اُس کے اندر اخلاقی جرأت ہو- کہ بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہماری اسلام اور مسلمانوں سے پرانی دشمنی ہے اور ہم لوگ یہودیوں پر جان و دل چھڑکتے ہیں، جن سے ہمارے سیاسی مفادات بھی وابستہ ہیں؛ اِس لیے کہ آج ہماری سیاست، اقتصادیات، ذرائع اِبلاغ اور سراغ رساں اداروں پر یہودیوں کا اتنا زبردست کنٹرول ہے کہ قریب ہے کہ یہ سارے شعبہ ہاے حیات، اُس امریکی معاشرے کی زندگی کے اکثر شعبوں میں، صہیونی دانش وروں کے پروٹوکول کو ہی عملی جامہ پہنانے لگیں، جو مکمل طور پر صہیونی سیاست کا غلام بنا چاہتا ہے۔

کیا یہ بات کلنٹن کو سرِ راہ، تمام عالمی مجلسوں میں رسوا کرنے والی نہیں کہ وہ قضیۂ فلسطین میں ثالثی اور فلسطینیوں اور اسرائیلی دشمنوں کے مابین نام نہاد امن مذاکرات میں سرپرست کا رول ادا کرے اور امریکی سفارت خانے کو قدس منتقل کرنے کی دھمکی دے؛ اِس لیے کہ وہ اِس اقدام کے ذریعے نہ صرف یہ کہ سلامتی کونسل کی قرارداد (۲۴۲) کی خلاف ورزی اور ''مڈریڈ'' کانفرنس سے لے کر اب تک ہونے والی امن کارروائیوں کے تمام اصولوں کی دھجیاں اڑا رہا ہے؛ بل کہ وہ اِس کے ساتھ ساتھ، قضیۂ فلسطین میں ثالث اور امن ڈراموں کا سرپرست بن کر ریاست ہاے متحدہ کی ''سچائی پسندی'' کو بھی حرفِ تنقید کا محل بنا رہا ہے۔

ثالث اگر کسی ایک فریق سے مُتاثر ہو جائے، اور اُس کے حق میں عصبیت کا مظاہرہ کرنے لگے اور کسی ایک فریق کی کھلی طرف داری کرنے لگے، تو اِس کا صاف مطلب یہی تو ہے کہ وہ بھی متعلقہ قضیے کا ایک فریق ہے۔ وہ کوئی ایسا ثالث نہیں، جو اِنصاف کے اُن اُصولوں کی پاس داری کر سکے، جن پر ثالثی کی بنیاد ہوا کرتی ہے۔

اسرائیل کا سب سے بڑا مُشفِق و مُرَبّی امریکہ:

ریاست ہائے متحدہ، روزِ اوّل ہی سے اسرائیل کا سب سے بڑا مشفق و مربی رہا ہے، وہ اسرائیل پر مادی اور معنوی تعاون کے اتنے مُن برساتا رہا ہے کہ وہ عالمِ عربی کے قلب اور عربی اسلامی ملکوں کے بیچ، سب سے بڑی ایٹمی اور عسکری طاقت بن گیا، جو تنِ تنہا سارے عربی اِسلامی ممالک کو چیلنج کر رہا اور اُنھیں کھلی دھمکیاں دے رہا ہے۔ وہ کسی عالمی بازپُرس، یا اقوامِ متحدہ کی "تادیب" یا امریکی "ڈانٹ ڈپٹ" یا برطانوی "سرزنش" کی پروا کیے بغیر جو چاہتا ہے، کر گزرتا ہے۔

عربی خودداری، اسلامی حمیت اور اسلامی جہاد کے جذبے - جس میں تنہا اتنی صلاحیت و طاقت ہے کہ وہ چھینے ہوئے عز و شرف اور ہضم کیے گئے حقوق کی بازیابی کر لے - کے بغیر فلسطینیوں نے اب تک جتنے شکست خوردانہ مذاکرات کیے، وہ اب مطالبات و حقوق کے آخری اور نازک موڑ پر پہنچ گئے ہیں، جن میں سرِ فہرست "قدس" ہے، جس کو امریکہ اپنے لے پالک اسرائیل کو بہ طور ہدیہ دے دینے کی کوشش میں رات دن ایک کیے ہوا ہے۔ ناکامی و نامرادی کے اِحساس کے ساتھ وھائٹ ہاؤس فلسطینیوں کو دھمکیاں دے رہا ہے کہ وہ فوراً اُن بنیادی حقوق سے دست بردار ہو جائیں، جو اُن کے قضیے اور اُن کی وطنی شناخت کی بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ اِن دھمکیوں کی پشت پر امریکہ کی زبردست اِبلاغی یلغار کام کر رہی ہے، جو عربی اور اسلامی ممالک پر، ذلت و ماتحتی کی آخری شکل کو قبول کرنے کے لیے دباؤ ڈال رہی ہے۔

وہ دن دور نہیں جب اِسلام کی کوکھ سے

اِنْ شَاءَ اللّٰہ دوسرا اصلاح الدین جنم لے گا:

اگر دشمن متحد ہوکر پورے قدس کو نگل لینا چاہتا ہے اور اُس کی یہ خواہش ہے کہ وہ قضیہ فلسطین کے فائل کو ہمیشہ کے لیے اِس طرح بند کردے کہ سارے عرب اور مسلمان زمانہ دراز تک کفِ افسوس ملتے رہیں، یہاں تک کہ کوئی نیا ''صلاح الدین'' جنم لے- اِن شاء اللہ وہ دِن دور نہیں، جب اسلام کی کوکھ سے دوسرا اصلاح الدین جنم لے گا- تو پھر عرب اور مسلمان کیوں خوابِ غفلت سے بیدار نہیں ہوتے؟ اور متحد ہوکر، یک آواز بن کر کیوں یک بارگی اُس ملعون دشمن پر ٹوٹ نہیں پڑتے؛ تاکہ غفلت وکسل مندی، حمیت وعزت کے فقدان، ظلم کی مار سہنے اور ڈھیر سارے عزیز ترین حقوق، مقدس اسلامی شعائر اور لذیذ ترین احساسات- جن کے لیے رذیل قسم کے لوگ بھی اپنی جانوں پر کھیل جاتے ہیں، چہ جائے کہ محمد ﷺ کے شیر بچے، ابوبکر وعمر اور خالد بن ولید کے جانشیں اور صحرا نشیں وہ عرب، جو سچائی اور حق کے سوا کچھ اور نہیں جانتے- کے حوالے سے کسل مندی، کوتاہی اور کم نگاہی کے الزام سے اپنے آپ کو بری کرسکیں۔

عربوں اور مسلمانوں کا اتحاد واشتراک ناگزیر:

اِس نازک موقع سے عربوں اور مسلمانوں میں اتحاد واشتراک اور باہمی تعاون ناگزیر ہے۔ یہ انتہائی خطرناک بات ہے کہ عرب باہمی انتشار وافتراق کے شکار ہیں اور سنجیدگی کی بہ جائے غیر سنجیدگی کا مظاہرہ کررہے ہیں جب کہ صہیونی دشمن اور اُس کا امریکی سرپرست: دونوں ساری عربی زمینوں پر قبضے کو یقینی بنانے، باقی ماندہ عربی اسلامی بنیادوں اور نقوش کو اکھاڑ پھینکنے اور مسجدِ اقصی کے ملبے پر نام نہاد ہیکلِ سلیمانی کی تعمیر کے لیے، مسلسل سرگرم عمل ہیں۔

قدس اور فلسطین کا قضیہ، کوئی ایسا مقامی یا شخصی قضیہ نہیں کہ جس میں یاسر عرفات کی طرح کسی ایک آدمی، یا فلسطینیوں کی طرح کسی ایک قوم کو پیش روی یا پس روی کا حق حاصل ہو؛ بل کہ یہ ایسا نمبر ایک اِسلامی عالمی قضیہ ہے، جس میں ساری مسلم حکومتوں، سارے مسلم عوام اور سارے مسلم حکم رانوں کو کھڑا ہونا ضروری ہے۔

بلاشبہہ اِس جیسا کوئی قضیہ برباد نہ ہوگا، قضیۂ فلسطین ہرگرز رائیگاں نہ جائے گا جب کہ اِس کی پشت پر کروڑوں مسلمان ہیں، جن کے ہوتے ہوے دشمن اپنی مرضی کے مطابق - ان شاء اللہ - اُس کو اپنے حق میں حل نہ کروا سکے گا۔ ایسے مسلمان جو صرف اسلام کو اپنا مذہب اور محمد ﷺ کو اپنا نبی اور رسول، قرآن کو آخری خدائی کتاب، کعبہ شریف کو متحدہ قبلہ اور ساری عربی اسلامی زمینوں کو، محمد ﷺ کو تفویض کی گئی ایسی اِلٰہی ملکیت مانتے ہیں جو ساری امتِ اسلامیہ کی میراث ہے۔

ہاں کوئی ایسا حق، ہرگز ضائع نہ ہوگا، جس کی پشت پر اُس کے طلب گار موجود ہوں اور وہ بھی مسلمانوں جیسے ظلم بے زار، ظلم سے ٹکر لینے والے اور عدل وانصاف کو پھیلانے والے لوگ ہوں۔ قرآن میں ہے: وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَنْصُرُهُ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ.

ترجمہ: اللہ اُس شخص کی ضرور بالضرور مدد کرے گا، جو اُس کی مدد کرے۔ بے شک اللہ زبردست طاقت ور ہے (حج/۴۰)



جبینِ تاریخ پر اپنے پاکیزہ و گرم لہو کا نقش کندہ کرنے والے
یہ ننھے منے فلسطینی بچے (*)

ہم میں سے کون ہے، جس نے اخبارات کے صفحات میں اور ٹیلی وژن کی اسکرین پر، اُن فلسطینی بچوں اور جوانوں کے شان دار بہادرانہ کارناموں کی تصویریں اپنی آنکھوں سے نہ دیکھی ہوں، جنھوں نے دشمنوں کی گولیوں، اُن کے میزائلوں اور ٹینکوں کا مقابلہ اپنے ننگے جسموں سے کیا اور جو دشمنوں کے بھاری بھرکم عسکری آلات کے سامنے خدا پر ایمان کی طاقت سے لبریز اور خدا و رسول کی محبت سے بہرہ ور سینے کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔

یہ ایسے معصوم بچے ہیں، جن کا اسرائیلی فوج تعاقب کر رہی ہے، اُن پر گولیاں برسا رہی ہے اور اُن پر آتش و آہن کے دہانے کھول رہی ہے۔ اُن کا جرم بس اِتنا ہے کہ اُنھوں نے خنزیروں اور بندروں کی اولاد اور شیطان کے بندوں کو اُس عربی اسلامی سرزمین سے کھدیڑنے کا عزم کر رکھا ہے، جس کی گود میں، شبِ معراج میں آپ ﷺ کی گزرگاہ اور قبلۂ اول کا شرف رکھنے والی مسجدِ اقصیٰ واقع ہے۔

یہ ایسے جوشیلے اور دلیر جوان ہیں، جن کے اندر ایمان کی آگ دہک رہی، یہ غیرت و خودداری کے عناصر سے لبریز ہیں۔ راتوں کا طویل سناٹا، گھٹا ٹوپ اندھیرا، دشمن کی

(*) ترجمہ کلمۃ المحرر، الداعی، شمارہ: ۸، جلد: ۲۴، شعبان ۱۴۲۱ھ = نومبر ۲۰۰۰ء ۔ ترجمہ اردو: شنبہ ۴/۳/۱۴۲۸ھ = ۲۴/۳/۲۰۰۷ء۔

دندناہٹ، دوستوں کی جگ ہنسائی، اپنوں کی بزدلی اور غیروں کی سازشوں کو دیکھ دیکھ جب وہ تنگ آ گئے، تو اُنھوں نے یہ ٹھان لیا کہ وہ اِس ناپسندیدہ موقف، قابلِ نفرت حالت؛ نیز اہلِ ایمان، حاملینِ قرآن اور اُمت محمدیہ کے لیے اِس ذلت آمیز صورت حال کو تبدیل کرنے ہی دم لیں گے۔ اُنھیں اِس مقصد کے لیے ہتھیاروں کی تلاش ہوئی، تو سوائے سنگ ریزوں اور اپنی معصوم و پاک جانوں کے، اُنھیں کچھ بھی ہاتھ نہ آیا؛ چناں چہ اِس راہ میں اِنھوں نے اپنی جانوں کی بھرپور قربانی پیش کی؛ اِس لیے کہ اِنھیں معلوم تھا کہ عز و شرف کے ساحل تک رسائی، جوش مارتے گرم گرم لہو اور عظیم قربانیوں کے سمندر کو عبور کرنے کے بعد ہی، ممکن ہے۔

یہ ایسے ننھے مُنے بچے ہیں، جنھیں زندگی کی شیرینی و تلخی سے کبھی سابقہ نہیں ہوا، البتہ اِنھوں نے اِیمان کی چاشنی سے خوب حظ اٹھایا ہے؛ اِسی لیے اِنھوں نے چھینی گئی عزت و آبرو اور بے دریغ ضائع کی گئی شرافت کی بازیابی کی راہ میں بڑھ بڑھ کر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہے۔

برادرانِ خنازیر اور قاتلینِ انبیا یہود اپنی بندوقوں کی گولیوں کا نشانہ اِن بچوں اور جوانوں کے سینوں پر سادھتے ہیں اور گولی لگتے ہی وہ زمینوں پر گر کر ابدی نیند سو جاتے ہیں۔ اِنھیں ملائکہ اپنی بانہوں میں لے لیتے ہیں، جنت کی حوریں پروانوں کی طرح اِن پر گرتی ہیں، مقدس روحیں اور ابدی زندگی میں نعمتوں کے باغات اُن کا استقبال کرتے ہیں۔

صہیونی اور اُن کے جگری دوست فرزندانِ مغرب، جن پر مادیت کا اِتنا غلبہ ہے کہ یہ لوگ ہر چیز کو مادے، مال و منال اور اسباب و راحت کی عینک سے ہی دیکھتے ہیں، کبھی اُس لذت سے بہرہ ور نہیں ہو سکتے، جس سے اللہ کی رضا کے متلاشی اِن مسلمانوں کے جسموں سے نکلنے والی پاک روحیں، نکلنے کے معا بعد لطف اندوز ہو جاتی ہیں۔

اِس دھما کہ خیز صورتِ حال اور اثر انگیز ایمانی اور روحانی مناظر کی قلم، فلسطین میں چند ہفتوں کے دوران اُن جاں باز مسلم جوانوں نے لگائی ہے، جنھوں نے پاکیزہ لہو، پختہ

یقین اور اِیمان کی روشنائی سے تاریخ کے اوراق میں ایسے سنہرے حروف رقم کیے ہیں، جو کبھی نہ مٹیں گے، خواہ دنیا اور دنیا کے سارے نقوش مٹ جائیں۔ ایسے حروف جنھیں اگر کوئی مومن پڑھتا ہے، تو اُس کے ایمان پر سان چڑھتی ہے، اُس کی فکر میں تازگی آتی ہے، اُس کا یقین پختہ ہوتا ہے، اُس کی ایمانی غیرت جوش مارنے لگتی ہے اور اُس کا یہ احساس طاقت ور ہو جاتا ہے کہ ملعون صہیونی، صرف طاقت کی زبان ہی سمجھیں گے، وہ صرف جہاد کی آواز سے لرزیں گے اور کانپیں گے اور چھینے گئے حقوق سے دست برداری پر اگر کوئی چیز اُنھیں مجبور کر سکے گی، تو وہ ہمہ گیر انتفاضہ، عمومی انقلاب اور وہ فیصلہ کن اور آخری جنگ ہوگی، جس میں عرب نو جوانوں کا خون بہایا جائے گا؛ تا کہ عربی صحرا اور فلسطینی زمین اچھی طرح سیراب ہو جائے اور اُسی خون کے دریا میں صہیونی ہمیشہ کے لیے غرق ہو جائیں۔ اِن شاء اللہ۔



حالیہ انتفاضے کا، ناقابلِ فراموش سبق(*)

۲۸ رستمبر ۲۰۰۰ء کو جس وقت اسرائیلی لیکوڈ پارٹی کے سربراہ ''اریل شیرون''[۱] نے، ''براک''[۲] حکومت کی طرف سے فراہم کردہ تین ہزار اسرائیلی افواج کی سخت سیکورٹی کے سایے میں، اپنے ناپاک قدموں سے مسجدِ اقصی کی بے حرمتی کی تھی، شاید اُس وقت اُس کے خانۂ خیال میں یہ بات نہ رہی ہوگی کہ اُس کے اِس اِقدام سے صورتِ حال اتنی دھماکہ خیز ہوجائے گی، اِس لیے کہ وہ تو یہ خیال کیے بیٹھا تھا کہ فلسطینیوں کی نسلِ نو ''تعلقات کو معمول پر لانے'' نیز سیکولرزم اور عالم گیریت کے کلچر کے سایے میں پروان چڑھی ہے اور چوں کہ یہ نسل ذلت وشکست خوردگی اور ''امن معاہدوں'' کے ڈراموں کے بیچ پلی بڑھی ہے؛ اِس لیے وہ فریب خوردوں کی طرف سے اِن طویل نامراد سالوں کے دوران، سازشوں اور دسیسہ کاریوں اور باہمی تعاون سے دست کشی کی کارروائیوں اور ہمت شکنیوں - جن کی وجہ سے ذلت وخواری اور امریکہ واسرائیل کے ''دیو'' کے سامنے سجدہ ریزی کے سوا کوئی اور نتیجہ ہاتھ نہیں آیا - کے کلچر کو اچھی طرح جذب کرچکی ہوگی۔

اریل شیرون کو یہ توقع نہ تھی:

میرے خیال میں اریل شیرون کو قطعاً یہ توقع نہ تھی وہ مسجدِ اقصی کی بے حرمتی کرکے،

(*) ترجمہ اداریہ (کلمة العدد) بہ عنوان: "الدَّرْسُ الَّذِيْ يَنْبَغِيْ أَنْ نَعِيَهُ مِنَ الْاِنْتِفَاضَةِ الْحَالِيَّةِ" الداعی، شمارہ: ۸، جلد ۲۴، شعبان ۱۴۲۱ھ = نومبر ۲۰۰۰ء۔ ترجمہ اردو: بہ روز یک شنبہ ۱۴۲۸/۳/۵ھ = ۲۰۰۷/۳/۲۵ء۔

(۱) یہ شخص، بعد میں اسرائیل کا وزیرِ اعظم بن گیا تھا اور ۷/مارچ ۲۰۰۱ء سے ۲۱/نومبر ۲۰۰۵ء نیز ۲۱/نومبر ۲۰۰۵ء سے ۴/جنوری ۲۰۰۶ء تک دو مرتبہ دو پارٹیوں ''لیکوڈ'' اور ''کیڈیما'' کی طرف سے وزیرِ اعظم رہا۔

(۲) یہ شخص ۶/جولائی ۱۹۹۹ء سے ۷/مارچ ۲۰۰۱ء تک اسرائیل کا وزیرِ اعظم رہا تھا۔

گویا بھڑ کے چھتوں کو چھیڑ رہا ہے اور اُن شیروں کی کچھاڑ میں ہاتھ ڈال رہا ہے، جو برہنہ جسموں اور کھلے سینوں ہی صہیونیوں کے گھونسلوں پر ٹوٹ پڑے تھے، اُنھوں نے اپنے جسم کے ٹکڑوں کو پنجہ بنالیا، اُن کے ہاتھوں کے سنگ ریزوں نے گولیوں کا روپ دھار لیا، اُن کے ایمان نے میزائل کی شکل اختیار کرلی، اُن کی جرأت وشجاعت نے ٹینکوں کا کام کیا اور پہاڑ کی طرح مضبوط اُن کے عقیدے توپ خانے بن گئے، جن کے سامنے دشمن کے سارے ہتھیار اور اسلحہ خانے دھرے کے دھرے رہ گئے اور اُن توپ خانوں نے ایک ایسا سخت زلزلہ برپا کردیا کہ نہ صرف فلسطین؛ بل کہ پوری دنیا میں دشمنوں کے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی۔

انتفاضے نے یہ ثابت کردیا ہے کہ:

انتفاضے نے ایک بار پھر، اُن لوگوں کو بھی، جو صرف مفادات کی نظروں سے دیکھتے، مفادات ہی کی باتیں سنتے اور مفادات ہی کی بولی بولتے ہیں، یہ ثابت کر کے دکھلا دیا ہے کہ فلسطینی عوام اور پوری دنیا کے عربی وعجمی مسلمان تعلقات کو معمول پر لانے اور امن معاہدوں کی ساری شکلوں کو مسترد کیے دے رہے ہیں، جن میں ہماری قوم کے وہ شکست خوردانہ ذہنیت رکھنے والے افراد لگے ہوے ہیں، جنھوں نے ملعون یہودیوں کے حوالے سے قرآنی تصریحات پر اعتماد کی بہ جائے، یہودیوں پر بھروسہ کیا اور یہ یقین کرلیا کہ یہودی اپنے وعدوں پر کاربند رہیں گے اور معاہدوں کی پابندی ضرور کریں گے۔

انتفاضے کے بچوں اور جوانوں کے ساتھ دشمنوں کے رویّوں سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ اُن کے ساتھ امن وسلامتی کا معاہدہ فریب دہ سراب ہے؛ مہلک زہر ہے اور ایسا خواب ہے، جس کی کوئی تعبیر نہیں؛ ایک بے آب وگیاہ چٹیل میدان ہے، جس کا کوئی کنارہ نہیں اور ایک ایسی کوشش ہے، جس کا کوئی فائدہ نہیں۔

اِنتفاضے نے یہ باور کرادیا ہے کہ فلسطینی عوام – خصوصاً فلسطینی بچے اور جوان –

اِسرا، معراج اور قبلۂ اول والی مقدس سرزمین کی حفاظت کے لیے کسی بھی حد تک جاسکتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر بڑی سے بڑی قربانیاں پیش کرنے کے لیے بھی پوری طرح کمربستہ ہیں۔

اِسی طرح انتفاضے نے یہ باور کرادیا ہے کہ ہمارے رہ نما، قائدین اور سربراہانِ حکومت خواہ کتنی بھی لاپروائی اور کوتاہی سے کام لیں اور اپنے موقف سے دست بردار ہوتے رہیں؛ لیکن فلسطینی عوام اور سارے عربوں اور مسلمانوں نے، نہ ماضی میں قضیۂ فلسطین کے حوالے سے کوتاہی کی اور نہ مستقبل میں اِس کی توقع ہے اور یہ کہ امت مسلمہ کا فیصلہ واضح اور دوٹوک ہے۔ اُس کا عمل ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی مرضی کے معیار پر پورا اترنے والا ہے اور اُس کا موقف، گراں قدر اور عظیم ہے اور اُس کے عزائم اتنے پختہ ہیں کہ سارے دشمنوں کی سازشیں مل کر بھی اُن کا بال بیکا نہیں کرسکتیں۔

انتفاضے نے یہ بھی باور کرادیا ہے کہ قائدین اور سیاست داں جتنا چاہیں، تردد اور بے یقینی کے عمل سے گزریں، گھٹیا سیاسی مفادات کی زبان بولیں اور اُس ''اعتدال پسندی'' اور ''توازن'' کے تصورات کی راہ پر چلیں، جو دشمنوں کے تراشیدہ ہیں اور اُنھوں نے ہی اُنھیں اُن کے ذہنوں میں سجایا ہے؛ وہ جو کچھ بھی کریں، فلسطینی عوام تو صرف ایک اٹل اور مضبوط موقف سے آشنا ہیں۔ وہ موقف یہی ہے کہ اسرائیل ہرگز ہرگز امن و آشتی پر ایمان نہیں لائے گا، نہ اُس پر صبر کرے گا اور نہ ہی اُس راہ پر آیندہ چلے گا؛ اِس لیے اُس کے ساتھ صلح صفائی کا کیا مطلب ہے؟ اسرائیل کے ساتھ صلح جائز ہے، نہ اِس سلسلے میں وقت اور مال ضائع کرنا جائز ہے اور نہ ہی اِس مقصد کے لیے، اُن بہت سے مسلمہ ایمانی حقائق سے دست برداری اور نہ اُن حقوق سے لاپرواہی، جائز ہے، جن پر اِصرار اور ثابت قدمی کو شریعت بھی لازم قرار دیتی ہے اور عربی وقومی غیرت وخودداری بھی۔

انتفاضے نے یہ بھی باور کرادیا ہے کہ فلسطینی عوام، جاں نثاری وقربانی کی طرف اگر ایک قدم بڑھاتے ہیں، تو زمین کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک بسنے

والے مسلمان اس راہ میں اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لیے دو قدم آگے بڑھتے ہیں۔ فلسطینی قوم اور دنیا کے بسنے والے مسلمانوں کے بیچ اگر کوئی چیز حائل ہے، تو وہ موجودہ زمانے کے انسانوں کی مقرر کردہ ثغور و حدود ہیں، یا قائدین و سیاست دانوں کی عائد کردہ رکاوٹیں۔

اِس انتفاضے نے یہ بھی باور کرا دیا ہے کہ عرب و عجم کے سارے مسلمانوں کے دل ایک ساتھ دھڑکتے ہیں، اُن کی عقلیں ایک ہی بات سوچتی ہیں اور یہ کہ مشرق و مغرب میں اُن کا ایک ہی موقف ہے۔ ایک ایسا موقف، جو تمام حیثیتوں سے بے نیاز اور مفادات کی آلایش سے پاک ہے، یہ ایسا ٹھوس موقف ہے، جس میں سازشیں اور دسیسہ کاریاں بھی سیندھ نہیں لگا سکتیں، یہ موقف کسی سے خوف نہیں کھاتا۔ نہ واشنگٹن سے، نہ یورپی یونین سے؛ نہ مشرقی بلاک سے۔ اِس موقف کو وہ زبردست صہیونی عسکری آلات بھی کم زور نہیں کر سکتے، جنھیں امریکہ اور یورپ نے عالمِ عربی کو کم زور کرنے کے لیے بنایا اور صہیونیوں کو عطا کیا ہے۔

دل کی گہرائیوں اور بدن کے رگ و ریشے میں پیوست اصلی اور خالص ایمان یہ نہیں جانتا کہ ذلت و رسوائی، شکست خوردگی و پس روی، خوف و دست برداری، جمود و تعطل اور سوائے خدا کے دوسری چھوکھٹوں پر جبہہ سائی کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ اِس قسم کا ایمان مفادات، وقت کے تقاضے اور موجودہ صورتِ حال کے نام پر بزدلی اور فرار سے بالکل نا آشنا ہوتا ہے، وہ عقل کے فتووں کو نہیں سمجھ پاتا۔ وہ تو صرف محبت کے فیصلے، وفاداری کی وصیت اور جاں نثاری کے ایما اور روح کے اِشارے پر چلتا ہے اور بس۔

نہتے جوانوں نے، موت کی صنعت کو تازہ کر دیا:

بلاشبہ ہماری عربی اسلامی زمین: فلسطین کے اِن نہتے جوانوں نے موت کی اُس صنعت کے فن کو از سرِ نو ہمارے ذہنوں میں تازہ کر دیا ہے، جس میں صحابۂ کرام اور ساری اسلامی تاریخ میں اُن کے نقشِ قدم پر چلنے والے مخلص افراد ماہر تھے۔ فلسطین کے اِن

معصوم بچوں نے ''رافع'' اور ''سمرہ'' رضی اللہ عنہما(۱) کی سنت کو زندہ کر دیا ہے، اِن بچوں نے ہمارے قائدین و سیاست دانوں کو سپاہیانہ خدمت گزاری اور ہتھیار اٹھانے کے اعزاز کے حصول کا درس دیا ہے اور ہمیں یہ سکھایا ہے کہ ہم کس طرح گولیوں کے لمس کو محسوس کر سکتے ہیں، کس طرح موت کو گلے لگا سکتے ہیں اور کس طرح ہم عزم و حوصلے کے ساتھ ہنستے، مسکراتے اور جھومتے ہوئے موت کی باہوں میں جھول سکتے ہیں۔

اِن جوانوں اور بچوں کو (جن پر ذرائع ابلاغ اپنا اثر ڈال سکے اور نہ اُن پر وہ سیکولر تعلیم کے طریقے کارگر ہو سکے، جنھوں نے صورتِ حال کے سامنے ڈھیر ہو جانے اور فلسطین پر صہیونی قبضے کو بہ خوشی تسلیم کر لینے کے سارے جتن کیے) اچھی طرح معلوم ہو گیا ہے کہ آزادی کی قیمت بہت بڑی ہوتی ہے اور یہ کہ خودداری اور عزت و آزادی کی راہ میں کانٹوں پر چلنا ہوتا ہے اور بڑی قربانیاں دینی ہوتی ہیں۔

دنیا بھر کے مسلمانوں کا مظاہرہ:

فلسطینیوں کی ساری جماعتوں نے اپنی قربانیوں کے ذریعے، دنیا بھر کے مسلمانوں نے اپنے مظاہروں، احتجاجوں اور اپنی تایید و تعاون کے ذریعے، یہ بتلا دیا ہے کہ وہ کم زوری اور ذلت و پسپائی کی اُس صورتِ حال کو مسترد کرتے ہیں، جس کو امت عربیہ، امتِ مسلمہ اور خصوصاً فلسطینی قوم پر تھوپنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ قومِ مسلم اپنے قائدین و حکام سے یہی مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اپنی ذمے داریوں کو سمجھیں، ظلم بے زاری کے معیار پر کھرے اتریں، اُن خنزیرزادوں اور کتوں کی اولادوں سے انتقام لینے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں، جو اُمّتِ مسلمہ کی آبرو کو نوچ کھا رہے ہیں، اُس کی مبارک زمین کو غصب کیے لے رہے ہیں اور آخرش اُس کو اِس طرح بے بس و مجبور کر ڈالنے کی دن رات کوشش

(۱) اِن دونوں صحابیانِ رسولؐ رضی اللہ عنہما کا مختصر تعارف آیندہ مضمون (آنسوؤں اور دعاؤں کا نذرانہ پیش ہے...) کے حاشیے پر آ رہا ہے۔

میں لگے ہوئے ہیں کہ وہ صہیونیوں کی اُن جوتیوں کو چاٹتی پھرے، جن کے ذریعے اِس مبارک سرزمین کی بے حرمتی کی جارہی ہے۔

پاکیزہ لہو رائیگاں نہ جائے:

گزشتہ پچاس سالوں اور حالیہ انتفاضے میں ۱۸سال سے کم عمر کے بچوں کے نازک جسموں سے جو پاکیزہ لہو بہائے گئے ہیں، وہ رائیگاں نہیں جانا چاہیے۔ ہمیں دشمنوں سے اِس طرح انتقام لینا چاہیے، جس سے ہماری حیثیت بہ حال ہو، اُس کی وجہ سے کافرانِ خدا: صہیونی وصلیبی وصنم پرست دشمنانِ اسلام چراغ پا ہوں، خاک چاٹنے پر مجبور ہوں، اپنے کیے پر شرمندہ ہوں، ذلت وپستی کے گڑھے میں اوندھے منہ جا گریں اور اُس لعنت کی کڑواہٹ چکھتے رہیں، جو اللہ نے اُن پر مسلط کی ہوئی ہے۔

۱۲سال کے رامی محمد جمال الدرۃ(۱) اور عمر میں اُس سے چھوٹے یا کچھ بڑے، اُس کے ساتھیوں کے خون سے تاریکیوں کے بادلوں کو دور دور تک صاف ہوجانا چاہیے، روشن صبح کی نمود ہونی چاہیے اور شبِ دیجور کے اُن چمگادڑوں کو اپنی راہ لینی چاہیے، جس نے اپنی عفونت سے پوری فضا کو قابل تَنَفُّر بنادیا ہے۔

اِن معصوموں کے خون سے آزادی کی فصل اُگنی چاہیے، ظلم کا پودا بیخ و بن سے اکھڑنا چاہیے، ظالموں کا قلع قمع اور مظلوموں کی فتح اور بے بسوں کا دفاع ہونا چاہیے۔ اِن کے لہو سے اُن صابر وشاکر مجاہدوں کے سامنے راستہ کھلنا چاہیے، جو راہِ خدا میں موت کی لذت سے آشنا ہیں، جو ذلت کی زندگی سے سخت نفرت کرتے ہیں اور جنھیں سانپ کے جسم کی نرمی وگدازی اور اُس گولی کی سختی ودرشتی کے مابین واضح فرق کا اچھی طرح اندازہ ہے، جو اللہ کی رضا کے لیے جہاد کرنے والے مجاہد کو ابدی نیند سلادیتی ہے اور وہ بہ خوشی اپنے رب کی جنت میں داخل ہوجاتا ہے۔

(۱) شہادت بہ روز شنبہ: ۲۹؍جمادی الاولی ۱۴۲۱ھ مطابق ۳۰؍ستمبر ۲۰۰۰ء۔

آنسوؤں اور دعاؤں کا نذرانہ پیش ہے

خون میں لت پت اور چیتھڑے چیتھڑے ہو جانے والی بچوں اور جوانوں کی لاشوں کو (*)

۲۸/ستمبر ۲۰۰۰ء = ۲۷/جمادی الاخری (بہ حساب ہندوستانی کلینڈر) و ۲۸/جمادی الاخری (بہ حساب عربی کلینڈر) ۱۴۲۱ھ جمعرات کو تین ہزار اسرائیلی پولس کے بیچ، اسرائیل کی لیکوڈ پارٹی کے ذلیل و بدباطن سربراہ، اپنے اسلاف (خنزیروں اور بندروں) اور شیطان کے بندوں اور قاتلینِ انبیا کے جانشیں: ایریل شیرون کے ذریعے، مسجدِ اقصیٰ کی بے حرمتی (اُس کو منہدم کر کے، اُس کی جگہ ہیکلِ سلیمانی کی تعمیر کے لیے کھلی ہوئی تمہید کے برملا اقدام کے تحت) امتِ مسلمہ کی نبض ٹٹولنے اور یہ معلوم کرنے کے لیے کی گئی تھی کہ وہ اِس قسم کے بھیانک جرم اور احمقانہ جرأت کے مقابلے میں کس حد تک غیظ وغضب کا اظہار کرسکتی ہے؟

فلسطینیوں نے، جو فلسطین کے اصل باشندے ہیں اور ملعون صہیونی دشمن کے راست نشانے پر ہیں، خصوصاً اور مسلمانانِ عالم نے عموماً، ایریل شیرون کی اِس وحشت ناک جرأت پر اپنے سخت غم و غصے کا اظہار کیا۔ فلسطینی، خاص طور سے جوانوں نے اِس دورے کی عملی مذمت کی اور صرف قولی مذمت پر اکتفا نہیں کیا، جس کے ہمارے رہ نما، قائدین اور حکم راں عادی بن گئے ہیں۔

(*) ترجمہ اشراقہ الداعی، بہ عنوان "تَحِيَّةُ دُمُوعٍ وَدُعَاءٍ إِلَىٰ أُطْفَالِ الدِّمَاءِ وَالْأَشْلَاءِ" شمارہ: ۸، جلد: ۲۴، شعبان ۱۴۲۱ھ = نومبر ۲۰۰۰ء۔

دنیا کے مسلمانوں کی، فلسطینی بھائیوں کے ساتھ حمایت:

کیا عربی اور کیا عجمی، سارے مسلمان دل و جان سے اپنے فلسطینی بھائیوں کی حمایت کے لیے اٹھ کھڑے ہوے، کھل کر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا، بڑے بڑے احتجاج اور مظاہرے کیے اور ہر سطح پر صہیونیوں اور اُن کے اسٹریٹیجک، عسکری، اقتصادی، سیاسی اور سفارتی حلیف: امریکہ کے بائیکاٹ کا واضح مطالبہ کیا، جو بالکلیہ اسرائیل ہی کی طرح مسلمانوں اور عربوں کا دشمن نمبر ایک ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کا اعتراف اگر ہم نے ابھی نہ کیا، تو آیندہ اپنے ہاتھوں سے لگام چھوٹ جانے کے بعد تو اعتراف کرنا ہی پڑے گا۔ پھر اُس وقت نہ چھٹکارے کی کوئی راہ ہوگی اور نہ ہی اُس وقت پچھتانے سے کچھ بھی ہاتھ آئے گا۔

آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی:

افسردہ دلوں اور آب دیدہ آنکھوں - ایسی افسردگی اور ایسی آب دیدگی، جس کی فصیح و بلیغ تعبیر سے بھی ہو بہو تصویر کشی نہیں ہوسکتی - سے میں نے اور میرے ساتھ دنیا کے کروڑوں مسلمانوں نے گزشتہ ہفتوں میں، فرزندانِ امتِ محمدیہ: اسلام کے شیر فلسطینی جوانوں اور بچوں کی دینی غیرت اور ایمانی جرأت کا لمحہ بہ لمحہ مشاہدہ کیا کہ اُنھوں نے کس طرح بے جگری سے کھلے سینوں، کفن میں لپٹے ہوے سروں اور ایمان کے ہتھیار سے مسلح دلوں سے صہیونیوں کی گولیوں کا مقابلہ کیا، نیز ہم نے بداعمال و بدکردار صہیونیوں اور اپنے رب پر ایمان رکھنے والے جوانوں کی ٹولیوں کے بیچ ہونے والی جھڑپوں کی خبروں پر پل پل نظر رکھی ہے۔

بہ خدا یہ منظر دیکھ کر ایمان میرے اندر جوش مارنے لگا، آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ ہزاروں بار میرے ضمیر نے مجھے ملامت کی اور عار دلائی کہ کیا میں بس اتنا

ہی کر سکتا ہوں کہ میدانِ جنگ، تیزی سے موت آنے والی جگہ، کشت و خون کے ایمانی منظر، انسانی چھٹائی کے کارخانے، عقیدہ و غیرت کی تجربہ گاہ اور انسانی خزانوں اور دینی عزائم کے مابین خطِ فاصل کھینچنے کے لیے نصب کسوٹی سے ہزاروں میل دور ایک پُر امن کمرے میں بیٹھ کر یہ چند ٹوٹی پھوٹی عبارت ہی لکھ سکتا ہوں اور بس؟۔

یہ نونہالانِ اسلام، قیمتی کھلونوں اور رنگ برنگی خوب صورت گڑیوں کی طرف اتنی تیزی سے نہیں لپکتے، جتنی تیزی سے وہ موت کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ یہ بچے شہادت پا کر ابدی زندگی، مرضیِ خدا اور حورِ عین کی طرف سرپٹ بھاگ رہے ہیں، ایک ایسی جنت کی جانب دوڑ لگا رہے ہیں، جس کی چوڑائی آسمان و زمین کو محیط ہوگی، اِنھیں اللہ کی اُس خوش نودی کو خریدنے کی جلدی مچی ہوئی ہے، جس کے برابر دنیا کی کوئی مہنگی سے مہنگی قیمت بھی نہیں ہو سکتی۔

۱۸ سال کے بچوں پر گولیوں کی بوچھار:

فلسطینی وزیرِ صحت ڈاکٹر ''ریاض الزعنون'' نے کہا کہ صہیونیوں نے فلسطینیوں پر جو گولیاں چلائی ہیں، اُس کی کیفیت و نوعیت پر ہونے والی تحقیقات اور تجزیوں سے پتہ چلا ہے کہ ۱۸ سال کے بچوں پر گولیاں چلانے کا تناسب ۵۲-۶۰ فی صد ہے۔

کس نے اِن چھوٹے بچوں کو، غیرت و ایمان، عقیدہ، مقدس مقامات اور اِسرا و معراج والی مبارک سرزمین کے دفاع کا سبق پڑھایا؟ کون ہے، جس نے اِن کے دلوں میں یقین کی آگ دہکا دی اور جہاد کا جذبہ ابھار دیا؟ آخر کس چیز نے اِن کے سینوں کو مؤثر اِسلامی شعور اور انقلابی ایمانی طاقت سے ایسے زمانے میں معمور کر دیا، جس میں عقیدے کے گراں قیمت سرمایے سے اِن کے دلوں اور عقلوں کو تہی مایہ کرنے کے لیے، سیکولرزم اور عالم گیریت کی ساری تدبیروں کو اِس لیے کام میں لایا گیا؛ تاکہ وہ ایسے عضوِ بے کار بن کر رہ جائیں کہ اُنھیں ایمان کا کوئی محرک، اسلام کا کوئی داعی اور جہاد کا کوئی مُنادِی حرکت

میں نہ لا سکے۔

بلاشبہ رافع بن خدیجؓ، سمرہ بن جندبؓ اور عفرار کے دونوں بیٹے: معاذؓ اور معوذؓ (۱) کے رب نے ہی اُن کے قلوب کو ایمان کی پونجی سے مالا مال کیا ہے، اُن کے دل کی پہنائیوں میں سرزمینِ اسلام کے دفاع کے لیے، جہاد کا جذبہ بیدار کیا ہے اور اُسی رب نے (اقتدار و کرسی کے دل دادوں اور اپنے بے گناہ بھائیوں کی لاشوں کے بدلے زوال پذیر عزت و جاہ کے طلب گاروں، یعنی تعلقات کو معمول پر لانے کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں کی تمام تر کوششوں کے باوجود) تھک ہار کر بیٹھ جانے اور اپنے موقف سے دست بردار ہو جانے سے نفرت کا سبق اُن کے دلوں میں جاگزیں کر دیا ہے۔

---

(۱) **رافع بن خدیج** بن رافع بن عدی بن تزید انصاری خزرجی مدنی رسول اکرم فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ غزوۂ بدر میں حضور ﷺ نے انھیں بچہ سمجھ کر شرکت کی اجازت نہیں دی؛ لیکن اُنھوں نے جنگ اُحد اور دیگر جنگوں میں شرکت کی۔ جنگ اُحد میں اُنھیں ایک تیر کا گہرا زخم لگا، اُنھوں نے تیر کو نکال تو لیا؛ لیکن اُس کا پھل نکل نہیں سکا، حتی کہ اُن کی موت تک اُن کے گوشت کے اندر رہ گیا۔ روایت میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تمھارے لیے قیامت کے دن گواہی دوں گا۔ وہ صحرا اور دیہات میں رہتے تھے۔ کھیتی اور سینچائی کے کاموں میں بڑا درک تھا۔ اُن سے بُشَیر بن یسار، حَنظلہ بن قیس، سائب بن یزید، عطار بن ابی رباح، مجاہد، نافع عمری اور اُن کے صاحب زادے رفاعہ بن رافع، اُن کے پوتے عبایہ بن رفاعہ اور دیگر تابعین نے حدیثیں روایت کی ہیں۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت علیؓ کے ساتھ اُنھوں نے جنگ صفین میں شرکت کی اور حضرت معاویہؓ اور اُن کے بعد کے زمانے میں مدینہ منورہ کے مفتی رہے تھے۔ اُن کے کئی صاحب زادے تھے۔ ۸۶ سال کی عمر میں ۷۴ یا ۷۳ھ میں وفات پائی۔ (سیر اَعلام النُّبلا ر ۳/۱۸۱-۱۸۲)

سمرۃ بن جندبؓ: اِن کا پورا نام اِس طرح ہے: سمرۃ بن جندب بن ہلال بن جریج بن مرۃ بن حرب۔ یہ حلفائے انصار میں سے تھے۔ اِن کی والدہ اِن کے والد کی موت کے بعد اِنھیں لے کر مدینہ آ گئی تھیں۔ اِن کی والدہ کی دوسری شادی ایک انصاری سے ہو گئی تھی۔ جنگ کے موقع پر حضور ﷺ انصاری لڑکوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ ایک لڑکے کا سرکارؐ کے پاس سے گزر ہوا، آپ ﷺ نے اُس کو شرکتِ جنگ کی اجازت دے دی۔ جب سمرہؓ نے اپنے کو پیش کیا تو سرکار ﷺ نے اُنھیں شرکتِ جنگ سے منع فرما دیا۔ سمرہؓ نے عرض کیا آپ ﷺ نے اِنھیں اجازت دے دی ہے اور مجھے کیوں منع فرما رہے ہیں، حال آں کہ اگر میری اِن کی کشتی ہو، تو میں اِنھیں مغلوب کر دوں گا۔ حضور ﷺ نے اِنھیں اُن سے کشتی لڑنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ سمرہؓ نے واقعی اُنھیں زیر کر دیا، تو حضور ﷺ نے اُنھیں جنگ میں شرکت ←

کم سِن بچوں کی شہادت کے واقعات:

۱۸، ۱۲ اور ۹ سال کے کم سن بچوں کی شہادت کے واقعات نے، اُمتِ مسلمہ کے ذہنوں میں اُن قابلِ فخر دنوں کی یاد تازہ کردی ہے، جو زمانے تک اُس وقت اِس اُمت کا طُرہ ٔ اِمتیاز رہا ہے، جب اُس نے سچے جہاد میں اسلامی شعائر اور دین کے مقدسات کے دفاع کے لیے اپنے پاکیزہ لہو کا نذرانہ پیش کیا تھا۔

فلسطینی نوجوان اور بچے کئی ہفتوں تک رات و دن ایک ایسی جنگ لڑتے رہے ہیں، جس میں آتش و آہن کے مقابلے پر برہنہ جسم اور ٹینکوں، طیاروں، میزائلوں اور بھاری بھر کم عسکری آلات کے مقابلے میں سنگ ریزے اور پتھر سے ہی کام لیا گیا۔

سنگ ریزے، بے گناہ اور ننگے سینوں پر لگنے والی گولیوں کا بھلا کیوں کر مقابلہ کر سکتے ہیں؛ لیکن یہ بہ ہر حال بے بس و مجبور کی آخری تدبیر ہے۔ اپنی آبرو کے حوالے سے ایسے غیرت مند مومن کی تدبیر ہے، جس پر کوئی مکار، بد باطن، مسلح بدکردار دست درازی کی

← کی اجازت دے دی۔ سمرہؓ بعد میں ''بصرہ'' میں مقیم ہوگئے تھے۔ زیاد بن ابیہ اپنی گورنری کے زمانے میں کوفہ آتے تو اُنھیں ہی وہاں اپنا جانشیں مقرر کرتے تھے۔ حضرت سمرہؓ سنہ ۶۰ ہجری سے قبل وفات پاگئے۔ ابن عبدالبرؒ نے فرمایا کہ وہ گرم پانی سے بھری دیگ میں گر کے مرگئے۔ (الإصابة في تمييز الصحابة ۲/ ۷۸-۷۹)

معاذ بن عفراء: اِن کا پورا نام اِس طرح ہے: معاذ بن الحارث بن رفاعہ نجاری انصاری خزرجی۔ یہ ''ابن عفراء'' کے نام سے مشہور تھے۔ ''عفراء'' اِن کی والدہ کا نام تھا۔

اوس و خزرج قبیلوں کے جن چھ خوش قسمت افراد کی بیعتِ عقبہ اولیٰ میں حضور ﷺ سے ملاقات ہوئی تھی، اُن میں حضرت معاذ بن عفراء بھی تھے۔ آپؓ بدریین میں ہیں، ابوجہل کے قاتلین میں سے ہیں۔ اُس کے بعد آپ حیات رہے تھے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپؓ کی وفات جنگِ بدر میں زخمی ہوجانے کی وجہ سے ہی ہوئی تھی۔ (الإصابة في تمييز الصحابة، ۳/ ۴۲۸)

مُعَوّذ بن عفراء: یہ مذکور الصدر معاذ بن عفراء کے حقیقی بھائی تھے۔ آپؓ بھی ابوجہل کے قتل میں جنگ بدر میں شریک تھے۔ ابو عمر حوضی فرماتے ہیں معوذ بن عفراء جنگ بدر میں حضورؐ کے سامنے زخمی ہوئے۔ ابن عبدالبر نے فرمایا، حضرت معوذؓ ابوجہل کو قتل کرنے کے بعد، دگر کفار سے لڑتے ہوئے جنگ بدر ہی میں شہید ہوگئے۔ (الإصابة في تمييز الصحابة ۳/ ۴۵۰)

کوشش کرے اور اُس کی مدد سے قیادت کا دم بھرنے والے وہ لوگ ہاتھ کھینچ لیں، جن کے ہاتھوں میں ہم پلّہ ہمہٖ مقابل جیسا؛ بل کہ اس سے آگے بڑھ کر جواب دینے کے سارے وسائل موجود ہوں۔

ہر چند کہ اِس مبارک انتفاضے میں تادم تحریر ۱۲۰ سے زائد فلسطینیوں کی شہادت ایسا سنگین معاملہ ہے کہ جس کی وجہ سے امتِ مسلمہ- یہاں اُن قائدین و سیاست دانوں کا استثنا ہے، جن کے قلوب پتھر کے ہیں، جن کی عقل وفکر پر جمود کا دبیز پردہ پڑا ہوا ہے اور جو ہمیشہ مسلمانانِ عالم کی دنیا سے کنارہ کش ہوکر کسی دوسری دنیا میں رہتے ہیں- کے تن بدن میں آگ لگی ہوئی ہے اور وہ اتحاد واشتراک کی گھنیری چھاؤں میں پناہ لے رہی ہے؛ لیکن ۱۲ سالہ ''رامی محمد جمال الدرۃ'' کا دانستہ قتل[1] صہیونیوں کی مجرمانہ ذہنیت اور اُس نادرالوجود بہیمیت کی واضح دلیل ہے، جو قاتلینِ انبیا کی شناخت رہی ہے، جن پر اللہ نے لعنت کی اور جن کو بندر اور خنزیر بنا کر دنیا میں ذلیل کیا۔

رامی محمد جمال الدرۃ کے قتل کی اَلَم انگیز کہانی:

اُس معصوم بچے کو صہیونیوں نے اپنے والد کی گود میں ہی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مغموم باپ نے خون کے آنسو رلانے والے اِس دردناک واقعے کو بہ زبانِ خود کچھ اِس طرح بیان کیا:

''میں اور محمد ایک کار دیکھنے جارہے تھے، جس کو میں خریدنا چاہتا تھا۔ ہم سڑک پر ہی تھے کہ اچانک ہم پر گولیاں چلنے لگیں؛ گولیاں لگنے کے ڈر سے میں اور محمد بھاگ کر سیمنٹ کے ڈھیر کے پیچھے جا چھپے؛ کیوں کہ گولیاں چلانے والے اسرائیلی فوجی ہمیں نشانہ بنانا چاہتے تھے۔ اِس دوران میں نے ہاتھ اٹھا کر فائر بندی کی فریاد کرکے محمد کو بچانے کی کوشش کی؛ لیکن فوجیوں نے ایک نہ سنی۔ جب فوجی تابڑ توڑ گولیاں برسائے ہی جارہے تھے؛ تو

---

(۱) بہ روز شنبہ: ۲۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ مطابق ۳۰ر ستمبر ۲۰۰۰ء۔

مجبوراً میں نے موبائل نکال کر اپنے ایک شناسا صحافی سے رابطہ کیا، تا کہ وہ ہمیں بچانے کے لیے ایمبولینس بھیجیں۔ ایمبولنس پہنچی، تو فوجیوں نے اُس پر بھی گولیاں برسادیں، جس سے ڈرائیور زخمی ہوگیا۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے ہاتھوں اور جسموں میں گولیاں کھا کر محمد کو بچانے کی اپنی سی کوشش کی؛ لیکن ایک گولی میرے بدن پر لگی اور دوسری محمد کے سینے میں پیوست ہوگئی۔

اپنے زخموں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوے ''رامی محمد جمال الدرة'' کے والد نے مزید کہا:

''دنیا مجھ پر تنگ ہوگئی، میں ایسی صورت میں کیا کروں، کچھ سمجھ میں نہ آیا؟ میرے سامنے زخمی بیٹا طبی امداد کا ضرورت مند تھا اور گولیاں مسلسل ہماری طرف آرہی تھیں؛ چناں چہ میں نے ہاتھ اٹھا کر فریاد کی کہ گولیاں چلانا بند کردو؛ میرا بیٹا مرا جا رہا ہے؛ لیکن گولیاں چلنی بند کیا ہوتیں اسرائیلی افواج مزید گولیاں برسانے لگیں۔ اُس وقت میرے بیٹے نے مجھ سے کہا: ابا جان! اپنے کو بچایئے، میں ٹھیک ہوجاؤں گا اور امّی سے عرض کردیجیے گا کہ میں اُن سے بہت محبت کرتا ہوں۔

بچے کے والد ''جمال الدرة'' نے کہا:

''یہ بات میری قوتِ برداشت سے باہر تھی، میں نے اپنے بیٹے کو آواز دی؛ لیکن تب تک وہ میری بانہوں میں ابدی نیند سو چکا تھا۔ یہ دیکھ کر میرے ہوش وحواس جاتے رہے اور میری سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا ہوگیا۔''

فرانسیسی ٹیلی وژن کے نامہ نگار - جس کو اللہ نے یہ توفیق بخشی کہ وہ اِس منظر کی تصویریں اپنے کیمرے میں بند کرلے جس نے پوری دنیا میں ہل چل مچادی اور قاتلینِ انبیا کی وحشت کو عالم آشکارا کردیا - نے کہا:

''یہ خطہ بالکل خالی تھا، ہر شخص کو یہ نظر آرہا تھا کہ یہاں ایک بچہ اور اُس کے ساتھ ایک دوسرا آدمی ہے؛ لیکن ایسا لگتا ہے کہ اِس خطے میں موجود ہر شخص کو قتل کرنے کا منصوبہ تھا۔''

۴۵ سالہ فلسطینی ڈرائیور: بسام فائز البلبیسی نے خود اپنی آنکھوں سے بچے اور اُس کے باپ کو اسرائیلی افواج سے گولیاں نہ چلانے کی فریاد کرتے ہوے دیکھا، وہ اِن دونوں کو بچانے کے لیے آگے بھی بڑھا؛ لیکن اسرائیلی شکاریوں کی گولیوں نے اس کی گاڑی کی اگلی کھڑکی کو پار کر کے، اُس کا کام بھی بہ عجلت تمام کر دیا۔[1]

راقم الحروف کا مشاہدہ:

راقم الحروف نے بھی اِس معصوم بچے کی شہادت کا دل دوز منظر پیش کرنے والی تصویروں کو دیکھا ہے کہ کس طرح یہ بچہ روتے بلکتے ہوے اپنے باپ کی پیٹھ کے اوٹ میں چھپ کر اُس کی بانہوں سے چمٹ جاتا ہے اور پھر اُس کی گود میں ہی دم توڑ دیتا ہے۔ اِس منظر کو جو کوئی صاحبِ قلب دیکھے گا، تو وہ خون کے آنسو روئے بغیر نہ رہ سکے گا۔ اللہ اور محمد ﷺ پر ایمان رکھنے والا کوئی بندۂ مومن دیکھے گا، تو بہ خدا اُس کی رگوں میں بہنے والا خون کھول جائے گا اور اُس کی غیرت کے سمندر میں اُبال آجائے گا۔ وہ صہیونیوں اور قولی و عملی سطح پر، یا بہ یک وقت دونوں سطحوں پر، یا کسی بھی طریقے سے اُن کی حمایت کرنے والوں پر ضرور لعنت بھیجے بغیر نہ رہ سکے گا۔ اللہ یہودیوں، اُن کے حامیوں، خصوصاً امریکہ پر لعنت کی بارش کرے، جو علی الاعلان یہودیوں کی حمایت سے شرم نہیں کرتا اور ہرگز شرم نہ کرے گا، خواہ یہودی سارے فلسطینیوں اور عربوں کا صفایا کر ڈالیں۔

فرانسیسی ٹیلی وژن (القناۃ الثانیہ یعنی چینل-2) کے بہادر کیمرہ مین: طلال ابو رحمۃ -جس نے اِس منظر کی فوٹو گرافی کی- نے اپنے ایک بیان میں کہا:

''وہ (کیمرہ مین) بچے اور اُس کے والد سے چار میٹر سے زیادہ دوری پر نہ تھا؛ لیکن مشکل یہ تھی کہ گولیاں اُس کے قریب ہی چل رہی تھیں، جس کی وجہ سے وہ اُن دونوں کی مدد نہ کر سکا۔ باپ زائد از ۴۵ منٹ اپنے ہاتھوں اور بدن سے اپنے بچے کو بچاتا رہا۔ کیمرہ

---

(۱) رسالہ الاخوان، لندن۔

مسلسل بلکتے بچے کی عکس بندی کرتا رہا، جس کے نتیجے میں وہ فلم تیار ہوگئی جس نے ساری دنیا کو یہودیوں کے جرائم کا گواہ بنا دیا ہے۔

جب باپ اور بیٹے کو بچانے کے لیے ایمبولنس آگے بڑھی، تو صہیونی افواج نے گولی مار کر ڈرائیور کو بھی جان سے مار ڈالا۔ (کیمرہ مین) کہتا ہے میرے خیال میں اِن مناظر پر مشتمل یہ فلم، فلسطینی اور صہیونی مذاکرات کاروں کو، اگلی بار جب کبھی وہ باہم یک جا ہوں، دیکھنی چاہیے؛ اِس لیے کہ شہریوں کی بڑی تعداد کو بلا وجہ ہی قتل کر دیا گیا ہے۔"(۱)

اِس الم انگیز منظر کو دیکھ کر پوری دنیا نے سخت ناگواری کا اظہار کیا اور اِس کی وجہ سے برطانیہ کے اخبار "انڈی پینڈنٹ" کو یہ کہنے پر مجبور ہونا پڑا کہ: "یہ ایک ایسی تصویر ہے، جو اپنی الم ناکی کے سبب عرصے تک دنیا کے دل و دماغ پر چھائی رہے گی۔" امریکی ٹیلی وژن (ABC) کی مشہور اناؤنسر "کارول سیمبسون" نے اپنے اخباری نشریے میں اِس فلم کا ایک سین اپنے ناظرین کو یہ کہتے ہوئے دکھایا: "تھوڑی دیر کے بعد جو منظر آپ کے سامنے آنے والا ہے، وہ بڑا سخت اور دردناک ہے۔"

اگر بلا اختلاف سارے طبقے کے فلسطینی جوانوں اور بچوں نے ایسی زندہ تصویریں، بہادری کے نایاب نمونے اور رضا کارانہ کارروائی کے منفرد مناظر، تاریخی صفحات میں ریکارڈ کرائے ہیں کہ جن کی وجہ سے دنیا کے بوڑھے اور ادھیڑ عمر کے لوگ حیرت زدہ رہ گئے؛ تو ۱۲ سال کے نوعمر "رامی محمد جمال الدرۃ" کی شہادت کوئی پہلا اور تنہا واقعہ نہیں تھا، جس نے دنیا والوں کی آنکھیں کھول دی ہوں اور انمٹ و ناقابلِ فراموش درس و عبرت کا خزانہ ہر ایک کے لیے چھوڑا ہو؛ بل کہ اِس مبارک انتفاضے کے دوران اِس قسم کے نمونوں کی کثرت رہی ہے:

۹ سال کا محمد ابو عاصی، مسجدِ اقصی کے لیے ماضی کی ہر ایک کارروائی میں بے انتہا ہمت و حوصلے کے ساتھ شریک رہا ہے، وہ دشمن کے خاردار تاروں کو پھاندنے سے کبھی

---

(۱) المجتمع، کویت۔

خوف زدہ نہ ہوا؛ چناں چہ اُس نے ٹائر جلا کر دشمنوں کی چھاؤنیوں پر حملہ کرنے کے لیے اپنے ساتھیوں کے سامنے راستہ کھول دیا؛ لیکن دشمنوں نے اِس بچے کے سینے میں بھی گولیاں اتار دیں اور یہ بچہ بھی شہید ہوگیا۔ ملائکہ رحمٰن نے اِس کی پاک روح کو جنت کی خوشبوؤں میں بسا کر زوال نا آشنا نعمتوں کے بیچ پہنچا دیا۔

۱۲ سالہ ''برار محمود'' نے اپنے بستے میں سنگ ریزے بھرے۔ قرآن کا ایک نسخہ، پانی کی ایک بوتل اور ایک چھری بھی ساتھ رکھ لی اور جہاد کے مقصد سے صبح سویرے ہی اردن سے فلسطین کے لیے روانہ ہوگیا۔ وہ ایک خط بھی چھوڑ گیا، جس میں اُس نے اپنے والدین سے اپنے اقدام کی اجازت چاہی تھی۔ اُس کو راستے میں پہاڑیوں سے ہو کر گزرنا پڑا، یہاں تک کہ وہ نیچے آ گرا، مگر گاؤں والوں نے اُسے بچالیا۔ وہ خط میں اپنے والد سے کہتا ہے: ''میں راہِ خدا میں جہاد کے لیے فلسطین جا رہا ہوں۔ مجھے معاف کر دیجیے؛ اِس لیے کہ میں نے کچھ سامان اور دس دینار اپنے ساتھ رکھ لیے تھے۔''

نوجوان ''محمد سبیتہ'' کی کہانی سنیے! وہ اپنے اہلِ خانہ کو سال بھر کا آب و دانہ دے کر، اپنا سارا مال اپنی بیوی کے حوالے کرتے ہوئے شہادت کی جانب لپکتا ہے۔ جب اُس کی بیوی واپسی کی درخواست کرتے ہوئے یہ کہتی ہے کہ مجھے کس کے رحم و کرم پر چھوڑے جا رہے ہو، تو جوان نے کہا: اللہ کے حوالے کیے جا رہا ہوں۔ یہ نوجوان بھی راہِ حق میں شہید ہوگیا۔

۳۰ ستمبر کو ''نابلس'' میں ایک ۱۴ سال کا نوخیز شہید ہوا جب کہ یکم اکتوبر کو ''غزہ'' میں ۱۲ سال کا ایک دوسرا نوجوان شہید ہوگیا۔

صرف ''ام الفحم'' میں ۲ اکتوبر ۲۰۰۰ء کو ۶۵ عربی زخمی اور ایک جوان فلسطینی شہری نے شہادت پائی۔ مغربی کنارے میں اُسی دن ایک جوان، جو ابھی سترہ ہی سال کا تھا، نے جوانی کی دہلیز پر قدم ہی رکھا تھا، بھی شہادت سے سرفراز ہوگیا۔

۴ اکتوبر کو شہید بچوں کی تعداد بڑھ کر بیس ہوگئی۔

انتفاضے کے بہادروں کے خلاف صہیونی جارحیت اِس حد تک پہنچ گئی ہے کہ

اسرائیلی افواج نے ۹ سال کے بچے: ''ولید محمود بہلول'' کی آنتیں پھاڑ ڈالیں اور اُس کی ران کی شہ رگ کاٹ ڈالی۔

کیمپ خان یونس کے ناصر ہسپتال کے انتہائی طبی نگہ داشت والے شعبے میں بیڈ پر لیٹے ہوئے، اُس بچے نے جو کچھ کہا وہ دل دہلا دینے والا ہے:

''میری تمنا ہے کہ میں اپنے پیروں سے چل کر اپنے اسکول جاؤں اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھیلوں۔'' یہ باتیں اُس نے پست آواز میں کہیں، باتیں کرتے ہوئے اُس کا بدن کانپ رہا تھا۔ بچپنا اور غم گین معصومیت اُس کے روئیں روئیں سے عیاں تھی۔

ایک بچے کو خاموش گولی (جس کا استعمال عالمی طور پر ناجائز ہے) اُس وقت جا لگی، جب وہ سیمنٹ کی بوریوں کے ڈھیر پر بیٹھ کر، اُن فلسطینی جوانوں کو بہ غور دیکھ رہا تھا، جو شہر ''رفح'' میں۔ ''یبنا'' کیمپ کے سامنے، جس میں یہ بچہ رہتا تھا۔ فلسطین و مصر کو الگ کرنے والے سرحدی سلسلے کی دونوں جانب خاردار تاروں پر لگے اسرائیلی جھنڈوں کو ہٹا رہے تھے۔ اچانک بچہ چیخ پڑا: ''آہ''! پھر وہ پیٹھ کے بل گر پڑا اور اُس کے کپڑے خون میں لت پت ہو گئے۔

جوانوں کے انتفاضے کا سبق:

اِن جوانوں کے — یعنی ایسے جوانانِ اسلام جن کے قلوب ایمانی روشنی سے جگمگا رہے ہیں، جن کے دل یقین کی دولت سے مالا مال ہیں، جن کی آنکھوں میں امید کی کرن چمکتی ہے، جن کے ہونٹوں پر سچائی اور محمد ﷺ کے ساتھ وفاداری کے ترانے ہیں اور جن کے دل کی گہرائیوں میں کوتاہی برتنے والے شکست پسندوں، تعلقات کو معمول پر لانے کا نعرہ لگا کر دھوکہ کھا جانے والوں اور موہوم امیدوں کی دنیا میں بھٹکنے والوں سے برارت کا جذبہ پنہاں ہے — جہاد اور شہادت کے بے پناہ جذبوں کی شان دار تصویروں سے مرکب اِس انتفاضے نے، ایک بار پھر یہ ثابت کر دیا کہ اسلامی اور فلسطینی عوام: دونوں

اس سلسلے میں ہم راے ہیں کہ فلسطین کی آزادی اور ملعون دشمن کے پنجوں سے مسجدِ اقصیٰ کو نجات دلانے کی راہ، صرف اور صرف جہاد کی راہ ہے اور یہ کہ صہیونی دشمن، طاقت کی زبان کے سوا کوئی اور زبان نہیں سمجھتا۔ یہ ایسا ہٹ دھرم دشمن ہے کہ لاٹھی ڈنڈوں کے بعد ہی کسی عہد و پیمان کی پروا کرتا ہے۔

پچھلے ایک مہینے میں بے دریغ بہائے گئے معصوم خونوں سے ہم مسلمانوں کو یہ سبق لینا چاہیے کہ شہدا کس طرح اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں؟۔ اِس سے ہمارا چین و سکون حرام ہو جانا چاہیے، ہماری آنکھوں سے نیند اڑ جانی چاہیے اور ہمیں اپنے خانۂ خیال میں غم و اَلَم کی اُن تصویروں کو نقش کرنا چاہیے، جن کے سایے میں بچوں اور جوانوں نے ارضِ مبارک، قیدی مسجدِ اقصیٰ اور آپ ﷺ کی غم زدہ گزرگاہ پر اپنی جان نثاری کے نمونے پیش کیے ہیں۔ نیز اس سے ہمیں یہ درس لینا چاہیے کہ ہم کس طرح موت کو گلے لگائیں اور عزت و وقار کی بازیابی کی راہ میں موت کو کس طرح زندگی پر ترجیح دیں۔

حکومت کی کرسیوں پر بیٹھے ہمارے قائدین اور سیاست دانوں کو یہ سبق لینا چاہیے، کہ تاریخی اور موروثی عز و شرف، اُس وقت تک محفوظ نہیں رہ سکتا، جب تک کہ اُس کی حفاظت کے لیے لہو کا نذرانہ پیش نہ کیا جائے اور یہ یقین بھی کر لینا چاہیے کہ ساری عزت و بڑائی اللہ، اُس کے رسول اور مومنین کے لیے ہے، اُن منافق صفت لوگوں کے اندر عزت و بڑائی کا کوئی شائبہ نہیں ہو سکتا، جو امریکہ، برطانیہ اور فرانس کے سامنے کاسۂ گدائی لیے پھرتے ہیں؛ نیز یہ بات بھی پلّے باندھ لینی چاہیے کہ بھیڑیے (صہیونی) کی فطرت ہرگز نہ بدلے گی، وہ اپنی عادت سے ہرگز باز نہ آئے گا، خواہ ہم خواب و خیال کی دنیا میں کتنا ہی بھٹکتے رہیں۔

صہیونیوں کی عہد شکنی:

کیا صہیونیوں نے اوسلو، مڈریڈ، کیمپ ڈیوڈ اور شرم الشیخ میں ہونے والے

معاہدوں میں بہت سارے وعدوں میں سے کسی ایک کو بھی پورا کیا؟ اِس کے سوا دیگر مقامات پر بھی جو معاہدے ہوے، اُن میں عربوں کو ہی صہیونیوں کے سامنے جھکنے پر مجبور کیا گیا۔ صہیونیوں نے سارے عہد و پیمان کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں؛ اِس لیے کہ اُنھوں نے اِن معاہدوں کی ایسی تاویل وتشریح کی، جس سے اُن کے شر انگیز مفادات روبہ عمل آتے ہوں اور جس سے فلسطینیوں کے مفاد میں جانے والی کوئی بھی بات ماننے پر مجبور نہ ہوسکیں۔

تو پھر ہم کیوں ذلت و رسوائی کا گھونٹ، حلق سے نیچے اتارے جارہے ہیں؟ ہم کیوں امریکہ سے خوف کھانے کی بہ جائے، خدا سے نہیں ڈرتے؟ ہم کیوں میدانِ جہاد سے پیٹھ دکھا کر بھاگتے ہیں اور آخر ہم کیوں اُن مشرق ومغرب والوں کی چوکھٹ پر اپنی جبین نیاز خم کررہے ہیں، جو اِسلام اور مسلمانوں کے درپے آزار رہتے ہیں اور جب جب ہمیں کوئی تکلیف اور نقصان پہنچتا ہے، تو وہ کھل کھلا کر ہنستے ہیں؟!۔



مسئلۂ فلسطین کے حوالے سے

مسلم حکم رانوں کی طرف سے ٹھوس اور فیصلہ کن موقف کا انتظار (*)

سالِ رواں (۱) کا یہ بابرکت مہینہ (رمضان) ہم پر اِس حال میں سایہ فگن ہورہا ہے کہ فلسطینی بچے اور جوان سبھی صہیونیوں کے خلاف مبارک انتفاضے میں اپنا سب کچھ داؤ پر لگائے ہوئے ہیں۔ وہی صہیونی، جو عموماً خنزیروں اور بندروں کی شکل میں مسخ کردہ یہودیوں کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں، شیطان کے بندے اور قاتلینِ انبیا کے ناموں سے دنیا میں جانے جاتے ہیں، عہد و پیمان شکنی اور حرام خوری میں روئے زمین پر جن کا کوئی ثانی نہیں اور جو زبردست اور طاقت ور خدا کے دھتکارے ہوئے ہیں۔

یہ بچے اور جوان ارضِ مقدس کو زور زبردستی سے ہتھیانے والوں، عربی اِسلامی خاک کو ہڑپنے والوں، مبارک مسجدِ اقصی کی بے حرمتی کرنے والوں اور فلسطین کے اصلی باشندوں کو دیس نکالا دینے والوں کے خلاف مُقدّس جہاد میں لگے ہوئے ہیں۔ ہماری عربی سرزمین پر ناجائز طریقے سے یہ یہودی درآئے ہیں، یہ لوگ یہاں آنے سے پہلے پوری دنیا میں مارے مارے پھرتے رہے تھے۔ جب زمین کے کسی خطے نے اُنھیں قبول نہ کیا، تو بدباطن دشمنوں: فرزندانِ مغرب نے -جن کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا تین خداؤں میں سے ایک ہے- اِنھیں توحید، اِسرا، معراج والی سرزمین (جہاں آسمان کا زمین سے رابطہ ہوا،

(*) ترجمہ کلمۃ المحرر، الداعی، شمارہ: ۹-۱۰، جلد: ۲۴، رمضان-شوال ۱۴۲۱ھ = دسمبر ۲۰۰۰ء - جنوری ۲۰۰۱ء۔ ترجمہ اردو: ۱۴۲۸/۳/۸ھ = ۲۰۰۷/۳/۲۸ء۔

(۱) یعنی ۱۴۲۱ھ۔

جو مسلمانوں کے آخری قبلہ: مکہ اور پہلے قبلے مسجدِ اقصیٰ کے مابین رابطے کا ذریعہ بنی اور جس کو نبوتوں اور رسالتوں کی سرزمین بننے کا شرف حاصل ہوا) میں لا بسایا۔ اِس ناجائز اور منحوس پودے کی اُنھی مغرب والوں نے کاشت کی جس نے انتہائی تلخ اور کسیلے پھل دیے اور جس کا ظاہر و باطن دونوں ہر اعتبار سے مُتَعفِّن اور بدبودار ہے۔

ٹھنڈی سانسوں والے، پست حوصلہ، ڈھیلے ڈھالے عزائم اور متردّدانہ قراردادوں والے قائدین و سیاست داں، تحریکِ انتفاضہ کے آغاز سے لے کر اب تک منعقد چوٹی کانفرنسوں کے توسط سے ــــ پیروں کی ساری ٹھوکریں اور طمانچے کھانے اور ''ادب سکھانے'' کی ساری کارروائیوں کے بعد؛ بل کہ اُن اہانت آمیز رویوں کے بعد بھی جن سے صبر شعار آدمی بھی آگ بگولا ہو جائے اور ہر نرم مزاج شخص بھی آگ کی طرح تپنے لگے۔ اِن سارے ذلت آمیز رویّوں سے اِس مقدس زمین میں، اِسرائیل کے ناپاک پودے کی کاشت کے وقت سے بلا انقطاع عموماً اور پچھلے دو مہینوں سے خصوصاً، صہیونیوں کے ہاتھوں فلسطینیوں کو اولاً، عربوں کو ثانیاً اور پوری دنیا کے مسلمانوں کو ثالثاً دوچار رہنا پڑا ہے ــــ یہ لوگ اُس سرگرم عملی اِقدام کی سطح تک نہ پہنچ سکے، جو نہ صرف موجودہ حالات؛ بل کہ عربی اِسلامی خودداری کا بھی تقاضا ہے۔

آسمان اور زمین نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ فلسطینی قوم اور پوری امتِ مسلمہ عربیہ نے اپنے قول و عمل دونوں سے یہ واضح کر دیا ہے کہ قضیۂ فلسطین، صرف جہاد کے بل پر حل ہوگا اور یہ کہ اِس مبارک زمین کے سینے پر بہنے والا پاکیزہ لہو ہی - جو پہلے بھی بے دریغ بہایا گیا، ہنوز بہہ رہا ہے اور آیندہ بھی نہ معلوم کتنے دنوں تک بہتا رہے گا - آزادی کی داغ بیل ضرور ڈالے گا اور یہی فلسطین کو صہیونی صلیبی صنم پرست اور سیکولر سامراج کے چنگل سے آزادی دلائے گا، جس کو اِس اِسلامی زمین پر جمانے کے لیے، تمام دشمن طاقتیں رات دن ایک کیے ہوے ہیں۔

''پتھر والے بچے''، انتفاضہ کے جوان اور پہاڑ کی طرح ثابت قدم صبر شعار فلسطینی

رضا کاروں نے اپنی وسعت کے مطابق، ہر چیز کی قربانی دی اور مسلسل دے رہے ہیں۔ یعنی اپنی جانوں اور اپنے خونوں کا نذرانہ پیش کیا، قسم قسم کی مشقتیں جھیلیں اور اب بھی سب کچھ اِس راہ میں نچھاور کیے دے رہے ہیں۔

اب صرف اِس بات کا انتظار ہے کہ ہمارے قائدین وسیاست داں، اِتحاد واشتراک کی راہ پر چلیں، ہمارے کرتا دھرتا حرکت میں آئیں اور دنیا والوں کو یہ بتانے کے لیے- جن کو تاریخ انتہائی اِعزاز واحترام اور مسرت کے ساتھ ریکارڈ کرے گی- کہ وہ اُن صہیونی قائدین، افواج اور یہودیوں سے کہیں زیادہ اپنے دین کے حوالے سے غیرت مند ہیں اور ایمانی خودداری اور اِسلامی ضمیر کی اپیلوں پر، اُن سے بڑھ کر لبیک کہنے والے ہیں، جو فلسطینیوں کی نسل کشی، اُن کی جلاوطنی، فلسطین کے بے گناہ بچوں کے سروں اور سینوں پر امریکی گولے داغنے اور اَرضِ فلسطین کو فلسطینیوں سے خالی کرانے کے لیے اِس لیے ایک جان دو قالب ہوگئے ہیں کہ وہ اقوامِ متحدہ کی تمام قراردادوں، تمام عالمی معاہدوں اور اپیلوں کو ٹھکراتے ہوے اپنے توسیع پسندانہ عزائم کو عملی جامہ پہنائیں۔ اسرائیل کی اِن خرمستیوں کو دیکھ کر کفر کی ساری طاقتیں اور سارے برادرانِ شیطان چپ سادھے رہتے ہیں۔ کوئی چوں چرا کرنے کی بھی جرأت نہیں دکھاتا۔

اِس وقت مسلم سربراہوں کی طرف سے ایسے عاجلانہ اور فیصلہ کن اِقدام کا بے صبری سے انتظار ہے، جو بروقت اور وقت نکل جانے سے قبل ہی سامنے آجائے۔ ایسا اِقدام جو تاریخ کے دھارے کو بدل ڈالے، صہیونیوں کو اُن کی شرانگیزی سے باز رکھے اور اُن کے حلیفوں کو اپنی ظالمانہ طرف داریوں سے باز آنے پر مجبور کردے۔ تو کیا ہم یہ اقدام کرسکیں گے؟ ہمیں اِس کا بے صبری سے انتظار رہے گا۔



طاقت سے چھینا ہوا حق
طاقت سے ہی واپس لیا جا سکتا ہے (*)

بوڑھے پرانے اور عمر رسیدہ لوگ اپنی مختلف دل چسپیوں اور تَوَجُّہات کے باوجود، ہوسکتا ہے کہ عقلیت پسند ہوں اور اپنے دل کی آواز پر لبیک نہ کہیں، ممکن ہے کہ وہ صاحب بصیرت اور دور رس نظروں کے حامل ہوں اور اپنے ضمیر کی اپیل اور اسلامی غیرت و خودداری کی پکار پر کان نہ دھریں؛ اِس لیے کہ نظر کی گہرائی اور دور رسی، بالعموم جذبات کے محرکات - خواہ وہ کتنے ہی عظیم کیوں نہ ہوں - کو لبیک کہنے میں آڑے آجاتی ہے۔

لیکن اٹھارہ سال سے کم عمر کے بچے ''مفادات'' سے واقف نہیں ہوتے، نہ اُن کے کان ''عقل کے نفاق'' سے آشنا ہوتے ہیں اور نہ وہ ''دور اندیشی'' کے مشورے پر چلتے ہیں۔ وہ بے حیائی و بے غیرتی، احساسِ کم تری، اعتدال پسندی، متوازن پالیسی کے فتوے پر عمل نہیں کرتے۔

بچے، مفادات سے نا آشنا ہوتے ہیں:

یہ بچے مفادات سے بالکل ناواقف ہونے کی وجہ سے مغرب، وہائٹ ہاؤس اور اقوام متحدہ کے ''سیاہ فام'' (میری مراد اقوامِ متحدہ کے موجودہ جنرل سکریٹری ''کوفی عنان'' (۱)

(*) ترجمہ اشراقہ، الداعی بہ عنوان: "اَلْحَقُّ الْمَغْصُوبُ بِالْقُوَّةِ لَنْ يُسْتَرَدَّ إِلَّا بِالْقُوَّةِ" شمارہ: ۹-۱۰، جلد: ۲۴، رمضان-شوال ۱۴۲۱ھ = دسمبر ۲۰۰۰ء - جنوری ۲۰۰۱ء ۔ ترجمہ اردو: ۱۳/۱/۱۴۲۸ھ = ۲/۲/۲۰۰۷ء ۔

(۱) بہ روز یک شنبہ (اتوار) ۳۱/دسمبر ۲۰۰۶ء = ۹/ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ کو یہ اپنے عہدے سے سبک دوش ہوگئے اور یکم جنوری ۲۰۰۷ء (پیر ۱۰/ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ) سے جنوبی کوریا کے سابق وزیر خارجہ ''بان کی مون'' نے اُن کے جانشیں کے طور پر، جنرل سکریٹری کے عہدے کا چارج لیا۔

سے ہے، جو بیچارے اتنے کالے ہیں کہ اُن پر- غیرت وخودداری کو تو جانے دیجیے- ناراضگی و رضامندی کی علامت بھی صاف نہیں دِکھتی) کے در پر کاسۂ گدائی لے کر ''سلامتی'' کی بھیک مانگنے کے رویّے سے اکتا گئے ہیں۔

یہ بچے تمام ''حقیقت پسندوں'' سے کہیں زیادہ ''حقیقت پسند'' ہونے کی وجہ سے، صرف اور صرف اسرائیلی غرور، صہیونی دندناہٹ، دشمنوں کی سازش، دوستوں کی پسپائی اور انتہائی تاریک اور سنسان رات کی بے پناہ درازگی سے ہی واقف ہیں اور بس اتنا جانتے ہیں کہ امن کی کوششوں، امن کے نعروں، امن کے معاہدوں اور امن کے اقدامات کے باوجود، مُتوقَّع اور روشن صبح کا سورج طلوع نہیں ہو رہا۔

اِن بچوں کی معلومات کا دائرہ:

بلاشبہہ یہ نونہالانِ اسلام ''سیکورٹی'' کی پابندی اور معاہدۂ امن کے لیے مجبور کیے جانے کے باوجود، بس اتنا جانتے ہیں کہ اُنھیں جلاوطنی کی زندگی گزارنے پر مجبور کیا جا رہا ہے، وہ بے دردی سے تہِ تیغ کیے جا رہے ہیں، دانے دانے کو ترسائے جا رہے ہیں اور بندروں، خنزیروں اور شیطان کے بندوں کی نسل سے تعلق رکھنے والی، ظالم، بدباطن اور ذلیل طاقت، دندناتی اور اِتراتی پھر رہی ہے۔ اُنھیں صرف اتنا معلوم ہے کہ بغیر کسی جرم کے توپوں، ہوائی جہازوں، ٹینکوں، ہیلی کاپٹروں اور تباہ کن عسکری آلات کے ذریعے، اُن پر تباہیوں اور ہلاکتوں کی بارش برسائی جا رہی ہے؛ کہ اِن طاقتوں کے ہاں چھینے گئے حق اور کھوئی ہوئی آبرو کا ہلکا سا مطالبہ بھی، ناقابل معافی جرم ہے۔

یہ صرف اتنا جانتے ہیں کہ نام نہاد ''اقوام متحدہ'' کی جھوٹی اور دبی آواز والی اپیلوں؛ نیز نام نہاد ''ایمنسٹی انٹرنیشنل'' اور ''ہیومن رائٹس واچ'' کی کھلی جانب داری، رسوا کن نفاق اور بے بنیاد تاویلوں پر مبنی فریب دہندہ اِعلانات کے باوجود، پوری دنیا کی نظروں کے سامنے بابرکت زمینیں، برکتوں کی حامل مسجدِ اقصیٰ، ہڑپ لیے گئے عربی حقوق، ذلیل

ورسوا کی گئی عربی خودداری اور تباہی و بربادی کی نذر کی گئی مذہبی عزت؛ آئے دن قبضے اور بے حرمتی کی مزید کارروائیوں کا منہ دیکھ رہی ہیں۔

یہ اچھی طرح واقف ہیں کہ ظلم، حقوق کے ہضم کر لیے جانے، ماؤں، بہنوں، آبا واجداد اور برادران کے بہیمانہ قتل اور مساجد و مقاماتِ مقدسہ کی بے حرمتی پر ''صبر کا دامن تھامے رہنے'' سے کوئی فائدہ نہ ہوا، کوئی حق ملا اور نہ اُس سے ظلم وستم کا سلسلہ رکا۔ عالمی رائے عامہ نے اُن کے صبر پر کوئی تعریفی کلمہ کہا اور نہ ہی اپنے نفس اور اعصاب پر قابو رکھنے اور عقل سے کام لینے کی اپیل کرنے والے ''انصاف پرور'' مغرب نے کوئی منصفانہ کارروائی کی۔

برہنہ سینے اور ننگے بدن ہی، مقابلے پر آمادہ:

اِس لیے یہ اٹھ کھڑے ہوئے کہ وہ جو کچھ کر سکتے ہیں کر گزریں گے، چناں چہ وہ تمام تر شرافت و خودداری اور بلند ہمتی و حوصلہ مندی کے ساتھ برہنہ سینے اور ننگے بدن ہی کھڑے ہو گئے۔ اُن کے ہاتھوں میں اُس طاقت ور اور بے ریا ایمان کے علاوہ کوئی ہتھیار نہیں، جو تیزی سے آنے والی موت کے میدان میں، عقل کے فتوے پر کان دھرے بغیر، بے خطر کود پڑتا ہے۔ اُن کے نرم و نازک ہاتھوں میں صرف پتھر ہوتا ہے، جو ''تباہ کن ہتھیار'' کا روپ دھار لیتا ہے۔ وہ سرِ عام رقص کرتی موت اور زندہ گولیوں سے خوف کھائے بغیر، ایک ایسی عہد شکن اور بدکار فوج کے سامنے ڈٹ گئے، جس کا ظاہر اور باطن انتہائی ناپاک ہے اور جو کیل کانٹے اور ہر قسم کے جدید ترین ہتھیاروں سے لیس ہے؛ اِسی لیے وہ میدانِ جنگ میں کسی بھی حالت میں پیٹھ نہیں دکھاتے۔

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کینہ رکھنے والی افواج پر پتھروں سے حملہ کرتے ہوئے معصوم بچوں کا یہ منظر، بڑا شان دار اور دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے، اِن بچوں نے شان دار و پایدار نئی داستان رقم کی ہے اور پیہم یہ نئے ''شاہ نامے'' رقم کرتے جا رہے ہیں۔

انھوں نے محض الفاظ کے ذریعے احتجاج کے عمل کو ٹھکرا دیا ہے جو ہمارے اُن قائدین وزعما کا معمول رہا ہے جو اپنے حلق کی گہرائی سے چیختے رہے ہیں؛ لیکن عمل کی دنیا میں اُن کی کارروائیاں اور اقدامات نے کوئی رنگ نہیں دکھایا کہ اُن سے نہ تو کسی دشمن کی ''تادیب'' ہوئی نہ کسی دوست کو کوئی حوصلہ ملا۔

فلسطینی شہدا:

اِن سطور کے لکھے جانے، یعنی (ہندوستانی تقویم سے) ۱۹رشعبان ۱۴۲۱ھ = ۱۶رنومبر ۲۰۰۰ء بہ روز جمعرات تک ۲۰۰ سے زائد فلسطینی شہید اور ۳۶۵۰ سے زائد اُس سخت مجرمانہ کارروائی کے نتیجے میں زخمی ہو چکے ہیں، جس کا ارتکاب صہیونیوں نے انتفاضۂ اقصیٰ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے کیا ہے۔

ڈاکٹروں نے یہ گواہی دی ہے کہ صہیونی افواج سات سے لے کر ۲۹ سال تک کے بچوں اور جوانوں کے جسم کے نصف بالائی حصے پر نشانہ سادھ کر زندہ گولیوں کا استعمال کرتی ہیں۔

ارضِ فلسطین پر بے دردی اور سفاکیت سے بہائے گئے انسانی خونوں کے خوف ناک مناظر نے، پوری دنیا کے مسلمانوں کے دل و دماغ کو جھنجوڑ کر رکھ دیا ہے اور اُنھی مناظر نے، بچوں اور نوجوانوں کو اُس جہادی عمل میں شامل ہونے پر ابھارا ہے، جس کا آغاز فلسطینی بچوں اور جوانوں نے ہی کیا ہے۔ اِنھیں یہ یقین ہے کہ بیش بہا مُقدّس وطن کا درخت اُس وقت تک نشو ونما اور برگ و بار نہیں لا سکتا، جب تک کہ اُن عرب بچوں اور جوانوں کے جسم سے بے طرح بہنے والے پاکیزہ لہو سے اُس کو سیراب نہ کیا جائے، جو اِس امت کے راس المال، اصلی سرمایے اور طاقت و سہارے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

فلسطینی بچوں اور جوانوں کی ثابت قدمی:

فلسطینی بچے اور نوجوان مغربیت کے سانچے میں ڈھالنے کی کارروائی کے باوجود نہ

مغرب زدہ ہوے اور نہ پچھلے دشوار گزار سالوں میں سیکولرزم کے رنگ میں رنگ دیے جانے کی تمام کوششوں کے باوجود سیکولر ہوے اور نہ اِنھیں وسطِ راہ یا آغازِ راہ میں گر پڑنے والے شکست خوردہ تعلیم یافتوں کا کلچر کسی تبدیلی پر آمادہ کر سکا۔ یہی وہ نوجوان اور بچے ہیں، جو جامِ شہادت نوش کر رہے ہیں اور اُس راہ پر محوِ سفر ہیں، جس پر جنت کے باغوں کی سیر کرنے والے زندہ جاوید شُہدا چلے تھے۔

یہ ننھے مُنے بچے دائمی زندگی بخشنے والے راستے کی طرف لپک رہے ہیں، وہ تاریخ کے زندۂ جاوید لوگوں کے رجسٹر میں اپنا نام ریکارڈ کرانے اور اپنی اُس عزت وآبرو کی بازیابی کے لیے تیز گامی سے آگے بڑھ رہے ہیں، جس کو ''بڑوں'' نے اور پختہ عمر کے لوگوں نے ضائع کر دیا ہے۔ یہ بچے صبح سویرے نہار منھ صرف سینڈوچ لے کر اپنے اسکولی بستے کے ساتھ گھروں سے نکلتے ہیں، پھر جب پڑھ کر اپنے اسکولوں کے دروازوں سے باہر آتے ہیں، تو اُنھیں جہاد کی اپیل سنائی دیتی ہے جو اُنھیں میدانِ جنگ میں کود پڑنے پر آمادہ کر دیتی ہے؛ چناں چہ وہ اپنے کتاب وقلم کو چھوڑ چھاڑ اور اپنے بستوں کو ایک طرف ڈال، انتفاضے والے انقلابیوں کی صفوں میں جا گھستے ہیں، پھر وہ اِس دنیا میں اپنے گھروں کو واپس نہیں لوٹتے؛ بل کہ اِس دنیا سے سیدھے جنت کے گھروں کو سدھار جاتے ہیں۔

سیاسی قائدین کو، اُن کی حکمتِ عملی مبارک ہو:

شرم الشیخ، قاہرہ اور دوحہ میں اکٹھا ہونے والے رہ نما، قائدین اور سیاسی لیڈروں کو، اُن کی قراردادیں، اُن کی منطق، اُن کی عقلیت پسندی اور اُن کی حکمتِ عملی مبارک ہو، وہ اپنی شکست پسند، سست رو اور ''متوازن'' سوچ اپنے گھر رکھیں۔ ہاتھوں میں پتھر اٹھائے بچے ابھی تک اُن کی ''حقیقت پسندی'' اور ''دانش مندی'' کی سطح تک نہیں پہنچ سکے اور ''طاقت کے پیمانے''، ''خوف کے توازن''، ''عسکری صلاحیتوں'' اور ''غیر معمولی اسلحہ خانہ'' کے حوالے سے اُن کی اکتا دینے والی طویل تخویف کا کوئی نوٹس اِنھوں نے نہیں لیا؛

چناں چہ یہ بچے اپنا پیمانہ از خود بنانے اور دوسروں کے پیمانوں سے بے نیاز ہونے کے لیے بے تاب ہو گئے۔ وہ اپنی چھوٹی چھوٹی ہتھیلیوں اور نرم و نازک انگلیوں میں پتھروں کے وزن کے سوا کسی وزن سے واقف نہیں، اُن میں سے ہر ایک نے یہ ٹھان لیا کہ وہ اُس پاک و مُقدّس سرزمین میں غیر قانونی طور پر در آنے والے مغرور صہیونیوں میں سے کسی نہ کسی کا سر کچل کر ہی دم لے گا۔

''عقل مندوں'' کی ذہنیت ہمیشہ اور ہر زمانے میں زندگیِ جاوید کی محراب میں جگہ لینے کے لیے لپکنے والے، شہادت کے جذبے سے سرشار سچے اور معصوم جاں نثاروں اور رضا کاروں کی ذہنیت سے مختلف رہی ہے، یہ نام نہاد عقلا ہمیشہ ''عرف'' و ''استحسان'' صلح جوئی اور حالات کی تبدیلی کو پڑھنے کی دَل دَل میں پھنسے رہے ہیں، جب کہ مخلص محبین اپنے تمام اقدامات میں دلِ مہربان، ضمیرِ مؤمن، شعلہ انگیز خودداری اور بلند عزتِ نفس کے تقاضے پر عمل پیرا رہے ہیں۔

مسلم و غیر مسلم عقلیت پسندوں کی غلط فہمی:

''پتھر والے بچوں'' اور انتفاضے کی داغ بیل ڈالنے والوں نے عرب و عجم، مسلم و غیر مسلم تمام عقل مندوں کو- واضح رہے کہ آخری سروے میں یہ بتایا گیا ہے کہ انتفاضہ کے ۲۸ فی صد مُجاہد بچے ہیں- یہ باور کرادیا ہے کہ اگر اُن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ بھاری بھر کم عسکری آلات، ٹینکوں، میزائلو، توپوں اور ہوائی جہازوں کے ذریعے، کسی قوم کو خوف زدہ کیا جا سکتا ہے اور اُس کو اپنے حقوق کے مطالبے کی راہ سے ہٹایا جا سکتا ہے، تو وہ بالیقین غلط فہمی میں ہیں اور یہ اُن کی بہت بڑی بھول ہے۔ لو یہ دیکھو آخر کس طرح یہ معصوم بچے بغیر ہتھیار کے اُن چیزوں کی پروا کیے بغیر مزاحمت پر اُتر آئے اور وحشی صہیونیوں کے سروں کو پتھر سے کچل دیا اور ذلت کے ساتھ اُنھیں سرنگوں کر دیا اور اپنے علاقوں سے شکست کے جھنڈے اتار پھینکے۔

یہ پتھر سے ٹکر لینے والے اُن بچوں اور غیرتِ اسلامی سے سرشار جوانوں کا رول ہے، جن کے دلوں میں، تمام تر سازشوں اور کوششوں کے باوجود ایمان کی آگ دہک رہی ہے۔ اُن کا یہ رول اُس یہودی فوج کے مدِمقابل ہے، جس کے سر میں شیطان نے ڈھیر سارے انڈے بچے دے دیے ہیں اور جو معصوم فلسطینی بچوں کے سروں پر امریکی گولوں کو چھوڑنے کے فن میں طاق ہے۔

امن وسلامتی کی جے جے کار کرنے، اُس کی سرپرستی اور اُس کی حمایت کرنے والے کہاں ہیں، کہاں چھپ گئے وہ لوگ، جو سلامتی کی دل دل میں سروں اور کانوں تک پھنسے ہوے ہیں۔ نہتے فلسطینی مسلمانوں کے خلاف صہیونی جنگ کی آگ کے فروزاں ہونے کے باوجود آخر کیوں وہ لوگ ریت کے تودے میں منہ چھپائے بیٹھے ہیں۔ برطانیہ والوں نے خاموشی کی چادر اوڑھ لی، فرانس والوں نے اپنی زبانوں پر تالا ڈال لیا، معاہدہ اوسلو کے منتظمین، ناروے والوں نے اپنے قدم پیچھے کھینچ لیے، کناڈا اور جرمنی والوں نے خوف ناک چپی سادھ لی، اُوسلو والوں نے اُس ذلت و درماندگی کی دھول چاٹ لی، جس میں وہ سوویت یونین کے زوال سے ہی گلے گلے ڈوبے ہوے تھے۔ اُن کی مثال وہی شیطانوں والی ہے کہ اُس نے انسانوں سے کفر کرنے کو کہا۔ جب وہ کفر بیٹھے، تو یہ کہتے ہوے اُن سے دامن جھاڑ لیا کہ میں تم سے الگ تھلگ ہوں، مجھے تو دونوں جہانوں کے پالنہار اللہ کا ڈر ہے۔

صرف درجِ ذیل سچائیاں باقی رہ گئی ہیں:

ایران کے ملاؤں کے بہ قول: شیطان اکبر" یعنی امریکہ اور اُس کے دم چھلے تمام یورپی ممالک نے، صہیونیوں کے ساتھ امن بحال کرنے اور اُن سے معاشقہ بازی کے لیے لپکنے والوں سے پوری طرح دامن جھاڑ لیا۔ صرف یہ دوٹوک سچائیاں باقی رہ گئیں، جو چیخ چیخ کر یہ کہہ رہی ہیں کہ ہمارا پروردگار سچا اور شیطان کے دوست جھوٹے ہیں، اللہ سچا تھا

جب خداتعالیٰ نے اپنی زندۂ جاوید کتاب میں یہودیوں کے چہرے کی نقاب کشائی کی اور تفصیل کے ساتھ بار باراُن کی وعدہ خلافی، انبیا کے قتل، حرام خوری، اللہ کی نشانیوں کے انکار، ان کی بے پناہ شرارت اور دنیا وآخرت میں اُن کی ملعونیت کا بیان کیا اور وہ لوگ واقعی جھوٹے تھے، جنھوں نے صہیونیوں پر اعتماد کرنے کی دعوت دی اور خدا کی کتاب میں ذکر کردہ یہودیوں کی شرارتوں پر اعتماد نہ کرنے کو کہا۔

زائد از ڈیڑھ ماہ سے مسلسل رونما ہونے والے خوں ریز واقعات سے، یہ بات سامنے آگئی ہے کہ امن کے حوالے سے گم راہ کن جوش و جذبہ صرف اِس لیے تھا کہ اسرائیل جس طرح ذلت کے ساتھ الگ تھلگ پڑ گیا ہے، اُس سلسلے کو ختم کیا جائے اور اُس کو، اُس کے توسیع پسندانہ عزائم کو مسترد کرنے والی علاقائی صورتِ حال پر قابو دے دیا جائے۔

نہتے اور بے یارومددگار فلسطینیوں کے خلاف قابض صہیونی افواج کی قتل وغارت گری، خواب وخیال کی دنیا میں رہنے والے، اُن تمام لوگوں کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ ہے، جو صہیونیوں کے ساتھ صلح کرنے کے حوالے سے گم راہی اور فریب دہی کا عمل کرتے رہے ہیں؛ اِس لیے ضروری ہے کہ عرب وعجم کے تمام مسلمان اپنے تمام مادی اور معنوی سرمایے کے ذریعے کوشاں رہیں کہ تحریکِ انتفاضہ کی آگ سرد نہ ہو، جہاد کا کارواں رواں دواں رہے اور بچوں کے نازک ہاتھوں سے پتھر نہ چھوٹیں؛ چوں کہ جس حق کو طاقت کے بل پر چھینا گیا ہو، اُس کو طاقت ہی کے بل پر دوبارہ حاصل کیا جا سکتا ہے اور بس۔



صہیونی دشمن کو، ارضِ فلسطین کے قلب میں، اِس لیے بسایا گیا تھا تا کہ وہ اُس کو ہمیشہ زخمی کرتا رہے (٭)

قضیہِ فلسطین آج جس منزل پر کھڑا ہے، وہ عربوں اور تمام مسلمانوں سے بہ آوازِ بلند یہ اپیل کر رہا ہے کہ وہ اِس معاملے کو سنجیدگی سے لیں اور ضروری ہے کہ وہ ابلاغی حکمتِ عملی، تعلیمی وتربیتی پالیسی کی از سرِ نو ترتیب کے ذریعے، بغیر کسی پس وپیش یا تاخیر کے اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کر کے، اپنے بکھرے گھر کو مرتب کریں۔

اِس لیے کہ طویل اور تلخ ترین تجربات اور زبردست نقصانات کے بعد، پُر امن حلوں کی پُر جوش وکالت کرنے والوں اور صہیونی دشمن کے ساتھ بات چیت کا نعرہ لگانے والوں نے بھی یہ باور کر لیا ہے کہ فلسطین کی آزادی اور ساری زمینوں کی بازیابی کی راہ، میڈریڈ، اوسلو، کیمپ ڈیوڈ، وہائٹ ہاؤس اور شرم الشیخ وغیرہ، کہیں سے بھی نہیں گزرتی (یہ مقامات اور سبزہ زار وپُر بہار جگہیں ہیں، جہاں فلسطینیوں کو ظالمانہ سودے بازی، رسوا کن دست برداری اور اپنے حقوق کے حوالے سے تمام تر گھاٹے کا سودا قبول کرنے پر مجبور کیا گیا)؛ بل کہ یہ راہ اسلامی جہاد اور کھلی ہوئی مزاحمت سے گزرتی ہے، جس کے ذریعے ہتھیار اور جان دونوں کو کام میں لے کر، عربی اسلامی زمین اور عزت وآبرو کا دفاع کیا جا سکتا ہے۔

مذکورہ معاہدوں کے دوران، مسلسل دست برداری اور عربی، فلسطینی اسلامی حقوق سے

(٭) ترجمہ کلمۃ المحرر، الداعی، شمارہ: ۱۱، جلد: ۲۴، ۲۴/ ذی قعدہ ۱۴۲۱ھ = فروری ۲۰۰۱ء۔ ترجمہ اردو: ۷/ محرم ۱۴۲۸ھ = ۲۷/ جنوری ۲۰۰۷ء۔

بلا انقطاع رسوا کن پس روی سے یہ لالچی اور غاصب دشمن نہ ماضی میں کبھی خوش ہوا اور نہ مستقبل میں اِس کی امید ہے۔ تمام زمینوں، یہاں تک کہ دشمن کے ہاتھوں میں محبوس اُس مسجدِ اقصی کو ہڑپے اور نگلے بغیر دشمن کو کبھی کسی کروٹ چین نہ آئے گا، جو پچھلے کئی سالوں سے قابض افواج کے قدموں تلے کراہ رہی ہے اور جو وقتاً فوقتاً صہیونیوں اور قابض افواج کے ہاتھوں بے حرمتی کے جاں گسل مرحلے سے گزر رہی ہے۔(۱) دشمن اس کوشش میں ہے کہ مسجدِ خلیل کے طرز پر مسجدِ اقصی میں اس کے لیے ایک گوشہ مختص کر دیا جائے، جس کو صہیونی دشمن نے وہاں عرب نمازیوں پر اندھادھند گولہ باری کے بعد تقسیم کرلیا ہے۔

بلاشبہ اِن دست برداریوں کی وجہ سے دشمن شکم سیر ہوا نہ وہ صلح پسند پڑوسی کی طرح گزر بسر کرنے کو ہی تیار ہوا ہے؛ بل کہ دشمن برابر اپنی چیر پھاڑ کھانے والی فطرت پر باقی ہے؛ اِس لیے کہ کتے اور بھیڑیے کو، تعلیم وتربیت کا خواہ کتنا ہی سبق پڑھایا جائے، وہ نہ کبھی صلح پسند نیک انسان بن سکتے ہیں اور نہ ہی چیر پھاڑ کرنے کی اپنی فطرت سے توبہ کر سکتے ہیں۔ جو کوئی اِس بات پر یقین کرے کہ صہیونی عہد وپیمان کی پابندی کریں گے، اُس کی مثال اُس شخص کی ہے، جس کا یہ یقین ہو کہ سانپ اور بھیڑیے اپنی فطرت سے بغاوت کر کے اپنی عادت سے باز آگئے ہیں اور مہذب انسان کی طرح دنیا میں زندگی گزارنے لگے ہیں۔

عالمِ عربی کے قلب میں صہیونیت کا خنجر، صرف اِسی لیے پیوست کیا گیا تھا؛ کہ قلبِ عربی ہمیشہ مجروح اور بے آرامی کی کیفیت کا شکار رہے اور اُسے کسی کروٹ چین نہ آئے۔ ہاں اگر قلبِ عربی ہمیشہ مزاحمت ومقابلہ پر آمادہ رہے اور دشمنوں سے زیادہ سختی کے ساتھ

---

(۱) اِس تحریر کے اردو ترجمے کو رمضان ۱۴۲۸ھ = ستمبر-اکتوبر ۲۰۰۷ء میں طباعت کے لیے تیار کیے جانے کے وقت، صورتِ حال یہ ہے کہ مسجدِ اقصیٰ میں پنج وقتہ نمازوں کے اوقات میں عموماً اور جمعہ وعیدین میں خصوصاً، اسرائیلی پولس کے اہل کاروں اور سیکورٹی افواج کی زبردست تفتیش کے بعد ہی نمازیوں کو مسجد میں جانے دیا جاتا ہے، بہ شرطے کہ نمازیوں کی عمر ۵۰ سال سے زائد ہو۔ یعنی نوجوانوں کو جمعہ وعیدین میں بالخصوص مسجد کے اندر جانے کی اجازت نہیں!۔

ٹکر لیتا رہے، تو اُس کو تھوڑا بہت چین وسکون مُیَسّر آسکتا ہے۔

کیا مسلمانانِ عالم کو اِس کا اِحساس و اِدراک ہے، یا وہ **غفلت کی چادر اوڑھے** کانٹوں کے فرش پر محوِ خواب رہیں گے اور ذلت ورسوائی پر صبر کا **دامن تھامے** رہیں گے۔ ہمیں اِس سوال کے جواب کا بے صبری سے انتظار رہے گا۔



فلسطین کے حوالے سے عالمی طاقتوں کی طرف سے امتِ مسلمہ تو اوب چکی اب اُس کو اپنے قائدین کے اُوب جانے کا انتظار ہے (*)

ماہِ فضیلت مآب: ذی الحجہ، جس میں مسلمانانِ عالم بیتِ عتیق کی گود میں جمع ہوکر شعائرِ حج ادا کرتے اور حرم شریف، حطیم، بئرِ زم زم اور مقامِ ابراہیم کی دید، سے حظ اٹھاتے اور خدا کی نشانیوں: صفا اور مروہ کے بیچ دوڑتے ہیں؛ نیز منیٰ و مزدلفہ اور عرفات میں ٹھہرتے، رمیِ جمرات کرتے اور اُن پاکیزہ اور مقدس مقامات میں آتے جاتے ہیں، جن میں کبھی جبریلؑ آیا جایا کرتے تھے، جہاں وحیِ ربانی نازل ہوئی، اسلام کا سورج طلوع ہوا اور جہاں آپ ﷺ کی بعثت عمل میں آئی۔ اِس مبارک و افضل مہینے میں مسلمان برکتوں کی سوغات لوٹتے اور خدا سے دعائیں مانگتے ہیں۔ اپنے ربِ غفور: مالکِ ارض وسما کے سامنے ہاتھ پھیلا کر خشوع وخضوع کے ساتھ گریہ وزاری کرتے ہیں۔ اِن بابرکت ایام میں خدا کے بندوں پر اُس کی عنایتیں اور اُس کی برکتیں مُتَوَجِّہ ہوتی اور اُن کے دامنِ مراد کو بھرتی ہیں۔

نیکیوں اور بھلائیوں والے اِسی مہینے پر ہجری سال ۱۴۲۱ھ کا اختتام ہو رہا ہے، جس طرح ماضی میں ہوتا آیا ہے، یہ سال تو کہنا چاہیے کہ غموں کا سال تھا کہ اُس میں صلحا و اتقیا کی ایک بڑی تعداد عالمِ آخرت کو سِدھار گئی، جنھوں نے اپنے علم و عمل اور صلاح و تقویٰ سے دین و قوم کی خدمت کی، دعوتی کاموں کے پھیلاؤ، عوام الناس کی اِصلاح، خیر کی تبلیغ، نفع بخش کتابوں کی تالیف اور گراں قدر ابحاث و تحقیقات کی تیاری میں دن کے اُجالے اور

(*) ترجمہ کلمۃ المحرر، الداعی، شمارہ: ۱۲، جلد: ۲۴، ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ = مارچ ۲۰۰۱ء۔ ترجمہ اردو: ۷/محرم ۱۴۲۸ھ = ۲۷/۱/۲۰۰۷ء۔

رات کی تاریکی کی پروا کیے بغیر لگے رہے؛ چناں چہ اُن کی زبان اور اُن کا قلم: دونوں اِس قوم کے لیے خیر کا مضبوط ذریعہ تھے۔ اِن سطور کے لکھے جانے تک، سب سے اخیر میں جس عظیم شخصیت نے رختِ سفر باندھا، وہ شیخ محمد صالح عثیمین تھے(1) اللہ اُن پر اپنی رحمتوں کی بے پایاں بارش برسائے۔

اِس سال دنیا کے بہت سے خطوں میں اُمّتِ مسلمہ، فقر و غربت اور قلتِ وسائل سے دوچار رہی، بھوک و پیاس کے مارے تڑپتی رہی، اُسے ظلم و جارحیت کی چکی میں پیسا جاتا رہا، اُس کے حقوق دبائے اور چھینے جاتے رہے، خدا کے دین پر عمل کرنے کی راہوں میں رکاوٹیں کھڑی کی گئیں۔ اِسی پر بس نہ ہوا؛ بل کہ جس وقت امتِ مسلمہ نے ظلم و جارحیت سے گلوخلاصی کی ادنیٰ سی بھی کوشش کی، یا اُس پر ظلم وستم کا پہاڑ توڑنے والے فرد یا اِدارے پر ''ایک چھوٹا سا پتھر'' بھی پھینک دیا، تو -جیسا کہ یہی ہوتا آیا ہے- اُس پر دہشت گردی، انتہاپسندی، قدامت پرستی، رجعت پسندی اور اِحیائیت کا الزام لگایا جاتا رہا۔

ہر چند کہ دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دینے والے بہت سے پیچیدہ مسائل منہ پھاڑے کھڑے ہیں؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ قضیۂ فلسطین اُسی دن سے مشرق و مغرب میں بسنے والے تمام مسلمانوں اور عربوں کے لیے باعثِ رنج والم اور ہر قسم کی اذیت کا سرچشمہ بنا رہا ہے (اور اُس وقت تک بنا رہے گا، جب تک ہم مسلمانانِ عالم اُس کو اپنی مرضی کے مطابق حل نہ کرلیں) جس دن ارضِ فلسطین میں صہیونیت کے ناپاک بیج کی کاشت کی گئی تھی، صہیونیوں نے قدس اور مسجدِ اقصیٰ پر قبضہ کرلیا تھا؛ نیز جس دن فلسطین کے اصل باشندوں (مسلمانوں) کو وہاں سے جلاوطن کردیا گیا تھا۔

اِس سال کے آخری مہینوں میں، اِس فلسطینی اسلامی قضیے سے بالقصد چشم پوشی کرنے والے عالمی ضمیر کی توجُّہ مبذول کرنے کے لیے انتفاضۂ مبارکہ شروع ہوا، سینکڑوں

---

(1) جن کی وفات چہارشنبہ ۱۵؍شوال (بہ تقویم سعودی عربیہ) ۱۴؍شوال (بہ تقویم ہندوستان) ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۰؍جنوری ۲۰۰۱ء کو ہوئی۔

نو جوان اور معصوم بچوں کی جانیں اُس میں کام آئیں، جن کی قربانیوں، جاں نثاریوں اور اُن پر ہونے والے ظلم و جارحیت کی تصویریں ٹیلی وژن پر دکھائی گئیں۔ اِس الم ناک منظر کو دیکھ کر مسلمانانِ عالم اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکے، اُن کے دلوں میں غیرتِ ایمانی جوش مارنے لگی، اُن کی رگوں میں بہنے والا خون کھول گیا، اُن کے چہروں پر آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی، اُن کے دلوں کی گہرائی میں انتقامی جذبات بھڑک اُٹھے، اُنھیں اُس ذلت و رسوائی کا بہ خوبی اِحساس ہوا، جس کے سایے میں، عالم گیر، امریکی، تثلیثی، صہیونی، وثنی اور سیکولر طاقتوں کے زیرِ سایہ فلسطینی مسلمانوں کو جینے پر مجبور کیا گیا۔ اِن طاقتوں سے امتِ مسلمہ اوب چکی ہے، اِس لیے وہ اب بڑی بے صبری سے اُس دن کا انتظار کر رہی ہے، جس دن ہمارے قائدین و حکام کو اُن طاقتوں کی طرف سے اُسی بے چینی کا احساس ہو، جس کا امتِ مسلمہ کو عرصے سے ہے۔

اِس مبارک موقع سے ہم دعائیں قبول کرنے والے بلند و برتر خدا سے بس یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے قائدین کو بہ جلد امریکی، تثلیثی، صہیونی، صلیبی اور صنم پرست اور سیکولر طاقتوں کی کارستانیوں سے نتیجہ خیز طور پر اُوب جانے کی توفیق سے ہمکنار کرے؛ اُنھیں سراپا غیظ و غضب بنا دے؛ اُنھیں اِتنی طاقت دے دے کہ وہ دشمنوں پر کاری ضرب لگا سکیں اور اُن پر بجلی کی طرح ٹوٹ پڑیں۔ اللہ طاقت ور رہتا ہے اپنے کام پر؛ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (یوسف:۲۱)



قضیۂ فلسطین کے تئیں
دنیا والوں کا دوہرا پیمانہ کیوں؟ (*)

قضیۂ فلسطین کے ساتھ مختلف پہلوؤں سے جس قدر بھی ہم دردی و غم خواری کا اِظہار کیا جائے، کم ہے؛ اِس لیے کہ یہ نہ صرف یہ کہ عالمی، خصوصاً مغربی طاقتوں اور بالأخص اُن فرزندانِ تثلیث کی طرف سے سیاسی اور عسکری رَسّا کشی کا شکار ہے، جو صہیونیوں کی کھلم کھلا حمایت کرتے ہیں؛ بل کہ یہ عرب مسلم قائدین اور عربی اِسلامی عوام کے تضادات کا بھی شکار ہے۔

سارے عربوں اور مسلمانوں یا اُن کی اکثریت کا یہ خیال ہے کہ حقوق کی واپسی اور عز و شرف کی بازیابی کی راست، صحیح اور سیدھی راہ، صرف جہاد، فوجی حل اور مقدور بھر ممکنہ تیاری کے بعد؛ بدقماش صہیونیوں کے ساتھ فیصلہ کن جنگ سے ہوکر گزرتی ہے۔

ہمارے رہ نماؤں کا موقف، قابلِ شرم تضادات کا مجموعہ:

جہاں تک ہمارے رہ نماؤں کی بات ہے، تو اُن کا موقف ہمیشہ قابلِ شرم تضادات کا مجموعہ رہا۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اخباری بیانات اور بین الاقوامی مجلسوں اور عوامی کانفرنسوں و سیمیناروں میں اپنے اِعلانات کے ذریعے، فلسطینی انتفاضے کی تائید کرتے اور

(*) ترجمہ اداریہ (کلمۃ العدد) الداعی بہ عنوان: "اِزْدِوَاجِيَّةُ الْمَوْقِفِ الْعَالَمِيِّ الْمَشِيْنَةُ" شمارہ:۳، جلد:۲۵، ربیع الاول ۱۴۲۲ھ = جون ۲۰۰۱ء۔ ترجمہ اردو: چہار شنبہ: ۸/۳/۱۴۲۸ھ = ۲۸/۳/۲۰۰۷ء۔

اُس کے جاں بازوں کی کوششوں کو سراہتے ہیں[1]، واضح حق اور تاریخی عظمت کی راہ میں اُن کے جذبۂ شہادت کا گن گاتے اور اپنے خرچ سے انتفاضے کے زخمیوں کی مرہم پٹی اور اُن کے زندہ رشتے داروں کا مادی اور معنوی تعاون کرنے کا حکم صادر کرتے ہیں۔ نیز صہیونیوں کے ہوش ٹھکانے لگانے، اُن کے قائدین کو پریشان کرنے اور ارضِ فلسطین، وہاں کے باشندوں اور مقدس مقامات کو نگلنے کے مقصد سے بنائے گئے اُن کے جہنمی منصوبوں کو ناکام بنانے کے لیے یہ فلسطینی جوان جتنی جرأت مندانہ کارروائیاں کرتے ہیں، اُن سب کا وہ کھلے دل سے خیر مقدم کرتے ہیں؛ لیکن دوسری طرف یہی قائدین اِسرائیل کے ساتھ مذاکرات اور امن معاہدوں کا ازسرِ نو آغاز کرنے، ممکنہ قریب ترین وقت میں مذاکرات کی میز پر بیٹھنے اور سلامتی کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کی ترغیب بھی دیتے رہتے ہیں، مسلسل سارے ذرائع ابلاغ کو یہ بیانات جاری کرتے پھرتے ہیں کہ ہم ہمہ گیر، منصفانہ اور پائیدار امن چاہتے ہیں اور ہماری خواہش ہے کہ ایک ایسا معاہدہ ہو، جس سے حق، حق دار کو مل جائے۔ بہ الفاظِ دیگر اُن کا خیال یہ ہے کہ یہودی ''اِنصاف'' کا مفہوم جانتے اور اُس کو اپنی زندگی میں روبہ عمل لاتے ہیں اور یہ کہ یہودی حق دار کے لیے، حق سے دست بردار ہونے کو تیار بیٹھے ہیں اور یہ ایسے لوگ ہیں، جو وعدوں معاہدوں پر کاربند رہتے ہیں، گویا وعدہ خلافی اور بات بات میں جھوٹ بولنا اور قدم قدم پر دھوکہ دینا، قومِ یہود کی فطرت نہیں!۔

حال آں کہ یہ انتفاضہ اپنے رب پر ایمان رکھنے والے ہدایت یافتہ جوانوں کے جہاد کے سوا اور کچھ بھی نہیں؛ چناں چہ یہ تروتازہ چمڑیوں والے جوان اور وہ ننھے مُنے بچے، جن کے ہونٹوں پر معصومیت رقصاں ہے اور جن کے چہروں پر گناہوں سے پاکی کا نور کھیل رہا

(۱) اب یہ صورتِ حال بھی بدل گئی ہے۔ ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء میں جب یہ راقم، اس تحریر کو اردو میں چھاپنے کے لیے آخری لمس سے گزار رہا ہے، اِس سے کافی عرصہ پہلے سے ہی بالخصوص افغانستان اور عراق کو امریکہ کے ذریعے تباہ کردینے کے بعد پیدا ہونے والے منظرنامے کے مشاہدے کے بعد، سارے اسلام پسندوں اور مُرِّ الحمت پر یقین رکھنے اور کاربند رہنے والوں کو امریکہ کے ڈر سے، عالمِ عرب و عالمِ اسلام کے حکم راں شاباشی دینے سے بھی گریزاں ہو گئے ہیں۔

ہے، جو کچھ کر رہے ہیں، وہ حقوق کی واپسی، ہڑپی گئی زمینوں کی بازیابی، عزت و آبرو کی حفاظت اور اُس بچی کھچی عزت کے جذبے سے سرشار ہو کر، انجام دے رہے ہیں، جس کو ہمارے نام نہاد قائدین و سیاست داں اور اربابِ حل و عقد بیچ کھانے کو تیار بیٹھے ہیں۔

مسئلہ فلسطین، متضاد اور متحدہ موقف کے بیچ:

پیچیدہ مسئلہ فلسطین - جو ہر اعتبار سے موجودہ عہد کا پہلا اسلامی عربی مسئلہ ہے- قائدین و سیاست دانوں کے متضاد موقف اور عالمِ اسلام و عالم عرب کے مسلم عوام کے متحدہ اور اٹل موقف کے درمیان لٹکا رہا ہے۔ عالم اسلام و عالم عرب کے اُن مسلم عوام کا موقف اِس سلسلے میں متحدہ، پائے دار، نا قابل شکست اور واضح و فیصلہ کن ہے، جو ماضی میں بھی ہمہ گیر تیاری، اتحاد کی طاقت سے لبریز، نیز عربی اسلامی حکومتوں اور وہاں کی قوم کو اُس جہاد اور عسکری اسلامی حل پر ہم رائے کر دینے والے غضب آلود انتقاضے پر اٹل رہے ہیں اور ہنوز ہیں، جس سے دشمن خوف کھاتے اور جس سے صہیونی، صلیبی اور پوری دنیا کے صنم پرست اِس طرح ڈرتے ہیں، جس طرح چھوٹے بچے جنوں اور بھتنیوں سے ڈرا کرتے ہیں۔

ڈانواڈول اور پس و پیش والے موقف سے، جو مذاکرات اور اُکتا دینے والے امن سیریل اور خیانت اور وعدہ خلافی جیسے عناصر سے مرکب یہودی فطرت کی وجہ سے، نامعلوم انجام والے معاہدوں میں مشغول ہونے کی راہ سُجھائے، نہ ماضی میں کوئی فائدہ ہوا اور نہ آئندہ اِس کی دور دور تک امید ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ یہودیوں کے ساتھ معاہدہ، مکڑی کا گھر ہے، جو گھروں میں سب سے بودا اور کم زور ہوتا ہے۔

اِس موقع سے خصوصاً اپنے آپ کو مجبور پاتا ہوں کہ عالمی برادری اور مغربی عالمی میڈیا، دنیا کی سب سے بڑی دہشت گرد لابی: صہیونیت اور تحریک طالبان کے مابین جو عجیب و غریب امتیازی برتاؤ کر رہا ہے، اُس کی طرف اشارہ کروں۔ حال آں کہ طالبان

نے، امریکی اور مغربی ذرائعِ ابلاغ کی رپورٹوں کی رو سے بھی ''دہشت گردی'' کے دسویں حصے کا بھی ارتکاب نہیں کیا۔

اسرائیل کی بنیاد ہی، دہشت گردی پر ہے:

اسرائیلی ریاست کی بنیاد ہی مغربی، برطانوی اور امریکی دہشت گردی پر ہے، چناں چہ اُس نے اپنے توسیع پسندانہ عزائم کو، اُسی خالص دہشت گردی کی راہ سے عملی جامہ پہنایا اور ہنوز پہنا رہا ہے، جس کا ارتکاب صہیونی حکومت وعوام، یورپی ممالک، امریکہ، فرزندانِ تثلیث، نام نہاد اقوامِ متحدہ اور اُس کی سلامتی کونسل میں سے ہر ایک کرتا رہا ہے۔ آخرالذکر دونوں ادارے بھی پوری دنیا میں عموماً اور عالمِ عربی میں خصوصاً، صہیونی صلیبی مفادات کو روبہ عمل لانے کا جال ہیں۔ اِس طرح کہ دنیا کو عموماً اور عالمِ عربی کو خصوصاً، اسرائیل کی عسکری مصنوعات، اُس کے مغرب سے حاصل کردہ اسلحے اور اُس کی اقتصادی پیداوار کی کھپت کے انتہائی نفع بخش میدان کے طور پر استعمال کیا جائے، نیز عربوں کو اسرائیل کی انانیت کا غلام بنا دیا جائے اور پوری دنیا کو عربوں کے مذہب، اُن کی تہذیب وثقافت، اُن کے رسوم وروایات اور اُن کی مذہبی اور ملی شناخت کے ساتھ کھلواڑ کرنے کے وسیع میدان میں تبدیل کر دیا جائے۔

ناقابلِ انکار حقیقت:

کیا یہ کھلی ہوئی حقیقت نہیں کہ اگر کوئی فلسطینی بچہ انجانے میں کوئی سنگریزہ بھی، کسی صہیونی کی طرف پھینک دے، تو ظلم وجارحیت کے ساتھ قلبِ عالمِ عربی میں قائم صہیونی ریاست، اُس کے بدلے میں دسیوں معصوم فلسطینی بچوں کو موت کی نیند سلا دیتی ہے، ہزاروں فلسطینی شہریوں کو دانے دانے کا محتاج بنا کر رکھ دیتی ہے، کئی علاقوں کا محاصرہ کر لیتی اور بہت سارے خطوں میں کرفیو نافذ کر دیتی ہے۔ یہ صہیونی ریاست کسی ایک

معصوم بچے یا کسی بھولے بھالے جوان کی کارروائی کا، کئی گنا فلسطینیوں کو سزا دیتی رہی ہے؛ بل کہ اکثر اُس نے فلسطینیوں کو ناکردہ گناہ کی سزا دی اور بغیر کسی ''جارحانہ'' اِقدامی کارروائی کے یوں ہی اُن پر اپنا غصہ اتارا؛ لیکن یورپی ممالک کے ذریعے، اسرائیل کی اِن جارحانہ کارروائیوں کو ''دہشت گردی'' کے واضح لفظ سے تعبیر کرنا تو درکنار، صہیونی ریاست اور اُس کے قائدین کو ''دہشت گرد'' کے لفظ سے ملتا جلتا کوئی دوسرا نام دینے کی بھی ہمت کا اِظہار نہ ہوسکا۔

اِس کے برخلاف کوئی عربی اسلامی ملک جوں ہی امریکہ اور یورپی ممالک کی مرضی کے خلاف کوئی قدم اٹھاتا ہے، اُس پر اقوامِ متحدہ کی آڑ میں یہ دونوں (امریکہ اور یورپ) اقتصادی پابندی عائد کردیتے ہیں۔ لیبیا اور سوڈان کی مثال سامنے ہے کہ یہ دونوں ملک کئی سالوں سے اقوامِ متحدہ کے پردے میں، اِن ممالک کی طرف سے ایسے چیلنجوں اور دھمکیوں کا سامنا کررہے ہیں، جن کا سیدھا نشانہ دونوں ملکوں کی خودمختاری اور امن وسلامتی ہے۔

افغانستان کے خلاف، امریکہ کی اقتصادی پابندی:

اِسی طرح آج افغانستان، امریکہ - جو آج روئے زمین کا سب سے ''بڑا دہشت گرد'' ہے؛ کیوں کہ وہ اِس حوالے سے اپنے لئے پالک اسرائیل سے کہیں آگے ہے، جو امریکہ کی مدد، اُس کی حوصلہ افزائی اور ٹریننگ کے بغیر کچھ بھی نہیں کرتا - کی طرف سے سخت اقتصادی پابندیوں سے دوچار ہے۔[1] امریکہ اِس سلسلے میں اقوامِ متحدہ کا ہی سہارا لیا کرتا

---

(۱) واضح ہو کہ ۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء (سہ شنبہ: ۲۲ر جمادی الاخری ۱۴۲۲ھ) کو امریکہ کے ''عالمی تجارتی مرکز'' پر حملے سے کئی سال پہلے سے ہی، امریکہ نے طرح طرح کے بہانوں سے طالبان کی اسلامی حکومت کے خلاف، اقوامِ متحدہ (اور صحیح لفظوں میں ''اقوامِ مختلفہ'') کا سہارا لے کر سخت اقتصادی پابندی عائد کر رکھی تھی۔

۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء میں امریکہ کے ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر حملے اور مسماری کو بہانہ بنا کر (کہ یہ حملہ القاعدہ نے کیا ہے، جس کے سربراہ اُسامہ بن لادن ہیں اور جن کو طالبان حکومت نے افغانستان میں پناہ دے رکھی ہے) امریکہ نے یک شنبہ - دو شنبہ: ۱۹-۲۰ر رجب ۱۴۲۲ھ مطابق ۷-۸ر اکتوبر ۲۰۰۱ء کی درمیانی شب میں افغانستان پر حملہ کرکے، اُس کو تباہ کرکے، ←

ہے۔ پوری دنیا کو معلوم ہو چکا ہے کہ امریکہ نے ایک دو بار نہیں، سینکڑوں بار، کسی ملک کے خلاف اپنی سامراجی عسکری انانیت کو تسکین دینے کے لیے، اقوام متحدہ کی بات ٹھکرادی، پھر اُس نے جوڑ توڑ کر کے اقوام متحدہ کے مستقل ممبروں کی حمایت سے، اپنی کارروائیوں کو عالمی جواز کا رنگ دے دیا۔ بغیر کسی نئی اشتعال انگیزی کی کارروائی کے، عراق پر امریکہ اور اُس کے طاقت ور مغربی حلیف نے حال ہی میں جو ضربیں لگائی ہیں (۱)، اِس سلسلے میں یہ مثال دی جاسکتی ہے؛ اِسی لیے پوری دنیا حتی کہ مغربی ممالک نے بھی اِس کی پرزور مذمت کی اور عراق پر حالیہ امریکی برطانوی حملے کو ایک ناجائز جارحانہ کارروائی قرار دیا۔

افغانستان کے تئیں، اقوامِ متحدہ کا موقف:

امریکہ اور اُس کے اشارے پر اقوامِ متحدہ، افغانستان کے تئیں جو رخ اپنائے ہوئے ہے، وہ اِس اسلامی ملک کے خلاف ایک عالمی جارحیت ہے، جس کی ۹۰ فی صد زمین پر طالبان کا کنٹرول ہے، وہاں اُنھوں نے اپنے خاص طریقے پر امن وامان کی فضا

← شنبہ: ۲۳/۸/۱۴۲۲ھ = ۱۱/۱۱/۲۰۰۱ء کو کمیونسٹ شمالی اتحاد (جو اسلام پسند طالبان کا مخالف رہا تھا) کی پشت پناہی میں "کابل" پر قبضہ کرلیا، شہر "ہرات" پر اِس سے قبل ہی، امریکہ کا کنٹرول ہوگیا تھا۔ جمعہ ۲۱/رمضان ۱۴۲۲ھ = ۷/دسمبر ۲۰۰۱ء کو شمالی اتحاد کے چھتر چھائے میں امریکہ نے طالبان کے آخری قلعے "قندھار" پر بھی قبضہ کرلیا اور اِس طرح اُس نے افغانستان پر اپنا تسلط قائم کرلیا؛ لیکن آج اِس تحریر کے اردو میں، طباعت کے لیے، تیار کیے جانے کے وقت، دوشنبہ ۲۳/رمضان ۱۴۲۸ھ = ۸/اکتوبر ۲۰۰۷ء تک طالبان امریکہ اور اس کے نام نہاد حلیفوں کے ساتھ گوریلا جنگ جاری رکھے ہوئے ہیں، جن میں کبھی امریکہ کا پلڑا بھاری ہوجاتا ہے اور کبھی طالبان کا؛ لیکن طالبان کا مورال (معنوی طاقت) ہنوز قائم ہے اور اُن کے حوصلے ذرا بھی پست نہیں ہوے ہیں۔

(۱) اِن ضربوں سے اِشارہ اُن حملوں اور عسکری کارروائیوں کی طرف ہے، جو امریکہ عراق پر، عراق کے اگست ۱۹۹۰ء میں کویت پر حملے اور قبضے کے بعد سے، مسلسل کرتا رہا تھا؛ تا آں کہ اُس کی عسکری طاقت کی مکمل مسماری کے بعد، اُس نے ۲۰/مارچ ۲۰۰۳ء سے عراق پر باقاعدہ زبردست حملہ کردیا کہ اُس کے پاس وسیع تر تباہی کے ہتھیار ہیں، ۱۹/اپریل ۲۰۰۳ء کو امریکی افواج کا بغداد پر قبضہ ہوگیا۔ متن میں جن ضربوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اُن سے مراد اوّل الذکر کارروائیاں ہیں۔ ثانی الذکر ۲۰۰۳ء والی مراد نہیں۔

قائم کی اور وہاں اسلامی شریعت کو نافذ کرنے کی کوشش کی؛ لیکن امریکہ اور دنیا کے سارے ممالک نے اِس دلیل کی آڑ میں ہر قسم کے حیلے حوالے سے کام لے کر اُنھیں پریشان کیا کہ اُن کے دیار میں بن لادن پناہ لیے ہوا ہے، جس کو یہ سخت جان طالبان امریکہ کے حوالے کرنے کو تیار نہیں۔ امریکہ کے خیال میں دنیا کے مختلف مقامات پر بن لادن، اُس کے مفادات کے خلاف دہشت گردانہ کارروائیوں میں ملوّث ہے، جس کا امریکہ کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں۔ طالبان والے امریکہ سے بار بار ثبوت مانگتے رہے؛ لیکن کوئی ثبوت ہوتو پیش کیا جائے، اِس لیے امریکہ آج تک بن لادن کے خلاف کوئی ثبوت پیش نہ کرسکا۔

بن لادن تو صرف ایک بہانہ ہے، جس کے در پردہ امریکہ افغانستان میں تیزی سے پھیلتی اُس اِسلامی تحریک کو کچلنا چاہتا ہے، جو افغانستان سے باہر بھی اپنے قدم جمایا چاہتی ہے۔ اِس موقع سے میرا یہ مقصد نہیں کہ میں طالبان کی تمام کارروائیوں کا دفاع کرتے ہوئے یہ کہہ دوں اُن کا ہر قدم شریعتِ اسلامی کی رو سے سوفی صد صحیح ہے؛ کیوں کہ طالبان کوئی فرشتہ نہیں، وہ بھی انسان ہی ہیں، اُن سے بھی غلطیاں سرزد ہوسکتی ہیں؛ تاہم یہ غلطیاں یقیناً ریاستِ اسرائیل اور اُس کے سرپرست امریکہ کی جارحانہ ودہشت گردانہ کارروائیوں کے معیار کی نہیں ہیں؛ لیکن امریکہ اور مغربی ممالک نے طالبان کے خلاف پوری دنیا اور سارے عالمی ذرائع کو اکٹھا کر کے، اُنھیں بدنام کرنے، اُن کے سراپا کو بگاڑنے اور آخرش ''اسلامی نظامِ حکومت'' کی غلط تصویر کشی میں کوئی فروگزاشت نہ کیا؛ تا کہ دنیا کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جائے کہ اِسلامی حکومت کا تجربہ اِس موجودہ ترقی یافتہ دنیا میں کام یاب نہیں ہوسکتا، جس کی ساری ترقی سیکولر عیسائی اور سیکولر نظام کی دین ہے۔

آج صورتِ حال یہ ہے کہ امریکہ اور سارے دشمنوں کی تگ و تاز کے نتیجے میں طالبان، دہشت گردی کی علامت بن گئے ہیں اور دنیا والوں کے ذہن میں اِس اعتبار سے اُن کی اِتنی غلط تصویر نقش ہوگئی ہے کہ جوں ہی اُن کا ذکر آتا ہے، دنیا اُن سے کراہت کا

اظہار کرنے لگتی ہے اور اُن سے ٹھیک اُسی طرح ڈرتی ہے، جس طرح چھوٹے بچے کالی بھتنیوں سے ڈرتے ہیں۔

طالبان کے ذریعے، بودھ کے مجسموں کو توڑنے کی کارروائی، شرعی نقطۂ نظر سے بھی، امریکہ اور دنیا کے اُن ممالک کی نقل وحرکت کے خلاف ایک رِدِّعمل سے زیادہ کچھ نہ تھا، جو طالبان کے خلاف محاذ بنا کر ٹوٹ پڑے ہیں اور اپنی غلطیوں سے باز آنے کو تیار نہیں۔ امریکہ نے اِس اِقدام کو بھی اُچک کر پوری دنیا میں طالبان کو بڑے پیانے پر بدنام کرایا اور آج کل عالمی ذرائع ابلاغ، طالبان کو برا بھلا کہنے کے لیے اِس طرح فارغ ہو کر بیٹھ گئے ہیں کہ گویا انسانی معاشرے کا صرف یہی ایک خطرناک قضیہ ہے، جس کی وجہ سے قیامت جلد آجائے گی اور دنیا میں بگاڑ اور فساد کا دور دورہ ہو جائے گا۔

کیا یہ ساری باتیں دنیا کو یہ دعوت نہیں دیتیں کہ وہ اِس سلسلے میں سنجیدگی سے غور و فکر کرے؛ تاکہ دنیا میں قدرتی حالت بہ حال ہو اور یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ اُسی انصاف کا برتاؤ کرے، جس کی وہ غیر مسلموں کے لیے مانگ کیا کرتی ہے۔



ایک کانفرنس کی ایک جرأت مندانہ قرارداد (•)

خبر رساں ایجنسیوں کی وساطت سے ہمیں موصول ہونے والی اُن خبروں سے بڑی خوشی ہوئی، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ایران میں منعقدہ کانفرنس - جو ۲/صفر ۱۴۲۲ھ = ۲۷/اپریل ۲۰۰۱ء جمعہ کو تہران میں اختتام کو پہنچی - میں فرحت بخش اور دلیرانہ قراردادیں پاس ہوئیں۔ دنیا کے زائد از تیس ممالک نے متفقہ طور پر ایک محضر نامے پر اپنے اپنے دست خط ثبت کیے، جس میں واضح انداز میں امریکہ کے ذریعے اسرائیل کی سیاسی، عسکری اور اقتصادی حمایت اور فلسطینیوں کے ساتھ اسرائیل کے بھیانک جرائم سے اُس کی چشم پوشی کی بھرپور مذمت کی گئی۔ اِس کانفرنس نے عربی اسلامی ممالک سے امریکی مصنوعات کے بائیکاٹ کی اپیل کے ساتھ ساتھ اسلامی ممالک سے یہ مطالبہ بھی کیا کہ وہ اسرائیلی ریاست کے ساتھ اپنے اقتصادی اور سفارتی تعلقات منقطع کرلیں۔

یہ قرارداد واقعی خوشی و مسرت کی لہر دوڑانے والی ہے، بہ شرطے کہ اِس کو عملی جامہ پہنایا جائے؛ لیکن ایسا لگتا ہے کہ قضیہ فلسطین کے تعلق سے منعقد ہونے والی، دگر اِسلامی عربی کانفرنسوں کی قراردادوں کی طرح یہ قرارداد بھی صرف فائل تک محدود ہوکر رہ جائے گی اور بات اِس سے آگے نہ بڑھ سکے گی۔

اِس کی وجہ یہی ہے کہ عربی اسلامی ممالک - بنیادی اور اصلی اختلافات کی بات تو جانے دیجیے - اپنے فرعی اور ذیلی چھوٹے موٹے اختلافات کو بھی ختم کرنا نہیں چاہتے، خواہ

(•) ترجمہ کلمۃ المحرر، الداعی، شمارہ:۴، جلد:۲۵، ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ = جولائی ۲۰۰۱ء ۔ ترجمہ اردو: جمعرات ۱۴۲۸/۳/۱۶ھ = ۲۰۰۷/۴/۵ء ۔

کتنی بھی نازک گھڑی کیوں نہ آ کھڑی ہو، چاہے کتنے بھی خوف ناک انجام سے اُنھیں دوچار ہونا پڑے اور خواہ کتنے ہی بھیانک خطرات کا اُنھیں کیوں نہ منھ دیکھنا پڑے۔ ہمارے قائدین وسیاست داں اپنے گہرے اختلافات کی وجہ سے اولاً تو کسی کانفرنس میں، کسی بھی فیصلہ کن قرارداد تک پہنچ ہی نہیں پاتے اور اگر پہنچ بھی جائیں، تو اُس کے نفاذ کی راہ میں اُن کی باہمی کشاکش دیوار بن کر کھڑی ہو جاتی ہے۔

اپنے مستقبل کے قضیوں۔ جن میں قضیہ فلسطین ''پہلے قضیے'' کی حیثیت رکھتا ہے۔ کی حد تک ہی سہی، اگر ہماری صفوں میں اتحاد ہوتا، تو صہیونیوں کے اندر اِتنی جرأت نہ ہوتی کہ وہ فلسطینی بچوں اور جوانوں کا پرندوں کی طرح شکار کریں۔ ہاں! ہاں! اسرائیلی افواج اور پولس والوں کے اندر اتنی طاقت نہ ہوتی کہ وہ جب اور جس وقت چاہیں فلسطینی پولس اسٹیشنوں اور سیکورٹی والوں پر گولہ باری کردیں، فلسطینی بچوں اور جوانوں کے ساتھ ساتھ فلسطینی پولس والوں کو قریب سے نشانہ بنائیں۔ اگر ہم متحد ہوتے، تو یقیناً صہیونی افواج، فلسطینی پولس والوں کے سروں اور سینوں میں گولیاں پیوست کرنے، اُن کی گاڑیوں کو نذرِ آتش کرنے اور ذلت و رسوائی کے ساتھ اُن کے ہاتھوں سے اسلحے چھیننے کی ہمت نہ جٹا پاتی۔ اگر اسرائیل کو عربی اسلامی صفوں کے باہمی اتحاد، اتفاق رائے اور فیصلہ کن اور نافذ العمل قرارداد پاس کرنے کا اِحساس ہوتا، تو وہ ہمارا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا تھا۔

جب ذرائع ابلاغ کے ذریعے ہمیں یہ خبریں ملتی ہیں کہ قابض اسرائیلی افواج، مسلسل جھڑپوں میں فلسطینی بچوں اور سیکورٹی والوں کو موت کے گھاٹ اتار رہی ہیں اور اس کے بالمقابل اکادکا ہی اسرائیلی فوجی اپنے انجامِ بد سے دوچار ہو رہا ہے، تو مشرق ومغرب کے گوشوں میں بسنے والے ہم مسلمانوں کے دلوں میں آگ سی لگ جاتی ہے۔ اِس کے باوجود، فلسطینی ''دہشت گرد'' اور ''تشدد پسند'' ہیں اور وہ ہتھیار، جنگ اور خون خرابے کو ترجیح دینے والے ہی شمار کیے جارہے ہیں اور صہیونیوں کو ''صلح جو'' اور ''امن پسند'' کے لقب سے یاد کیا جارہا ہے۔ یہ کتنی حیرت ناک بات ہے!

فلسطینی روزِ اول سے ہی جان و مال کی قربانی دیتے رہے ہیں(٭)

آگ وخون، تباہی وبربادی، بموں، گولوں، ٹینکوں، اپاچی ہیلی کاپٹروں اور ایف-١٦ لڑاکا طیاروں کا سامنا، سروں پر مکانات کی مسماری، پکی ہوئی کھیتیوں کی بربادی، بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کا قتل: یہی کچھ ہمارے فلسطینی بھائیوں کی صبح وشام کی خوراک بن گئی ہے۔ یہی اُن کی ہوا ہے، جس میں وہ سانس لے رہے ہیں۔ یہی اُن کا پانی ہے، جس سے وہ اپنی پیاس بجھا رہے ہیں اور یہی اُن کی دوا ہے، جس سے وہ اپنے زخموں کی مرہم پٹی کا کام لے رہے ہیں۔ کوئی ایک دو سال کی بات نہیں؛ بل کہ زائد از پچاس سال سے فلسطینی اِسی قسم کی زندگی جی رہے ہیں۔

فلسطینی عوام کو موت کے گھاٹ اتارنے، یا ترکِ وطن پر مجبور کرنے اور اُنھیں دیس نکالا دینے کے لیے، صہیونی صلیبی مغرب اور بت پرست و بے دین مشرق، خصوصاً امریکہ اور برطانیہ کے زبردست تعاون سے، پوری دنیا سے دُھتکارے گئے صہیونی(١) پچاس

(٭) ترجمہ کلمۃ العدد، الداعی بہ عنوان: "الشَّعْبُ الْفَلَسْطِيْنِيُّ ظَلَّ يُؤَكِّدُ مُنْذُ الْيَوْمِ الْأَوَّلِ الِاسْتِعْدَادَ غَيْرَ الْعَادِيْ لِلتَّضْحِيَةِ بِالنَّفْسِ وَالْمَالِ"، شمارہ: ٥، جلد ٢٥، جمادی الاولی ١٤٢٢ھ = جولائی - اگست ٢٠٠١ء۔ ترجمہ اردو: جمعرات ١٦/٣/١٤٢٨ھ = ٥/٤/٢٠٠٧ء۔

(١) تاریخ بتاتی ہے کہ یہودیوں کو کبھی بھی اور کسی جگہ بھی استحکام نصیب نہ ہوا۔ وہ جہاں جہاں بھی پناہ کے لیے گئے وہاں کی زمین کچھ ہی عرصے بعد، اُن پر تنگ ہوگئی۔ ٥٨٦ قبل مسیح میں شاہِ عراق "بخت نصر"، "یوروشلم" کو تباہ کر کے سارے یہودیوں کو قیدی بنا کر عراق لے آیا۔ جب کہ ٢٠٣ قبل مسیح میں یہودی، شاہانِ شام کے غلام بن کر ذلت وخواری ←

سالوں سے اِس کوشش میں لگے رہے ہیں کہ وہاں صہیونیت کی بنیادوں کو مضبوط کیا جائے، پوری دنیا سے چن چن کر صہیونیوں کو یہاں اِس طرح لا بسایا جائے کہ فلسطینیوں کے لیے پاؤں دھرنے کی بھی گنجایش باقی نہ رہے اور آخر الأمر ہمیشہ کے لیے، اِس فلسطینی قضیے کو ہی ختم کر دیا جائے کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

← سے دوچار رہے۔ ۷۰ء میں اُن پر رومیوں کا تسلُّط ہو گیا جنھوں نے اُن کے عبادت خانے جلا دیے اور اُن کا قتلِ عام کیا۔ دورِ اسلامی میں یہودی، اسپین اور پرتگال میں اطمینان وسکون کے ساتھ رہے؛ کیوں کہ مسلم حکم رانوں نے، اسلامی ہدایات پر عمل کرتے ہوے، اُنھیں انسانی حقوق سے نوازا۔ ۱۳ویں صدی عیسوی میں، یہودیوں کو عیسائیوں کے ہاتھوں ظلم وجور کا شکار ہونا پڑا، حتی کہ ۱۳۹۰ء میں تو اُنھیں اسپین اور پرتگال سے مکمل طور پر کھدیڑ دیا گیا۔ اِس سے قبل ۱۲۹۰ء میں انگلستان سے بھی اُنھیں مکمل طور پر ملک بدر کر دیا گیا۔ ۱۳۰۶ء میں شاہِ فرانس نے فرانس سے بھی اُنھیں مکمل طور پر نکال دیا، کچھ عرصے بعد کچھ یہودیوں کو انگلستان میں، کچھ شرائط کے ساتھ رہنے کی اجازت دی گئی؛ لیکن ۱۳۹۴ء میں دوبارہ یکسر نکال دیے گئے۔ ۱۳۶۰ء میں مجر سے اُنھیں بھگا دیا گیا۔ تگ و دو کے بعد دوبارہ آمد کی اجازت ملی؛ لیکن ۱۵۸۲ء میں پھر دُھتکار دیے گئے۔ ۱۳۷۰ء میں بلجیکا سے نکال دیے گئے اور ۱۳۸۰ء میں چیکوسلواکیا کے ''براگ'' خطے سے بھگائے گئے، ۱۵۶۲ء میں پیروی اور کوشش کے بعد واپسی کی اجازت ملی؛ لیکن ۱۷۴۴ء میں ایک ایک کر کے بھگا دیے گئے۔ ۱۴۲۰ء میں نمسا سے نکال دیے گئے، جب کہ ۱۴۴۴ء میں ہالینڈ کی زمین اُن پر تنگ ہو گئی۔ ۱۵۴۰ء میں اٹلی سے نکال دیے گئے۔ ۱۵۵۱ء میں جرمنی سے بھگا دیے گئے اور خود اُن کے ذرائع کے مطابق، جنگِ عظیم دوئم عرصہ ۱۹۳۹ء — ۱۹۴۵ء کے دوران جرمنی کے نازیوں نے اُن کا قتلِ عام کیا۔ ۱۵۱۰ء میں روس سے نکالے گئے، پھر سعیِ مسلسل کے بعد وہاں لوٹے؛ لیکن اُوکرانیا کے علاقے میں ۱۹۱۹ء میں سخت اذیتوں سے گزارے گئے۔ اِس طرح اِن کی مردودیت کا ایک طویل دور اور تاریخ ہے۔ تاریخ کے مطالعے سے یہ بہ خوبی واضح ہے کہ اِن کے ساتھ مسلمانوں کے سوا کسی نے انصاف نہیں کیا، جس کی وجہ اُن کی اپنی فطرت ہے جو نصوصِ قرآن کے مطابق بدکرداری، وعدہ خلافی، حکمِ الٰہی کی پامالی، علمِ دینی کے کتمان، سنگ دلی، قتلِ انبیا وصلحا وغیرہ سنگین صفات میں ڈھلی ہوئی ہے؛ اِسی لیے یہ کسی قوم اور مذہب اور کسی علاقے کے باشندوں سے گھل مِل نہیں پاتے؛ بل کہ اپنے میزبانوں اور اپنے محسنوں کے ساتھ بھی دغابازی سے کام لیتے رہے ہیں۔ اُن کی سرکشی، دوسروں سے برگشتگی، دوسروں کے حقوق کی پامالی کی وجہ اُن کا یہ مزعومہ اعتقاد ہے کہ وہ اللہ کی پسندیدہ وچنیدہ وبرگزیدہ قوم ہیں؛ اِسی لیے اُن کا یہ عقیدہ ہے کہ غیر یہود کا مال یہودیوں کے لیے جائز ہے؛ اِس لیے کہ دگر قوموں کی جان واَملاک پر اللہ نے یہودیوں کو اختیار دیا ہے، جیسے انسان کو حیوان پر فوقیت ہے، اُسی طرح قومِ یہود کو دگر اقوامِ ارض پر فضیلت حاصل ہے؛ کیوں کہ دگر اَقوامِ عالم یہودیوں کے بالمقابل بالکل چوپائے جیسے ہیں۔ (دیکھیے مقالہ: "اَنجي جَاوَزَ الظَّالِمُونَ الْمَدَنِي" از: ڈاکٹر حمد بن عبداللہ اللُّحَیدَان، روزنامہ الریاض، ص: ۱۳، شمارہ (۱۱۸۰۶) جلد: ۳۷)

صہیونیوں کا جال اور ہمارے قائدین:

جب شکست پسند نسل- اگر ہم ''عہد شکن'' اور ''دغا باز نسل'' کا نام نہ دیں- سے تعلق رکھنے والے قائدین اور سیاست دانوں نے دلیرانہ مقابلہ، عظیم جہاد اور اُس بہادرانہ جنگ سے- جس کے اندر مستحقین کو، ان کا حق دلوانے، چھینی گئی زمینوں کو واپس کرانے، وقار و اعتبار کو بہ حال کرنے، پامال شدہ عزت و آبرو کے انتقام کا موقع دینے، نیز جس کے اندر شرم سے ہمارا سر جھکانے اور ہمارے وقار کو مجروح کرنے والی ذلت و رسوائی سے نجات دلانے کی طاقت تھی اور ہنوز ہے- اپنے ہاتھ کھینچ لیے، تو صہیونی اپنے مطلوبہ اہداف کو بہ روئے کار لانے کے لیے، بلا انقطاع تمام وسائل کو کام میں لاتے رہے، چناں چہ مذاکرات کا ڈھونگ رچایا اور ہمارے حکم رانوں کو اُن معاہدات کے اکتا دینے والے سیریل کے بھنور میں لا پھنسایا، جن سے نہ ماضی میں فلسطینیوں کا کوئی بھلا ہوا اور نہ مستقبل میں ہوگا؛ بل کہ اُلٹا اِن معاہدات سے فلسطینیوں کی تباہی و بربادی میں اضافہ ہوا، اُنھیں مزید جلا وطنی کا منھ دیکھنا پڑا اور اُن کی مشکلات اور اُلجھنوں نے مزید پیچیدہ شکل اختیار کرلی۔ اِن نام نہاد معاہدوں نے فلسطینیوں کی مزید غلامی کی راہ ہم وار کی، جس کو اگر چہ فلسطینی مقتدرہ کے اربابِ بست و کشاد- جن میں پیش پیش فریب خوردہ یاسر عرفات ہیں- سمیت ہمارے دگر قائدین و سیاست دانوں نے قبول کرلیا ہے؛ لیکن فلسطینی قوم اور مشرق و مغرب کے مسلمانوں نے غلامی کا یہ طوق اپنے گلوں میں نہ ماضی میں کبھی ڈالنا پسند کیا اور نہ آیندہ کبھی پسند کریں گے۔

فلسطینی عوام نے، خاص کر حالیہ عوامی انتفاضے کے ذریعے، یہ باور کرادیا ہے کہ وہ صہیونیوں کے قبضے اور اُن کی غلامی کو ہرگز تسلیم نہ کریں گے اور صہیونیوں کے جبر و تشدد اور مغربی صلیبی نفاق کے سامنے ہرگز ڈھیر نہ ہوں گے۔

ہمارے فلسطینی بھائی اور خصوصاً وہ جوان اور بچے- جنھوں نے بے گناہ فلسطینیوں

کے جسموں سے، مسلمان ہونے اور اپنے دیار کے اصلی باشندہ ہونے کے جرم میں بہائے گئے پاکیزہ لہو کے بیچ اپنی آنکھیں کھولی ہیں- یہی چاہتے ہیں کہ وہ اپنے گھروں میں رہیں؛ کیوں کہ اُنھوں نے کوئی ایسا جرم، یا کوئی ایسی غلطی نہیں کی ہے جو اُن کی خانما بربادی یا اُن کے اندھادھند قتل کی سزا کا سبب بنے، وہ اپنے ملک اور اپنی سرزمین کو چھوڑ کر کہیں نہیں جانا چاہتے۔ یہ جوان اور بچے جان و مال اور اپنا سب کچھ اِس راہ میں قربان کرنے کے لیے پوری طرح کمر بستہ رہے ہیں۔

چھ سو بچوں اور جوانوں کی شہادت:

گزشتہ آٹھ مہینوں میں- نیز جب جب ضرورت پڑی اور صورتِ حال دھما کہ خیز ہوئی- اپنے معمول کے مطابق چھ سو بچوں اور جوانوں نے راہِ جہاد میں اپنی گردنیں کٹوا دیں اور زائد از پچیس ہزار نے اپنے جسموں پر گہرے زخم کھائے؛ لیکن جانوں کی بے دریغ قربانی اور پانی کی طرح بہائے گئے خونوں کی وجہ سے نہ اُن کے بازو کم زور ہوئے، نہ اُن کے ریڑھ کی ہڈیوں میں کوئی کجی آئی، نہ اُن کے عزم و حوصلے پست ہوئے اور نہ ہی وہ مایوسی و ناامیدی کا شکار ہوئے۔ حال آں کہ خبیث اور ملعون صہیونیوں نے اپنی مجرمانہ، وحشیانہ اور ظالمانہ کارروائیوں میں کوئی کسر نہ چھوڑی؛ بل کہ اِن کارروائیوں کے نتیجے میں وہ مزید طاقت کے ساتھ ڈٹ گئے، اُن کی حق پر ثابت قدمی میں اِضافہ ہوا، اسلامی سرحدوں کی حفاظت میں لگ گئے اور اِس طرح دشمنوں کا مقابلہ کیا، کہ اِس کا اُنھیں (دشمنوں کو) اندازہ بھی نہ تھا اور اُنھوں نے کسی حال میں اِس کی توقع نہ کی ہوگی؛ چناں چہ اِن فلسطینی جوانوں نے حال کے دنوں میں مختلف انداز میں تابڑتوڑ فدائی حملے کیے، جس کی وجہ سے صہیونیوں کے پتھر سے زیادہ سخت دلوں میں بھی دہشت بیٹھ گئی اور فلسطینی صہیونی تصادم میں کسی قدر ''خوف کا توازن'' قائم ہوا۔ اِس میں دو رائے نہیں کہ اِن نوعمر غیور فلسطینی جوانوں نے دیرینہ عزّ و شرف، واضح حق اور گراں بہا وطن کی حفاظت کے لیے، راہِ خدا میں اپنی قیمتی

جانوں کا نذرانہ اِس لیے پیش کیا ہے؛ تاکہ صہیونی اچھی طرح سمجھ لیں کہ وہ قائدین و سیاست داں، جنھوں نے اتنی تکلیفیں نہیں اٹھائیں، جتنی فلسطینی قوم نے اٹھائی ہیں اور جو اُس اصل اور صحیح اسلامی حس سے بہرہ ور نہیں ہیں، جس سے فلسطینی قوم اور عربی اِسلامی قوم بہرہ مند ہے؛ وہ جتنا اور جس قدر بھی ظلم و ذلت کی زندگی جینا گوارا کرلیں، فلسطینی اور اُن کے ہم نوا اِسلامی عربی عوام کبھی بھی ظلم و ذلت کو گوارا نہ کریں گے۔

بچوں اور جوانوں کا قابلِ ستائش رول:

یہ بچے اور جوان ماضی میں بھی قائدین و سیاسی لیڈروں سے زیادہ قضیہ ٔفلسطین کی اہمیت کو سمجھتے رہے ہیں، اسلامی شعور سے بہرہ مند رہے اور اِس قومی المیے کو اپنے سینے سے لگائے رہے ہیں، ہنوز اُن کے اندر یہی جذبہ کارفرما ہے اور مستقبل میں بھی وہ اِن احساسات سے اِن شاءَ اللہ دست بردار نہ ہوں گے؛ اِس لیے کہ قیادت و سیاست کا دم بھرنے والے یہ لوگ عقل کو عشق اور جذبے پر فوقیت دیتے ہیں اور انتفاضے کے یہ جوان اور بچے عشق و محبت کے ہی ذہن سے سوچتے اور صرف عشق کے مُحرِّکات پر لَبَّیک کہتے ہیں، اُن کی ہر نقل و حرکت اُس اسلامی جذبے کی آواز پر وجود میں آتی ہے، جس کو کسی بھی فرد یا جماعت نے جب بھی اپنا رہ نما بنالیا، اُس نے معجزہ دکھایا، تاریخ کے دھارے کو بدل ڈالا اور زمانہ اُس کے پیچھے چلنے اور اُس کے احکامات کو عملی جامہ پہنانے پر مجبور ہوا۔

اِن جوانوں اور بچوں نے کینہ پرور مغرب کے راست تعاون سے صہیونیوں کے ذریعے بچھائے گئے ''جال'' کے رنگ اور اُس کی نوعیت اور فریب دہی کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے؛ اِس لیے اُنھوں نے نہ ''امن'' کو قبول کیا، نہ معاہدے پر راضی ہوئے، نہ صلح صفائی کے لیے ہامی بھری اور نہ اُن جھوٹے صہیونیوں کے کسی وعدے پر کان دھرا، جو اپنی وعدہ خلافی، دروغ گوئی اور بات کو اَدلنے بدلنے کے حوالے سے اِنسانی تاریخ میں اپنی امتیازی شناخت رکھتے ہیں۔

خودسر مغرب کی ایک ہی کوشش ہے:

شروع دن سے ہی اِن بچوں اور جوانوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ طویلُ الوقتی اور مسلمانوں اور عربوں کو امن اور معاہدوں کی کارروائیوں میں پھنسانے کے ذریعے، خودسر مغرب کی بس ایک ہی کوشش ہے کہ وہ فلسطین میں صہیونی پودے کی جڑوں کو گہرائیوں میں پیوست کردے، اصحابِ مکان: فلسطینیوں کی گردنوں کو غلامی کے طوق سے مضبوطی کے ساتھ جکڑ دے، صہیونی ریاست کو عالمِ عربی کے قلب میں طاقت ورترین ریاست بنادے اور اُس کے اسلحہ خانے کو اِتنے سارے ہتھیاروں سے بھردے کہ وہ دنیا کے نقشے پر چوتھی بڑی عسکری ریاست بن جائے[1] جب کہ یہی مغرب، عالمِ عربی خصوصاً اُن ممالک کو جنھیں ظالمانہ اور خودغرضانہ طور پر ''مشرقِ وسطی'' کا نام دیا جاتا ہے، کم زور کرنے، وہاں کے اسلحہ خانوں کو دیوالیہ بنانے یا فرسودہ اور ازکاررفتہ ہتھیاروں سے بھرنے میں لگا رہا، اب بھی اِسی کوشش میں ہے اور مستقبل میں بھی مسلم ممالک کے تعلق سے اُس کا یہی رویہ برقرار رہے گا؛ تاکہ عربی ممالک صہیونی دشمنوں کی ریاست کے مقابلے کی تاب نہ لاسکیں۔

نیز یورپ نے عالمِ عرب بالخصوص ''مشرقِ وسطی'' کے ممالک کے اندر بہت سے مسائل پیدا کردیے، اُن کے اندر اختلاف وانتشار کا بیج بودیا، اُنھیں ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنادیا اور بھائی بھائی میں دشمنی کی آگ بھڑکادی؛ تاکہ وہ متحد نہ ہوں کہ طاقت ور ہوکر امریکہ، یورپ اور صہیونی دشمن کی ریاست سمیت، سارے دشمنوں سے مقابلے اور اُنھیں سبق سکھانے کے لیے تیار ہوجائیں۔

فلسطینی جوانوں اور مسلم عربی شیر بچے- جن کے ساتھ مشرق ومغرب کی وسعتوں میں پھیلے عربوں اور مسلمانوں کی دلی دعائیں ہیں- برہنہ سینوں، حسّاس دلوں، ایمان کی

---

(۱) یعنی امریکہ، روس اور چین کے بعد چوتھی بڑی عسکری طاقت اسرائیل ہی ہے، حتی کہ دنیا کے متعدد ممالک کو، وہ اسلحے سپلائی کرتا ہے خود ہمارا ملک ہندوستان اِس وقت اسرائیلی اسلحے کا ایک بڑا خریدار ہے۔

دولت سے لبریز عقلوں اور ایمان کی چاشنی سے بہرہ مند نفوس کے ذریعے، صہیونی منصوبوں کے مقابلے کی ضرورت پر مکمل ایمان رکھتے ہیں۔ اِنھوں نے صہیونیوں کے ناپاک منصوبوں کا ایسے جوش مارنے والے خون سے مقابلہ کیا ہے، جس کے ہر قطرے نے جلی حروف میں یہ عبارت تحریر کی ہے: جاں نثاری کے بغیر کوئی عزت نہیں مل سکتی اور عالمی مجلسوں کی بکواس اور لن ترانیاں بہ زورِ طاقت چھینی گئی اور پیروں تلے روندی گئی عربی عزت کا ذرہ برابر حصہ بھی نہیں لوٹا سکتیں۔

انتفاضے کے شہدا، خصوصاً ایسی جرأت مندانہ کارروائی -- جس کی وجہ سے صہیونیوں کے ہوش ٹھکانے لگ گئے، اُن کے اندر اتنی سراسمیگی اور دہشت پھیلی کہ وہ کسی دوسری جگہ بھاگنے کی سوچنے لگے، اُنھیں ہر جگہ اچانک کاری ضربیں لگیں، اُن کی سیکورٹی کے ذمے دار سراپا خوف بن گئے اور جس کی وجہ سے، بعض موقعوں سے اُن کی خوشیاں غموں میں تبدیل ہوگئیں -- کرنے والے رضا کاروں نے دوٹوک انداز میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ امن مارچ، جس کو قائدین اور سیاست دانوں نے ''واحد ترجیح'' کا عنوان دیا تھا، بے حیثیت ہو چکا ہے اور یہ کہ ''میڈریڈ''، ''اوسلو'' اور ''شرم الشیخ'' والے معاہدوں میں سے کسی سے ذرہ برابر بھی، برادرانِ فلسطین کا فائدہ ہوا نہ ہونے کو ہے۔

ایریل شیرون غصے سے پھٹ پڑا:

''صابرا'' اور ''شتیلا'' میں قتلِ عام کرنے والا ایریل شارون -- جو اپنے جسم و جثے، لہو، اپنے ظاہر و باطن، اپنے افکار و خیالات، اپنے سارے وجود سے، یعنی ہر اعتبار سے نفرت و ناپسندیدگی کا پوٹلا ہے -- اُس وقت غصے سے پھٹ پڑا، جب اُس نے دیکھا کہ فلسطینی بچے اور جوان، جارح صہیونی عسکری ساز و سامان کے روبرو کوہِ گراں بن کر ڈٹے ہوئے ہیں، حال آں کہ اُن پر قسم قسم کی تکلیفوں اور اذیتوں کی بارش کی جا رہی ہے، وہ اپنی جانیں گنوا رہے ہیں، ہر طرح کی مصیبتوں اور رکاوٹوں سے دوچار ہو رہے ہیں، اُن کے

مکانات کو مسمار کیا جا رہا ہے، اُن کے سر تن سے جدا کیے جا رہے ہیں، اُن کی ہڈیاں پسلیاں توڑی جا رہی ہیں اور اُن کے غم میں، اُن کے ماں باپ، بھائی بہن اور پڑوسی رو رو کر مرے جا رہے ہیں؛ لیکن یہ کبھی نہ ہوا کہ اُنھوں نے کوئی سستی دکھائی ہو، اُن کے حوصلے اور ارادے پست اور کم زور ہوے ہوں اور اُصول کی صحت اور نقطۂ نظر کی حقانیت پر اُن کے ایمان کی بنیادیں ذرا بھی ہلی ہوں۔

اِس ٹھوس اور مُعزّ زانہ موقف کی وجہ یہ ہے کہ انتفاضے کے اِن رضا کاروں نے ماضی میں بھی یہی کچھ دیکھا اور جانا اور اب بھی یہی جان اور دیکھ رہے ہیں کہ اگر اُنھوں نے حق کا دفاع کیا اور اُس کی مانگ کی، تو مغرب والوں نے ہمیشہ اُن کو ''تشدد پسند'' اور ''دہشت گرد'' ہی کہا اور اگر صہیونیوں نے ظلم و بربریت اور جارحیت و وحشت کا کھلم کھلا ارتکاب بھی کیا، تو مغرب والوں نے اُس کو اسرائیلی مفادات کے تحفظ اور ''بے گھر مظلوم'' یہودی باشندوں کے دفاع کی ''کارروائیاں'' بتایا۔

انتفاضے کے تعلق سے، مغرب کی دورخی پالیسی:

حالیہ انتفاضے کے حوالے سے مغرب کی دورخی پالیسی کی واضح مثال یہ ہے کہ امریکہ نے صہیونی بم باری کے نتیجے میں جاں بحق ہونے والے چھ سو فلسطینیوں کی لاشوں سے اپنی آنکھیں موند لیں؛ لیکن جس وقت سینکڑوں شہدا کی جانوں اور ہزاروں زخمیوں اور معذوروں کا بدلہ لینے کے جذبے سے، ظلم کی راتوں کی درازگی سے مایوس کوئی فلسطینی جوان اٹھ کھڑا ہوا، تو امریکہ نے آسمان سر پر اٹھالیا۔ بلا شبہہ امریکہ اور مغرب کا یہ دوہرا رویہ زبانِ حال سے چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ اگر سارے فلسطینی عوام بھی موت کے گھاٹ اتار دیے جائیں، تو بھی امریکہ اور مغرب کے لیے یہ کوئی لائقِ توجہ مسئلہ نہ ہوگا؛ لیکن اگر انتقاماً کسی ایک یہودی کو بھی مار دیا جائے، تو یہ ناقابل معافی جرم شمار ہوگا۔

اِس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ قائدین وسیاست داں بہ شمول یاسر عرفات، فلسطینی

عربی اور اسلامی حقوق سے ایک ایک کر کے دست بردار ہوتے رہے؛ لیکن صہیونیوں اور اُن کے یورپی قائدین کے منھ سے شکریے کا ایک لفظ بھی نہ نکلا، اُن کے اِس دست بردارانہ موقف کو ایک ''شریفانہ عمل'' اور ''مطلوبہ سرگرمی'' قرار دینا تو درکنار، اُن صہیونیوں اور یورپ والوں نے اِس کو ہمیشہ ایک ایسا عمل گردانا، جو مطلوبہ معیار پر پورا نہیں اترتا۔

اِس کی تازہ ترین مثال یہ ہے کہ جب حالیہ ہفتوں میں انتفاضے کی کارروائیوں اور فدائی حملوں میں اِضافہ ہوا، خصوصاً ۲۴ر مئی ۲۰۰۱ء جمعہ کو مجاہدین نے ''ونتساریم'' کے چوراہے پر دورضا کارانہ کارروائیاں کیں اور اُن کے ٹھیک تین دن بعد ۲۷ر مئی ۲۰۰۱ء اتوار کی صبح کو دو کار دھماکوں کا صہیونیوں کو سامنا کرنا پڑا، نیز اِن کارروائیوں کے دوران بدکار صہیونیوں کو مزید دو سخت ضربوں (شہر ''قدس'' کے رقص و سرود گاہ کے انہدام اور ''حیفا'' میں فٹ بال میچ والے واقعے کی شکل میں) کا درد جھیلنا پڑا، تو جیسے قیامت ٹوٹ پڑی، امریکہ اور صہیونیوں نے، حسبِ معمول نام نہاد خود مختار فلسطینی مُقتَدِرَہ کے صدر یاسر عرفات پر دباؤ ڈالا کہ وہ بہ جلد حرکت میں آئیں اور ''تشدُّد'' اور ''دہشت گردی'' یعنی جوش وجذبے سے لب ریز اِنتفاضے کے خاتمے کے سلسلے میں اپنی ذمے داری انجام دیں۔ مرتا کیا نہ کرتا، بے چارے یاسر عرفات بھی بے چون و چرا اِس کام کے لیے تیار ہو گئے، چناں چہ فلسطینی اتھارٹی کے حوالے سے صہیونی ذرائع نے خبر دی ہے کہ خود مختار فلسطینی مُقتَدِرَہ نے اسلامی تحریکِ مزاحمت: حماس کے اُن تین گروہوں کو گرفتار کر لیا ہے، جنھوں نے یہودیوں کے عسکری اور نو آبادکاری کے اہداف پر مورٹار گولے داغے تھے۔ صہیونیوں کی اِس ''بڑی خدمت'' کے عوض ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ یاسر عرفات کے شکر گزار ہوتے؛ لیکن اِس کے برعکس، انسانی خونوں سے ہولی کھیلنے والے صہیونی وزیر اعظم ''شیرون'' کے آفس کے ذرائع نے یہ کہا: حماس کے تین ٹکڑیوں کی گرفتاری سے متعلق اِن خبروں کی اشاعت کا مقصد صرف نئی امریکی انتظامیہ کو خوش کرنا تھا۔

جب سے صہیونیوں نے فلسطینی اتھارٹی کو، مزاحمت اور جہاد کو کچلنے کے لیے مقبوضہ

اراضی میں داخل ہونے کی اجازت دی ہے، اُسی وقت سے فلسطینی مُقتدِرَہ کے تعلق سے اُن کا یہی موقف ہے۔ یہ اجازت بھی اِس لیے دی گئی ہے؛ تاکہ فلسطینی اتھارٹی کے سیکورٹی کے ادارے فلسطینی عوام پر نظر رکھیں اور اِسرائیل کے لیے جاسوسی کا فریضہ انجام دیں۔ دوسری طرف ہمارے حکم راں اور صدر یاسر عرفات کا حال یہ ہے کہ وہ خودسپردگی کی راہ پر ہی تیز گامی سے محوِسفر ہیں؛ لیکن خدائی قانون کے تحت اُنھیں صہیونیوں کی طرف سے مناسب جواب مل رہا ہے۔ تو کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ عرفات عقل کے ناخن لیں، اپنے شکست خوردانہ طریقۂ کار کی غلطی کا اِدراک کریں اور یہ سمجھیں کہ شکست خوردانہ مذاکرات، مجاہدین کی سرکوبی اور بہادر جوانوں کو دیس نکالا دینے کی راہ پر چل کر وہ سیدھی راہ سے بھٹک رہے ہیں۔

مذکورہ حالات کے نتیجے میں، فلسطینی عوام، جوان اور بچے، روزِ اول ہی سے بہ خوبی سمجھ رہے ہیں کہ عزوشرف، زمینوں کی بازیابی، آبرو کی حفاظت اور قدس کی واپسی کی راہ، خدا کے راستے میں جان ومال کی قربانی سے ہوکر گزرتی ہے۔ اُن پر لاکھوں سلام، اُن پر رحمٰن کی مبارک بادی اور ملائکہ کا سلام نازل ہو۔ اللہ کے ہاں حورِعین اُن کے لیے سراپا استقبال ہیں۔ خدائی فرمان ہے: اور کہہ کہ عمل کیے جا، پھر آگے دیکھ لے گا اللہ تمھارے کام کو اور اُس کا رسول اور مسلمان۔ (توبہ:۱۰۵)



قضیۂ فلسطین.. امتِ مسلمہ کے ضمیر سے رائے شماری کی ضرورت (✽)

نوخیز جوانانِ فلسطین اور پھول جیسے ننھے مُنے معصوم فلسطینی بچے، اپنے بیش بہا وطنِ مقدس: فلسطین پر محض خالقِ کائنات کی خوش نودی کی خاطر، اپنی مقدس جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے، مسابقانہ جذبات کے ساتھ ناپاک دشمنوں سے ٹکر لے رہے ہیں۔ اِس میں تعجب کی کوئی بات نہیں؛ کیوں کہ قضیۂ فلسطین اپنے وجود کے دن سے ہی اِنھی جاں نثار شہدا کی بہ دولت زندہ رہا ہے۔ فلسطینی عوام نے کبھی شکست تسلیم نہ کی؛ بل کہ صہیونی دشمن سے ہمیشہ برسرِ پیکار رہے اور اُن کے خلاف بہ قدرِ استطاعت جنگ کا ماحول بنائے رکھا، (حال آں کہ دشمن کی طرف سے قتل وخوں ریزی، تباہی و بربادی اور دھڑ پکڑ کے مظاہر، روزِ اول سے لے کر آج تک بلا انقطاع اپنی سابقہ روش پر باقی ہیں) ''تصفیہ'' کے خوش نما عنوان سے، شکست خوردانہ رویّے کے زور پکڑنے کے دنوں میں بھی، مزاحمت اور عوامی جدوجہد میں کوئی کمی نہ آئی۔

جذبۂ جہاد کی وجہ سے ہی، قضیۂ فلسطین زندہ ہے:

فلسطینی عوام کے جذبۂ جہاد، اُن کی ثابت قدمی اور زبردست مزاحمت کے تسلسل

(✽) ترجمہ اداریہ (کلمۃ العدد) الداعی بہ عنوان: ''فَلْنَسْتَفْتِ فِي قَضِيَّةِ فَلَسْطِيْنَ ضَمِيرَ الْأُمَّةِ الْمُسْلِمَةِ'' شمارہ:٦، جلد:٢٥ جمادی الاخری ١٤٢٢ھ = اگست-ستمبر ٢٠٠١ء ۔ ترجمہ اردو: دوشنبہ ٥/٤/١٤٢٨ھ = ٢٣/٤/٢٠٠٧ء ۔

ہی کی دین ہے کہ قضیۂ فلسطین اب تک زندہ ہے۔ دنیا والوں کی توجّہ اپنی طرف مبذول کرا رہا ہے اور عربی اسلامی قوم سے یہ اپیل کرر ہا ہے کہ وہ اُس پر مادی اور معنوی اعتبار سے بھر پور توجّہ دیں۔ دشمن کی خود سری، اُس کی دندناہٹ اور غرور کو خاک میں ملانے کے لیے، جب جب کش مکش اور مزاحمت میں تیزی آئی اور دشمنوں سے مقابلے کی آگ بھڑ کی، تو قضیۂ فلسطین کے حوالے سے دنیا کی توجّہ میں اِضافہ ہوا، بین الاقوامی سرگرمی بڑھی اور عربی اسلامی قوم، خوابِ غفلت سے بیدار ہوئی۔

یہ کتنی افسوس ناک بات ہے کہ ایک طرف تو بے چارے فلسطینی عوام، پہلے سے کہیں زیادہ اِس قضیے کو مُؤَثّر بنانے اور اُس میں زندگی کی نئی روح پھونکنے کے لیے کمر باندھ کر کھڑے ہوے، تو دوسری طرف ہمارے مسلم رہ نما اور سیاسی لیڈران اِس قضیے کی آڑ میں، اپنی سیاسی دکان چمکانے اور اِس کے ذریعے، اپنے عاجلانہ اَغراض و مفادات حاصل کرنے کے لیے خم ٹھونک کر میدان میں آگئے اور یہ گھٹیا کوشش کی کہ امن و سلامتی قائم کرنے کے نام پر قضیۂ فلسطین کو شکست خوردانہ سیریل کے جال میں پھنسادیں اور فلسطینی عوام کو مزاحمت سے اپنے قدم پیچھے کھینچ لینے پر مجبور کر دیں؛ تا کہ دشمنوں کے مفادات کو، کوئی زک نہ پہنچے، وہ امن وامان کے سایے میں چین کی نیند سوئیں اور یہ مسئلہ ہمیشہ ہمیش کے لیے اپنی موت آپ مرجائے۔

انتفاضے کے ساتھ ہونے والی خیانتیں:

جب جب قضیۂ فلسطین، طاقت کے ساتھ اُبھرا، صہیونیوں کے وجود کو خاکستر کر ڈالنے کے مقصد سے انتفاضہ کی آگ بھڑ کی اور جوان و بچے پتھروں سے صہیونی گشتی دستوں کا مقابلہ کرنے اور اپنی قیمتی جانوں کو راہِ خدا میں نچھاور کرنے کے لیے کفن بر دوش اُٹھ کھڑے ہوے، تب تب اُس کو زندہ در گور کرنے اور ناکام بنانے کے لیے بڑے پیمانے پر سازشیں رچی گئیں۔

چناں چہ ۱۹۸۷ء میں جنم لینے والے پہلے انتفاضے کے ساتھ یہی ہوا کہ اُس کو ۱۹۹۳ء میں تنظیم آزادیِ فلسطین کی اُس قیادت[1] کے ہاتھوں ناکام بنادیا گیا، جس نے معاہدۂ ''اوسلو'' کا سہارا لے کر، اُس کو زیرِ زمین دفن کردیا۔ اِس کے بعد فلسطینی مقتدرہ نے وہی غلطی کی کہ اُس نے سالِ گزشتہ ستمبر ۲۰۰۰ء سے جاری حالیہ انتفاضے کو ختم کرانے کا عہد و پیمان کرلیا۔ چناں چہ اُس نے اپنے اِس عزم کا اظہار کیا کہ وہ فلسطینی جوانوں اور بچوں کے ذریعے رونما ہونے والی ''دہشت گردی'' اور تشدد کو اپنے آخری انجام تک پہنچا کر ہی دم لے گی۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ فلسطینی مقتدرہ کے سربراہ مسٹر عرفات کو ازسرِ نو مستحقِ توجہ بنانے کا سہرا انتفاضہ ہی کے سر جاتا ہے، نیز فلسطینی قضیے کی دستاویزات کے حوالے سے جو کچھ وہ سرگرمی دکھلا رہے ہیں اور اُن کے موقف کو عالمی اور اسلامی عربی رائے عامہ کی جو کچھ ہم دردی ملی ہے، وہ اِسی انتفاضے کی دین ہے؛ لیکن اقتدار کے نشے میں چور اور کرسیِ حکومت کے عہدے کے خمار میں بدمست ہر شخص کی فطرت ہے کہ وہ بہ وقتِ اقتدار عموماً صحیح بات کو سمجھتا نہ صحیح سَمت کو دیکھتا ہے۔

یاسر عرفات، آٹھ مہینے تک ہی انتفاضے کو گوارہ کرسکے:

سب سے زیادہ افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ یاسر عرفات - اللہ انھیں اور اُن کے نقش قدم پر چلنے والے تمام عربی اور مسلم رہ نماؤں کو ہدایت دے - نے صرف آٹھ مہینے ہی انتفاضہ کو گوارا کیا، جب کہ دوسری طرف وہ مذاکرات جیسے کارِ عبث اور بے ہودہ کام میں، سالوں مذاکرات کی میز پر بیٹھتے رہے۔ حال آں کہ - جیسا کہ میں نے ابھی کہا - انتفاضہ ہی کے بل بوتے یاسر عرفات متحدہ اور مضبوط فلسطینی موقف اختیار کرسکے۔ اِسی انتفاضے نے پوری اسلامی دنیا کو قضیۂ فلسطین کے اِرد گرد لاکھڑا کیا، اِسی کی دین ہے کہ آج پوری دنیا حیرت واستعجاب کے ساتھ سنگ بہ دست بچوں اور رضاکار نوجوانوں کی طرف دیکھ رہی

(۱) ظاہر ہے کہ اِس قیادت کے سربراہِ اعلیٰ بھی یاسر عرفات ہی تھے۔

ہے اور نا قابلِ بیان خوف ودہشت کے ساتھ ملعون صہیونی اِن مجاہدین کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہے ہیں؛ لیکن ہائے افسوس کہ یاسر عرفات نے اِن تمام باوقار اور معززانہ اکتسابات کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں اور مئی ۲۰۰۱ء کی، دشمنوں کی کارروائی کے بعد، اِس مقصد سے اٹھ کھڑے ہوے کہ وہ ''تشدد'' پر بند لگانے کی فوری جدوجہد کا اعلان کردیں اور وہ خود یہ تسلیم کرلیں کہ قابض اور ملعون غاصبین کی تادیب کے ارادے سے فلسطینیوں نے جتنی قربانیاں دیں اور جتنے رضا کارانہ حملے کیے اور ہنوز جو کچھ کر رہے ہیں، وہ سراپا ''تشدد'' ہے اور یہ کہ فلسطینی واقعتاً ''تشدد پسند'' ہیں۔

جوان اور بچوں کی شان دار مزاحمتی کارروائیاں:

آخری دنوں میں مزاحمتی کارروائیاں زور پکڑ گئی ہیں، بچوں اور جوانوں نے صہیونی افواج کی گولیوں کا جواب پتھروں اور ڈھیلوں سے دینا شروع کیا ہے اور اِس سے ایک قدم آگے بڑھ کر اُنھوں نے فدائی حملے کیے۔ یہ سب کچھ وہ جوان اور بچے انجام دے رہے ہیں، جنھوں نے روزِ اول سے ہی قبضے کا کڑوا گھونٹ پیا ہے، جن کی آنکھیں سخت ترین تکالیف اور خوف ناک ایذا رسانیوں کے سایے میں کھلی ہیں، اُنھوں نے تذلیل وتوہین، آبروریزی، قتل وغارت گری، بھیانک بم باری اور محاصرہ اور ناکہ بندی کے بے شمار مناظر دیکھے ہیں۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر اُن کے تن بدن میں آگ لگ گئی، اُن کی غیرتِ ایمانی جوش مارنے لگی اور وہ قابض دشمنوں کے ناپاک سایے اور ذلت وغلامی کی طویل رات سے پیچھا چھڑانے کے لیے، صہیونی گشتی دستوں اور افواج پر اپنے ہاتھوں یا گوپیوں (پتھر پھینکنے کے قدیم آلے) سے ہی پتھر اور اینٹ پھینکتے ہوے اٹھ کھڑے ہوے۔ یہی کچھ اُن کا شعار اور اُن کی پہچان بن گئی؛ چناں چہ جب جب فلسطینی جوانوں اور بچوں کا نام لیا گیا، تو اُس کے ساتھ ساتھ پتھر، اینٹ اور گوپیے اور غلیل کا بھی نام لیا گیا۔

جب قضیۂ فلسطین کی تجارت، نیز نوجوانوں کی بیش بہا قربانیوں اور اُن کی استشہادی کارروائیوں کے ساتھ بھاؤ تاؤ کی کوششیں ہمارے نام نہاد رہ نماؤں نے تیز کر دیں، تو یہ جوان اور بچے مزید مضبوطی کے ساتھ اپنے اٹل موقف پر ڈٹ گئے اور پہلے سے کہیں زیادہ مسابقانہ جذبے کے ساتھ اپنی جانوں کی قربانی پیش کی، چناں چہ اِن نوجوانوں میں سے جو، زیادہ بہادر اور حوصلہ مند تھے، وہ دشمنوں کو اپنے انجامِ بد تک پہنچانے، اُن کے دلوں میں خوف و دہشت پیدا کرنے اور اُنھیں نفسیاتی اور اندرونی شکست سے دوچار کرنے کے لیے، اپنے آپ کو دھماکہ خیز مادوں سے اڑانے لگے۔

یہ کارروائیاں، صد فی صد؛ بل کہ اِس سے کہیں بڑھ کر کام یاب ہوئیں؛ کیوں کہ سرزمینِ انبیا، ارضِ فلسطین سے موصول ہونے والی رپورٹوں سے درج ذیل حقائق سامنے آتے ہیں:

۱- انتفاضہ کی کارروائیوں نے عموماً اور رضا کارانہ کارروائیوں نے خصوصاً یہودی کالونیوں کو ایک ناقابلِ برداشت جہنم میں تبدیل کر دیا ہے؛ کیوں کہ کم از کم اِن کالونیوں میں بسنے والے صہیونی اپنی جان بچانے کے لیے اِنھیں کو خیر باد کہنے پر مجبور ہوے ہیں۔

۲- ریاست ہاے متحدہ امریکہ کی طرف ہجرت کے لیے قرعہ اندازی کے عمل میں شرکت کی درخواست پیش کرنے والے صہیونیوں کی تعداد پچھلے سال سے دس گنا بڑھ گئی ہے؛ چوں کہ انتفاضے کی کارروائیوں نے صورتِ حال اتنی دھماکہ خیز بنادی ہے کہ یہودیوں کی ایک بڑی تعداد دوسری جگہوں میں جا بسنے پر مجبور ہوگئی ہے۔ سینٹر برائے نقل مکانی -جس کے ذمے دار اٹلانٹا (امریکہ) کے یہودی ہیں- کے ڈائرکٹر ''براک لیون'' نے زور دے کر کہا: نقلِ مکانی کی درخواست دینے والوں کی تعداد میں اِضافہ، یہودیوں کے حوصلوں (مورال) کے آلۂ پیمایش کی حیثیت رکھتا ہے۔''

۳- ان دنوں یہودی اعصابی تناؤ کو کم کرنے والی دواؤں کا حد سے زیادہ استعمال کر رہے ہیں۔ مُسکّن دوائیں تیار کرنے والی ایک کمپنی کے سروے سے پتہ چلا ہے کہ اِس

قسم کی دواؤں کی کھپت میں نمایاں اِضافہ ہوا ہے اور توقع ہے کہ صہیونیوں کے ذریعے فروخت ہونے والی اِن دواؤں کی مقدار، اِس سال ۱۵ ملین ڈالر کو پہنچ جائے گی۔

۴- یہودی پریس نے باوثوق ذرائع سے یہ خبر دی ہے کہ شہادت پسندانہ کارروائیوں کی وجہ سے کالونیوں میں رہنے والے یہودیوں کے حوصلے بری طرح پست ہیں اور اُن کی معاشی حالت خستہ ہے۔ یہودی پریس نے یہودیوں کے ایسے واقعات نقل کیے ہیں، جن سے اُن کی ناامیدی اور گھبراہٹ کا پتہ چلتا ہے، حتیٰ کہ کاروباری لوگ تجارت گاہوں میں اپنے سامان لے جانے سے ڈر رہے ہیں۔ گیس کے سلنڈر پہنچانے والی گاڑیاں بھی یہودی کالونیوں میں، سلنڈر پہنچانے سے انکار کرنے لگی ہیں اور سلنڈروں کو دور دراز مقامات پر ہی چھوڑ کر واپس لوٹ جاتی ہیں۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ اِن کالونیوں کا رخ کرتے ہوئے ہر ایک کو ڈر لگتا ہے؛ کیوں کہ وہاں تک جانے والے سارے راستے غیر محفوظ ہیں اور فلسطینی جوانوں کی مجاہدانہ کارروائیوں کے نشانے پر ہیں۔

۵- روزمرہ کی ضروری غذائی اشیا کا حصول بھی، یہودیوں کے لیے ایک پریشان کن مسئلہ بن گیا ہے، اِسی طرح ڈاک بھی اُن کے پاس نہیں پہنچ رہی؛ اِس لیے کہ پوسٹ مین کو بھی یہودی کالونیوں کے مابین آمد ورفت کے دوران اپنی جان کا کھٹکا لگا رہتا ہے۔ اَطبا بھی اِن کالونیوں کا رخ کرنے سے پہلے ہزار بار سوچنے لگے ہیں۔ ایک خاتون نوآبادکار کا یہ کہنا تھا: اب ڈاکٹر بھی شاذ و نادر ہی نظر آتے ہیں۔

۶- صہیونی نوآبادکار، جب اپنی جان بچانے اور فدائی حملوں سے نجات پانے کے لیے کسی دوسری جگہ کے لیے روانگی کا ارادہ کرتے ہیں، تو اُنھیں کوئی ایسا ٹرک نہیں ملتا، جو اُنھیں، اُن کے سامان سمیت دوسری جگہ منتقل کر دے۔ چناں چہ ایک خاتون نوآبادکار کہتی ہے کہ وہ نقل وحمل کی ۱۲ کمپنیوں کے پاس گئی، تاکہ وہ اُس کے فرنیچر کو دوسری جگہ منتقل کر دے؛ لیکن اُس کو کمپنی والوں کی طرف سے یہ جواب ملا: اے خاتون! کیا تم اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھی ہو، کیا تم چاہتی ہو کہ ہم اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال دیں؟!

۷- صورتِ حال اتنی ابتر ہے کہ زوال پذیر امن و امان کے باعث دنیا کے دیگر یہودی ''ارضِ موعودہ'' کے سفر و زیارت سے کترا رہے ہیں۔ اسفار کی منسوخی کی تیز لہروں نے اب دنیا کے دیگر خطوں میں آباد یہودی نسلوں اور تنظیموں کو بھی اپنی لپیٹ میں لینا شروع کر دیا ہے۔ خوف و دہشت کے سایوں کا سلسلہ غیر ملکی ہوائی کمپنیوں تک دراز ہو گیا ہے؛ چناں چہ اِن کمپنیوں نے اِس خوف سے اسرائیل کی بہت سی پروازیں منسوخ کر دی ہیں کہ ہوائی جہاز کے عملوں کو وہاں سونے کے دوران پے در پے رونما ہونے والی کارروائیوں سے دوچار نہ ہونا پڑے گا۔(۱)



اپنے رب پر ایمان رکھنے والے اِن بصیرت مند و باشعور فلسطینی جوانوں کو درج ذیل جاں نثارانہ مُحرِّکات مہمیز کر رہے ہیں:

۱- وہ ایمانی اور مذہبی سرمایہ، جو شہدا کو شرف و عزت سے نوازتا اور جہاد پر اُبھارتا ہے اور جہاد کرنے والوں کے مقام و مرتبے کو بلند کرتا ہے۔

۲- سارے تہذیبی، دینی اور تاریخی گوشوں کے ساتھ، دشمن کے ساتھ کش مکش کی اصلیت اور اُس کا مبنی بر حقیقت ہونا۔

۳- مزاحمتی سوچ کا رواج اور یہ تجربہ کہ مزاحمت ہی قبضہ گیر صہیونیوں سے ٹکر لینے کی واحد ایسی راہ ہے؛ جس پر چل کر اِن صہیونیوں کو، دست برداری پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔

۴- صہیونیوں کے ذریعے عسکری اور سیاسی دونوں سطحوں پر دباؤ میں اِضافہ، جس کی وجہ سے اِن نوجوانوں کے اندر جدوجہد آزادی کا جذبہ پروان چڑھ رہا ہے۔ سفاک ''شیرون''(۲) کے برسر اقتدار آنے کے بعد چیلنج اور مقابلے کی اہمیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔

---

(۱) ہفت روزہ المجتمع، کویت۔

(۲) ایریل شیرون (Ariel Sharon) یہ صہیونیوں کی ''لیکوڈ پارٹی'' سے تعلق رکھتا ہے۔ ۷ر مارچ ۲۰۰۱ء سے ۲۱ر نومبر ۲۰۰۵ء تک اسرائیل کا وزیر اعظم رہا ہے۔

۵- اپنے بازوؤں پر اعتماد کو ترجیح دینے کے رجحان میں تیزی؛ تاکہ حکومتی کردار کی ناکامی، کھلی امریکی جانب داری اور یورپ، روس اور چین کی پالیسیوں کی ناکامی کے بعد، عربی اسلامی اور عوامی رول ہی پر انحصار کیا جا سکے۔(۱)

قربانیوں کا دائرہ صرف شہادت تک محدود نہیں؛ بل کہ:

مسجدِ اقصی کے تقدُّس کی حفاظت اور ارضِ مبارکہ کی بازیابی کی خاطر، جو قربانیاں دی جا رہی ہیں، اُن کا دائرہ صرف شہادت تک محدود نہیں؛ بل کہ اُن کی بہت ساری شکلیں ہیں۔ کوئی فلسطینی قابض افواج کے تباہ کن ہتھیاروں سے اپنی جان قربان کرتا ہے، تو کوئی مجاہد، قابض صہیونیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنا سب کچھ لے کر گھر سے نکلتا ہے اور راہِ خدا میں اپنی جان دے دیتا ہے۔ کوئی فلسطینی رضا کار، غاصب و قابض صہیونیوں کو گزند پہنچانے کی اپنے ہدف اور شکار کو طے کر کے اِس طرح پلاننگ اور منصوبہ بندی کرتا ہے کہ وہ صہیونیوں کو دہشت میں ڈالنے، ان کے حوصلوں کو توڑنے اور اُن کے رعب و دبدبے کو کم زور کرنے کے لیے انسانی بم بن کر، اُن کے روبہ رو اپنے آپ کو دھماکہ خیز مادے سے اڑا کر شہید ہو جاتا ہے۔ اِن تصویروں کے جلو میں بہت سے عظیم تر، گہرے اور ہمہ گیر معانی و تصوُّرات پوشیدہ ہیں؛ کیوں کہ اِنھی تصاویر کے نتیجے میں جہاں دشمنوں پر دھاک ـ جو شریعت میں مطلوب ہے اور جس کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے ـ بیٹھتی ہے، وہیں امتِ مسلمہ کا حوصلہ بڑھتا ہے اور جوانوں کے اندر جہاد و شہادت کا جذبہ اِس قدر جوش مارنے لگتا ہے کہ وہ اِس دنیاوی زندگی کے سارے لذیذ ترین عیش و آرام کو تج کر راہِ خدا میں قربان ہونے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں؛ تاکہ اُنھیں اپنے رب کی جنت میں وہ ساری چیزیں مل جائیں، جنھیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں جس کا خیال آیا۔

---

(۱) ابراہیم، ابوالہیجا، المجتمع، شمارہ: ۱۴۵۲۔

شہادت پسندانہ کارروائیاں، شریعت کی نظر میں:

فلسطینی جوانوں اور بچوں کی اِن شہادت پسندانہ کارروائیوں کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ واقعی جہاد ہے، جس پر اُنھیں خدا کے ہاں اجرِ عظیم سے نوازا جائے گا، یا یہ ''خودکشی'' ہے کہ اُس کے مرتکبین گنہ گار ٹھہریں گے اور خدا کے ہاں سزا کے مستحق گردانے جائیں گے؟

مستند علما کی ایک قابلِ ذکر تعداد نے، اِن کارروائیوں کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور کتاب وسنت کے مضبوط دلائل کی روشنی میں اِن کو ایک بڑا جہاد قرار دیا ہے۔

۱۱رصفر ۱۴۲۲ھ = ۵رمئی ۲۰۰۱ء کو رابطہ علمائے فلسطین کی طرف سے ایک فتویٰ جاری ہوا ہے، جس میں پوری قوت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ فلسطین میں یہودیوں کے خلاف شہادت پسندانہ اِقدامات، راہِ خدا میں ایک بڑا جہاد ہیں۔ یہ فتویٰ قرآن وحدیث کے صحیح دلائل پر مبنی ہے، جن کی تفصیل فتویٰ کی عبارت میں موجود ہے۔ ساتھ ہی اِن شہادت پسندانہ کارروائیوں کے خلاف اُٹھائے جانے والے شکوک وشبہات کا فتویٰ میں اِزالہ کیا گیا ہے۔(۱)

اِسی طرح شیخ سلیمان بن ناصر علوان کی طرف سے بھی ایک فتویٰ شائع ہوا ہے، جس میں وضاحت کے ساتھ بتلایا گیا ہے کہ رضا کارانہ کارروائیاں دشمن کے خلاف جہاد کا کارگر اور بہترین ہتھیار ہیں۔ اُنھوں نے کئی ایک دلائل پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے:

ایک ایسے وقت میں، جب کہ مسلمان یہودیوں کے ساتھ جنگ، اُنھیں سزا دینے اور اُنھیں مقدس سرزمین سے نکال باہر کرنے کے عمل کی اپنے اندر سکت نہیں رکھتے، میرا خیال یہ ہے کہ شہادت پسندانہ حملے ایک ایسی کارگر دوا ہیں، جن کے ذریعے ہم اِن برادرانِ خنازیر کا علاج کر سکتے ہیں اور یہ کہ ایمانی مُحرِّکات کے تحت بلند تر مقاصد کی حصول یابی کے جذبے سے کافروں کے قلوب میں دہشت پیدا کرنے اور اُن کے جان ومال کو نقصان

---

(۱) المجتمع، شمارہ: ۱۴۵۲۔

پہنچانے کے لیے، اپنی جانوں کو قربان کرنا، دشمنوں کو سبق سکھانے کا بہترین وسیلہ ہے۔[1]

شیخ سلیمان بن ناصر علوانی ہی کی طرف سے ایک تیسرا فتویٰ منظرِ عام پر آیا ہے، جس میں اُنھوں نے صاف لفظوں میں کہا ہے کہ جو شخص دشمنوں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے، اپنے آپ کو دھما کہ خیز مادے سے اڑا لے گا، اُس کو صبر آشنا شہدا اور سچے مجاہدین کا ثواب ملے گا۔ اُنھوں نے یہ بات اُس وقت کہی، جب اُن سے یہ پوچھا گیا کہ فلسطین اور چیچنیا میں آئے دن ہونے والے خودکش حملوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ شیخ سلیمان نے دوٹوک انداز میں جواب دیا کہ فلسطین، چیچنیا اور دوسرے بہت سے مسلم ملکوں میں جو شہادت پسندانہ حملے ہو رہے ہیں، وہ اسلامی جہاد کی ایک قسم ہیں اور دشمنوں سے جنگ اور اُنھیں اپنے اِرادوں سے باز رکھنے کا ایک طریقۂ کار ہیں۔[2]

چوتھا فتویٰ ڈاکٹر علامہ یوسف قرضاوی کا ہے، اُن کی بھی یہی رائے ہے کہ جہاد، اُن ملکوں میں فرض ہے، جن میں دشمنانِ اسلام مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہیں۔ یہ اُن کی طرف سے اُس اِستفتا کا جواب تھا، جس میں یہ دریافت کیا گیا تھا کہ جن مقامات اور خطوں میں مسلمان دشمنوں کے نشانے پر ہیں، اُن میں جہاد کا کیا حکم ہے؟ اُنھوں نے مزید کہا کہ جہاد بعض حالات میں فرض کفایہ اور بعض حالات میں فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ فلسطین کی موجودہ صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے، آج وہاں جہاد فرضِ عین ہو گیا ہے؛ اِس لیے کہ وہ انبیا کی سرزمین ہے، مسجدِ اقصیٰ اور قبلۂ اول اُس کی گود میں واقع ہے؛ نیز اُس کو ارضِ اسرا اور معراج ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ اُنھوں نے دلائل سے واضح کرتے ہوئے بتایا کہ جہاد کی بہت سی شکلیں ہیں۔ چناں چہ مظلوم بھائیوں کا اُن چیزوں سے تعاون کرنا جس طرح جہاد ہے، جن سے وہ دشمنوں پر فتح پا سکیں، اُسی طرح جہادی کارروائیوں میں شریک ہونا بھی جہاد ہے؛ اِس لیے تمام مسلمانوں کو جان، مال، دشمنوں کی

---

(۱) ایضاً، شمارہ ۱۴۵۳۔

(۲) ایضاً، شمارہ: ۱۴۵۴۔

مصنوعات کے بائیکاٹ وغیرہ کے ذریعے، جس طرح بھی ممکن ہو، فلسطین کے جہاد میں تعاون کا ہاتھ بڑھانا چاہیے۔(۱)

پانچواں فتوی سیریا کے مفتیِ عام شیخ احمد کفتاروؒ(۲) نے شائع کیا ہے، جس میں یہ صراحت موجود ہے کہ صہیونی دشمنوں کے خلاف شہادت پسندانہ حملے جائز اور مشروع ہیں، اِن حملوں کے قسم کی کارروائی انجام دینے والے، اُن شہدا میں شمار ہوں گے، جن سے اللہ نے جنت کا وعدہ کیا ہے۔ اُنھوں نے زور دے کر کہا کہ اِن رضا کارانہ کارروائیوں کو ''خودکش حملوں'' کا نام دینے والے بعض ذرائع ابلاغ کا موقف سراسر غلط ہے۔(۳)

سعودی عرب کے محکمۂ ''محایل عسیر'' کے قاضیِ شریعت شیخ ہانی بن عبداللہ کا ایک مبسوط مقالہ بہ عنوان ''رضا کارانہ حملے... ایک شرعی جائزہ''، لندن سے نکلنے والے عربی ماہ نامہ ''البیان'' نے نشر کیا ہے، جس میں قاضی موصوف نے تفصیل کے ساتھ علما کی آرا اور امت کے موقف کا جائزہ لیا ہے۔ ساتھ ہی شرعی دلائل سے، رضا کارانہ حملوں کی ہر قسم کو ذہن میں رکھتے ہوئے اُن کی تعریف کی ہے اور یہ بتلایا ہے کہ اِس قسم کی بعض کارروائیاں، جائز ہیں، جب کہ دوسری چند کارروائیاں دلائل سے ثابت نہیں۔(۴)



اِس کے علاوہ بھی دیگر عُلما کی آرا اور مفتیوں کے فتاوی شائع ہوئے ہیں۔ ممکن ہے کہ دوسرے علما کا یہ فتوی ہو کہ رضا کارانہ حملے مطلقاً جائز نہیں؛ لیکن عدمِ جواز والے سارے فتوے اُن لوگوں کی عقل وفکر کی پیداوار ہیں، جو سنگ دلانہ موقف اور سخت عذاب کی اِس آگ میں کبھی جھلسے نہیں، جن میں فلسطینی بچے اور جوان جُھلس جُھلس کر مر رہے

---

(۱) ایضا، شمارہ:۱۴۵۵۔

(۲) وفات چہارشنبہ: ۲۳؍رجب (بہ تقویم عالمِ عربی) ۲۲؍رجب (بہ تقویم ہندوستان) ۱۴۲۵ھ مطابق ۸؍ستمبر ۲۰۰۴ء۔

(۳) ایضا، شمارہ:۱۴۵۶۔

(۴) ماہ نامہ البیان، شمارہ:۱۶۴، ربیع الآخر ۱۴۲۲ھ = جولائی ۲۰۰۱ء۔

ہیں، کیوں کہ ہر وقت اُن کے سروں پر مصائب و آلام کی بارش ہوتی رہتی ہے، اُن کے سینوں کو چھلنی اور اُن کے جسموں کو آگ کے شعلوں میں تبدیل کیا جارہا ہے، نیز اُن کی عزت و آبرو سے کھلواڑ کیا جارہا ہے؛ اُن کے مکانات اسپتالوں، بازاروں اور کھیت کھلیانوں کو تباہ و برباد کیا جارہا ہے، ان کے بچوں، عورتوں اور بوڑھوں پر گولیاں برسائی جارہی ہیں، اُن کے سروں پر صبح و شام گولوں کی بارش کی جارہی ہے اور ظلم و جارحیت ہی اُن کی غذا پانی بن کر رہ گئی ہے۔

جو شخص شور انگیز موجوں میں پھنسا ہو اور جو ساحل پر بیٹھ کر تماشا دیکھ رہا ہو، اُن دونوں کے مابین زمین و آسمان کا فرق ہے، نیز جس کو صورتِ حال سے راست طور پر نمٹنا پڑے اور جو دور سے ہی اُس کا جائزہ لے کر، اُس صورت حال کا سامنا کیے بغیر، اُس سلسلے میں اپنا حکم صادر کرے، اُن دونوں کے مابین کیا نسبت ہے؟

فلسطینی زائد از پچاس سال سے کانٹوں کے بیچ جی رہے ہیں، وہ آگ کے شعلوں پر لوٹ رہے ہیں، اُنھیں بندوقوں کی نالیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، اُنھیں گولوں کے آسمان کے نیچے اور آتش و آہن کے سایے میں رہنا پڑ رہا ہے، اُنھیں بغیر کسی جرم کے رگیدا اور کسی قصور کے بغیر دانستہ تہِ تیغ کیا جارہا ہے اور بغیر کسی وجہِ جواز کے، اُنھیں جسمانی اور نفسیاتی اذیت دی جارہی ہے، نیز صہیونی ریاست نے کبھی نہ ختم ہونے والی جنگ، قاتلانہ گھیرابندی اور الم انگیز تحقیق و تفتیش کے گڑھے میں فلسطینیوں کو دھکیل رکھا ہے؛ تاکہ وہ انسانوں کا صفایا کر کے زمینوں پر قبضہ کر لے۔ ساتھ ہی فلسطینیوں کو مسلسل طرح طرح کی مقامی و بین الاقوامی، عربی و غیر عربی، داخلی اور خارجی سازشوں اور دھوکے بازیوں کا سامنا ہے۔

اِس صورت حال کے مدِّ نظر، اِس قضیے کے تعلق سے اُمَّتِ مسلمہ کے ضمیر، اسلامی غیرت اور ظلم بے زار اصلی عربوں کی خودداری کو اپنی بات کہنی چاہیے اور اپنی رائے سامنے رکھنی چاہیے، نیز ہمارے علما اور دانش وروں کو اِس قضیے میں اُس شخص کی طرح غور و فکر کرنا چاہیے، جس کو ہر چہار جانب سے موت ہی موت کا سامنا ہو اور جس کو صرف اِس اِقرار کی

پاداش میں جلاوطن کیا جارہا ہو کہ میرا پروردگار اللہ ہے۔ اور اُس کو صرف جسمانی اذیت کا سامنا نہ ہو؛ بل کہ اُس کی روح کو بھی دہکتے انگاروں کی نذر کیا جارہا ہو، اُس کی آبرو کے ساتھ کھلے عام کھلواڑ کیا جارہا ہو؛ نیز اُس کے حوصلوں کو پست کیا جارہا ہو اور اُس سے وہ زمین چھینی جارہی ہو، جو دنیا کی عام زمینوں کی طرح نہیں؛ بل کہ بابرکت پاکیزہ اسلامی عربی زمین ہے جو اللہ کی نگاہ میں محبوب ہے۔



انتفاضۂ مبارکہ
اور مومن نوجوانوں کی موت سے پنجہ آزمائی (•)

اگر یہ ایک مسلَّم حقیقت ہے کہ بلند مرتبہ عزت و آبرو، دوسروں کی دست درازی سے اُسی وقت محفوظ رہ سکتی ہے، جب کہ اُس کی حفاظت کے لیے سُرخ لہو کا نذرانہ پیش کیا جائے، تو بلاشبہہ اِس زندگی میں انسان کی بلند ترین عزت یہی ہے کہ وہ اسلامی قضیے کے دفاع کی راہ میں اپنی جان تک قربان کردے اور اِس دنیاے فانی کے سارے مال و اسباب کو اُس پر نچھاور کردے۔

اِسی اصول کو پیش نظر رکھ کر فلسطینی جوان اور بچے، حالیہ انتفاضۂ مبارکہ میں مظلوم مسجدِ اقصیٰ کے دفاع کی راہ میں اپنا سب کچھ- اُن کے پاس اپنی پاکیزہ اور معصوم جانوں کے سوا اور کیا ہے؟ - تج دینے کے لیے کمر باندھ کر اٹھ کھڑے ہوے ہیں۔ حالیہ انتفاضہ ۲۸ر ستمبر ۲۰۰۰ء کو اس وقت بھڑک اٹھا، جب وزیرِاعظم منتخب ہونے سے قبل، موجودہ اسرائیلی وزیرِاعظم اِیریل شیرون کے ناپاک قدموں نے مقدس مسجدِ اقصیٰ کی حرمت کو پامال کیا تھا۔ اسرائیلی وزیرِ اعظم کا یہ ناپاک دورہ ایک آزمایشی غبارہ (Trial balloon) تھا، جس سے اس نے عربوں اور مسلمانوں کے ردِ عمل کی مقدار و معیار کو پرکھنے کی کوشش کی تھی؛ چناں چہ دنیا کے چپے چپے میں بسنے والے مسلمانوں اور عربوں کی عینِ توقع کے مطابق فلسطینیوں کی طرف سے ایسا ردِ عمل سامنے آیا، جو بد باطن صہیونیوں کے حاشیۂ خیال

(•) ترجمہ اداریہ، الداعی بہ عنوان: "اَلْاِنْتِفَاضَةُ الْمُبَارَكَةُ.. اِسْتِمَاتَةُ الْفِتْيَةِ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِرَبِّهِمْ"، شمارہ: ۷، جلد: ۲۵، رجب ۱۴۲۲ھ = ستمبر- اکتوبر ۲۰۰۱ء۔ ترجمہ اردو: جمعرات: ۱۴۲۸/۴/۸ھ = ۲۰۰۷/۴/۲۶ء۔

میں بھی نہ رہا ہوگا۔ اِس ردِ عمل نے صہیونیوں کی امیدوں پر پانی پھیر دیا اور اُن کو ذلت و رسوائی کی دلدل میں اوندھے منھ دھکیل دیا، اِس کی وجہ سے ساری دنیا کے مسلمانوں کے دل کو راحت و سکون نصیب ہوا اور جہاد، جدو جہد آزادی اور دشمنوں کے مقابلے میں ثابت قدمی کے قافلے کو، گھٹیا اور زوال پذیر اَغراض و مفادات کی آلایشوں سے بچا کر، نا آشنائے زوال ایمانی تحریک سے ہم کنار کیا۔

مسجدِ اقصیٰ کے نیچے کھدائی:

یہ فلسطینی جوان اور بچے ایک ایسے وقت، مسجدِ اقصیٰ کو بچانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، جب کہ وہ سنگین قسم کے تاریخ کے بے مثال خطرات کے گھیرے میں ہے۔ باخبر ذرائع سے موصول ہونے والی خبریں مُظہِر ہیں کہ رات کے اندھیرے میں مسجدِ اقصیٰ کے نیچے کھدائی کا کام جاری ہے، چناں چہ تحریکِ اسلامی اور ادارۂ اقصیٰ برائے تعمیرِ اسلامی مقدسات کے صدر شیخ رائد صلاح نے کہا ہے کہ مسجدِ اقصیٰ کے حرم میں واقع مکانات کے نیچے کھدائی کا عمل مسلسل جاری ہے؛ کیوں کہ کھدائی کا کام عرصے سے اور خصوصاً دو مہینے سے روزانہ رات دس بجے کے بعد، شروع کیا جاتا ہے۔ شیخ رائد صلاح کو اِس سلسلے میں آل انصاری اور آل دجانی نام کے اُن دو افراد کی طرف سے ایک خط ملا ہے، جن کا مکان حرم شریف کی چہار دیواری کے اندر پڑتا ہے۔ خط میں یہ لکھا تھا کہ گھر والوں کے کانوں میں ایسی آوازیں آرہی ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے گھروں کے اردگرد کھدائی ہورہی ہے، یہ آوازیں کھدائی کے آلات اور پتھروں کے گرنے کی صدائے بازگشت معلوم ہوتی ہیں، یہ آواز تقریباً روزانہ رات دس بجے کے بعد سنائی دیتی ہے۔ اُنھوں نے اپنے مکتوب میں یہ بھی ذکر کیا تھا کہ کھدائی کی وجہ سے اُن کے گھروں میں بڑی بڑی دراڑیں پڑ گئی ہیں۔(۱)

---

(۱) ہفت روزہ المجتمع، شمارہ: ۱۴۲۱۔

ہیکلِ سلیمانی، تیار شدہ رکھا ہے:

خبروں سے پتہ چلتا ہے کہ پٹریک آف رومن کیتھولک چرچ (Patriarch of Roman Catholic Church) کے نائب نے عرب نیوز ایجنسیوں سے صاف کہا: ہیکلِ سلیمانی امریکہ میں تیار شدہ رکھا ہوا ہے، صرف اُس کو لانے اور قدس میں نصب کرنے کا عمل باقی ہے، جب کہ یہودی مسجدِ اقصی کو منہدم کرنے کے لیے اپنے مجرمانہ منصوبوں کو بروے کار لانے میں ہمہ تن لگے ہوے ہیں۔ اِنھی خبروں میں یہ انکشاف بھی کیا گیا ہے کہ اسرائیل، شہرِ قدس کو فلسطینی خطوں سے الگ تھلگ کرنے کے لیے منصوبہ سازی میں جٹا ہوا ہے اور یہ کہ امریکہ کی مارنیز افواج فلسطینی زمینوں کو ہڑپنے کے لیے اسرائیلی فوج کے ساتھ ٹریننگ میں شریک ہیں، اِس میں صہیونیوں کو فلسطینیوں کا شکار کرنے کی ٹریننگ دینا بھی شامل ہے۔(۱)

ہمارے حکم رانوں کی ساری امیدیں، امریکہ سے وابستہ:

مسجدِ اقصی، فلسطین اور فلسطینی باشندوں کے خلاف اِس طرح خوف ناک انداز میں سازشوں کے تانے بانے بُنے جارہے ہیں کہ خدا اور رسول پر ایمان رکھنے والا کوئی انسان چین کی نیند سوجائے، یہ ممکن ہی نہیں؛ لیکن بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ سرکاری سطح پر عالمِ عرب و عالمِ اسلام کے محافظینِ مسجدِ اقصی، ہمیشہ عالم عرب و عالم اسلام میں بسنے والے مسلمانوں سے الگ تھلگ زبان استعمال کرتے رہے ہیں؛ چناں چہ اُن کی رگوں میں خون جم گیا ہے، وہ اپنے اعصاب اور نفس دونوں کو قابو میں رکھے ہوے ہیں، اپنے اَجر ومعاوضے کی امید اپنے آقا امریکہ سے باندھے ہوے ہیں، اُس کی گذشتہ اور آیندہ کی نعمتوں اور انعامات واِعزازات کی قدر دانی میں فرشِ راہ ہیں اور اپنے آقا کے ذریعے کیے

(۱) ماہ نامہ البیان، لندن، شمارہ: ۱۴۶۵۔

گئے ''جنت'' اور ''پائے دار نعمتوں'' کے وعدوں پر ہی تکیہ کیے ہوئے ہیں۔ رہے مسلم عوام، جن میں سرفہرست فلسطینی جوان اور بچے ہیں، یعنی وہ عربی جوان جن کا ایمان بے ریا اور صاف ستھرے دل کی طرح ہر قسم کی آمیزش سے پاک ہے، جن کے سینوں میں غیرت ایمانی جوش مار رہی ہے اور جو اپنے رب کی خوش نودی کی طرف اِس طرح لپک رہے ہیں، جس طرح دینی نخوت وحمیت اُن کے دل کی گہرائیوں میں موج زن ہے؛ تو یہ سب ماضی میں بھی عالمی صہیونی مسیحی وثنی تثلیث کی مسلسل سازشوں کو سنجیدگی کے ساتھ لیتے رہے ہیں اور آیندہ بھی اُسی سنجیدگی اور ہمت کے ساتھ اِن سازشوں کے تانے بانے ادھیڑتے رہیں گے۔ مسلم عوام اپنے عظیم موقف کے ذریعے دنیا والوں کو یہ بتلاتے رہے ہیں کہ وہ خدا کے حکم سے ارضِ فلسطین کو ہڑپنے اور وہاں کے مکینوں کے قتلِ عام کے لیے وجود میں آنے والی ساری کوششوں کو خاک میں ملانے کا دم خم رکھتے ہیں، وہ یہ ذہن نشیں کراتے رہے ہیں کہ وہ اپنے پاکیزہ لہو کے ذریعے فداکاری وجاں نثاری کی شان دار اور قابل فخر جنگ کی تاریخ رقم کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ اِس اِقدام سے اُنھیں دنیا کی عظیم ترین طاقت، جدید ترین اسلحہ، ناپاک ترین سازش، بدترین قسم کا نفاق اور مشرق ومغرب کے شرارت آمیز ارادے بھی نہیں روک سکتے۔

فلسطینیوں کی رضا کارانہ کارروائیاں:

اپنے رب پر ایمان رکھنے والے فلسطینی بچے اور نوجوان اپنی رضا کارانہ کارروائیوں اور جہادی مزاحمتوں کے ذریعے، بہ بانگ دہل یہ اعلان کرتے رہے ہیں کہ وہ اپنے طرزِ عمل سے اُس وقت تک باز نہ آئیں گے، جب تک فلسطینی عربی اسلامی سرزمین پر صہیونیوں کا قبضہ برقرار ہے۔ حق دار، اصل مکیں اور منصفانہ قضیے کے حامی نہتے فلسطینیوں اور اُس بدباطن ومکار دشمن کے مابین جنگ اپنے شباب پر ہے، جن کا دل پتھر سے زیادہ سخت ہے، جو ہر قسم کے ہلاکت خیز ہتھیاروں سے لیس ہے، جس کو انسانیت سے رائی برابر واسطہ نہیں

اور جو تمام وعدوں معاہدوں کو اِس طرح پائے حقارت سے ٹھکرا دیتا ہے، جس طرح گدھا دھوبی کو ٹھوکر مارتا ہے۔ یہ جنگ مسلسل جاری ہے اور صورتِ حال یہ ہے کہ نہتھے عربی اسلامی فریق کے پاس صرف ایمان کا ہتھیار ہے اور اس کو بس ایک ہی محرک، یعنی عربی اسلامی حقوق کے دفاع کا محرّک مہمیز کر رہا ہے۔ فلسطینیوں کے جسموں سے بہنے والا خون اور گولیوں اور بھاری بھرکم توپوں سے موت کے گھاٹ اتاری گئی جانیں چیخ چیخ کر یہ کہہ رہی ہیں کہ مسجدِ اقصی کا ایک رب ہے، جو اُس کی حفاظت کر رہا ہے اور عربی اسلامی زمینوں کا اللہ کی فوجیں دفاع کر رہی ہیں اور انسانیت کے کوڑا کرکٹ یعنی یہودیوں ۔جن کی مناسب جگہ کوڑے دان ہی ہے۔ کو ذلیل ورسوا کر رہی ہیں، نیز امن وامان کی بہ جائے، اُنھیں خوف وہراس کی زندگی جینے پر مجبور کیے دے رہی ہیں اور اللہ کی فوجوں نے اِن ذلیل یہودیوں کو ایسی حالت میں پہنچا دیا ہے کہ دیو قامت طاقت ور ستونوں: امریکہ اور یورپ کا سہارا لینے کے باوجود، زمین اُن کے قدموں تلے ڈانوا ڈول ہو رہی ہے۔

پتھر، گولیوں میں تبدیل ہو گئے:

بلاشبہہ فلسطینی جوانوں اور بچوں نے جوائنٹ اور پتھر صہیونی دشمنوں اور اُن کی ہم نوا اسلام دشمن طاقتوں ۔جن کا ہراول دستہ اسلام اور مسلمانوں کا دشمن نمبر ایک امریکہ ہے؛ لیکن ہائے افسوس کہ اُس نے ہمارے قائدین وسیاست دانوں کو اِس جھانسے میں مبتلا کر رکھا ہے کہ وہ اُن کا نمبر ایک ہم درد وغم خوار ہے۔ کی طرف پھینکے، اُس نے ایک ایسے نئے طرز کے ہلاکت خیز ہتھیار اور سینوں میں آر پار ہو جانے والی گولیوں کا روپ دھار لیا، جس سے ماضی کی تاریخ یک سر نا آشنا رہی ہے۔ اِن سنگ ریزوں کو دیکھ دشمنوں اور مخالف طاقتوں کے ہوش اڑ گئے اور اُنھوں نے یہ سمجھ لیا کہ گویا آسمان اُن کے سروں پر آ رہے گا، زمین اُنھیں زندہ نگل جائے گی اور گویا عاد وثمود جیسی کوئی کڑک دار بجلی اُنھیں آدبوچے گی اور وہ اِس طرح بے یار ومددگار ہو جائیں گے کہ نہ اُنھیں زمین قبول کرے گی

اور نہ ہی آسمان اُنھیں اپنے سایے میں پل بھر آرام کی زندگی جینے دے گا۔

جہادی کارروائیوں نے، صہیونیوں کی زندگی دوبھر کردی ہے:

جہادی کارروائیوں نے اِس طرح صہیونیوں کی زندگی دوبھر کردی ہے، جس کی نظیر جہاد کی پوری تاریخ میں ڈھونڈے سے بھی نہ ملے گی۔ چناں چہ عربی اخبار''اتحاد'' نے اپنے صفحات میں جو کچھ لکھا ہے، اُس کا خلاصہ اِس طرح ہے: فلسطینیوں کی رضا کارانہ کارروائیوں کے سبب یہودیوں پر خوف ودہشت طاری ہے اور سرِ دست اُن کی زندگی قسم قسم کے سنگین خطرات کے گھیرے میں ہے۔ مذکورہ اخبار نے یہودی معاشرہ خصوصاً اسرائیلی بستیوں کی جو موجودہ صورتِ حال ہے، اُس کی کئی ایک مثال بھی پیش کی ہیں۔(1)

یہودیوں کے ذریعے، مسکّن دواؤں کا استعمال:

اخبار اتحاد اپنے اگلے شمارے میں یہ انکشاف کرتا ہے کہ فلسطینی جوانوں کی جرأت مندانہ کارروائیوں کے بعد، یہودی کثرت سے غموں کو غلط کرنے اور اعصاب کے تناؤ کو کم کرنے والی دواؤں کا استعمال کررہے ہیں، وہ نفسیات کے ماہر ڈاکٹروں کی ڈسپنسری کا کثرت سے رخ کرنے لگے ہیں، جب کہ ۲۸ رستمبر ۲۰۰۰ء کو بھڑک اٹھنے والے انتفاضہ سے پہلے، یہودی اُن ڈاکٹروں کے پاس بہت کم آمدورفت کرتے تھے۔ اخبار نے اِس سلسلے میں اُن ڈاکٹروں، ڈسپنسریوں اور دواخانوں کے مالکوں کی آنکھوں دیکھی شہادتوں پر مبنی بہت سے واقعات اور قصّے بھی شائع کیے تھے، جنھوں نے وثوق کے ساتھ یہ کہا تھا کہ دواؤں کی خریداری کے تعلق سے اسرائیل کے صحت سے متعلق زمرے میں اتنا زیادہ اچھال آگیا ہے کہ کبھی کبھی وہ لوگ سکون بخش دواؤں کی مانگ بھی پوری نہیں کرپاتے۔ قدس- جہاں صورتِ حال بہت زیادہ کشیدہ ہے- کے حوالے سے سُپر فارم کمپنی (Super

(1) اخبار اتحاد، شمارہ: ۹۴۶۵۔

(farm نے یہ ریکارڈ کیا ہے کہ پچھلے سال کی بہ نسبت، سکون بخش دواؤں کی خرید میں سو فی صد اضافہ ہو گیا ہے، جب کہ دوسرے خطوں میں اِس قسم کی دواؤں کی فروخت کا تناسب ۳۵-۵۰ فی صد کے درمیان رہا ہے۔[۱]

حالیہ انتفاضے سے فلسطینیوں کو اتنے سارے فائدے ہاتھ آئے ہیں کہ اُن کے سامنے انتفاضہ کو پہنچنے والے نقصانات اور ناکامیاں ہیچ ہیں۔ اِس کائنات میں خدا کا یہ قانون چلتا رہا ہے کہ جس کو نقصانات اور تکلیفوں کا منھ دیکھنا نہ پڑے وہ کبھی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔

انتفاضۂ مبارکہ کے اکتسابات کی جھلکیاں:

انتفاضۂ مبارکہ کے اکتسابات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُس کی وجہ سے عالم عرب و عالم اسلام کے عوام میں فلسطینی قضیے کا شعور بیدار ہوا، وہ تازہ دم ہو کر سرگرمِ عمل ہوا۔ ورنہ تو عالمِ عرب و عالم اسلام میں بسنے والوں کے دلوں سے اِس قضیے کا شعور ختم ہونے کو تھا۔ انتفاضے کی فتوحات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دشمنوں کو مادی نقصانات کے ساتھ جانی نقصانات سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ فلسطین کے زمینی اور فضائی چینل اور انٹرنیٹ نے صہیونی فلسطینی اور عربی اسلامی جنگ کی تاریخ میں پہلی بار ایک کارآمد ہتھیار کا جو رول ادا کیا ہے، اس کا سہرا بھی انتفاضے کے سر جاتا ہے۔ درحقیقت - جیسا کہ عرب کے کئی نام ور صحافیوں کا بھی اِس سے اتفاق ہے - فلسطینی بچہ محمد الدرة، جو اپنے مجبور و بے بس والد کی گود سے چمٹ رہا تھا، کے قتل کا منظر، فلسطینی تاریخ میں پیش آنے والا اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ نہ تھا اور نہ ہی یہ صہیونیوں کے خوف ناک جرائم میں سب سے دردناک اور خون کے آنسو رلانے والا پہلا جرم تھا؛ مگر یہ واقعہ پوری جہادی تاریخ میں اِس اعتبار سے نمایاں اور اہم تھا کہ ایک عربی کیمرہ مین نے اِس واقعے کی فلم بندی کی اور اُسی سے کئی ایک عالمی چینل نے

(۱) اتحاد، شمارہ: ۹۴۷۷۔

یہ فلم حاصل کی، تاکہ عالمی میڈیا جن اہم پہلوؤں کو کیمرے میں ریکارڈ کرنا چاہتا ہے، اُس پر لوگوں کی توجہ مرکوز کرتے ہوئے یہ واقعات پوری دنیا کو دکھلائے جا سکیں اور عالمِ عرب و عالم اسلام کے ذرائع ابلاغ، جو دسیوں سال سے اِن واقعات کی منظر کشی سے دور ہیں، ان کے سامنے جنگ کے میدان میں آنے کا راستہ کھولا جا سکے۔ نیز انتفاضے کی وجہ سے فلسطینی قضیے کے تعلق سے عالمی شعور میں اضافہ ہوا ہے؛ کیوں کہ مضبوط صہیونی میڈیا کے بس میں یہ بات نہیں رہ گئی کہ وہ معاملات کی لیپا پوتی اور پوری دنیا کو اندھیرے میں رکھ سکے۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا کہ انتفاضہ نے یہودیوں کے دلوں میں خوف و دہشت پیدا کر کے اُنھیں تازندگی بدامنی کی فضا میں سانس لینے پر مجبور کر دیا ہے اور سارے عربوں اور مسلمانوں کو قضیۂ فلسطین کے گرد اکٹھا کر دیا ہے۔ انتفاضے کے کارناموں میں سرِ فہرست یہ ہے کہ اُس نے ایک ایسی نئی جہادی نسل تیار کر دی ہے، جو پتھر، ہتھیار اور دھماکہ خیز اشیا اپنے کاندھوں پر اٹھانے کی طاقت کے ساتھ اِس قضیے پر پائے دار اور غیر متزلزل ایمان رکھتی ہے اور اِسی راہ میں جینے اور مرنے کو آمادہ ہے۔ انتفاضۂ اقصی نے اُس نسل کو ازسرِ نو ڈھالا اور تیار کیا ہے، اُس کے خدوخال کی خاکہ سازی کی ہے اور اُس کو دوبارہ مسئلے کے ابتدائی مرحلے کی طرف لوٹا دیا ہے۔ انتفاضہ نے اُس نسل کو، دوست سے زیادہ دشمنوں کے اعتراف کی روشنی میں، ناقابلِ شکست ریکارڈ میں تبدیل کر دیا ہے۔(1)

مغرب کے حامیوں اور حلیفوں سے، صہیونیوں کی امن کی بھیک:

دشمن چوں کہ انتفاضہ کی سرگرمیوں اور اُس کے تحت روبہ عمل آنے والی رضا کارانہ سرگرمیوں اور اینٹ و پتھر والے اِقدامات کی ٹوہ میں لگا رہتا ہے، اِس لیے انتفاضہ نے اُسے بہ جلد اپنے مغربی حامیوں اور حلیفوں -جن میں آگے آگے امریکہ والے ہیں، جن کی طرف وہ ہر مصیبت کے وقت ہمیشہ دوڑتا رہا ہے- سے یہ بھیک مانگنے کے لیے مجبور کر دیا

(۱) مجلہ البیان بلندن: شمارہ: ۱۶۵۔

ہے کہ وہ سب مل کر انتفاضے کی اِن کارروائیوں کی کوئی حد مقرر کردیں؛ چناں چہ امریکہ والوں نے لگاتار فلسطین اور سارے خطے میں کئی وفود روانہ کیے، انفرادی اور اجتماعی میٹنگیں کیں اور فلسطینی مُقتدِرہ کے سربراہ یاسرعرفات ۔جنھیں یقین تھا کہ وہ اپنی بات کو عملی جامہ نہ پہنا سکیں گے۔ کو وہی مشہورِ زمانہ بات کہنے پر مجبور کیا کہ ''پرتشدد اقدامات یعنی مزاحمتی اور استشہادی کارروائیوں کو جلد از جلد بند کرنا ضروری ہے۔'' لیکن جیسا کہ پہلے سے توقع تھی مسٹر عرفات اپنی بات کو روبہ عمل نہ لاسکے؛ اِس لیے اپنے عہد کا سب سے بڑا سفاک مجرم ''ایریل شیرون'' غصے سے آگ بگولا ہوگیا اور مردِ مسکین یاسرعرفات کو۔ جنھوں نے ممکن ہے کہ اِخلاص کے معیار پر کھرا اترنے کی اپنی بساط کے مطابق بھرپور کوشش کی ہو۔ کئی بار اِن القاب سے نوازا کہ وہ قاتل، مجرم اور امنی اقدامات کے تعلق سے بددیانت ہے۔ حال آں کہ عالمی مجرم ''شیرون'' کو یہ عہد کیے سو دن سے زائد ہو گئے کہ یہ انتفاضے کے اختتام کی آخری مدت ہوگی۔ عملی طور پر ''شیرون'' نے اِس سے پہلے بھی وحشیانہ جرائم کا ارتکاب کیا اور اس کے بعد بھی اُس کے جرائم میں کوئی کمی نہیں آئی۔ ایٹمی اسلحہ کو چھوڑ کر کوئی ایسا ہتھیار نہیں، جو اُس نے فلسطینیوں کے خلاف استعمال نہ کیا ہو۔

یہودیوں نے اپنے خلاف مُتشدِّدانہ کارروائی کرنے والے بنیاد پرست ''دہشت گردوں'' اور امریکہ و یورپ والوں (جو بہ شکلِ انسان شیطان کے نمایندے ہیں) کے نزدیک امن پسند، وفادار، صلح جو اور تصفیہ پر آمادہ لوگوں (جو عرفات اور اُن کی حکومت کے رُفقا ہیں) کے مابین، نہ ماضی میں کوئی تفریق کی اور نہ آیندہ کبھی وہ دونوں میں فرق کریں گے؛ چناں چہ برابر یہ خبریں آرہی ہیں کہ اسرائیلی دشمن پولس اسٹیشنوں، سیکورٹی والوں اور فلسطین کے اعلیٰ افسران پر اندھادھند گولہ باری کررہا ہے اور اُن پر تباہ کن میزائلیں داغ رہا ہے؛ کیوں کہ اُس کو یقین کی حد تک یہ معلوم ہے کہ مشرق و مغرب والے اُس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے کہ یہ دونوں فلسطینیوں کے قتل کو خوں ریزی سے تعبیر کرنے کے فن میں ماہر ہیں۔ حال ہی میں موصول ہونے والی خبروں سے پتہ چلا ہے کہ اسرائیل نے فلسطینی

مقتدرہ کے دفتر پر، اُس کے کئی آفس کو تباہ کرنے کے بعد، قبضہ کرلیا ہے۔

وقفے وقفے سے امریکہ اور یورپ والوں کی طرف سے اِسرائیل کے تعلق سے، جو دبے لہجے میں مذمتی آواز، فلسطینیوں، مسلمانوں اور عربوں کے کانوں میں پڑتی ہے، اُس کا مقصد اِس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ فلسطینیوں اور عربوں کے غیظ وغضب کو دبا کر برادرانِ خناز یر وقرد: یہودی دشمنوں کو اِس بات کا مزید موقع اور وقت فراہم کیا جاسکے کہ وہ ٹال مٹول سے کام لے کر، اپنے توسیع پسندانہ عزائم کو روبہ عمل لے آئیں، سارے فلسطینی عوام کو موت کے گھاٹ اتار دیں، زمینوں کو ہڑپ لیں اور مسجدِ اقصیٰ کے انہدام اور اُس کی جگہ ہیکلِ سلیمانی کی تعمیر کے جہنمی منصوبوں کو حقیقت کا روپ دے دیں۔ اِس سلسلے میں مسلمانوں کی افسوس ناک صورتِ حال بھی اُن کے لیے معاون ثابت ہورہی ہے؛ کیوں کہ ''ذلت کا اِحساس'' بس اتنی ہی دیر مسلمانوں کے ساتھ رہتا ہے، جتنی دیر ''لات اور تھپڑ'' کی تکلیف کا اُنھیں اِحساس رہتا ہے۔ تکلیف کے ختم ہوتے ہی، اُس ذلت و رسوائی کا اِحساس بھی اُن کے دلوں سے جاتا رہتا ہے۔ ہاں ابھی کچھ ایسے لوگ، جن کی تعداد برائے نام ہے، بھی اِس روئے زمین پر زندہ ہیں، جنھیں بہ توفیقِ خداوندی، اِس ذلت کا احساس اُس وقت تک رہتا ہے، جب تک لات اور تھپڑ رسید کرنے والوں میں سے کوئی زندہ رہتا ہے۔

اے اللہ، میرے پروردگار! میری قوم کو ہدایت دے، اُن کے قلوب میں ''مصیبت کی ہول ناکی، ''خطرات کی سنگینی'' اور ''ذلت کی تکلیف'' کا اِحساس جاوداں پیدا کردے۔



انتفاضے کے بچے بوڑھے اُن مجاہدین کو سلام
سنگ ریزے جن کے ہاتھوں میں شعور کی زبان سے گویا ہو گئے (٭)

تاریخ بے صبری سے مسلمانوں اور عربوں کے عظیم اور حوصلہ مندانہ موقف کے انتظار میں ہے، یعنی ایک ایسے موقف کے ریکارڈ کرنے کو تاریخ بے تاب ہے، جو ارضِ فلسطین کو صہیونیوں کے لیے جہنم اور جنگِ بدر میں قتل کیے گئے سردارانِ قریش کے کنوؤں جیسا ''کنواں'' بنادے، مسجدِ اقصی اور معراج کی سرزمین، بدطینت صہیونیوں کے پنجے سے چھڑا کر فرزندانِ اسلام اور امتِ محمدیہ کو لوٹادے؛ ایک ایسے موقف کے انتظار میں ہے جو اُس ہُما صفت انسان کے شایانِ شان ہو، جو اُس شخص کے معیار پر پورا اُترے، جو سعد بن ابی وقاص، خالد بن ولید، قعقاع بن عمرو، طارق بن زیاد اور سلطان صلاح الدین جیسے قدسی صفات ورشکِ ملائکہ قائدین کے قول وعمل اور اخلاق وکردار کا نیک اور سچا جانشیں بننا چاہے؛ ایک ایسا موقف کہ تاریخ، خدا اور رسول ﷺ اور آپ ﷺ کے خلفا: ابوبکر وعمر، عثمان وعلی اور صحابہؓ کے وفادار فرزندانِ اسلام کی طرف سے کسی بھی حالت میں اِس کے سوا، کسی دوسرے موقف کو قبول کرنے پر ہرگز آمادہ نہ ہوگی۔

تاریخ اپنی سانس روکے، اسلام کے شیر بچوں، امتِ مسلمہ کے جاں بازوں، مذہبِ اسلام کے پاسبانوں اور اُس کی باڑھ اور اس کے محفوظ حوض سے ہر کتے کو (جو اُس کو گدلا کرنا، اس کو منھ لگا کر جھوٹا کرنا چاہے) کھدیڑنے والوں کی طرف سے ایسے موقف کی دید کے لیے سراپا انتظار ہے، جو اللہ اور رسول دونوں کو محبوب ہے۔

بلاشبہہ تاریخ، قضیۂ فلسطین، مسجدِ اقصی اور اُس معراج والی سرزمین کے قضیے کے

(٭) ترجمہ کلمۃ الحرر، الداعی، شمارہ: ۸، جلد: ۲۵، شعبان ۱۴۲۲ھ = اکتوبر-نومبر ۲۰۰۱ء۔ ترجمہ اردو: یک شنبہ: ۱۱/۴/۱۴۲۸ھ = ۲۹/۴/۲۰۰۷ء۔

سلسلے میں غفلت اور ازخود شکستگی کے جرم کو ہرگز معاف نہ کرے گی، جو صرف اسلام کی میراث ہے۔ تاریخ محض باتیں بنانے اور صرف احتجاج و مذمت پر اکتفا کر لینے والے کسی شخص کو نہ بخشے گی، نیز تاریخ، اُس تماش بین مسلمان کے کردار سے ہرگز درگزر نہ کرے گی، جسے قضیۂ فلسطین سے کوئی سروکار نہیں۔ ہاں! اسلام اور مسلمانوں کے دشمن نمبر ایک امریکہ، برطانیہ اور دوسرے اسلام دشمن یورپی ممالک کے ''دربارِ عالی'' میں جا کر ذلت و رسوائی کے ساتھ بھیک مانگنے والوں کا موقف ہمیشہ ناقابلِ معافی جرم شمار ہوگا۔ اِن اسلام دشمن طاقتوں سے رحم کی درخواست کرنا اور اِن سے بھیک مانگنا زہر سے شفا حاصل کرنے، کانٹوں سے مرہم پٹی کا کام لینے اور سانپ، بچھو یا قاتلوں اور رہ زنوں سے زندگی مانگنے کے مترادف ہے۔ قضیۂ فلسطین، برطانیہ کی پیداوار ہے، اُسے امریکہ نے کھاد پانی سے سیراب کیا ہے، یورپی ممالک نے اُس کی سینچائی کی ہے اور یہ تمام اِسلام اور مسلم دشمن طاقتوں، یعنی وثنی، علمانی اور اِلحادی تثلیث کے فرزندوں کی دین ہے، جو اپنے تمام اختلافات وتضادات کے باوجود، اسلام دشمنی کے حوالے سے یک زبان و یک عمل ہیں۔

ہمیں اچھی طرح ذہن نشیں کر لینا چاہیے اور جلی حروف میں ریکارڈ کر لینا چاہیے کہ امریکہ، برطانیہ، یورپ والے اور مشرقی شیطانوں میں سے کوئی بھی، کبھی مسئلہ فلسطین کے ساتھ انصاف نہیں کرے گا، یہ سب وقتی طور پر ہی سہی اسرائیل کی حمایت سے باز نہ آئیں گے اور اُس کو، خطے کا ڈراؤنا بھوت اور ایک ایسی زبردست طاقت بنانے سے پیچھے نہ ہٹیں گے، جو فلسطینیوں اور سارے عربوں کو یک بارگی نگل جائے۔ یہ ساری طاقتیں فلسطینیوں کی نسل کشی پر، اسرائیل کی محض مذمت کرنا بھی گوارا نہ کریں گی۔

ایک ایسے وقت میں، جب کہ اِس طرح فلسطینیوں کو تباہ و برباد کیا جا رہا ہے کہ جس کے صرف تصور سے انسان کانپ اٹھتا ہے، دشمنوں کو سبق سکھانے اور جرائم میں ہاتھ بٹانے والوں پر لگام کسنے والے عملی حل کے بغیر، ہمارے قائدین و سیاست دانوں نے ذلت و شکست خوردگی، چکنی چپڑی باتیں بنانے اور گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخنے چلانے والے، جس موقف

کے مظاہرہ پر اکتفا کیا ہے، اُسے تاریخ کبھی معاف نہ کرے گی۔

ہم اُن معزز اور پاک باز مجاہدین: جوان، بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور سارے فلسطینیوں سے معذرت چاہتے ہیں، جنھوں نے تمام حوصلہ شکن رکاوٹوں کو عبور کرتے ہوئے صہیونیوں کے اندرونی ڈھانچے کو ہلا کر رکھ دیا ہے، اُن کی صفوں میں بدامنی کی لہر دوڑا دی ہے، اُن کے قدموں میں لغزش پیدا کر دی ہے اور اپنی مٹھی کے اُن سنگ ریزوں اور اینٹوں سے، مسلح صہیونی افواج کی زبردست خبر لی ہے، جو ایمان والوں کے ہاتھوں پھینکے جانے کی وجہ سے ''باشعور'' ہوگئے ہیں؛ ہم سو بار اُن سے معذرت کے خواہاں ہیں، کیوں کہ ہم اِن ٹوٹے پھوٹے غیر مُنظّم جملوں کے سوا، کچھ اور نہیں کر سکتے۔ ہماری یہ تحریریں اُن عالی مرتبت روحوں کی شان میں ایک معمولی خراجِ عقیدت ہے، جو ہر مفہوم، ہر لفظ اور ہر تاویل سے فائق و برتر رہیں اور جو ناکامی و نامرادی، بھاؤ تاؤ، نفاق و مکاری و چال بازی اور کھلی وچھپی بددیانتی کی تمام کوششوں کو عبور کر گئیں۔ ہمیں وہ معاف کر دیں؛ کیوں کہ ہم آڑی ترچھی لکیریں کھینچنے کے سوا کسی اور راہ سے اُن کا تعاون نہیں کر سکے۔

اپنے رب کے پاس رزق پانے والے شُہدا، جن کے گھروں کو اِس لیے منہدم کر دیا گیا کہ وہ اللہ کی فردوس بریں میں آراستہ گھروں کے مالک بنیں، جن کو صہیونیوں نے نفسیاتی اور جسمانی سزائیں دیں، تاکہ وہ اپنے ربِّ شکور کے ہاں ہر قسم کی راحت سے لطف اندوز ہوں اور جنھیں اِس لیے جلاوطن کیا گیا کہ وہ ربِّ رحیم کے آرام دہ اور سکون بخش ٹھکانے کے مستحق بن جائیں۔ تمھیں سلام۔ بلاشبہہ تمھارے خون کی یہ دولت تاریک رات کی ایک سحر ضرور ہوگی، روشن صبح نمودار ہوگی؛ اِس لیے کہ بے دریغ بہایا گیا پاکیزہ لہو ہرگز رائیگاں نہ جائے گا۔ کائنات میں اللہ کی یہی سنت رہی ہے۔ اللہ کا فرمان ہے: وَقُلِ اعْمَلُوْ فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ (توبہ آیت: ۱۰۵)

ترجمہ: اور کہہ، کہ عمل کیے جاؤ۔ پھر آگے اللہ دیکھ لے گا تمھارے کام کو اور اُس کا رسول اور مسلمان۔

مسئلہ فلسطین

میرا اُسی دن نوالہ بننا یقینی ہوگیا تھا، جس دن سفید بیل کو کھالیا گیا تھا(*)

حماس کے مشہور لیڈر محمود ابو ہنود (جنھیں اسرائیل نے جمعہ ۷ر رمضان ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۳ر نومبر ۲۰۰۱ء کو شہید کر دیا تھا) کے انتقام میں فلسطینی نوجوانوں نے، یک شنبہ ۱۶ر رمضان ۱۴۲۲ھ مطابق ۶ر دسمبر ۲۰۰۱ء کو شہرِ قدس اور فلسطین کے شمالی شہر ''حیفا'' میں جو فدائی کارروائی کی تھی اور جس کی اُنھوں نے اسرائیل کو پہلے ہی ابو ہنود کی شہادت کے فوراً بعد دھمکی دے دی تھی؛ کے بعد اسرائیل نے حسبِ توقع زبردست دہشت گردانہ فوجی کارروائی کے ذریعے، بہت سے فلسطینی بچوں اور جوانوں کو شہید کر دیا۔

دھوبی کا گدھا، گھر کا نہ گھاٹ کا:

فلسطینی جوانوں کی کارروائیاں، اسرائیلی دہشت گردی کے صحرائے ناپیدا کنار میں ایک ذرۂ بے مقدار کی حیثیت رکھتی ہیں؛ لیکن اسرائیل کے دہشت گرد نمبر ایک وزیر اعظم[1] نے واقعے کے فوراً بعد امریکہ کا اپنا حالیہ دورہ مختصر کر کے اسرائیل واپس آتے ہی، سب سے

(*) ترجمہ اداریہ بہ عنوان: "اَلْقَضِيَّةُ الْفَلَسْطِيْنِيَّةُ.. إِنَّمَا أُكِلْتُ يَوْمَ أُكِلَ الثَّوْرُ الأَبْيَضُ"، شمارہ: ۱۱، جلد: ۲۵، ذی قعدہ ۱۴۲۲ھ = جنوری-فروری ۲۰۰۲ء۔ ترجمہ اردو: جمعرات ۱۵ر ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ = ۲۸ر فروری ۲۰۰۲ء

(۱) یعنی ایریل شیرون (Ariel Sharon) جو ۷ر مارچ ۲۰۰۱ء سے ۲۱ر نومبر ۲۰۰۵ء تک، نیز ۲۱ر نومبر ۲۰۰۵ء سے ۴ر جنوری ۲۰۰۶ء تک اِسرائیل کا وزیر اعظم رہا تھا۔

پہلے تو فلسطینی اتھاریٹی (فلسطینی مقتدرہ) کو دہشت گرد اور دہشت گردی کی سرپرست قرار دیا اور ساتھ ہی فلسطینی اتھاریٹی کے چیرمین مسٹر یاسر عرفات [1] کو تمام دہشت گردانہ کارروائیوں کا واحد ذمے دار قرار دے کر، اُن کے اور اُن کی حکومت کے خلاف میزائلس اور عسکری طیاروں کے ذریعے بھرپور کارروائی کی۔ بے چارے عرفات کو (جن کی حیثیت دھوبی کے گدھے سے بھی بدتر ہوچکی ہے جو نہ گھر کا ہوتا ہے نہ گھاٹ کا؛ کیوں کہ اسرائیل کے ساتھ امن معاہدے کی کارروائیوں میں پھنسنے کے عنوان سے اُنھوں نے فلسطینی کاز کے سلسلے میں شکست خوردگی اور خود سپردگی کے جس سیریل (Serial) کا شکار ہونا قبول کیا تھا، روزِ اول سے وہ اور اُن کا دست و بازو بننے والے افراد سب سے زیادہ اُس خود کاشتہ پودے کا تلخ پھل کھانے پر مجبور ہیں) ہوا بو کر اُنھیں طوفان کی فصل کاٹنے پر مجبور ہونا پڑ رہا ہے۔

عرفات کے دفاتر کی تباہی:

اسرائیل نے لگاتار دو دنوں یعنی سوموار - منگل : ۱۷-۱۸/ رمضان ۱۴۲۲ھ = ۳-۴/ دسمبر ۲۰۰۱ء کو انتہائی ذلت آمیز طریقے سے فلسطینی اتھاریٹی کے مراکز اور دفاتر کو نشانہ بنایا؛ بل کہ عرفات کے سرکاری تینوں ہیلی کاپٹروں کو تباہ کردیا اور اُن کے اُس دفتر پر بھی میزائل داغا گیا جس میں وہ کام کررہے تھے؛ لیکن اتفاق سے وہ بال بال بچ گئے؛ اگر وہ ہلاک ہوجاتے تو یہ اسرائیل کا عین مقصد تھا جو پورا ہوجاتا؛ کیوں کہ شنبہ یکم دسمبر ۲۰۰۱ء کی شب میں بی بی سی لندن نے اپنے اردو نشریے میں صاف طور پر یہ بات دہرائی کہ ترکی کے وزیرِ اعظم نے کہا ہے کہ اسرائیل کے وزیرِ اعظم نے اُن سے کئی روز پہلے یہ بات کہی

---

(۱) اِس عربی تحریر کے اردو ترجمہ کو ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء میں طباعت کے لیے تیار کیے جانے سے کئی سال قبل، یعنی شبِ چہار شنبہ و پنج شنبہ: ۲۷-۲۸/ رمضان ۱۴۲۵ھ (بہ تقویم عالمِ عربی) و ۲۶-۲۷/ رمضان ۱۴۲۵ھ (بہ تقویم ہندوستان) مطابق ۱۰-۱۱/ نومبر ۲۰۰۴ء کو متوفی ہوچکے۔ اللہ تمام لغزشوں سے درگزر فرمائے۔

تھی کہ وہ یاسر عرفات سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں!!۔

بی بی سی لندن کے چہار شنبہ ۵/دسمبر ۲۰۰۱ء کے نشریے کے مطابق ایک اسرائیلی افسر کے بیان کے مطابق اسرائیل کا کہنا تھا کہ ہماری موجودہ کارروائی یاسر عرفات کے لیے واضح پیغام ہے کہ ہماری حالیہ کارروائی علامتی کارروائی ہے؛ ورنہ ہم عرفات کو بھی ٹھکانے لگا سکتے تھے اور اِس سے زیادہ کچھ کر سکتے تھے۔ عرفات کو ہمیں یہ باور کرانا ہوگا کہ وہ ''دہشت گردوں'' پر کنٹرول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ نہیں؟ یعنی اُن فلسطینی نوجوانوں کو زیر کر سکتے ہیں کہ نہیں جو اسرائیل کے خلاف فدا کارانہ اور شہادت پسندانہ مزاحمتی کارروائی کرتے رہتے ہیں!۔

اسرائیل کا مطالبہ واضح اور دوٹوک ہے کہ عرفات اور اُن کی حکومت کو ''مجرمین'' اور مزاحمتی تحریک کے قائدین کو ختم کرنا ہوگا اور فلسطینیوں کے ساتھ اندرونی جنگ میں اپنے آپ کو پھنسانا ہوگا، اپنی قوم کے نوجوانوں کو اپنے ہاتھوں تہِ تیغ کرنا ہوگا اور اپنا دامن اپنے نوجوانوں کے خونِ ناحق اور تازہ لہو سے رنگین کرنا ہوگا ——— یعنی اپنی شبیہہ اپنے ہاتھوں بگاڑنی ہوگی اور مکھی سے زیادہ خسیس، کتے سے زیادہ ذلیل بننا ہوگا اور آخرت سے پہلے دنیا کی لعنت کا مستحق ہوکر، ہر قسم کے خسارے سے اپنا دامن بھرنا ہوگا۔

یاسر عرفات کو اسرائیل آگ سے کھیلنے کی دعوت دیتا رہے گا:

تو کیا عرفات اور اُن کے لوگ اِس کے لیے تیار ہیں؟ ہمیں نہیں معلوم کہ اُن کا آیندہ کا کیا ارادہ ہے؟ لیکن امن معاہدے کے ڈرامے کو اسٹیج کیے جانے میں مکمل طور پر اور سرگرم شرکت اُن کو مجبور کر رہی ہے کہ اُنھیں آیندہ ہر قسم کی مکروہات کو سہنے کے لیے ''جرأت'' سے کام لینا ہوگا۔ ناپاک طینت اور بدباطن اسرائیل، جس کو ہر طرح کے ''پتوں'' کے پھینٹنے اور ملانے کے عمل میں مہارت حاصل ہے، عرفات کو اُس سے زیادہ بہت کچھ دینے پر مجبور کرتا رہے گا، جتنا کہ وہ دینے پر تیار ہوگا؛ بل کہ بلا معاوضہ ادائے گی پر

مجبور کرتا رہے گا اور عرفات کو آگ سے کھیلنے اور تباہی سے کُشتی لڑنے کی دعوت دیتا رہے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ بے چارے عرفات کو لاینحل پیچیدگی کا سامنا ہے: اگر وہ اسرائیل کی مانتے ہیں اور اُس کے مطالبے اور فرمودات پر عمل کرتے ہیں تو اُن کے لیے، موت زندگی سے زیادہ آسان ہوگی، کیوں کہ ہمیں بالیقین یہ معلوم ہے کہ عرفات اُس ذرے برابر ایمانی غیرت سے عاری نہیں ہوے ہیں جو کسی مسلمان کو اپنی ہم قوم کے خلاف کھلی جنگ سے باز رکھتی ہے اور اپنی اُس قوم کے خلاف واضح عسکری کارروائی سے روکتی ہے، جس کے حقوق کی بازیابی کے لیے اُس نے پوری زندگی مشقتیں برداشت کیں، تلخ کو شیریں سمجھا اور کانٹوں کو پھولوں سے زیادہ پیار سے سینے سے لگایا۔

اور اگر وہ اسرائیل کی نہیں سنتے، تو وہ اسرائیل کی ناقابلِ بیان ناراضگی کو دعوت دیں گے، بُرے سے بُرے انجام کے لیے اپنے کو تیار رکھنا ہوگا، امریکہ کے بے طرح غیظ و غضب کا سامنا کرنا پڑے گا اور اُن تمام مغربی ملکوں کی لعنت ملامت اور عملی ''سنگ ساری'' سے دوچار ہونا پڑے گا جو اپنے قول و فعل کے تمام خزانوں کا منھ اسرائیل کے لیے ہمیشہ کھولے رکھتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ عرفات کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے اور اُن کے اقتدار کی بساط لپیٹ دی جائے اور اب تک اسٹیج کیے گئے ڈرامے کی فصلوں (ایکٹوں Acts) کو یکسر بند کردیا جائے۔ پھر اسرائیل اِس صورتِ حال سے پورا پورا فائدہ اٹھائے اور امریکہ کے حکم اور مغرب کے اشارے اور اقوامِ متحدہ کے شیطان جیسے گونگے پن اور نازک وقت میں لیت و لعل بل کہ بے یار و مددگار چھوڑ دینے کی روش کے ذریعے فلسطینیوں کے ساتھ وہ سب کچھ کر گزرے جس کا اُس کو اب تک انتظار تھا اور یہ سب کچھ اِس طرح ہوگا کہ عربی اور اسلامی ملکوں کی طرف سے فلسطینیوں کو سوائے اسرائیل کی زبانی مذمت اور انتفاضے کے آیندہ مرحلے کے لیے چند نامراد سکّوں کی عاجلانہ مدد کے سوا کوئی چارہ گری ہاتھ نہ آسکے گی۔ ہاں قتل کے بعد شیطانِ اکبر امریکہ اور مغرب کی طرف سے ''جفا سے توبہ'' اور مسلمان ملکوں کی طرف سے ''زود پشیمانی'' کا اظہار سامنے ضرور آئے گا ـــــ یعنی کچھ

آنکھیں اشک بار اور کچھ زبانیں مرثیہ خواں نظر آئیں گی۔

اسلامی ممالک کی کم زوری:

لیکن اسلامی ملکوں کی طرف سے اسرائیل کے حوالے سے یا ملعون اور ظاہر و باطن کے ناپاک امریکہ کے تعلق سے اینٹ کا جواب پتھر سے نہ سہی اینٹ کا جواب اینٹ سے دینے کی دور دور تک نہ اب امید ہے نہ آیندہ اس کی توقع۔ اللہ جانتا ہے کہ ساری دنیا کے مسلم عوام امریکہ اور مغرب اور اقوامِ متحدہ کے دوہرے کھیل اور ڈبل معیار بل کہ ''نفاق'' سے اتنا اکتا چکے ہیں کہ اگر اُن کے بس کی بات ہو تو وہ سب امریکہ پر بُری طرح بھرے ہوے شیر کی طرح ٹوٹ پڑیں اور اُس کی بوٹی بوٹی نوچ لیں؛ لیکن کم زوری، ذلت اور اِس وقت مسلم امہ اُس ''وہن'' (کم زوری) سے دوچار ہے جس کی حدیث میں صراحت آئی ہے۔ اِسی ''وہن'' نے مسلم امت کو اور اُس کے قائدین و حکام کو کسی ایسی مؤثر، بھرپور کارروائی اور ضربِ مومن سے روک رکھا ہے، جس سے طوفانوں کے دل دہل جائیں اور اسرائیل اور اُس کے آقا امریکہ اور تمام دشمنوں کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور وہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لیے دوہرے پیمانوں کے استعمال سے یکسر باز آجائیں۔

ہم پوچھتے ہیں — اور ہمیں پوچھنے کا حق ہے — کہ اِس درجہ ذلت و توہین کے بعد، اب عرفات کے لیے کیا رہ گیا ہے۔ ذلت کے اُس رویے کے بعد جس کو ساری دنیا نے دیکھا، پڑھا، مشاہدہ کیا اور نہ صرف عرفات کی لاچاری پر اُس کو ہنسی آئی؛ بل کہ مشرق و مغرب کی بے شمار اسلامی اور عربی حکومتوں کے اُن قائدین و حکام کی لاچاری، بے بسی اور ذلت پر بھی اُس کو قہقہہ لگانے کا موقع ملا، جو طویل و عریض ملکوں پر حکم رانی کرتے ہیں، جن کی حکومتوں کے دست و بازو اپنے عوام پر ظلم و جبر کے لیے بہت طاقت ور ہیں، جن کے پاس کہنے کو بے پناہ دولتیں ہیں، جن کے پاس بے حساب صلاحیتیں اور غیر معمولی ذہانتیں ہیں، جن کے ہاں زبردست وسائل و امکانات ہیں اور جن کی قیادتیں ''دانا و ہونہار'' اور

''ہوشیار'' ہیں، جنھیں حکومت چلانے کا ''ڈھنگ'' آتا ہے اور ہر ''نافرمان'' شہری سے اچھی طرح نمٹنے کا گُر معلوم ہے اور ساتھ ہی امریکہ اور مغرب کی گود میں گرنے اور اُن کے ساتھ وفاداری کا بڑے سے بڑا ثبوت پیش کرنے کا حوصلہ ملا ہوا ہے؛ لیکن اُن حکومتوں کے رویے سے اچھی طرح عیاں ہے کہ اُنھیں ربِ رحمٰن سے لولگانے اور اُس کی چوکھٹ پر جبہہ سائی کا سلیقہ اُنھیں معلوم نہیں ہے۔ کیا یہ صورتِ حال ایک حلیم و بردبار کو ناراض اور کم زور مسلمان کو طاقت ور بنادینے کے لیے کافی نہیں کہ وہ اُس شیر کی طرح اٹھ کھڑا ہو جس کے کچھار میں داخل ہو کر کسی نے اُس کی ''خودی'' کو چیلنج کیا ہو؟!۔

دنیا کے اخبار نویس مسلمانوں اور فلسطینیوں کی حالتِ زار پر ہنس رہے ہیں:

دنیا کے اخبار نویس اور میڈیا والے، دنیا کی ہر زبان میں اِس خبر پر تبصرے کر رہے ہیں، جملے چست کر رہے ہیں، فقرے ڈھال رہے ہیں، آوازے کس رہے ہیں، مسلمانوں اور کم زور فلسطینیوں کی حالتِ زار پر ہنس رہے ہیں اور تعجب کے ساتھ پوچھ رہے ہیں: کہ ساری دنیا میں صرف مسلمانوں کو ہی ذلت و ہزیمت کا سامنا کیوں ہے؟ حتی کہ اُس فلسطین میں بھی جو چاروں طرف سے عربی اسلامی ملکوں سے گھرا ہوا ہے، جہاں کی حکومتیں، وہاں کے قائدین و حکام کی زبانوں اور حلاقیم سے بھی زیادہ طاقت ور لشکر و اسلحہ کی مالک ہیں، جنھیں وہ اپنے عوام کے خلاف اُس وقت بہ خوبی کام میں لاتے ہیں جب اُن کے شخصی مفادات پر کوئی آنچ آتی ہے؛ لیکن یہ فلسطینی مسلمان اِس کے باوجود کیوں رگیدے جارہے ہیں، قتل کیے جارہے ہیں، بے گھر کیے جارہے ہیں، اُن کے بوڑھوں، بچوں، اور عورتوں کو بے دریغ تہ تیغ کیا جارہا ہے؟ جب کہ مسلمانوں اور عربوں کی اِتنی بڑی تعداد ہے کہ وہ اگر سب مل کر مکھی بن کر بھن بھنائیں، تو اسرائیل کے لیے نہ پائے رفتن ہو نہ جائے ماندن!۔

یہ اخبار نویس اکثر غیر مسلم ہیں؛ بل کہ بیش تر صلیبی، صہیونی وثنی یا مُلحِد اور سیکولر

ہیں؛ اِس لیے اُن کا اِس طرح محوِ حیرت ہونا اور سوال کرنا باعثِ حیرت نہیں۔ اُن کا ہماری ذلت و ہزیمت پر اِس طرح خوشی منانا بھی چنداں جائے تعجب نہیں؛ کیوں کہ دشمنوں سے یہی تو توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کی ذلت و خواری اور مظلومیت پر ناچیں اور جشن منائیں!۔

لیکن اسرائیل کے ساتھ امن معاہدے کی کارروائیوں کی طرف سب سے آگے آگے جانے والے قائد کی اِس درجہ ذلت کے بعد، اب مسلمانوں اور عربوں؛ بل کہ خود عرفات کے پاس کیا ترجیح رہ جاتی ہے؟ اسرائیل نے ذلت وحقارت کے تمام معانی کے ساتھ اُن تمام معاہدوں، دستاویزات اور قول وقرار پر لات ماردی ہے جس کا وہ اب تک مذاکرات کے تمام دوروں (Rounds) میں ''پابند'' رہا تھا۔

اور یہ پہلی مرتبہ نہیں ہے کہ اسرائیل نے اپنی تمام شرارتوں، دہشت گردیوں اور ستم گریوں کی ذمے داری، خود یاسر عرفات پر ڈال دی ہے اور اُنھیں اُن کے اُس ''کرتوت'' کی سزا دی ہے، جو اُنھوں نے اسرائیل کے ساتھ ''عشق بازی'' کے آغاز کے عمل کے ذریعے انجام دیا ہے، یا بہ قولِ غالب ''اُس سراپا ناز'' نے جو ''دھول دھپا'' کے شیوے کا اظہار کیا ہے، تو یہ عرفات صاحب کی ''پیش دستی'' کا جواب ہے:

دھول دھپا ، اُس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالبؔ! پیش دستی، ایک دن

امریکہ نے اسرائیل کو ہری جھنڈی دکھادی ہے:

عالمی ذرائع ابلاغ نے اسرائیل کی طرف سے عرفات اور اُن کی حکومت کے ساتھ انتہائی ذلت آمیز طرزِ عمل سے پیش آنے کے، ماضی کے لاتعداد واقعات میں سے، بہت سے واقعات ریکارڈ کرر کھے ہیں؛ لیکن پچھلے واقعات میں اور تازہ واقعے میں اسرائیل کے واضح رسوا کن انداز کے علاوہ، یہ فرق بھی ہے کہ اب کی بار امریکہ نے اسرائیل کو کھلے

طور پر ہری جھنڈی دکھادی ہے کہ وہ فلسطینیوں اور فلسطینی اتھاریٹی کے خلاف جس طرح کی دہشت گردانہ کارروائی کرنی چاہے، اُس کو ظاہری طور پر بھی کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ ہر چند کہ اسرائیل کو امریکہ کی طرف سے ہمیشہ یہ کھلی چھوٹ ملی رہی ہے کہ وہ فلسطینیوں کے خلاف (جو اصلاً فلسطین کے باشندے اور "مالکانِ مکان" ہیں اور یہودیوں کی طرح وہاں غلط طور پر آکر نہیں بسے ہیں) ہر طرح کے عسکری اور غیر عسکری جرائم کا ارتکاب کرے۔ اِس کے لیے امریکہ کی طرف سے اُس کو ہمیشہ ہر طرح کی مادی و معنوی مدد ملتی رہی ہے؛ لیکن جو نئی بات اب کی مرتبہ سامنے آئی ہے، وہ یہ ہے کہ پوری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں سے تعلق رکھنے والے سارے مسئلوں کو تشدد اور دہشت گردی کے ہتھیار سے حل کرنے کی منطق پر عمل کرنے والے امریکہ کے صدر بش نے، اسرائیل کو واضح اور دوٹوک لفظوں میں فلسطینیوں کو بہ زورِ بازو اور بہ ذریعہ آتش و آہن کچل دینے کا حکم دے دیا ہے۔ اُس کی اِس آواز کو جس میں کوئی اِبہام نہ تھا ساری دنیا کے ذرائع ابلاغ نے سنا اور ریکارڈ کیا ہے اور دنیا کے تمام انسانوں کو بار بار سنا اور یاد کرادیا ہے؛ تاکہ بوش کا دیا ہوا یہ سبق اُنھیں کبھی فراموش نہ ہو اور اُس کا یہ پیغام بھی ذہنوں سے اوجھل نہ ہو کہ اگر اب وہ فلسطینی زمین کی آزادی اور حقِ خود ارادیت کے حصول کے لیے سرگرم عمل فلسطینی تنظیموں اور تحریکوں کو مکمل طور پر "دہشت گرد" قرار دے دے (اور بعد کے چند ہی دنوں کے دوران اُس نے ایسا کر بھی دیا) تو دنیا والوں کو اور مسلمانوں کو اور اُن "مخلص" قائدین وسیاست دانوں اور حکام کو تعجب دامن گیر نہ ہو جو اسرائیل کے قول و فعل پر اعتماد کرنے کی اور اعتماد کرنے کے لیے لوگوں کو آمادہ کرنے کی خدمت تواتر کے ساتھ انجام دیتے رہے ہیں۔ اندرونِ صف کے بزدلوں، شکست خوردوں اور خیانت کاروں کا تو ذکر ہی کیا۔

چہارشنبہ ۵/دسمبر ۲۰۰۱ء (۱۹/رمضان ۱۴۲۲ھ) کو بش نے رائٹر کے مطابق (جیسا کہ ہمارے ہندوستانی اخبارات نے شائع کیا) کھلے لفظوں میں (A. B. C.) نیوز چینل کو انٹرویو دیتے ہوے کہا کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے ضمن میں امریکی

افواج، فلسطین پر بھی حملے کر سکتی ہیں۔ اُس نے کہا کہ افغانستان کے علاوہ دوسری جگہ بھی فوجی کارروائی ممکن ہے۔ ہم امریکی عوام کو خبردار کرنا چاہتے ہیں کہ ہم نے متبادل راہیں بھی کھلی چھوڑی ہوئی ہیں۔ بوش نے یہ بیان حماس اور دیگر تین فلسطینی تنظیموں کے اثاثوں کو منجمد کر دینے کے اپنے اعلان کے بعد دیا۔ بوش نے پھر دہرایا کہ دہشت گردی کے خلاف اُس کی جنگ غیر روایتی اور اِس درجہ غیر معمولی ہے کہ جب تک وہ لڑی نہ جائے، لوگوں کو اس کے متعلق کچھ علم نہیں ہوتا!۔ نہتے فلسطینیوں کے خلاف اسرائیل کی زبردست حالیہ عسکری کارروائیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوے، بش نے کہا کہ مغربی اتحاد پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ مغربی ایشیا کو دہشت گردی سے پاک کرے!۔ اسرائیل امن کا خواہاں ہے؛ لیکن بعض لوگ (یعنی فلسطینی) ایسا نہیں چاہتے!۔ وہ (یعنی بش) اگر فی الحال فلسطینی ''دہشت گردوں'' اور فلسطین کی جنگ جُو تنظیموں کی طرف اپنی توجہ مرکوز کرتا ہے، تو اسامہ بن لادن اور طالبان کے خلاف دہشت گردی کی اُس کی جنگ کے سلسلے میں بننے والے اتحاد کو باقی رکھنا اُس کے لیے مشکل ہوگا!!۔ اُس نے مزید کہا: لیکن یاسر عرفات کو چاہیے کہ وہ بالضرور اسرائیل سے برسرِ پیکار لوگوں کو ختم کرنے کے لیے جارحانہ طرزِ عمل اختیار کریں[1]۔

بش نے اپنا یہ مطالبہ عرفات کے سامنے ۶ر دسمبر ۲۰۰۱ء (جمعرات ۲۰ر رمضان ۱۴۲۲ھ) کو بھی دہرایا۔ چناں چہ رائٹر کے حوالے سے ہندوستانی اخبارات نے چھاپا کہ اُس نے صاف لفظوں میں کہا کہ وقت کا شدید تقاضا ہے کہ تنظیمِ آزادیِ فلسطین ''قاتلوں'' کے خلاف سخت اور فیصلہ کن کارروائی کرے (یعنی غاصبانہ قبضے کے خلاف سرگرمِ عمل فلسطینی نوجوانوں کو کھلے عام تہ تیغ کرے) جو امن کی اُن کارروائیوں اور منصوبوں کو خاک میں ملا دینا چاہتے ہیں، جنھیں ہم برپا کرنے کے درپے ہیں۔ بش نے مزید کہا کہ عرفات کو اپنی قائدانہ صلاحیت کا ثبوت دینا ہوگا اور ''بے گناہوں'' (یعنی اسرائیلیوں) کی زندگی سے کھیلنے والوں کو ٹھکانے لگانا ہوگا؛ کیوں کہ یہ لوگ ہمارے امن کے منصوبے کو ہر طرح سے

(۱) روزنامہ راشٹریہ سہارا، نئی دہلی، شمارہ ۹۱۳، جمعرات ۲۰ر رمضان ۱۴۲۲ھ = ۶ر دسمبر ۲۰۰۱ء۔

مسمار کرنے پر تلے ہوئے ہیں(۱)۔

مذکورہ بالا بیانات سے یہ باتیں عیاں ہو جاتی ہیں:

۱- بش نے فلسطینی تنظیموں کو ''دہشت گرد'' قرار دے دیا ہے۔

۲- اِس کے بالمقابل وہ اسرائیل کو بے گناہ، دودھ کا دھلا ہوا اور فلسطینیوں کے خلاف ساری جارحانہ و دہشت گردانہ کارروائیوں میں حق بہ جانب سمجھتا ہے۔

۳- چوں کہ وہ فلسطینیوں کو ''دہشت گرد'' سمجھتا ہے؛ اِس لیے دنیا کے پولس مین ہونے کے ناطے، اُن کے خلاف بھی ''غیر روایتی'' اور ہمہ گیر جنگ اُسی پیمانے پر؛ بل کہ اُس سے بڑے پیمانے پر چھیڑنا چاہتا ہے، جو اُس نے افغانستان میں چھیڑ رکھی ہے(۲)۔

۴- وہ یہ جنگ فی الفور چھیڑ دیتا؛ لیکن اسامہ اور طالبان کے خلاف جاری اُس کی جنگ کے اتحاد میں چوں کہ دراڑ پڑ جانے کا اندیشہ ہے؛ اِس لیے وہ اپنی تمام تر خواہش اور بے تابی کے باوجود ایسا نہیں کر سکتا۔ اگر اُس کی یہ مجبوری نہ ہوتی، تو وہ افغانستان اور فلسطین دونوں محاذوں پر بہ یک وقت لڑتا؛ کیوں کہ افغانستان میں عسکری فتح نے، اُس کے حوصلے اِس درجہ بڑھا دیے ہیں کہ اسلامی جہاد کی ہر کوشش کو، دنیا میں ہر جگہ، کچل دینے کے لیے وہ آتشِ زیرپا ہے۔

۵- لیکن چوں کہ بش کو اپنے ملک کا مفاد انتہائی عزیز ہے اور فلسطینی محاذ پر فی الفور جنگ چھیڑنے میں امریکی مفادات کو نقصان پہنچنے کا یقینی اندیشہ ہے؛ اِس لیے عرفات کو (چوں کہ وہ اسرائیل کے ساتھ امن معاہدے کی کارروائی کے سیریلس (Serials) میں

---

(۱) روز نامہ راشٹریہ سہارا، نئی دہلی، شمارہ ۹۱۴، جمعہ ۲۱ رمضان ۱۴۲۲ھ = ۷ دسمبر ۲۰۰۱ء۔

(۲) ۲۰ مارچ ۲۰۰۳ء (بہ روزِ جمعرات ۱۶ محرم ۱۴۲۴ھ) یعنی اِس تحریر کے عربی میں جمعہ ۲۱ رمضان ۱۴۲۲ھ = ۷ دسمبر ۲۰۰۱ء میں لکھے جانے کے دو سال بعد بُش، عراق پر حملہ و قبضہ کر کے اُس کو بالکلیہ تباہ کر چکا ہے۔ ۱۰ ذی الحجہ (بہ تقویمِ عالمِ عربی) ۱۴۲۷ھ = ۳۰ دسمبر ۲۰۰۶ء بہ روز شنبہ صدام حسین کو تختۂ دار پر لٹکا دینے کے بعد بھی اِس تحریر کے اُردو قالب کو طباعت کے لیے ۱۴۲۸ھ = ۲۰۰۷ء میں تیار کیے جانے کے وقت تک بھی اُس کے صلیبی جذبۂ انتقام کو تسکین نہیں مل سکی ہے۔

پھنسنے کے گناہ کا بہ خوشی و رضا ارتکاب کر چکے ہیں) چاہیے کہ وہ فلسطینی نوجوانوں کو دوڑا کر پکڑ لیں، اُنھیں ایک ساتھ مار دیں، یا اسرائیل کے حوالے کر دیں جو امن و سلامتی کا خواہاں اور بے گناہ یہودی مملکت ہے!۔

۶- ورنہ عرفات اور اُن کے ٹولے کو یعنی فلسطینی اتھارٹی اور تمام فلسطینیوں کو نہ صرف اسرائیل؛ بل کہ امریکہ کی طرف سے دل دوز وار اور کھلم کھلا بھرپور حملے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ کیوں کہ ''معصوم'' اور ''بے گناہ'' اسرائیل بُری حد تک فلسطینیوں کی ''دہشت گردی'' سے اکتا چکا ہے اور اُس کی مزاحمت کی وہ تنہا تاب نہیں رکھتا اور چوں کہ امریکہ اُس کا سرپرست، والی اور مربی ہے، شروع دن سے اُس کی پرورش اور دیکھ ریکھ بل کہ کفالت کی ذمے داری نبھاتا رہا ہے اور اُس کو اپنے لئے پالک کی تکلیف سے شدید تکلیف ہے؛ اِس لیے وہ اُس کی طرف سے لڑنے، اُس کو اُس کا ''جائز'' حق دلوانے اور اُس کے دشمنوں کو نیست و نابود کر دینے اور سارے عربوں اور مسلمانوں کو اُس سے دشمنی کرنے کا مزا چکھانے کا پابند ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ افغانستان پر ۷/اکتوبر ۲۰۰۱ء کو امریکہ کے حملے سے قبل، بش اور اُس کے معشوق ''ٹونی بلیر'' اور متعدد امریکی قائدین، عربی دارالحکومتوں میں ناچتے رہے کہ عربوں کو نام نہاد دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ کے سلسلے کے اتحاد میں شامل کرنے کی دعوت دی جائے، اُس وقت عربوں نے امریکہ کو بڑی لجاجت اور ادب و احترام کے ساتھ کہا تھا کہ ہم اپنے آقا اور اپنے اعلیٰ حضرت عزت پناہ بش سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ طالبانی اور اسامہ بن لادنی دہشت گردی اور اسرائیلی قبضے اور دہشت گردی کی مزاحمت کر رہے فلسطینی نوجوانوں کی کارروائیوں میں فرق ملحوظِ خاطر رکھیں۔ اُنھوں نے یہ درخواست، ہر محفل اور ہر مجلس میں دہرائی اور اندھے بہرے بش کے سامنے بار بار اپنی گزارش پیش کی؛ تاکہ آقا بش غلاموں کی اِس التجا کو ضرور درخورِ اعتنا سمجھیں اور کثرتِ کار اور معرکۂ افغانستان کے ہجومِ افکار میں کہیں اِس کو پسِ پشت نہ ڈال دیں؛

لیکن فاتح وکام راں آقا نے عسکری اکتسابات کی بدمستی کی وجہ سے اُن کی ایک نہ سنی اور اُس نے عالمی ذرائع ابلاغ کے ذریعے، عربوں کو زبردست طمانچہ رسید کیا کہ وہ سارے فلسطینی نوجوانوں کو دہشت گرد اور اُن کی آزادی کی اِس لڑائی کو جسے اقوام متحدہ ۵۰-۵۵ سال سے ہنوز آزادی کی لڑائی کہتا رہا ہے، دہشت گردی کی کارروائی قرار دیتا ہے اور یہ کہ فلسطینی باشندے اب یا آیندہ امریکہ کے نشانے پر ہیں۔ صلیبی بش شرمندگی کے لہجے میں بھی یہ کہنے کو رضامند نہیں کہ بھیڑیا اسرائیل پوری دنیا کے کہنے کے مطابق ''دہشت گرد'' نہ سہی ''تشدد پسند'' تو ضرور ہے!۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ہمارے عرب اور مسلمان قائدین وحکام نے، مسلمان ملک افغانستان پر امریکہ کے وحشیانہ حملے کو جس وقت ہری جھنڈی دکھائی تھی، اُس وقت امریکہ کے صدر سے یہ منت سماجت بھی کی تھی کہ آقا! افغانستان کے بعد آپ کسی اور عربی یا اسلامی دیس کے خلاف فوجی کارروائی نہ کریں۔ گویا اُنھوں نے یہ مان لیا تھا کہ افغانستان تو دہشت گرد ہے؛ لہٰذا اُس کے خلاف جنگ کی جا سکتی ہے؛ لیکن دیگر اسلامی اور عربی ممالک اِس جرم سے بری ہیں؛ اِس لیے اُس کے خلاف کوئی جنگی عمل نہ کیا جائے!۔ حال آں کہ امریکہ کا یہ دعوی ہی ہنوز (تاوقتِ تحریر ایں سطور در عربی جمعہ ۲۱ر رمضان ۱۴۲۲ھ = ۷ر دسمبر ۲۰۰۱ء) بے بنیاد اور بے دلیل ہے کہ افغانستان کسی طرح بھی دہشت گرد ہے، یا طالبان نے کوئی دہشت گردی کی ہے، یا اسامہ کے خلاف اُس کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت ہے۔

بش نے ہمارے قائدین وحکام کے منہ پر طمانچے مار دیے:

خلاصہ یہ ہے کہ آقا بش نے ہمارے قائدین وحکام کے دونوں مطالبے اُن کے منہ پر مار دیے اور ذلت وحقارت کے ساتھ، اُن کی درخواست نہ صرف مسترد کر دی، بل کہ اُن کی خواہش کے علی الرغم یہ وضاحت کر دی کہ فلسطینی تنظیمیں ''دہشت گرد'' ہیں اور یہ کہ امریکہ افغانستان کے بعد، ساٹھ اسلامی وغیر اسلامی اور عربی ملکوں کے خلاف کارروائی کیا

چاہتا ہے، جن میں عراق، ایران، سوڈان، لبنان، سیریا، صومالیہ اور کوریا سرفہرست ہیں، بل کہ ایران اور عراق و کوریا کو تو بش نے پچھلے دنوں ''ناپاکی کا محور'' قرار دے دیا ہے کہ مستند ہے اُن کا فرمایا ہوا!۔

ہمارے قائدین و حکام کسی بھی معاملے کو عربی شاعر کے بہ قول ''آیندہ کل چاشت کے وقت'' سمجھنے کے عادی رہے ہیں، وہ کسی مسئلے کو بروقت سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اُنھیں یہ سمجھ میں نہیں آسکا تھا کہ افغانستان، امریکہ اور مغرب کے یاجوج و ماجوج، اُن کے توسیع پسندانہ عزائم اور اسلامی بیداری کو کچلنے کے اُن کے منصوبوں کے سامنے، سدِ سکندری ہے۔ افغانستان کی مسماری درحقیقت امریکہ کے عزائم کی تنفیذ کا آغاز ہوگا اور اِس پہاڑ کے سر کر لینے کے بعد امریکہ کے متنوع مقاصد کی راہ میں کوئی چیز حائل نہ ہوسکے گی (1) اب جب کہ افغانستان پسپا ہو چکا ہے، تو امریکہ کی عسکری اور حربی بھوک بُری طرح بڑھ چکی ہے، اُس کے شیطانی جنگی معدے کو کوئی چیز تسکین نہیں دے سکتی، وہ اب کسی حد پر نہیں رکے گا اور نہ کوئی طاقت اُس کو روک سکے گی۔ وہ اب بدمست ہاتھی بن چکا ہے وہ اپنی راہ کی ہر چیز کو روندتا چلا جائے گا۔

افغانستان کی تباہی اور طالبان کی پسپائی سے قبل، اگر یہ توقع تھی کہ امریکہ عرب ور مسلمان قائدین و حکام کی کسی درخواست کو اِس لیے مان لے گا کہ اُس کو عربوں اور مسلمانوں پر وار کرنے کے لیے، عرب اور مسلمان قائدین کی حمایت کے حصول کی فکر تھی، تو اب طالبان کی ہزیمت اور افغانستان کی بربادی کے بعد، اُس سے اِس طرح کی کوئی توقع رکھنا؛ اِس لیے فضول ہے کہ اب اُس کو کسی سے نہ ڈر ہے نہ خوف۔ اب عربوں اور مسلمانوں کے حکم رانوں کے لیے سوائے مرثیہ خوانی کرنے، اپنے نصیبے کو رونے اور اپنی

---

(1) افغانستان کے بعد، عراق پر حملے و قبضے اور اُس کے بعد کے دور رس نتائج (جن میں عالمِ عربی کا امریکہ و اسرائیل کے سامنے بالکلیہ بھیگی بلی بن جانا شامل ہے) یہ حقیقت پسندانہ پیش گوئی حرف بہ حرف ثابت ہو چکی اور جو کچھ آیندہ ہونے والا ہے وہ اِس سے زیادہ تلخ ہوگا۔ اللہ نہ کرے کہ ایسا ہو۔

قسمت پر ماتم کرنے کے اور کوئی چارۂ کار نہیں ـــــــ کہ اب عربوں کو اِس عربی مثل میں پوشیدہ سچی حقیقت کو مان لینا چاہیے کہ میں اُسی دن لقمۂ تر بن گیا جس دن سفید بیل کو نوالہ بنالیا گیا تھا (إِنَّمَا أُكِلْتُ يَوْمَ أُكِلَ الثَّوْرُ الْأَبْيَضُ)[1] طالبان کے سفید بیل کے نوالہ بن جانے کے بعد اب کوئی ''کالا'' یا ''پیلا'' بیل بچنے والا نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اب ہمارے قائدین وحکام کے ہاتھ سے صورتِ حال بالکل نکل

(۱) یہ ایک عربی مَثَل ہے، جس کا اِطلاق اُس آدمی پر کیا جاتا ہے، جس کو اپنے کسی مخلص ہم نوا کے کھو دینے کے بعد، مُتَوَقَّع خطروں اور پریشانیوں کا سامنا ہوتا ہے، جن کا اُس مخلص ہم نوا وغم گسار کے ہوتے ہوے، بہ فضلِ خداوندی اِمکان معدوم تھا۔ اِس مثل کی اصل علامہ میدانیؒ (احمد بن محمد بن احمد بن اِبراہیم میدانی نیساپوری ابوالفضل متوفی ۵۱۸ھ/ ۱۱۲۴ء) نے اپنی مشہور کتاب "مَجْمَعُ الْأَمْثَال" میں یہ لکھی ہے کہ خلیفۂ راشد چہارم حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری اور حضرتِ عثمانؓ کی مثال ایک جھاڑی کے تین بیلوں کی ہے، جن میں ایک سفید، دوسرا سیاہ اور تیسرا سرخ تھا۔ جھاڑی میں تینوں بیلوں کے ساتھ ایک شیر بھی تھا۔ وہ شیر بیلوں کے اتحاد واجتماعیت کی وجہ سے اُن کا کچھ بھی بگاڑ نہیں پاتا تھا (اِس لیے اُس نے اُنھیں ایک ایک کر کے ختم کرنے کی سوچی)؛ چناں چہ اُس نے سیاہ اور سرخ بیلوں سے کہا کہ ہماری اِس جھاڑی میں ہمارا اَتا پتا معلوم ہو جانے کی وجہ، صرف سفید بیل ہو سکتا ہے (اب اگر شکاریوں کو ہمارا علم ہو گیا تو ہمارا شکار کر لیا جانا یقینی ہے) اِس لیے کہ (یعنی سفید بیل کی وجہ سے ہم تک شکاریوں کی پہنچ کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ) اُس کا سفید رنگ دور سے نظر آتا ہے اور چمکتا ہے، جب کہ میرا رنگ تم دونوں (سیاہ وسرخ بیلوں) جیسا ہے (کہ دور سے نظر نہیں آتا؛ کیوں کہ اس میں چمک نہیں ہے) لہٰذا اگر تم دونوں اِجازت دو، تو میں اُس کو اپنا لقمہ بنا لوں، اِس طرح یہ جھاڑی ہمارے لیے بے خطر ہو جائے گی۔ دونوں نے کہا: آپ کو اِس کی اِجازت ہے، آپ ضرور ایسا ہی کریں؛ چناں چہ شیر، سفید بیل کو کھا گیا۔ اب چوں کہ اُن کا جتھا کم زور ہو چکا تھا؛ اِس لیے اُس نے سرخ بیل سے کہا: میرا رنگ تو تیرے ایسا ہے (لیکن سیاہ بیل کا رنگ کھلتا ہے؛ کیوں کہ اِس میں بھی قدرے چمک اور دور سے نظر آنے کی صلاحیت ہے) لہٰذا اگر تم مجھے سیاہ بیل کو کھا جانے دو تو یہ جھاڑی ہم دونوں کے لیے محفوظ اور پر امن ہو جائے گی۔ سرخ بیل نے رضامندی ظاہر کی (کہ اب اُس کے پاس مزاحمت یا انکار کی کوئی تاب نہ تھی) شیر نے سیاہ بیل کو اپنا لقمہ بناتے ہی، سرخ بیل سے کہا: اب تو بالیقین تمھاری باری ہے۔ سرخ بیل نے کہا: مجھے صرف تین مرتبہ آواز لگانے کی اِجازت دو۔ شیر نے کہا ہاں ایسا کر سکتے ہو۔ بیل نے آواز لگائی "أَلَا إِنِّي أُكِلْتُ يَوْمَ أُكِلَ الثَّوْرُ الْأَبْيَضُ" مجھے تو اُسی روز لقمہ بنا لیا گیا جس دن سفید بیل کو کھا لیا گیا تھا، یعنی سفید بیل کے کھا لیے جانے کے بعد میرا کھا لیا جانا یقینی بن گیا تھا۔

حضرت علیؓ نے اِس واقعے/مَثَل کو سنانے کے بعد بہ آواز بلند فرمایا: سنو! میں اُسی روز کم زور پڑ گیا تھا، جس دن حضرتِ عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تھا۔ (مجمع الامثال، ج۱، ص۲۵)

چکی ہے اور لگام کی رسی مکمل طور پر امریکہ کے ہاتھ میں جا چکی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ نہ صرف زندگی جینے کے لیے؛ بل کہ عزت کی موت مرنے کے لیے بھی ہمارے قائدین وحکام میں ہنوز کوئی اتحاد نہیں۔ لگتا ہے کہ ہماری قوم کو اپنی گہری نیند سے تب بیداری نصیب ہوگی جب امریکہ اسلامی اور عربی ریوڑ کی ایک ایک بکری کو ذبح کر چکا ہوگا۔



امریکہ کو مسلمانوں کے ہر گھر میں ”دہشت گردوں“ کی تلاش (٭)

ایک پتھر اور ڈھیلے کے بدلے میں، جو کوئی فلسطینی بچہ یا نوجوان کسی اسرائیلی کی طرف پھینک دیتا ہے، فلسطین کی ناجائز صہیونی مملکت کے فوجیوں اور شہریوں کی طرف سے، مسلسل قتل و خون اور فلسطینیوں کی بے شمار تعداد کی پکڑ دھکڑ، ایذا رسانی، مکانوں کا انہدام، زندگی کے وسائل کی بربادی اور ہر طرح کی تذلیل کا نہ ختم ہونے والا عمل شروع ہو جاتا ہے؛ بل کہ فلسطینیوں کی طرف سے کسی ”گناہ“ کے بغیر بھی ہمیشہ اُنھیں ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اُن پر ٹینکوں، توپوں، عسکری طیاروں، ہیلی کاپٹروں اور میزائلوں کے ذریعے تباہی کی بارش کی جاتی ہے اور راہ چلتے، گہری نیند سوتے اور رات کے آخری حصوں میں ربِ کریم کے سامنے اُن کے روتے اور نماز پڑھتے وقت، اُن کا پرندوں کی طرح شکار کیا جاتا ہے۔

اُن بے چارے فلسطینیوں کو اسرائیل سے کون بچائے گا؟ کیا امریکہ بچائے گا، جو نام نہاد امن معاہدے کی کارروائیوں کا سرپرست کہا جاتا ہے اور جس کا دوسرا نام ”دنیا کا پولس مین“ بھی ہے؟ لیکن امریکہ تو اُن سے دامن جھٹک چکا ہے اور اُس نے خوش اسلوبی اور معذرت و ادب کے تمام رویوں کو پس پشت ڈال کر، افغانستان کی تباہی اور طالبان کی شکست اور اسلامی بیداری پر ضرب کاری لگانے کے بعد، کھلے عام اور مکمل بے حیائی کے

(٭) ترجمہ کلمۃ الحر ر، شمارہ: ۱۲، جلد: ۲۵، ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ = فروری - مارچ ۲۰۰۲ء

ترجمہ بہ روز شنبہ ۲ر مارچ ۲۰۰۲ء = ۱۷ر ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ

ساتھ اسرائیل کا ساتھ دے کر مسلم اُمّہ کے ضمیر کو چیلنج کرتے ہوے، ساری فلسطینی تنظیموں اور تحریکات کو دہشت گرد قرار دے کر، اُن کے اثاثے کو منجمد کردینے کا اعلان کرچکا ہے اور ساتھ ہی فلسطینی صدر یاسر عرفات کو بلا کسی اِبہام کے یہ دھمکی دے چکا ہے کہ اگر اُس نے فلسطینی ''دہشت گردوں'' پر قابو نہیں پایا اور اُن کے قائدین کو گرفتار کرکے اسرائیل کے حوالے نہیں کیا یا از خود ٹھکانے نہیں لگایا، تو اُس کو بُرے سے بُرے انجام کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

تو کیا اسلامی اور خصوصاً عربی ممالک، فلسطینیوں کی مدد کو آگے آئیں گے؟ لیکن یہ ممالک تو مؤثر مزاحمت اور مسجد اقصیٰ کی آزادی کے معیارِ مطلوب کو بہت پہلے خیرباد کہہ کر نازک ترین وقتوں اور پریشان کن حالات میں بھی، صرف معمولی سی مالی مدد دینے اور کم زور لہجوں میں مذمتی قرارداد پاس کرنے اور انکاری بیانات دینے پر اکتفا کرتے رہے ہیں، جنھیں ماضی میں کبھی بھی عالمی رائے عامہ نے درخورِ اعتنا نہیں سمجھا؛ بل کہ اُس کو ایک کم زور کی چیخ، صحرا کی بے کار آواز، ایک بے حیثیت مظلوم کی فریاد، ایک ذلیل مزدور کا احتجاج اور ایک غلام کی گیدڑ بھبکی سے زیادہ کچھ نہیں سمجھا؛ خصوصاً امریکہ نے جو اسرائیل کا اصل کفیل اور فی الواقع آقا ہے اور جس کو دنیا پر اُس کے ظاہری عسکری غلبے نے بدمست ہاتھی بنادیا ہے۔

فلسطین کے سلسلے میں امریکہ کی دوررس منصوبہ بندی، سرزمینِ فلسطین میں بہ جلد اُسی طرح روبہ عمل آیا چاہتی ہے، جس طرح صہیونیوں اور صلیبیوں نے طے کر رکھا ہے اور مسلمانوں کے حصے میں صرف یہ آنے والا ہے کہ وہ نسلوں تک اُس کی تکلیف کو اپنے ضمیر کی گہرائیوں میں محسوس کرتے رہیں گے۔ یہ منصوبہ نہ صرف دوررس ہے؛ بل کہ مُتنوِّع الاغراض اور سارے امریکی وصہیونی مقاصد واہداف کے حوالے سے ہمہ گیر ہے اور ہر جگہ اور ہر سطح پر اُسی درجہ اسلامی مفادات کے لیے نقصان دہ اور ضرر رساں ہے جس درجہ صہیونی وصلیبی مفادات کے لیے مفید ہے۔

افغانستان پر حملہ اور اُس کی تباہی کا عمل، درحقیقت امتِ مسلمہ کی غیرت وحمیت و

عزیمت کو جانچنے کی ایک پیش رفت تھی۔ اب جب کہ امتِ مسلمہ نے افغانستان کی مکمل بربادی، اس کے کوہ ودمن میں امریکہ کی پھیلائی ہوئی تباہی اور خاک وخون میں افغانیوں کو ملا دینے کے عمل، امریکہ کی بے نظیر دہشت گردی، حرث ونسل کی اُس کے ذریعے بیخ کنی اور تاریخی وثقافتی ورثے کے ہر نقش کو مٹا دینے کے اقدام پر اُس نے اپنے غیر معمولی ''صبرو تحمل'' کا ثبوت دے دیا ہے اور دشمنوں کے روبہ رو، اپنی بے بسی وکسی کی یقینی دلیلیں پیش کردی ہیں، تو اب سارے معاملات کی باگ ڈور اُس کے ہاتھ سے نکل چکی ہے۔ اب امریکہ کو اور اُس کے دم چھلے اسرائیل کو یہ کھلی چھوٹ مل چکی ہے کہ وہ نہ صرف ارضِ فلسطین؛ بل کہ عالمِ اسلام کے جس کونے میں جو چاہے کرے، وہ جس اسلام پسند کو چاہے ''ادب'' سکھائے، جس اسلامی تحریک کی چاہے گوش مالی کرے، جس قائد کا چاہے کان پکڑ کر اُس کو اپنی پسند کے مطابق توبہ کرائے۔

کیا ایسا نہیں ہے کہ امریکہ نے، افغانستان کو برباد کرنے کے لیے، صرف پاکستان کے بحر وبر وفضا سے ہی فائدہ نہیں اٹھایا؛ بل کہ طالبان پر قابو پانے کے بعد، اُس نے پاکستان کے قائدین وحکام کو یہ ''فرمان'' جاری کیا کہ پاکستان بہ جلد اور بلا کسی تاخیر ولیت ولعل، اپنے ہاں کے مدارس وجامعات کے نصاب ہائے تعلیم کو دینی روح سے عاری کر کے، اِس طرح ترتیب دے کہ اُس سے امریکی مفادات کا تحفظ ہو، اسلامی روح کچل سکے، ''دہشت گردوں'' کی پیدایش بند ہو اور ''اعتدال پسندوں'' کی پیداوار میں اضافہ ہو اور دین کے اُن سرچشموں کو خشک کیا جا سکے جن سے ''بنیاد پرستی'' ''تشدد پسندی'' اور ''سخت گیری'' کو صاف پانی اور تازہ غذا ملتی ہے؛ تاکہ پاکستان میں آیندہ صرف ''اعتدال پسند'' سیکولر مزاج اور ''متوازن'' مسلمان علما وفقہا ودعاۃ پیدا ہوں، جن سے عام شہوت پرست غلامانِ مغرب اور بندگانِ امریکہ اور کارندگانِ تہذیبِ نو اور پاس دارانِ مفاداتِ امریکہ، یعنی نام کے مسلمان اور حقیقت میں نفاق پیشہ حکام وقائدین کو کسی طرح کا خطرہ لاحق نہ ہو۔

ملحوظِ خاطر رہے کہ امریکہ صرف اِسی پر بس نہیں کرنے کا؛ بل کہ وہ آیندہ مرحلے میں

پاکستان؛ بل کہ عالمِ اسلام کی ہر اسلامی تنظیم، دینی انجمن، مذہبی تعلیم کے مدرسوں، اور ملت کی شہ رگ کی حیثیت رکھنے والے دانش کدوں کو "دہشت گرد" کی حیثیت میں دنیا کے سامنے پیش کر کے اُس کے خلاف "غیر روایتی" کارروائیاں کرے گا؛ کیوں کہ اُس کے صلیبی صدر بش نے کھلے لفظوں میں کہہ دیا ہے کہ اُس کی جنگ دہشت گردی یعنی اسلام پسندی کے خلاف، ہر سطح پر اور ہر ہتھیار کے ذریعے لڑی جائے گی۔

امریکہ آئندہ جو کچھ کرنے جارہا ہے وہ واضح ہے اور ساری دنیا کو اُس کا انتظار ہے، تو کیا عالمِ اسلام اِس بات کے لیے تیار ہے کہ اپنے ہاں کے ہر گھر میں امریکہ کو دھاوا بول دینے اور وہاں چھپے ہوئے "دہشت گردوں" کو تلاش کرنے کی اجازت دے دے؛ تاکہ وہ اپنی خواہش کے مطابق سزا دے کر، اپنے صلیبی صہیونی جذبہ انتقام کو تسکین دے سکے؟!۔



اسرائیل اورامریکہ کا رویّہ

یاسر عرفاتؒ اور فلسطینی مُقتَدِرَہ کے دگر اہل کاروں اور ہمارے قائدین کے لیے، باعثِ عبرت (*)

دنیا کی دہشت گرد نمبر ایک یعنی صہیونی ریاست، فلسطینی باشندوں، حتی کہ امن مذاکرات اور اُس کے ساتھ معاہدوں کی افادیت پر اندھا دھند ایمان رکھنے والے مسٹر یاسر عرفات، اُن کی حکومت اور اُن کے حکومتی رفقا کے ساتھ، جو ظلم و ستم روا رکھے ہوئی ہے اور جس طرح بے دردی کے ساتھ عرفات کے سرکاری دفاتر اور حکومتی عمارتوں کو بموں، میزائیلوں، بلڈوزروں، ٹینکوں، ہیلی کاپٹروں اور امریکی ساخت کے تمام ہتھیاروں سے تباہ کررہی ہے؛ اِس کے حوالے سے پوری دنیا کو یقین ہے کہ یہ سب کچھ اسرائیلی ریاست اپنے مُرَبّی و آقا اُس امریکہ کے واضح اِشارے پر کررہی ہے، جو دہشت گردی کا سرپرست، اُس کا تخلیق کار اور اُس کا برآمد کنندہ ہے اور وہ صرف اُسی کے بل بوتے، دنیا کی تمام قوموں، کم زور ملکوں، خصوصاً اُمّتِ مسلمہ اور اِسلامی و عربی ممالک کے ساتھ پیش آتا ہے، جنھیں اُس نے ایک ایسی دودھاری گائے بنا رکھا ہے، جس کو وہ اچھی طرح دوہتا ہے؛ لیکن چارہ دینے کے معاملے میں انتہائی بخل سے کام لیتا ہے۔

یہ ایسی حقیقت ہے، جو خود چیخ چیخ کر یہ کہہ رہی ہے کہ امریکہ فلسطینیوں کے مزاحمتی

(*) ترجمہ کلمۃ المحرر، الداعی، شمارہ:۱، جلد:۲۶، محرم ۱۴۲۳ھ = مارچ - اپریل ۲۰۰۲ء۔ ترجمہ اردو: دوشنبہ ۱۲/۳/۱۴۲۸ھ = ۲۰۰۷/۴/۳۰ء۔

اِقدامات کو صرف ''دہشت گردانہ کارروائیاں'' باور کرتا ہے، جب کہ وہ اپنے لیے پالک: بل کہ معشوق - قارئین کو اِس قسم کے دوسرے الفاظ سے تعبیر کرنے کا کلی اختیار ہے۔ اِسرائیل کو، اپنے حق کا دفاع کرنے والا، ظلم کا مقابلہ کرنے والا اور فلسطینی عربی اِسلامی دہشت گردی سے جنگ کرنے والا شمار کرتا ہے۔ یہ کوئی مبالغہ آرائی یا خیالی بات نہیں؛ بل کہ امریکی صدر: بش اور اُس کے حکومتی رفقا نے یہ بات صاف لفظوں میں کہی ہے۔ اُس سر پھرے شخص نے عرفات اور فلسطینی مقتدرہ کے اہل کاروں کو سخت دھمکی آمیز لہجے میں وارننگ دی ہے کہ عرفات پر واجب ہے کہ وہ فلسطینی ''دہشت گردوں'' پر اپنے کنٹرول کی طاقت کا ثبوت دیں۔ بش نے اِتنے ہی پر بس نہ کیا؛ بل کہ اُس نے فلسطین میں اِسرائیل کے ذریعے ہونے والے قتلِ عام، عمارتوں کی مسماری، پُر امن باشندوں کو خوف میں مبتلا کیے رہنے، صلح پسندوں کی تعذیب وتذلیل، نیز بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کے قتل کی پوری ذمے داری بھی عرفات اور اُن کی حکومت کے سر ڈال دی ہے اور اِسرائیل کی ''دہشت گردانہ پالیسی'' کو اپنے واضح حق کا جائز دفاع بتلایا ہے۔

اسرائیل جو کچھ کر رہا ہے، وہ عربوں کی قوتِ ارادی اور اِسلامی ضمیر کے لیے کھلا چیلنج ہے، وہ پوری اسلامی دنیا کے ساتھ فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے تیار بیٹھا ہے؛ کیوں کہ اُسے معلوم ہے کہ اِس وقت روئے زمین پر کوئی ایسا ملک نہیں جو (اور جس کو صحیح معنے میں اسلامی کہا جاسکتا ہو) اُس کو چیلنج کر سکے اور اُس سے دو بہ دو مقابلہ کر سکے: بل کہ کوئی ایسا اِسلامی ملک بھی دور دور تک نظر نہیں آتا، جو اُس کے لیے ''نفسیاتی دباؤ'' یا کم از کم ہلکے پھلکے خوف کا سبب بن سکے؛ اِس لیے کہ اگر اسرائیل کو ذرہ برابر اِس کا اِحساس ہوتا، تو جو اُس نے ماضی میں کیا اور ہنوز کیے جا رہا ہے، اُس کی ہرگز جرأت نہ دکھاتا۔ تو کیا کوئی مسلم ملک، یا سارے اِسلامی ممالک اِس بات کے لیے تیار ہیں کہ وہ دشمنانِ خدا: صہیونیوں، صلیبیوں اور صنم پرستوں کے دلوں میں دھاک بٹھانے اور دہشت پیدا کرنے والی طاقت کی تیاری کے حوالے سے دل چسپی دکھائیں گے، جس کا خدائے عزوجل نے اپنی زندۂ

جاوید کتاب میں ہمیں حکم دیا ہے؟ بہ ظاہر ایسا لگتا ہے کہ وہ کسی بھی حالت میں اِس وقت اِس کے لیے تیار نہ ہوں گے؛ کیوں کہ اِن اسلامی ممالک نے دنیا کے سب سے بڑے دہشت گرد ملک امریکہ کے مفادات کی پاسداری میں، واضح عملی حمایت کے ذریعے، ذلت ورسوائی کو ہی اپنے گلے لگالیا ہے؛ تاکہ امریکہ ہر اسلامی رجحان والے فرد، جماعت اور ملک کو سزا دے سکے۔ امریکہ نے افغانستان میں اپنے منصوبوں کو بر پا کیا اور ہنوز کر رہا ہے اور دوسرے اِسلامی ممالک سانس روکے اپنے انجام بد کے انتظار میں ہیں۔



امریکہ نے افغانستان پر اِس بہانے تباہ کن حملہ کیا تھا کہ ۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء والے دھماکوں کے سلسلے میں اُس کو، اُسامہ بن لادن پر شک ہے اور یہ کہ طالبان والے اپنے ملک میں اُس کی سرپرستی اور میزبانی کر رہے ہیں۔ بہ الفاظِ دیگر اس کا مطلب یہ ہے کہ امریکہ کا افغانستان پر حملہ، طالبان اور تنظیم ''القاعدہ'' کے صفایے کی بنیاد کسی واضح اور پختہ ثبوت کی بہ جائے محض شبہہ پر تھی اور عدالتی سطح پر مجرم قرار دیے جانے سے پہلے ہی کہ جس سے عالمی رائے عامہ مطمئن ہو (چہ جائے کہ اسلامی رائے کو وہ قبول ہو) امریکہ نے صرف جرم کے شبہے میں افغانستان پر دھاوا بول کر طالبان اور القاعدہ کا خاتمہ کر دیا۔

پوری دنیا نے ہر طرح سے اِس ظالمانہ اور جارحانہ حملے میں امریکہ کا قول وعمل یا عسکری اور لاجسٹیک سطح پر، صرف اِس ڈر کے مارے ساتھ دیا کہ وہ دنیا کی سب سے بڑی فوجی اور اقتصادی طاقت ہے۔

مذکورہ حقیقت سے دو نتیجے نکلتے ہیں:

۱- افغانستان پر امریکہ کا حملہ اور القاعدہ اور طالبان والوں کا قتلِ عام، صرف شبہے کی بنیاد پر تھا اور شبہہ جب تک قطعی دلائل سے یقین میں نہ بدلے، کسی مشتبہ شخص کو سزا دینے کی اِجازت نہیں دی جا سکتی۔ خدائی قانون اِسلام کو تو جانے دیجیے، اِنسانوں کا مقرر کردہ عالمی قانون بھی یہی کہتا ہے۔

۲- امریکہ نے افغانستان کے خلاف پوری دنیا کو لاکھڑا کیا اور ناقابلِ شکست طاقت ہونے اور ناقابلِ چیلنج ملک ہونے کے نشے میں چور ہو کر، اُس پر آتش و آہن کی بارش کر دی۔

ہم مسلمانوں کو روزِ اول سے شبہہ ہے کہ غیرت مند مردِ مومن شاہ ''فیصل بن عبدالعزیز'' (۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء - ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء) اور تاریخ پاکستان کے سب سے بڑے دانش مند قائد و مسلم حکم راں، صدر ''جنرل ضیاء الحق'' (۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء - ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۸ء) کا قتل، امریکہ نے اپنے بدنامِ زمانہ اُن سراغ رساں اداروں کے ذریعے کرایا تھا، جنھیں پوری دنیا میں امریکی مفادات کی مخالفت کرنے والے قائدین و سیاست دانوں کا گھات لگا کر قتل کر ڈالنے کی ماہرانہ ٹریننگ دی گئی ہے۔

دونوں واقعات کے رونما ہونے کے وقت ہی ذرائع اِبلاغ نے اِس شبہے پر دنیا والوں کی توجہ مرکوز کرائی تھی، نیز اُس وقت کئی ایک غیر حکومتی تحقیقات میں یہ انکشاف کیا گیا تھا کہ دونوں مجرمانہ واقعات کے پیچھے امریکہ کا ہاتھ ہے۔

یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا امریکہ اسلامی اور عربی ممالک کو اِس شبہے کی بنیاد پر، اپنے سے انتقام لینے کی اِجازت دے گا؟ وہ کبھی بھی اِس کے لیے روادار نہ ہوگا؛ لیکن امریکہ کو یہ بات ذہن میں بٹھا لینی چاہیے کہ اُمّتِ مسلمہ کے دلوں میں، اولاً اِس شبہے کی وجہ سے، ثانیاً اسرائیل کی حمایت کی وجہ سے، ثالثاً افغانستان پر تابڑ توڑ حملے کی وجہ سے، رابعاً اسلامی بیداری اور مذہبی کوششوں کو دباتے رہنے کی پلاننگ کی وجہ سے اور خامساً مذہبِ اسلام کو عملی طور پر ''دہشت گردی'' کے خانے میں ڈال دینے اور دھوکہ دہی کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے اپنی اِس کوشش سے انکار کی وجہ سے؛ اِس سے انتقام اور بدلہ لینے کی آگ بھڑک رہی ہے۔ چھٹے نمبر پر اُمتِ مسلمہ اِس لیے امریکہ کے خون کی پیاسی ہے کہ اُس نے پورے اسلامی معاشرے کو، فسق و فجور میں گلے گلے ڈوبے اُس مغربی معاشرے کی ٹوکاپی بنا ڈالنے کے لیے بُری طرح ہاتھ پاؤں مار رہا ہے، جو اقدار و اخلاق سے ناآشنا ہے اور جو

ہر قسم کی برائی و فحاشی اور زبردست اللہ کے غضب کو دعوت دینے والے، ہر عمل پر دل و جان سے فدا ہے۔

امتِ مسلمہ نے اگر فی الحال اپنی کم زوری، اپنے انتشار اور اپنی پس ماندگی کی وجہ سے، امریکہ سے انتقام نہیں لیا ہے، تو آنے والی نسلیں ہرگز اِس دشمنی اور نفرت کو نہ بھولیں گی، جن کا بیج، اِسلام اور مسلمانوں کے تئیں اپنے کھلے جارحانہ اور دشمنانہ موقف کے ذریعے، امریکہ نے امتِ مسلمہ کے ضمیر میں بو دیا ہے۔

امریکہ نے جس طرح دنیا میں، اِسلام اور مسلمانوں کے ہر مسئلے کے سلسلے میں کھلی ہوئی جارحیت اور برملا ظلم و ستم کے ارتکاب کی جرأت دکھائی ہے، اِسی طرح اُس کو اِس حقیقت کو باور کر لینے کی ہمت بھی دکھانی ہوگی۔



وہ دن کب آئے گا، جب سارے اسلامی اور عربی ممالک امریکہ کو "دہشت گرد" قرار دے کر، اُس سے اپنا بدلہ لیں گے (*)

۹ محرم ۱۴۲۳ھ = ۲۴ مارچ ۲۰۰۲ء اتوار کی صبح کو، میں ریڈیو بی بی سی لندن پر ساڑھے سات تا ساڑھے سات بجے والا اردو نشریہ سُن رہا تھا۔ اِس نشریے میں ایک فلسطینی تنظیم۔ جس کو امریکہ نے گزشتہ دنوں دہشت گرد قرار دے کر، اپنے بینکنگ سسٹم کو اس کے بینکوں میں رکھے سرمایوں کو منجمد کرنے کا حکم جاری کیا تھا۔ کے ایک قائد کے درجِ ذیل تبصرے سے مجھے طبعی طور پر بے حد خوشی ہوئی۔

"امریکہ کے ذریعے ہماری تنظیم کو دہشت گرد قرار دینے سے، ہمارے حوصلے پست ہونے کی بہ جائے، مزید بڑھ گئے ہیں۔ امریکہ کے اِس اِقدام کی وجہ سے، یہ باور کرتے ہوئے ہماری رضا کارانہ کارروائیاں دوگنی تگنی ہو جائیں گی کہ امریکہ ہی دہشت گرد نمبر ایک ہے، وہ دہشت گردی کا نگراں اور سرپرست ہی نہیں؛ بل کہ اُس کا جنم داتا اور پوری دنیا میں اُس کا برآمد کنندہ بھی ہے۔ اِس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ امریکہ خود دہشت گرد ہونے کی وجہ سے اپنے جائز حقوق کی بازیابی اور چھینی گئی زمینوں کی آزادی کے لیے سرگرمِ عمل، کسی تنظیم پر دہشت گردی کی مہر لگا دے؛ کیوں کہ اپنی کان سے جو چیز نکلے، وہ چنداں قابلِ

(*) ترجمہ کلمۃ المحرر، الداعی، شمارہ: ۲، جلد: ۲۶، صفر ۱۴۲۳ھ = اپریل - مئی ۲۰۰۲ء ۔ دوشنبہ: ۱۲/۳/۱۴۲۸ھ = ۳۰/۴/۲۰۰۷ء ۔

تعجب نہیں ہوتی۔ امریکہ دہشت گردی کی کان ہے، اِس لیے اُس سے دہشت گردی کے سوا، کسی اور چیز کی توقع ہی کیوں کی جائے؟''

اِس تبصرے کی وجہ سے میرے اندر۔ ممکن ہے کہ میری طرح ہزاروں لوگوں میں بھی ۔فرحت وانبساط کی لہر دوڑ گئی اور میں نے دل ہی میں دل میں یہ تمنا کی کہ کاش ہمارے قائدین اور حکم راں بھی اِسی معیار پر کھرے اُترتے اور مومن کے شایانِ شان اسی سر بلندی اور فخر کے ساتھ بات کرتے۔ جب کہ مبارک سرزمینِ معراج کی سرحدوں کی مضبوطی کے ساتھ حفاظت کرنے والے مجاہدین صرف باتیں نہیں بناتے اور محض لمبے چوڑے دعوے نہیں کرتے (جیسا کہ ہمارے اُن قائدین وسیاست دانوں کی عادت رہی ہے، جن کی زبانیں لمبی اور حلق مضبوط ہیں، مگر اُن کے دل انتہائی کم زور اور ڈرپوک ہیں) بل کہ وہ اپنی ہر بات کو اپنے عظیم کاموں کے ذریعے سچی کر دکھاتے ہیں، جنھوں نے صہیونی منصوبے پر پانی پھیر دیا اور یہودی معاشرے کی اِس طرح کمر توڑ کے رکھ دی ہے کہ یہودی فطری زندگی سے محروم ناامیدی کی زندگی جی رہے ہیں، اُن کی اقتصادیات کا ڈھانچہ تہس نہس ہو کر رہ گیا ہے، فارغ البالی وخوش حالی کی زندگی خواب خیال بن کر رہ گئی ہے۔ یہاں تک کہ وسیع تر تباہی کے ہتھیاروں سے لیس صہیونی افواج، عالمی مجلسوں میں مذاق کا موضوع بن گئی ہیں۔

اُن بہادر فلسطینی مجاہدین کے یہی کارنامے ہیں، جو ایک لمبے عرصے سے طویل و عریض جنت کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ پھول جیسے بچے، زندگی کی بہار کا منھ نہ دیکھنے والی دوشیزائیں اور اپنی ابھرتی جوانی سے لطف اندوز نہ ہو پانے والے جوان، صہیونی افواج کے ذریعے تمام شہروں، دیہاتوں اور تمام فلسطینی کیمپوں کی سخت گھیرا بندی اور گرفتاری کے تاریک سایے میں، عظیم عزّ وشرف، لوٹی گئی آبرو اور سورج کی طرح روشن وواضح حق، یعنی عقیدے، نبوات ورسالات اور قبلۂ اول والی مسجدِ اقصیٰ کی سرزمین، دشمنوں کے خونیں چنگل سے آزاد کرانے کی راہ میں، مسابقانہ جذبات کے ساتھ اپنی قیمتی جانوں کا نذرانہ

پیش کرر ہے ہیں۔ چناں چہ قصبہ خزاعہ میں ۲۳ اور شہر طول کرم میں ۲۰ فلسطینیوں نے میدانِ جنگ میں شہادت پائی اور ہر دن ہی نہیں؛ بل کہ دن اور رات کی ہر گھڑی وہ اپنی جانیں راہِ خدا میں نچھاور کرر ہے ہیں۔ اِن فلسطینی جاں بازوں نے نہ شکست و ذلت تسلیم کی، نہ کسی وقت پست ہمتی دکھائی، نہ اپنی راہ سے پیچھے ہٹے اور نہ ہی اپنی راہ بدلی۔

اگر ہمارے قائدین و حکم راں مجاہد فلسطینیوں -جن میں سے بیش تر، تازہ دم جوان، یا بھولے بھالے معصوم بچے ہیں- کے عشرِ عشیر بھی کچھ کرنے لگیں، تو یقیناً رات اور دن بدل جائیں گے، سارے چمگادڑ اپنا بوریہ بستر باندھ لیں گے، اسرائیل ہوش کے ناخن لے گا اور امریکہ اور یورپی ممالک درسِ عبرت حاصل کریں گے، جو اُنھیں کل کی بہ جاے آج ہی لینا چاہیے۔

امریکہ آج، ظالم و غاصب سامراج کے مقابلے کے لیے سرگرم ساری اسلامی اور مذہبی تنظیموں اور اداروں کو بڑھ بڑھ کے دہشت گردی کے خانے میں ڈالے دے رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ دن کب آئے گا، جب سارے ممالک و اقوام، خصوصاً عربی اور مسلم ممالک امریکہ کو "دہشت گرد" قرار دے کر، بینکوں اور مالی اداروں میں اُس کے اثاثوں کو منجمد کروائیں گے؟

کم زوری کی حالت میں زندگی گزارنے والی قومیں، خاص کر عربوں اور مسلمانوں کو بے صبری سے اُس تاریخی دن کا انتظار ہے، جب یہ سب عزت و عظمت کی پوزیشن میں ہوں گی یعنی اُس پیمانے کے ذریعے امریکہ کو ناپنے کی پوزیشن تک رسائی حاصل کریں گی، جس سے امریکہ ان کو آج ناپ رہا ہے اور امریکہ کو نہ صرف ترکی بہ ترکی جواب دے سکیں گی؛ بل کہ اُس کے اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی پوزیشن میں ہوں گی۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ (ابراہیم/۲۰) "اور یہ اللہ کو کچھ مشکل نہیں"

"إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ" (محمد/۷)

ترجمہ: اگر تم مدد کرو گے اللہ کی، تو وہ تمھاری مدد کرے گا اور جما دے گا تمھارے پاؤں۔

خاتونِ دمشق ''مجد نیازی الطباع''
اور امریکی قونصل (•)

پرانے دمشق میں واقع ''اوکسیجن'' ہوٹل سے (جو تقریباً چار سو سالہ دو منزلہ عمارت سے عبارت ہے اور جس میں ۸۵ مہمانوں کی بہ یک وقت گنجایش ہے) اُس کی مالکہ خاتون مجد نیازی الطباع (عمر ۴۱ سال) کا دمشق میں متعیّن ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے قونصل (Consul) کو صفر ۱۴۲۳ھ کے دوسرے ہفتے میں، کتے کی طرح دھتکار دینا، درحقیقت عربی عوام کے پورے وجود؛ بل کہ عرب حکم رانوں کے درباروں کے در و بام اور در و دیوار پر چھائے؛ بل کہ بلبلے کی طرح ابلتے اور آگ کی طرح دہکتے ہوے، اُس غم و غصے کی کیفیت کے اظہار کا ایک پیرایہ یا خوب صورت استعارہ تھا، جس کو اگر تحلیل کر کے کسی معجونِ مُرکّب کی شکل دے دی جائے تو نہ صرف اسرائیل؛ بل کہ امریکہ کے جاہ و جلال کے سارے بھرم کو بہ یک لمحہ بھسم کر کے، گیتی کے تمام انسانوں کے لیے سکون اور چین کا وہ لمحہ فراہم کر سکتا ہے، جس کی تلاش میں آج ساری عالمی برادری، سراپا جستجو اور مکمل اشتیاق ہے۔

مجد الطباع کا طرزِ عمل، غیرت مندی و خودداری کا عکاس:

تین بچوں کی ماں ''مجد الطباع'' نے جس وقت دنیا میں دہشت گردی کو ختم کرنے کے نام پر، دہشت گردی کے سپر پروڈیوسر، یعنی سب سے بڑے پیدا کار (Super

(•) بہ راہِ راست اردو میں لکھا گیا اور اُس کا خلاصہ عربی میں، الداعی کے شمارہ: ۳-۴، جلد: ۲۶، ربیع الاول-ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ = مئی-جولائی ۲۰۰۲ء کے کلمۃ المحرر میں شائع ہوا۔

(producer) اور اکسپورٹر یا برآمد کنندہ (Exporter) ملک امریکہ کے قونصل کو اپنے ہوٹل سے ذلت آمیز طریقے سے نکال باہر کیا تھا، تو اُس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ اُس کا یہ غیرت مندانہ، خوددارانہ اور عربی ضمیر کے رگ وریشے میں سمائی ہوئی حمیت کے فیصلے کا عکاس طرزِ عمل، اُس کے لیے تجارتی اور اقتصادی حوالے سے کچھ بھی مفید ہوسکتا ہے؛ بل کہ ہوسکتا ہے کہ اُس کو یہ اندیشہ رہا ہو کہ امریکہ اپنی ناپاک عالمی سازش کے ذریعے، جس میں وہ طاق ہے، اُس کو ہر قسم کے نقصانات اور نتائجِ بد کا نشانہ بنا سکتا ہے۔

لیکن امریکہ کے خلاف لمحہ لمحہ بڑھتے ہوے جذبات کی وجہ سے (وہ جذبات جو فلسطینیوں کی اسرائیل کے ہاتھوں ہول ناک نسل کشی، جنین میں اور مغربی کنارے کے دیگر علاقوں میں فلسطینیوں کے قتلِ عام اور مکمل طور پر اُن کا نہ صرف حقہ پانی بند کردینے؛ بل کہ اُنھیں طبی امداد سے بالکلیہ محروم کردینے، حتیٰ کہ شہدا کی لاشوں تک کے اٹھانے اور عالمی انسانی حقوق کی تنظیموں کی اُن تک رسائی پر پابندی عائد کردینے اور اس طرح کی مسلسل، بے روک ٹوک ظالمانہ، جارحانہ اور جابرانہ اور ظلم کی تمام حدوں کو پار کرجانے والی اسرائیلی کارروائیوں کے حوالے سے امریکہ کی مکمل حمایت اور عربوں، فلسطینیوں اور مسلمانوں کے حوالے سے منافقانہ اور بھید بھاؤ کی دشمنانہ پالیسی کا نتیجہ ہیں) سیریا اور لبنان اور دیگر عربی ملکوں کے باشندے، مجد الطباع کے ہوٹل پر ٹوٹے پڑ رہے ہیں، جو اُن کی طرف سے اُس غیرت مند عربی خاتون کو، زبردست عملی خراجِ عقیدت پیش کرنے کی علامت ہے۔

مجد الطباع قدر دانیوں کی مستحق:

مجد الطباع کا اپنے تئیں تو یہ کہنا ہے کہ اُس نے امریکی قونصل کو اپنے ہوٹل سے کھدیڑ کر کوئی ایسی بڑی بہادری نہیں دکھائی ہے، جس کے لیے وہ اتنی ساری قدر دانیوں اور ڈھیر سارے جذباتِ احترام ومحبت کی مستحق ہو؛ لیکن یہ بات عربوں کی غیرت کی

خاکستر میں چھپی ہوئی چنگاری کی غماز ہے کہ متعدد عرب ملکوں سے لوگ میری ملاقات کے لیے اور مجھے بدھائی دینے کے لیے کشاں کشاں چلے آرہے ہیں، کئی دیگر اسلامی ملکوں سے بھی ٹیلی فون اور انٹرنٹ کے ذریعے، مجھ سے غیر معمولی عقیدت واحترام کا اظہار کیا جارہا ہے۔ بات یہ ہے کہ فلسطینی قضیہ ایک عادلانہ اور سچائیوں کے تمام معانی کے ساتھ ایسا سچ ہے جس کے سامنے اسرائیل کی ساری ''سچائیاں'' بتاشے کی طرح ڈھیر ہوجاتی ہیں۔ فلسطینیوں کے دکھ درد کی انتہا کو دیکھ دیکھ ہم سارے عرب انتہائی تلخ غصے کا گھونٹ پی رہے ہیں۔ اُن کی حالت ہر پیمانے پر ناگفتہ بہ ہے، ناقابلِ تصور ہے، دل دہلا دینے والی ہے؛ ایک ایسی حالت جس پر دشمنوں کو بھی ترس آجاتا ہے، قاتل کے ہاتھ سے خنجر از خود زمین پر گر جاتا ہے؛ لیکن اسرائیل والے اور یہودی صہیونی دنیا کی عجیب وغریب مخلوق ہیں، انسانی برادری میں وہ عجوبہ ہیں؛ بل کہ عجیب الخلقت ہیں، یہ ایسے قاتل ہیں جن کے یہاں زود پشیمانی تو درکنار دیر پشیمانی کا بھی دور دور تک کوئی خانہ نہیں، اُنھیں کشت وخون میں مزہ آتا ہے، بے گناہوں کو تہِ تیغ کرکے اُنھیں لطف حاصل ہوتا ہے۔ دنیا والوں کا احتجاج، حقوقِ انسانی کا نعرہ لگانے والوں کی چیخ وپکار، مقتولین کی آہ وبکا، یتیموں، بیواؤں، طفلانِ شیر خوار اور پیرانِ فرتوت کی فریادیں؛ اُن کے نزدیک ایک کھیل یا تماشے سے زیادہ کوئی معنیٰ نہیں رکھتیں۔

مجد الطباع اپنے طرزِ عمل کی اہمیت کو کم کرنے کے لیے خواہ کتنا کچھ بھی کہے (اور اُس کو یہی کہنا بھی چاہیے کہ اپنی قوم کی طرف سے کسی فرض یا قرض کی ادائے گی کرنے والے فرد کے لیے ادّعائی رویہ کسی طرح زیب نہیں دیتا) اور اپنے بہادرانہ موقف کو کتنا ہی گھٹا کر پیش کرنے کی کوشش کرے اور یہ باور کرائے کہ اُس نے کوئی غیر معمولی کام نہیں کیا ہے؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُن قائدین وحکام وسیاست بازلوگوں کے بالمقابل اُس کا یہ عمل غیر معمولی اور بہادری کے معیار پر ہر طرح پورا اترتا ہے، جو کسی عام امریکی آدمی کو بھی اپنے اپنے عمل کے دائرے، اثر ورسوخ کے منطقے اور اپنی پوزیشن کی تاثیر والے حلقے سے

کھدیڑنے کی ابھی تک ہمت نہ کر سکے، چہ جائے کہ کسی بڑے امریکی سفارت کار اور امریکی اقتدار میں کسی نہ کسی طرح کے شراکت دار کو؛ کان پکڑ کر نکال باہر کرنے کا حوصلہ بہم پہنچا پاتے۔

مجد الطباع، مایوسی کے اِس ہمہ گیر ماحول میں اور اندھیر کے اِس دور میں روشنی کی ایک کرن ہے، ایسی کرن جو پھیلتی ہے، بڑھتی ہے، تیز گام ہوتی ہے اور تاریکی کے سارے قافلوں کو نور و سرور کے لشکرِ جرار کے ذریعے دور اور بہت دور مار بھگا دیتی ہے۔ مجد الطباع بزدلی کے بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی کی سی حیثیت رکھتی ہے، اُجڑے ہوئے دیار میں آبادی و عمران کا اِشارہ ہے، بیشۂ عرب کے شیر ہائے خفتہ کے کسی آن اور بے وہم و گمان بیدار ہو جانے اور روئے زمین کے جنگل میں انارکی اور لاقانونیت کی رِیت کو عام کرنے والے تمام بے ہنگم ''جانوروں'' کا کام تمام کر دینے کی صلاحیت کا استعارہ ہے۔

امریکہ کو اِشارہ سمجھ لینا چاہیے:

اگر مجد الطباع جیسی خاتون کے لیے عربوں اور مسلمانوں کا باشعور طبقہ بڑھ بڑھ کے عقیدت و احترام کے جذبات کا اظہار کرتا ہے، اگر تحریری و زبانی پیغاماتِ مبارک باد کے ذریعے اُس کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے، اگر عالمِ اسلام کے کونے کونے میں مسلم نوجوانوں کے دلوں کی گہرائیوں میں اُس کے لیے محبت کی کلیاں چٹختی ہیں، اگر عربوں کی رگِ حمیت پھڑکتی ہے، اگر وہ زبانِ حال و قال سے مجد کو یہ کہتے ہیں کہ شاباش اے خاتونِ عرب! ہم سو جان سے تیرے صدقے جاتے ہیں؛ تو امریکہ کو یہ باور کر لینا چاہیے کہ یہ سب کچھ کس بات کا اشارہ ہے؟! یہ اشارہ ہے اِس بات کا کہ عربوں کے غصے کا آتش فشاں پھٹنے اور لاوا ابلنے کو تیار ہے، اُس کو صرف وقت کے طوفان کا انتظار ہے، وقتِ صفر کو تو خدائے علیم ہی جانتا ہے؛ لیکن پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے۔ امریکہ کی بد دیانتی، بد باطنی، عرب دشمنی، فلسطینیوں کے زخموں پر مسلسل نمک پاشی؛ بل کہ نئے نئے زخم اور تازہ تازہ کچوکے لگانے

کے عمل کی وجہ سے، امریکہ کے تئیں عربوں کا غصہ عروج پر ہے۔ آپ سرزمینِ فلسطین پر ہورہے اسرائیلی ننگے ناچ کا سین دیکھیے دوسری طرف امریکہ کی اسرائیل نوازی دیکھیے؛ عبارت، اشارت اور تمام اداؤں سے صہیونیوں کی منھ بھرائی اور بے گناہی کا اِثبات دیکھیے اور دوسری طرف محصور و مظلوم اور مجبور و رنجور یاسر عرفات اور اُن کے لوگوں کو امریکہ کی یہ تلقین دیکھیے کہ یاسر عرفات نے ''دہشت گردی'' کے خاتمے کے لیے کچھ نہیں کیا، اِسی لیے اُس کو یہ دن دیکھنے پڑے اور اِس انجام بد سے دوچار ہونا پڑا؛ تو آپ کو ذرا بہت یہ اندازہ ہوجائے گا کہ امریکہ کتنا بڑا منافق، روئے زمین کا بے نظیر مکّار اور عیّار ہے اور یہ کہ عربوں اور فلسطینیوں کے حوالے سے اُس کا اندازِ گفتار و کردار کتنا شرارت آمیز اور ایک بردبار کو غصے سے تپیدہ کردینے کے لیے کس درجہ کافی ہے؟

مجد الطباع کو صرف افراد ہی نے نہیں؛ بل کہ جماعتوں نے بھی سراہا ہے، جن میں انجمن مزدورانِ عرب بھی ہے جس کا صدر دفتر دمشق میں ہے اور جس نے اپنے پیغامِ تہنیت میں جو مجد کو شنبہ ۱۴ صفر ۱۴۲۳ھ کو موصول ہوا تھا کہا ہے کہ ''ہم تمھارے بہادرانہ موقف کے تئیں احترام و قدردانی کے انتہائی گہرے اور بھرپور احساسات کا اظہار کرتے ہیں''۔

مجد الطباع کہتی ہے کہ ''میں نے امریکی قونصل کو اپنے ہوٹل سے نکل جانے کو جو کہا تھا، تو اُس کا مقصد صرف یہ تھا کہ میں امریکہ کی انتظامیہ اور حکومت کو یہ پیغام دوں کہ میں ایک شامی خاتون ہوں جو روئے زمین کی ایک غیر مہذب حکومت کو ایک مہذب پیغام دینا چاہتی ہے۔''

لائق ذکر ہے کہ یہ امریکی قونصل مجد کے ہوٹل میں اپنے ایک شامی دوست کے ساتھ اکثر آیا کرتا تھا، مجد نے اُس کے اُس شامی دوست کی شناخت نہیں بتائی؛ لیکن جو ریکارڈ کرنے کی بات ہے وہ یہ ہے کہ امریکہ کا یہ سفارت کار کسی ملک کا پہلا سفارت کار ہے، جس کو کسی پبلک ہوٹل میں برسرِ عام اِس طرح کی ذلت و خفت کا سامنا کرنا پڑا ہے؛ لیکن امریکہ جیسے بے ضمیر ملک کے لیے یہ کوئی اہم بات نہیں ہوسکتی؛ اِس لیے کہ اُس کو ذلت

اندوزی، ذلّت خیزی اور ذلّت سازی کی لت لگی ہوئی ہے۔ اُس کو ذلت بازی میں وہ مزا آتا ہے جو کسی جوئے باز کو جوئے میں اور شرابی کو شراب نوشی میں۔ آپ ہزار جتن کیجیے نہ یہ دونوں اپنی خو چھوڑیں گے نہ امریکہ اپنی وضع بدلے گا۔

مجد الطباع نے امریکی قونصل کو اپنے ہوٹل سے باہر کرتے ہوئے کہا:

''تم اپنے صدر جارج بش کو یہ بتادو کہ تم میں سے کسی کو اپنے ہوٹل میں خوش آمدید کہنے میں میرے لیے کسی عزت کی بات نہیں۔''

مجد الطباع نے اخبار والوں سے بات کرتے ہوئے کہا:

''اُس کو اپنے طرزِ عمل سے راحت ملی ہے۔'' ساتھ ہی اُس نے اِس آرزو کا اظہار کیا کہ امریکہ کے اُس صدر کو میرا مطلوبہ پیغام ضرور پہنچ گیا ہوگا، اُس صدر کو جس نے اسرائیلی وزیراعظم کو ''امن کا پیغام بر'' (Man of safety) کہا تھا''۔ اُس نے مزید کہا:

''واقعی مجھے سکونِ قلب کا اِحساس ہوا؛ کیوں کہ میں نے اِس رویّے کے ذریعے اپنی عزت کے بہت سارے سرمایے واپس لے لیے اور عربوں کی دولتِ ناموس کی بازیافت میں مدد کی ہے''۔

مجد الطباع کو ہنوز بہت شاباشی، مبارک باد اور حوصلہ افزائی و احترام کے بہت سے پیغامات بہ ذریعہ خطوط اور انٹرنٹ و ٹیلیفون، سیریا اور عالمِ اسلام کے کونے کونے سے موصول ہو رہے ہیں اور جہاں اُس کے ہوٹل کی چہل پہل اور رونق میں اِضافہ ہوا ہے وہیں اُن پیغامات کو وصول کرنے اور اُن کا جواب دینے کا اُس کا کام بھی بڑھ گیا ہے۔ اُس کو اِس نئے مشغلے کی وجہ سے کوئی کبیدگی نہیں، وہ خوش ہے کہ اُس کی قوم زندہ ہے، وہ ہنرمندوں کی تلاش میں ہے، وہ وقت کے فرد کی طلب میں لگی ہوئی اور مردِ عشق پیشہ کی جستجو میں ہے، جس کا عشق کارندۂ معجزات ہو، جو روزگار کے سود و زیاں سے بے نیاز ہو اور غمِ عشق کے کاروبار کا ماہر اور اُس کا کام یاب سرمایہ دار اور حوصلہ مند سرمایہ کار ہو۔

عالمِ اسلام اور عالمِ عرب کی نگاہیں، اُن جیالے عربوں پر لگی ہوئی ہیں جو اپنے اپنے

انداز میں اور اپنے اپنے طریقے سے، جو اُن کے بس میں ہو، عربی غصے اور اسلامی حمیت کا اِظہار کر کے مجد کی راہ کو اور استوار، ہم وار، کشادہ اور رہ روانِ عشق کے لیے پامال بنا سکیں اور اُس کے پیغام کو ایک ہمہ گیر تحریک میں تبدیل کر کے اپنی جزا، اپنے رب سے پا سکیں اور باطل پرستوں اور اسلام دشمنوں بالخصوص امریکہ کو یہ بتا سکیں کہ اُس کی منافقانہ پالیسی اور اسرائیل کی طرف داری، اُس کا دوش تا کمر زرہ میں ڈوب جانا اور اسلام کا محاسبہ اور سارے جہاں کا جائزہ اور اپنے جہاں سے بے خبری اُس کے کچھ کام نہ آئے گی —— اور تا کہ دنیا والوں پر عیاں ہو جائے کہ باطل دوئی پسند ہے اور حق لاشریک ہے، دوہرا پن یا دو چہروں والا ہونا باطل کی فطرت ہے، جب کہ حق ہمیشہ واضح، ٹھوس اور صرف ایک ہی روش اور سیدھی راہ پر گام زن رہتا ہے؛ اِسی لیے مومن کو یہ درس دیا گیا ہے کہ ؎

باطل دوئی پسند ہے ، حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل ، نہ کر قبول !

آج نہیں تو کل امریکہ کا بھرم نہ صرف دہشت گردی کے خاتمے کے حوالے سے؛ بل کہ اسلام دشمنی، فلسطین دشمنی اور مسلمان اور عرب دشمنی کے حوالے سے بھی، ساری دنیا والوں کی نگاہ میں کھل جانے کو ہے۔ اسرائیل کا سحر بھی ٹوٹنے ہی والا ہے۔ امریکہ کے جس زوال کا آغاز ہوا ہے، اُس کا انجام بھی بہ جلد سامنے آنے والا ہے۔ اِس کے بعد صہیونی و صلیبی عشق کا پیچ وخم از خود درست ہو جائے گا کہ ''دمشق کی قحط سالی'' یاروں کو عشق کی فراموشی پر آمادہ کیا چاہتی ہے ؎

چناں قحط سالی شد اندر دمشق
کہ یاراں فراموش کردند عشق

ترجمہ: دمشق میں ایسی قحط سالی آئی کہ دوستوں نے عشق ومحبت ہی ترک کر دی۔



اَمریکائیل نہ کہ اِسرائیل (*)

آج ہی نہیں؛ بل کہ روزِ اول سے، امریکہ فلسطینیوں اور عربوں کے ساتھ، اسرائیل کے قالب میں مُجَسَّم ہوکر یا اسرائیل کے ناپاک وجود میں روحِ بد کی طرح حلول کر کے، سخت جانی دشمن کا کردار ادا کرتا رہا ہے۔ اِس پس منظر میں مسلمان اور عرب قلم کاروں کی یہ تعبیر انتہائی ہمہ گیر، ٹھوس اور مستحکم ہے کہ ''امریکہ درحقیقت ایک صہیونی مملکت ہے جہاں کچھ مسیحی بھی رہا کرتے ہیں''۔ بعض عربی اخبار نویسوں کا کہنا ہے کہ یہ معنی خیز اور بھرپور تعبیر (Expression) پہلے مسلمانوں نے نہیں؛ بل کہ مصر کے ''حلوان'' اور ''معصرہ'' شہروں کے بڑے پادری ''انبا بسنت'' نے استعمال کی۔ انبا سنت ''پوپ شنودہ'' کے بعد مصری چرچ کی دوسری سب سے بڑی شخصیت ہیں۔ بہ ہر کیف یہ تعبیر امریکہ کی صحیح ترین اور انتہائی کھری اور مطابقِ واقع تعبیر ہے۔

تمام معاملات میں، امریکی فیصلہ سازی میں یہودیوں کی اثر اندازی کا جن لوگوں کو اندازہ ہے، وہی اِس تعبیر کی صحت ونزاکت سے بھرپور مزہ لے سکتے ہیں۔ یہ تعبیر ظلم ومخاصمت کے اُس طویل سفر کی داستان کا خوب صورت اختصار (Abbreviation) ہے جو امریکہ بے تکان، بلا توقف اور پیہم فلسطینیوں، عربوں، مسلمانوں اور قضیۂ فسلطین کے حوالے سے اب تک کرتا رہا ہے اور کر رہا ہے۔ یہ اس بے جا اور بے شرمی پر مبنی طرف داری کا خوب صورت راست اور درست تر اندازِ بیان ہے، جو امریکہ آنکھ بند کر کے اور خیر وشر کے

(*) ترجمہ اداریہ (کلمۃ العدد) الداعی، شمارہ: ۳-۴، جلد ۲۶، ربیع الاول-ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ = مئی-جولائی ۲۰۰۲ء
بہ عنوان: ''اَلْحَاجَةُ إِلٰی مُوَاجَهَةِ "أَمْرِيكَائِيلَ''
ترجمہ از عربی ساڑھے دس بجے، شب جمعرات ۱۴۲۳/۳/۹ھ = ۲۳/مئی ۲۰۰۲ء۔

تمام پیمانوں سے صرفِ نظر کر کے، اسرائیل کے حق میں اور عربوں کے خلاف کرتا رہا ہے۔

ایک کھلی ہوئی حقیقت:

آج تو یہ سب کچھ ایک کھلی ہوئی حقیقت بن چکا ہے، جس کو ساری دنیا، دن کے اجالے کی طرح جانتی ہے؛ لیکن دنیا کی بڑی بڑی، انصاف پسند، انسانیت آشنا شخصیتیں، حتی کہ غیر مسلم شخصیتیں، جنھیں امریکی فیصلے پر یہودیوں کی اثر اندازی کے تجربے کو بالکل قریب سے دیکھنے، برتنے، سمجھنے اور پس منظر و پیش منظر پر نگاہ رکھنے کا موقع ملا ہے؛ بہت پہلے سے اِس حقیقت کا اعتراف کرتی اور اِس کو دنیا والوں کے سامنے ٹھوس الفاظ میں پیش کرتی اور اپنی اُن نگارشات و تصنیفات میں اِس کا تجزیہ کرتی رہی ہیں، جنھیں اُنھوں نے امریکہ کی داخلہ و خارجہ پالیسی کی رو سے عالمی مسائل پر گفتگو کے لیے خاص کیا تھا۔ اُن شخصیات میں ''پول وینڈلی'' (paul windley) بھی ہیں، جنھوں نے اپنی کتاب ''کس میں گفتگو کی ہمت ہے؟'' (Who Dares to Talk) میں لکھا ہے:

''امریکہ کے مالی اداروں اور میڈیا پر قابض امریکی، یہودی اسرائیلیوں سے بھی زیادہ اسرائیلی ہیں۔''

مال کے ذریعے، وفاداریاں بھی خریدی جاتی ہیں:

مال اور میڈیا کسی بھی ملک کی داخلہ اور خارجہ پالیسی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مال ہی کے ذریعے (جس کے متعلق مقامات کے مصنف علامہ حریری نے کہا تھا کہ اگر خدا کا خوف مانع نہ ہوتا، تو میں مال و دولت کے متعلق کہتا کہ اُس کی قدرت عظیم الشان ہے "لَوْلَا التُّقَیٰ، لَقُلْتُ : جَلَّتْ قُدْرَتُہٗ") فرد اور جماعت، رائے عامہ پر اِس طرح کنٹرول کر سکتے ہیں کہ کسی اور طریقے سے ممکن نہیں۔ مال کے ذریعے، صرف ضروریات و تکلفات ہی حاصل نہیں کیے جاتے اور زندگی کو پر تعیش انداز میں جینا ہی ممکن

نہیں ہوتا؛ بل کہ مال کے ذریعے وفاداریاں بھی خریدی جاتی ہیں، ووٹ بھی حاصل کیے جاتے ہیں، عوامی مقبولیت تک بھی پہنچا جاتا ہے۔ مال کو سچائیاں تبدیل کرنے، دستاویزات وضع کرنے، اثر ورسوخ کے مواقع تک پہنچنے، حکومت کی کرسیوں اور حل وعقد کی منزلوں کو پالینے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ مال کے ذریعے، قلم اور زبانوں کو کرایے پر لیا جاسکتا ہے اور لیا جاتا ہے اور ناقابلِ شمار کام کیا جاسکتا ہے اور کیا جاتا ہے۔

میڈیا کا جانب دارانہ رویہ:

اور میڈیا کا تو پوچھنا کیا۔ میڈیا آج حاکمِ خود مختار، شہنشاہِ مطلق العنان اور اُس فرماں روا کا مقام حاصل کر چکا ہے، جس کے قول وفعل کے سامنے دنیا کی کوئی چیز حائل نہیں ہوسکتی۔ اگر کوئی جماعت یا فرد کسی ملک کے میڈیا پر قابض ہو جائے، تو سمجھ لیجیے کہ اُس نے اُس ملک اور اُس علاقے کی پوری سیاست اور فیصلے کے تمام اداروں پر قبضہ کرلیا ہے، جہاں اُس نے یہ قبضہ حاصل کرلیا ہے؛ اِس لیے اگر صہیونی لابی دنیا کی سپر پاور اور سب سے بڑے ملک امریکہ کے میڈیا پر قبضہ کرلیا ہے، تو یہ محتاجِ بیان نہیں کہ اُس نے عالمی اثر ورسوخ کی زمام اپنے ہاتھ میں لے لی ہے اور خواہی نہ خواہی دنیا کی قوموں پر اپنے ارادے کو تھوپنے کی پوزیشن حاصل کرلی ہے اور امریکہ کے اربابِ حل وعقد کے گریبانوں کو اِس طرح پکڑ لیا ہے کہ اُن کے لیے یہودیوں کی خواہش سے سرِ موانحراف کی گنجایش نہیں۔

اِسی لیے ہم دیکھ رہے ہیں کہ تمام سطحوں پر امریکہ، صہیونیوں اور اسرائیل کے ارادے کے دائرے سے باہر قدم رکھنے کی ہمت نہیں کر پاتا۔ ہم سارے عرب چیخ چیخ کر رہ جاتے ہیں، فلسطینی گریہ وفریاد کر کے تھک تھک جاتے ہیں اور ساری دنیا کے مسلمان، خصوصاً قائدین وحکام ادب واحترام وہم دردی کی طلب کی تمام اداؤں کو کام میں لا لا کر مایوسانہ بیٹھ جاتے ہیں؛ لیکن امریکہ ٹس سے مس نہیں ہوتا اور لیت ولعل کی پالیسی اور منافقانہ رویے میں کسی تبدیلی کا روادار نظر نہیں آتا؛ بل کہ وہ قاتل کو مقتول اور مقتول کو قاتل

کہے چلا جا رہا ہے اور اپنے اِسی قول کے مطابق عمل کیے جا رہا ہے۔

صرف موجودہ قتلِ عام کی وجہ سے نہیں؛ بل کہ اسرائیل کے وزیرِ اعظم کے سابقہ مجرمانہ اور جنگی جنون وسفاکانہ ''کارناموں'' کی روشنی میں، جن میں ۱۹۸۲ء میں لبنان کے صبرا اور شتیلا کیمپ میں اُس کے ذریعے سے کرائے گئے قتلِ عام کا وہ واقعہ بھی ہے، جو انسانوں کے حافظے سے ہنوز محو نہیں ہوا ہے، اگر عرب اور مسلمان شیرون کو جنگی مجرم، سفاک اور قاتلِ انسانیت کہتے ہیں، تو وہ حق بہ جانب ہیں اور دنیا کے سارے انصاف پسندوں کی اُنھیں اخلاقی تایید حاصل ہے، جن میں وہ بہت سارے مغربی تجزیہ نگار اور یورپی حکام وافسران بھی ہیں جن کا کہنا ہے کہ شیرون کا دوسرا نام ''سفاک'' بھی ہے۔

شیرون، امن کا پیغام بر؟:

عربوں کو واقعی اِس کا حق ہے کہ وہ اِس ذلیل انسان کو یہ وصف دیں جو اُس کے حق میں سو فی صد سے زیادہ صحیح ہے؛ لیکن جائے تعجب نہیں کہ امریکہ کا صدر بوش ساری دنیا والوں کو یہ کہتا ہے کہ شیرون ''امن کا پیغام بر'' ہے اور عین ''جنین'' کے خونی واقعے کے دوران جب اسرائیل اپنے جنگی ہیلی کاپٹروں، میزائلوں، ٹینکوں، ریزرو فوجیوں اور زبردست عسکری طاقت کے ذریعے، فلسطینیوں پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہا ہے اور آتش وآہن کی بارش برسا رہا ہے، مکانوں کو مکینوں کے ساتھ منہدم کر رہا ہے، بچوں، بوڑھوں، عورتوں کو بے دریغ قتل کر رہا ہے اور نوجوانوں کو عبرت ناک سزائیں دے رہا ہے؛ امریکہ کا صدر بُش عربوں اور مسلمانوں کے غم وغصے میں اِضافے کے لیے اور اُن کا دل جلانے اور زخم کریدنے کے لیے، دنیا والوں کے سامنے بار بار اِس جملے کو دہراتا ہے کہ شیرون ''پیغامبرِ امن'' ہے، جب کہ عرفات نے ''دہشت گردوں'' کو لگام دینے کے لیے کچھ نہیں کیا!۔

جنین کا خون کے آنسو رلانے والا واقعہ:

یاد رہے کہ جنین میں ابھی پچھلے دنوں جو قتلِ عام کا واقعہ، بربریت کے ساتھ انجام

دیا گیا، اُس نے نہ صرف دوستوں، بل کہ دشمنوں کو بھی رلا دیا اور بہت سے لوگوں کو، جو فلسطینیوں کے لیے کبھی کلمۂ خیر کہنے کے روادار نہ ہوے، اعترافِ حق پر مجبور کر دیا۔ خود امریکہ کے معاون وزیر خارجہ ''ولیم پیریز'' نے کہا ہے کہ ''جنین کا واقعہ خوف ناک انسانی المیہ ہے'' یہ بات اُنھوں نے جنین کے کھنڈرات اور وہاں چپے چپے پر فلسطینیوں کی لاشوں اور خون کے بولتے ہوئے نشانات کو بہ چشمِ خود دیکھنے کے بعد کہی۔ جب کہ فلسطین کا دورہ کرنے والے اقوامِ متحدہ کے نمایندے ''ٹیری روڈلارسن'' نے کہا کہ ''یہ ہر طرح ناقابلِ تصور ہول ناک واقعات ہیں'' نمایندے نے مزید کہا کہ ''اسرائیل کو جس نام نہاد جمہوریت اور کھلے پن پر ناز ہے، جنین کے ہول ناک واقعات کے بعد، اُس کا بھرم از خود کھل جاتا ہے۔'' امریکہ کے یہودی فلمی پروڈیوسر ''گول ڈاسان'' نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ''شیرون مباح الدم ہے، میرا جی چاہتا ہے کہ میں اُس کی جان لے لوں... ذرا دیکھو تو سہی فلسطین میں کیا کچھ ہو رہا ہے... یہ واقعی خوف ناک صورتِ حال ہے۔'' فلسطین کے قتلِ عام کے واقعات کا جائزہ لیتے ہوئے، امامِ حرم شیخ عبدالرحمٰن سدیس نے جمعہ ۶ رصفر ۱۴۲۳ھ = ۱۹ر اپریل ۲۰۰۲ء کو حرم کے منبر و محراب سے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے، وہ درحقیقت سارے عالم کے مسلمانوں کے مافی الضمیر کی ترجمانی ہے:

''امن کی تمام کوششوں پر سلام، ایک ایسی قوم کے ساتھ امن کی کوششوں پر، جس کا پوری تاریخ میں یہی رویہ رہا ہے اور یہی عزائم اور یہی سازشیں رہی ہیں۔''

صدر بش کے فرامین، عربوں کے نام:

امریکی صدر بش نے اپنی اِس طرح کی نمک پاش ہرزہ سرائیوں کو بار بار دہرانے پر بس نہیں کیا؛ بل کہ اُس نے بار بار اور پوری طاقت سے یہ بھی حکم فرمایا کہ عربوں کو چاہیے کہ وہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے لیے سامنے آئیں، یعنی اُنھیں مبارک انتفاضہ اور تحریکِ مزاحمت کو از خود کچل دینا چاہیے؛ تاکہ اسرائیل عافیت کی نیند سو سکے۔ واضح ہو کہ

امریکی صدر، افغانستان میں سینگ سمانے اور اُس کے کوہ و کمر سے اپنا سر ٹکرانے اور اُس کے سنگلاخ میں اپنی قبر کھودنے کی ابتدا کرنے کے فوراً بعد، ناپاک اسرائیلی قبضہ کی مزاحمت کرنے والی تمام تحریکوں اور جماعتوں اور اُن سے جڑے ہوئے افراد کو ''دہشت گرد'' قرار دے کر، اُن کے سارے اثاثے منجمد کر چکا ہے اور ہر سطح پر اُن کے قائدین اور سرگرم کار افراد کو پریشان کرنے کی منصوبہ سازی کے ساتھ ہی اپنے حکام اور کارندوں کو، جن میں اسرائیل والے اور یہودی وصہیونی اور اُن کے عشق میں گرفتار پوری دنیا کے اسلام و مسلمان دشمن داخل ہیں، کھلی چھوٹ دے دی ہے کہ اُنھیں بہ ہر صورت کچل دیا جائے۔

دوسری طرف خبریں مظہر ہیں کہ امریکی نائب صدر ''ڈگ چینی'' نے اسرائیل کے اپنے آخری دورے کے دوران، اِس بات کا دھیان رکھا کہ اُس نے فلسطینی مُقتَدِرَہ (Palestinian authority) کے علاقوں پر اسرائیل کے جارحانہ حملوں اور قتلِ عام کے منصوبے کا دقتِ نظری سے مطالعہ کیا اور آیندہ کے لیے مزید ظلم و سفاکیت والا زیادہ کارآمد منصوبہ وضع کرنے میں اسرائیل کو سجھاؤ دینے سے گریز نہیں کیا۔

نیز دنیا والوں نے، تمام ذرائع ابلاغ میں امریکی صدر کو دیکھا کہ وہ اپنے بیان میں اسرائیل سے کہتا ہے کہ اسرائیل کو چاہیے کہ بلا تاخیر فلسطینی مقتدرہ کے علاقوں سے نکل جائے؛ لیکن ابھی اُس کے اِن الفاظ پر کچھ زیادہ وقت نہیں گزرتا ہے کہ وہ لوٹ کر یہ کہتا ہے کہ اسرائیلی افواج کے انخلا میں کچھ وقت لگے گا؛ تاکہ یہ انخلا بے فائدہ ثابت نہ ہو!۔

پھر یہ ہوتا ہے کہ اِس کے بعد ٹال مٹول اور بھید بھاؤ کی اکتا دینے والی کیفیت کے بعد امریکی وزیر خارجہ، اِس علاقے کا دورہ کرتا ہے، تو دورے کے اختتام پر عربوں اور فلسطینیوں کے جذبات کو مجروح کر دینے والا بیان جاری کرنا ضروری سمجھتا ہے، چناں چہ کہتا ہے اور انتہائی بے حیائی کے ساتھ کہتا ہے:

''اسرائیل کو واقعی دہشت گردانہ کارروائیوں کا سامنا ہے اور یہ کہ امریکہ اُس کی حفاظت کے لیے فکر مند ہے اور ہر طرح کوشاں ہے۔''

یہ آدمی محض بات پر اکتفا نہیں کرتا؛ بل کہ اپنی بات کو عمل سے جوڑتے ہوئے سیریا اور لبنان سے ملی ہوئی اسرائیلی سرحد کا جائزہ لے کر دونوں پڑوسیوں کی طرف سے متوقع حملوں کی صورت میں اسرائیل کی حفاظت کے منصوبے وضع کرتا ہے، نیز سرعت کے ساتھ اسرائیل کے دورے کے ساتھ ہی اسرائیل کے وزیر اعظم کا خود ساختہ نمایندہ بن کر سیریا اور لبنان جاتا ہے اور دونوں ملکوں کو، اسرائیل پر کسی حملے کی صورت میں نتائجِ بد سے دوچار ہونے کی دھمکی دے کر واپس آجاتا ہے اور اِس پورے علاقے سے روانگی سے قبل یہ تک کہنے سے گریز نہیں کرتا کہ ''اُس کو عرفات سے مایوسی ہوئی ہے؛ کیوں کہ اُنھوں نے ''دہشت گردی'' سے لڑنے کے لیے، اب تک کچھ بھی نہیں کیا اور آیندہ بھی کسی ٹھوس عمل کی کوئی توقع نہیں؛ اِسی لیے وہ شیرون کی طرف سے فلسطینی علاقوں سے اسرائیلی افواج کے انخلا کی کوئی حتمی بات طے نہیں کروا سکا!!۔''

صہیونیوں کی بدترین جارحانہ کارروائیاں:

امریکہ کی طرف سے، یہ سب کچھ ایسے وقت میں کہا اور کیا جارہا ہے جب کہ فلسطینیوں کو صہیونی مملکت کی انتہائی دہشت گردی اور جارحیت کی بدترین کارروائیوں کا سامنا ہے۔ اُس کے ٹینک، بے گناہ فلسطینیوں کو روند رہے ہیں اور پوری پوری آبادی پر گولے برسا رہے ہیں؛ اُس کے ٹریکٹر اور بلڈوزر اُن کے مکانوں کو مکینوں کے ساتھ منہدم کر رہے ہیں اور قتلِ عام کا جائزہ لینے، لاشوں کو اٹھانے اور آخری رسومات ادا کرنے اور ضروری طبی امداد دینے کے ارادے سے علاقے میں آنے والی عالمی اور مقامی ٹیموں کو یہاں آنے سے اِسرائیل بالکلیہ روک دیتا ہے، چناں چہ لاشیں سڑتی ہیں، زخمی ملبوں کے نیچے کراہتے رہ جاتے ہیں اور پانی اور دوا کے بغیر اپنی جان کی آخری قسط ادا کر دیتے ہیں۔

نیز امریکہ یہ سب کچھ ایسے وقت میں کر رہا ہے، جب کہ اسرائیلی افواج نے تقریباً چالیس روز تک، یاسر عرفات کو انتہائی ذلت اور بے بسی کے ساتھ اُن کے دفتر میں محصور

کیے رکھنے، پوری دنیا اور اپنے لوگوں سے اُن کا رابطہ مکمل طور پر ختم کیے رکھنے کے بعد، عالمی برادری کے نام نہاد دباؤ اور امریکہ کی شرارت آمیز چالوں کے پیچ اُنھیں اسرائیل نے بہت ساری نا قابلِ عمل اور نا قابلِ قبول شرطوں کے ساتھ، اِس لیے چھوڑ دیا ہے؛ تا کہ اِس سے مزید فائدہ اٹھا کر دیگر کارروائیاں انجام دی جاسکیں۔

امریکہ کے ذریعے، اسرائیل کی طرف داری اور بھرپور تعاون:

امریکہ کی طرف سے، اسرائیل کی یہ کھلی ہوئی طرف داری، کوئی آج کا نیا مسئلہ نہیں؛ بل کہ قضیہ فلسطین کے آغاز کے اول دن سے یہ امریکی پالیسی کا ٹھوس اور نا قابلِ اٹوٹ حصہ رہا ہے۔ بھلا کون نہیں جانتا کہ اسرائیل کے ساتھ عربوں کو جتنی جنگیں لڑنی پڑی ہیں، اُن میں حاصل ہونے والی یا ہو رہی کام یابی کو نا کام یابی میں تبدیل کر دینے کا سہرا، صرف اور صرف امریکہ یا امریکہ کے دم چھلے مغربی ملکوں کے سر جاتا ہے۔ اِسی طرح پچاس سال سے زیادہ عرصے کے پورے دور میں سفارتی، سیاسی، معنوی، یا مذاکراتی سطح پر فلسطینیوں اور عربوں کو قضیہ فلسطین کے حوالے سے جو فوائد کسی راؤنڈ میں حاصل ہونے کی کوئی ''حقیقی'' یا ''مجازی'' امید پیدا ہوئی تھی تو اُن امیدوں، امیدوں کے اسباب، اسباب کے میسر آنے کی راہوں کو اگر کسی نے مسدود کیا ہے، تو وہ صرف بد باطن امریکہ ہے، حتی کہ فلسطینیوں کے حق میں رائے عامہ کی کسی طرح کی ہم واری، عالمی برادری کی دکھاوے کی ہم دردی، عربوں کا ظاہری اتحاد، اُن کی مشترکہ قرارداد اور حد یہ ہے کہ اقوام متحدہ کی متحدہ آواز اور اُس کے پلیٹ فارم سے دنیا کے اکثر ملکوں کے وہ فیصلے جو اسرائیل کے خلاف اور کسی نہ کسی درجے میں اور بہ ظاہر عربوں کے حق میں جاتے تھے؛ امریکہ کو کبھی بھی اور نازک سے نازک دور میں بھی جب کہ فلسطینی خاک وخون میں تڑپتے ہوتے تھے، کسی طرح پسند نہ آیا اور اُس نے فلسطینیوں کے حوالے سے ساری پازیٹیو (Positive) یعنی مثبت باتوں کو نگیٹیو (Negative) یعنی منفی باتوں میں تبدیل کر دینے کا عمل جس طاقت، تسلسل،

ہٹ دھرمی، بے حیائی اور سازشانہ طریقے سے کیا؛ وہ تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے اور تاریخ کا قدرتی عمل اور قدرت کا زبردست ہاتھ اُس کو کبھی معاف نہ کرے گا کہ یہ دونوں حقیقتیں دنیا کے کسی داخلی اور خارجی دباؤ سے ماورا ہیں۔

یہ جو کچھ کہا گیا ہے، دعویٰ بلا دلیل نہیں؛ بل کہ مذکورہ باتوں میں سے ایک ایک نقطے کے دن، وقت، جگہ، ذرائع خبر اور دیگر تمام دستاویزات کے ساتھ دلائل موجود ہیں۔ اگر اُن کو یہاں درج کیا جائے، تو مضمون کی درازی، قاری کے لیے انتہائی باعثِ اکتاہٹ ہوگی۔

اِس سلسلے کی ایک تازہ دلیل وہ ہے جو مصر کے صدر نے گذشتہ ماہ صفر کے پہلے ہفتے میں قاہرہ کے "أَخْبارُ الْیَوْم" روزنامہ کو دیے گئے انٹرویو میں کہی ہے۔ اکتوبر ۱۹۷۳ء / رمضان ۱۳۹۳ھ کی عرب اسرائیل جنگ میں، اسرائیل پر مصری اور شامی افواج کی فتح مندی پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں:

"اِس فتح سے نہ صرف دنیا والوں کو حیرت ہوئی تھی؛ بل کہ یہ فتح ہمیں بہت عزیز بھی ہے؛ لیکن یہ ضروری ہے کہ ہم اِس حوالے سے اپنے خوابوں کی دنیا میں بہت دور تک نہ جائیں، خصوصاً اِس لیے کہ ہم نے اُس وقت دیکھا کہ اچانک اسرائیل کے لیے انتہائی نئے اور ترقی یافتہ امریکی اسلحوں کی امریکی کمانڈروں کے اسٹاف اور ماہرین کے ساتھ بارش ہونے لگی۔"

اپنی ریاستوں میں سے ایک ریاست، یعنی اسرائیل کو امریکہ جو پیہم عسکری تعاون دیتا رہا ہے یہ اُس کی ایک معمولی شکل تھی۔ بھرپور، مسلسل، روز افزوں اور حالات کے تناظر سے فائدہ اٹھاتے ہوے اور فائدہ اٹھانے کے حالات پیدا کرتے ہوے، جو عسکری تعاون امریکہ کی طرف سے اسرائیل کو ملتا رہا ہے اور مل رہا ہے، اِس موضوع کا کوئی ماہر اگر اِس کا جائزہ لے، تو اسرائیل کو دنیا کی دہشت گرد نمبر ایک مملکت بنا ڈالنے کے تعلق سے امریکہ نے بدترین جرائم کا جو ارتکاب کیا ہے، اُس کا واقعی اور ہول ناک خاکہ، دنیا والوں کے سامنے آسکتا ہے۔

جہاں تک اسرائیل کو امریکہ کی مالی امداد کا تعلق ہے، تو اخبارات کے ایک جائزے میں کہا گیا ہے کہ امریکہ کی مختلف حکومتوں نے نقد رقم یا بینک وثیقوں (Bank Credits) کی شکل میں ۱۹۴۸ء سے ۲۰۰۰ء تک اسرائیل کو ۱۸۰ ارب ڈالر کی امداد دی ہے۔

اِس پس منظر میں ڈاکٹر صالح عبدالعزیز الکریم نے فلسطینیوں کے خلاف دوطرفہ ظلم کی تعبیر اور اسرائیل اور امریکہ دونوں کو ایک ہی وجود یا ایک جان دو قالب بتانے کے لیے ''امریکائیل'' کی جو تعبیر استعمال کی ہے (دیکھیے عربی روزنامہ ''عکاظ'' ص ۸، شمارہ ۱۳۰۰۶، ۲۳/۱/۱۴۲۳ھ) وہ انتہائی بامعنی اور بہت خوب ہے۔ سچ مچ عربوں کو ''امریکائیل'' کا سامنا ہے نہ کہ صرف ''اسرائیل'' کا۔ اگر اسرائیل تنہا ہوتا اور اُس کا وجود، امریکہ سے مل کے نہ بنا ہوتا اور اُس کے ڈھانچے میں امریکہ کی روح نہ ہوتی، تو وہ اِس درجے ناز ونخرے اور ڈھول دھپّا کا شیوہ اختیار نہ کرتا کہ امریکہ اُس کو کہتا ہے: تم فلسطینی مقتدرہ کے علاقوں سے فوراً چلے جاؤ اور وہ کہتا ہے کہ میں تو نہیں جانے کا! اگر اُس کا وجود اصلاً امریکہ سے عبارت نہ ہوتا، تو وہ عالمِ عرب اور عالمِ اسلام کو اِس درجہ بے حیثیت نہ سمجھتا جتنا کہ اِس وقت سمجھ رہا ہے اور ہمیشہ سمجھتا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسرائیل نے فلسطینیوں کے ساتھ جو کچھ اب تک کیا ہے، فی الحال کر رہا ہے اور آیندہ کرنے والا ہے، وہ درحقیقت اور سو فی صد امریکی کرتوت ہے۔

اگر اسرائیل جنین میں فلسطینیوں کا صفایا کرتا ہے، مغربی کنارے کو تباہ و برباد کرتا ہے اور فلسطینی مقتدرہ کے علاقوں پر دوبارہ قبضہ کرکے زرہ پوش ٹینکوں، بکتر بند گاڑیوں، جنگی جہازوں، ہیلی کاپٹروں اور انفنٹری مین (Infantry Men) پیادہ افواج کی کھیپوں کے ذریعے، وہاں قتلِ عام کی انوکھی طرح ڈالتا ہے، گرفتاریوں، ایذا رسانیوں کے نت نئے طریقے عمل میں لاتا ہے، فلسطینیوں کو کھانے پینے اور دوا و پانی سے محروم کر دیتا ہے، بجلی اور ٹیلی فون کی لائنیں کاٹ دیتا ہے اور ''حفاظتی دیوار'' (Preventive wall) کے منصوبے کے ضمن میں وہ ساری شرارتیں انجام دیتا ہے جن کو انسانوں نے انسانوں کے ساتھ پوری

انسانی تاریخ میں کبھی روا نہ رکھا ہوگا۔

اگر یہ سب کچھ ہو رہا ہے، تو آپ یقین کیجیے کہ یہ سب کچھ، درحقیقت امریکہ کر رہا ہے؛ کیوں کہ سارے اسلحے امریکی ہیں، اسرائیلی لشکر کی تربیت امریکی ماہرین کے ذریعے ہوئی ہے اور ہو رہی ہے، عسکری ٹکنالوجی ساری کی ساری امریکی ہے، عسکری ماہرین سارے امریکی ہیں، سب سے بڑی بات یہ کہ ہر کارروائی کی ہری جھنڈی بھی امریکہ ہی دکھایا کرتا ہے، خواہ دنیا والے سمجھیں یا سمجھنے کی کوشش سے دریغ کریں۔

پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے؛ اِس لیے....:

اِسی لیے عرب کے وہ قلم کار جو اب تک اپنے قائدین و حکام کے خوف سے امریکہ کے خلاف ایک حرف بھی اپنی زبان یا اپنے قلم کی زبان سے نہیں نکلنے دیتے تھے، اب پانی سر سے اونچا ہو جانے کی وجہ سے، کھلے عام یہ کہنے اور لکھنے لگے ہیں کہ عربوں اور مسلمانوں کو اسرائیل اور امریکہ میں کوئی فرق نہیں کرنا چاہیے؛ کیوں کہ اُنھیں "امریکائیل" کا مقابلہ ہے، جو ڈبل مقابلہ ہے، صرف اسرائیل کا نہیں کہ صرف اسرائیل کا مقابلہ اُن کے لیے کچھ مشکل نہ تھا؛ لہٰذا سفاک صرف "شیرون" ہی نہیں؛ بل کہ اُس سے بڑا سفاک امریکی صدر بش ہے۔ اِسی لیے عرب کے پڑھے لکھے لوگ اب یہ کہنے لگے ہیں کہ ہماری ناراضگی کا مرکز و محور صرف اسرائیل ہی نہیں؛ بل کہ اُس سے پہلے امریکہ ہونا چاہیے، اسرائیل کی بد بختانہ کارروائیاں نتیجہ ہیں امریکہ کی شہ کا اور عملی حوصلہ افزائیوں کا؛ اس لیے اب وقت آ چکا ہے کہ ہم امریکہ کے لیے اُسی پیمانے سے کام لیں جو پیمانہ ہم اسرائیل کے لیے استعمال کرتے ہیں اور اُس کو اُسی تیر کا نشانہ بنائیں جو ہم اسرائیل کی طرف چلانا چاہتے ہیں؛ لیکن مشکل یہ ہے کہ امریکہ ہمارے گھروں کے اندر داخل ہو چکا ہے، ہمارے عقل و قلب میں انڈے بچے دے چکا ہے، ہماری قسمتوں کا مالک بن چکا ہے، ہمارے مال و دولت پر قبضہ کر چکا ہے، ہمارے بازاروں اور روزی کے ذرائع کو اپنے ہاتھ میں لے چکا

ہے، ہمارے ملکوں کی زمام ہائے اقتدار کو مضبوطی سے پکڑ چکا ہے؛ بل کہ سچ یہ ہے کہ ہماری گردنیں اُس کے ہاتھ میں آچکی ہیں اور اُس کے سی آئی اے اور ایف بی آئی جیسے ادارے ہمارے سیکورٹی نظام کا مرکزی حصہ بن چکے ہیں؛ بل کہ ہماری ہتھیار بندی کے نظاموں، تعلیم کے پروگراموں، اندرونی و بیرونی پالیسی کے منصوبوں اور ہماری پسند و ناپسند کے تمام معاملات پر اُنھی اداروں کا کنٹرول ہو چکا ہے؛ اِسی لیے ہمارے قائدین و حکام، بھوت کی طرح امریکہ سے ڈرتے ہیں۔ اُنھیں یقین ہے کہ اُس کے کسی حکم کی خلاف ورزی، دیر یا سویر اُن کے لیے وبالِ جان بن سکتی ہے اور بُرے سے بُرے انجام کا پیش خیمہ ہو سکتی ہے، یا تو اُنھیں قتل کرایا جا سکتا ہے یا کم از کم کرسیِ اقتدار سے ہٹایا جا سکتا ہے، یا اُن پر ذلت و خواری کی کوئی شکل ہمیشہ کے لیے مُسلَّط کی جا سکتی ہے؛ بل کہ اپنے وطن میں سکون سے مرنا اور دفن کے لیے دو گز زمین کا ملنا، خارج از امکان بنایا جا سکتا ہے۔

جس کی لاٹھی، اُس کی بھینس کا فلسفہ:

"جس کی لاٹھی اُس کی بھینس" کا فلسفہ ہی انسانی معاشروں کا معمول بہ فلسفہ رہا ہے اور رہے گا، ہم اِس کو کسی کوشش سے تبدیل نہیں کر سکتے؛ اِسی لیے امریکہ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی جو اب زیادہ زور شور سے روبہ عمل لائی جارہی ہے کہ عربوں اور مسلمانوں کو بہ ہر صورت طاقت اور قوت کی تمام شکلوں سے محروم رکھا جائے اور اُن کے لیے طاقت و قوت کے حصول کی راہ کو مسدود کیا جاتا رہے؛ تاکہ وہ امریکہ یا اُس کے معشوق اسرائیل کے لیے کبھی کسی خطرے کا باعث نہ بن سکیں؛ لیکن امریکہ نے خود دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن کر اسرائیل کو دنیا کی چند بڑی طاقتوں اور مشرق وسطی کی سب سے بڑی طاقت کے روپ میں ابھرنے کی جو صورت پیدا کی ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ اسرائیل جب چاہے کسی بھی عربی اور اسلامی ملک کو سبق سکھا سکتا ہے؛ لیکن کسی عربی اور اسلامی ملک میں یہ دم خم نہیں کہ اب اُس کے مقابلے کی تاب لا سکے۔

موجودہ صورتِ حال میں عربوں اور مسلمانوں کو طاقت کے حصول کی راہ میں بڑی رکاوٹیں امریکہ نے کھڑی کردی ہیں اور سب سے بڑا ہوا اُس نے دہشت گردی کا کھڑا کردیا ہے، اُس کا نظریہ؛ بل کہ عقیدہ ہے کہ صرف مسلمان اور عرب ہی دہشت گرد ہوتے ہیں۔ خواہ وہ میڈیا کے ذریعے بار بار کہے کہ اُس کا ایسا عقیدہ نہیں ہے؛ لیکن اُس کا عمل، طرزِ عمل اور ردِّ عمل اِسی کا غماز ہے کہ عربوں اور مسلمانوں کو نہتا کرنے اور ہمیشہ کے لیے اُنھیں اپنے حق سے محروم کردینے کے لیے اور اسرائیل کو سارے فلسطین اور بالآخر عالمِ عرب کے بڑے حصے پر کنٹرول قائم کرنے کا موقع دینے کے لیے، وہ اپنی موجودہ پسند کی راہ پر بہت دور تک جانے کے لیے تیار ہو چکا ہے۔ دیکھنا ہے عرب اور مسلمان امریکہ سے آیندہ سے پہلے آج کس طرح نمٹتے ہیں۔ نمٹنے کا یہی انداز یہ طے کرے گا کہ وہ اپنے حقوق کی بازیابی میں اور اپنی عزت وحمیت کی پاس داری میں، کتنے سنجیدہ ہیں؟۔



صلح وامن معاہدے کا ڈرامہ نہیں؛ بل کہ بھرپور مزاحمت ہی فلسطینی حقوق کی بازیابی کی واحد راہ ہے (٭)

بابرکت ارضِ فلسطین پر رونما ہونے والے اَلَم ناک اور تلخ ترین واقعات کے نشیب وفراز سے دل چسپی رکھنے والے ہر شخص کو معلوم ہے کہ ۵/جون ۱۹۶۷ء والی شکست، ایک ایسا واقعی اور فیصلہ کُن 'اَلْمِیَۃ' تھی، جس نے تصفیے کے طرح طرح کے اُن منصوبوں کو آگے بڑھانے کے لیے دروازوں کو چوپٹ کھول دیا، جن کا قدرِ مشترک، صہیونیوں کے وجود کو شرعی سندِ جواز عطا کرنا؛ تینوں نفیوں (لَا صُلْحَ، وَلَا اعْتِرَافَ، وَلَا مُفَاوَضَاتِ: اسرائیل کے ساتھ کوئی مصالحت ہوگی، نہ اُس کے وجود کو کسی طرح تسلیم کیا جائے گا اور نہ ہی اُس کے ساتھ کسی قسم کی بات چیت ہوگی) کو کالعدم قرار دینا، غیرت وحمیت اور نخوت و خودداری؛ نیز اِس سے ملتے جلتے دوسرے اُن برتر وعزیز تر حقائق کی - جو دینی شرف، وطنی عزت، قومی شان اور ملی برتری کے خمیر کی حیثیت رکھتے ہیں - معنویت کو ختم کر دینا اور بالآخر ۱۹۴۸ء سے مقبوضہ ارضِ فلسطین (بل کہ صحیح تر تعبیر اور ہمہ گیر جملے میں مقصوبہ ارضِ فلسطین) سے مکمل طور پر دست بردار ہو جانا تھا۔ یہ سب کچھ ''زمین برائے امن'' کے نعرے کے تحت ہوا تھا۔

''کم زوری'' کی وہ ترجیح جس کو ہم نے دل وجان سے قبول کر لیا ہے کی وجہ سے ہمیں اِس ''اسٹریٹیجک امن کی ترجیح'' کا سہارا لینے پر مجبور ہونا پڑا ہے، جس نے ایسے بہت

(٭) ترجمہ کلمۃ المحرر، الداعی، شمارہ:۵، جلد:۲۶، جمادی الاولی ۱۴۲۳ھ = جولائی - اگست ۲۰۰۲ء

سے منفی اثرات کو جنم دیا ہے، جن سے ہمارے چھٹکارے کی کوئی راہ نہیں؛ کیوں کہ وہ ہم سے اِس طرح آ چمٹے ہیں، جس طرح ملزم ٹھہرائے گئے، مجرم سے، یقینی سزا آ چمٹتی ہے۔ اِن منفی نتائج کا سلسلہ ''امن کے کلچر'' سے لے کر، ''تعلقات کو معمول پر لانے کے کلچر'' تک دراز ہے، جس کے درمیان ہمیں ''زمین برائے امن'' والا نشہ آور انجکشن بھی لگایا گیا؛ نیز اِسرائیل نے مسلسل اپنی چال بازیوں اور مکاریوں اور اپنے غرور و سرکشی کے ذریعے، ہمیں طرح طرح سے ذلیل کیا۔ خصوصاً ''مڈریڈ'' میں ۱۹۹۱ء میں ہونے والی کانفرنس کے بعد سے، اُس نے ہماری اہانت کے حوالے سے، کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی ہے۔ بلاشبہ اِن دست بردارانہ پالیسیوں، جن کا سبب وہ ''ناطاقتی'' ہے، جو ہمارے انفرادی اور اجتماعی گناہوں کی دین ہے، کی وجہ سے ہم ایک بند راستے پر پہنچ گئے ہیں اور اگر ہم خواب و خیال کی دنیا میں جینے والے کی طرح، خوش فہمی سے کام لیں، تو یہ کہیں گے کہ ہم ایک ایسے انتہائی دشوار گزار نیم مسدود راستے پر پہنچ گئے ہیں کہ اگر ہم اُلٹے پاؤں لوٹیں، تو دشمن ہمیں عبرت خیز انداز میں انتہائی ذلت کے ساتھ آ دبوچے گا اور اگر ہم ایک قدم آگے بڑھائیں، تو ہم گہری کھائی میں گر کر، تاریخ کے کوڑے دان کی نذر ہو جائیں گے۔

انسانی اور اِسلامی تاریخ کا گہرا مطالعہ رکھنے والے، ہمارے بصیرت مند علما اور دانش ورانِ قوم، روزِ اول ہی سے، ہمیں اِس انجام بد سے ڈراتے رہے ہیں، جہاں تک ہم، اپنی پس گردی و دست برداری، شکست خوردگی و نااُمیدی، الزام تراشی و گالیوں کے باہمی تبادلے، دوسرں پر ذمے داری ڈالنے، درماندگی و بے بسی اور اپنی نسلوں کے سامنے کوئی بھی تاریخی ذمے داری قبول کرنے سے راہِ فرار اختیار کر لینے کی وجہ سے؛ پہنچ گئے ہیں۔

ہمارے علما اور مفکرین، بڑے دور اندیش اور تیز فہم تھے کہ اُنھوں نے ہمیں، ہمارے اُن بیہودہ اقدامات سے ڈرایا جن کی طرف ہم لپک رہے ہیں اور ہر حال میں، اُس مزاحمتی ترجیح پر زور ڈالا، جو ماضی میں بھی زندہ قوموں کا فطری ردِ عمل باور کیا جاتا رہا ہے، ہنوز یہی کچھ سمجھا جاتا ہے اور مستقبل میں بھی یہی سمجھا جائے گا۔ حصولِ حقوق کے لیے مزاحمت سے

دست برداری کو واقعی، تاریخ کا ایک غیر فطری عمل تصور کیا جاتا ہے۔ مزاحمت اُن تمام ترجیحات سے -- جن پر ہماری قیادتوں نے تکیہ کرلیا ہے- ہمیشہ کہیں زیادہ ثمر آوار اور اثر انگیز، نیز فلسطینی قوم اور اب ''پتھر والے بچوں'' کی بہ دولت زندہ اور متحرک رہی ہے۔ ہمارے قائدین کو بہ جلد یا بہ دیر خود بھی مزاحمت کی ثمر آوری پر ایمان لانا پڑے گا؛ کیوں کہ چھینی گئی عزت اور غصب کردہ زمین کو، اِسی کی بہ دولت حاصل کیا جاسکتا ہے۔

''الشَّرِیْعَةُ وَالْحَیَاةُ'' کے پروگرام میں، ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے بڑی سچی بات کہی، جس کو الجزیرہ سٹیلائٹ چینل نے اتوار کی شام ۲رجون ۲۰۰۲ء (۱۹رربیع الاول ۱۴۲۳ھ) کو نشر کیا تھا: اسرائیل کے ساتھ خوش گوار تعلقات قائم کرنا، صرف حرام ہی نہیں؛ بل کہ ایک کبیرہ گناہ بھی ہے۔ اِسی طرح عربی اور اِسلامی حقوق سے دست برداری کے لیے جتنی کانفرنسیں کی جاتی ہیں، سب حرام اور گناہ کبیرہ ہیں۔ یہ شرعی اعتبار سے بھی نا قابلِ قبول ہیں، خواہ ہمارے ارباب حل و عقد، اِس کا فیصلہ لیا کریں۔ اُنھوں نے یہ بھی بتایا کہ جو لوگ یہ پروپیگنڈہ کررہے ہیں کہ اِس بحران کے حل کے لیے، فلسطینیوں کے سامنے واحد ترجیح امن ہی ہے؛ یہ بات غیرت مند قوموں کی راہ کبھی نہیں رہی اور یہ کہ اسرائیل کے ساتھ تصادم کے حل کے لیے، مزاحمت ہی بہترین منطق ہے۔''

عملی طور پر سرگرم، فلسطینی قوم اور اخلاقی و معنوی تعاون کی سطح پر متحرک عربی اِسلامی عوام کے ساتھ، عربی حکومتوں کا تعاون، اِس مزاحمت کو دفاع کی ایسی طاقت سے لیس کرسکتی ہے، جس کے سامنے صہیونی سرکشی، امریکی نفاق، یورپی دوہراپن، عالمی سازش اور اِسلام مخالف بین الاقوامی بلاک کی بد باطنی میں سے کوئی بھی شئے ٹھہر نہیں سکتی۔



عربوں و مسلمانوں کے تئیں امریکہ کا دوغلا پن، اُس کی پایدار پالیسی کا حصّہ (*)

یہ کوئی پہلا یا آخری موقع نہیں، جب عربوں اور مسلمانوں کے مسائل کے حوالے سے امریکہ اور مغرب کی دوہری پالیسی بے نقاب ہوگئی ہو؛ بل کہ عربوں اور مسلمانوں کے تعلق سے ہمیشہ امریکہ اور مغرب والوں کا یہی مسلّمہ اُصول رہا ہے، جو آزادی اور جمہوری اقدار کے اُن تمام کھوکھلے نعروں سے سراسر متصادم ہے، جو امریکہ اور مغرب والے نہ صرف یہ کہ پوری دنیا میں لگاتے رہتے ہیں؛ بل کہ اُنھیں اُن پر بے پناہ فخر بھی ہے۔ مغرب کو ہی دیکھیے کہ وہ حقوق انسانی کے تحفظ اور اُن کے دفاع پر برملا فخر کرتا ہے؛ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ وہ عربی اور اسلامی حقوق کے سلسلے میں اپنے اِن اصولوں کو دیوار پر دے مارتا ہے۔ یورپ اور امریکہ کے سارے رویوں میں ہمیں یہ تضاد ہر جگہ محسوس ہوتا ہے۔ چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ مغرب اور امریکہ تمام بین الاقوامی تنظیموں کی قراردادوں، عالمی برادری کے مطالبات اور عربوں اور مسلمانوں کے جذبات سے یک سر چشم پوشی کرتے ہوئے، فلسطین کی اسلامی سرزمین کو ہڑپنے والے یہودیوں کا اُن عربوں کے خلاف پیہم تعاون کرنے میں لگے ہوئے ہیں، جن کے مکانات اور زمینوں کو بہ زورِ طاقت غصب کرلیا گیا ہے۔ یہ دونوں مکمل طور پر صہیونیوں کی راہ ہم وار کرنے میں دن رات ایک کیے

(*) ترجمہ اداریہ (کلمۃ العدد) الداعی بہ عنوان: "اَلْاِزْدِوَاجِيَّةُ.. مِنْ ثَوَابِتِ السِّيَاسَةِ الْأَمْرِيْكِيَّةِ الْغَرْبِيَّةِ تُجَاهَ الْعَرَبِ وَالْمُسْلِمِيْنَ"، شمارہ: ۵، جلد: ۲۶، جمادی الاولی ۱۴۲۳ھ = جولائی - اگست ۲۰۰۲ء۔ ترجمہ اردو: جمعرات ۱۶/۴/۱۴۲۸ھ = ۴/۵/۲۰۰۷ء۔

رہے ہیں کہ وہ پورے فلسطین کو ہضم کرلیں، اُن کی خواہشات کے مطابق فلسطین کے قضیے کا تصفیہ ہو جائے اور ہمیشہ کے لیے اِس مسئلے کو ہی ختم کر دیا جائے۔ اِسی کا نتیجہ تھا کہ عربوں کے ساتھ نہ صرف مسلح تصادم ہوا؛ بل کہ اُن کے خلاف بھیانک جنگیں چھیڑنے کی دھمکی سامنے آئی اور بالآخر یہ جنگیں اُسی طرح بھیانک انداز میں ہوئیں جس طرح امریکہ اور مغرب نے چاہا اور صہیونیوں نے شہرِ قدس سمیت فلسطین کے اکثر علاقوں کے ساتھ مصر و شام واردن کے بہت بڑے علاقوں کو ہڑپ لیا، پھر صہیونیوں کو ہری جھنڈی دکھادی گئی کہ وہ مغربی کنارے اور غزہ پٹی کو ہڑپ لیں اور ارضِ فلسطین میں مکینوں کے خلاف قتل و غارت گری اور ظلم و بربریت کا ایسا سلسلہ شروع کردیں، جن کے صرف تصور سے ہی انسانی جسموں پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔

مغرب کی حیران کن خاموشی:

امریکہ اور یورپ کو یہ سب کرتا دیکھ کر، مغرب کوئی قدم اٹھانے کی بہ جائے چپ سادھ لیتا ہے، دوسری طرف چیچنیائی مسلمانوں کے اپنے وطن میں آزاد زندگی گزارنے کے حق پر چھاپہ ماری کے تعلق سے، امریکی اور روسی صدر ''ماسکو'' میں بیٹھ کر، ماسکو کا تعاون کرنے کے لیے جو بیان دیتے ہیں، مغرب اُس کی بڑھ چڑھ کر حمایت کرتا ہے۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ امریکہ اور یورپ مشرقی ''تیمور''(۱) کو اپنے مادرِ وطن

(۱) واضح ہو کہ دوشنبہ (سموار) ۹رجمادی الاخری ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۰رستمبر ۱۹۹۹ء کو آسٹریلیا کی سربراہی میں، اقوامِ متحدہ کی ۲۵۰۰ افواج دو بحری جہازوں پر مشرقی تیمور میں اُتریں۔ ۳۰راگست ۱۹۹۹ء (دوشنبہ ۱۸رجمادی الاولی ۱۴۲۰ھ) کو رائے شماری میں ۲۱,۵٪ لوگوں نے مشرقی تیمور کے انڈونیشیا کے تابع رہنے کے حق میں ووٹ دیا تھا۔ جب کہ باقی باشندوں نے انڈونیشیا سے ''آزادی'' یعنی علاحدگی کے حق میں ووٹ دیا تھا۔

ہرچند کہ یہ خلفشار اور رائے شماری مسلم ملک کے خلاف مغربی طاقتوں کی سازش کا نتیجہ تھا؛ لیکن اقوامِ متحدہ کی افواج کی آمد کے بعد، تدریجاً وہاں سے انڈونیشیا کی امن وقانون کی حفاظت پر مامور افواج واپس آگئیں۔

بالآخر ۲۰رمئی ۲۰۰۲ء (دوشنبہ: ۷رربیع الاول ۱۴۲۳ھ) کی مکمل آزادی کا اعلان کر دیا گیا اور ربع صدی کے ←

''انڈونیشیا'' سے الگ اور آزاد خطہ بن جانے کے لیے نہ صرف تایید؛ بل کہ زبردست تعاون بھی کررہے ہیں؛ کیوں کہ تیمور کے اکثر باشندے عیسائی ہیں اور امریکی ویورپی تحقیق کے مطابق غالباً عیسائی انسانوں کی سب سے افضل نسل سے تعلق رکھتے ہیں!!

مشرقی تیمور کو انڈونیشیا سے الگ کرنے کے لیے، یورپ وامریکہ کا مسلسل مادی اور معنوی تعاون:

یورپ اور امریکہ نے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے، مشرقی تیمور کو انڈونیشیا سے کاٹنے کے حوالے سے صرف مسلسل مادی اور معنوی امداد پر ہی اکتفا نہیں کیا؛ بل کہ اس کے ساتھ یہ تعاون بھی کیا کہ وہ اس موقع پر ایک سالانہ جشن بھی منائے، تاکہ خاص طور سے انڈونیشیائی مسلمانوں اور عام طور سے پوری دنیا کے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوں۔ چناں چہ ۱۹رمئی ۲۰۰۲ء = ۶ رربیع الاول ۱۴۲۳ھ اتوار کو مشرقی تیمور نے سرکاری سطح پر اپنی آزادی کا جشن منایا اور اِس موقع سے ایک بڑی تقریب منعقد کی، جس میں دنیا بھر کے ۹۲ سے زائد نمایندوں نے شرکت کی، جن میں سرِفہرست نام نہاد اقوامِ متحدہ کے جنرل سکریٹری ''کوفی عنان'' خصوصیت کے ساتھ شریک تھے۔

کیا مسلمانوں کو امریکہ اور یورپ کی دوہری پالیسی کے خلاف اظہارِ ناراضگی کا حق نہیں؟

کیا مسلمانوں کو امریکہ اور یورپ کی اِس دوہری پالیسی پر ناراض ہونے کا حق

← بعد وہاں انڈونیشیا کے اقتدار کا خاتمہ ہوگیا۔ بین الاقوامی برادری کے دوغلے پن کی وجہ سے ۶۰ برس سے فلسطین پر یہودیوں کا قبضہ ہے، اِس قبضے کی مزاحمت کرنے والوں کو امریکہ، نام نہاد عالمی برادری اور مغرب والے اب امریکہ پر ۱۱رستمبر ۲۰۰۱ء کا بہانہ بنا کر افغانستان وعراق پر امریکہ کے قبضے کے بعد ''دہشت گرد'' کہنے لگے ہیں؛ کیوں کہ یہاں قبضہ مغرب والوں کے کاشتہ یہودیوں کا ہے اور مزاحمت کنندہ مسلمان ہیں؛ لہٰذا یہاں آزادی تو کیا ملے گی، آزادی کی جدّ وجہد بھی حرام ہے!۔

نہیں؟ کیا اِس صورتِ حال سے مغرب اور امریکہ کے خلاف اُنھیں آخری حد تک ناراض ہو جانے کا وجہِ جواز نہیں ملتا؟ مذکورہ تاریخی حقائق اُس امریکہ اور یورپ کی کارستانیوں کا تسلسل ہیں، جو مسلمانوں اور دیگر اقوام کے مسائل کے تعلق سے دو الگ الگ معیار اپنانے کی راہ پر بلا تکان اور تیزی سے چل رہے ہیں۔ چناں چہ ایک طرف تو عالمی برادری، منصوبہ بند سازش کے تحت زور زبردستی کے بل پر، مسلمانوں کی زمین سے الگ کر دیے گئے، دور افتادہ ایک چھوٹے سے قطعۂ ارضی میں چند ہزار انسانوں کی آزادی کے لیے سرگرمی دکھاتی ہے، تو دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ وہ فلسطین کے لاکھوں مسلمانوں کی مسلسل اپیلوں اور مطالبات سے صرف نظر کر لیتی ہے، حال آں کہ دنیا بھر کے سارے مسلمان کو فلسطین سے جو دلچسپی ہے، وہ دنیا کی کسی قوم کو کسی خطۂ ارض سے ہرگز نہیں ہو سکتی۔ قضیۂ فلسطین اُن کے نزدیک نمبر ایک اور پہلا قضیہ ہے؛ یورپ اور امریکہ- جو دنیا کی رائے اور موقف پر اثر انداز ہیں - اِس حقیقت اور آفتابِ نیم روز کی طرح واضح دوسرے حقائق کو نظر انداز کرنے کے حوالے سے بڑی دور تک جا چکے ہیں۔

یورپ و امریکہ کی دورخی پالیسی کی کوئی حد نہیں:

مسلمانوں اور دیگر اقوام کے تئیں یورپ اور امریکہ کی دورخی پالیسی کی کوئی حد نہیں اور نہ ہی یہ اُن بے شمار مسائل کے میدانوں میں سے کسی ایک میدان تک محدود و منحصر ہے، جن کی تخلیق کے تعلق سے، عالمی صہیونیت کے زیرِ قیادت امریکہ اور یورپ نے اِس لیے بھرپور سرگرمی دکھائی کہ اِن مسائل کی دلدل میں اِس طرح مسلمانوں کو پھنسا دیا جائے کہ وہ قیادت اور دنیا کی رہ بری- کہ یہ دونوں خیر امت ہونے کی وجہ سے بلا شرکتِ غیرے اُنھی کا حق ہے- کے لیے وقت نکال پانا تو درکنار، تعمیرِ ذات اور ٹیکنیکل، سائنسی، صنعتی اور عسکری ترقی کے ناگزیر امور پر بھی سوچنے اور لائحہ عمل مرتب کرنے کا اُنھیں موقع نہ مل سکے۔

ایٹمی اسلحہ اور دیگر جدید ترین ہتھیاروں کے حصول کی مسلمانوں کی راہ، جس طرح

امریکہ ماضی میں رو کے کھڑا رہا ہے، یہ کوئی اتفاقی بات نہیں۔ جب کہ دوسری طرف امریکہ سائنس، صنعت وحرفت اور ہتھیار سازی کے میدانوں میں برابر صہیونیوں کی مدد کرتا رہا اور اُنھیں عسکری اعتبار سے مضبوط بنانے کے لیے پیہم، اُن کے ساتھ معاہدے کرتا رہا، یہاں تک کہ زبردست ایٹمی صلاحیت کا حامل ہونے کی وجہ سے، صہیونی دشمن اتنا طاقت ور ہوگیا ہے کہ وہ کئی بار سارے عربی ممالک کو تباہ و برباد کرسکتا ہے۔ ایسے ہلاکت خیز ہتھیار صرف دنیا کے گنتی کے تین یا چار ہی ممالک کے پاس ہیں۔

اسلامی اور عربی ممالک کے بوسیدہ ہتھیاروں کے حوالے سے امریکہ کی فکر مندی:

اسلامی اور عربی ممالک کے پاس بوسیدہ اور کم زور قسم کے جو ہتھیار ہیں (حال آں کہ ہیں بھی یا نہیں اِس میں بھی شک ہے) اس کی فکر امریکہ کو ہر وقت پریشان کیے رہتی ہے، جب کہ یہ ہتھیار اتنے آؤٹ آف ڈیٹ اور پرانے ہیں کہ اگر مستقبل میں اُن کے اور اسرائیل کے درمیان، یا اُن کے اور امریکہ اور یورپ- جو اسرائیل کی پیٹھ مضبوط کررہے ہیں- کے مابین کوئی جنگ چھڑ جائے، تو یہ ہتھیار کچھ بھی کام نہ دے سکیں گے۔ ہر چند کہ امریکہ ہمیشہ اپنی اِس گھبراہٹ اور پریشانی کا اظہار کرتا رہتا ہے(۱)؛ لیکن حال ہی میں امریکہ کی ایک عسکری اکیڈمی میں امریکی صدر بش نے جو تقریر کی ہے، وہ واقعی اِس کی عکاس ہے کہ کسی اسلامی ملک کے بوسیدہ اور کُند ہتھیار کے حوالے سے بھی وہ کتنا پریشان ہے۔ بش نے اپنی تقریر میں کہا تھا: ''ہم نہ صرف اپنے ملک؛ بل کہ پوری دنیا سے اِس زبردست اذیت رساں خطرے کو ہٹا کر ہی دم لیں گے، ہم ایسی ڈکٹیٹرانہ اور سر پھری حکومتوں کو ہرگز قبول نہ کریں گے، جن کے اندر وسیع تر تباہی کے ہتھیاروں کو ترقی دینے، یا اِس قسم کے ہتھیار دہشت گرد تنظیموں تک پہنچانے کی طاقت ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ ہم ایسے خودسر اور

(۱) جیسا کہ پاکستان، سیریا اور ایران کے حوالے سے اُس کی پریشانی دیدنی ہے۔

سرکش افراد کی باتوں پر اعتماد کرلیں، جو وسیع تر تباہی کے ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ کے معاہدوں پر دست خط کر کے باقاعدہ طور پر اُن کو توڑ ڈالتے ہیں۔ بلاشبہہ یہ پابندیاں ابھی ختم نہیں ہوئی ہیں۔ ہماری امن وسلامتی کا تقاضا ہے کہ سارے امریکی پرعزم رہیں۔ ہمیں دشمنوں کے ٹھکانے میں گھس کر جنگ کرنی ہے، اُن کے منصوبوں کو ناکام بنا دینا ہے اور اُن کی خوف ناک دھمکیوں کا مقابلہ کرنا ہے۔'' بش کے صدارتی خطاب کو منظرِ عام پر لانے والے ذرائع ابلاغ اور خبر رساں ایجنسیوں نے ہی دوٹوک انداز میں کہا ہے: امریکی صدر نے اپنی دھمکی کے ذریعے، اِشارے کنایے میں عربی اور اسلامی ممالک سے جنگ لڑنے کے ارادے کا اظہار کیا ہے اور وہ ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کی آڑ میں، امریکی اسلحہ خانوں کو وہاں منتقل کرنے میں جٹے ہوے ہیں؛ تاکہ وہ اُن خودسر حکومتوں کو اکھاڑ پھینکیں، وسیع تر تباہی کے ہتھیاروں کے حصول، یا- بش کے بہ قول- اُن ہتھیاروں کو دہشت گرد گروپوں (۱) تک پہنچنے کی راہ روک دیں۔

گفتار و کردار میں امریکہ اور یورپ کی دو رخی پالیسی، زندگی کے کسی خاص شعبے تک محدود نہیں؛ بل کہ یہ زندگی کے سارے شعبوں پر محیط ہے۔ چناں چہ جہاں دونوں نے مشرقی تیمور کی عیسائی اقلیت کے لیے حقوق انسانی اور مذہبی وعقائدی آزادی کے نام پر انڈونیشیا کے خلاف پوری دنیا کو لاکھڑا کیا ہے، وہیں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ یہی امریکہ اور یورپ ہر جگہ مسلم اقلیتوں کے حقوق پر شب خوں مارنے کی حمایت کررہے ہیں، خواہ یہ حقوق اس ملک میں بسنے والے دوسرے شہریوں کی طرح، ایک شہری ہونے کے ناطے عبادت سے متعلق ہو، یا امن وسلامتی اور بود و باش سے متعلق ہو۔ میں نے اِس سلسلے میں، پچھلی سطروں میں بتلایا ہے کہ روس کس طرح چیچنیائی مسلمانوں کے شہری اور مذہبی آزادی کے حقوق پر دست درازی کررہا ہے۔

(۱) دہشت گرد جماعتوں یا گروہوں سے بش کی مراد اِسلام پسند ہیں، جو بش کی اسرائیل اور عالمِ اسلام و عالمِ عرب بالخصوص فلسطین کے تعلق سے **منافقانہ** دوہری پالیسی کی وجہ سے ''تنگ آمد بہ جنگ آمد'' کی پالیسی پر عمل کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگے ہیں۔

عوامی چین کا اپنے مسلم شہریوں کے ساتھ ظلم وستم:

عوامی چین اپنے ہاں کے مسلمانوں کے ساتھ جو ظلم وستم روا رکھے ہوا ہے، وہ امریکہ اور روس کے دم چھلے یورپی ممالک سمیت دنیا کی نظروں سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ چناں چہ چین پہلے بھی مسلمانوں کو جیل خانوں اور قید کی کوٹھریوں میں بھرتا رہا اور اب بھی وہ چن چن کر اُنھیں کال کوٹھریوں میں ڈال رہا ہے اور اُنھیں بے رحمی سے تختۂ دار پر لٹکا رہا ہے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل تنظیم نے اپنی سالانہ رپورٹ میں یہ انکشاف کیا تھا کہ اُس کے سروے کے مطابق گزشتہ سال چین میں ۴۰۱۵ مسلمانوں کے خلاف پھانسی کا وارنٹ جاری کیا گیا اور ۲۴۶۸ مسلمانوں کو پھانسی دی گئی۔ ساتھ ہی اُس نے یہ بھی بتایا تھا کہ حقیقی اعداد و شمار اِس سے کہیں زیادہ ہیں؛ کیوں کہ چین اِس تعلق سے ہمیشہ حکومتی اعداد و شمار کے حوالے سے اِس پالیسی پر عمل کرتا رہا ہے کہ وہ اُنھیں روشنی میں نہ آنے دے۔ کیا امریکہ نے (جس نے کئی ایک اسلامی ملکوں کو، اُس کے معاملات میں دخل در معقولات کرنے کی اِس بہانے دھمکی دی اور ہنوز دے رہا ہے- واضح رہے کہ اِس سے پہلے اُس نے انڈونیشیا کے اندرونی معاملات میں ٹانگ اڑائی اور مشرقی تیمور کو اُس سے الگ کرنے کی زبردست کوشش کی- کہ وہاں کی اقلیتیں محفوظ نہیں ہیں اور وہاں اقلیتیں اپنے مذہبی رسم و رواج کی ادائیگی کے حق سے محروم ہیں) چین کو مذکورہ اقدام سے باز رکھنے کے حوالے سے کوئی سرگرمی دکھائی؟ ہرگز نہیں اور وہ ایسا کرنے کی سوچ بھی نہیں سکتا؛ چوں کہ اُسے اچھی طرح معلوم ہے کہ چین اتنا طاقت ور ملک ہے کہ وہ اُس کو مزہ چکھانے اور برابری کی سطح پر اُس کا مقابلہ کرنے کی جرأت دکھا سکتا ہے۔ اگر امریکہ چاہے، تو اِس حقیقت کو آزما کر دیکھ لے۔

فلسطینیوں کے حقوق کے تعلق سے، امریکہ کا اپنے اصول سے انحراف:

امریکہ نے کتنی بار، مظلوموں کو، ظالموں کی چیرہ دستیوں سے بچانے، اُن کے حقوق

کا دفاع اور ملکوں کی آزادی کی جائز اور معقول جدوجہد کی تائید وتعاون کا نعرہ بلند کیا۔ اِس اصول کی روشنی میں؛ بل کہ اِس اصول کی پاسداری کے لیے ہی امریکہ نے انڈونیشیا کے خلاف مشرقی تیمور کے عیسائی علاحدگی پسندوں کی حمایت کی۔ لیکن اس نے روز اول سے ہی عموماً اور افغانستان میں بادی النظر میں دکھائی دینے والی چند عسکری فتوحات حاصل کرنے کے بعد خصوصاً، اُن غاصب صہیونیوں کے خلاف فلسطینی عوام کی صد فی صد جائز جدوجہد آزادی کے حوالے سے اپنے اِس اصول کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا، جو پچاس سالوں سے تمام عالمی قراردادوں اور اقوامِ متحدہ کی تجویزوں کے ساتھ کھلواڑ کرتے رہے ہیں، اِن ظلم پیشہ صہیونیوں نے، ظلم وستم کی تمام قسموں کو اِس طرح فلسطینیوں پر آزمایا، جس کی نظیر تاریخ انسانی نے شاید و باید ہی دیکھی ہوگی۔

تادمِ تحریر صہیونی، امریکی ساخت کے وسیع تر تباہی پھیلانے والے ہلاکت خیز ہتھیاروں کے ذریعے مزید وحشیانہ جرائم کے ارتکاب سے باز نہیں آئے اور نہ ہی فلسطینی شہروں، دیہاتوں اور کیمپوں میں، مکانوں کو اُن کے مکینوں کے سر پر ڈھائے جانے کا سلسلہ رکا۔ اِس خون خرابے کے نتیجے میں سینکڑوں معصوم بچے، عورتیں، بوڑھے اور معذور اپنی جانوں سے ہاتھ دھو چکے ہیں۔ خون خرابے کے ساتھ ہزاروں فلسطینی جوانوں کو حوالۂ زنداں کرنے کی مہم بھی زور وشور سے چل رہی ہے، جیل خانے میں اُن نوجوانوں کو طرح طرح سے سزائیں دی گئیں اور اُن کے ساتھ ہر طرح کے ذلت آمیز سلوک کو روا رکھا گیا۔

جنین میں فلسطینیوں کا قتلِ عام:

''جنین'' میں صہیونیوں نے جو قتلِ عام کیا، اُس کی وجہ سے پوری دنیا کو یہ یقین ہوگیا ہے کہ وہ لوگ کتنے سنگ دل اور درندہ صفت ہیں؛ لیکن یورپ، امریکہ اور اُس کی اقوامِ متحدہ (جو آزادی، امن وسلامتی، حقوقِ انسانی اور عوام کو مدہوش کر دینے والے بہت سے زرق برق نعروں کا علم اٹھائے پھرتی ہے) نے فلسطینی مقتدرہ کے خطے میں عموماً اور

''جنین'' میں خصوصاً بدتر ہوتی ہوئی صورتِ حال کے جائزے کے لیے قائم، تفتیشی کمیٹی- جس کو اُس نے بہ ظاہر بین الاقوامی ارادے سے کھلواڑ کرنے کے لیے تشکیل دی ہے-کو بھیجنے کی ہمت بھی نہ دکھائی؛ بل کہ اُنھیں اُس کمیٹی کو تحلیل کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اسرائیل نے پوری دنیا کو چیلنج کرتے ہوے، کسی بھی طرح اُس کمیٹی کی جنین آمد کو گوارا نہ کیا؛ لیکن دونوں منافقوں: اقوام متحدہ اور امریکہ (جنھوں نے مشرقی تیمور کی آزادی والے جشن میں بہ عجلت شرکت کی تھی۔ اُسی جشن میں اقوامِ متحدہ کے جنرل سکریٹری ''کوفی عنان'' نے بے شرمی کی تمام حدوں کو پار کرتے ہوے، مشرقی تیمور کے عیسائیوں کا خیر مقدم کیا تھا اور یہ کہا تھا: تمھیں اپنے کارنامے پر فخر کرنا چاہیے کہ ایک چھوٹی سی قوم بھی پوری دنیا سے اپنی بات منوا سکتی ہے'') نے اپنی غیر انسانی حرکات کے ذریعے عالمی قوانین اور قراردادوں کو چیلنج کرنے والے سرکش اسرائیل پر نہ ماضی میں کوئی دباؤ ڈالا اور نہ مستقبل میں اِس کی اِن دونوں سے کوئی امید کی جاسکتی ہے۔ یہ دوہرا رویہ اِس لیے اختیار کیا گیا کہ یہاں اِس قضیے کا تعلق مسلمانوں اور عربوں سے ہے اور اِس میں اُن کے مدمقابل وہ صہیونی ہیں، جن کی گرفت میں پوری دنیا، خصوصاً امریکہ اور یورپ کے سیاست دانوں اور رہ نماؤں کی گردنیں ہیں۔

دنیا کے ۷۰ ملکوں کے علما و مفکرین کا قابلِ ستائش اِقدام:

اِسی پس منظر میں دنیا کے ۷۰ ملکوں کے علما، دانش وروں اور داعیوں نے ایک قابلِ تعریف کام یہ کیا ہے کہ اُنھوں نے اسلامی امور کی سُپریم کونسل کی چودھویں سالانہ کانفرنس کے ماتحت قاہرہ میں ہونے والی اپنی میٹنگ کے اخیر میں، دہشت گردی اور وطن کی آزادی کے جائز دفاع، نیز اپنا مستقبل طے کرنے کے مقصد سے جائز حقوق کے لیے عوام کی کوشش اور اپنی مٹی کو غیروں کے چنگل سے آزاد کرانے کے لیے مُسَلّح اور غیر مُسَلّح جدوجہد کو برابر قرار دیے جانے کی کوششوں کی کھل کر مذمت کی۔ صبحِ روشن کی طرح یہ بات عیاں ہے

کہ اِن کوششوں کی پشت پر ریاست ہائے متحدہ ہی کار فرما ہے اور وہی اِس قسم کے منصوبے تیار کررہا اور عالمی صہیونیت کو اِن کی تعلیم دے رہا ہے، جس کی دلی خواہش ہے کہ صرف امریکہ ہی نہیں؛ بل کہ پوری دنیا یہ یقین کرلے کہ مقبوضہ زمینوں میں صہیونیوں کے خلاف فلسطینیوں کی مُسَلَّح اسلامی جدوجہد ''دہشت گردی'' ہے۔

اِن علما اور دانش وروں نے ایک اچھا کام یہ بھی کیا کہ اِنھوں نے غیر اسلامی ممالک سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اپنے ہاں کی مسلم اقلیتوں کو مذہبی اور معاشرتی آزادی دینے کے ساتھ، اُنھیں اپنی عائلی زندگی میں اسلامی قوانین نافذ کرنے کی بھی کھلی چھوٹ دیں۔

اِن لوگوں نے، اسرائیلی جارحیت کا منھ توڑ جواب دینے کے لیے انتفاضۂ مبارکہ کے ساتھ تعاون کی اپیل کی اور واضح لفظوں میں کہا کہ یہ انتفاضہ، اپنی جان کے دفاع اور اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے جائز حق کے اُصول کو کام میں لانے کے مترادف ہے۔ ساتھ ہی اِنھوں نے مسلم عوام سے یہ اپیل بھی کی کہ وہ اپنے تمام وسائل سے اِس انتفاضے کو مضبوط کریں، یہاں تک کہ جارحیت کا سلسلہ ختم ہو اور اپنی آزاد ریاست اور شہرِ قدس میں اُس کے دارالحکومت کے قیام کے حوالے سے فلسطینیوں کو اُن کا جائز حق حاصل ہو۔

کانفرنس کے شرکا کا بروقت اِقدام:

قاہرہ میں اختتام پذیر اِس میٹنگ کے شرکا نے وقت کے تقاضوں پر بھی عمل کرکے دکھایا۔ چناں چہ اُنھوں نے دنیا کے عوام اور دنیا کی قیادتوں - جن میں وہ امریکی قیادت بھی شامل ہے، جس کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈے اور ظلم وستم کی بڑی سے بڑی فصل کاٹنے کا اعزاز حاصل ہے - کے نام بغیر کسی اِبہام کے بیان جاری کیا، جس میں اُنھوں نے ذرائع ابلاغ کے اُس پرشور پروپیگنڈے سے خبردار کیا، جو مسلمانوں، خصوصاً دین داروں، مذہبی تعلیم دینے والوں اور اسلامی دعوت کا کام کرنے والوں کے سر یہ الزام منڈھنے میں کام یاب ہوگیا ہے کہ یہ لوگ دہشت گردی کو فروغ دے رہے ہیں؛ چوں کہ

اِن پروپیگنڈوں نے کسی نہ کسی طرح اسلام اور ''دہشت گردی'' کو ایک ساتھ جوڑ دیا ہے؛ اِس لیے اُنھوں نے اِس امر پر زور دیا ہے کہ ایک ایسے معروضی اقدام کے ذریعے، اسلام اور مسلمانوں کو اِس صریح ظلم کا مقابلہ کرنا چاہیے جس سے نہ صرف دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے؛ بل کہ جس سے اسلام کی وسعت ورواداری اور ساتھ ہی دہشت گردی، انتہا پسندی اور تشدد کی حقیقت بھی عیاں ہو جائے۔ اُنھوں نے یہ بھی کہا کہ دہشت گردی ایک عالمی مسئلہ ہے، اِس کا کسی بھی طرح مذہب بالخصوص اُس اسلامی مذہب سے کوئی تعلق نہیں، جو سارے انسانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے اور جو انسانوں کو ہر طرح کے بیجا بوجھ اور طوق وسلاسل سے آزاد کرانے کے لیے آیا ہے۔

اِس عظیم کانفرنس کی قرارداد:

اگر چہ اِس عظیم کانفرنس کی قرارداد بروقت منظرِ عام پر آئی ہے اور یک بہ یک مسلمانوں اور مجاہد فلسطینی بھائیوں کی دلی خواہشات پر پوری اتری ہے؛ لیکن پوری دنیا کے ہم مسلمانوں کی یہ بھی تمنا ہے کہ یہ اور اِس کے علاوہ دوسری قراردادیں اور سفارشات، دگر کانفرنسوں اور میٹنگوں کی طرف سے جاری ہونے والی، ماضی کی بہت سی قراردادوں کی طرح نذرِ طاقِ نسیاں نہ بن جائیں۔ نیز ہماری یہ بھی خواہش ہے کہ دعوتی اور فکری میدان میں کام کرنے والے افراد، ہر ملک اور ہر خطے کی اسلامی اور عربی قیادتوں کو اِس حوالے سے بیدار کرنے کے لیے کوئی کسر باقی نہ رہنے دیں کہ وہ اِس خطرے کی سنگینی کو محسوس کریں، جنھیں صہیونی اور امریکی عزائم نے جنم دیا ہے۔ اِن عزائم کا اظہار امریکہ بار بار کرتا رہا ہے اور جو اُس کے گفتار و کردار سے بھی عیاں ہے کہ وہ اسلام، مسلمانوں اور عربوں کے خلاف دشمنانہ رویہ اختیار کرتا رہا ہے اور اُن کی حکومتوں اور ملکوں کے ساتھ اپنے طرزِ عمل کے ذریعے، عربوں و مسلمانوں اور دگر قوموں کے مسائل کے درمیان فرق کرنے پر اٹل رہا ہے۔ ہماری یہ بھی آرزو ہے کہ ہمارے دانش ور، اسلامی اور عربی قیادتوں کے اندر یہ

احساس بیدار کریں کہ کھلا ہوا امریکی رویہ ہمارے لیے یہ عذر ہی کہاں چھوڑتا ہے کہ ہم اُس کی ''معصومیت'' کے اثبات کے لیے بہانے تلاش کریں اور ہم امریکہ سے اپنی امیدیں وابستہ کرتے رہیں اور ہم امریکہ سے یہ اپیل کریں کہ وہ ظالم وغاصب صہیونیوں اور مظلوم مسلمانوں اور عربوں کے مابین غیر جانب دارانہ رویہ اپنائے۔ساتھ ہی امریکہ سے یہ مطالبہ بھی کریں کہ وہ کسی بھی ملک میں رونما ہونے والی اُس جارحیت سے اپنے کو دور رکھے، جس کی آگ بلاتفریق، ہر ایک کو اپنی لپیٹ میں لینے والی ہے۔امریکی رویے کے بے نقاب ہو جانے کے بعد، اُس کے لیے وہی احمق اور غبی شخص بہانے تلاش کر سکتا ہے، جو رات اور دن، نیز بے غیرت وغیرت مند کے درمیان امتیاز کرنے کی فطری صلاحیت سے بھی عاری ہو؛ کیوں کہ موجودہ حالات نے کسی منافق شخص کے لیے بھی کوئی گنجایش نہیں چھوڑی ہے کہ وہ اُس کی آڑ میں امریکہ کا قرب حاصل کرے اور صہیونیوں سے اپنی توقعات وابستہ کرے؛ لیکن جو لوگ حالات سے صرفِ نظر کرنے اور شتر مرغ کی طرح ریت میں منھ چھپانے کے عادی ہوں، وہ مناسب وقت میں، خطرات کے حملے سے پہلے اور بُرے انجام کا منھ دیکھنے سے قبل بھی، حقیقت کا صحیح طور پر اندازہ نہیں لگا پاتے۔اے اللہ ہمیں غبی نہ بنا؛ بل کہ اُن لوگوں میں سے بنا جو بات کو بہ غور سنتے اور بہترین بات پر عمل کرتے ہیں۔



فلسطین کے دِگر خائن اور غدار قائدین کے لیے جاے عبرت(٭)

خداے عز و جل کی زندۂ جاوید کتاب قرآن میں یہودیوں کی بد دیانتی، فریب دہی، عہد شکنی، اُن کے ہاتھوں انبیا کے قتل؛ نیز اللہ اور مسلمانوں کو دھوکے میں ڈالنے کی اُن کی ناکام کوشش کے حوالے سے واضح الفاظ میں جو کچھ بیان ہوا ہے، اُس پر ایمان رکھنے والے بصیرت مندوں اور واقف کاروں کا، روزِ اول سے یہ یقین رہا ہے کہ یہودیوں اور اُن کے ہم نواؤں پر اعتماد، اُس شیطان پر اعتماد کرنے کے مترادف ہے، جس نے اِنسانوں سے کفر کرنے کو کہا، جب اُس نے کفر اختیار کر لیا، تو شیطان نے کہا: میں تو تم سے اپنی برارت کا اظہار کرتا ہوں، اِس لیے کہ مجھے تو دونوں جہانوں کے پالن ہار کا ڈر ہے۔ (حشر/١٦)

لمبے عرصے تک یاسر عرفات، اُن کے حکومتی رفقا اور دوسرے عربی قائدین و سیاست دانوں نے؛ چوں کہ یہودیوں اور انسانوں کی نسل سے تعلق رکھنے والے اُن کے حلیفوں پر بھروسہ کیا؛ اِس لیے اُن امن معاہدوں اور امن مذاکرات کے اُکتا دینے والے اور ذلت آمیز سیریل میں خود بھی پھنسے اور فلسطینیوں کو بھی پھنسا دیا، جو در حقیقت فلسطینی فریق کو اپنے حقوق اور قضیۂ فلسطین کے مُسَلَّمات سے پے در پے دست برداری، نیز یہودیوں کے مفادات کو مستحکم کرنے اور اُن کے حقوق کی مکمل نگرانی پر مجبور کرنے کی کارروائیوں کے مترادف تھے۔

(٭) ترجمہ کلمۃ المحرر، الداعی، شمارہ:٦، جلد:٢٦، جمادی الاخری ١٤٢٢ھ = اگست-ستمبر ٢٠٠٢ء۔ ترجمہ اردو: دوشنبہ: ١٢/٤/١٤٢٨ھ = ٣٠/٤/٢٠٠٧ء۔

عرب لیڈروں کے ذلت کو قبول کر لینے اور جال میں پھنس جانے کے باوجود، یہودیوں اور اُن کے حامی صلیبیوں، صنم پرستوں اور بے دینوں نے صرف یہ کہ عرفات کو مسلسل رسوا کرنے اور اُنھیں بلا انقطاع پریشان کرنے پر بس نہ کیا؛ بل کہ یک جٹ ہو کر اُن پر ٹوٹ پڑے اور اُنھیں بہ جلد اور بلا کسی تاخیر خفیہ طور پر ٹھکانے لگانے کا عزم کر لیا؛ چوں کہ اُنھیں اِس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ یہ آدمی اُن کے مطلوبہ مُتوقّع معیار پر پورا نہیں اُترا، اِس نے نہ تو اپنے سے وابستہ اُن کی امیدوں کو پورا کیا، نہ سارے ''دہشت گردوں'' کا قلع قمع کیا، نہ اُن سے حساب بے باق کیا اور نہ ہی اس نے اُن دہشت گردوں کو صہیونیوں کے حوالے کیا کہ وہ اُن سب کو تہِ تیغ کر ڈالیں اور اُنھیں وہ سزا دیں جو وہ دینی چاہتے ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ عرفات نے یہودیوں کے مفادات کی تائید اور فلسطینیوں کے مفادات کو زک پہنچانے کے سلسلے میں، مقدار و معیار کسی بھی لحاظ سے اپنے رول میں کوئی کوتاہی نہیں کی؛ لیکن جس طرح شیطان انسانوں کو راہ بھٹکانے اور اُنھیں ذلت و رسوائی کے گہرے کھڈ میں گرانے کے حوالے سے کسی ایک حد پر نہیں رکتا، اُسی طرح اپنے دشمنوں کو ذلیل کرنے کے سلسلے میں کسی ایک معیار پر، برادرانِ شیطان: یہودیوں اور اُن کے حلیفوں کا جی نہیں بھرتا؛ بل کہ وہ اچھی طرح ذلیل کرنے کے لیے ہمیشہ اُس سے خوب تر معیار کی سوچتے رہتے ہیں۔

سب کو معلوم ہے کہ یہودی اور اُن کے امریکی حلیف عرفات کو اب تک زندہ بہ خیر نہ چھوڑتے، اگر اپنے رب پر ایمان رکھنے والے جوان، حوصلہ مندانہ مزاحمت کا مظاہرہ نہ کرتے اور شہادت کا وہ جذبہ نہ دکھلاتے، جس پر اُنھیں اللہ کے وعدے پر یقین کی دولت ابھار رہی ہے۔

یہودیوں اور اُن کے حلیفوں نے چند سال قبل ہی عرفات اور اُن کے گروپ کے لوگوں سے حساب صاف کر لیا ہوتا، اگر اُنھیں مزاحمت پر آمادہ فلسطینی جوانوں اور بچوں کا نادانستہ اخلاقی تعاون حاصل نہ ہوتا۔ اِسی مزاحمت نے ہمیشہ دنیا کی آنکھیں کھولی ہیں اور

قضیہِ فلسطین کے جسم میں خونِ تازہ کی ترسیل کر کے اسے زندہ رکھا ہے، جب کہ صہیونیوں اور امریکی انتظامیہ نے ہمیشہ اس کی سر توڑ کوشش کی ہے کہ وہ دنیا کے ذہن سے اس قضیے اور ارضِ مبارک پر فلسطینیوں کے حقوق کو او جھل کر دیں۔

معمولی غیرت و خودداری رکھنے والے شخص کے لیے بھی یہ عبرت کی جا ہے، ہر عربی، ہر فلسطینی اور ہر مسلمانوں کو اِس مقام پر رک کر یہ سوچنا چاہیے کہ صہیونی اور امریکی کس طرح مطلب برآری اور کسی بھی مسئلے میں مطلوبہ منزل تک رسائی کے بعد، اپنے دوستوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

یہی ہر اُس شخص کا انجام ہوگا، جو یاسر عرفات کا جانشیں بننے کا خواب اِس لیے دیکھ رہا ہے کہ وہ انتفاضے کی سچائی، شہدا کے خون، فلسطینیوں کے زخم، جوانوں اور بوڑھوں کے قتل اور ماؤں و بہنوں کی آبرو پر سودے بازی کرے۔

ہم یہ بات اِس حقیقت کے باوجود کہہ رہے ہیں کہ ہمارا یہ ایمان ہے کہ قائدین وزعما کے انتخاب کا اختیار فلسطینیوں کو ہے نہ کہ صہیونی، امریکی یا ہمارے خون، ہماری عزت اور ہماری زمینوں سے کھلواڑ کرنے والوں کو؛ لیکن بے ایمانوں اور غداروں کو جلد یا بہ دیر ایک ہی انجام سے دوچار ہونا ہے، تو کیا ہماری عربی اور اسلامی صف کے دگر بددیانت قسم کے لوگ اِس سے عبرت حاصل کر سکیں گے؟!۔



ہمیں مزاحمت کی ترجیح کا بھی تجربہ کرنا چاہیے

اِس لیے کہ امن وشکست خوردگی کی پسند کو ہم عرصے سے آزما رہے ہیں (٭)

صہیونیوں کے ساتھ صلح صفائی، درحقیقت گناہوں کا ایسا پشتارہ تھا، جس نے مسلمانوں اور عربوں کو ذلت ورسوائی کے ایسے سیریل تک پہنچادیا، جس نے نہ ماضی میں کسی موڑ پر ختم ہونے کا نام لیا اور نہ مستقبل میں ختم ہونے کی کوئی امید ہے۔ ہاں اگر مسلمان اور عرب اپنے موجودہ رویّے سے توبہ کرکے بہادرانہ مزاحمت اور اُس مُقدّس اور عظیم جہاد کے لیے اپنے ارادوں کی تصحیح کرلیں، جو زمینوں کی آزادی اور آبرو- جسے صہیونیوں نے آخری حد تک پامال کرنے کی کوشش کی- کی بہ حالی کی واحد راہ تھا، رہا ہے اور آیندہ بھی رہے گا، تو ذلت ورسوائی کا یہ طویل سلسلہ ختم ہوسکتا ہے۔

خوف ناک منفی اثرات، شکست خوردگی کا نتیجہ:

ہم تمام سطحوں پر آئے دن جن خطرناک اور خوف ناک منفی اثرات کا مشاہدہ کررہے ہیں، وہ بلاشبہہ اُس شکست خوردانہ سیریل کا نتیجہ ہیں، جس میں ہمیں دشمنوں نے اُن امن مذاکرات ومُعاہدات کے نام پر پھنسا ڈالا ہے، جن کو اُن دشمنوں نے سرزمینِ فلسطین پر اپنے منصوبوں کو نافذ کرنے اور فلسطینیوں کے سلسلے میں اپنی سازشوں کو بروے

(٭) ترجمہ اداریہ (کلمة العدد) الداعی، بہ عنوان: "لِنُجَرِّبْ خِيَارَ الْمُقَاوَمَةِ.. فَقَدْ جَرَّبْنَا طَوِيْلاً خِيَارَ السَّلَامِ وَالْاِسْتِسْلَامِ"، شمارہ: ٦، جلد ٢٦، جمادی الاخری ١۴٢٣ھ = اگست-ستمبر ٢٠٠٢ء۔ ترجمہ اردو: دوشنبہ: ١۴٢٨/٥/١٠ھ = ٢٠٠٧/٥/٢٨ء۔

کارلانے کامختصر اور قصیر المسافت راستہ بنالیا ہے۔

اِن ناکام اور مایوسانہ کوششوں ہی کی وجہ سے عربوں کو پے در پے اپنے حقوق سے دست برداری کی ذلت برداشت کرنی پڑی؛ لیکن اِس کے باوجود صہیونیوں کی دشمنی کی بھوک نہیں مٹی اور اُن کے توسیع پسندانہ عزائم کی آگ سرد نہیں ہوئی؛ بل کہ دن گزرنے کے ساتھ، اُن کی بھوک اِتنی شدید ہوتی گئی کہ حلال غذا کو تو جانے دیجیے کہ اِس پر یہودیوں کا بالکل اِیمان نہیں، اُنھیں روئے زمین کی خاک اور گندگی کی، کوئی مقدار بھی آسودہ نہیں کرسکی۔

پروفیسر ''غسان حمدان'' نے اپنی کتاب ''اَلتَّطبِیعُ'' میں سچ ہی لکھا ہے: ''موجودہ زمانے میں مسلمانوں کو دو ایسے غیر فطری حادثات سے دوچار ہونا پڑا، جن کا مسلم عوام کی ذلت وغلامی والی زندگی میں بڑا مؤثر رول رہا ہے۔

''پہلا واقعہ تو وہی خلافتِ اسلامیہ کے سقوط والا ہے کہ وہ مسلمانوں کی اپنی شناخت سے محرومی اور آپس میں ہی پھوٹ پڑ جانے کا دردناک آغاز ثابت ہوا۔ اِسی بکھراؤ سے شہ پاکر عالمی سازش کے دونوں محور (یہودیت وعیسائیت) نے اِسلامی خطوں کے حصے بخرے کرکے اتنی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بانٹ دیا کہ اُن میں اپنا دفاع کرنے یا سرکش طاقتوں کے سامنے ثابت قدم رہنے کی طاقت نہیں رہی۔ اِسی وجہ سے سامراجی طاقتیں ہماری مسلم قوم کے دل ودماغ پر مُسَلَّط رہیں۔ مسلمانانِ عالم پر اِس زمانے میں قومیت، اشتراکیت اور سیکولرزم کی اتنی حکم رانی رہی کہ وہ اِنسانی عزّت کے کسی ذرّے کا بھی اِحساس اپنے دلوں میں نہیں رکھ سکے؛ چناں چہ سچی بات یہ ہے کہ مسلمان، سیاسی زوال کے اِتنے اَدنیٰ معیار تک جاپہنچے کہ وہ دنیا والوں کے لیے مضحکہ خیز بن گئے اور بزدلی، ذلت اور بددیانتی میں اُن کی مثال دی جانے لگی۔ حال آں کہ وہ عزت وشرافت سے مالا مال تھے، بڑے بڑے طاقت ور ممالک اُن سے خوف کھاتے تھے اور ہزار مرتبہ اُن سے پناہ مانگتے تھے۔ ایسا کیوں ہوا؟ اِس کا سادہ اور آسان جواب یہ ہے کہ مسلمانوں نے نہ اسلام کو صحیح

معنوں میں سمجھا اور نہ اُس پر کاربند رہے؛ نیز اُن کے ذہن ودماغ اور قوانین ودستور سے شریعت خداوندی کی بو باس ختم ہوگئی اور اُنھوں نے اُن جنگی میدانوں میں بھی شریعتِ اِسلامیہ کو بالائے طاق رکھ دیا، جنھیں اُنھوں نے کھوکھلے نعروں اور بے حقیقت للکاروں کے تحت لڑا۔

''مقامی، عالمی اور اشتراکی پروپیگنڈوں نے جن مسائل ومشکلات کو جنم دیا ہے، وہ مختلف الجہات اور بڑے سنگین ہیں۔ اُنھی مسائل میں مسلمانوں نے پھنس کر، خود اپنے ہاتھوں اپنے آباد گھروں کو اجاڑ ڈالا؛ کیوں کہ خدائی اُصولوں سے انحراف کا نتیجہ، شیطان کے پھینکے ہوے جال میں پھنس جانے اور جاہلیت کی راہ پر چل پڑنے کی شکل میں ہی سامنے آتا ہے۔ چناں چہ ہم مسلمانوں نے جب عالمی طاقتوں پر اعتماد کیا اور امریکہ وروس کا سہارا لیا، تو جہالت وناخواندگی ہمارے اندر عام ہوگئی، ہم تہذیب وتمدن کے تیز رو قافلے سے پچھڑ گئے اور ہماری ساری تگ ودو مشرق ومغرب کی تقلید اور اپنے ملکوں میں وہاں کی گندی تہذیب کو روبہ عمل لانے تک محدود ہو کر رہ گئی۔

''اِنھی حالات کے زیرِ سایہ دوسرا المیہ یہ رونما ہوا کہ یہودیوں کے لیے اپنے منصوبوں اور اپنی سازشوں کو برپا کرنے کی راہ آسان ہوگئی۔ حال آں کہ اپنے اہداف کو بروے کار لانے کے حوالے سے صلیبی مشن کو بدترین ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا تھا اور یہ سارے مشن اپنی موت آپ مرگئے تھے؛ مگر اِس سے ناپاک صلیبی جذبہ فرو نہیں ہوا؛ بل کہ اِس کے برعکس ہنوز اِس کی یورش شباب پر ہے۔ یہی ناپاک صلیبی جذبہ اب تک سرکش یہودی طاقتوں کا زبردست تعاون کررہا ہے اور اِسی نے اپنے بل بوتے پر یہودی طاقتوں کو ارضِ فلسطین کو ہڑپنے، وہاں کے مسلمانوں کو ظلم وستم کی چکی میں پیسنے اور وہاں کی قدیم وبرتر تہذیب کا تیا پانچہ کرنے کی قوت بہم پہنچائی ہے، جس کے نتیجے میں مسلمان اپنے ہی وطن میں موجودہ حالات کے حاشیے پر، اجنبیت اور کس مپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں اور یہودیوں کے خدمت گار بنے ہوے ہیں۔

فلسطین کے دردناک اَلمیے نے اُن حقائق کو بے نقاب کر دیا ہے، جن کو انقلاب پسندی اور حب الوطنی، نیز ثابت قدمی اور تعاقب کے پُر فریب پردے میں چھپانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ فلسطین نے بلا استثنا ساری عربی حکومتوں کو ننگا کر کے رکھ دیا ہے۔ ایک طرف تو یہودی کھلم کھلا یہ اعلان کرتے پھر رہے ہیں کہ اُن کی جنگ، مکمل طور پر عقیدے کی جنگ ہے اور یہ کہ وہ اولاً اِسلام اور ثانیاً مسلمانوں کے خلاف ہیں: وَمَا نَقَمُوا مِنۡهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ" (البروج/۸)

ترجمہ: اور اُن سے اِسی بات کا بدلہ لیتے تھے کہ وہ زبردست تعریفوں والے اللہ پر یقین لائے۔

دوسری طرف اِس کے بالمقابل ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ مسلم قیادت کم زور ہوتی جارہی ہے، ذمے داری کی اہمیت کا اِحساس مفقود ہوتا جارہا ہے، ہم جنگی تیاری، ہتھیار بندی اور باہمی اتحاد کی راہ سے دور ہوتے جارہے ہیں اور ہم رسّی ڈھیلی چھوڑتے جارہے ہیں؛ تاکہ اُس کو ایسے لوگ بھی پکڑ لیں، جو اسلام اور مسلم دشمنی کے اعتبار سے یہودیوں سے کسی طرح کم نہیں۔

دسیوں بے دین پارٹیوں اور تحریکوں نے سادہ لوح اور ناتجربہ کار مسلمانوں کا ناجائز فائدہ اٹھا کر، اپنے آپ کو مسلم قوم کا جانشیں بنا کر پیش کیا ہے۔ اُن میں سے ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ وہ فلسطین میں یہودی جارحیت کا مقابلہ کر رہی ہے، جب کہ یہ پارٹیاں اور تحریکیں یہودیوں سے یہ منت سماجت کر رہی ہیں کہ وہ فلسطین میں اپنے حق کے عوض، صلح پر آمادہ ہو جائیں اور جنگ کی حالت کا خاتمہ کر ڈالیں۔ ہر چند کہ دشمنوں کی ریاست، مختلف حیلے حوالوں اور بالشتیے حکم رانوں کے باوجود، عربوں پر اپنا کنٹرول کرنے میں ناکام رہی؛ مگر یہودی مایوسی کا شکار نہ ہوئے؛ بل کہ موقعوں کی تاک میں لگے رہے اور عربی حکومتوں -جو "مسئلہ مشرق وسطیٰ" کے حل اور امن ومُصالحت والی کانفرنسوں کے انعقاد کا مطالبہ کرتی رہتی ہیں- کے اعلانات کے سبب، اُنھیں ایک نایاب اور سنہرا موقع ہاتھ لگ گیا۔ پھر مصر

کے صدر انور سادات نے فلسطین کا دورہ کر کے یہودیوں کے وجود کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ، اُن سے یہ اپیل بھی کرڈالی کہ اب وہ عربوں کے ساتھ امن وسکون کے ساتھ، گزربسر کریں۔ اسرائیل نے اِس موقع کو غنیمت جان کر، عربی خطے میں بہ تدریج اپنا کنٹرول قائم کرنے کی پالیسی کو مخفی رکھتے ہوے، فضامیں باہمی تعاون کے جھنڈے لہرانے شروع کردیے۔'' (استاذ غسان کی عبارت ختم ہوئی) (۱)

سارا گناہ، انور سادات کے کھاتے میں جائے گا:

مصری صدر انور سادات، امتِ مسلمہ کی پیٹھ میں خنجر گھونپنے والے، بددیانت قائدین وسیاست دانوں میں کوئی تنہا مجرم نہ تھے؛ لیکن چوں کہ قضیۂ فلسطین کے حوالے سے اِس بُری سنت کی اِیجاد کا سہرا اُنھی کے سرجاتا ہے؛ اِس لیے خود اُن کا اور اُن کے نقشِ قدم پر چلنے والے دوسرے لوگوں کا گناہ بھی اُنھی کے کھاتے میں جائے گا۔ اُن نام نہاد قائدین کی ایک لمبی فہرست ہے، جنھوں نے اُس وقت کے انتظار میں یہودیوں کے ساتھ خفیہ سانٹھ گانٹھ کی، جب وہ اُن کے ساتھ اپنی دوستی کا برملا اِعلان کرسکیں۔

قرارداد (۲۴۲) کی منظوری:

عربوں نے اقوامِ متحدہ کی قرارداد نمبر (۲۴۲) کو منظوری کیا دی کہ یہ اَرضِ فلسطین پر یہودیوں کے وجود کو مسترد کرنے والے عربی موقف کی پہلی پس روی ثابت ہوئی؛ اِس لیے کہ عربی حکومتوں نے ۱۹۶۷ء میں قبضہ کی گئی زمینوں سے اِنخلا کے محض وعدے کے بدلے، اسرائیل کے لیے پُرامن سرحدوں کو منظور کرلیا۔ اِس کے بعد تو عربی حکومتوں نے حد ہی کردی اور یکے بعد دیگرے اسرائیل کو تسلیم کرنے اور یہودیوں کے ساتھ بقاے باہم کے اُصولوں پر عمل کرتے ہوے، گزربسر کرنے جیسی تجاویز پر مبنی صلح صفائی کے کئی

(۱) التَّطبِیعُ.. اِستِرَاتِیجِیَّةُ الْاِختِرَاقِ الصَّهیُونِيّ، ط:۱، ۱۴۰۹ھ-۱۹۸۹ء، بیروت، لبنان، ص:۱۳-۱۴۔

مُعاہدوں پر دستخط کر دیے؛ رہا اسرائیل، تو اُس نے مذاکرات میں کیے گئے اپنے کسی بھی وعدے کو پورا نہ کیا۔

'مذاکرات' اور 'معاہدات' کے ڈراموں کے سیریل میں یہودیوں نیز امریکہ اور یورپ والوں کے ذریعے، عربوں کو پھنسانے کی کوششیں، درحقیقت، اُنھیں زیر کرنے کی ایک ہمہ گیر پلاننگ تھی؛ تاکہ عرب، یہودیوں کے مفادات، یعنی ارضِ فلسطین پر مکمل کنٹرول، وہاں سے مسلمانوں کو مار بھگانے، مسجدِ اقصیٰ کے ملبے پر ہیکلِ سلیمانی کی تعمیر اور نیل سے لے کر فرات تک، ایک عظیم صہیونی ریاست کے قیام کے لیے وفاشعار غلام بن جائیں۔

میڈریڈ کانفرنس اور معاہدۂ اوسلو:

اِس کے بعد نام نہاد امن کے قیام کے لیے ۱۹۹۱ء میں میڈریڈ کانفرنس منعقد ہوئی، پھر ۱۹۹۳ء میں وہ تاریخی معاہدۂ اوسلو ہوا، جس نے اسرائیل کے کل کے دشمن نمبر ایک یاسر عرفات کو، تنظیمِ آزادیٔ فلسطین کے صدر کی کرسی سے اتار کر، اِس ریاست کا صدر بنا دیا، جس کو صہیونی امریکی ریاست نے عوام کو دھوکے میں ڈالنے، اُنھیں گم راہ کرنے اور انتہائی مہارت واحتیاط سے تیار کیے گئے، صہیونی منصوبوں پر پردہ ڈالنے کے لیے ''قومی فلسطینی اتھارٹی'' کا نام دے دیا ہے۔ یہ اتھارٹی بھی ایک ایسی مضبوط لاٹھی سے کم نہیں، جو صہیونیوں کے بہ قول ''تخریب پسندوں'' یا ''دہشت گردوں''، یعنی فلسطینی رضا کاروں کے سروں پر برستی رہتی ہے۔

صہیونیوں نے یاسر عرفات پر، کبھی یقین نہ کیا:

حال آں کہ یاسر عرفات نے، قضیۂ فلسطین کو ختم کرنے، اُس کے ساتھ خیانت اور ہر قسم کی بے وفائی کے حوالے سے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ فلسطینی عوام کی پیٹھ میں خنجر گھونپنے،

مجاہدین کو اذیت دینے اور مُزاحمت کاروں کو سبق سکھانے کے تعلق سے کوئی کوتاہی نہ برتی اور انتفاضے کے اُن جوانوں اور اینٹ و پتھر اٹھائے اُن بچوں کو رگیدنے اور دوڑانے میں بھی کسی قسم کی فروگزاشت سے کام نہ لیا، جنھوں نے بزدلی، بددیانتی اور بے حیائی کے عہد میں بھی، شجاعت و بہادری اور غیرت و خودداری کی راہ پر چل کر دکھایا؛ لیکن صہیونیوں اور اُن کی حمایت کرنے والے صلیبیوں نے کبھی اُن پر (مسٹر عرفات پر) یقین نہ کیا، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ عرفات اُن کے سچے اور وفادار دوست اور اُن کے مُتوقّع معیار پر کھرا اُترنے والے ہیں۔ خصوصاً انھوں نے گیارہ ستمبر والے اِس واقعے کے بعد، اپنی وفاداری کا زبردست ثبوت پیش کیا ہے، جسے صہیونیوں اور صلیبیوں نے ساتھ مل کر اِس لیے برپا کیا تھا کہ وہ اِس کو دنیا کے ہر خطے اور بہ طورِ خاص فلسطین میں، اسلام کے ساتھ حساب بے باق کرنے کا بہانہ بنالیں۔

طالبان کا خاتمہ، القاعدہ کی بیخ کنی اور مجاہدین کے قتلِ عام کے حوالے سے، افغانستان کی سرزمین پر جوں ہی صلیبی بش نے کچھ کامیابیوں کا اِعلان کیا، یہودیوں نے فلسطینیوں کے خلاف اپنی جنگی کارروائیاں تیز تر کردیں۔ بش نے بہ جلد فلسطین کی ساری مزاحمتی اور جہادی تحریکوں کو دہشت گرد قرار دے دیا اور امریکہ کے بینکوں میں اُن کے محفوظ سرمایوں کو منجمد کرنے کا فرمان جاری کردیا۔ یہودیوں نے اپنے تمام امریکی سامان ہائے جنگ کا جم کر استعمال کرتے ہوے، بچوں، عورتوں اور مردوں کو موت کی نیند سلادیا اور گھروں کو، اُن کے مکینوں کے سروں پر منہدم کرڈالا اور ستم بالائے ستم یہ کہ اُنھوں نے امدادی تنظیموں کو، لاشوں کو اٹھانے، مریضوں کے علاج اور بھوکوں مر رہے لوگوں کو بچانے سے بھی، سختی سے روک دیا۔

مغربی کنارے میں، تباہی کا کھیل:

۲۸ر مارچ سے لے کر اواخرِ اپریل ۲۰۰۲ء تک، یہودیوں نے مغربی کنارے میں

زبردست تباہی مچائی، از سرِ نو اُس پر مکمل قبضہ کرلیا اور جنین کیمپ، نیز شہر ''نابلس'' میں اِس طرح خون کی ندیاں بہائیں، جس کی اُس عالمی میڈیا نے بھی مذمت کی، جو ہمیشہ منافقانہ روش پر چلتا رہا ہے؛ کیوں کہ وہ عالمی صہیونیت کی انگلیوں کے اشارے پر ہی ناچتا ہے؛ لیکن اسرائیل نے ''جنین'' اور اُس کے آس پاس کے علاقوں میں جو قتلِ عام مچایا، اُس نے کئی ایک عالمی ذرائع ابلاغ کو بھی مہرِ سکوت توڑنے اور اُن بعض حقائق کے اظہار پر مجبور کردیا، جنھیں سُن کر زندہ دل غیر مسلموں کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل آئے۔
چناں چہ اقوامِ متحدہ - جو درحقیقت ریاستِ اسرائیل کی بنیاد کو مضبوط کرنے، ارضِ فلسطین پر اُس کے قبضے کو برقرار رکھنے؛ نیز وہاں کے اصلی عربی فلسطینی باشندوں کو فلسطین سے نکال باہر کرنے اور پوری دنیا پر اوّلاً اور عربوں پر ثانیاً امریکی چودھراہٹ تھوپنے کا آلہ کار ہے- نے حقائق کی چھان بین کے لیے ایک کمیشن، جنین روانہ کرنے کا فیصلہ کیا؛ تاکہ وہ قریب سے اُس اَلَم انگیز صورتِ حال کو دیکھ کر، فلسطینی عوام کے ساتھ اسرائیلی مظالم کے بعض پہلوؤں کے چہرے سے نقاب اُلٹ سکے؛ لیکن ''صہیونی امریکی ریاست'' کو یہ کب اور کیوں کر گوارہ ہوسکتا تھا؛ اِس لیے اُس نے اقوامِ متحدہ کو اِس قسم کے فیصلے سے، سختی سے منع کردیا اور بے چاری اقوامِ متحدہ کو بھی اِس سے دست کش ہونا پڑا۔
فلسطینیوں کو آخری حد تک رسوا کرنے کے لیے، یہودیوں نے یاسر عرفات کو، مغربی کنارہ میں واقع اُن کے ہیڈ کوارٹر میں ۳۴ دنوں تک، بے دانہ پانی محصور کیے رکھا، اکثر اوقات اُنھیں اندھیرے میں رکھا، دفتر کے بڑے حصے کو تباہ کردیا، اُن کے کئی ایک ہوائی جہازوں کو توڑ پھوڑ کے رکھ دیا اور فلسطینی مُقتدِرَہ کی اہم عمارتوں کو زمیں بوس کردیا۔
یہودیوں کی جنگی اَنا کو اب بھی تسکین نہ ملی، تو اُنھوں نے ۴۰ دنوں تک اُن فلسطینی جوانوں کی گھیرابندی کیے رکھی؛ جنھوں نے بیت اللحم کے ''کنیسۂ مہد'' میں پناہ لے رکھی تھی۔ یہودیوں نے اِس سلسلے میں بھی سودے بازی کی اور گرجا گھر میں پناہ لینے والے فلسطینی جوانوں کو اُسی وقت باہر نکلنے کی اِجازت دی، جب ۱۳ فلسطینی جوانوں کو یورپی

ممالک کی طرف جلاوطن کر دینے اور ۲۶ جوانوں کو غزہ منتقل کر دینے کا پروانہ حاصل کر لیا۔

یاسر عرفات پر قاتلانہ حملے:

ہر چند کہ (ابوعمار) یاسر عرفات، اِن تمام حادثات کے باوجود زندہ سلامت رہے، جن میں سے ایک بھی اُنھیں موت کی نیند سلا دینے کے لیے کافی تھا؛ لیکن اُن کی خوش قسمتی دیکھیے کہ اُنھوں نے ہر بار موت کو شکست دے کر اپنی جان بچائی۔ چناں چہ ۱۹۷۰ء کی بات ہے کہ اردنی افواج نے، اردن سے عرفات کے فوجیوں کو کھدیڑ دیا؛ لیکن اُنھیں خراش بھی نہ آئی۔ ۱۳/اپریل ۱۹۷۳ء کو اسرائیلی افواج کی ایک ٹکڑی نے عرفات کے تین محافظوں کو قتل کر دیا؛ لیکن وہ خود عجیب و غریب طریقے سے بچ نکلے۔ ۱۹۸۲ء میں صہیونی فوجیوں نے، عرفات کے جنگ جوؤں کو، لبنان سے نکال دیا؛ لیکن اُنھیں کوئی چوٹ نہیں لگی۔ ۱۹۸۵ء میں تیونیشیا کے اُن کے دفتر پر زبردست اسرائیلی حملہ ہوا، جس میں اُن کے ۱۷ آدمیوں کی جانیں گئیں؛ مگر خدا کی قدرت سے وہ محفوظ رہے۔ ۱۹۹۱ء میں اُن کا طیارہ لیبیا کے صحرا میں گر کر چور چور ہو گیا؛ مگر خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا؛ اِس لیے وہ اِس طرح زندہ سلامت بچے رہے، جس کو تقدیر کا کرشمہ ہی کہا جا سکتا ہے۔

مجھے کہنے دیجیے کہ اگرچہ یاسر عرفات زندہ ہیں؛ لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ دوست اسرائیل اور حلیف و پشت پناہ امریکہ نے اُنھیں، خارش زدہ اونٹ کی طرح باڑھ سے، الگ تھلگ زندگی جینے پر مجبور کر دیا ہے؛ چوں کہ اِن دونوں طاقتوں نے مل کر نہ صرف یہ کہ اُن کے رول کو بے جان بنا کے رکھ دیا ہے؛ بل کہ اُنھیں منظرنامے سے ہٹا کر، اُن کی جگہ کسی دوسرے ایسے شخص کو لا بٹھانے کا بھی تہیہ کر لیا ہے، جو یہودیوں اور فرزندانِ تثلیث کے نزدیک امریکیوں اور صہیونیوں سے بھی زیادہ صہیونیت پرست اور امریکہ نواز ہو؛ تاکہ وہ قضیۂ فلسطین کا اِن دونوں کے مفادات کے مطابق تصفیہ کر سکے۔

بلاشبہہ یہ سب کچھ، اُس مصالحت اور شکست خوردگی کی مصیبت کے ڈھیر سارے

ناپسندیدہ نتائج میں سے ایک ہے، جس کے سامنے نہ صرف، عرب ڈھیر ہو گئے؛ بل کہ اُنھوں نے اِس کے سامنے عربی فلسطینی اور اِسلامی عوام کو بھی جھکانے کی کوشش کی۔

ہماری امید تو بس لے دے کر اُس مُقدّس جہاد سے وابستہ تھی، ہے اور رہے گی، جس کو صہیونی امریکی سازش نے اُس ''دہشت گردی'' کا نام دے کر بدنام کرنا شروع کردیا ہے، جس کے خلاف امریکہ کے تعاون سے، عالمی صہیونیت نے جنگ چھیڑدی ہے جس میں اسلام کی طرف منسوب اور مسلمانوں کے عنوان سے جانے جانے والے بدکارو بدکردار قائدین بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے ہیں اور واحد سپر پاور امریکہ کے بھوت کے خوف سے- حال آں کہ اُنھیں اللہ سے ہی ڈرنا چاہیے تھا کاش! وہ اِس حقیقت سے آشنا ہوتے- طوطے کی طرح ''دہشت گردی'' کے خلاف جنگ کا نعرہ بار بار رٹنے لگے ہیں۔

باوقار مُزاحمت اور صحیح اِسلامی جہاد ہی، فلسطین کی آزادی کی واحد راہ اور بہتر متبادل ہے۔ بچوں اور جوانوں کی عوامی مُزاحمت نے - جس میں ہمارے اِسلامی ممالک اور حکومتوں کا ذرہ برابر بھی حصہ نہیں- تھوڑے دنوں میں ہی اپنی اہمیت و افادیت ثابت کردی ہے؛ کیوں کہ اُس نے اسرائیل اور امریکہ میں سے ہر ایک کو، از سرِ نو یہ ایمان لانے پر مجبور کردیا ہے کہ شیر، ہنوز زندہ ہے اور چنگاری اب بھی خاکستر کی تہ میں بجھی نہیں ہے؛ نیز یہ کہ فلسطین اپنی جگہ قائم ہے، مسلمان کسی بھی ادنی اِسلامی حق سے دست بردار نہیں ہوں گے اور قائدین کو ہرگز یہ حق نہیں کہ وہ غلامی اور خودسپردگی کی فائل پر، از خود دست خط کردیں۔



انتفاضے کی وجہ سے، اِسرائیل کی معیشت کی تباہی (*)

اِسرائیل نے ہمیشہ اور ہر ممکن طریقے سے، اُس خوف ناک اِقتصادی زوال کے تعلق سے، واضح حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے، جس کا اُس کو بہادرانہ انتفاضے کی وجہ سے سامنا ہے؛ لیکن وہ کب تک اُن حقائق کو چھپاتا۔ آخر کار اُس کو اُن حقائق کے چہرے سے نقاب الٹنے پر مجبور ہونا پڑا۔ چناں چہ اب اسرائیل نے زور زور سے چیخنا چلانا شروع کر دیا ہے، جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اُس کو، اُن عظیم جرأت مندانہ مزاحمتی کارروائیوں کے نتیجے میں، گرتی ہوئی اقتصادی صورتِ حال کا زبردست احساس ہو رہا ہے، جو صہیونیوں سے مقابلہ کرنے کے لیے، فلسطینیوں نے انجام دیں اور ہنوز اِس حوالے سے سرگرمِ کار ہیں۔

چناں چہ ''قدس'' میں تجارتی سرگرمیوں کا تناسب لڑھک کر ۵۷ فی صد، ''نتانیا'' میں ۵۵ فی صد، ''تل ابیب'' اور ''یافا'' میں ۵۲ فی صد، ''حیفا'' میں ۴۱ فی صد، ''بتاح نیکفا'' میں ۳۳ فی صد، ''رامات غان'' میں ۵۲ فی صد اور ''حوفوت'' میں ۲۵ فی صد تک پہنچ گیا ہے۔

سارے تجارتی شعبوں کا یہی حال ہے اور صرف تجارتی سرگرمیوں تک ہی یہ زوال محدود نہیں کہ وہ کم تر درجے تک نیچے آگئیں؛ بل کہ زندگی کے لیے ناگزیر اقتصادی میدانوں کا گراف بھی کافی نیچے آ گیا ہے، اقتصادی شرحِ نمو بھی اوندھے منھ گر گئی ہے۔ رواں سال کے ابتدائی نو مہینوں میں، ۵,۵ ملین ڈالر کا تجارتی نقصان ہوا، یہاں تک کہ برآمدات کی قیمت ۸,۳۱ ملین ڈالر اور درآمدات کی قیمت ۳,۹۱ ملین ڈالر کو پہنچ گئی۔

(*) ترجمہ کلمۃ المحرر، الداعی، شمارہ: ۱۱، جلد: ۲۶، ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ = جنوری ۲۰۰۳ء

اسرائیل میں خوف ناک حد تک بے روزگاری عام ہوگئی ہے۔ چناں چہ اگست ۲۰۰۲ء میں بے روزگاروں کی تعداد (۲۶۰۵۰۰) تھی اور اب ماہرین کا اندازہ ہے کہ انتفاضے کے سر اُبھارنے کے بعد، بے روزگاری ۲۰ فی صد تک بڑھ گئی ہے۔ اور جہاں تک معیارِ معیشت کی بات ہے، تو وہ ۲۰۰۲ء میں ٦ فی صد نیچے آ گیا ہے۔

حال آں کہ صہیونیوں نے اپنی بُری اقتصادی حالت پر، پردہ ڈالنے کی کافی تگ و تازکی؛ تاکہ یہ صہیونی عوام کی بُری نفسیاتی اور معاشرتی صورتِ حال پر منتج نہ ہو اور فلسطینی عوام پر اِس کا مثبت اثر مُرتّب نہ ہو؛ لیکن سرِ راہ ساری پول کھل گئی؛ چوں کہ مختلف شعبوں میں کام کرنے والے ملازمین نے، کئی ایک زمروں میں در آنے والے اقتصادی انجماد پر، زبردست ہڑتال کی اور پرزور احتجاج کیا ہے۔ عالمی ذرائع ابلاغ نے سارے مناظر کو کوریج کر کے، بڑے پیانے پر نشر کیا ہے؛ اِس لیے صہیونی ذمے داروں کی آنکھوں سے نیند اڑ گئی ہے۔



امریکی نقشۂ راہ
فلسطینیوں کو آپس میں لڑانے کی اسکیم (٭)

شکست خوردانہ اور ذلت آمیز حل کی تفصیل میں جائے بغیر، یقیناً یہ بات دو دو چار کی طرح واضح ہوگئی ہے کہ مغربی ذرائع ابلاغ، جس نقشۂ راہ کو، قضیۂ فلسطین کے حل کی ''جادوئی چھڑی'' اور ''شاہ کلید'' بنا کر دنیا والوں کے سامنے پیش کر رہا ہے- وہی نقشۂ راہ جس کو اسرائیل کی مرضی اور اُس کی ترمیمات کے مطابق کئی بار تدوین و ترتیب کے مرحلے سے گزارا گیا ہے۔ چناں چہ ''ایریل شیرون'' کو ۱۵/اکتوبر ۲۰۰۲ء کو ہی وھائٹ ہاؤس کے اندر ملاقات والی شام کو، اُس نقشے کے مسودے کا ایک نسخہ سونپ دیا گیا تھا- وہ جہاں ایک طرف فلسطینیوں کا حق مارنے کی پیہم سازش کا ایک حصہ ہے، وہیں دوسری طرف فلسطینیوں کے مابین ''خانہ جنگی'' کی آگ بھڑکانے، یعنی دشمنوں کی بہ جائے فلسطینی قیادت کے ہاتھوں، فلسطینیوں کو سبق سکھانے اور بہادرانہ مزاحمت کو ناکام بنانے کی بھی ایک منصوبہ بند کوشش ہے۔ تیسری طرف اِس نقشۂ راہ کے ذریعے شیرون کو یہ موقع فراہم کرنا بھی مقصود ہے کہ وہ نقشۂ راہ کی پابندیوں کے التزام سے راہِ فرار اختیار کرنے کے حوالے سے کوئی کسر اٹھا نہ رکھے، جس کا مطلب یہ ہے کہ فلسطینی عوام کا خواب کبھی پورا نہ ہو سکے گا۔

(٭) ترجمہ کلمۃ المحرر، الداعی، شمارہ: ۴، جلد: ۲۷، ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ = جون ۲۰۰۳ء ۔ ترجمہ اردو: ۱۳/۴/۱۴۲۸ھ = ۱/۵/۲۰۰۷ء ۔

یہ کتنی حیرت ناک بات ہے کہ اِس کے باوجود کہ یہ نقشۂ راہ، اسرائیلی ترمیمات کے مطابق تیار کیا گیا ہے اور اِس میں فلسطینیوں کے مفادات کو داؤ پر لگا کر، صرف صہیونیوں کے مفادات اور منافع کے تمام پہلوؤں کا خیال رکھا گیا ہے، تادمِ تحریر، یعنی ۱۶ر ربیع الاول ۱۴۲۴ھ = ۱۹رمئی ۲۰۰۳ء سموار تک، اسرائیل کی طرف سے اِس نقشۂ راہ کو منظوری نہیں ملی ہے؛ کیوں کہ اسرائیل نے حکومتی سطح پر اِس کو تسلیم نہیں کیا ہے اور نہ ہی یہ اِعلان کیا ہے کہ وہ اصولی طور پر، اِس کو نافذ کرنے پر راضی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اسرائیل کا یہ مزاج ہی نہیں کہ وہ منافع کی باہمی تقسیم اور لے اور دے کی پالیسی کو قبول کر لے؛ بل کہ اسرائیل تو ہمیشہ یہ چاہتا رہتا ہے کہ وہ خسارے کو برداشت کیے بغیر صرف نفع حاصل کرتا رہے؛ بل کہ وہ تو اپنے دوسرے پڑوسیوں کو بے پناہ نقصان پہنچا کر، خود نفع میں رہنے کی پالیسی پر عمل کرتا رہا ہے۔

اِسی لیے اسلامی تجزیہ کاروں اور عام مبصرین کا یہ خیال ہے کہ اسرائیل کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اِس نقشۂ راہ، یا منصوبہ کا بھی وہی انجام ہوگا، جس انجام سے اِس سے پہلے ہونے والے وہ منصوبے اور امن اقدامات دوچار ہو چکے ہیں، جنھیں امریکہ اور عالمی طاقتوں نے لاگو کیا تھا؛ چناں چہ اکثر فلسطینیوں، خصوصاً فلسطینی قیادتوں نے بادلِ ناخواستہ، فلسطینی حقوق پر شب خوں مارنے والے اِن منصوبوں اور کوششوں کو قبول کر لیا؛ لیکن اِسرائیل ہمیشہ اِن سے دامن بچا کر نکل بھاگا، ٹال مٹول سے کام لیا اور فلسطینیوں کو ستانے اور بقیہ زمینوں پر اپنا ناپاک قبضہ جاری رکھنے کے لیے، طرح طرح کے حیلے حوالوں کا سہارا لیا۔ حد تو یہ ہے کہ اسرائیل نے اُن امن معاہدوں کی روشنی میں اپنے اوپر عائد ہونے والے منصوبوں پر بھی کبھی عمل نہ کیا، جنھیں امریکہ نے فلسطینیوں کے سر زور زبردستی سے لاتھوپا تھا۔

اِن تمام تاریخی حقائق کے مدِ نظر، اِسلام پسند تجزیہ کاروں کو یقین ہے کہ یہ نقشۂ راہ محض ایک ڈھونگ ہے، جس کا مقصد، فلسطینیوں کو باہم دست وگریباں کر کے اور اُنھیں

صہیونیوں کا غلام بنا کر، دشمنوں کے مفادات کے لیے، فلسطینی مُزاحمت کا قلع قمع کرنا ہے۔ اِن مسلم مُبَصِرین کو یقین ہے کہ مُزاحمت کی راہ سے ہی چھینے گئے حقوق اور غصب کی گئی زمینوں کی واپسی ممکن ہے اور یہ کہ مُزاحمت کو کچلنے اور دبانے کی امریکی اور صہیونی کوشش، بہ ذاتِ خود اِس کی غماز ہے کہ مُزاحمت ہی دشمنوں کو جھکانے اور مجبور کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اِس کے سوا، جتنے راستے ہیں، وہ محض دھوکہ ہیں اور کچھ بھی نہیں۔



ابو مازن اور "نقشۂ راہ"

فلسطینیوں کو آپس میں لڑانے کی ایک اور خطرناک سازش (*)

عراق پر امریکہ کی غیر قانونی اور ظالمانہ وجارحانہ کارروائی کے ڈھیر سارے مقاصد تھے۔ کچھ مقاصد کو تو امریکہ نے بار بار اتنی مرتبہ دہرایا کہ سنتے سنتے لوگوں کے کان پک گئے، جن میں سے کچھ اِس طرح تھے: عراقی عوام کی صدام کے چنگل سے آزادی؛ "وسیع تر تباہی کے ہتھیار" کی تباہی (جس کا تلاشِ بسیار کے باوجود، اب تک کوئی سراغ نہ لگ سکا، جب کہ جنگ ختم ہوئے دو ماہ ہونے کو ہیں)(۱) عراق میں خصوصاً اور اس عربی خطے میں عموماً، جمہوری نظام کو پروان چڑھانا (ظاہر ہے جمہوری نظام سے مراد مغربی طرزِ جمہوریت ہے، جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے) نیز اِس خطے کے سیاسی، ثقافتی، اجتماعی اور اقتصادی نقشے کی ازسرِ نو تشکیل (جس کا مقصد یقیناً یہی ہے کہ یہاں کے سیاسی وثقافتی واجتماعی اور اقتصادی ڈھانچے کو، اِس طرح ترتیب دیا جائے کہ اُس سے امریکہ واسرائیل اور مغربی دنیا کے صلیبی وصہیونی عزائم کی تکمیل ہوسکے)

لیکن اِس ظالمانہ جنگ کے اصل مقاصد وہ ہیں جن کا امریکہ نے کھلے لفظوں میں اعلان تو نہیں کیا ہے؛ لیکن ساری دنیا کے مُبَصِّرین، اخبار نویس، ذرائع ابلاغ سے تعلق

(*) ترجمہ اداریہ (کلمۃ العدد) الداعی، شمارہ: ۴، جلد: ۲۷، ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ = جون ۲۰۰۳ء بہ عنوان: "سَرَابٌ آخَرُ بِقِيعَةِ الْقَضِيَّةِ الْفَلَسْطِينِيَّةِ"۔ ترجمہ از عربی بہ قلم تحریر نگار ۲۱/مئی ۲۰۰۳ء، ۵/ بجے شام، بہ روز بدھ ۱۸/۳/۱۴۲۴ھ

(۱) کیوں کہ ۹/اپریل ۲۰۰۳ء کو امریکی افواج بغداد میں داخل ہوگئی تھیں اور اِس کے ساتھ ہی بغداد پر، پھر پورے عراق پر عملاً امریکہ کا قبضہ ہوگیا اور صدام حسین کے ۲۴ سالہ اقتدار کا خاتمہ ہوگیا تھا۔

رکھنے والوں، دانش وروں، پڑھے لکھے لوگوں اور دنیا کے حالات سے باخبر رہنے والوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ امریکہ کے اصل عزائم کیا ہیں اور یہ جنگ اُس نے کس مقصد سے لڑی ہے؟ غیر اعلانیہ مقاصد میں سرفہرست، عراق کے تیل پر قبضہ نیز خطے کے دیگر ممالک کے تیل کے کنوؤں پر اپنا کنٹرول قائم کرنا ہے، نیز اسرائیل کی ہر طرح کے عربی اور اسلامی خطرے سے حفاظت، اِس حفاظت کو یقینی بنانا اور فلسطینی تحریکِ مزاحمت کو کچلنا اور ساتھ ہی فلسطینی مسئلے کو اسرائیل کی مرضی کے مطابق بہ جلد حل کر کے عربوں، مسلمانوں اور فلسطینیوں کو اِس حل کے قبول کرنے پر مجبور کرنا ہے؛ تاکہ ہمیشہ کے لیے فلسطین کے مسئلے کو ختم کر دیا جائے اور یہ باب اِس طرح بند کر دیا جائے کہ امریکہ اور اسرائیل کے مطابق اِس کو اب کوئی وا نہ کر سکے۔ اِس طرح فلسطینی حقوق کا رونا رونے کا اب کسی کو حق رہے گا اور نہ ہی مسجدِ اقصیٰ کی بازیابی یا پانچ ملین فلسطینی خانماں برباد وں کی وطن واپسی اور فلسطین میں باز آباد کاری کی بات کرنے کی گنجایش رہ جائے گی۔

اسرائیل کا تحفظ، امنِ عالم کے لیے مرکزی کلید:

فلسطینیوں کی بربادی کے بالمقابل، اسرائیل کی سیکورٹی کا مسئلہ امریکہ کے بنیادی مقاصد میں سے ایک تھا۔ جنگِ عراق کے بعد اُس نے دوبارہ اِس مسئلے کو شدومد سے اٹھایا ہے۔ اسرائیل کے ''بدیعوت احرنوت'' اخبار کو امریکہ کی قومی سیکورٹی کی مشیر مسز ''رایس'' نے انٹرویو دیتے ہوئے پچھلے دنوں کہا تھا ''کہ اسرائیل کا تحفظ نہ صرف اِس خطے کے تحفظ کے لیے؛ بل کہ امنِ عالم کے لیے بھی مرکزی کلید (Master Key) کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہم امریکہ والے اسرائیل کے تحفظ کو یقینی بنانے کے نہ صرف پابند ہیں؛ بل کہ ہمارا عہد ہے کہ ایک محفوظ یہودی اسٹیٹ کے خواب کو بہ ہر صورت شرمندۂ تعبیر کرنا ہے'' اِدھر کئی ماہ سے اسرائیل کے تحفظ کے لیے امریکہ، نام نہاد فلسطینی مُقتدِرہ کو بار بار یہ تاکید کرتا رہا ہے کہ وہ اپنی قیادت میں تبدیلی لائے اور اُس کے ڈھانچے کو تبدیل کرے۔ اِس

سلسلے میں باعثِ عبرت ہے کہ یاسر عرفات، اسرائیل اور امریکہ دونوں کے نزدیک حددرجہ مبغوض و مغضوب ہو گئے تھے، جب کہ اِس بیچارے نے فلسطینی مُقتدِرَہ کے قیام کے وقت سے اپنی صدارت کے پورے دورانیے میں اسرائیل کے تحفظ کے لیے، اپنی قوم کے ساتھ اور فلسطینی مزاحمتی گروہ کے لوگوں کے ساتھ وہ سب کچھ کیا جو وہ کر سکتے تھے۔ آٹھ سال قبل ۱۳/۹/۱۹۹۳ء میں اوسلو معاہدے کے تحت یہ مُقتدِرَہ معرضِ وجود میں آئی، تب سے ۴/۱۲/۲۰۰۱ء میں شیرون کے ذریعے مغربی کنارے کے علاقے پر دوبارہ قبضہ کر لینے تک، وہ کونسی وفادارنہ اور جاں نثارانہ خدمت ہے، جو یاسر عرفات نے اسرائیل کے لیے انجام نہیں دی؟! اُنھوں نے اسرائیل کی سیکورٹی کے لیے اپنی مقتدرہ کے ماتحت ۱۲ سیکورٹی نظام قائم کیے اور انتفاضے کی تحریک اور مزاحمتی عمل کو کچلنے کے لیے، اپنی انتظامیہ کے انتہائی سخت گیر اور سیکولر مزاج اور فلسطینی کاز کے ساتھ دشمنانہ رویے کے حامل افراد کو سیکورٹی نظاموں کی ذمہ داری دی؛ لیکن افسوس ہے کہ اُن کی یہ ''مخلصانہ'' کوشش کوئی رنگ نہ لاسکی؛ بل کہ یکسر رائگاں گئیں۔ صہیونیوں کو اُن کا یہ وفادارنہ اور دوستانہ رویہ کسی طرح رام نہ کرسکا؛ کیوں کہ وہ یاسر عرفات سے اِس سے زیادہ کچھ کرنے کے مُتمنّی تھے۔ اسرائیلی یہ چاہتے تھے کہ یاسر عرفات اپنی قوم، قوم کے جوانوں، اُن کے اسلام پسند قائدین، اسرائیل کی وحشیانہ کارروائیوں کی مزاحمت کرنے والوں اور شہادت پسند افراد کے خلاف جبر و ظلم، خیانت، بے وفائی، قتل و خون ریزی اور اسرائیل کی طرف سے پُر فریب اور کبھی پورے نہ ہونے والے وعدوں سے، مسلسل دھوکہ کھاتے رہنے کی تمام حدیں اِس طرح پار کر جائیں، جس کی انسانی تاریخ میں کوئی مثال، کسی علاء الدین کے کسی چراغ کے ذریعے، کبھی ڈھونڈی نہ جاسکے؛ لیکن یاسر عرفات، اپنی کسی ''مجبوری'' یا حالات کی ستم ظریفی، یا اپنے انتظامیہ کے ارکان کی بے وفائی، یا اپنے ضمیر کے کسی کونے میں پائی جانے والی اسلامی حَمیّت کے کسی ذرے کی وجہ سے، ایسا کچھ نہ کرسکے اور بالآخر چچا امریکہ اور اسرائیل نے اُنھیں باقاعدہ دہشت گردوں کی نہرست میں ڈال کے، نہ صرف سیاسی سطح پر الگ تھلگ کر دینے

اور زندہ رہتے ہوئے اپنی موت مرجانے کی کارروائی شروع کردی؛ بل کہ اُنھیں ہر طرف سے گھیرنے، تنگ کرنے، حتیٰ کہ قتل کردینے یا منظر سے ہٹادینے، اور ہر طرح ذلیل کرنے کی ہر قسم کی کارروائیاں کیں۔ اسرائیل تو کافی دنوں سے یہ چاہ رہا تھا کہ یاسر عرفات سے کل کے بہ جائے آج ہی چھٹکارا حاصل کرلیا جائے؛ لیکن امریکہ اُس کو صبر کی تلقین کرتا رہا کہ یاسر عرفات کو، تو ہم تم سے زیادہ ہی کچھ ناپسند کرتے ہیں اور دودھ کی مکھی کی طرح فی الفور نکال پھینکنا چاہتے ہیں؛ لیکن ذرا ہماری مجبوری کو سمجھو: اگر عراق پر چڑھائی سے پہلے یا اُس کے دوران ہم نے کارروائی کی، تو ہمیں خاصی کٹھنائیوں کا سامنا ہوسکتا ہے، لہٰذا ذرا عراق پر قبضہ کرلینے دو، منصوبہ تیار ہے، ہم نے فیصلہ لے لیا ہے، طریقۂ کار بھی وضع کرلیا ہے، بس جیسے ہی عراق میں کارروائی انجام پذیر ہوئی کہ ہم یاسر عرفات کو ایسا بے دست و پا کردیں گے کہ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔

چناں چہ عراق پر قابو پانے کے فوراً بعد ہی، امریکہ نے ''عباس محمود مرزا'' معرف بہ ''ابو مازن'' نام کے ایرانی نژاد، بہائی عقیدے کے حامل آدمی کو فلسطینی مُقتَدِرَہ پر زبردستی لاد دیا اور وزیر اعظم کا اہم عہدہ اُس کے سپرد کرکے، یاسر عرفات کو اِس طرح باندھ دیا کہ نہ تو وہ ہاتھ سمیٹ سکتے ہیں اور نہ پھیلا سکتے ہیں۔ یاسر عرفات نے اپنی سی بہتیری کوشش کی کہ اُس آدمی کو فلسطینی اتھارٹی پر تھوپا نہ جاسکے؛ لیکن وہ اب اِس درجہ مجبور کردیے گئے تھے کہ اُنھیں بہائی مذہب کے اسرائیل نواز، امریکہ کے غلام اور یہودیوں کے ہم مشرب آدمی کو قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہ گیا تھا۔ یاسر عرفات نے پہلے تو اُس سے اپنے شدید اختلاف اور ناپسندیدگی کو ذرائع ابلاغ کے ذریعے مشتہر کرایا؛ لیکن امریکہ نے صاف کہہ دیا کہ ''ابو مازن'' کے سوا ہمیں کوئی اور آدمی کسی قیمت پر منظور نہ ہوگا۔

ابو مازن، امریکہ پرست اور اسرائیل دوست:

ابو مازن کس درجہ اسرائیل دوست، امریکہ پرست، اور یہودی مشرب کا آدمی

ہے، اِس کا اندازہ اِس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۲۰۰۳/۴/۱۸ء کو رائٹرس نے اسرائیل کے مُعتبَر اور کثیرُالاشاعت اخبار "بدیعوت احرنوت" کے حوالے سے کہا تھا کہ اُس نے اپنی حکومت کی تشکیل سے قبل ہی، اسرائیل کی سیکورٹی کو یقینی بنانے کے لیے، سب سے پہلا کام یہ کیا کہ فلسطینی انتظامیہ کی طرف سے ایک فعال سیکورٹی نظام قائم کرلیا؛ جس کا مشن بہ قول اُسی کے یہ ہوگا کہ وہ "حماس" "جہاد اسلامی" اور "فتح تحریک" کے عسکری بازو، نیز عوامی فلسطینی محاذ برائے مزاحمت جیسی جہادی فلسطینی تحریکوں کو قلع قمع کرنے کا باقاعدہ اور فی الفور عمل شروع کردے گا؛ تاکہ اسرائیل کے تحفظ کو مخدوش کرنے کی کارروائیوں کو یکسر ختم کیا جاسکے!" "ابو مازن" کی طرف سے وزیرِاعظم کا عہدہ سنبھالنے اور تشکیلِ حکومت سے بھی پیش تر، اِس عاجلانہ؛ بل کہ بے تابانہ کارروائی، تَوقُّع کے خلاف نہ تھی؛ اِس لیے کہ وہ اسرائیل کا منظورِ نظر اور صہیونی مفاد کے تحفظ اور دوسری طرف فلسطینی کاز کو نقصان پہنچانے کے رویے کے سلسلے میں ہمیشہ معروف ومطعون رہا ہے۔ وہ بار بار فلسطینی تحریک ہائے مزاحمت کے قائدین کو "نامعقول، بے مقصد، پرامن حل کے مخالف، عالمی قانون کے دشمن، تخریب پسند اور فلسطینی عوام کے نمائندہ نہ ہونے" کی تہمت دیتا رہا ہے۔

"ابو مازن" کا بائیں بازو کے ایک فلسطینی قلم کار عبد القادر یسین نے مصر کے جریدے میں ۲۰۰۰/۱/۱۳ء کو تعارف کراتے ہوئے لکھا تھا کہ یہ "ابو مازن" بہائی العقیدہ محمود عباس مرزا نام کا شخص دراصل ایرانی نژاد ہے، اِس کے خاندان نے، ایران میں بہائیوں پر شکنجہ کسے جانے کے بعد، وہاں سے راہِ فرار اختیار کی، فلسطین کے شہر "حیفا" میں بہائیوں کا عبادت خانہ بھی ہے، جو صہیونی مملکت کے زیرِ سرپرستی اپنی سرگرمیاں انجام دے رہا ہے۔ یہ بات تو ہر پڑھے لکھے کو معلوم ہے کہ بہائیت، صہیونیت کا دوسرا رخ ہے اور "ماسونیت" کی طرح یہ بھی صہیونیت ہی کی ایک شاخ ہے۔ بہائیت کا دوسرا نام "بابیت" بھی ہے۔ یہ مذہب ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء میں ایران میں ظہور پذیر ہوا۔ اِس کو شروع سے روسی سامراج اور عالمی یہودیت کی سرپرستی حاصل رہی۔

بہائیت کا خمیر ہی، اسلام دشمنی سے اٹھا ہے:

بہائیت کا خمیر ہی اسلام دشمنی سے اٹھا ہے۔ اِس مذہب کا بنیادی مقصد اسلامی عقیدے کی بیخ کنی اور اسلامی اتحاد کو پارہ پارہ کرنا ہے۔ اِس مذہب کا بانی، علی محمد شیرازی (۱۲۳۵-۱۲۶۶ھ=۱۸۱۹-۱۸۵۰ء) تھا جس کو اُس دعوے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ ماڈی اور جسدی طور پر اُس کے اندر حلول کر گیا ہے، طہران میں ۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء میں پھانسی دے دی گئی تھی۔ اُس کا جانشیں عباس آفندی ہوا، جو ''عبدالبہار'' کے نام سے معروف ہوا۔ اُس نے سوئزرلینڈ کا دورہ کیا، جہاں اُس نے صہیونیوں کی کانفرنسوں میں شرکت کی، جن میں ۱۹۱۱ء میں منعقد ہونے والی ''پال'' کانفرنس بہ طورِ خاص قابل ذکر ہے۔ عباس آفندی نے اپنی زندگی اسلام، مسلمانوں اور عربوں کے خلاف ''ففتھ کالم'' (Fifth Column) کی تشکیل کے لیے وقف رکھا؛ تاکہ صہیونی لابیوں کو مستحکم کیا جا سکے۔ بہائیوں کے منجملہ عقائد میں سے یہ ہے کہ اسلام اور اُس کی شریعت منسوخ ہو چکی ہے، بعث وحشر ونشر اور جنت و جہنم محض ایک افسانہ ہے، عورتوں کو پردہ کرانا حرام ہے، متعہ ہر طرح حلال اور باعثِ ثواب ہے، عورتیں اور مال سبھوں کے لیے مشترکہ اَثاثہ ہیں، ہر ایک کو بلا کسی شرط کے اِن دونوں چیزوں سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔ محمد (ﷺ) خاتم النبیین نہ تھے جیسا کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ بہائی لوگ مکہ کی بہ جاے فلسطین کے شہر ''عکا'' کے حج کا عقیدہ رکھتے ہیں؛ کیوں کہ یہاں اُن کا روحانی پیشوا ''بہار اللہ'' مدفون ہے۔ اُن کے یہاں، جہاد حرام ہے اور دشمنوں کے خلاف تلوار اٹھانا سخت گناہ ہے، بہائیوں نے ۹/رکعت نماز گڑھ رکھی ہے اور وضو صرف گلاب کے پانی سے کیا جا سکتا ہے، نماز بہ جاے پانچ وقت کے تین وقت پڑھتے ہیں۔ بہائیوں اور صہیونیوں میں انتہائی مستحکم رشتہ ہے، بل کہ ۱۹۶۸ء میں مقبوضہ شہر قدس میں صہیونیوں اور بہائیوں کی مشترکہ کانفرنس میں اِعلامیہ جاری ہوا تھا کہ یہودیت اور عیسائیت دونوں جڑواں بہنیں ہیں، دونوں ایک دوسرے کے لیے تکملہ ہیں

اور اکثر نقاط میں دونوں مشترک اور متحد ہیں۔(1)

ابو مازن، فلسطین کا کرزئی:

عرب اور اسلامی اخبارات ومجلات نے اچھا کیا کہ ابو مازن بھائی کو فلسطین کا ''کرزئی'' نام دیا؛ اِس لیے کہ اسرائیل کے پولٹیکل گوڈنیس (political goodness and qualtiy) کے آفس نے ابو مازن کو حسنِ سیرت وسلوک اور ممتاز کیرکٹر کا سرٹیفکٹ پہلے ہی عطا کر دیا ہے؛ کیوں کہ یہ شخص صہیونیوں کے معیارِ مطلوب پر مکمل طور پر پورا اترتا ہے، حتی کہ جس وقت وہ اپنی وزارت تشکیل دینے جا رہا تھا، تو اسرائیل کے وزیر اعظم دہشت گرد شیرون نے اُس کے سلسلے میں ارشاد کیا تھا کہ ''ابو مازن ایک فلسطینی لیڈر ہیں، وہ صہیونی تحریک کے لیڈر تو نہیں ہیں؛ لیکن میرا خیال ہے کہ وہ ایک معقول اور حقیقت پسند آدمی ہیں'' نیز بش نے بھی ابو مازن کے سیرت وکردار کو اِن الفاظ میں سراہا ہے کہ ''میں فلسطین اور اسرائیلی اسٹیٹ کے قیام کے حوالے سے، کسی حل تک پہنچنے کے لیے، ابو مازن کے ساتھ کام کرنے کے لیے بے تاب ہوں''۔

جب آپ کے دشمن، کسی کی منھ بھر بھر کے تعریف کریں اور اُس کے حوالے سے اپنے اطمینان واعتماد کا اظہار کریں، تو آپ کو اب یہ بتانے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں کہ وہ آپ کا کس درجہ دشمن اور آپ کے دشمن کا کس درجہ وفادار ہے اور اُس کے مقاصد واہداف کے تَحَفُّظ کے لیے اور آپ کے مفادات کو نقصان پہنچانے کے لیے کتنی دور تک جا سکتا ہے؟

ابو مازن نام کے اِس آدمی نے یک نہ شد دو شد والی یہ بات کر کے اور بھی فلسطینیوں کو بے چین اور یاسر عرفات کو پریشان کر دیا کہ اُس نے اپنی حکومت میں وزراتِ داخلہ جیسا کلیدی عہدہ ''محمد دحلان'' نام کے ایک ایسے شخص کو تفویض کیا ہے، جس کا نام فلسطینیوں کے ذہنوں میں ایک خون ریز، سفّاک اور وحشی انسان کی حیثیت سے بیٹھ چکا ہے۔ اِس

(1) المجتمع، شمارہ ۱۴۴۳۔

شخص نے یاسر عرفات کی فلسطینی مُقتَدِرَہ میں مسلسل آٹھ سال تک انتفاضے میں شامل نوجوانوں کو تہ تیغ کیا، اُنھیں طرح طرح سے ستایا، جیلوں کی سلاخوں کے پیچھے ڈھکیل دیا اور نت نئے طریقے سے اُنھیں سزا دینے کے لیے مشہور رہا۔

فلسطینیوں کو، فلسطینیوں کے ہاتھوں شاید پوری تاریخ میں کبھی بھی ایسے بُرے دن دیکھنے نہیں پڑے، جتنے بُرے دن اُنھوں نے محمد دحلان کے زمانے میں دیکھے۔ یہ شخص یاسر عرفات کی مُقتَدِرَہ کے تحت بنائی گئی ۱۲ سیکورٹی کمیٹیوں میں سے ''حفاظتی سیکورٹی'' کی کمیٹی کا ذمہ دار رہا تھا، ساتھ ہی اُن بارہ کمیٹیوں کا بھی اصل نگراں یہی تھا۔ اُن کمیٹیوں نے فلسطینیوں کے ساتھ ظلم و بربریت کے وہ سارے کھیل کھیلے، جن کی اسرائیل نے اُن سے خواہش کی، رات کی تاریکیوں میں انتفاضے کے قائدین اور مزاحمتی تحریک کے سربراہوں کے گھروں پر دھاوے بولے، اُنھیں عبرت ناک سزائیں دیں، اُنھیں جیلوں میں تڑپایا، اور اُن میں سے بہت سے لوگوں کو موت کی نیند سلا دیا۔ نیز اسرائیلی فوج کے تعاون سے مزاحمتی تحریک کو کچلنے کے لیے، فلسطینی نوجوانوں سے باقاعدہ جنگ کی۔ اِس جنگ کے متعلق ایمنسٹی انٹرنیشنل نے ۱۹۹۸/۹/۹ء کو اپنی رپورٹ میں اسرائیل اور فلسطینی مُقتَدِرَہ دونوں پر سخت ریمارک کرتے ہوئے کہا تھا کہ اسرائیلی حکومت اور فلسطینی مُقتَدِرَہ مسلسل فلسطینیوں کے انسانی حقوق کی پامالی کا ارتکاب کر رہی ہے۔ اوسلو معاہدے کے بعد سے اب تک اسرائیلی حکام نے، دس ہزار سے زیادہ فلسطینیوں کو گرفتار کیا اور اُنھیں سخت ترین سزائیں دیں، جب کہ ۱۹۹۴ء کے بعد سے اب تک فلسطینی مُقتَدِرَہ نے بغیر کسی الزام اور ثبوت کے ماورائے عدالت سیکڑوں فلسطینیوں کو گرفتار کیے رکھا، مُقتَدِرَہ کی جیلوں میں کم از کم ۲۰ فلسطینیوں کی موت واقع ہوئی۔

نام نہاد نقشۂ راہ، تمام مسائل کا حل؟:

بہ ہر صورت امریکہ نے ۳۰/اپریل ۲۰۰۳ء (چہار شنبہ ۲۷/صفر ۱۴۲۴ھ) کو

شیرون اور ابو مازن دونوں کو نام نہاد نقشۂ راہ یا روڈ میپ کا ایک ایک نسخہ تھماتے ہوئے کہا کہ بس یہ تمام مسائل کا کلیدی نسخۂ کیمیا ہے۔تم دونوں اِس نسخے کو مسلسل استعمال کرو اور اسرائیلیوں اور فلسطینیوں کو استعمال کراؤ۔شیرون نے تو اِس نسخے کی افادیت کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اِس کے استعمال کے لیے ہامی نہیں بھری؛ لیکن ابو مازن چوں کہ اِس کے لیے بے تاب بیٹھا تھا؛ اِس لیے اُس نے اِس کو من وعن روبہ عمل لانے کا زور و شور سے عہد کرلیا، حال آں کہ یہ ''نقشۂ راہ'' امریکہ، روس، یورپی برادری اور اقوامِ متحدہ کے سکریٹری جنرل نے بار بار اسرائیل سے رائے مشورے کے بعد تیار کیا تھا؛ کیوں کہ اِس کی ترتیب، آخری مُسَوَّدے کے مطابق ۲۰ر دسمبر ۲۰۰۲ء (جمعہ ۱۵ر شوال ۱۴۲۳ھ) کو عمل میں لائی گئی، جب کہ اِس کا پہلا مُسَوَّدہ ۱۵ر جولائی ۲۰۰۲ء کو ہی تیار کر کے اسرائیل کے حوالے کردیا گیا تھا کہ تم اِس میں جو ترمیم چاہو، وہ کرلو؛ تاکہ اِسی کے مطابق اِس کو آئندہ ڈھال دیا جائے۔ ہر چند کہ روڈ میپ کی ترتیب وتہذیب میں چہار رکنی ٹیم (امریکہ، روس، یورپی برادری اور سکریٹری جنرل اقوام متحدہ) شریک تھی؛ لیکن اُصولی طور پر اِس کی خاکہ نگاری اور عبارت سازی در اصل امریکہ کی وزراتِ خارجہ نے کی تھی؛ لہٰذا اِس نقشۂ راہ میں اسرائیل کے مکمل مفادات اور منافع کا لحاظ رکھا گیا ہے، جب کہ فلسطینیوں کو طرح طرح کے سبز باغ دکھا کے، اُن کے نقصانات کے پہلو کو یقینی بنایا گیا ہے، یہ نقشۂ راہ تین مرحلوں میں نافذ کیا جائے گا۔اُن تینوں مرحلوں میں یہ منطقی ترتیب رکھی گئی ہے کہ پہلے مرحلے کے بعد ہی دوسرا مرحلہ پھر تیسرا مرحلہ روبہ عمل آسکتا ہے۔اگر پہلا مرحلہ ناتمام یا ناکام رہا، تو دوسرے اور تیسرے مرحلے کی کوئی گنجایش نہ ہوگی۔

۱- پہلے مرحلے کا خلاصہ یہ ہے کہ صہیونی قبضے کے خلاف ہر قسم کی مُزاحمت کا مکمل طور پر خاتمہ ہوجانا چاہیے، اور ساتھ ہی فلسطینی اداروں کے ڈھانچوں کی تعمیرِ نو کی تکمیل بھی ہوجانی چاہیے۔اِس مرحلے میں فلسطینیوں پر واجب ہوگا کہ وہ اسرائیل کے خلاف ہر قسم کے تشدُّد واشتعال سے باز رہیں۔دوسری طرف اِس مرحلے کے تحت اسرائیلی وزیر اعظم

شیرون کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ فلسطینی خطے میں قدرتی زندگی کی بحالی کے تئیں فلسطینیوں کو مکمل تعاون دینے کی کاروائیاں کرے، اِن کاروائیوں میں ستمبر ۲۰۰۰ء میں انتفاضے کے آغاز کے بعد سے، اسرائیل کے دوبارہ قبضے والے علاقے سے، اسرائیلی افواج کا مکمل انخلا بھی ہے۔ نیز شیرون کو مارچ ۲۰۰۱ء سے بنائے گئے سیٹلنگ پوائنٹس کو ختم کرنا ہوگا اور دیگر کالونیوں کی تعمیر کو منجمد کرنے کا پابند رہنا ہوگا۔ فلسطینیوں کو اِس کے بدلے میں اپنے وہاں سیاسی اصلاح کے عمل سے گزرنا ہوگا، ساتھ ہی دونوں فریقوں میں سے ہر ایک کو دوسرے فریق کو تسلیم کرکے، ایک دوسرے کی مملکت میں رہنے کے حق کا، باقاعدہ بیان کے ذریعے اِعلان کرنا ہوگا۔

۲- دوسرے مرحلے میں عبوری کاروائیاں زیرِ عمل لائی جائیں گی۔ اِس مرحلے کے تحت ایک عالمی کانفرنس برائے امن کا انعقاد عمل میں آئے گا، جس میں ایک طرف اسرائیل شرکت کا پابند ہوگا اور دوسری طرف سیریا اور لبنان۔ یہ کانفرنس بالآخر اسرائیلی فلسطینی مذاکرات کے آغاز پر منتج ہوگی، اِسی مذاکرات میں مُتوقّع فلسطینی مملکت کے حدود کا تعین کیا جائے گا۔

۳- تیسرے مرحلے میں پایدار اور ٹھوس صورتِ حال کے قیام اور فلسطینی اسرائیلی رسّاکشی کو یک لخت ختم کردینے کے لیے (جیسا کہ نقشۂ راہ کے منصوبہ سازوں کو تُوقّع ہے) ایک سنجیدہ مُعاہدے کا انعقاد ہوگا، چناں چہ اِس مرحلے میں پھر ایک بین الاقوامی کانفرنس اِس لیے کی جائے گی؛ تاکہ فلسطینی اسٹیٹ کے مکمل خدوخال کی تعیین اور یہودی کالونیوں، نیز شہر قدس کی حیثیت اور پانچ ملین پناہ گزینوں کی وطن واپسی یا عدمِ واپسی کے مسائل پر آخری اور ٹھوس فیصلہ لیا جاسکے۔ جس کے بعد (منصوبہ سازوں کے مطابق) ایک خودمختار فلسطینی اسٹیٹ وجود میں آجائے گی اور ۲۰۰۵ء تک مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی سے اسرائیلی قبضے کا آخری طور پر خاتمہ ہوجائے گا[1] شیرون کی حکومت پابند ہوگی کہ یہودی

(۱) قارئینِ کرام کو معلوم ہے کہ برائے نام تو غزہ اِس وقت ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء میں فلسطینیوں کے زیرِ کنٹرول ہے؛ ←

کالونیوں کی تعمیر منجمد (نہ کہ ختم) کردے، فلسطینیوں کو گھر سے بے گھر کرنے کی پالیسی ترک کردے، فلسطینی شہریوں پر حملے کرنا چھوڑ دے اور فلسطینیوں کے گھروں کو ڈھانے کے عمل سے باز آجائے۔(1)

روڈ میپ کا پہلا ہی مرحلہ، انتہائی دشوار گزار:

مُبصِّرین کا خیال ہے کہ روڈ میپ کا پہلا مرحلہ ہی انتہائی دشوار گزار ہے؛ اِس لیے کہ اِس مرحلے میں اسرائیل والوں کو درحقیقت کچھ نہیں کرنا ہے؛ بل کہ ساری ذمہ داری فلسطینیوں کی ہے کہ وہ مُز احمت سے باز آجائیں۔ ظاہر ہے کہ بھائیؒ العقیدہ ابو مازن اگر کسی طرح بہ زورِ بازو فلسطینیوں کو مُز احمت ترک کردینے پر آمادہ کرنے میں کام یاب بھی ہو جائے، جو درحقیقت خارج از امکان بات ہے، تو دہشت گرد شیرون کو کون اِس بات سے روک سکتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی بہانے روڈ میپ کے متن کی پابندی سے بچ نکلے؟! ظاہر ہے کہ اِس صورت میں دوسرے اور تیسرے مرحلے کی نوبت ہی نہ آسکے گی، نہ فلسطینی اسٹیٹ کا خواب روبہ عمل آسکے گا اور نہ (بہ قول یاسر عرفات کے) ''شجاعت پیشہ'' فلسطینیوں کا وہ معاہدۂ امن قائم ہو سکے گا، جس کے بڑے بڑے اور شیریں ترین خواب، یاسر عرفات صاحب اور اُن کے ساتھی دیکھتے رہے تھے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ یاسر عرفات نے اوسلو معاہدے کے متن کی حرف بہ حرف پابندی کی، اپنی قوم کے چیدہ اور مزاحمتی تحریک کے برگزیدہ قائدین ونوجوانوں کی دھرپکڑ کی، جیلوں میں سڑایا، لقمۂ اجل بنایا اور اسرائیل کے نمایندے کے طور پر وہ سب کچھ کیا جو خود اسرائیل کرتا رہا ہے؛ لیکن غزے کی پٹی اور مغربی کنارے سے مُعاہدے کے تئیں، اسرائیل کے انخلا کی مدت پر پانچ سال گزر

← لیکن روز روز اسرائیل اپنی افواج اور بھاری اسلحوں کے ساتھ آدھمکتا ہے اور فلسطینیوں پر حسب سابق؛ بل کہ سابق سے زیادہ شدت کے ساتھ قیامت ڈھاتا رہتا ہے؛ لہٰذا اسرائیل کا قبضہ وہاں ختم ہوا ہے نہ ہونے کی کوئی امید ہے۔

(1) اسرائیل اِن میں سے کسی دفعہ پر آج ۲۰۰۷ء مطابق ۱۴۲۸ھ میں بھی عمل پیرا ہوا ہے اور نہ ہونے کی کوئی امید ہے۔

گئے اور اسرائیل نہ صرف یہ کہ وہاں سے گیا نہیں؛ بل کہ بار بار وہ وہاں بدترین فوجی کارروائیاں کر کے دنیا والوں کا منھ چڑا رہا ہے کہ ہے کوئی مائی کا لال جو ہمارا کچھ بگاڑ سکے۔

یہودیوں کے مکر و فریب، بدعہدی اور وعدہ شکنی کی حقیقت سے جو لوگ واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ وہ کبھی کسی وعدے کی پابندی نہیں کر سکتے؛ اِسی لیے سارے فلسطینی مزاحمتی گروپوں نے بہ یک زبان ہتھیار ڈالنے کی بات کو مسترد کر دیا ہے اور نقشۂ راہ کو انتفاضے کی تحریک کے کچلنے کی سازش قرار دیا ہے، جس سے فلسطینیوں میں آپس میں زبردست خون ریزی کا امکان ہے، جب کہ اسرائیل کو اِس سے فائدہ ہی فائدہ ہے اور فلسطینیوں کا اِس سے کچھ بھلا ہوگا نہ کوئی چھینا ہوا حق واپس ملے گا۔

آنے والے دن فلسطینیوں کے لیے سخت ہوں گے:

آنے والے دن فلسطینیوں کے لیے شدید تر ہوں گے، جن میں بہائی ابو مازن کی طرف سے اُن پر تشدّد کا زبردست خطرہ ہے، اُن میں خانہ جنگی کی ایک بھیانک آگ فروزاں ہوسکتی ہے، جس سے صرف اسرائیل اور امریکہ کو فائدہ اٹھانے کا موقع ملے گا، اسرائیل اور امریکہ تو یہی چاہتے ہیں کہ فلسطینی آپس میں لڑلڑ کر مر جائیں۔ یہ تو اُن کے لیے سب سے اچھی بات ہے۔ امریکی انتظامیہ اور شیرون کی حکومت نے ابو مازن پر زور دینا شروع کر دیا ہے کہ وہ اپنے وزیر داخلہ "محمد دحلان" کے ساتھ فلسطینی مزاحمت کو نیست و نابود کر دینے کے لیے، بہ جلد باقاعدہ جنگ چھیڑ دے۔(۱)

(۱) اِسی "محمد دحلان" کی وجہ سے بالآخر غزہ کے علاقے میں فلسطینیوں میں خانہ جنگی کی آگ بھڑکی، جس کے نتیجے میں بہت سے فلسطینی جاں بہ حق ہوگئے اور جون ۲۰۰۷ء میں غزہ پر فلسطینی کاز کے اِس وقت کے مخلص سپاہی حماس تحریک کے جیالوں کا کنٹرول ہوگیا، جس کے نتیجے میں محمد ابو دحلان کی اسرائیل کے ساتھ ساز باز کے ذریعے فلسطینیوں کے قتل و غارت کی متعدد دستاویزات کا انکشاف ہوا، نیز فتح تحریک کے اِسی ابو مازن محمود عباس نام کے فلسطینی مُقتدِرہ کے صدر، جس کا متن میں تذکرہ ہو رہا ہے، کی اسرائیل کے ساتھ وفاداری اور امریکہ کی بے انتہا طرف داری؛ بل کہ غلامی کا بھی اچھی طرح اندازہ ہوگیا، جس کے نتائج بد کی وجہ سے اب تک فلسطینیوں میں اتحاد و اشتراک کی کوئی شکل پیدا نہیں ہوسکی ہے؛ کیوں کہ ابو مازن ہنوز حماس تحریک کے قائدین سے محض گفتگو کے لیے بھی تیار نہیں۔

ایک طرف تو فلسطینی فریق پر اِس طرح کا دباؤ بڑھایا جارہا ہے؛ دوسری طرف یاسر عرفات کو صرف اِس لیے کہ وہ آزادیٔ فلسطین کے غلط یا صحیح عنوان کی حیثیت رکھتے ہیں، الگ تھلگ کرنے کی پالیسی پر اسرائیل اِس حد تک آمادہ ہوگیا ہے کہ ابھی کل ۲۰؍مئی ۲۰۰۳ء (منگل ۱۷؍ربیع الاول ۱۴۲۴ھ) کی صبح کو بی بی سی لندن نے اپنی اردو سروس میں بتایا کہ اسرائیل نے اِعلان کیا ہے کہ دنیا کا جو لیڈر یاسر عرفات سے ملنے کی کوشش کرے گا، تو وہ (اسرائیل) اُس سے نہیں ملے گا اور اپنے وہاں اُس کا کوئی استقبال نہیں کرے گا۔ تیسری طرف امریکہ نے جب سے عراق پر قبضہ کیا ہے لوٹ کھسوٹ اور بلیک میلنگ کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے، سیریا پر اپنا زبردست دباؤ بڑھاتا جارہا ہے کہ وہ فلسطینی مزاحمتی تحریک کے دفاتر اپنے وہاں بند کردے، خصوصاً حماس، جہادِ اسلامی وغیرہ کی سرگرمیوں پر مکمل طور پر پابندی عائد کردے، نیز لبنان میں حزب اللہ چھاپہ ماروں کا تیاپانچہ کرکے اُن کی جگہ جنوبی لبنان میں، لبنانی افواج کی تعیناتی کی راہ ہموار کرے اور اپنی افواج کو لبنان سے واپس بلالے۔ امریکہ کی طرف سے اِس زورزبردستی کا مقصد یہی ہے کہ اسرائیل کے خلاف مُزاحمت کے تمام دروازے بند ہوں اور اسرائیل کو جینے کا ضرورت سے زیادہ حق مل جائے؛ تاکہ دیگر لوگوں کے لیے جینا مشکل ہوجائے۔

لہٰذا عراق کے خلاف امریکہ کی جنگ کا یہ بھی بڑا؛ بل کہ بہت بڑا مقصد تھا کہ اسرائیل کے تحفُّظ کو یقینی بنایا جائے، اسرائیل کو غالب کرنے اور فلسطینیوں اور عربوں کو مغلوب کرنے کی پالیسی کے خاکے میں بہ جلد رنگ بھرا جاسکے، عربوں کو حقیقتِ حال کو قبول کرنے پر مجبور کیا جاسکے، اُن کی غلامی پر اُن سے دستخط لیا جاسکے اور اُنھیں اِس کے لیے لاچار کردیا جائے کہ وہ امریکہ کے ہر حکم؛ بل کہ فرمانِ عالی کو بے چون وچراں تسلیم کریں اور اس کے ہر نقشِ قدم کی فرماں بردار شاگرد کی طرح پیروی کریں۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ غَیرت وحَمیّت کے لیے مشہور عرب ایسا کچھ کرسکیں گے یا نہیں؟ یہ تو آنے والا دن ہی بتائے گا؛ لیکن ٹھوس اِرادے کے مالک فلسطینیوں سے مسلمانانِ عالم کو بڑی

امیدیں وابستہ ہیں، جواَب تک بڑی بے جگری، جواں مردی، ایمانی غیرت اور اسلامی حَمِیَّت سے، سارے طوفانوں، آزمایشوں کا پچاس سال سے مقابلہ کرتے رہے ہیں۔ اُن کا سرِ خودداری امریکہ کے نفاق و جبر، مغرب کے دوہرے معیار، اسرائیل کی فریب کاری اور اُس کے کسی کارندے کے دام ہم رنگِ زمین کا شکار ہو کر، انسانی تاریخ کے سب سے بڑے ظلم کے سامنے، کبھی جھک سکا ہے نہ اِن شاء اللہ آیندہ کبھی جھک سکے گا۔



۱۹۶۷ء کی جارحیت کے بعد، شہرِ قدس کی صورتِ حال (٭)

قدسِ عربی پر قبضہ کرنے کے لیے یہودی ہر وقت موقع کی تاک میں لگے رہے تھے۔ ۵؍جون ۱۹۶۷ء کی صبح کو اسرائیلی افواج نے جو جارحانہ حملہ کیا تھا، اس میں یہ موقع اُنھیں مل گیا۔ اِس حملے کے بعد اسرائیلی افواج قدسِ عربی میں داخل ہو گئیں۔ کہا جاتا ہے کہ اِس حملے کے دو دن بعد، یعنی ۷؍جون کو اسرائیل کے اُس وقت کے وزیرِ دفاع ''موشی ڈایان'' مغربی دیوار (دیوارِ براق)، جس کے بارے میں یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ یہ ''دیوارِ گریہ'' ہے، کے پاس جا کر کئی بار بہ آوازِ بلند کہا: ''یہ دیوار ہماری ہے۔''(۱)

(٭) ترجمہ مضمون بہ عنوان: "اَلْقُدْسُ الشَّرِيْفُ بَعْدَ عُدْوَانِ ۱۹۶۷م" ماخوذ از کتاب: "اَلْقُدْسُ الشَّرِيْف حَقَائِقُ التَّارِيخِ وَآفَاقُ الْمُسْتَقْبَلِ" سلسلہ ''دعوۃ الحق'' رابطہ عالمِ اسلامی مکہ مکرمہ، سنہ طباعت ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱ء، مؤلف: الاستاذ الدکتور محمد علی حلّہ، شائع شدہ در الداعی، شمارہ:۶، جلد:۲۷، جمادی الاخری ۱۴۲۴ھ=اگست ۲۰۰۳ء

(۱) "قُدْسُنَا": محمود العابدی، ص:۱۶۹۔ قابلِ ذکر ہے کہ صہیونی گروپوں نے ۱۹۲۸ء اور ۱۹۲۹ء میں، اُس وقت یہ مسئلہ زور شور سے اٹھایا تھا، جب فلسطین پر برطانوی انتداب مسلط تھا، جس کے بعد ہی عربوں نے اُن جماعتوں کو اپنے وطن سے کھدیڑ دیا تھا۔ باہم جھڑپوں کا سلسلہ شروع ہوا، تو برطانوی حکومت نے یکے بعد دیگرے دو شو کمیشن (Show Commission) فلسطین روانہ کیے۔ پھر لیگ آف نیشنز (انجمنِ اقوام) نے براق بین الاقوامی کمیشن کے نام سے ایک تین رکنی وفد، جس میں سویڈن، سوئزرلینڈ اور ہالینڈ کا ایک ایک نمایندہ شامل تھا، فلسطین بھیجا؛ تا کہ براق کے موضوع کا جائزہ لے کر رپورٹ پیش کرے۔ جون ۱۹۳۰ء سے اِس کمیشن نے اپنا کام شروع کیا اور اِسی سال دسمبر میں یہ کام ختم ہوا، جس میں یہ تسلیم کیا گیا تھا کہ دیوار، چوں کہ حرم شریف کا ایک حصہ ہے، اِس لیے وہ اور اُس کے سامنے والا چبوترہ، دونوں مسلمانوں کی ملکیت ہیں۔ جہاں تک یہودیوں کے دیوار کی زیارت کی بات ہے، تو وہ بغیر ہارن، پردوں اور بنچوں کے وہاں آ سکیں گے، جس طرح برطانوی قبضے کے آغاز میں کیا کرتے تھے۔ بعد ازاں شاہِ برطانیہ کی کونسل میں ایک قانون پاس ہوا، جس میں خاص طور سے اِس کمیشن کی سفارشات کو نافذ کرنے پر زور دیا گیا تھا۔ (دیکھیے جامعہ ازہر میں ۱۹۸۱ء میں ڈاکٹریٹ کی سند کے لیے لکھا گیا مقالہ، بہ عنوان: "اَلثَّوْرَةُ الْفَلَسْطِيْنِيَّةُ الْكُبْرٰى" از محمد علی حلّہ)۔

اُس جارحیت کے دوران ہی، جنگ کے شعلے بھڑک اٹھنے کے چند گھنٹوں بعد ہی سلامتی کونسل کو میٹنگ بلانے پر مجبور ہونا پڑا۔ سلامتی کونسل میں کیا ہوا اور کن مسائل پر بات چیت ہوئی، اِس سے ہمیں بحث نہیں؛ لیکن عربی زمینوں- جن میں سرِ فہرست اور اہم قدسِ عربی ہے، جس پر ۵رجون کو قبضہ کرلیا گیا تھا- سے اسرائیلی افواج کے اِنخلا کے لیے کوئی بھی قرارداد پاس کرنے کے حوالے سے سلامتی کونسل کی ناکامی سے، بحث کیے بغیر چارۂ کار نہیں؛ یہی وجہ تھی کہ عربی ممالک پر، اسرائیلی جارحیت کے تصفیے کے لیے، سوویت یونین نے ایک ہنگامی اجلاس کے انعقاد کی زوردار آواز اٹھائی تھی۔ (۱)

یہ اجلاس اِس مہینے (جون) کی ۱۷رتاریخ کو منعقد ہوا؛ لیکن حیرت ناک بات یہ ہے کہ اِدھر عالمی ادارے کی میز پر قضیۂ فلسطین پیش ہو رہا تھا اور اُدھر اسرائیلی افواج وحشت و درندگی کا مظاہرہ کرتے ہوے، قدس کے باشندوں پر دھاوا بول کر، اُنھیں گھروں سے نکال رہی تھیں؛ تاکہ وہ قدس کو اسرائیل کی راجدھانی مُشتہَر کرنے کی بنیاد اور وجوہِ جواز تلاش کرلیں۔ اُسی دن (۱۷رجون) صبح کے چار بجے، اسرائیل کی فوجی اتھارٹی نے قدیم یہودی محلے اور اُس کے آس پاس کے مکینوں کو یہ حکم دیا کہ وہ چوبیس گھنٹے کے اندر اپنے گھروں سے بوریا بستر باندھ لیں۔ فوجیوں نے ''دیوارِ براق'' کے قریب کی زمینوں کو، جس میں عالی شان مسجدیں تھیں، کُدالوں سے برابر کردیا۔ ایک اندازے کے مطابق لگ بھگ چار سو خاندانوں کو قدس سے جلاوطن کرکے بے گھر کردیا گیا اور اُنھیں زندگی کی بھیک مانگنے پر مجبور کردیا گیا۔ (۲)

---

(۱) "اَلْعُدْوَانُ الْإِسْرَائِیْلِيّ فِي الْأُمَمِ الْمُتَّحِدَة"، جورج ادیب، بیروت ۱۹۶۸ء، ص: ۷۳۔

(۲) لَقَدِ اغْتَصَبْتُمُوْنَا أَرْضًا: ڈاکٹر وکٹوریہ والٹز، ڈاکٹر یواخیم شیشا، ترجمہ سلیم نصار، مراکش ۱۹۹۳ء، ص: ۲۰۳۔ جرمنی ریسرچ اسکالر: ڈاکٹر وکٹوریہ اور اُن کے شریک کار، قضیۂ فلسطین پر عموماً اور شہر قدس پر خصوصاً، جتنے انصاف پسند یورپی محققین ریسرچ کررہے ہیں، اُن میں سرِ فہرست شمار ہوتے ہیں۔ اسرائیل کی اُس پالیسی سے بھی مذکورہ کتاب میں پردہ اٹھایا گیا ہے، جو اِس حکمت عملی پر ایمان رکھتی ہے کہ ''ملک میں رہ رہے فلسطینیوں کی تعداد جتنی کم ہوگی فلسطینی زمینوں کے مطالبے اتنے ہی کم زور پڑ جائیں گے۔ فلسطینی کسانوں کی تعداد جتنی کم ہوجائے گی، زمین کے پیچیدہ مسئلے کا حل اسی قدر آسان تر ہوگا اور مغربی کنارے کو یہودیانا زیادہ تیز رفتار ہوگا''۔ ص: ۲۰۴۔

اِسی مہینے (جون) کی ۲۸؍تاریخ کو اسرائیل نے، مُتَّحِدہ قدس کے نعرے کے تحت، مقبوضہ قدس(۱) کے ساتھ، عربی قدس کے اِلحاق کا یک بیک فیصلہ کر کے، دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔(۲)

ہر چند کہ اسرائیل کے مذکورہ اِعلان سے پوری دنیا حیرت زدہ رہ گئی تھی؛ لیکن عالمی ادارہ - خواہ وہ جنرل اسمبلی ہو یا سلامتی کونسل - کو اپنی قراردادوں کی تعمیل کے حوالے سے، اسرائیلی حکومت کی سرزنش میں زبردست ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا۔

غیر نافذ العمل، عالمی قراردادیں:

جون ۱۹۶۷ء کے حملے کے بعد پاکستان (۳) نے ایک قرارداد کا مُسَوَّدَہ پیش کیا تھا، جس کو اقوامِ متحدہ (۴) کی جنرل اسمبلی نے منظور کر لیا تھا۔ قرارداد کا متن درج ذیل تھا:

”شہرِ قدس کی صورتِ حال کو تبدیل کرنے کے لیے، اسرائیلی کارروائیوں کے نتیجے میں وہاں جو صورتِ حال پیدا ہو گئی ہے، اُس پر جنرل اسمبلی، اپنی گہری تشویش کا اظہار کرتی ہے اور یہ اعلان کرتی ہے کہ

۱- اسرائیل کی تمام کارروائیاں ناجائز ہیں۔

۲- ساتھ ہی جنرل اسمبلی یہ اپیل کرتی ہے کہ اِسرائیل اپنی تمام کارروائیوں کو فوراً روک دے۔ نیز اسرائیل ابھی یا آیندہ کبھی کوئی بھی ایسا اِقدام کرنے سے باز رہے، جس سے شہرِ قدس کی موجودہ صورتِ حال میں تبدیلی کا اِمکان ہو۔

---

(۱) اِس سے مراد وہ نئے محلے ہیں، جو پرانے شہر کی چہار دیواری سے باہر ہیں، جن پر ۱۹۴۸ء میں اِسرائیلی افواج نے قبضہ کر لیا تھا۔

(۲) اخبار ”الاہرام“: جون ۱۹۶۷ء۔

(۳) پاکستان نے قرارداد، گنی، ایران، مالی، نائیجریا اور ترکی کے ساتھ مل کر مشترکہ طور پر پیش کی تھی۔

(۴) اس کے حق میں ۹۹ ووٹ پڑے۔ چوں کہ اسرائیل میٹنگ میں شریک نہیں ہوا؛ اِس لیے اِس کے خلاف ایک بھی ووٹ نہیں ڈالا گیا۔ ۲۰ ممالک نے ووٹ ڈالنے سے گریز کیا۔

۳- ہم سکریٹری جنرل سے یہ اپیل کرتے ہیں کہ وہ موجودہ صورتِ حال اور اِس قراردادکوروبہ عمل لانے کی رپورٹ، جنرل اسمبلی اور سلامتی کونسل کو، اِس قرارداد کی منظوری کی تاریخ کے ایک ہفتے کے اندر پیش کریں، جو ۴ر جولائی ۱۹۶۷ء کو پیش کی گئی تھی۔ (۱)

ایک ہفتہ بعد، یعنی ۱۲ر جولائی کو جنرل اسمبلی نے دوبارہ اِس لیے میٹنگ بلائی؛ تاکہ قدس کی موجودہ صورتِ حال پر جنرل سکریٹری کی رپورٹ کی سماعت کرے۔ رپورٹ کا خلاصہ یہ تھا کہ اسرائیل نے ۵ر جولائی ۱۹۶۷ء والی اُس قرارداد (۲۲۵۳) پر اب تک عمل نہیں کیا، جس کی رو سے قدس کے حالات میں تبدیلی پیدا کرنے والے سارے اِقدامات کو بند کردینا ضروری تھا۔ (۲)

اِسی لیے اُسی دن (۱۲ر جولائی) پاکستان (۳) نے اُس قرارداد کا مسودہ پیش کردیا، جس میں قدس سے متعلق قرارداد کی توثیق کے ساتھ، سلامتی کونسل کی جنرل اسمبلی سے یہ اپیل بھی کی گئی تھی کہ وہ اِس قرارداد کو نافذ کرنے کی ضمانت لے۔

اِس مُسوّدے پر بحث اور ووٹنگ (۴) کے بعد، اِس کو جنرل اسمبلی نے پاس کردیا۔

یہ قرارداد (۲۲۵۴) ۱۴ر جولائی ۱۹۶۷ء کو منظرِ عام پر آئی، جس کا متن درج ذیل تھا:

"جنرل اسمبلی جہاں ۴ر جولائی ۱۹۶۷ء والی اپنی قرارداد (۲۲۵۴) اور جنرل سکریٹری کی رپورٹ کی وصول یابی کا اِعلان کرتی ہے، وہیں نہایت افسوس اور گہری تشویش کے ساتھ یہ تسلیم کرتی ہے کہ اِسرائیل نے قرارداد (۲۲۵۳) کی تعمیل نہیں کی۔

۱- جنرل اسمبلی، اپنی قرارداد (۲۲۵۳) کے نفاذ میں اِسرائیل کی ناکامی کی بھرپور مذمت کرتی ہے۔

---

(۱) قرارداد (۲۲۵۳): پانچواں ہنگامی اجلاس، A/2253 (ES-V) بہ حوالہ Question of Jerusalam The H. Cattan Landon, 1980, P.75

(۲) دستاویز اقوام متحدہ (A/6863-S/8052) بہ حوالہ سابق Ibid P. 75

(۳) اِس بار پاکستان کے ساتھ افغانستان، گنی، ایران، مالی، ملیشیا، صومالیہ اور ترکی تھے۔

(۴) یہ قرارداد اکثریت، یعنی ۹۹ ووٹوں سے پاس ہوئی۔ جب کہ مخالفت میں ایک ووٹ بھی نہیں پڑا۔

۲- اِس قرارداد کے سلسلے میں اسرائیل سے پرزور اپیل کرتی ہے کہ وہ تمام زیرِ عمل لائی جارہی کارروائیوں کو بند کرے اور ابھی یا آیندہ کوئی بھی ایسا قدم اٹھانے سے وہ باز آجائے، جو قدس کے حالات میں تبدیلی کا سبب بن سکتا ہو۔

۳- جنرل سکریٹری سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ وہ موجودہ صورت حال اور اِس قرارداد کے نفاذ پر مشتمل رپورٹ، بہ جلد سیکورٹی کونسل اور جنرل اسمبلی میں پیش کریں۔(۱)

اِس قرارداد کے بعد فوراً، اِسرائیل کے وزیرِ خارجہ ابا ایبان (Abba Eban) نے اسی مہینے (جولائی) کی ۱۶ رتاریخ کو کھلے بندوں صاف لفظوں میں کہا کہ اسرائیل، قدسِ عربی اور آس پاس کے گاؤں کے اِلحاق کی راہ پر تیز گامی کے ساتھ چلتا رہے گا، اگرچہ اقوامِ متحدہ کے سارے ممبر ممالک، اِن کارروائیوں کے خلاف ہی کیوں نہ ووٹ دیں۔

اِسرائیلی حُکّام، قدس اور خلیل کے مُقدّس مقامات کے سلسلے میں، اپنے دعووں کو مضبوط ہی کرتے رہے ہیں، تو مجبوراً جنرل سکریٹری ''اوتھانت'' نے، اپنے سوئزرلینڈی سفیر ''ارنسٹوٹالمان'' (A. Thalaman) کو نمایندہ بنا کر بھیجا؛ تا کہ وہ شہرِ قدس کے حقائق اور جنرل اسمبلی کی قراردادوں (۲۲۵۳، ۲۲۵۴)(۳) کے نفاذ کی تحقیق کریں۔ اُنھوں نے جنرل سکریٹری کو اپنی رپورٹ پیش کردی۔ اِس رپورٹ کے چند قابل لحاظ پہلو پیشِ خدمت ہیں:

۱- اِسرائیلی افسروں کے بیانات، یہودی شخصیتوں کے دعووں اور خطۂ ہیکل سلیمانی کے لیے تیار منصوبوں کی وجہ سے صورتِ حال تشویش ناک اور بھیانک ہے۔(۴)

۲- اسرائیل کی ان کارروائیوں کی وجہ سے، مسلم باشندے سخت ناقابلِ بیان

---

(۱) ایضاً: ہنری کٹان Ibid P.76

(۲) ''اَلْعُدْوَانُ الْاِسْرَائِیْلِیّ'' : ڈاکٹر جارج ادیب، ص: ۶۲

(۳) اِس نمایندے نے ۲۱ راگست - ۳ رستمبر ۱۹۶۷ء تک اپنا مفوضہ کام انجام دیا۔ اِس مدت میں اُس نے اسرائیلی ذمے داروں اور شہرِ قدس کے بعض عربی شہریوں سے ملاقات کی۔

(۴) The Question : Cattan Op. Cit P.75

اذیت میں مبتلا ہیں، جن سے مُقَدَّس اسلامی مقامات ومزارات کا تقدُّس پامال ہوتا ہے۔ اِسرائیلی فوج کے سب سے بڑے عالم کا، اپنے ساتھیوں کے ہم راہ حرم شریف کا دورہ اور اِس خطے میں اُن کے ذریعے نماز کی ادائگی کی وجہ سے، مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوے ہیں۔ نیز یہودی خلافِ اصول، ایسے اقدامات کرتے ہیں، جو عربی اِسلامی روایات سے میل نہیں کھاتے۔

۳- عیسائیوں کے مُقَدَّس مقامات بھی، اِسرائیلی حُکّام کی دست برد سے محفوظ نہیں ہیں؛ کیوں کہ مذہبی زیارت گاہوں، جاے داودں اور ''جبلِ صہیون'' کے مقبروں کے ساتھ بے حرمتی کی گئی ہے۔ عربی عیسائیوں نے، عیسائی مذہبی مقامات کے دوروں کے دوران، یہودیوں نے جو قابلِ مذمت اور نامناسب برتاؤ کیا ہے، اُس کی شکایت کی ہے اور اپنی ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔ اسرائیلی اقدامات کی وجہ، قدس کے تعلق سے اسرائیل کا منفردانہ اور عدمِ اشتراک کا نظریہ ہے۔

۴- اسرائیل یہ سمجھتا ہے کہ قدس کے اِلحاق کا مسئلہ، ایک ایسا مسئلہ ہے، جس سے کسی بھی حال میں پیچھے ہٹنا ممکن نہیں؛ لیکن جہاں تک مُقَدَّس جگہوں پر عربی اسلامی اور مسیحی حقوق کی حفاظت کی بات ہے، تو موجودہ صورتِ حال یہ ہے کہ اِسرائیل اِس پر بات کرنے سے ہمیشہ انکار کرتا رہا ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ مستقبل میں بات چیت کے لیے تیار ہوجائے۔(۱)

سکریٹری جنرل نے، اپنی وہ رپورٹ، جنرل اسمبلی (۲) میں پیش کردی، جس میں نمایندہ ''تھالمان'' کی رپورٹ بھی شامل تھی۔ جنرل سکریٹری نے وثوق کے ساتھ کہا کہ اِسرائیل واقعی ہرقسم کے اِقدامات کررہا ہے؛ تاکہ قدسِ عربی کو اپنے زیرِ کنٹرول کرلے اور

(۱) ایضاIbid PP. 83-97، ڈاکٹر ''عزالدین فودہ'' ص:۷۲۔ ''لَقَد اغتَصَبتُمُونَا أَرضاً'': دکتور یہ والٹر دیوا خیم شیشان، ص:۲۰۴

(۲) جنرل سکریٹری نے اپنی رپورٹ، جنرل اسمبلی کے پانچویں ہنگامی اجلاس کے اختتام سے تھوڑی دیر پہلے پیش کی تھی۔ یہ اجلاس ۱۷رجون ۱۹۶۷ء کو شروع ہوا تھا۔

یہ کہ اسرائیلی حُکّام نے بھی اِعلان کر دیا ہے کہ وہ قدس کا اِلحاق کر کے ہی رہیں گے۔ اس پر کسی قسم کی بات چیت قابلِ قبول نہ ہوگی۔(۱)

قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اسرائیلی حکومت کے اِس اڑیل موقف کی وجہ سے مذہبی پارٹیوں، اسرائیلی عالموں اور معاشرے کے بعض طبقوں کو بے حقیقت دعوے کرنے کا اتنا موقع مل گیا ہے، جو اِس سے پہلے کبھی نہ ملا تھا۔ یہاں تک کہ یہ لوگ اُس وقت غصے میں آگ بگولا ہو گئے، جب ۴/اگست ۱۹۶۷ء کو اُس وقت کے اسرائیلی وزیرِاعظم ''لیوی اشکول'' نے یہ اعلان کیا کہ ''دیوارِ گریہ'' کے پاس عورتوں اور مردوں کے مابین رکاوٹیں کھڑی کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دی جائے گی۔ جیسا کہ قدیم اور تاریخی یہودی عبادت گاہوں میں کیا جاتا ہے۔ اِس سلسلے میں ''اشکول'' نے اپنی اِس رائے کا اظہار کیا کہ ''دیوار گریہ'' ایک تاریخی جگہ ہے، یہ کوئی مُقدّس یہودی زیارت گاہ نہیں۔(۲)

بہ ہر حال اسرائیلی حکومت، اسلامی اور عیسائی مُقدّس مقامات کے تقدُّس کو پیروں تلے روندتی رہی اور مطلوبہ آبادیاتی صورتِ حال اور مملوکہ زمینوں (۳) کی پوزیشن کو بہ جلد تبدیل کرنے کے لیے، روز بہ روز دہشت گردانہ کارروائیاں سامنے آتی رہیں۔ اِسرائیل ۱۹۶۷ء کے حملے کے نتیجے میں، پناہ گزینوں کے کسی بھی پروگرام کو ہمیشہ مسترد کرتا رہا۔(۴)

(۱) دستاویز اقوامِ متحدہ (A/6793-S/8746) بہ حوالہ The Question, Cattan, Op. Cit P. 75

(۲) اخبار الاہرام: ۵/اگست ۱۹۶۸ء۔

(۳) روزنامہ ''الخلیج'' شائع شدہ امارات عربیہ متحدہ، شمارہ: ۵۸۵۹، یکم جون ۱۹۹۵ء بہ عنوان ''اسرائیلی نوآبادکاری کے فلسطینی ماہر خلیل توفکجی سے ایک ملاقات''۔ انھوں نے بتایا تھا کہ ۱۹۶۷ء کی جنگ کے بعد قدس کی میونسپلٹی نے، مغربی کنارہ کے غیر آباد خطوں میں اپنی سرحدوں کی توسیع کر لی ہے اور متعین طور پر قدس کی عدلیہ کی ماتحت زمینوں تک۔ انھوں نے یہ بھی انکشاف کیا تھا کہ قدس کی توسیع کا نقشہ ساز ''رحبعام زئیفی'' تھا، جو ۱۹۶۷ء میں اسرائیلی فوج کا ایک جنرل تھا اور ۱۹۹۵ء سے ایک مذہبی تحریک ''تسومت'' کا صدر ہے۔

(۴) جب عالمی مجلسوں نے دباؤ ڈالا، تو اسرائیلی حکومت نے شیرازہ بندی کی آڑ میں، تقریباً ۲۱،۰۰۰ فلسطینیوں کو اُن خطوں میں لوٹنے کی اجازت دی، جس پر اُس نے ۱۹۶۷ء میں قبضہ کر لیا تھا۔ حال آں کہ اپنے وطن کی طرف لوٹنے کی درخواست پیش کرنے والوں کی مجموعی تعداد ۱۷۰،۰۰۰ تھی۔ یہ تعداد اُن لوگوں کا نصف بھی نہیں، جو اپنے گھروں کو چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ ''لَقَدِ اغْتَصَبْتُمُونَا أَرْضاً'' وکٹوریہ والٹرز، ص: ۲۰۴ The Question, Cattan Op. Cit P. 97

اپنے دوہرے مقصد کو عملی جامہ پہنانے، یعنی لاکھوں یہودی مہاجرین کو قدس میں لا بسانے کے لیے، اپنے منصوبوں کو اسرائیل نے کبھی خفیہ نہ رکھا۔ اِسرائیل کے دو مقاصد ہیں: ۱-شہر کے باشندوں کو بالکلیہ یہودی رنگ میں، رنگنے کا سیاسی مقصد ۲-قلعہ کی شکل میں نو آباد کالونیوں اور عمارتوں کے ذریعے قدس شریف کو گھیرنے کا عسکری مقصد۔ اسرائیل نے انتہا پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اِن کالونیوں اور عمارتوں کو انتہا پسند یہودیوں سے بھر دیا ہے۔

قرارداد (۲۴۲):

اِسرائیلی حکومت کا یہ سخت اور جارحانہ رویّہ برقرار ہی تھا، یعنی وہ اقوامِ متحدہ کی قراردادوں (۲۲۵۳، ۲۲۵۴) کو مسترد کر رہی تھی کہ اِنھی دنوں ہمارے عالمِ عربی و عالمِ اِسلامی میں، قدسِ عربی کی آزادی اور مختلف قسم کے مُیَسَّر وسائل کو کام میں لانے کا طاقت ور رجحان سامنے آیا کہ عالمی قراردادوں کو بروے کار لانے پر، اسرائیل کو مجبور کرنے کے لیے اِدارہ اقوامِ متحدہ سے، اِس طور پر اپیل کی جائے کہ پہلے تو، مسلمان قدس (۱) کی طرف امن مارچ کریں اور اخیر میں اگر صورتِ حال کا تقاضا ہو تو طاقت کے استعمال سے بھی احتراز نہ کیا جائے۔

اِسی لیے امریکی صدر ''جانسن'' نے، عربی خطے میں امن قائم کرنے کے لیے، پانچ ضروری اُصولوں کا اعلان کیا اور جس وقت اواخرِ اکتوبر ۱۹۶۷ء میں اقوامِ متحدہ میں

(۱) اس وقت (۱۹۷۵ء میں) ریلی کا تصور یہ تھا کہ دو ملین یا زیادہ مسلمان جمع ہو کر، نہرِ اردن کو پار کرتے تھے۔ اس ریلی میں اسلامی ممالک کے دس یا دس سے زائد سربراہوں کے اِس عزم کا اظہار کیا جاتا تھا کہ وہ خشکی یا فضائی راہ سے، جس طرح بھی ممکن ہو، قدس میں ایک متعین دن میں داخل ہو کر رہیں گے، جس کی - ریلی سے پہلے - اقوامِ متحدہ اور سارے ذرائع ابلاغ کو خبر رہتی تھی۔ تنظیمِ اسلامی کانفرنس کے اُس وقت کے سکریٹری جنرل محمد حسن التہامی نے اِس ریلی پر یہ کہتے ہوئے روشنی ڈالی ہے: میں نے جن سربراہوں سے تبادلۂ خیال کیا، اُنھوں نے اِس کا استقبال کیا۔ اِس سلسلے میں ''ذوالفقار علی بھٹو'' کا نام لینا کافی ہے، جنھوں نے برملا یہ کہا تھا کہ پاکستان ۳ ملین رضاکار اور ضرورت پڑنے پر ایک ملین شہید، قدس بھیج سکتا ہے۔ ملاحظہ کیجیے ''الاھرام'' ۱۳ اپریل ۱۹۷۹ء کو چھپا، تہامی کا مقالہ۔

تبادلہ خیال دوبارہ شروع ہوا، ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے، ایک ایسے منصوبے کی تائید کی، جس کی رو سے مُسلّح افواج کو، مقبوضہ اراضی سے اِنخلا کرنا ضروری تھا۔ یہاں ابہام مقصود تھا۔ ۲۲ رنومبر ۱۹۶۷ء کو اقوامِ متحدہ کی قرارداد (۲۴۲)(۱) منظرِ عام پر آئی، جس کا متن یہ تھا کہ: ''۱۹۶۷ء کی جنگ میں ہتھیائی گئی زمینوں سے، مُسلّح اسرائیلی افواج کو نکل جانا چاہیے، جنگ کے تمام دعووں کو ختم کردینا چاہیے۔ خطے کہ ہر ملک کے اقتدارِ اعلیٰ، باہمی تعاون اور سیاسی خودمختاری کا احترام کرنا چاہیے۔ خطے کے ہر ملک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ پرامن حدود کے اندر سلامتی کی زندگی گزارے اور اُس کو، کوئی بھی طاقت کے استعمال کی دھمکی نہ دے۔''

ہمیشہ کی طرح اِس بار بھی اسرائیلی حکومت نے اِس عالمی قرارداد کو پائے حقارت سے ٹھکرادیا اور اِسرائیل کی وزیرِاعظم ''گولڈامائر'' نے اِعلان کیا کہ ۱۹۵۷ء (۲) میں مجبوری میں جو کچھ ہمیں کرنا پڑا، دوبارہ ہم وہی کچھ نہیں کرسکتے۔ ہم کسی بھی چیز سے دست بردار نہ ہوں گے اور ہم کبھی بھی ایک قدم پیچھے نہ ہٹیں گے۔ جس طرح ۱۹۴۷ء کی تقسیم والی سرحدوں کو زمین میں دفن کردیا گیا تھا، ۴رجون کی سرحد کو بھی دفن کردیا گیا ہے۔ (۳)

---

(۱) یہ پانچ اصول اس لیے بنائے گئے تھے: تاکہ قومی زندگی کا حق تسلیم کیا جائے، پناہ گزینوں کو انصاف ملے، بحری اور خشکی کی آمدورفت کا پُرامن نظام قائم کیا جائے، اسلحے کی دوڑ کی حدیں متعین کی جائیں اور آخرش ہر ایک کے لیے سیاسی خودمختاری اور مقامی آپسی تعاون کی راہیں، ہموار کی جائیں۔

(۲) تاکہ مسودۂ قانون کو اردن کی منظوری مل جائے۔ اقوام متحدہ میں امریکہ کے سفیر آرتھر گولڈ بیرج نے اردن کو یہ یقین دہانی کرائی تھی کہ امریکہ، مغربی کنارہ کو اردن کے حوالے کرنے کے لیے کوشش کرے گا۔ جس وقت جارج بول۔ جو، جون ۱۹۶۸ء میں اقوام متحدہ میں امریکہ کے سفیر بن گئے تھے۔ نے وسط جولائی میں مشرق وسطی کا دورہ کیا تھا، تو شاہ حسین کی نوٹس پر، یہودیوں کی طرف سے اُنھیں یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ تھوڑی تبدیلی کے ساتھ امن کے بدلے، مغربی کنارہ اردن کو سونپنے کے لیے تیار ہیں۔ ''امریکہ' عرب' اسرائیل ۱۹۶۷-۱۹۷۶ء'' ولیم کونٹ، ترجمہ عبدالعظیم حماد، دارالمعارف ۱۹۸۰ء، ص: ۹۵-۹۶

(۳) اِس سے گولڈامایر کا اشارہ، ۱۹۵۶ء میں اسرائیل کے سہ رخی حملے کے بعد سینا سے اِنخلا کی طرف تھا کہ اُس وقت کے امریکی صدر ''ایزن ہاور'' کے دباؤ سے مجبور ہوکر اِسرائیل کو ''سینا'' خالی کرنا پڑا تھا۔

اِس طرح ۱۹۶۷ء کے اختتام کے ساتھ ہی یہ واضح ہو گیا کہ شہر قدس کے حالات ایک ایسے نئے مرحلے میں داخل ہو گئے ہیں، جس کے واقعات نے ایک خطرناک موڑ لے لیا، جس کی وجہ صرف اسرائیل کی طرف سے قدسِ عربی اور وہاں کے مُقدّس اِسلامی اور عیسائی مقامات کے اِلحاق پر اصرار ہی نہیں؛ بل کہ وہ اِس مُقدّس شہر کی آبادی کی صورتِ حال کو بدل ڈالنے کے لیے بھی مسلسل کوشاں تھا اور ہے۔ موجودہ اسرائیلی حکومت کے ذریعے شہریوں کے صفایے اور مُقدّس جگہوں کی دانستہ بے حرمتی سے شہ پا کر اسرائیلی انتہا پسند، اِن مُقدّسات کی تخریب کاری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں[1]۔



(۱) اخبار الاہرام: ۲۲؍اپریل ۱۹۶۹ء بہ حوالہ رائٹر نیوز ایجنسی، تل ابیب

شیخ احمد یٰسینؒ اور ڈاکٹر عبدالعزیز رنتیسیؒ کی شہادت اور اُس کے مضمرات (٭)

صہیونی صلیبی امریکہ کے اِشارے پر، اُسی کے میزائیلوں اور ہتھیاروں کے ذریعے، جنگی مجرم صہیونی وزیراعظم ایریل شیرون نے "تنظیم حماس" کے بانی اور اُس کے روحانی رہ نما اور مجاہدینِ فلسطین کے پیشوا، شیخ اَحمد یاسین کو اُس وقت شہید کردیا، جب وہ یکم صفر (کلینڈر عالمِ عربی) ۳۰؍محرم (ہندوستانی کلینڈر) ۱۴۲۵ھ=۲۲؍مارچ ۲۰۰۴ء دو شنبہ کی صبح کو، فجر کی نماز ادا کرکے اپنی وہیل چیئر پر لوٹ رہے تھے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

اُن کے قتل کو ابھی ایک مہینہ بھی نہ ہوا تھا کہ شیرون نے ۲۷؍صفر (جنتری عالم عربی) ۲۶؍صفر (ہندوستانی جنتری) ۱۴۲۵ھ= ۱۷؍اپریل ۲۰۰۴ء شنبہ کی شام کو شیخ یاسین کے جانشیں اور حماس کے نمبر دو لیڈر، ڈاکٹر عبدالعزیز رنتیسی کو بھی موت کی نیند سلادیا۔ اے بہادر وجری مجاہد! خدا تمھیں بھی خلد بریں میں داخل کرے۔

اسرائیلی افواج نے، اُس حالیہ عربی کم زوری سے فائدہ اٹھاتے ہوے، جس سے قضیۂ فلسطین کو کبھی واسطہ نہ پڑا تھا، نیز افغانستان وعراق میں صہیونی صلیبی اور امریکی برطانوی فتح سے حوصلہ پاکر اور ہمارے قائدین وسیاست دانوں کے ذلت ورسوائی اور خودسپردگی وشکست خوردگی کے موقف پر یقین رکھتے ہوے؛ اِن دونوں مجاہد رہ نماؤں کو

(٭) ترجمہ کلمۃ المحرر، الداعی، شمارہ: ۴-۵، جلد: ۲۸، ربیع الثانی - جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ=جون- جولائی ۲۰۰۴ء

شہید کرڈالا، جو اِس بات پر ایمان رکھتے تھے کہ فلسطین، جہاد ومزاحمت اور ہر قسم کی قربانی کے ذریعے ہی آزاد ہوسکتا ہے، مُعاہدوں ومذاکروں، ملاقاتوں اور میٹنگوں؛ نیز یورپ کی راجدھانیوں کی خاک چھاننے اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ -- جس کی باگ ڈور صہیونیوں کی مٹھی میں ہے -- کے صدور اور اہل کاروں کی خوشامد اور کاسہ لیسی سے، فلسطین کبھی آزاد نہ ہوگا۔

اسلامی جہاد اور اسلامی محاذ کی یہ سرزمین (یعنی فلسطین) ایک لمبے عرصے سے شہدا کے پاکیزہ لہو سے سیراب ہوتی رہی ہے۔ صرف یہی لہو، سرزمینِ فلسطین کو یہودیانے اور خوف ناک صہیونی منصوبوں کو بروے کار لانے کے درمیان حائل رہا ہے۔ کئی بار یہ دیکھنے میں آیا کہ فلسطینیوں کے خلاف، صہیونی افواج کے تاریخ کے بے مثال ظلم وجارحیت اور درندگی سے کم زوردل ودماغ والے گھبرا کر، نا امید ہوگئے اور یہ سوچنے لگے کہ صہیونیوں نے اِس قضیے کو جیت لیا ہے، وہ اِس جنگ میں فتح یاب ہوگئے ہیں اور اِس تصادم میں اُنھوں نے بازی مارلی ہے؛ فلسطینی حقوق، عربی عدالت اور عالمی قانون کی فتح مندی کے آثار دور دور تک نظر نہیں آتے؛ لیکن اہلِ حق اور انصاف کے پیام بروں کے اِس بابرکت زمین پر، بے دریغ بہنے والے لہو سے، ہم تمام انسانوں کا یہ یقین پختہ ہوتا جاتا ہے کہ حق کبھی مغلوب نہ ہوگا، انصاف کبھی شکست سے دوچار نہ ہوگا اور قابض صہیونی، دیگر اقوام کی طرح فلسطینیوں کا صفایہ نہ کرسکیں گے، خواہ وہ کتنا بھی زور لگالیں، اُن کی شرانگیزی میں کتنا ہی اِضافہ ہوجائے، اُن کی سخت گیری کتنی ہی بڑھتی چلی جائے اور خواہ اُن کی جارحیت ساری حدوں کو پار کیوں نہ کرجائے۔

اسرائیل نے عالمی قوانین اور اَقوامِ متحدہ کی قراردادوں کو پیروں تلے روندتے ہوے، فلسطینیوں کے ساتھ ظلم کے ہر طریقے کو آزمایا ہے؛ لیکن کیا فلسطینی باشندوں نے سپر ڈال دیا، یا اُن کا صفایہ ہوگیا؟ نہیں. بل کہ وہ تکالیف سہتے ہوے، مصائب پر صبر کرتے ہوے، اُصولوں کو گلے لگاتے ہوے اور اَرضِ فلسطین کے دفاع کی ذمے داریوں سے بہ

خوبی عہدہ برآ ہوتے ہوئے، ہنوز زندہ ہیں۔ قضیۂ فلسطین بھی اپنے دشمنوں اور روئے زمین پر اُن کے حلیفوں کے ہوش ٹھکانے لگاتے ہوئے مکمل طور پر زندہ، نمایاں اور لائقِ توجہ ہے۔ دشمن جتنا چاہیں، طاقت کا استعمال کرلیں، ظلم کا بازار گرم کرلیں اور انسانیت کی حدوں کو پار کرکے؛ بہیمیت ودرندگی کی حد میں داخل ہو جائیں، فلسطینی اور فلسطینی قضیہ کبھی ختم نہ ہوں گے۔

فلسطینی شہدا اور حال ہی میں جامِ شہادت نوش کرنے والے دونوں شہیدوں: شیخ احمد یاسین اور ڈاکٹر عبدالعزیز رنتیسی کی روحیں! تمھیں سلام۔ اللہ اِن شُہدا کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور فلسطین اور پوری دنیا میں جہاں جہاں مسلمانوں کا قتلِ عام ہو رہا ہے، یا اُنھیں بے گھر کیا جارہا ہے اور مسلم عورتوں کی آبرو تار تار کی جارہی ہے، اِن جیسے افراد کی کثرت کردے!!



عالمی عدالت کے فیصلے سے
اسرائیل کے قول وفعل پر کوئی اثر نہیں پڑے گا(*)

جمعہ ۹/جولائی ۲۰۰۴ء (۲۰/جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ) کو ''ہیگ'' کی عالمی عدالت نے اپنے تاریخی فیصلے میں، غربِ اردن میں اسرائیل کے ذریعے تعمیر کی جارہی ''حفاظتی فصیل'' کو غیر قانونی قرار دیتے ہوے، اُس کو فی الفور منہدم کیے جانے کا تاریخی فیصلہ صادر کیا ہے۔ عدالت نے فیصلے میں کہا ہے کہ خاردار تاروں والی دیواروں اور کنکریٹ کے اونچے ٹاوروں کو فوراً گرادیا جانا چاہیے۔ عدالت نے مزید کہا ہے کہ فصیل کی تعمیر، عالمی قانون کی خلاف ورزی ہے اور اپنی سلامتی کے بارے میں اسرائیلی تشویش اُسے منصفانہ نہیں بناسکتی۔ اُس نے دوٹوک طور پر کہا ہے کہ فوجی ضرورتیں یا قومی سلامتی کے تقاضے یا امن وتحفُّظ کی بنا پر دیوار کو منصفانہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ چین سے تعلق رکھنے والے جج ''شیوجیونیگ'' نے کہا ہے کہ اِس دیوار کی تعمیر سے اسرائیل اُس ذمے داری کی خلاف ورزی کررہا ہے، جو اُس پر انسانیت کے عالمی قانون کے تحت عائد ہوتی ہے۔

عالمی برادری کے ذریعے، اِس فیصلے کی تائید:

جیسا کہ توقع تھی، عالمی برادری نے اِس فیصلے کو بہت سراہا ہے، عالمِ اسلام اور عالمِ

(*) بہ راہ راست اردو میں لکھا گیا مضمون ۵/بجے شام بہ روز چہارشنبہ ۲۵/جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ = ۱۴/جولائی ۲۰۰۴ء

عرب نے تو اِس فیصلے کا زبردست استقبال کیا ہے؛ جیسے محض اِس فیصلے سے ہی اسرائیلی دیوار از خود منہدم ہو جائے گی۔ یاسر عرفات نے فیصلے کو فلسطینی عوام کی فتح قرار دیا ہے۔ اقوامِ متحدہ کے سکریٹری جنرل ''کوفی عنان'' نے اِس فیصلے کو واضح اور درست بتایا، اُنھوں نے تھائی لینڈ کے دارالحکومت بنکاک میں، عالمی ایڈز کانفرنس کا افتتاح کرنے سے پہلے اتوار ۱۱ر جولائی ۲۰۰۴ء (۲۲ر جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ) کو کہا کہ اسرائیل کو یہ فیصلہ ماننا پڑے گا۔

اسرائیل کی ہٹ دھرمی:

دوسری طرف عین تَوَقُّع کے مطابق اسرائیل نے اِس فیصلے کو جانب دارانہ اور غیر منصفانہ قرار دیتے ہوے، اِس کو ماننے سے نہ صرف یہ کہ انکار کر دیا ہے؛ بل کہ کہنا چاہیے کہ اُس نے اِس کو پائے حقارت سے ٹھکرادیا ہے۔ اسرائیل نے صاف لفظوں میں کہہ دیا ہے کہ وہ عالمی عدالتِ انصاف کے اِس غیر منصفانہ اور ایسے فیصلے کو قبول نہیں کرے گا، جس کا نفاذ اسرائیل کے لیے ضروری نہ ہو۔ اسرائیلی حکومت کے ایک ترجمان نے کہا: ''یہ قرارداد تاریخ کے کوڑے دان میں جگہ پائے گی۔'' اسرائیلی وزیر اعظم ''ایریل شیرون'' کے معاون ''رانان گسن'' نے کہا: ''عالمی عدالت نے اسرائیل کے خود کے حفاظت کے حق کی پرواہ نہ کرتے ہوے، ایک غیر منصفانہ فیصلہ دیا ہے۔''

۱۲ر جولائی ۲۰۰۴ء کو عالمی خبر رساں ایجنسیوں نے یہ خبر شائع کی کہ اسرائیلی وزیر اعظم ''ایریل شیرون'' نے عالمی عدالت کے اِس فیصلے کا مذاق اڑاتے ہوے، مغربی کنارے میں دیوار کی تعمیر کا کام جاری رکھنے کا حکم دیا ہے۔ جب اسرائیلی وزیر اعظم کی توجُّہ اِس طرف مبذول کرائی گئی کہ عالمی عدالت آپ کے کام کو غیر قانونی قرار دے چکی ہے، تو ''شیرون'' نے کہا کہ عدالت کا فیصلہ یک طرفہ اور دہشت گردی کو بڑھاوا دینے والا ثابت ہوا ہے۔ اُس نے مزید کہا کہ وہ اقوامِ متحدہ کی اعلیٰ عدالت کے فیصلے کے خلاف تمام

سفارتی اور قانونی ذرائع کا بھرپور طریقے سے استعمال کرے گا۔

دنیا میں جو لوگ اُوس سے پیاس بجھانے اور افسانوں سے سچائیوں کو تبدیل کر دینے کی توقُّع رکھتے ہیں، اُنھیں تو اسرائیل کے خلاف دنیا کے تمام ذرائع انصاف کے فیصلوں سے کسی طرح کی خوش فہمی ہوسکتی ہے؛ لیکن دنیا کے وہ حقیقت پسند گنے چُنے لوگ، جو یہودیوں کی بدخوئی، سرکشی اور بغاوت کی فطرت سے واقف ہیں اور اِس بات سے واقف ہیں کہ وہ طاقت کے بھوت کے سوا کسی اور چیز سے کبھی ڈرے ہیں نہ ڈریں گے، اُنھیں اسرائیل کے حوالے سے کسی لفظی تنبیہ، زبانی تخویف اور اخلاقی سرزنش اور فہمایش سے کوئی بڑی امید تھی نہ ہوسکتی ہے۔

یہودیوں کے پہلے پروٹوکول کی عبارت اِس طرح شروع ہوتی ہے:

''دنیا میں طاقت اور غلبہ حاصل کرنے کے لیے کئی تصوُّرات کے تحت کام ہورہا ہے؛ تاہم اِس ضمن میں ہم یہودیوں کے تصوُّرات، غیر یہودی اقوام کے تصوُّرات سے مختلف اور منفرد ہیں۔ ہم طاقت کو حق یا غلبہ حاصل کرنے کا واحد ذریعہ سمجھتے ہیں؛ اِس لیے ہمارے نزدیک حق، طاقت کے اندر ہی پوشیدہ ہے''۔

امریکہ اور برطانیہ، یہودیوں کی مٹھی میں:

یہودیوں کو یقین ہے کہ طاقت اور ذرائع ابلاغ پر پوری دنیا میں اُن کا قبضہ ہے؛ اِس لیے سارے عرب اور مسلمان اور دنیا کی برادریاں مل کر بھی اُن کا کچھ بگاڑ نہیں سکتیں۔ امریکہ اور برطانیہ بہ طورِ خاص اُن کی مٹھی میں ہیں؛ بل کہ کہنا چاہیے کہ دنیا کی یہ دونوں بڑی صلیبی طاقتیں پنجۂ یہود میں اِس طرح جکڑی ہوئی ہیں کہ ہر خارجی اور داخلی فیصلے سے پہلے اِن دونوں کو یہودیوں کے چشم و ابرو کا اِشارہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے۔ امریکہ جو دنیا کی واحد بڑی طاقت ہے، دراصل وہاں یہودیوں کی حکومت ہے۔ انتخابات میں جیت اُسی کی ہوگی، جو یہودیوں کو خوش رکھے گا۔ انتخاب لڑنے والے اُن کے پیسوں اور ووٹ، دونوں

کے محتاج ہیں، جیت کے بعد بھی وہی صدر وہاں ٹِک سکتا ہے، جو یہودیوں کے کاز کی حمایت کرے ورنہ یہودی اُس کو زندہ بہ خیر بھی نہیں چھوڑیں گے اور موت کے بعد بھی تحقیق کا رخ موڑ کر اپنے مخالفین کے سر قتل کی ذمے داری ڈال، اُس کو سولی پر چڑھا دیں گے۔ امریکہ کے صدر جان کنیڈی کو یہودیوں نے صرف اِس لیے قتل کر دیا تھا کہ وہ یہودیوں کی کھلم کھلا حمایت نہیں کرتے تھے اور تحقیق کاروں کو خوف کے مارے تحقیق کا نتیجہ بھی یہودیوں کی خواہش کے مطابق ہی نکالنا پڑا۔ یہ سارا کچھ تاریخ میں ریکارڈ ہے۔

بش اور اُس کے جرم پیشہ "والدِ محترم" سینئر بش کا تو خمیر ہی شرِ محض، بغاوت، ہٹ دھرمی، کجی اور سرکشی سے اٹھا ہے؛ اِس لیے اس سے تو اور بھی کوئی توقع نہیں کی جاسکتی کہ یہ اسرائیل کو کسی ترغیب یا تخویف کے ذریعے مذکورہ ظالمانہ اور بے رحمانہ دیوار کے انہدام پر آمادہ کر سکے گا؛ بل کہ عربوں کی خواہش کے مطابق اگر عالمی عدالت کے فیصلے کو روبہ عمل لانے کے حوالے سے غور کرنے کے لیے، حسبِ توقع اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا کوئی اجلاس بلایا جاتا ہے، تو یقیناً بش اپنے ویٹو کے ذریعے اقوامِ متحدہ کو کسی قرارداد کے پاس کرنے سے باز رکھے گا۔ امریکہ نے پہلے ہی صاف لفظوں میں کہہ دیا ہے: "عالمی عدالت سیاسی مسائل کو حل کرنے کے لیے مناسب فورم نہیں ہے؛ بل کہ فصیل کے معاملے کو اُس طریقۂ کار کے ذریعے حل کیا جانا چاہیے، جس کو پہلے ہی روبہ عمل لایا جاچکا ہے اور جس کو (مشرقِ وسطیٰ میں امن کی بحالی کا منصوبہ) یا (نقشۂ راہ) کہا جاتا ہے۔"

اقوامِ متحدہ کا غیر منصفانہ کردار:

رہی اقوامِ متحدہ تو اکثر مواقع پر اس کا کردار عربوں اور مسلمانوں کے حوالے سے ظالمانہ رہا ہے؛ کیوں کہ یہ انجمن بڑی طاقتوں خصوصاً یہودیوں اور عیسائیوں کے مفادات کی پاس داری کے لیے ہی بنی تھی۔ اِس پر قبضہ بھی شروع سے آج تک یہودیوں اور عیسائیوں کا رہا ہے؛ اِسی لیے اِس نے مسلمانوں اور عربوں کے خلاف جتنی قراردادیں

پاس کیں اُن کو من وعن اور فی الفور نافذ کر دیا گیا اور ذرا سی لیت ولعل کی گئی، تو ضرورت سے زیادہ سزائیں دلوائی گئیں۔ عراق اور افغانستان کی تازہ مثال سامنے ہے اور فلسطین میں تو شروع سے آخر تک یہی کچھ ہو رہا ہے۔ ۲۹/نومبر ۱۹۴۷ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فلسطین کو یہودیوں اور عربوں کے درمیان تقسیم کرنے کی قرارداد پاس کی، جس میں فلسطین کا ۵۵ فی صد رقبہ ۳۳ فی صد یہودیوں کو اور ۴۵ فی صد رقبہ ۶۷ فی صد عربوں کو دینے کی بات کہی گئی، جب کہ اُس وقت فلسطین کا صرف ۶ فی صد حصہ ہی یہودیوں کے قبضے میں آیا ہوا تھا۔ اِس کے بعد یہ ہوا کہ ۹/اپریل ۱۹۴۸ء کو ''دیریاسین'' میں قتلِ عام کے ذریعے یہودیوں نے ۲۵۴ عرب عورتوں، بچوں اور مردوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر طاقت اور عالمی برادری کی ظالمانہ پشت پناہی کے نشے میں چور صہیونیوں نے عرب عورتوں اور لڑکیوں کو مادر زاد برہنہ کر کے اُن کا جلوس نکالا اور کاروں اور موٹر گاڑیوں پر لاؤڈ اسپیکر نصب کر کے اعلانِ عام کیا کہ ہم نے عربوں کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے اگر تم لوگ نہیں چاہتے کہ تمھارے ساتھ بھی ایسا ہی ہو، تو تم فلسطین سے نکل جاؤ۔ ۱۴/مئی ۱۹۴۸ء کو فلسطین کے مسئلے پر اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں غور و خوض جاری تھا کہ ایک یہودی ایجنسی نے اسرائیلی ریاست کے باقاعدہ قیام کا اعلان کر دیا اور دنیا کی اُس وقت کی دونوں عظیم طاقتوں یعنی امریکہ اور روس نے فوراً اِسے تسلیم کر لیا۔

یہ ایسا وقت تھا کہ اسرائیل، اگر چہ امریکہ، برطانیہ اور فرانس کی اِمداد و حمایت کی وجہ سے بہت طاقت ور بن چکا تھا؛ لیکن وہ ایٹمی طاقت نہیں تھا۔ اُس وقت عربوں میں خاصا اتّحاد تھا، اُن کی عربی غیرت اور اسلامی حمیّت کو مغربی تہذیب کی یلغار نے اُس وقت تک کوئی خاص نقصان نہیں پہنچایا تھا، چناں چہ پڑوس کے اکثر عرب ممالک نے فلسطینی عربوں کی حمایت کے لیے باقاعدہ عملی اِقدام کیا اور عسکری کارروائی کی؛ لیکن صلیبیوں کی کھلی حمایت کی وجہ سے، اُس وقت بھی عرب ممالک اسرائیل سے لوہا نہ لے سکے؛ بل کہ اُنھیں ہزیمت اٹھانی پڑی۔

۱۹۶۷ء کی جنگ میں اسرائیل نے، مسجدِ اقصیٰ کے ساتھ ساتھ شام، اردن اور مصر کے بہت بڑے علاقے پر قبضہ کرلیا اور مغرب کی حمایت اور اپنی طاقت پر اُس کو اتنا گھمنڈ تھا کہ اُس وقت کے اسرائیلی وزیرِ اعظم ''لیوی اشکول'' نے کھلے عام یہ کہہ دیا ''یو این او کے ۱۲۲ ممبروں میں سے ۱۲۱ ممبر بھی اگر یہ فیصلہ دے ڈالیں اور تنہا اسرائیل کا اپنا ووٹ ہی اُس کے حق میں رہ جائے تب بھی ہم اپنے مقبوضہ علاقوں سے نہ نکلیں گے'' اُس دن سے آج کے دن تک اسرائیل نے مردوں کی طرح اپنی بات پر عمل کر دکھایا، عربوں نے اپنے حقوق سے مسلسل دست برداری کے حوالے سے ریکارڈ توڑ ذلت کا ثبوت دیا، پسپائی کی ہر شکل اختیار کی، بے غیرتی کا کون سا رویہ تھا جس کو عربوں نے نہیں اپنایا؛ لیکن اسرائیل ہے کہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا اور اپنے ''اصول واقتدار'' سے اُس نے سرِ مو انحراف نہیں کیا۔ باطل کی اِس درجہ ''ثابت قدمی'' اور حق کی اِس درجہ پسپائی پر ساری دنیا محوِ حیرت ہے۔

اسرائیل، پڑوس کی ریاستوں سے صرف چار یا پانچ دن میں نمٹ سکتا ہے:

دوسری طرف اقوام متحدہ ہے کہ اُس کا کام اسرائیل کے حوالے سے صرف قراردادیں پاس کرنا ہے۔ نومبر ۱۹۴۷ء سے آج تک اُس نے اسرائیل کے خلاف پچاسوں قراردادیں پاس کیں، اسرائیل نے اُن میں سے ہر ایک کو پائے حقارت سے ٹھکرادیا، دسیوں مرتبہ اُس نے اسرائیل کی مذمّت میں قرارداد پاس کی، اسرائیل پر اِس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوا۔ صلح صفائی، معاہدوں، مذاکرات کا طویل سلسلہ اسرائیل کے ساتھ شروع کیا گیا؛ لیکن اسرائیل کے رویے میں کوئی فرق نہیں آیا؛ بل کہ عربوں کی ذلت ورسوائی، فلسطینیوں کی تباہی و بربادی اور اہلِ خانہ عربوں کو اُن کے گھروں سے اجاڑنے اور اُنھیں شب وروز قتل کرنے کا سلسلہ پہلے سے زیادہ جارحیت و بربریت کے ساتھ جاری ہے؛ اِس لیے کہ جون ۱۹۶۷ء کی جنگ کے وقت اگر ماہرین نے اندازہ لگالیا تھا کہ

اسرائیل اپنے پڑوس کی ساری عرب ریاستوں سے زیادہ سے زیادہ چار یا پانچ دن میں اکیلا نمٹ سکتا ہے، چناں چہ صرف ٦ دن میں اُس نے عربوں کے بہت بڑے علاقے پر قبضہ کرلیا، تو اِس وقت (١) بہ وقتِ تحریر اسرائیل کی عسکری صلاحیت ایسی ہے کہ وہ صرف منٹوں میں سارے پڑوسی عربی ممالک کو خاکستر کرسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اب اسرائیل کسی کی سننے والا نہیں اور نہ ہی کسی سے ڈرنے والا ہے۔ اگر پہلے اُس کی پوزیشن یہ تھی کہ امریکہ و برطانیہ و روس اُس کی حمایت کریں؛ تاکہ وہ عربوں میں اپنے پنجے گاڑ سکے تو اب اُس کی پوزیشن یہ ہے کہ امریکہ اور برطانیہ کو ضرورت ہے کہ اسرائیل اُس کی حمایت کرے؛ تاکہ وہ سیاسی، اقتصادی اور انتظامی سطح پر استوار رہ سکیں۔ امریکہ پر تو کہنا چاہیے کہ دراصل اسرائیل ہی کی حکم رانی ہے۔ وہاں کے یہودی جب چاہیں امریکہ کا پہیہ جام کرسکتے ہیں۔ امریکہ کے عیسائی اہل کاروں اور اعلیٰ حکام کو اِس کا بہ خوبی اندازہ ہے؛ اِس لیے امریکہ کو خواہی نہ خواہی اسرائیل کی حمایت کرنی ہے۔

عالمی عدالت کا فیصلہ، علامتی اہمیت:

بہ ہر صورت عالمی عدالت کے مذکورہ بالا فیصلے کی صرف علامتی اہمیت ہے کہ عالمی برادری کی عدالتی نمایندہ گاہ نے اِس نازک موقع پر، جب مسلمان و عرب عموماً اور فلسطینی مسلمان خصوصاً صہیونیوں اور صلیبیوں کے استبداد سے تنگ آچکے ہیں؛ ہر طرف اور ہر جگہ، ہر طریقے سے اور ہر پیمانے پر مسلمانوں کے اِحساسات مجروح ہو رہے ہیں۔ امریکہ کی کھلی جانب داری و حمایت اور برطانیہ کی رسوا کن طرف داری اور عالمی برادری کی عام طور پر خاموشی اور متضاد پالیسی کی وجہ سے اُن کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا ہے اور اسرائیل کو اِس

(١) یعنی ١٤٢٥ھ/٢٠٠٤ء کے وسط میں اور بہ وقت تیاری برائے طباعت بہ شکل کتاب یعنی ١٤٢٨ھ/ ٢٠٠٧ء کے اواخر میں اسرائیل کی عسکری طاقت میں پہلے سے نہ صرف کئی گنا اِضافہ ہوگیا ہے؛ بل کہ ١١رستمبر ٢٠٠١ء کے امریکہ میں یہودیوں کے ذریعے رونما کیے گئے واقعات کے ذریعے، صہیونیوں کے تعاون سے امریکہ نے، سارے عالمِ عربی کو اسرائیل اور اپنے مطابق ڈھال لیا ہے اور سارے عالمِ اسلام بالخصوص عالمِ عربی کو، تگنی کا ناچ نچا رکھا ہے۔

صورتِ حال میں اپنی دندناہٹ، اتراہٹ اور فلسطینیوں کے خلاف اپنے ظلم وجبر میں اِضافے کا حوصلہ مل رہا ہے؛ فلسطینی کاز کی اخلاقی حمایت کے ذریعے، ایک تاریخی کردار ادا کیا ہے۔ اِس سے فوری طور پر مسلمانوں کی جھنجھلاہٹ، عربوں کی مایوسی، فلسطینیوں کے اِحساسِ محرومی میں تھوڑا بہت فرق ضرور آئے گا؛ لیکن اسرائیل کو چوں کہ تھپڑ کھانے، ذلت برداشت کرنے، ظلم وستم کے رویّے پر ہر حال میں کاربند رہ کر، اپنے منصوبے کو روبہ عمل لاتے رہنے کی عادت ہے؛ اِس لیے عالمی برادری کی طرف سے، کسی طاقت کے مظاہرے کے بغیر، محض نرم ونازک الفاظ سے، اسرائیل پر کوئی اثر مُرتّب ہونے والا نہیں ہے؛ کیوں کہ میں شروع میں کہہ چکا ہوں کہ اسرائیل صرف طاقت کی منطق کو تسلیم کرتا ہے اور بس۔



مسئلہ فلسطین..

سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ (●)

روے زمین پر صرف اسرائیل ہی ایسا ملک ہے، جس نے کھلم کھلا دنیا کی ایک بڑی قوم، یعنی مسلمانوں کے ملکوں پر قبضہ کر کے وہاں وسیع اسرائیلی اسٹیٹ کے قیام کا عزم، ہر یہودی کے ذہن میں، ہر وقت مُسْتَحْضَر رکھنے کے لیے؛ اپنی پارلیامنٹ کی پیشانی پر یہ الفاظ جلی حروف میں کندہ کررکھے ہیں:

''اے اسرائیل! تیری سرحدیں نیل سے فرات تک ہیں''

اِسی لیے صہیونی تحریک کی طرف سے جاری کردہ نقشے میں، اسرائیل کی سرحدوں کی نشان دہی، اِس طرح کی گئی ہے: مصر، دریاے نیل تک؛ پورا اردن؛ شام؛ عراق کا بڑا حصہ؛ ترکی کا جنوبی حصہ اور مدینۂ منورہ تک حجاز کا سارا بالائی خطہ۔ اللہ پاک اِن سارے عربی خطوں کی عموماً اور حجازِ مقدس کی خصوصاً اپنی قدرتِ کاملہ سے حفاظت فرمائے۔ بلاشبہ وہ ہر چیز پر، ہر وقت اور بلا سبب قادر ہے۔

مشہور جرمن فلسفی اور مُتعصِّب یہودی لیڈر ''تھیوڈر ہرزل'' (Theodor Herzl) نے ۱۹۰۱ء میں یہودیوں کو فلسطین میں بہ ہر صورت آبسنے اور لابسانے کی صہیونی تحریک کی

(●) ترجمہ اشراقہ، شمارہ ۶، جلد: ۲۸، جمادی الاخری ۱۴۲۵ھ = اگست ۲۰۰۴ء بہ عنوان: "بَيْنَ تَنَازُلَاتِ أَبْنَاءِ الْحَقِّ وَتَصَاعُدَاتِ أَبْنَاءِ الْبَاطِلِ"

ترجمہ از عربی بہ قلم تحریر نگار ۱۰ ربجے صبح، بہ روز یک شنبہ (اتوار) ۲۹ر جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ = ۱۸ر جولائی ۲۰۰۴ء،

تاریخ تحریرِ عربی: ۹ر بجے شب دوشنبہ: ۹ر جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ = ۲۸ر جون ۲۰۰۴ء۔

بنیاد ڈالی اور اِس سے پیش تر ۱۸۹۶ء میں اُس نے ''یہودی ریاست'' تصنیف کی، جس میں اُس نے انسانیت کی تمام حدوں کو پار کرتے ہوئے لکھا:

''جب تک یہودیوں کو اپنا وطن نہیں ملتا، اُنھیں سکون نصیب نہیں ہوسکتا۔ اِس قومی اور مذہبی نصب العین کے لیے اور اپنے مقصود کو حاصل کرنے کے لیے، ہر حربہ اور ہر ہتھیار جائز ہے: زن، رشوت، شراب اور فحاشی۔ جہاں یہ کام نہ دیں، تو قتل کرنے سے بھی گریز نہ کیا جائے۔''

فلسطینیوں کے ساتھ، اسرائیلیوں کی کش مکش، اُن کے عقیدے کا تقاضا اور اولین مذہبی ذمے داری:

اِسی وجہ سے یہودیوں نے ہمیشہ نہ صرف ارضِ فلسطین؛ بل کہ نیل سے فرات تک کی ساری عربی اسلامی سرزمینوں کو اپنی انتہائی اہم اور اصل جولان گاہ اور میدانِ کار باور کیا ہے اور وہ اپنے اِسی عقیدے اور تصوُّر کی روشنی میں پہلے دن سے آج تک سرگرمِ کار ہیں۔ عالمِ اسلام اور عالمِ عرب کے ساتھ اُن کی محاذ آرائی ''فیشن'' یا برائے ''تفریح'' یا محض سیاسی اور جغرافیائی توسیع پسندی کی غرض سے نہیں؛ بل کہ مسلم اور بالخصوص عربی دنیا اور بہ طورِ خاص فلسطینیوں کے ساتھ اُن کی کش مکش اُن کے عقیدے کا تقاضا اور ان کی اولین مذہبی ذمے داری اور ضروری قومی ترجیح ہے۔ یہودی یہ سمجھتے ہیں کہ اِس ذمّے داری سے عہدہ برآ ہونا اُن کی قومی بقا اور مذہبی وجود و تشخص کا واحد ذریعہ ہے اور اِس ذمّے داری کی ادائے گی میں کوتاہی درحقیقت اُن کی قومی اور مذہبی موت ہے۔ عربوں اور مسلمانوں کے ساتھ اُن کی لڑائی، اُن کے ساتھ مقابلہ آرائی کی تمام سرگرمیاں اور اُن کی وحشیانہ جارحیت کی ساری کارروائیاں؛ اُن کے مذہبی تقاضے کی دین ہیں۔ اُن کا اِس پر ایمان ہے کہ رب کی بھرپور جزا، جنت میں دخول اور جنت کی ابدی نعمتوں سے سرفرازی کا واحد ذریعہ، عربوں اور مسلمانوں کا قتلِ عام ہے۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ مسلمانوں اور عربوں کے ساتھ اُن

کا ظلم وجور، جتنا شدید وقبیح ہوگا، اُن کا رب اُنھیں اُسی قدر محبوب رکھے گا اور نوازے گا!۔

ہماری حکومتوں کا افسوس ناک رویہ:

لیکن افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہماری حکومتیں، ہمارے ممالک اور ہمارے وہ قائدین جن کی جیبیں بھری ہوئی ہیں: لیکن اُن کے دل اسلامی جذبے سے بالکل خالی ہیں، اُن کی گردنوں کی رگیں پھولی ہوئی ہیں؛ لیکن اُن کے دماغوں کی رگیں بالکل خشک ہیں؛ یہودیوں کے برعکس، اُن کے ساتھ کش مکش کو کسی طرح کا مذہبی رنگ دینا نہیں چاہتے، فلسطین کی لڑائی کو وہ جاں نثاری وقربانی اور جہاد وشہادت سے عبارت نہیں سمجھتے یا نہیں سمجھنے دینا چاہتے؛ بل کہ ہمارے قائدین وحکام ہمیشہ اُن مسلمانوں سے برسرِ پیکار رہے جنھوں نے فلسطینی-اسرائیلی کش مکش کو اسلامی رنگ دینا چاہا، اُن کے ساتھ اُنھوں نے ظلم وجور کا ہر ہتھکنڈہ اپنایا، اُنھیں قتل کیا، جیل میں ڈالا، اُن پر مُقدَّمات قائم کیے، اُنھیں پہلے انتہا پسند اور اب دہشت گرد کہا، اُن پر روزی روٹی کے دروازے بند کیے اور اُنھیں ہر طرح سے ستایا اور ایمان ویقین کی آزمایش میں ڈالا؛ تاکہ اسلامی غیرت وحمیّت کا اُن کا ''بھوت'' اتر جائے اور وہ سیکولر، دین بیزار اور ''اعتدال پسند'' مسلمان بن جائیں اور دینی حوالے سے سود وزیاں کا سارا اِحساس کھو بیٹھیں۔ قائدین وحکام نے اِس سلسلے میں کسی اسلامی رشتے اور قرآنی تعلیمات کی کوئی پرواہ نہیں کی جو مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ کے قوی تر رشتے کو پرزور الفاظ میں اجاگر کرتی ہیں:

''پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو رات میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک کا سفر کرایا، جس کے گرد ہم نے برکت دی'' (سورۂ اِسرار یعنی سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۱)

اسلام اپنی کتاب: قرآنِ پاک کے بہ موجب مسجدِ اقصیٰ اور اُس کے آس پاس کی وسیع تر زمین کو محض زمین، خاک اور خشک یا گیلی مٹی سے عبارت نہیں سمجھتا۔ اسلام کے نزدیک مسجدِ اقصیٰ اور اُس کی زمین کی حیثیت، اِس امت کے نبی محمد ﷺ اور دیگر انبیار علیہم

السلام کے مابین مضبوط و مستحکم برادرانہ اور ایمانی رشتے کی علامت کی ہے۔

لیکن غیرت و حمیت کے فقدان کے اِس زمانے میں اِس رشتے کی پاس داری پر زور دینے والوں، اِس کے مُقدّس تصوُّرات و تقاضوں کا خیال رکھنے کی دعوت دینے والوں اور اِس کے ایمانی مُحرِّکات اور توحیدی جذبات کی اساس پر محوِ کار رہنے کی اپیل کرنے والوں کو ہم، بدقسمتی سے، ہمیشہ رجعت پسند، بنیاد پرست، پس روی کا خوگر اور دہشت گرد کہہ کر، اُنھیں یا تو منظر سے ہی ہٹاتے رہے ہیں، یا سلاخوں کے پیچھے دھکیل کر، کال کوٹھریوں میں بند کر کے، ہم نے عبرت ناک سزائیں دی ہیں، یا اُن کے ہاتھ پاؤں توڑ دیے ہیں، اُن کی زبانیں کاٹ لی ہیں، اُن کے ہونٹ سی دیے ہیں، اُن سے قلم چھین لیے ہیں، اُن کے کاغذ پھاڑ دیے ہیں اور اُن کے فکر و نظر کے دھارے پر روک لگا دی ہے یا ہمیشہ کے لیے اُسے بگاڑ کے رکھ دیا اور اُنھیں جسمانی کے ساتھ ساتھ ایسے ذہنی عذاب میں مبتلا رکھا کہ وہ نہ صرف لاشۂ بے جان؛ بل کہ دگر لوگوں کے لیے عبرت کا سامان بن گئے۔

یہ صحیح ہے کہ اپنی زبانوں سے، کلمۂ کفر نہ کہا؛ لیکن...

یہ صحیح ہے کہ ہم نے اپنی زبانوں سے کفر کے الفاظ ادا نہیں کیے، لیکن کفر تک لے جانے والے مُحرِّکاَت کی کوئی قسم ایسی نہیں، جس کو ہم نے استعمال نہ کیا ہو، اِلحاد کی ہر شکل ہمارے تجربے میں آچکی ہے، شر و فساد کی ساری دعوتوں کو ہم نے لبیک کہا ہے، طاغوتی طاقتوں اور ابلیسوں کی تمام تر اپیلوں کو ہم نے تسلیم کیا ہے اور ہم نے اُنھیں حرف بہ حرف نافذ کیا ہے اور اِس سلسلے میں کسی ترمیم، تاخیر اور تاویل کی کسی گنجایش کو ہم نے راہ نہیں دی ہے؛ اِس کے باوجود اَبالسۂ وقت کے مطالبوں کو بہ روے کار لانے کے حوالے سے، ہم اِحساسِ کوتاہی کا شکار رہے اور معذرت خواہی کے لیے، ہم نے اُن کے سامنے پے در پے اِتنے سارے خشوع و خضوع آمیز سجدے کیے ہیں، جنھیں شمار کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں!۔

بارِ الٰہا! ہم ایمان لاتے ہیں کہ تو غفور و رحیم ہے، تیری رحمت تیرے غضب پر غالب رہتی ہے؛ چناں چہ تو ہمیں اِس کے باوجود مسخ نہیں کرتا کہ ہم نے تیری پکڑ کو چیلنج کرنے اور تیری ناراضگی کو دعوت دینے کے حوالے سے اپنی حیرت ناک جرأت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے اور تو ہمیں سابقہ نافرمان قوموں کی طرح زمین میں نہیں دھنساتا؛ بل کہ ہماری دلیرانہ خطاؤں کے باوجود، تو ہمیں مسلسل معاف کیے جا رہا ہے اور اپنی اِس دنیا میں ہمیں پیہم ایسے اسباب و وسائل سے نوازتا جا رہا ہے، جن کی وجہ سے ہم اپنے اُن اعضا و جوارح سے مسلسل فائدہ اٹھاتے جا رہے ہیں، جن کو ہم نے تیری نافرمانی اور تیرے مَنْہِیَّات کے ارتکاب کے لیے، بے دریغ استعمال کیا ہے۔ تو اگر چاہتا تو ہم سے یہ ساری نعمتیں، یکلخت چھین لیتا۔ بلاشبہہ تو ہر چیز پر قادر ہے: ''سو اللہ کی تدبیر سے بے خوف نہیں رہتے مگر گھاٹا اٹھانے والے لوگ'' (سورۂ اعراف، آیت ۹۹)

ہمارے قائدین و حکام کا ہمہ گیر ''ارتداد'':

ہم نے (یعنی ہمارے قائدین و حکام نے بہ طور خاص) شروع سے آج تک امتِ مسلمہ کو درپیش سارے مسائل میں عموماً اور مسئلہ فلسطین میں، جو تمام مسائل کی جڑ ہے، خصوصاً ایسا طرزِ عمل اختیار کیا ہے، جس کو ہمہ گیر ارتداد کے سوا کوئی اور نام نہیں دیا جا سکتا۔ یہ ارتداد، ثقافت و تہذیب، دین و مذہب کے تقاضوں، غیرت و حمیت کی روح: ساری چیزوں کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ خدانہ خواستہ، سعادت مندی اور کامرانی و شاد کامی کے اسباب کو اختیار کرنے کی توفیق، ہم سے چھین لی گئی ہے، جس کی وجہ اِس کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتی کہ نافرمانی، سرکشی، بغاوت اور عزت و عظمت والے بزرگ تر خدا کی ناراضگی کو دعوت دینے پر، جمے رہنے کے حوالے سے، ہماری جرأت و بے باکی دیدنی ہے!۔

چناں چہ صہیونی دشمن کے سامنے، اپنے اصلی حقوق سے لامتناہی دست برداریوں کی، ہم نے ایسی مثال قائم کی ہے، جو خود اُس کے لیے بھی غیر معمولی طور پر حیرت ناک

اور اُس کے لیے اچنبھے کا باعث ہوئی ہے؛ کیوں کہ خود اُس کو بھی یہ اندازہ نہ تھا کہ ہم دست برداریوں کی اِس منزل تک پہنچ جائیں گے، یہ دست برداریاں کم و کیف کے ہر معیار کے اعتبار سے، دشمن کے لیے تعجب کا باعث بنتی رہی ہیں۔

بسا اوقات تو ایسا لگنے لگتا ہے کہ جیسے ہمارے لیے دست برداریوں کا ''موسم'' آ گیا ہو کہ یکے بعد دیگرے اتنی ساری پیش کشیں، ہماری طرف سے سامنے آتی ہیں کہ ساری دنیا محوِ حیرت ہو جاتی ہے، جب کہ دشمن کی طرف سے اُن کا کوئی معاوضہ ہمیں کبھی ملا ہے، نہ ملے گا، نہ ملنے کی امید ہے۔ ہمارے قائدین و حکام کا یہ رویّہ ہر طرح باعثِ تعجب ہے، اُنھیں کیا نام دیا جائے، کس لقب سے پکارا جائے، اُن کے حرکت و عمل کی کیا تشریح کی جائے اور اُن کی ہمالیائی غلطیوں کی کیا تاویل وضع کی جائے؟ اُمّت کے سارے عقلا و مفکرین اور اہلِ قلم و اہلِ لسان، پریشان ہیں۔

دست برداری کا کوئی موقف اور پیچھے ہٹنے کا کوئی رویّہ آخری نہیں؛ بل کہ ایک کے بعد دوسرا کوئی رویّہ سامنے آتا ہے، جو پہلے والے سے زیادہ خطرناک، بھیانک اور حیرت انگیز ہوتا ہے۔ عالمی اور عربی ذرائع اِبلاغ نے کچھ ہی دِنوں پہلے، ایک ایسی خبر شائع کی جس سے مسلم دنیا کے سارے عوام حیرت زدہ رہ گئے: عرفات صاحب نے اِعلان کیا کہ شیخ یٰسین کی شہادت کے بعد، اب تک فلسطینی اتھارٹی، فلسطینی مزاحمت کاروں کی طرف سے کی جانے والی ''خودکشی'' کی ۳۴ کارروائیوں کو روبہ عمل آنے سے پہلے ناکارہ کر دینے میں کام یاب رہی ہے۔ یاد رہے کہ شیخ یٰسین تحریک حماس کے بانی تھے اور مکمل طور پر مفلوج ہونے کے باوجود، اپنی نیکی، بزرگی، سحر خیزی، جراَتِ ایمانی، ہمت و حوصلہ، حکمت و دانائی اور جذبۂ جہاد سے سرشاری میں، عصرِ حاضر میں اپنی مثال آپ تھے۔ اُنھیں اسرائیل نے سموار: ۲۲ر مارچ ۲۰۰۴ء (۳۰ر محرم ۱۴۲۵ھ یعنی عربی جنتری کے حساب سے یکم صفر) کو اُس وقت شہید کر دیا جب وہ فجر کی نماز ادا کر کے وہیل چیر پر، اپنے گھر واپس آ رہے تھے، اُن پر ہیلی کاپٹر، توپوں اور میزائلوں سے حملہ کیا گیا تھا۔

یاسر عرفات کا بزدلانہ اِعلان:

یاسر عرفات، اپنے اعلان کے وقت اِحساسِ افتخار سے سرشار تھے۔ وہ یک شنبہ ۲۶رمئی ۲۰۰۴ء مطابق ۱۱ر ربیع الاول ۱۴۲۵ھ کو صہیونی ٹیلی وژن کے دسویں چینل کو انٹرویو دے رہے تھے۔ یاسر عرفات کا کہنا تھا کہ فلسطینی مُقتدِرہ کے ذریعے، فلسطین کے مسلم نوجوانوں کی طرف سے کیے جانے والے ۳۴ مذکورہ خودکش حملوں کو ناکام بنا دیے جانے کی وجہ سے ہی، آج اسرائیل سکون واطمینان محسوس کر رہا ہے۔ اُنھوں نے اپنے انٹرویو میں عالمی جنگی مجرم، یعنی اسرائیلی وزیراعظم اور بدنامِ زمانہ قاتل ''شیرون'' سے اپنے لیے ملاقات کا موقع دیے جانے کی بھیک بھی مانگی، اُنھوں نے کہا کہ وہ ہر جگہ اُن سے نیاز حاصل کرنے کے لیے بے تاب ہیں، وہ شہرِ قدس میں بھی اُن سے مل سکتے ہیں۔

یاسر عرفات کی اِس ذلت آمیز پالیسی پر بعض عربی اسلامی صحافتوں نے بڑے چبھتے ہوے سوالات کیے ہیں، جن کا جواب اُن کے لیے کبھی بھی اور کسی بھی طرح ممکن نہ ہوگا۔ اُن سے پوچھا گیا ہے کہ صہیونیوں کے لیے آں جناب نے جو یہ ''عظیم کارنامہ'' انجام دیا ہے، تو کیا اِس کے بدلے میں صہیونیوں کی طرف سے یہ ہوا کہ وہ کم از کم ایک روز کے لیے فلسطینی مسلمانوں کے قتلِ عام، اُن کے گھروں کی مسماری، اُن کی زمینوں اور کھیتوں کی تباہی اور اُن کے شہروں اور دیہاتوں کو ویران کر دینے کے عمل سے، باز آ گئے ہوں؟!۔ بل کہ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اُنھوں نے ایک دن یا ایک گھنٹے کے لیے ہی خود آپ کی گھیرابندی اور حبسِ بے جا کی کارروائی روک دی ہو؟ کیا آپ کے لیے صہیونیوں کے سنگِ آستاں پر، جبہہ سائی کے بہ جائے، یہ بہتر نہ تھا کہ آپ فلسطینی مسلمانوں کی طرف منسوب، اُن نمک حراموں اور اسرائیل کے گماشتوں کو رگیدتے اور اُن پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کی کوئی کارروائی کرتے، جو فلسطینی مجاہدین کے خلاف صہیونیوں کے لیے جاسوسی کرتے ہیں اور صہیونیوں کے اپاچی ہیلی کاپٹروں کو مجاہدین کی کاروں اور ان کے ٹھکانوں کا پتہ بتا کر، اُن کی شہادت

کی راہ ہم وار کرتے ہیں؟ کب تک یہ نام نہاد فلسطینی مُقتَدِ رَہ، ذلت ورسوائی اور دشمنوں کے قدموں تلے بچھنے کی پالیسی پر گام زن رہے گی، جب کہ اُس کو اُن کی طرف سے، اِس کا، اس کے سوا کوئی بدلہ ملا ہے نہ ملے گا، جو ''سِنِمّار'' کو نعمان لخمی کی طرف سے ملا تھا، یاد رہے کہ سنمار ایک رومی معمار تھا، جس نے نعمان لخمی (۵۸۰-۶۰۲ء) شاہِ حیرہ (حیرہ، نجف وکوفہ کے مابین ایک جگہ ہے) کا محل تعمیر کیا تھا، جو اپنی نظیر آپ تھا، نعمان نے اسے انعام دینے کی بہ جائے اوپر سے گرا کر مروادیا؛ تاکہ وہ کسی دوسرے کا ویسا محل نہ بنا سکے۔

یاسر عرفات صاحب کی ویسے تو پوری زندگی ہی یہودیوں کی غلامی، شکست خوردگی، پسپائی اور اپنی قوم کے ساتھ غداری سے عبارت ہے اور اگر اُن کے ''کارناموں'' کے چند اوراق بھی یہاں پلٹے جائیں تو افسوس اور غم کی وجہ سے قاری کے لیے اُن کا پڑھنا مشکل ہوگا؛ لیکن یہاں ایک اور تازہ واقعے کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا۔ یک شنبہ ۲۰ر جون ۲۰۰۴ء مطابق یکم جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ کو یاسر عرفات صاحب یہودیوں کے عبرانی زبان کے اخبار ''ہا آرتس'' کو انٹرویو دیتے ہوے فرماتے ہیں کہ سارے پناہ گزیں فلسطینیوں کی اپنے گھروں کو واپسی خارج از امکان ہے۔ آپ نے مزید فرمایا ''اسرائیل ایک یہودی اسٹیٹ ہے اور اُس کی اِس شناخت کی حفاظت ضروری ہے۔ یہ ایک واضح اور سمجھ میں آنے والی حقیقت ہے؛ لہٰذا فلسطینی پناہ گزینوں کا مسئلہ اِس طرح حل کیا جانا چاہیے کہ اسرائیلی اسٹیٹ کی شناخت مجروح نہ ہو۔''

یاسر عرفات نے صہیونیوں کے ساتھ خود سپردگی اور شکست خوردگی کے جو امن مذاکرات شروع کیے، اُن کا مقصد ہی اسرائیل کو نہ صرف وہ سب کچھ دے دینا تھا، جس کی اُسے خواہش رہی تھی؛ بل کہ اُسے اُس کی خواہش سے سوا، دے دینا تھا۔ عرفات صاحب، عرصے سے اِسرائیل کے محاصرے میں اِس طرح زندگی گزار رہے ہیں، جو ذلتِ محض سے عبارت ہے، وہ کسی جگہ جا نہیں سکتے، کسی ایسے آدمی سے مل نہیں سکتے جس سے ملنے کی اسرائیل اُنھیں پیشگی اجازت نہ دے دے، وہ کسی عربی اور اسلامی ملک کا سفر تو درکنار،

اُس سے کسی طرح کا ربط بھی نہیں کر سکتے؛ لیکن اُن کی ''شرافت'' کی بات ہے کہ وہ اِس کے باوجود، اسرائیل کے تئیں غیر معمولی حسنِ ظن رکھتے ہیں اور اُس کی بے مثال خدمتوں کے لیے بے تاب رہتے ہیں۔

''مُڈریڈ'' پھر ''اوسلو'' اور اُس کے بعد کے اُکتا دینے والے امن مذاکرات، درحقیقت اسرائیل کے لیے، فلسطینیوں کے جائز اور واجب حقوق سے دست برداری سے عبارت تھے۔ یہ دست برادری، بغیر کسی انقطاع کے ہنوز جاری ہے۔ یاسر عرفات کو اِن دست برداریوں کے مقابلے میں اب تک کوئی ایسی چیز نہیں ملی، جس کو وہ اُچھل اُچھل کے لوگوں کے سامنے پیش کر سکتے؛ بل کہ اُنھیں اِن ساری وفاداریوں کے عوض صرف ''تھپڑ'' اور ''گھونسے'' ملتے رہے ہیں؛ اِسی لیے تحریکِ حماس نے عرفات کی مذکورہ دست برداری کی پیش کش کو ''ذلت و رسوائی کی نئی کارروائی'' قرار دیا ہے۔ حماس نے کہا ہے کہ عرفات کا یہ نیا بیان، عیاں کرتا ہے کہ وہ ''زمینی تبادلے'' کے عنوان سے مغربی کنارے کے خطے میں مزید نئی دست برداریوں کے لیے تیار ہو چکے ہیں؛ تاکہ اسرائیل ''دیوار براق'' پر مکمل طور پر قابض ہو جائے، جس کو وہ ''دیوار گریہ'' کا نام دیتا ہے۔ تحریک نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ عرفات کا یہودی شناخت والی اسٹیٹ کے وجود کا اِقرار، ۵۶ سال سے اپنی زمینوں کو سینوں سے لگائے رہنے والے فلسطینیوں کے سینوں میں، نیزے مارنے کے مترادف ہے۔ آباواجداد کی سرزمین سے یہ ایسی غداری ہے جو یکلخت سارے فلسطینیوں کو صہیونی صورتِ حال کے حاشیے پر ڈال دیتی ہے؛ بل کہ ایک انتہا پسند یہودی لیڈر کے اُن بیانات کو تقویت دیتی ہے، جن میں فلسطینیوں کو اپنی زمینوں سے ہمیشہ کے لیے بے دخل کر کے اُن کی جگہ یہودیوں کی آبادکاری کی بات کہی گئی ہے۔

رسوا کن دست برداری کی ایک تازہ مثال:

فلسطین میں اسلامی عربی حقوق سے، رسوا کن دست برداری کی تازہ مثال وہ ہے جو

شنبہ- یکُ شنبہ: ۲۲-۲۳ر مئی ۲۰۰۴ء مطابق ۲-۳ر ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ کو تیونس میں منعقدہ اسلامی چوٹی کانفرنس میں دیکھنے کو ملی، جو دوست اور دشمن دونوں کے لیے اچنبھے کا باعث بنی۔ مذکورہ چوٹی کانفرنس کے اختتامیہ بیان میں اعلان کیا گیا کہ یہ کانفرنس اُن ساری کارروائیوں کو مسترد کرتی ہے، جن سے فلسطینی اور اسرائیلی دونوں فریقوں کے عوام کی جانیں ضائع ہوتی ہیں اور جن میں کسی طرح کی تفریق روا نہیں رکھی جاتی۔ اِس کانفرنس نے دوسرے لفظوں میں اُن ساری شہادت پسندانہ کارروائیوں کی کھلے عام، مذمّت کی ہے، جو فلسطینی مُزاحمت کار انجام دیا کرتے ہیں اور جن کی وجہ سے آج فلسطینی مسئلہ، عالم کے تمام انسانوں کے ذہنوں میں تازہ ہے۔ کانفرنس نے فلسطینیوں کے خلاف وحشیانہ اسرائیلی قتلِ عام اور فلسطینی مجاہدین کی جہادی اور شہادت پسندانہ کارروائیوں کو ایک ہی پلڑے میں ڈال دیا ہے۔ تاریخ نے شرمندگی اور افسوس کے ملے جلے جذبات کے ساتھ، ریکارڈ کیا ہے کہ تاریخ میں یہ پہلی بار ہوا ہے کہ کسی عربی چوٹی کانفرنس میں فلسطینیوں کی اپنی زمین کی باز واپسی کی جائز مزاحمتی کارروائیوں اور غاصب وقابض صہیونیوں کے ظلم وستم اور قتلِ عام کی کارروائیوں کو ایک ہی نظر سے دیکھا گیا ہے، گویا کانفرنس نے صاف طور پر فلسطینیوں کی مزاحمتی سرگرمیوں کو ناجائز قرار دے دیا ہے۔ صہیونی ظالموں نے بہت دنوں سے یہ کوشش جاری رکھی ہوئی تھی؛ لیکن وہ اپنی کوشش میں ہزار جتن کے باوجود کام یاب نہ ہو سکے تھے کہ عربی حکومتیں اور قائدین وحکام، فلسطینی مُزاحمت کو صاف لفظوں میں ''دہشت گردی'' مان لیں۔

کیا یہ کھلا ہوا تہذیبی، ثقافتی، عقائدی اور ساتھ ہی سیاسی، انتظامی اور رویّے سے تعلق رکھنے والا ہمہ گیر ارتداد نہیں تو اور کیا ہے؟

تیونس کے صدر زین العابدین کا رول:

رسوا کن ارتداد کے تعلق سے چلتے چلاتے ایک اور واقعہ سن لیجیے:

تیونس کے صدر ''زین العابدین بن علی'' (یہ نام کتنا اچھا ہے، مسلمانوں کے لیے

قرآن پاک اور رسول عربی کی زبان ہونے کی وجہ سے، ویسے ہی ہر عربی لفظ پیارا ہوتا ہے؛ اِسی لیے عربی نام، فارسی اور اردو یا کسی اور زبان کے ناموں سے کہیں زیادہ باعثِ کشش ہوتا ہے؛ لیکن بعض نام دوسرے ناموں سے زیادہ خوب صورت ہوتے ہیں ''زین العابدین'' کا ہر لفظ انتہائی خوب صورت اور ظاہر و باطن دونوں اعتبار سے پرکشش ہے: ''زین العابدین'' بمعنی عبادت گزاروں کی زینت اور ''بن علی'' بمعنی بلند و بالا کا بیٹا؛ لیکن افسوس ہے کہ اکثر دفعہ اسم اور مسمّٰی میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے، یہی صورتِ حال یہاں بھی ہے) ''وہائٹ ہاؤس'' کے دورے سے واپس آئے تو اُس کے بعد ہی شیخ احمد یٰسین رحمۃ اللہ علیہ کو صہیونیوں نے شہید کر دیا، اِس کے بعد ہی، تیونس میں عرب چوٹی کانفرنس منعقد ہوئی اور اُس میں تیونس کے مذکورہ صدر صاحب نے سارے عربوں سے اپیل کی کہ وہ کانفرنس کے پلیٹ فارم سے شہادت پسندی کی کارروائیوں کی مذمت کریں؛ لیکن شیخ احمد یٰسین کو شہید کیے جانے کے واقعے کی مذمت نہ کریں۔ اُن کا کہنا تھا کہ عربوں کو امریکی اصلاحی پروگرام کے ساتھ، مثبت رویہ اپنانا چاہیے!۔

کیا یہ تعجب خیز بات نہیں کہ:

کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ عربی ممالک بڑھ بڑھ کے، عربی-اسرائیلی کش مکش کو عربوں کے مسائل کی اصل وجوہات کے دائرے سے خارج کرنے کی کوشش میں جٹ جائیں اور ''عظیم مشرقِ وسطیٰ'' کے دشمنانہ، مُنافقانہ اور تمام تر اسرائیلی مفاد کے لیے مُؤیِّدانہ امریکی منصوبے کو روبہ عمل لانے کے لیے، پورے خلوص کے ساتھ سرگرمِ کار ہو جائیں؟

افسوس کے مُحرِّکات ایک دو یا تین ہی نہیں کہ صبر کر کے بیٹھ جایا جائے؛ بل کہ یہ ناقابلِ شمار ہیں اور مسلسل اور پیہم ہیں؛ چناں چہ حال ہی میں قطر میں ایک کانفرنس میں سو سے زیادہ عربی اور اسلامی مفکرین اور سیاست کاروں نے شرکت کی، جنھوں نے عربی دنیا

سے مانگ کی کہ وہ عربوں کے حوالے سے امریکہ کی سرپرستی اور نگرانی کو ضرور تسلیم کرلیں کہ اسی میں خیر کا راز مُضمَر ہے۔ عربی شاعر نے اِسی طرح کی صورتِ حال کی ترجمانی کے لیے کتنا خوب صورت شعر کہا ہے:

لَوْ كَانَ رُمْحًا وَاحِدًا لَاتَّقَيْتُهُ وَلٰكِنَّهُ رُمْحٌ وثَانٍ وثَالِثٌ

ترجمہ: اگر یہ ایک نیزے کی بات ہوتی، تو میں یقیناً اس سے بچ سکتا تھا؛ لیکن یہ تو ایک دو اور تین نہیں بل کہ مسلسل نیزوں کے وار کا مسئلہ ہے۔

صہیونیت گزیدہ امریکہ نے، اِس وقت ساری دنیا میں یہ دھوم مچا رکھی ہے کہ اسلام، دہشت گرد مذہب ہے اور اُس کی اصل تعلیمات کو عام کرنا گویا دہشت گردی کی آگ کو فروزاں کرنا ہے؛ اِس لیے ضروری ہے کہ اسلامی ممالک کی تعلیم گاہوں کے نصاب ہائے تعلیم میں بنیادی ترمیم، عمل میں لائی جائے، یعنی قرآن وحدیث (جو گویا امریکہ کے نزدیک دہشت گردی کا سرچشمہ ہیں) کی تعلیم ختم نہ سہی، اُس کے دورانیے کم کردیے جائیں، نیز یہود ونصاریٰ ومشرکین کے سلسلے میں جو "منفی" باتیں قرآن وحدیث میں آئی ہیں اُنھیں ضرور حذف کردیا جائے اور اِس کے بدلے میں ایسے مضامین پڑھائے جائیں جن سے مسلمانوں میں اسلام کے حوالے سے، غیرت وحمیّت اور اُس کے واحد سچ ہونے کا تصوُّر ختم ہوجائے اور وہ اعتدال پسند، یعنی بے غیرت و بے حمیت مسلمان بن کے رہ جائیں اور دنیا کے سارے مذاہب کو سچا اور صحیح مذہب سمجھیں اور کبھی اسلام کو مان لیں اور کبھی دیگر مذاہب کی تعلیمات پر عمل کرلیں کہ مسجد، مندر، گرجا گھر اور آتش پرستوں کے آتش کدے میں جہاں چاہیں خدا کو "راضی" کرلیں اور بالآخر بے دین اور اسلام سے بیگانہ ہوجائیں؛ کیوں کہ جدید دنیا کے نقشے میں صحیح طور پر فٹ آنے والا وہی انسان ہوسکتا ہے جو مذہب سے بیگانہ ہو، اخلاقی قدروں سے عاری ہو، انسانیت سے تہی مایہ ہو اور چوپایے کی طرح ہر جگہ اور ہر طرح جنسی تسکین کا قائل اور اُس پر عامل ہو۔

اِسی لیے جہاں امریکہ نے شدّ ومد سے اسلامی جامعات ومدارس کی روح کو ختم

کرنے اور مساجد و اسلامی تربیت گاہوں پر پابندی عائد کرنے کی تحریک چلائی ہوئی ہے، وہیں ہمارے اسلامی ممالک، پیش قدمی کر کے امریکہ سے کئی قدم آگے بڑھ جانا چاہتے ہیں؛ چناں چہ تیونس نے اِعلان کیا ہے کہ وہ آیندہ تعلیمی سال(۱) سے اپنے ہاں مدارس و جامعات کو، توریت و انجیل لازمی مضمون کے طور پر پڑھانے کا پابند بنانے جارہا ہے، ساتھ ہی اُس نے اِعلان کیا ہے کہ مساجد و مدارس اور اسلامی پردے پر بھی پابندی عائد کرنے جارہا ہے؛ کیوں کہ بہ قولی اُس کے اسلامی پردہ فرقہ واریت کا ذہن بناتا ہے، اِس سلسلے میں وہ جامعات، ثانوی اسکولوں اور انتظامی اداروں؛ بل کہ ہسپتالوں وغیرہ میں بھی باپردہ خواتین کے داخلے پر پابندی عائد کررہا ہے!۔

عربی اخبارات میں ابھی دو تین دن پہلے یہ خبر میری نظر سے گزری کہ ۲۲؍مئی ۲۰۰۴ء (شنبہ ۲؍ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ) کو مصر کے صوبوں کی متحدہ کونسل نے یہ قرارداد پاس کی ہے کہ اب جامعہ ازہر کو اِس کی اجازت نہ ہوگی کہ وہ نئے دینی مکاتب اور اسکول قائم کرے اور پہلے سے قائم کردہ مکاتب و اسکول میں سے بھی اکثر کو ختم کردیے جانے اور وزارتِ تعلیم کے ماتحت کردیے جانے کا فیصلہ کیا گیا ہے، نیز نئی مساجد کی تعمیر پر بھی پابندی عائد کردی گئی ہے اور ایسی شرطیں وضع کی گئی ہیں کہ اُنھیں روبہ عمل لانا، عام حالات میں مشکل ہوگا، اِس سلسلے میں یہ عجیب و غریب صورتِ حال ہے کہ جامعہ ازہر کے علم میں لائے بغیر مذکورہ قرارداد پر تیزی کے ساتھ عمل شروع کردیا گیا ہے اور تعلیمی حلقوں کے تمام منتظمین کو، سرکاری حکم ناموں کے ذریعے، قرارداد کے تقاضے کو عملی جامہ پہنانے کا پابند بنادیا گیا ہے؛ لیکن یہ اچھا ہوا کہ جامعہ ازہر کے شیخ سید طنطاوی نے، اِس حکم نامے کو ماننے سے انکار کردیا ہے اور صاف کہہ دیا ہے کہ جامعہ ازہر دینی مکاتب و مدارس کا قیام جاری رکھے گی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ امریکہ کے مصری گماشتوں یعنی حکم رانوں کے سامنے، جامعہ ازہر اِس حوالے سے کتنے دنوں سینہ سپر رہتی ہے؟

---

(۱) یعنی ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء سے۔

عالمِ عربی و عالمِ اسلامی کے حکام کا رویہ عام طور پر انتہائی افسوس ناک اور اَلَم انگیز رہا ہے؛ لیکن اِس وقت جو کچھ ہو رہا ہے اُس سے ہر باشعور مسلمان کا دل زخمی، آنکھیں اشک بار اور جگر پارہ پارہ ہو رہا ہے۔ اصل سازش کی خطرناکی کا علم رکھنے والوں کی رات کی نیند حرام ہو گئی ہے؛ لیکن مسلمان، حق کی بالآخر جیت اور باطل کی آخری پسپائی کے خدائی وعدے کے یقینی طور پر روبہ عمل آنے پر ایمان رکھنے کا پابند ہے؛ لہٰذا ہماری ناآشنائے ذات اور شکست خوردہ حکومتیں اور انتظامی اِدارے، اپنی ذمّے داریوں سے جان بچا کر، چاہے فلسطین کو صہیونیوں اور امریکیوں کے دامن میں ڈال دینے کا تہیا کر لیں؛ لیکن عربی اور اسلامی قومیں فلسطین سے کبھی دست بردار ہوئی ہیں نہ اِس کی سوچیں گی، عربی اور مسلم عوام نے ہمیشہ اِس کے لیے اپنی جان، اپنے مال، اپنے مفادات اور اپنے تمام اِمکانی وسائل کی قربانی دی ہے اور اُس وقت تک اِن شاء اللہ دیتے رہیں گے جب تک خدائے پاک کی نصرت و رحمت کا نزول اُن کے مشاہدے میں نہیں آ جاتا: ''بے شک ہم مدد کریں گے اپنے رسولوں کی اور اُن لوگوں کی جو ایمان لائے، دنیا کی زندگی میں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے'' (سورۂ غافر، آیت ۵۱)



امریکہ واسرائیل کے منظورِ نظر محمود عباس (*)

جس دن تنظیم آزادی فلسطین کے صدر مسٹر یاسر عرفات، اِس دنیا سے رخصت ہوے[1]، اُسی دن سے فلسطینی حکومت کی زمامِ کار ایک ایسے شخص کو سونپنے کی زبردست کوششیں اور تیاریاں چل رہی تھیں، جو صہیونیوں، اُس کے سرپرست امریکہ اور مسلمانوں کے درپے آزار، مشرق ومغرب میں موجود اُن دونوں کے حلیفوں کا منظورِ نظر ہو، اُن کی پسند کے مطلوبہ معیار پر پورا اُترنے والا ہو، نیز جو فلسطینیوں کے حقوق کے ساتھ خیانت اور اُن سے دست برداری میں کوئی حجاب اور شرم محسوس نہ کرے اور صہیونیوں کے جامع منصوبوں کے سامنے سپر اندازی میں طاق ہو؛ اِسی لیے بددیانتی میں ماہر، خودسپردگی میں ممتاز اور صہیونیوں کے قدموں میں بچھے پڑنے والے لوگ- جن کی تکمیل بہائی عقیدے کے ابو مازن محمود عباس کے ہاتھوں میں ہے- مسلسل ایسے بیانات دے رہے ہیں، جن سے یہ یقین پختہ ہوتا چلا جاتا ہے کہ، لوگ مُرَ الحُمٹ اور اُس مُسَلَّح انتفاضہ سمیت تمام فلسطینی مُسَلَّمات سے پلا چھڑالیں گے، جس نے قضیہِ فلسطین کو ازسرِ نو نمایاں کیا ہے اور جس کی بہ دولت ہی یہ قضیہ عالمی پیمانے پر اپنی سرگرم موجودگی کا اِحساس دلا سکا ہے۔ جب کہ یہ قضیہ، فلسطینی اور عربی قائدین وسیاست دانوں کے، صہیونیوں کے ساتھ امن مذاکرات کی دَل دَل میں بُری طرح پھنس جانے کی وجہ سے، جاں کنی کے عالم میں تھا۔

(*) ترجمہ کلمۃ المحرر، الداعی، شمارہ: ۱۱-۱۲، جلد: ۲۸ ذی قعدہ-ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ = دسمبر ۲۰۰۴-جنوری، فروری ۲۰۰۵ء

(۱) یعنی چہارشنبہ- جمعرات: ۲۷-۲۸ (بہ تقویمِ عالمِ عربی) ۲۶-۲۷ (بہ تقویم ہندوستان) رمضان ۱۴۲۵ھ مطابق ۱۰-۱۱ر نومبر ۲۰۰۴ء کی شب میں۔

اگر اسرائیل اور امریکہ ابو مازن محمود عباس نام کے اِس آدمی اور گناہوں کی راہ کے اُس کے رفقا کو پسند کرتے ہیں، تو اِس کا صاف مطلب یہی تو ہے کہ یہ آدمی انتظامی، فکری، عقائدی اور نفسیاتی ہر اعتبار سے، فلسطینیوں کے حقوق کے حوالے سے غدّاری اور پورے فلسطینی قضیے کو دریا برد کر دینے کے تعلّق سے زبردست صلاحیتوں کا حامل ہے؛ کیوں کہ دشمن اُسی شخص کو پسند کرتا ہے، جو ہر کام میں اُس کی ہاں میں ہاں ملانے والا، اُس کے مفادات کا محافظ اور اُنھیں بہ روے کار لانے پر بھرپور قدرت رکھنے والا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ محمود عباس امریکہ اور اسرائیل کے لیے ہمیشہ بے انتہا پسندیدہ رہے ہیں۔ عالمی راے عامّہ اور خود سارے فلسطینیوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ محمود عباس نے اپنی صدارت کی دو سالہ مدّت کے دوران، قضیہ فلسطین سے مکمل خود سپردگی اور شکست خوردگی کے ساتھ نمٹنے کی کوشش کی تھی اور صہیونی مفادات کے ساتھ، اِس طرح ہم آہنگ ہو گئے تھے کہ اُن کے قریبی رفقاے کار کو بھی، اُن کا یہ طرزِ عمل بُرا لگا تھا۔ اِسی لیے تھوڑی ہی مدت میں، اُنھیں بادلِ ناخواستہ، صدارت کی کرسی چھوڑ دینی پڑی۔

انتفاضے کے اِخلاص پیشہ افراد اِسی بات سے بہت خوف زدہ ہیں کہ محمود عباس کو ۹؍جنوری ۲۰۰۵ء کو ہونے والی انتخابی میٹنگ میں فلسطینی اتھارٹی کا صدر منتخب کر لیا جائے گا اور اِس کا بھی زبردست اندیشہ ہے کہ محمود عباس وہ سب کچھ کر گزریں، جس کا اسرائیل اور امریکہ نے بھی خواب نہ دیکھا ہوگا؛ کیوں کہ وہ صہیونی مفادات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے اور خدا نہ کرے کہ فلسطینیوں کے مابین خانہ جنگی چھڑ جائے، جس سے قضیہ فلسطین کا اِتنا نقصان ہوگا، جتنا آج تک نہ ہوا ہوگا۔ اِن حقائق کے پیشِ نظر اِس پر کوئی حیرت بھی نہیں اگر امریکہ نے ۱۵؍دسمبر ۲۰۰۴ء = ۲؍ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ چہار شنبہ کو ابو مازن محمود عباس کے اُن بیانات کی تعریف کا پُل باندھا ہے، جن میں محمود عباس نے فلسطینیوں پر یہ دباؤ ڈالا تھا کہ وہ مُسلّح مزاحمت کی راہ چلنا چھوڑ کر، مذاکرات، امن اور شکست خوردگی کی راہ پر محوِ سفر ہو جائیں۔ امریکہ نے صاف کہا کہ محمو عباس کی فلسطینیوں

سے یہ اپیل، اُس دہشت گردی سے، دست بردار ہونے کی دعوت کے ہم معنی ہے، جس کا فلسطینی مسلسل ارتکاب کرتے رہے ہیں۔

اِس بیان کے بعد تحریکِ حماس اور انتفاضے میں شریک فلسطینی گروہوں کی طرف سے زبردست ردِعمل سامنے آیا؛ چناں چہ اُنھوں نے بہ یک زبان کہا: ہم سب مذاکرات کی میز پر دوبارہ لوٹنے کی اپیل کو مسترد کرتے ہیں؛ کیوں کہ یہ امریکی انتظامیہ اور اُس کے اُس نقشۂ راہ کا سہارا لینے کی طرف بازگشت ہے، جس میں نقصان ہی نقصان ہے اور جس کو اختیار کرکے، فلسطینی اپنے معمولی حق کو بھی حاصل نہیں کرسکتے۔ حماس کی سیاسی قیادت کے رکن ڈاکٹر نزار ریّان نے طاقت کے ساتھ کہا کہ ہم لوگ فلسطین کے بحر و بر کی آزادی کے لیے، مُرُ الحمث اور جہاد کی راہ پر ہی چلتے رہیں گے۔ اُنھوں نے کہا: ہم یہ عہد کرتے ہیں کہ ہم گولیوں اور بندوقوں سے اُس وقت تک دست بردار نہ ہوں گے، جب تک ہمارا ملک آزاد نہ ہوجائے۔ ریّان، مسجد خلفاء راشدین، جبالیا، غزہ پٹی میں حماس کی طرف سے ۲۶/نومبر ۲۰۰۴ء (جمعہ ۱۲/شوال ۱۴۲۵ھ) کو منعقدہ جلسے کو خطاب کررہے تھے۔ آنے والے دنوں میں ایسی امریکی صہیونی اور عالمی سرگرمیاں دیکھنے کو ملیں گی، جن کو فلسطین اور غیر فلسطین کہیں کے بھی اسلام پسند گوارا نہ کریں گے؛ لیکن وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (یوسف/۲۱) اللہ طاقت ور رہتا ہے اپنے کام میں؛ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔



جانشینِ عرفات ابو مازن محمود عباس مرزا کا انتخاب توقعات اور خدشات (*)

یاسر عرفات کے جانشیں کے لیے ہونے والے ۹؍جنوری ۲۰۰۵ء (اتوار ۲۷؍ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ) کے انتخاب میں ''الفتح'' گروپ کے ''عباس محمود مرزا'' کو ویسے تو ۶۲٫۳ فی صد ووٹوں کے ساتھ پیشگی تَوَقُّع کے مطابق چن لیا گیا ہے، جس سے عالمی رائے عامہ کو یہ تَوَقُّع ہو چلی ہے کہ اُن کی یہ کام یابی اسرائیل کے ساتھ مذاکرات کے عمل کو بہ عجلت آگے بڑھانے اور بالآخر بحالی امن کی منزل تک پہنچنے میں مُتَوَقَّع رول ادا کرے گی؛ لیکن تجزیہ کاروں اور فلسطین کے مُعامَلات کی گہری جان کاری رکھنے والوں کا اندازہ ہے کہ ''عباس مرزا'' کو، صحیح اور جائز ووٹوں میں سے صرف ۳۵ فی صد فلسطینیوں کی حمایت ملی ہے؛ اِس لیے اُن کے اندازے کے مطابق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اُنھیں فلسطینی عوام کی اکثریت کی حمایت حاصل ہے۔ یہ اندازہ اِس لیے بھی صحیح ہے کہ ۱۳/۱۲/۲۰۰۴ء (سموار ۲۹؍شوال ۱۴۲۵ھ) کو غزہ کے ۲۶ شہروں اور گاؤں میں ہونے والے بلدیاتی انتخابات میں، جس میں ۸۲ فی صد سے زائد ووٹ پڑے، حماس اور الفتح دونوں ہم پلہ ثابت ہو چکے ہیں، دونوں کو تقریباً ۵۰، ۵۰ فی صد کام یابی ملی ہے۔

محمود عباس، اسرائیل کا منظورِ نظر:

بہ ہر کیف مزاحمت پسندوں کے بائیکاٹ کے باوجود ''محمود عباس مرزا'' ووٹ دہندہ

(*) بہ راہ راست اردو میں تحریر کردہ. جمعرات ۱۲ بجے صبح ۲/۱۲/۱۴۲۵ھ = ۱۳/۱/۲۰۰۵ء

فلسطینیوں کی بڑی اکثریت کا ووٹ حاصل کرنے میں کام یاب رہے، جس سے بہ جا طور پر یہی ظاہر ہوتا ہے کہ فلسطینی عوام کی اکثریت کو، امن وسلامتی کی خواہش ہے اور وہ خون خرابے سے چھٹکارا چاہتے ہیں۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ ''محمود مرزا'' کو صرف فلسطینیوں ہی کی نہیں؛ بل کہ شروع سے ہی اسرائیل اور امریکہ دونوں کی نہ صرف تایید وحمایت حاصل رہی ہے؛ بل کہ وہ ہمیشہ دونوں کے ''منظورِ نظر'' رہے ہیں؛ اسی لیے موجودہ صدارتی انتخاب میں کام یابی کے بعد، کسی عربی اور اسلامی ملک کے سربراہ کی طرف سے اُنھیں کھل کر اُس طرح مبارک بادی نہیں دی گئی، جس کا اظہار اُن کے لیے اسرائیل کے وزیر اعظم ''ایریل شیرون'' اور امریکہ کے صدر بش نے کیا ہے، بش نے تو یہ امید بھی ظاہر کی ہے کہ نئے فلسطینی صدر کے ساتھ مل کر، مشرق وسطیٰ میں امن کی کوششوں کو بڑھانے میں مدد ملے گی۔ صدر بش نے صرف مبارک بادی کے الفاظ کے استعمال ہی پر بس نہیں کیا؛ بل کہ محمود مرزا کو واشنگٹن آنے کی دعوت بھی دے ڈالی اور والہانہ انداز میں کہا کہ ہم ہر طرح کی مدد کے لیے تیار ہیں۔ یاد رہے کہ صدر بش نے یاسر عرفات کو اُن کی ساری تاریخی حیثیتوں کے باوجود پچھلے کئی برسوں سے منہ تک نہیں لگایا تھا؛ بل کہ اسرائیل کی طرح، اُنھوں نے بھی اُنھیں بالکل الگ تھلگ کر کے رکھ دیا تھا۔

اسرائیل اور امریکہ کا، محمود عباس کے ساتھ دوستی کا اِظہار:

اسرائیل، جو فلسطین کے حوالے سے اصل فریق ہے اور امریکہ، جس کے ہاتھ میں فلسطینی مسئلے کے حل کی شاہ کلید ہے، دونوں کا محمود مرزا کے ساتھ بڑھ بڑھ کے دوستی کے اِظہار سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں امن کے قیام کے حوالے سے اب کی بار واقعی سنجیدہ ہیں اور اُنھوں نے محمود مرزا کا اگر اُسی طرح ساتھ دیا، جس طرح کے حوصلے کا اِظہار کر رہے ہیں، تو قیام امن کی منزل زیادہ دور نہیں، خصوصاً اِس لیے کہ اسرائیل والے تو بہ طورِ خاص محمود مرزا کو دل پسند فلسطینی رہنما تصوُّر کرتے ہیں، چناں چہ اسرائیل کے نائب

وزیرِاعظم ''شمعون پیریز'' کا کہنا ہے کہ فلسطینی صدر کی حیثیت سے ایک اعتدال پسند، ذہین اور تجربہ کار شخص کا انتخاب عمل میں آیا ہے۔ وہائٹ ہاؤس کے ذریعے نے بتایا ہے کہ صدر بش، نئے صدرِ فلسطین سے ملاقات کے لیے بے تاب ہیں اور وہ اِسی ہفتے مسٹر عباس سے رجوع کریں گے!۔

کیا امریکہ اور اسرائیل، قیامِ امن کے لیے سنجیدہ ہیں؟

لیکن کیا فلسطینی مسئلے کے حوالے سے بنیادی کردار رکھنے والے یہ دونوں فریق، یعنی اسرائیل اور امریکہ قیامِ امن کے تعلّق سے واقعی سنجیدہ ہیں؟ جوش و جذبے کے اِظہار کے پیرایے کی پہنائیوں میں جھانکنے سے ایک بار پھر اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ دونوں ہی نہ کبھی پہلے سنجیدہ تھے اور نہ اب ہیں۔ اِسی پہلے بیان میں، جس میں بش نے محمود مرزا کو مبارک باد دی ہے اور نیک خواہشات کا اِظہار کیا ہے، اُس نے اِس موقع سے بھی یہ کہنے سے گریز نہیں کیا کہ نئے فلسطینی رہنما کو دہشت گردی سے جنگ اور بدعنوانی کو ختم کرنے جیسے سنگین مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اِس جملے کے سیاق و سباق کا علم رکھنے والا ہر قاری سمجھ سکتا ہے کہ امریکہ فلسطینی مسئلے کو اسرائیل کے ساتھ کھلم کھلا جانب داری کے دائرے ہی میں حل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور وہ اِس مسئلے کو حل کرنے کا صرف ایک ہی مطلب سمجھتا ہے کہ فلسطینیوں کو وہ سب کچھ مان لینا چاہیے، جو ہم اُن سے منوانا چاہتے ہیں اور اپنے سارے حقوق سے دست بردار ہو جانا چاہیے، جن پر ہنوز اُنھیں اِصرار ہے۔ امریکی صدر کے بیان کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ بحالیِ امن کی ساری ذمے داری، صرف اور صرف فلسطینیوں ہی پر عائد ہوتی ہے، رہا اسرائیل تو وہ گویا امن کے حوالے سے ساری ذمے داریاں ادا کر چکا اور جو باقی ہے اُس کو گویا ادا کرنے کے لیے وہ مکمل طور پر تیار ہے؛ لیکن دوسری طرف اسرائیل کے اعلیٰ ذمے داروں کی بات، جو اِسی موقع سے اُن کے منہ سے نکلی ہے، آپ پڑھ لیں تو اندازہ ہو جائے گا کہ اسرائیل امن کے لیے سنجیدہ تھا نہ ہے نہ ہو سکتا ہے۔

اسرائیلی وزیر اعظم شیرون نے کہا کہ امن مساعی کا سلسلہ لازمی طور پر جنگ جوؤں کے خلاف سخت کارروائی سے شروع ہونا چاہیے اور یہی بات صدر بش نے بھی کہی تھی کہ مسٹر عباس کو چاہیے کہ وہ فلسطینی سیکورٹی فورس کو جنگ جوؤں سے نمٹنے کا متحمل بنائیں۔

امریکہ اور اسرائیل کے نزدیک امن کا مطلب!

اسرائیل اور امریکہ دونوں کے ہاں امن کا صرف ایک ہی مطلب ہے کہ فلسطینی اپنی مُسلَّح مزاحمت سے باز آجائیں اور اگر باز نہیں آتے ہیں تو موجودہ فلسطینی رہنما کو بہ زورِ بازو یعنی مُسلَّح سیکورٹی کے ذریعے، باز آنے پر مجبور کر دینا چاہیے۔ اِس کے بعد فلسطینیوں کو بھی اُن کا کوئی حق دیا جائے گا یا نہیں؟ امریکہ اِس سلسلے میں سنجیدہ نہیں ہے؛ اِس لیے وہ اِبہام آمیز رویہ اختیار کرتا ہے اور اسرائیل کا تو بالکلیہ یہ ارادہ ہے کہ فلسطینیوں سے سب کچھ لے لیا جائے اور اُنھیں کچھ بھی نہ دیا جائے۔ نہ تو اُن کے پناہ گزینوں کو واپس آنے دیا جائے اور نہ فلسطینی مملکت کے قیام کے خواب کو شرمندۂ تعبیر ہونے دیا جائے، ہاں اگر عالمی دباؤ اور امریکہ کی ''بیوقوفی'' سے اُس کے کسی ظاہری دباؤ کا واقعی سامنا کرنا پڑے، تو چند کٹی پِٹی بستیوں پر مشتمل ایسی لنگڑی لولی نام نہاد فلسطینی مملکت کے قیام کی اِجازت دی جائے کہ فلسطینیوں کو ہمیشہ یہ کہنا پڑے کہ اِس سے بہتر تھا کہ ہمیں اِس طرح کی مملکت نہ ملتی۔

محمود عباس کی ''اعتدال پسند'' رہ نما کے طور پر تشہیر کی وجہ:

محمود عباس مرزا کو عالمی ذرائع اِبلاغ کے ذریعے اسرائیل اور امریکہ کی طرف سے بڑی طاقت، ہوشیاری اور پوری مکاری کے ساتھ ''اعتدال پسند'' فلسطینی رہنما مُشتَہر کرنے کی اصل وجہ ایک تو یہی ہے کہ محمود مرزا کا سیاسی وجود ہی، فلسطینیوں پر اسرائیلی امریکی تصفیے کو عائد کرنے اور فلسطینیوں کو ذہنی، سیاسی اور اجتماعی طور پر اِس کے لیے تیار کرنے کا، رہینِ منت ہے۔ اوسلو معاہدے میں عرفات، اُن کے رفقا اور فلسطینیوں کو پھنسا دینے کا

اصل کارنامہ محمود مرزا ہی نے انجام دیا تھا۔ اِس معاہدے سے فلسطینیوں کو کیا ملا؟ اِس کے جواب سے ساری عالمی برادری واقف ہے۔ اوسلو معاہدے سے پہلے کسی نے محمود مرزا کا نام تک بھی نہیں سنا تھا۔ فلسطینیوں کے حقوق سے دست برداری کے ساتھ محض امن اور صرف امن کے بے معنی اور بے وفا لفظ کے حصول اور اِس کے لیے فلسطینیوں کو تیار اور مطمئن کرنے میں محمود مرزا کو بلا کی مہارت رہی ہے؛ اِسی لیے انتخاب سے بہت پیش تر سے اُنھوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ فلسطینیوں کو مُسَلَّح مزاحمت کی راہ ترک کرنی ہوگی۔

یہاں قابلِ ذکر ہے کہ حماس کے سیاسی بازو کے صدر خالد مِشعل نے پچھلے دنوں بی بی سی لندن کو ٹیلی وژن کے لیے انٹرویو دیتے ہوے کہا تھا کہ یورپ اور امریکہ دونوں حماس سے مسلسل رابطے میں ہیں، جس کا مقصد حماس کو مُزاحمت سے دست کش ہونے پر رضامند کرنا ہے، حال آں کہ امریکہ حماس کو انتہائی دہشت گرد تنظیم تصوُّر کرتا ہے۔ خالد مِشعل نے مزید کہا کہ مُزاحمت کے بغیر، بات چیت سے کچھ حاصل نہیں، ہاں بات چیت کے ساتھ مُزاحمت اگر جاری رکھی جائے، تو حقیقی امن کا قیام مُتوقَّع ہے۔ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے ذریعے قبضہ کردہ فلسطینی خطے سے شائع ہونے والے کثیرُالاشاعت اخبار ''المنار'' نے حال ہی میں یہ بات کہی ہے کہ اگر حماس مُزاحمت سے باز نہیں آتی، تو مقامی اور عالمی سطح پر حماس کا صفایا کر دینے کا منصوبہ تیار ہو چکا ہے۔ محمود مرزا، امریکہ، اسرائیل اور دیگر طاقتوں کی بار بار کی آپسی ملاقات اور مشورے کے بعد اِس خاکے کو آخری شکل دی جا چکی ہے، منصوبہ ساز تو درحقیقت اسرائیل ہے؛ لیکن اِس کی تیاری میں حسبِ توقع اہم رول امریکہ نے ادا کیا ہے۔ اِس سلسلے میں طریقۂ کار، ذریعۂ کار اور وقت کی تعیین بھی عمل میں آ چکی ہے۔ لائقِ ذکر ہے کہ اسرائیل نے سارے متعلقہ عالمی اور مقامی اداروں کو اچھی طرح یہ باور کرا دیا ہے کہ وہ غزہ کی پٹی سے اپنا بالکلیہ انخلا اُسی وقت بروئے کار لائے گا جب عالمی اور مقامی متعلقہ ادارے بہ قول اُس کے ''حماس کی یقینی موت'' کی اُس کو ضمانت دے دیں گے۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسرائیل، فلسطینیوں کی مُزاحمت سے کس قدر خائف ہے؟ اِس لیے اُس کو ہر صورت میں صرف مُزاحمت کا خاتمہ چاہیے؛ لیکن وہ اِس کی کوئی قیمت ادا کرنا نہیں چاہتا؛ کیوں کہ انصاف اور مساوات پر عمل کرنا، اُس کی فطرت کے خلاف ہے۔

محمود عباس ایک بہائی العقیدہ شخص:

محمود عباس مرزا سے، امریکہ اور اسرائیل کے اِس درجہ توقُّعات وابستہ رکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اُن کے متعلق یہ بات پہلے تو خفیہ تھی؛ لیکن اب آشکارا ہو چکی ہے کہ وہ صہیونیت ساز مذہب ''بہائیت'' سے تعلق رکھتے ہیں۔ بہائیت باطنیت پسند مذہب ہے، اُس کے ہاں بھی اِخفا پسندی اور دینی اُمور کی دور رس تاویلیں، نیز مذہبی مفادات کے پیش نظر ''تقیہ'' پر عمل پایا جاتا ہے، اِسی لیے محمود مرزا کے حوالے سے بہائی ہونے کی بات ہنوز بہت سے لوگ نہیں جانتے؛ لیکن شدہ شدہ اُن کا مذہب الم نشرح ہوتا جا رہا ہے۔ محمود مرزا نے تقیہ استعمال کرتے ہوئے بہائی ہونے کی تہمت کو اسرائیل کے خفیہ ادارے ''موساد'' کے پروپیگنڈے کی دین کہا ہے۔ ۲۰/دسمبر ۲۰۰۴ء (اتوار ۷/ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ) کو اردن کے شہر عمان میں اردن کے وزیر خارجہ ''ہانی ملقی'' کے ساتھ مشترکہ پریس کانفرنس میں محمود مرزا نے کہا کہ میں سنی مسلمان ہوں، میرا بہائی فرقے سے کچھ لینا دینا نہیں؛ لیکن اسرائیلی انٹلی جنس نے یہ الزام میرے سر مڈھ دیا ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ ''موساد'' کے سربراہ ''مایر داگان'' میرے متعلق اکثر جھوٹ اور فریب سے کام لیتے رہے ہیں۔

مُزاحمت جاری رہے گی:

اِن ساری خبروں کے باوجود، فلسطینی احوال وواقعات پر نظر رکھنے والے مُبصِرین کا کہنا ہے کہ حماس کے اکثر رہنماؤں نے مُزاحمت جاری رکھنے کی بات تو کہی ہے؛ لیکن اپنی

قوم کی طویل قربانیوں اور مسلسل پریشانیوں کے پیشِ نظر یہ عندیہ دیا ہے کہ اگر اسرائیل اور امریکہ، مسئلے کے حل میں سنجیدہ ہوں گے، تو ہم لوگ اپنی مسلح مُزاحمت کے حوالے سے دست بردار تو نہیں، کچھ تَوَقُّف سے کام لے سکتے ہیں اور سیاسی عمل میں مُشارَکت کی بات سوچ سکتے ہیں۔ محمود مرزا چوں کہ مُصالحت کاری اور ''امن جوئی'' کے عمل کے استاد ہیں؛ دوسری طرف وہ اسرائیل اور امریکہ کے لیے پسندیدہ بھی ہیں؛ اِس لیے فلسطین میں قیامِ امن میں کوئی رکاوٹ اِس کے سوا نہیں رہ جاتی کہ اسرائیل امن کے لیے، اس معنی میں سنجیدہ ہو کہ وہ کچھ لے اور کچھ دے کی پالیسی پر عمل کرنے کے لیے رضامند ہو جائے اور اب تک اپنی طرف سے معمول بہ؛ صرف پانے اور کچھ نہ کھونے کی پالیسی کو ترک کر دینے کے لیے تیار ہو جائے، دوسری طرف امریکہ کے صدر بش بھی اپنی پالیسی، نظریے اور عقیدے پر نظرِ ثانی کرتے ہوے اسرائیل کے مسلسل ظلم و جبر اور فلسطینیوں کے کشت وخون، حقوقِ انسانی کی بے طرح پامالی کی تایید اور اُس کے لیے پیہم تعاون سے دست کش ہونے کے لیے، اپنے آپ کو تیار کر لیں اور یہ دونوں باتیں اِس لیے مشکل ہیں کہ اسرائیل کے خمیر میں ہی ظلم و ستم گری اور حقوقِ انسانی کی پامالی داخل ہے اور امریکہ کی طرف سے اسرائیل کی بے تحاشا مادّی اور اخلاقی مدد، صرف اِسی لیے نہیں ہے کہ امریکہ میں یہودی لابی بہت مضبوط ہے اور اقتصادیات و ذرائع ابلاغ، جو کسی بھی ملک، خصوصاً امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک کے لیے، ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں، پر اُسی کا قبضہ ہے اور امریکہ کے صدارتی انتخاب، صدر کے اپنے کردار کی ادایگی اور سرکاری انتظامیہ کی بنیادی کارگزاری میں یہ مکمل طور پر دخیل ہوتی اور منصوبہ سازی کیا کرتی ہے؛ بل کہ موجودہ صدر بش اور اُس کے والد سینئر بش کے وقت سے؛ اسرائیل کی غیر محدود امریکی مدد میں، بنیادی سبب کے طور پر یہ عنصر بھی شامل ہو گیا ہے کہ مسیحیت کے جس مسلک سے باپ بیٹے یعنی حالیہ اور سابقہ صدور کا تعلق ہے، اُس کے مطابق ''مسیحِ موعود'' کی بہ عجلت واپسی کا دار و مدار ''عظیم تر اور طاقت ور تر اسرائیل'' کے قیام پر ہے اور خود اِس نظریے کی بنیاد صہیونی

عقیدے پر ہے، اِسی لیے سابقہ اور موجودہ صدورِ امریکہ مکمل طور پر صہیونی خدمت گزار کی حیثیت سے سرگرمِ کار ہیں۔

لیکن محمود مرزا جیسے ''مصالحت کار'' فلسطینی سربراہ کے ساتھ ساتھ اسرائیل اور امریکہ کا رویہ بھی اگر مصالحانہ اور انصاف پسندانہ رہتا ہے اور محمود مرزا صاحب ''حماس'' اور دیگر مزاحمتی گروہوں کو، اِن دونوں کی انصاف پسندی پر مطمئن کرنے میں کام یاب رہتے ہیں، تو یقیناً فلسطین میں قیامِ امن خارج از امکان نہیں۔ چوں کہ ہمارے مسلم اور عرب حکم راں عموماً سیکولر اور لچک دار اسلام کے قائل ہیں؛ اِس لیے محمود عباس مرزا کی ''نرم خوئی'' ''صلح جوئی'' دھیما پن اور عقائد کے اعتبار سے بے سمتی وغیرہ ایسے ''اچھے عناصر'' ہیں، جو نہ صرف اسرائیل و امریکہ کے لیے؛ بل کہ ہمارے حکام کے لیے بھی اپیل کرنے والے ہیں، لٰہذا اُن سب کا تعاون بھی اُنھیں بہ خوبی حاصل رہے گا۔ لیکن اگر محمود مرزا صاحب فلسطینیوں کو جوڑنے میں ناکام رہے یا اسرائیل و امریکہ کی خواہش کے مطابق مزاحمت کاروں کے خلاف طاقت کے استعمال کی سوچتے ہیں، تو زبردست خانہ جنگی کا خطرہ ہے، جس سے صرف اسرائیل کو فائدہ پہنچے گا اور امریکہ کا جی خوش ہوگا۔(۱)



(۱) ناچیز راقم السطور کی یہ پیش قیاسی اِس وقت حرف بہ حرف صحیح ثابت ہورہی ہے کہ محمود عباس مرزا اور اُس کے رفقاءِ بے دینی، اسرائیل و امریکہ کی غلامی اور دونوں کی کارندگی، کے نتائج اِس وقت ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء کے اواخر میں، جب اِس تحریر کو اردو کتاب کی شکل میں طباعت کے لیے، تیار کیا جارہا ہے، انتہائی خطرناک شکل میں سامنے آرہے ہیں۔ برادرانِ فلسطین نہ صرف آپسی رسّاکشی و خانہ جنگی کا شکار ہیں؛ بل کہ امریکہ و اسرائیل، مسئلۂ فلسطین کو صہیونیوں کے اہداف کے مطابق، حل کیا چاہتے ہیں اور عالمِ عرب کے بے دین و بے غیرت و عیش پسند بادشاہ و اُمرا و حکّام اپنے اپنے قصرہائے مُعلّٰی میں چین کی نیند سوتے رہنے کا موقع دراز تر کرنے کے لیے، صلیبی امریکہ اور اسرائیل کی مرضی پر صاد کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ فلسطین کے اسلام پسندوں، مزاحمت کاروں اور نہتّے مجاہدوں کو، ہر حیلے سے بے دست وپا کردینے کے لیے، صہیونیوں اور صلیبیوں کا منصوبہ اپنی تنفیذ کے آخری مراحل میں داخل ہونے کو ہے۔ اللہ ہمارے ساتھ فضل کا معاملہ کرے اور مجاہدین کی غیب سے مدد کرے۔

حماس تو کام یاب رہی

کیا مسلمان قائدین وعوام بھی کام یاب ہوں گے؟ (٭)

امریکہ اور مغربی ممالک کو پہلی بار جگ ہنسائی کا سامنا نہ ہوا؛ بل کہ اپنی اُس نام نہاد جمہوریت کے حوالے سے امریکہ اور یورپ (جنھوں نے جمہوریت کو ایک مُقدّس بچھڑا بنایا ہوا ہے) ماضی میں بھی بارہا اور سرِ عام رسوائی کا منھ دیکھتے رہے ہیں اور مستقبل میں بھی دیکھتے رہیں گے، جس پر سوار ہوکر ایک طرف تو اُنھوں نے اقوام وملل کو گم راہ کیا، تو دوسری طرف اُس نام نہاد جمہوریت کی آڑ میں اقوام وملل سے اپنے مفادات کو روبہ عمل لانے کی ناپاک کوشش کی؛ لیکن امریکہ اور یورپ کو ماضی میں اتنی فضیحت نہ اٹھانی پڑی تھی، جتنی اُنھیں اُس ''حماس'' کے تئیں ظالمانہ اور غیر منصفانہ موقف کی وجہ سے اٹھانی پڑی ہے، جس کو گزشتہ عام انتخابات میں (۱) فلسطینی عوام نے اِس لیے منتخب کیا ہے کہ وہ زمامِ حکومت سنبھال کر، فلسطینیوں کو امن وسلامتی اور چین وسکون کا تحفہ دے، جس کو وہ اُس وقت سے ترستے چلے آرہے ہیں، جب سے امریکہ کی زیرِ نگرانی اُس امن سیریل کی نمائش شروع ہوئی ہے، جس نے اُنھیں غلامی، ماتحتی اور مظلومیت کی گہری کھائیوں میں دھکیل دیا ہے۔

فلسطینی عوام نے تحریک ''فتح'' کو خوب آزما کر دیکھا اور حکومت وانتظامیہ میں ایک

(٭) ترجمہ کلمۃ الحر رالداعی، بہ عنوان: "لَقَدْ نَجَحَتْ حَمَاس فَهَلْ يَنْجَحُ الشُّعُوْبُ وَالْقَادَةُ الْمُسْلِمُوْنَ"، شمارہ: ۵، جلد: ۳۰، جمادی الاولی ۱۴۲۷ھ = جون ۲۰۰۶ء

(۱) یہ انتخابات چہار شنبہ ۲۴/ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۵/جنوری ۲۰۰۶ء کو ہوے، جن میں ''فتح'' تحریک کے مقابلے میں حماس کو غالب اکثریت سے کام یابی ملی تھی۔

قابلِ ذکر عرصے تک اُس کا ساتھ نبھایا؛ اَب اُسی نے اُس کے متبادل کے طور پر ''حماس'' کا انتخاب کرلیا ہے، اکثریت کے ساتھ اُس کے سر پر جیت کا تاج سجادیا، تاکہ وہ ''فتح'' کے سیکولرزم، اُس کے غیر اسلامی رجحان، مغربی سیکولرزم سے اُس کی دوستی اور اسلامی رجحان -جس کو فتح نے ہمیشہ امن وسلامتی اور اپنی اعتدال پسند شناخت کی راہ کا روڑا تصوُّر کیا- سے دوری کے بالمقابل، ''حماس'' کی اسلام پسندی اور اُس کے حقیقی فلسطینی انتساب کو بھی ایک بار آزما کر دیکھ سکے۔

''فتح'' پر ''حماس'' کی فتح دراصل، اُس جمہوریت کے تعلُّق سے امریکہ اور یورپ کی حقیقت پسندی کو ناپنے کا ایک آلہ تھا، جس کا وہ دونوں ماضی میں بھی ڈھنڈورا پیٹتے رہے ہیں اور ہنوز پیٹ رہے ہیں اور اُس کو عوام کے ساتھ انصاف، نیز مطلوبہ بالادستی، مطلوبہ خودمختاری اور مکمل آزادی کے سایے میں عوام کی حکومت، عوام کے لیے کی شاہِ کلید باور کرتے ہوے، اُس کی پوجا کرتے پھرتے رہے ہیں، اس کے تقدس کا گن گاتے رہے ہیں اور اُس کو تمام سیاسی حقائق پر، مخلصانہ ترجیح دیتے رہے ہیں۔

امریکہ اور مغرب کی حماس سے دشمنی، اقتدار تک رسائی کی، اُس کی راہ روکے رہنے، اُس پر اقتصادی پابندی لگانے اور اُس کا سیاسی بائکاٹ کرنے؛ نیز اسرائیل کو، فلسطینیوں کے ذریعے اپنی حکومت وانتظامیہ کے لیے ادا کردہ ٹیکس کی رقم حوالے نہ کرنے کے حکم اور امریکہ اور مغرب کا پوری دنیا، خصوصاً عربی ممالک اور بالاخص پڑوسی ممالک کے بینکوں کو، امداد کی رقم فلسطینیوں کے سپرد کرنے کی صورت میں برے انجام کی دھمکی؛ اِن باتوں سے اِن دونوں کی سچائی کا بھرم جاتا رہا ہے۔

جوں ہی حماس برسرِ اقتدار آئی، امریکہ اور یورپی یونین نے اُس کے خلاف ہمہ گیر اقتصادی پابندی عائد کردی اور اُس کے ساتھ کسی بھی قسم کے لین دین سے، بار بار ایک ہی بات دہراتے ہوے اپنے ہاتھ کھینچ لیے کہ: حماس، اِسرائیل اور فتح کے مابین طے پانے والے امن معاہدوں کے مشمولات کو تسلیم نہیں کرتی اور اسرائیل کے خلاف مسلح مزاحمت

سے باز آجانے کا وعدہ نہیں کرتی؛ اِس لیے اُس کے ساتھ اشتراک نہیں ہوسکتا۔ حال آں کہ حماس نے صاف لفظوں میں کہہ دیا ہے کہ وہ امریکہ اور یورپ کی شرطوں اور ان دونوں کے ظالمانہ احکامات کے سامنے ہرگز نہ جھکے گی؛ کیوں کہ فلسطینی عوام نے اُس کے اسلامی موقف اور اسرائیل کی درندگی کے خلاف اُس کی مُزاحمت وثابت قدمی پر مبنی اصولوں کے حق میں ہی ووٹ دیا ہے۔

یہ بات ہر شک وشبہے سے بالاتر ہے کہ امریکہ اور یورپ کو جمہوریت سے کوئی لینا دینا نہیں، انصاف کے اُصولوں، انسانی حقوق اور قومی مفادات سے- جن کے ساتھ ہم دردی کا یہ دونوں دنیا میں ہمہ وقت زبانی مظاہرہ کرتے رہتے ہیں- دور کا بھی انھیں واسطہ نہیں؛ بل کہ اِن کا پہلا اور آخری مقصد یورپی، امریکی، صہیونی اور صلیبی مفادات ہیں۔ اِن دونوں کے ہاں ہر چیز قابل پرستش اور لائقِ تقدیس ہے، اگر وہ اُن مفادات کی حصول یابی کے حوالے سے معاون ثابت ہو اور اِن کے نزدیک ہر چیز نامقبول اور مُسترَد ہے، اگر وہ اِن کے مفادات کی راہ میں آڑے آئے؛ اِس لیے جمہوریت، انصاف کے سارے اصول اور حقوق انسانی وغیرہ جتنے نعرے ہیں؛ سب امریکی یورپی مفادات کے پیمانے اور امریکہ ویورپ کی انانیت کے تابع ہیں۔

''دہشت گردی'' کے خلاف جنگ کے نام پر ''حماس'' اور دنیا میں ہر جگہ اسلامی رجحانات کے خلاف امریکہ اور یورپ کی جنگ، دونوں کے دوہرے معیار کی پہلی دلیل نہیں ہے؛ بل کہ اِن دونوں طاقتوں نے ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کے حوالے سے ظلم وجارحیت، استعماریت اور غلامی کے اُصولوں پر ہی عمل کیا ہے۔ اسلام سے ادنیٰ تعلق رکھنے والی ہر چیز کے تئیں امریکہ اور یورپ کا جو موقف ہے، اُس پر ہمیں کوئی تعجب نہیں کہ اسلام اور اس کے متعلقات سے دشمنی اِن دونوں کی سرشت میں داخل ہے؛ بل کہ ہمیں تعجب اُن مسلم اور عربی قائدین وحکام پر ہے، جو اسلام کے تئیں یورپ اور امریکہ کے تمام دشمنانہ موقف سے چشم پوشی کر لیتے ہیں اور اُس کو اصول پرستی اور عدل وانصاف پر مبنی ایک

حقیقت باور کر لیتے ہیں۔

خدانہ خواستہ اگر حماس مجبوراً اپنی راہ سے واپس آ گئی اور قدم پیچھے ہٹا لیے کہ اس کے سوا اُس کے سامنے دوسرا چارہ نہ رہ جائے اور اُس نے امریکہ و مغرب اور عالمی دباؤ نیز عربوں اور مسلمانوں کے تجاہل کی وجہ سے ہتھیار ڈال دیے، تو یہ عرب۔اسرائیل تصادم کی تاریخ کا بڑا خسارہ ہوگا اور تاریخ اِس غلطی کو کبھی معاف نہ کرے گی۔ حماس تو اپنے امتحان میں کام یاب ہوگئی، اب دیکھنا یہ ہے کہ مسلم عوام اور حکم راں بھی اپنے امتحان میں کام یاب ہوتے ہیں یا نہیں (۱) اور امریکہ و یورپ سے کھل کر یہ کہتے ہیں کہ نہیں، کہ: تم دونوں، جو چاہو کرو، ہم نے اپنے حقِّ خود اِرادیّت کا فیصلہ خود کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا ہے۔ لو، ہم تمام مسلم و عربی عوام اور حکم راں باہم شیر و شکر ہو گئے ہیں۔ امریکہ اور یورپ والو! کان کھول کر سن لو! ہمیں اب تمھاری کوئی ضرورت نہیں۔ اے کتوں اور بھیڑیوں! یہاں سے دفع ہو جاؤ، جتنی ملامت کرنی ہو، کرلو اور جہاں چاہو، اپنی موت آپ مر جاؤ۔ وہ وقت آ گیا ہے کہ ہم امریکہ، یورپ اور اُن تمام ممالک کا، جو ہمیں گھیرنا چاہتے ہیں، اُسی طرح بائیکاٹ کریں، جیسے ہم نے آپ ﷺ کی اہانت پر مبنی کارٹونوں کی اشاعت کے موقع سے، اشاعت کنندوں کا اتنا ہمہ گیر بائیکاٹ کیا تھا کہ دنیا میں بھونچال آ گیا تھا اور مشرق و مغرب

---

(۱) افسوس کے ساتھ یہ لکھنا پڑتا ہے کہ مسلم حکم رانوں نے اِس سلسلے میں اپنی مکمل ناکامی کا ثبوت دیا۔ امریکہ اور عالمی برادری نے بالآخر حماس کو الگ تھلگ کر دیا، اُس کو عالمی سطح پر اور مقامی سطح پر بھی امریکہ اور عالمی طاقتوں نے اتنا ستایا کہ اُس کو حکومت سے بہ زورِ طاقت بے دخل کر دیا اور اب اِس وقت ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء کے اواخر میں جب یہ تحریریں اردو کتاب کی شکل میں طباعت کے لیے تیار کی جارہی ہیں؛ حماس کو غزہ کے علاقے میں جہاں ۱۴ر جون ۲۰۰۷ء میں اُس کا کنٹرول ہو گیا تھا، مکمل طور پر محصور کر کے رکھ دیا گیا ہے۔ اسرائیل اکثر اوقات میں بجلی کاٹ دیا کرتا ہے، گیس کے سلنڈر آنے نہیں دیتا، خوردنی اشیا کی آمد پر اکثر پابندی عائد کر دیتا ہے، حتی کہ علاج معالجے کی سہولتیں غزہ میں مفقود ہیں، ضروری دواؤں کی اتنی قلت ہے کہ مریض مر رہے ہیں، شدید انسانی بحران پیدا ہو گیا ہے۔ ساتھ ہی روز روز اسرائیل بھاری اسلحوں سے غزہ کے باشندوں کو نشانہ بناتا رہتا ہے اور ہر روز وہاں سے ماؤں، بہنوں کی آہ و بکا کے بیچ نوجوانوں کی لاشیں اُٹھتی رہتی ہیں۔ یہ سب کچھ اِس لیے کیا جارہا ہے؛ تاکہ حماس کو مسئلہ فلسطین کے تعلق اُن تمام مُسلّمات کو ترک کر دینے پر مجبور کیا جا سکے، جن سے دست برداری کے بعد، مسئلہ فلسطین کا باب ہی بند ہو جائے گا۔

کانپ اٹھے تھے۔

مسلم عوام اور حکم رانوں سے موجودہ صورتِ حال کا تقاضا ہے کہ وہ سلطان صلاح الدین اور نیک خو مسلم قائدین و حکم رانوں کا کردار ادا کریں؛ تا کہ ہر لاینحل مسئلے، ہر پیچیدہ بحران اور تمام دشوار گزار قضیے کا حل نکل آئے۔ تو کیا بہ حکم خداوندی یہ کردار حقیقت کا روپ دھار سکے گا۔ پوری دنیا کے چپے چپے میں بسنے والی ملت اسلامیہ، انتہائی بے صبری سے اِس کا انتظار کر رہی ہے۔



مشرقِ وسطیٰ میں اسرائیل کی حالیہ خرمستی امریکہ کی ظالمانہ نازبرداری، عالمی برادری کی تماش بینی اور عالمِ عرب و عالمِ اسلام کی بے کسی و بے بسی(*)

اوائلِ جمادی الآخری ۱۴۲۷ھ = اواخرِ جولائی ۲۰۰۶ء سے اِسرائیل غزہ پٹی پر اپنی جارحانہ عسکری کارروائی نہ صرف جاری رکھے ہوے ہے؛ بل کہ اب اُس نے اِس کا دائرہ لبنان تک بڑھا کر، اُس کی اینٹ سے اینٹ بجادی ہے اور اُس کے چپے چپے پر بم برسا کر، اُس کے اسٹرکچر کو مکمل طور پر تباہ کر چکا ہے۔ اُس کے ظلم و بربریت کی کوئی حد تھی، نہ ہے؛ اِس لیے کہ عالمی برادری کی پالیسی، عالمِ اسلام و عالمِ عرب کے حوالے سے نہ صرف منافقانہ؛ بل کہ دشمنانہ رہی ہے۔ اِس کے بالمقابل اسرائیل کے لیے ہمیشہ اُس کا رویہ موافقانہ بل کہ ہم دردانہ رہا ہے۔ چہارشنبہ: یکم جمادی الاخری ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۸؍جولائی ۲۰۰۶ء سے اِسرائیل نے غزہ پٹی پر زمین و آسمان سے جو اندھا دھند بم باری شروع کی ہے۔ اُس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ ٹینکوں، توپوں، میزائلوں کی برسات ہے جو رکنے کا نام نہیں لیتی۔ اِس خطے کا نہ صرف بنیادی ڈھانچہ تباہ ہو چکا ہے؛ بل کہ بجلی کا سب سے بڑا پاور اسٹیشن، اسکولوں اور یونیورسٹی کی عمارتیں، حکومتی ادارے، زندگی کے سارے بنیادی

(*) ترجمہ اداریہ (کلمة العدد) شمارہ: ۸، جلد: ۳۰، شعبان ۱۴۲۷ھ = ستمبر ۲۰۰۶ء، بہ عنوان: "إسْرَائِيْلُ تُعَرْبِدُ، وَأمْرِيْكَا تُحَرِّشُ، والعَالَمُ يَتَفَرَّجُ، وَنَحْنُ نَتَعَامَىٰ" ترجمہ از عربی بہ قلم تحریر نگار شبِ اتوار- سموار ۲۶-۲۷؍جمادی الاخری ۱۴۲۷ھ = ۲۳-۲۴؍جولائی ۲۰۰۶ء۔ عربی میں تحریر کردہ ۲؍بجے دن یک شنبہ ۱۹؍جمادی الاخری ۱۴۲۷ھ = ۱۶؍جولائی ۲۰۰۶ء

وسائل، پل اور سڑکیں، وزارتوں کے دفاتر، شہری اہداف، مکانات و کیمپس؛ ایک ایک کر کے تباہ کر دیے گئے ہیں۔ اِسی کے ساتھ فلسطینی حکومت کے مرکزی ذمے داروں کو اسرائیل نے نہ صرف اِغوا کرلیا ہے؛ بل کہ دہشت گردی کے تحت اُن پر مقدمہ چلانے کی تیاری جاری ہے۔ اِن میں وزرا، ارکانِ اسمبلی، بلدیہ کے صدر اور حماس کے ۳۰ سرگرم ارکان شامل ہیں۔ اِن اِغوا شدہ افراد کی تعداد ۶۴ تک جا پہنچی ہے۔ اب تک تقریباً دو سو فلسطینی شہید ہو چکے ہیں جن میں بچے، بوڑھے، عورتیں اور ۶ سال سے بھی کم عمر کی بچی بھی شامل ہے۔ صہیونی ریاست کے وزیر اعظم نے صاف لفظوں میں کہا ہے کہ وہ اِس خطے کو مکمل طور پر تباہ کیے بغیر عسکری کارروائی نہیں روکے گا اور یہ کہ اُس نے اپنی فوج کو حکم دے دیا ہے یہ کارروائی غیر معینہ مدت تک جاری رکھی جائے یہاں تک کہ حماس کے ذریعہ ''اِغوا کردہ'' (یاد رہے کہ صہیونی ذرائع ابلاغ ''اغوا کردہ'' کا لفظ استعمال کر کے مسئلے کو غلط رنگ دے رہے ہیں؛ حال آں کہ فلسطینی نوجوانوں نے دو صہیونی فوجیوں کو ہلاک کر کے ایک کو گرفتار کرلیا تھا) فوجی کو رہا نہیں کرالیا جاتا۔ اِمدادی تنظیموں بالخصوص اقوامِ متحدہ کے اِمدادی اُمور کے رابطہ کار نے، اِسرائیل کے بہ جلد اپنے ظلم و ستم اور اندھا دھند بم باری سے باز نہ آنے کی صورت میں، انتہائی تباہ کن اِنسانی بحران پیدا ہو جانے کے خطرے سے خبردار کیا ہے۔ یاد رہے کہ اِس وقت وہاں یہ خطرہ واقعہ کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ فلسطینی نہ صرف لقمے لقمے کو ترس رہے ہیں؛ بل کہ پانی کی بوند بوند کے لیے بے تاب ہیں۔ دواؤں کی نایابی ہے، وسائلِ زندگی مفقود ہیں، اسپتالوں میں علاج کی کوئی شکل دست یاب نہیں ہے۔ فلسطینی کھلے آسمان کے نیچے پڑے ہیں، شیر خوار بچوں کو دودھ میسّر نہیں ہے، نہ صرف بچے کھچے گھروں بل کہ گلیاں، کوچے اور در و دیوار تاریکی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ جھلساتی ہوئی دھوپ اُن کی خوراک ہے اور تپتی ہوئی زمین اُن کا بستر اور سانس لینے کے لیے صہیونیوں کے گولہ و بارود میں بسی ہوئی ہوائیں اور دھوئیں کے اٹھتے ہوئے بھیانک اور ہمہ گیر بگولے اور ساتھ ہی ہر آن سر پر آ گرنے والے گولے کا خوف، بچوں کے باپ سے

محروم ہو جانے کا اندیشہ، خواتین کے بے یار و مددگار ہو جانے کا کھٹکا اور پوری قوم کو، سر کے تاج کے حیثیت رکھنے والے کسی عظیم قائد کے اچانک شہید ہو جانے کا، ہمہ وقت رگ و پے میں سمائے رہنے والا عفریت نما ڈر۔ سہمی ہوئی فضا، سکڑی ہوئی زندگی، تھما ہوا ماحول، ہر سو وحشت، بچوں کی چیخ و گریہ، بوڑھوں کی آہ، ماؤں کی کراہ، بیواؤں کی زاری، سہاگ لٹی دوشیزاؤں کا نالۂ و شیون ——— فلسطینیوں کو یہ تحفے ہیں جو مل رہے ہیں عالمی برداری کی طرف سے، آج سے نہیں عرصہ ساٹھ سال سے۔ ہمیشہ اسرائیل کی وہ چیرہ دستیوں کا شکار رہے اور دنیا کی طرف سے اُنھیں صرف ناانصافیاں ملیں۔ آج بھی یہی کچھ ہو رہا ہے، طاقت ور صہیونی ریاست کی مُسَلَّح افواج اورامریکی ساخت کے مُہلِک ہتھیاروں سے لیس لشکرِ جرار اُنھیں کچل رہا ہے اور وہ کٹ مر رہے ہیں، دنیا تماشہ دیکھ رہی ہے، مسلمان و عرب بے بس ہیں، اُن کے حکم راں امریکہ کی کٹھ پتلی ہیں اور امریکہ اُن کے زخموں پر نمک پاشی کر رہا ہے کہ اِسرائیل کو اپنے دفاع کا حق ہے؛ کیوں کہ ہاتھی کو، امریکہ کے مطابق، چیونٹی ہمیشہ مسل دیا کرتی ہے!!۔

فوجی آپریشن کا اصل اور غیر اِعلانیہ مقصد:

عالمی ذرائع ابلاغ کا ماننا ہے کہ غزہ پر اسرائیلی حملہ و قبضہ اور فلسطینیوں کے خلاف اِسرائیل کی، اپنے قیدی بنائے گئے ایک عدد معمولی فوجی کو آزاد کرانے کے بہانے، زبردست فوجی آپریشن کا اصل اور غیر اِعلانیہ مقصد فلسطینی عوام کی اِرادہ شکنی ہے اور عالمی رائے عامّہ کو یہ باور کرانا ہے کہ فلسطینی مُزاحمتی کی تحریک درماندہ اور بے فیض ہو چکی ہے۔ اِسرائیل کا اِس وقت یہی مقصد ہے، فلسطینی تحریک مُزاحمت کے ذریعے ۱۹ سالہ معمولی فوجی کے ''اغوا'' اور قیدی بنا لیے جانے کے واقعے کو، اسرائیل نے اپنی زبردست فوجی کارروائی کے لیے، ڈھال کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اِس بات کا اعتراف خود صہیونی ذرائع نے بھی کیا ہے، جس نے یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ حماس سے وابستہ وزرا، ارکانِ

پارلیامنٹ اور حماس کے اہم ذمّے داروں کی گرفتاری کا پلان اسرائیل نے کئی ہفتہ قبل تیار کرلیا تھا اور اسرائیلی حکومت کے عدالتی مشیر ''مینی مزوز'' نے اِس کی منظوری بھی دے دی تھی۔ اسرائیل کی سیکورٹی کی جنرل مشینری کے سربراہِ اعلیٰ، صہیونی وزیر اعظم ''ایہود اولمرٹ''[1] کے سامنے حماس حکومت کے مطلوبہ قائدین کی فہرست پیش کرکے اُن کی گرفتاری کے تعلق سے توثیق بھی کرالی تھی۔ یہ بات اسرائیلی وزارتِ عدالت کے ذرائع نے جمعرات: ۲۹؍جون ۲۰۰۶ء (۲؍جمادی الاخریٰ ۱۴۲۷ھ) کو کہی تھی۔

ذرائع ابلاغ نے یہ بات تو صاف ہی کردی ہے کہ غزہ پر اِسرائیل کی تازہ جارحانہ کارروائی، حماس کے تئیں اُس کی پالیسی کا نتیجہ ہے۔ اِسرائیل کی دلی خواہش ہے کہ وہ بہ ہر طور حماس کو ناکام ثابت کردکھائے اور اُس کو تختِ حکومت سے نہ صرف اتار پھینکے؛ بل کہ ہمیشہ کے لیے اُس پر اقتدار کی راہ بند کردے اور فلسطینی عوام سیاست اور سیکورٹی کے حوالے سے، اُسی کی مرضی پر چلیں۔ اسرائیل کے وزرا و اعلیٰ حکام کے بیانات سے اُن کی حماس دشمنی ابلی پڑرہی ہے اور اُن کے دلوں میں چھپی ہوئی کدورت کا تو حال ہی نہ پوچھیے۔ صہیونی وزیرۂ تعلیم ''یولی تامیر'' نے اپنے دل کی بات اور اپنی حکومت کی ناپاک پالیسی کو اِن الفاظ میں عیاں کیا ہے: ''تل ابیب، فلسطینیوں کو اِس سچائی کا قائل بنانا چاہتا ہے کہ حماس تحریک اور اسرائیل کے ساتھ اُس کے رویّے پر اطمینان کرکے وہ بہت بڑی غلطی کررہے ہیں۔'' حماس کے خلاف اُس نے، اپنے دل کا غبار نکالتے ہوے، مزید کہا: ''اگر ہم حماس کو حالیہ مقابلے میں کام یاب ہونے دیتے ہیں، تو یہ ہمارے لیے بڑی بربادی کا اِشارہ ہوگا۔ اگر حماس کے شرائط اور اُس کی ''ہدایات'' پر عمل کرتے ہوے، ہم فلسطینی قیدیوں کو رہا کردیتے ہیں، تو یہ ہماری بھیانک غلطی ہوگی۔ فلسطینی تحریکِ مزاحمت کے غبارے سے بچی کھچی ہوا نکال دینے کا یہ آخری نسخہ ہے اور انتہائی کارآمد بھی، جس پر ہم

(۱) یہ شخص ۱۴؍اپریل ۲۰۰۶ء کو اِسرائیل کا وزیر اعظم بنا تھا اور اِس تحریر کے اکتوبر ۲۰۰۷ء میں اردو کتاب کی صورت میں شائع کرنے کے لیے تیار کیے جانے کے وقت بھی اِس عہدے پر موجود ہے۔

اِس وقت کار بند ہیں۔"

اِس سے زیادہ صاف الفاظ میں اور بغیر کسی لاگ لپیٹ کے صہیونی وزیر داخلہ "رونی بارعون" نے اپنی حکومت کی ترجمانی اِن الفاظ میں کی ہے: "ہماری موجودہ فوجی کارروائی کا واضح مقصد فلسطینی سیاسی نظام پر اثر انداز ہونا ہے اور عملی طور پر فلسطینی طاقت کے توازن کو یکسر تبدیل کر دینا ہے، نیز فلسطینی رائے عامّہ کو حماس سے اپنا اعتماد اٹھا لینے پر مجبور کرنا ہے۔" فلسطینی انٹلی جینس مشینری کے سربراہ نے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے یہ تعبیر اِستعمال کی: "ہماری حکومت کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ اِس پورے خطے میں بھرپور اور ہمہ گیر اسٹریٹیجک تبدیلی لائے بغیر، موجودہ عسکری عمل کو روکنے کی نہ سوچے۔"

اسرائیلی افواج کی مجنونانہ کارروائی اور حواس باختہ انداز کی بم باری اور بے گناہ انسانوں کو کچل کے رکھ دینے اور فلسطینیوں کو مُیَسَّر نہ صرف آب و دانہ؛ بل کہ معمولی سے ذرائع حیات سے یکسر تہی مایہ کر دینے کی سوچی سمجھی اِسکیم پر درندگی کے ساتھ عمل کرنے کے رویّے کو دیکھ کے، بہ خوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اسرائیل اِسی ہدف کو پا لینے کے لیے کوشاں اور بے تاب ہے، جس کی طرف مذکورہ وزرا اور حکام نے اپنے آتشیں الفاظ سے اِشارہ کیا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ صہیونی ریاست نے ماضی کے اپنے لاتعداد ناکام رویّوں سے، کوئی سبق نہیں لیا۔ اُس کو بار بار یہ تجربہ ہو چکا ہے کہ سخت جان فسلطینیوں کے خلاف، اُس کی پیہم اور وحشیانہ فوجی کارروائیاں تمام تر تباہیوں کے باوجود، اُن کے نزدیک بے معنی اور بجھ کاگ (Scare erow) کے برابر بھی ثابت نہ ہو سکی ہیں۔ کم از کم اسرائیل اب تک اپنا یہ مقصد حاصل نہیں کر سکا ہے کہ وہ حماس کو بے اثر کر دے، یا اُس کو صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالے یا وہ اپنے اندرون، دور دور تک میزائل برسانے سے حماس اور دیگر مزاحمتی تحریک کو، باز رکھ سکے یا یہ کہ مزاحمت کنندہ نوجوان، خوف کا شکار ہو کر مزاحمت کی راہ ترک کر دیں؛ بل کہ اِس کے برعکس اِسرائیل کے ہر جفا کے بعد اُن کا "ذوقِ گنہ" اور بڑھتا رہا ہے اور اُن کے دست و بازو میں اسرائیلی ظلم و بربریت نے ہمیشہ دوچند طاقت پیدا کی ہے اور دشمن کے فرد

فرد کی نیند حرام کردینے کی اُن کی کارروائی اور پالیسی کو دوام واستحکام ملتا رہا ہے۔

غزہ پٹی پر چڑھائی، نشانہ صرف حماس تک محدود نہیں:

''بارانِ موسم گرما'' کے چڑھانے اور غصہ دلانے والے عنوان کے تحت، اسرائیل نے امریکی ساخت کے اپنے زبردست جنگی ساز وسامان کے ساتھ غزہ پٹی پر جو چڑھائی کی، تو اُس کا نشانہ صرف حماس کے مُزاحمت کاروں تک محدود نہ رہا؛ بل کہ سارے فلسطینی کسی استثنا کے بغیر، ظلم وستم کا نشانہ بن رہے ہیں۔ جس کا اِعلانیہ مقصد، صرف ایک گمنام اور معمولی سے کم عمر سپاہی (۱۹ سالہ جلعاد شلیط) کی تلاش اور اُس کو حماس کی گرفتاری اور قید سے آزادی دلانا ہے۔ اِسرائیل کے حوالے سے، کسی طرح کے اُصول و قانون و قرارداد کی پابندی کی بات کرنا بھی اِس راقم کے نزدیک ایک قسم کی ''بے اُصولی'' ہے۔ اُس نے ہمیشہ ہی عالمی قانون کی دھجی اڑائی ہے؛ ورنہ اگر وہ اُصول وضابطے کی کوئی قوم ہوتی، تو اُس سے یہ بجا طور پر پوچھا جا سکتا تھا کہ کیا صرف ایک معمولی سے سپاہی کی رہائی کے لیے پوری قوم کو سزا دی جا سکتی ہے، اُس کی پوری آبادی کو، آتش وآہن کے ذریعے نشانہ بنانے کا جواز نکل آتا ہے؛ اِس کے پورے اسٹرکچر، حکومتی اِداروں، رہایشی مکانات، اسکولوں کالجوں یونیورسٹیوں اور زندگی کے سارے وسائل کو تہس نہس کر ڈالنے کی قانونی اجازت مُیَسَّر آجاتی ہے؛ اسپتالوں، بجلی گھروں، ایندھن کے ذرائع اور خورد ونوش اور علاج ومعالجے کے تمام وسائل کو برباد کر دینے اور بوڑھوں بچوں اور عورتوں کو بے دریغ، تہِ تیغ کر دینے کی کھلی چھوٹ مل جاتی ہے؟

اسرائیل کے خمیر میں ہی، لاقانونیت داخل ہے:

لیکن اِسرائیل کے خمیر میں ہی بے اصولی اور لاقانونیت داخل ہے۔ اُس کی اَساس ہی زور زبردستی اور دوسروں کی زمین پر ناجائز قبضہ پر رکھی گئی ہے۔ عالمی برادری نے، اُس کی

تعبیر ہی ناجائز طور پر کی ہے؛ لہٰذا اُس کا انگ انگ بے اُصولی کی علامت، ظلم کی شناخت، اور قانون واُصول کا تیاپانچہ کرتے رہنے سے عبارت ہے۔ سانپ کی فطرت میں ڈسنا، درندوں کے خمیر میں پھاڑ کھانا داخل ہے۔ اب اگر یہ دونوں اپنا اپنا کام کرتے ہیں، تو اِس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ تعجب تب ہوگا کہ سانپ کاٹنا چھوڑ دیں اور درندے درندگی کے عمل سے کنارہ کش ہو جائیں۔ یہودیوں کی پوری تاریخ ہی مکروفریب، اِنسانیت دشمنی، قتلِ انبیا، اَحکامِ الٰہی کی صریح اور استہزا آمیز خلاف ورزی سے عبارت ہے۔ انبیا ورُسُل کی زبانوں سے اُن کے لیے لعنت وملامت کے شدید الفاظ نکلے ہیں۔ وعدہ خلافی میں تو وہ بہ طورِ خاص طاق رہے ہیں؛ اِسی لیے اُن پر کسی بھی حوالے سے اعتماد کرنا، یا انسانوں کی کسی بھی نسل وجنس کے لیے اُن کی طرف سے کسی بھلائی کی تَوَقُّع رکھنا، وقوعِ محال کی امید باندھنا ہے۔

کیا دشمن، اپنے مقاصد میں کام یاب ہو جائے گا؟:

لیکن کیا یہ مکار دشمن، اپنی تازہ عسکری کارروائیوں اور حرب وضرب اور تخویف و تعذیب کی بھیانک پالیسی کو بروئے کار لاکر، اپنے مقاصد میں کام یاب ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں اور بالکل نہیں۔ وہ فلسطینیوں کے جسموں کو تباہ کرسکتا ہے؛ لیکن اُن کی روحوں کو ناپید نہیں کرسکتا۔ وہ ہر طرح کی ایذا رسانی، عذاب دہی اور درندگی کا فن کارانہ مظاہرہ کرسکتا ہے، جس پر وہ دنیا کی ساری قوموں میں یکتائی سے ''سرفراز'' ہے؛ لیکن فلسطینیوں کے اُس غیر معمولی اِرادے کو مغلوب نہیں کرسکتا، جس کی اُنھوں نے زائد از عرصہ ساٹھ سال سے، سیف وسناں، ضرب وحرب، سخت گیری وتَسَلُّط، خانما بربادی وجلاوطنی، بھوک و پیاس، وسائلِ حیات سے یکسر محرومی اور تذلیل وتوہین کی ناقابلِ بیان شکلوں کے سایے میں پرورش کی ہے۔ صہیونی دشمن اِس خوددار اور عزیمت پیشہ قوم سے امریکی ساخت کے خطرناک اور جدید ترین اسلحوں سے شبانہ روز لڑتا رہا ہے، بوڑھوں جوانوں اور معصوم بچوں کو تہِ تیغ کرتا رہا ہے، روز روز اٹھنے والی لاشہ ہائے شہدا سے فلسطینیوں کے کوچہ وبازار میں

ماتم بپا کیے رہا ہے۔ اُنھیں آب ودانے کے بغیر تڑپاتا رہا ہے۔ سورج کی تپتی ٹکیا نے نہ جانے کتنی بار اور کس کس طرح اُن کے ننگے جسموں سے سایہ حاصل کیا ہے اور موسمِ سرما کی کپکپاتی، تھرتراتی اور یخ بستہ ہواؤں نے لاتعداد مرتبہ اُن کے تن ہائے برہنہ سے حرارت حاصل کی ہے۔ اُنھوں نے سال ہا سال آسمان کے سائبان تلے گزارے ہیں اور گزارتے جارہے ہیں۔ اَن گنت مرتبہ فرشِ زمین نے اُن کے جسموں کے بہ راہِ راست لمس کی سعادت حاصل کی ہے اور کرتا جا رہا ہے ـــــــ لیکن ناپاک دشمن فلسطینیوں سے اُن کا وہ ہتھیار نہیں چھین سکا جو ہمیشہ طاقت ور رہتا ہے؛ وہ ہتھیار جو ہر اُس معرکے میں سب سے زیادہ کارگر رہا ہے، جس میں کسی لڑنے والے نے باطل کے خلاف اُس کو استعمال کیا ہے؛ وہ ہتھیار جو معرکۂ حیات میں اپنے استعمال کنندہ کے لیے، ہمیشہ فیصلہ کن جیت کا ضامن رہا ہے؛ وہ ہتھیار جس کی تخلیق پر مشرق قادر ہے نہ مغرب؛ وہ ہتھیار جس کی ٹکنالوجی سے سائنس اور کوئی علمِ جدید اب تک واقف ہوسکا ہے نہ آیندہ ہوسکے گا؛ وہ ہتھیار جس کو اسرائیل کے ظلم و بربریت کے سب سے بڑے پشت پناہ اور انتھک مددگار، دہشت گردی کے خالق و برپا کنندہ اور درآمد کنندہ یعنی فرعونِ وقت امریکہ اب تک تیار کرسکا ہے نہ آیندہ کرسکے گا؛ کیوں کہ ربِ ذوالجلال کو غالباً اُس کی ہدایت ـــ جیسا کہ اُس کے تمام رویّوں سے عیاں ہے ـــ منظور نہیں؛ وہ ہتھیار جس کے ''خام مال تک'' دشمن کے کسی مددگار ملک کی رسائی ہوئی ہے نہ ہوسکے گی، یعنی عقیدۂ راسخ اور ایمانِ غیر متزلزل کا ہتھیار، ناقابلِ تسخیر ارادے اور ناقابلِ شکست عزیمت کا ہتھیار، ہار نہ ماننے والی مزاحمت اور مورچہ بندی کا ہتھیار؛ ہر موسم، ہر موقع اور ہر طریقے سے دشمن سے لوہا لینے کی ٹھان لینے کا ہتھیار بلاشبہہ یہ ہتھیار، صرف اور صرف محمد ﷺ کی امت کے دل میں ڈھلتا ہے، اِس کا زبردست اور ہمہ وقت تخلیق کرنے والا کارخانہ صرف قلبِ مسلم ہے۔ نیز اِس ہتھیار کا صحیح اِستعمال صرف موت کی صنعت کے پختہ کار مستریوں یعنی مومنوں کو معلوم ہے۔ کافروں، فاجروں، خدا کے دشمنوں اور اللہ کے دوستوں سے لوہا لینے والے صہیونیوں، صنم پرستوں

اور فرزندانِ تثلیث اور اُن کے انڈوں و بچوں کو اِس ہتھیار کے برتنے کا ہنر معلوم ہے نہ ہو سکے گا۔

صہیونیوں، صلیبیوں اور بت پرستوں کو معلوم نہیں:

صہیونیوں، صلیبیوں، بت پرستوں اور بندگانِ دنیا کو محمد ﷺ کی امت کے فلسفۂ حیات کا ادراک نہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ آپ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کے متوالے زندگانی کی حقیقت کے حوالے سے کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔ بیشک سچے مومن کے نزدیک عزیز و لذیذ زندگی وہی ہوتی ہے جو راہِ خدا میں موت کا مزہ چکھ چکی ہوتی ہے یا چکھنے کو بے قرار رہتی ہے۔ مومن کے نزدیک سعادت سے بھری پُری صرف ایک ہی زندگی ہے اور وہ، وہ زندگی ہے جو اِعلاے کلمۃ اللہ کے لیے شہادت سے سرفراز ہو چکی ہو۔ مومن کے نزدیک شہادت زندگی کا اختتام نہیں بل کہ زندگیِ جاوید کا نقطۂ آغاز ہے۔ مؤمن کے لیے اُس کا ایمان، اُس کے لیے مخصوص دائمی عزت اور ابدی سرفرازی کا اُسی وقت ضامن ہوتا ہے جب وہ موت و حیات کے خالق کی راہ میں موت کو گلے لگا لیتا ہے۔ مومن کے ایمان کی تکمیل کا سب سے اعلیٰ و ارفع طریقہ صنعتِ موت کی سازندگی میں اُس کی چابک دستی ہے۔ صحابہؓ اور اُن کے سچے جانشیں و پیروکار اِس صنعت کے اعلیٰ درجے کے ماہرین تھے۔ اُن میں بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی گزری ہے، جن سے موت بُری طرح خوف کھاتی تھی چناں چہ میدانِ جنگ میں کسی تنگ اور سخت موقع پر، موت کو اُن کا سامنا ہو جاتا، تو وہ ہکّا بکّا رہ جاتی تھی۔ اُس کو پیش قدمی کام دیتی نہ پس روی۔

فلسطینی کتنے خوش قسمت ہیں کہ اُنھیں ایمان باللہ کے ساتھ ساتھ ارضِ مبارک فلسطین میں پڑاؤ اور مورچہ بندی کی سعادت نصیب ہے۔ وہ زائد از عرصہ ساٹھ سال سے اجنبی دشمن کے سامنے ڈٹے ہوے ہیں، جو ارضِ مبارک کے چپے چپے کو ناپاک کیے دے رہا ہے۔ ہاں وہ عرصہ ساٹھ سال سے آفتاب سے سایہ، بھوک سے غذا، بیماری سے دوا،

پیاس سے آسودگی، فرشِ خاک سے بستر، آسمان سے سائبان، محرومیوں سے یافت، عذاب سے راحت، پریشانی سے آرام، خانما بربادی سے گھر، اور جلاوطنی سے وطن حاصل کررہے ہیں۔ وہ بہادری و جرأت کا ایک نیا باب لکھتے رہے ہیں، قربانی کا بے مثال ریکارڈ قائم کرتے رہے ہیں۔ ہر روز ایک خوب صورت تصویر اُن کی قربانیوں کی، لوحِ کائنات پر بنتی اور اپنی شوخی اور خوش رنگی سے، دنیاوالوں کو حیرت زدہ کرتی رہی ہے۔ ہر آن اُن کی سیرت کی جگمگاہٹ سے آنکھیں خیرہ ہوتی رہی ہیں۔ اکتسابات کی نئی نئی طرحیں استوار ہوتی رہی ہیں اور کراماً کاتبین، خاکِ مُقدّس کی سطحِ جمیل پر رونما ہونے والے واقعات کی، حیرت انگیز ابدی اور حقیقی کہانیاں لکھتے رہے ہیں، یعنی انبیا، اِسرا، معراج اور قبلۂ اوّل کی خاک کی سطح پر ابھرنے والی سچائیوں کی سچی داستان۔

مسلمان وعرب قائدین، ساحل کے تماشائی رہے ہیں:

مسلمان و عرب قائدین عموماً تعاون سے دست کش رہنے اور ساحل کے تماشائی بنے رہنے میں عافیت سمجھتے رہے ہیں۔ روشن خیال اور مہذّب دنیا فلسطینیوں کے مصائب سے چشم پوشی کا شعار اپنائے رہی ہے، دنیا پر سرداری کے دعوے دار ممالک اور عالم پر حکومت کرنے کا خواب دیکھنے والی خود پسند طاقتیں، عموماً اِسرائیل کی ہم نوا رہی ہیں اور یہ دہراتی رہی ہیں کہ اسرائیل کو اپنے دفاع کا حق حاصل ہے۔ یعنی یہ کہ اسرائیل کو ہر طرح کے ظلم کی فلسطینیوں اور بالآخر عرب پڑوسیوں پر مشق کا جواز حاصل ہے؛ لہٰذا فلسطینی جو تھوڑی بہت مُزاحمت کرتے ہیں، جو اسرائیل کی بربریت سے وہ نسبت بھی نہیں رکھتی جو قطرے کو سمندر سے ہوا کرتی ہے، وہ اِن ملکوں اور طاقتوں کے نزدیک کھلی دہشت گردی، ناقابلِ معافی جرم، جنگی کارروائی سے کچل دیے جانے کے لائق بغاوت اور اِس بغاوت میں حصہ لینے والے بچے اور جوان، حرفِ غلط کی طرح مٹادیے جانے کے لائق ہیں۔ اب اگر فلسطینی کراہتے ہیں؛ آہ و بکا کرتے ہیں؛ فلسطینی بچے بلبلاتے ہیں؛ بوڑھے واویلا

کرتے ہیں؛ بیوائیں ماتم کرتی ہیں؛ بے گود ہو جانے والی مائیں خون کے آنسوں روتی ہیں؛ یتیم بچے اپنے سہارے کو روتے ہیں؛ ہاتھ پاؤں کھودینے والے عصائے حیات کو ترستے ہیں؛ برباد ہوتی ہوئی زندگی، سمتِ سفر کی تلاش میں حیران ہے اور آسمان و زمین، بربادیوں کے شاہدِ عدل بن رہے ہیں، تو اسرائیل، امریکہ، برطانیہ اور صہیونیوں کے ہم نواؤں کی بلا سے۔

فلسطینیوں کے خون کی روانی کی آوازیں، سب نے سنی ہیں:

لیکن فلسطینیوں کے خون کی روانی کی آوازیں، آسمانوں نے سنی ہیں، سینۂ گیتی نے محفوظ کی ہیں، گوشِ کائنات نے ریکارڈ کی ہیں، بہادرانہ انتفاضے کی داستانِ دراز کے نونہال بچوں اور نوجوانوں کی چہچہاہٹ کے لیے، ساتوں آسمان کے دروازے بالکل وا ہیں، وہ دروازے جو مظلوم، بیکس، ستم رسیدہ، عذاب گزیدہ، فریادی اور ہر پریشاں حال کی غم زدہ آواز کے لیے کھلے رہے ہیں۔ امریکی اور صہیونی پروپیگنڈے نے، بہت سی آنکھوں کو اندھا، کانوں کو بہرا اور دلوں کو تاریک تو بنا دیا ہے؛ لیکن خدا کا انصاف اپنا کام کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا۔ اُس کی شریعت میں حق کا دفاع، اُس کا مطالبہ، اُس کے لیے مُرَ الحَمث اور اُس کے لیے ہتھیار اٹھانا ''دہشت گردی'' ہے نہ ہو سکتی ہے۔ دنیا والے، شریعت خدا کی شریعت کو بدل سکی ہے نہ بدل سکے گی۔

فلسطینیوں کی طرح دنیا کی کسی قوم نے پوری دنیا میں طویل ظلم اور ''کثیر قومی جارحیت کا مزہ کیوں چکھا ہوگا؟ لیکن اُنھوں نے اپنے زبردست اِنقلابی جذبے، جہدِ مسلسل اور جہادِ پیہم سے، اپنی عظمت و خودداری کی ایسی شبیہ بنائی ہے جو خوب صورت بھی ہے اور انمول بھی، موہنی بھی ہے اور پیاری بھی۔ صہیونیوں کے ناقابلِ تصوُّرِ ظلم اور اُن کے بھیانک جنگی جرائم کو فاتحانہ اور اولوالعزمانہ طور پر انگیز کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ اپنے ایمانی ساخت میں معجزنما ہیں، جس کے سامنے صہیونیوں کا غرورِ بے جا، اِسلام کے خلاف

کینہ پروری اور مسلمانوں سے نہ ختم ہونے والی دشمنی ہمیشہ بے اثر ثابت ہوتی رہی ہے اور جو فلسطینیوں کے ارادے کو شکست دے سکی ہے نہ حق پر جمنے کی، اُن کی صلاحیت کو متاثر کیا ہے، نہ اُصول پروری کے اُن کے رویّے میں، اُس سے کوئی فرق واقع ہوا ہے۔

صرف مُرّ الحمض کی ترجیح باقی رہ گئی ہے اور بس:

فلسطینیوں کے پاس عالمی ظلم کے سایے میں صرف مُرّ الحمض کی ترجیح رہ گئی ہے، جو وہ برہنہ جسموں اور بے ہتھیار ہاتھوں سے کرتے رہے ہیں۔ اُنھیں پتھروں اور کنکروں کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا، جنھیں وہ وقت کے ابرہہ اور اُس کی اَفواج پر سنگ وگل کی مانند برسا کر اُن کی زندگی اجیرن کیے رہتے ہیں، وہ کنکر پتھر جو نونہالانِ فلسطین کے ہاتھوں میں کہنا چاہیے کہ اِس طرح گویا ہوتے ہیں جیسے نبی اکرم ﷺ اور آپ کے اصحابؓ کے ہاتھوں میں گویا ہونے والے پتھر۔ پتھروں کے بعد یا اُن کے ساتھ وہ گھریلو ساخت کے نزدیکی مار کے کچھ ''قسام'' نام کے میزائل استعمال کرتے ہیں یا اپنے نوجوانوں کے دست وبازو جن سے وہ اپنی زمینِ مُقدّس اور آبرو کی حرمت کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ صہیونیوں کے ہاتھوں اپنے نوجوانوں کی استخواں شکنی، روز روز کی گرفتاریاں، گھراؤ اور ناکہ بندیاں، اپنے آشیانوں کے تنکوں کے اپنی آنکھوں کے سامنے بکھیرے جانے کے عمل، نسل کشی کے آپریشنوں، گھروں اور کوچوں کی تلاشی کی مُہمّوں اور اچانک دھر پکڑ کی کارروائیوں سے اُن کا (فلسطینیوں کا) حوصلہ کبھی پست نہیں ہوا اور نہ وہ مایوسی اور نامرادی کے کسی اِحساس کا شکار ہوئے اور نہ اُنھوں نے ماتم پر اکتفا کرنے کی سوچی؛ بل کہ صہیونیوں کی ستم اِیجادیاں ہمیشہ اُن کے دست وبازو کو مضبوط کرتی رہی ہیں اور اپنے ناخنوں سے اپنی کھالوں کو کھجانے کا اُن کا جذبہ مُستحکم سے مُستحکم ہوا ہے۔ جب کہ نہ صرف نفاق شعار دنیا؛ بل کہ اسلامی اور عربی حکومتوں نے ہمیشہ اُن کی فریاد کو پہنچنے میں آنا کانی کی ہے اور صرف کھوکھلے وعدوں اور بے معنی بڑے بولوں پر اکتفا کیا ہے۔

اپنے ہر رویے سے، زندہ و پایندہ تاریخ رقم کرتے رہنے والی یہ قوم، جس کو سرزمینِ انبیا میں پڑاؤ اور محاذ آرائی کی سعادت سے نوازا گیا ہے، آج ایک اور نئی، پایندہ تر، زندہ تر، روشن تر تاریخ رقم کرنے میں لگی ہوئی ہے۔ صہیونیوں کی فیصلہ کن لڑائی اور اُس کے تباہ کن ہتھیاروں کی ہمہ گیر تباہیوں کو معجزانہ ہمت کے ساتھ انگیز کرتی جارہی ہے، جنھوں نے اِس کو صرف اِس لیے سبق سکھانے اور اُس سے بری طرح انتقام لینے کی سوچی ہے کہ اُس نے اپنے اختیار کو استعمال کرتے ہوے، آخری فلسطینی قانون سازیہ کے اِنتخابات میں حماس کے حق میں ووٹ کیوں دیا؟ حماس کو اقتدار کی کرسی پر کیوں بٹھایا؟ جب کہ وہ اُن کے (صہیونیوں کے) نزدیک اور اُس کے آقا امریکہ کی رائے میں ''دہشت گرد تنظیم'' ہے؛ کیوں کہ عربوں، مسلمانوں، اُن کی زمینوں، اُن کی آبرو، اُن کی جانوں، اُن کے حقوق کا دفاع صہیونیوں اور وہائٹ ہاؤس (یعنی ''بلیک ہاؤس'') کے نزدیک کھلم کھلا دہشت گردی ہے، ہاں مسلمانوں اور عربوں کے سوا، ہر ایک کا دفاع نہ صرف جائز ہے؛ بل کہ ضروری ہے اور واجب العمل ہے!!۔

اسرائیل کی من مانی:

اِسرائیل جب چاہے اور جس طرح چاہے اور جہاں چاہے، فلسطینیوں کو شہید کر سکتا ہے۔ وہ اُن کے خلاف ہر طرح کی فوجی کارروائی کر سکتا ہے۔ فلسطینی مرد و خواتین کے ساتھ درندگی کا عمل کر سکتا ہے، وہ نہ صرف توسیع پسندی پر عمل کر سکتا ہے؛ بل کہ کسی بھی ملک کے اندر دور دور تک جا کے حملہ اور قبضہ کر کے وہاں اپنی کالونیاں بنا سکتا ہے، اُس کو جائز اور ناجائز کی بحث میں پڑنے کی اِس لیے ضرورت نہیں کہ اُس کا وجود ہی تمام تر ناجائز ہے۔ اسرائیل کو یہ اختیار اور یہ حق، قوموں اور ملکوں کی تقدیر اپنی مرضی سے رقم کرنے والے سُرَوَرِ دنیا امریکا اور مغرب و عالمی برادری اور اُس کے نام نہاد عالمی نمایندے ''اقوامِ متحدہ'' کی طرف سے ملا ہوا ہے، جو بد قسمتی سے پامال شدہ فلسطینی حقوق اور تحقیر و توہین کا شکار اِسلامی

عزّت کے حوالے سے گونگی، بہری ''تخلیق'' ہوئی ہے، لہٰذا اسرائیل اگر ظلم کی ساری حدوں کو پار کر جائے، تو کوئی حرج نہیں؛ اِس لیے کہ وہ اپنی ذات اور اپنے اکتسابات کا دفاع کر رہا ہے اور اگر فلسطینی جماعتیں اپنا اور فلسطین کا دفاع کریں تو یہ ''دہشت گردی'' ہے؛ کیوں کہ امریکہ اور عالمی برادری نے اُس کو یہ حق کب دیا تھا؟ جب کہ اِس دنیا میں دینے اور نہ دینے کے سارے اختیارات امریکہ اور مغرب کو حاصل ہیں!!۔

اسرائیل کے پودے کی کاشت، سوفی صد ظالمانہ عمل تھا:

اسلامی اور عربی سرزمین کے قلب میں، اسرائیلی پودے کی کاشت ہی سوفی صد ظلم اور نااِنصافی کا عمل تھا، جو امریکہ، برطانیہ، مغرب اور عالمی برادری نے انجام دیا، تاریخِ انسانیت میں ایسی جارحانہ کارروائی غالباً کبھی نہ ہوئی ہوگی۔ ظاہر ہے کہ امریکہ اور مغربی برادری اپنے اِس کھلے ہوے جارحانہ عمل کو جائز اور حق کے استعمال کا نام دینے اور اِس کو صحیح کہتے رہنے اور اِس کا اعتقاد رکھنے کے لیے، بہ ذات خود بھی مسلسل جارحیت کا ارتکاب کرتی رہی ہے اور کرتی رہے گی، جس کا کم سے کم درجہ فلسطینیوں کے خلاف، اسرائیل کو جارحانہ کارروائی کے لائق بنانا، اُن کے خلاف اُس کی جارحانہ کارروائیوں کو جائز اور ضروری قرار دینا اور ہر سطح پر اُس کی اخلاقی اور مادی مدد کرنا ہے۔ امریکہ اور مغرب کا رویہ باعثِ تعجب ہے، نہ ہونا چاہیے۔

لیکن ساری دنیا کے لیے — جس میں دوست و دشمن دونوں شامل ہیں — انتہائی حیرانی کی بات، مسلم حکومتوں، قائدین، حکام اور ذمّے داروں کی سطح پر، صہیونیوں کی موجودہ کارروائی کے حوالے سے، جو وہ عالمی رائے عامّہ اور انسانی ضمیر کو چیلنج کرتے ہوے کر رہا ہے؛ مکمل خاموشی ہے۔ نفاق پیشہ اور دوہرے معیار پر کاربند عالمی برادری کی، جو غیر مسلموں اور غیر عربوں کو خراش آجانے کی صورت میں دنیا کو تہ و بالا کر کے رکھ دیتی ہے؛ فلسطینیوں کے خلاف اسرائیل کی جارحیت کے تعلّق سے خاموشی سمجھ میں آسکتی ہے؛

کیوں کہ اُس کی یہ خاموشی، قومِ مسلم کے حوالے سے ہے، جو کسی بھی رحم دلی اور اِنصاف کی مستحق نہیں!!۔

لیکن اِس جارحیت پر، عالمِ عربی کی خاموشی ہرگز سمجھ میں آنے والی بات نہیں؛ کیوں کہ فلسطین، عالمِ عربی ہی کا تو حصہ ہے، ایسا حصہ جس کو عالمِ عربی سے الگ کیا جاسکتا ہے نہ اِس کا تصوُّر کیا جاسکتا ہے۔ اِسی طرح اُس جارحیت کے خلاف، عالمِ اسلام کی خاموشی بھی لاینحل چیستاں ہے؛ کیوں کہ فلسطین کی آزادی عالمِ اسلام پر بھی اُسی طرح واجب ہے جیسے عالمِ عرب پر؛ اِس لیے کہ یہ انبیا کی زمین ہے، قبلۂ اولی کی زمین ہے، اِسرا اور معراج کی زمین ہے اور مسجدِ اقصی کی زمین ہے، جس کے گرد برکت کی خبر خود قرآنِ پاک نے دی ہے۔ مسلمان اور عرب قائدین وحکام کے رویّے سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ اُنھوں نے فلسطین کے تعلق سے، اپنی ذمّے داری سے یکسر ہاتھ کھینچ لیا ہے اور فلسطینیوں کو ''اَصحابِ دار'' ہونے کے گناہ کی سزا اَکیلے بھگتنے کو چھوڑ دیا ہے، گویا اُن کا فلسطینی ہونا، ایسا گناہ ہے کہ وہ مسلم اور عرب قائدین کے کسی تعاون کا استحقاق نہیں رکھتے!۔ اب وہ صرف خدا کے رحم وکرم پر ہیں، صرف اُسی کی رحمت اُن کی دادرسی کر رہی ہے اور اُن کا یہ یقین ہی اُن کا ہم نوا اور دم ساز اور قوّت رساں ہے کہ اللہ تعالیٰ مظلوموں کی دیر یا سویر ضرور مدد کرتا ہے۔

ہر رات کی صبح ضرور ہوتی ہے:

ہر رات کی صبح ضرور ہوتی ہے؛ اِس لیے اسرائیل کے ظلم وبربریت کی شبِ دراز کی صبح بھی طلوع ہو کر رہے گی، فلسطین کی مُقدّس زمین کے نازک محاذ پر پڑاؤ ڈالے ہوے فلسطینی، جو ہر آن ستم کی چکیوں میں پس رہے ہیں اور جن کے سینے زخموں سے چھلنی ہو چکے ہیں، ظلم وجارحیت کی شبِ دیجور کی صبحِ درخشاں کے طلوع کا یقین کیے ہوے، اُس کے استقبال کو تیار بیٹھے ہیں۔ اُنھیں خدا کی رحمت سے مایوسی ہے نہ اپنی ذات پر اُن کا اعتماد مجروح ہوا ہے؛ لیکن اُنھیں جہاں اِنسانوں کی اِنسانیت سے مایوسی ہوئی ہے، وہیں اُن

عرب اور مسلم قائدین سے بہت دکھ ہوا ہے، جو امریکہ کی پرستش کرتے نہیں تھکتے اور جن کی زبان ہائے حال ''بش'' اُس کے ٹولے اور اُس کی شریکِ جرم اُس کی انتظامیہ کے افراد کی ''قوتِ اُلوہیہ'' سے ''اقبال'' سے الفاظ مستعار لے کر یوں مخاطب ہوتی رہتی ہیں:

کبھی اے حقیقتِ منتظر! نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں، مری جبینِ نیاز میں

ہمارے قائدین، صرف امریکہ کے ممنونِ احسان ہیں:

مسلم قائدین وحکم راں کے سارے رویّوں اور مسلم اُمّۃ کے حساس مسئلوں کے تئیں اُن کی پالیسیوں سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ اپنی کرسیوں کے حوالے سے، صرف امریکہ کے ممنونِ اِحسان ہیں۔ اُنھیں یقین ہے کہ جس وقت امریکہ ہماری طرف سے، اپنی آنکھیں پھیر لے گا ہم کہیں کہ نہ رہ جائیں گے اور ہمارے اقتدار کا سورج ہمیشہ کے لیے غروب ہو جائے گا۔ حکومت واقتدار آنی جانی ہے، اِس کو کبھی دوام نہیں، دنیا کی ساری اَشیا کی طرح یہ بھی فانی ہے، کبھی کسی کے ہاتھ آتی ہے کبھی کسی کے۔ لیکن ہمارے قائدین وحکم راں بدقسمتی سے، اِس کو دنیا کی مُقدّس ترین شئے سمجھتے ہیں، جس کے لیے ہر گراں بہا میراث اور جان اور عزت کی قربانی دی جاسکتی ہے؛ اِسی لیے اپنے پاؤں تلے کی زمین پر امریکہ اور اسرائیل کے ذریعے قبضہ کر لیے جانے کے باوجود، اُن میں کوئی حرکت پیدا ہوتی ہے نہ اُن کی کوئی رگِ حمیت بھڑکتی ہے اور نہ اُن کے اندر غیرت نام کی کوئی چیز جوش میں آتی ہے، جو دورِ آخر میں شب بیدار اور اُمّت کے غم خوار بادشاہ فیصل بن عبدالعزیز شہید رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۲۴-۱۳۹۵ھ=۱۹۰۶-۱۹۸۸ء) کے اندر جوش میں آئی تھی، جنھوں نے ۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۳ء کی عرب اِسرائیل جنگ میں تیل کا ہتھیار استعمال کیا تھا؛ چناں چہ ۲۲ر رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۶ر اکتوبر ۱۹۷۳ء کو، امریکہ کو تیل کی ترسیل یکسر روک دی؛ کیوں کہ آج ہی کی طرح اُس وقت بھی امریکہ کھلے عام اسرائیل کے ساتھ فوجی تعاون

کررہا تھا اور عربوں کے تیل کو، عربوں کے خلاف استعمال کررہا تھا۔ شاہ فیصلؒ کی تیل کی کام یاب سیاست سے، عالمی پیمانے پر بھونچال آ گیا تھا اور امریکہ کی نیند حرام ہوگئی تھی۔ شاہ فیصلؒ کو اپنی دینی غیرت اور قومی حَمیّت کی قیمت اپنی جانِ عزیز کی شکل میں ادا کرنی پڑی تھی؛ چناں چہ اُن کے برادرزادے فیصل بن مساعد بن عبدالعزیز نے امریکہ کے گماشتے اور زرخرید غلام کی حیثیت سے ۱۳؍ربیع الاول ۱۳۹۵ھ کو شاہ فیصلؒ پر تین وار کیے جب کہ وہ قصرِ حکومت میں معمول کے مطابق کام کررہے تھے۔ دین سے عشق کی راہ میں اگر وہ امریکہ سے ہمیشہ کے لیے بہ ظاہر بازی نہ لے سکے، تو اپنا سر کھوکر یہ ثابت کردیا کہ وہ عصرِ حاضر کے عمر بن عبدالعزیزؒ (بن مروان بن الحکم اموی قرشی ۶۱-۱۰۱ھ = ۶۸۱-۷۲۰ء) اور صلاح الدین ایوبیؒ (یوسف بن ایوب بن شاذی ۵۳۲-۵۸۹ھ = ۱۱۳۷-۱۱۹۳ء) تھے۔ شاہ فیصل کی زندگی اُمّت کے لیے اکسیر تھی؛ لیکن اُن کی موت سے جو اسوۂ عمل قائم ہوا، وہ رہتی دنیا تک نیک خو حکم رانوں اور امت کی عظمت کی بہ حالی کے لیے قربانی دینے والے شاہوں کے لیے تاب ناک اور لائقِ تقلید رہے گا۔ وہ اُمّت کے دورِ زوال میں، انتہائی قد آور، حوصلہ منداور مثالی حکم راں کی حیثیت سے زندہ و پائندہ رہیں گے۔ وہ اِس وقت بھی سارے زندہ حکم رانوں سے زیادہ زندہ ہیں اور کل بھی رہیں گے؛ کیوں کہ قربانی کی زندگی، زندگی سے زندہ تر ہوتی ہے۔ کاش ہمارے حکمرانوں کی عقلوں پر بھی یہ حقیقت اِس سے پہلے واسکتی کہ کل وہ تہِ خاک ہوکر ہمیشہ کے لیے افسانہ ہوجائیں؛ لیکن افسوس کہ اکثر ذرائع ابلاغ کے مطابق، امریکہ نے خلیج کے عربی حکم رانوں کو ترغیب و ترہیب کے ذریعے، مہر بہ لب رہنے کا حکم دے دیا ہے، جس پر وہ پوری طرح کاربند ہیں اور کہیں سے ہُو کی بھی آواز نہیں آتی۔

طبائع کا تغیر ممکن نہیں:

سانپ اور درندے ڈسنے اور پھاڑ کھانے سے باز نہیں آنے کے؛ کیوں کہ پہاڑوں

کا اپنی جگہ سے ٹلنا آسان ہے؛ لیکن طبائع کا تغیر ممکن نہیں؛ اِس لیے سانپوں اور درندوں سے رحم دلی کی تمنا فضول ہے۔ اِنسانوں، یعنی مسلمانوں کو اپنی ذمّے داری کی ادائگی کے لیے آگے آنا چاہیے اور ادائگی کے معیار پر پورا اُترنا چاہیے۔ جن جارحیت پیشہ طاقتوں نے اسرائیل کو ناجائز طور پر ہماری زمین میں لا بسایا تھا، وہ ہمارے ساتھ عدل وانصاف کا رویّہ اختیار نہیں کرنے کی، ہمیں اُن سے انصاف کی توقع رکھنا گویا آگ سے پانی اور پانی سے آگ کی توقع رکھنا ہے۔ اسرائیل کے ساتھ شروع سے اب تک کیے گئے معاہدوں کی پول کھل چکی ہے، سارے معاہدوں نے مل کر کسی حقیقت کو تبدیل نہیں کیا، عربوں کا اُن سے کوئی بھلا نہ ہوا، فلسطینیوں کو اُن کے طفیل کوئی حق واپس نہیں مل سکا اور اسرائیل کے کسی روّیے میں کوئی فرق واقع نہیں ہوسکا؛ اِسی لیے حماس اور فلسطین کی دیگر مزاحمتی تحریکوں کا عقیدہ ہے کہ آزادی کی صبح صرف جہاد سے طلوع ہوسکے گی۔ اسرائیل کی عملی مزاحمت ہی اُس کو دیر یا سویر راہِ راست پر لاسکتی ہے؛ لیکن جہاد ومزاحمت کے لیے سینوں میں سچے ایمان کی پرورش اور حق کے لیے اُس سے زیادہ مر مٹنے کا جذبہ پروان چڑھانا ضروری ہے، جتنا کہ باطل پرستوں کو باطل کے لیے مر مٹنے کا ہے۔ نیز اِس کے لیے اللہ اور اُس کے رسول کے دشمنوں کو خوف زدہ کیے رہنے والی عسکری طاقت کی تیاری ضروری ہے۔ اِس طاقت کی تیاری کا حکم رب العالمین نے ہمیں اپنی آخری کتاب میں صاف لفظوں میں دیا ہے۔ یہ بھی واضح ہے کہ امریکہ، اسرائیل، مغرب اور اسلام دشمن عالمی طاقتیں اسلام اور غیر اسلام کی کش مکش کی اِس منزل میں ہمیں، مذکورہ طاقت کی تیاری کی راہ نہیں دے سکتیں۔ ہمیں شروع سے ہی اور ہمیشہ ہی اِس طاقت کی تیاری میں لگے رہنا چاہیے تھا، بد قسمتی سے ہم نے خوابِ خرگوش میں اپنا وقت گزارا ہے، جب کہ باطل طاقتیں اپنی عسکری طاقتوں کو آخری حد تک ڈیولپ کرچکی ہیں کہ ہمارے لیے اُن کی مزاحمت بھی ممکن نہیں رہی؛ لیکن حالات کتنے مشکل اور ناسازگار ہوں، ہمارے لیے ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا جائز نہیں، ہمیں جہد وعمل میں لگے رہنا چاہیے، حکمت اور ہمت سے کام کرتے رہنا

چاہیے اور نتیجے کو خدا کے سپرد کردینا چاہیے؛ کیوں کہ اللہ کائنات کی ہر طاقت سے زیادہ طاقت ور ہے، کائنات کی کوئی ریاست اُس کی تدبیر کو ناکام نہیں کرسکتی، خواہ وہ سائنس اور ٹکنالوجی کی شاہ کلید کی حامل کیوں نہ ہو۔ امریکہ، برطانیہ، اِسرائیل اور نام نہاد اقوام متحدہ کی نام نہاد سلامتی کونسل میں ویٹو پاور کی حامل کوئی بھی طاقت، اللہ پر غالب نہیں آسکتی۔ ایک چھوٹے سے غیر مسلم اور غریب ملک نے امریکا کو للکارنے، اُس کی انا کو چیلنج کرنے اور اُس کے ہم آواز و ہم عمل مغرب کے نفاق کا نقاب اُتارنے کی جو مثال قائم کی ہے، وہ سارے عربی اور اسلامی ملکوں کے منھ پر طمانچے کی حیثیت رکھتی ہے۔ میری مراد شمالی کوریا سے ہے، جو عالمی معاملات میں حلّ وعقد کا اختیار رکھنے والے ملکوں کے لیے مسلسل دردسری کا باعث بنا ہوا ہے اور اپنی ننھی سی جان کے ساتھ اُس نے ایٹمی میزائلوں کے تجربے کے ساتھ ہی امریکہ سے کہا ہے کہ ہم اپنے دشمن کی چھری کا جواب تلوار سے اور اُس کے پستول کا جواب توپ سے دینے کی بہ خوبی صلاحیت رکھتے ہیں۔ شمالی کوریا اپنی ثابت قدمی کی وجہ سے، امریکہ کے گلے کی ہڈی بن چکا ہے(1)

---

(1) شمالی کوریا نے بہت دنوں تک امریکہ کے سامنے سرکشی کے ساتھ ڈٹے رہنے کے بعد بالآخر ۱۳؍فروری ۲۰۰۷ء (سہ شنبہ ۲۴؍محرم ۱۴۲۸ھ) کو ۶ فریقی معاہدے کے تحت (جس میں شمالی کوریا سمیت جنوبی کوریا، امریکہ، چین، جاپان اور روس نے شرکت کی) اس کے لیے رضامند ہوگیا کہ وہ ۶۰ دن کے اندر ''یونگ بیون'' میں اپنے اہم نیوکلیائی ٹھکانے کو بند کردے گا اور اپنے ہاں کے نیوکلیائی پروگراموں کو ترک کرنے کی تصدیق وتفتیش کے لیے اقوامِ متحدہ کے انسپکٹروں کو اپنے ہاں آنے دے گا، اِس کے بدلے میں اُس کو (۵۰۰۰۰) میٹرک ٹن بھاری ایندھن تیل ملے گا۔ نیز غیر ملکی بینکوں میں اس کی جمع پونجی دو کروڑ ۴۰ لاکھ ڈالر میں سے ۸۰ لاکھ سے ایک کروڑ ۲۰ لاکھ ڈالر تک شمالی کوریا کو نکالنے کی امریکہ اور اقوامِ متحدہ کی طرف سے اُس کو اجازت مل سکے گی۔

۶؍مارچ ۲۰۰۷ء (سہ شنبہ: ۱۵؍صفر ۱۴۲۸ھ) کو عالمی ذرائع ابلاغ نے بتایا کہ گزشتہ نصف صدی سے بھی زیادہ مدت بعد، پہلی مرتبہ شمالی کوریا اور امریکہ کے درمیان سفارتی تعلقات کو معمول پر لانے کے لیے آج نیویارک میں بات چیت ہوئی، جس میں امریکہ کے نائب وزیر خارجہ ''کرسٹوفر ہل'' اور شمالی کوریا کے نائب وزیر خارجہ ''کم کے گوان'' نے شرکت کی۔ یاد رہے کہ ۲۰۰۲ء میں بُش جونیر (موجودہ امریکی صدر) نے شمالی کوریا کو ''بدی کا محور'' کہا تھا۔ ابھی ۹؍اکتوبر ۲۰۰۷ء تک جب یہ سطریں اردو کتاب کی شکل میں طباعت کے لیے تیار کی جارہی ہیں، امریکہ کو اُلجھائے ہوا ہے اور کسی نہ کسی پیچیدہ موقف کے ذریعے، اُس کے لیے باعثِ تذلیل بنا رہتا ہے۔ ←

فلسطینیوں کا خدا اُن کی ضرور مدد کرے گا؛ کیوں کہ اُس نے مظلوم کی دادرسی کا وعدہ کر رکھا ہے؛ لیکن فلسطینیوں کا خدا، بہ روزِ جزا ہمارا حساب بھی لینے والا ہے اور ہمارے بزدلانہ رویّوں، ہماری ناپاک نیتوں، بھائیوں کی مدد سے کنارہ کش رہنے، خاکِ مُقدّس کی بازیابی کی راہ میں مرمٹنے سے جی چرانے اور سال ہا سال سے توہین و تذلیل کی زندگی گزار رہے مظلوموں کی مظلومیت کو ختم کرنے کے لیے، آگے بڑھنے کی بہ جائے پیچھے ہٹنے کے ہمارے طرزِ عمل کی سزا ہمیں ضرور دے گا۔ ہمارے رب کا ہم سے مطالبہ ہے کہ ہم اپنے ایمان کے معیار پر پورے اتریں، ہم اپنا ایمانی حصہ، عمل کی شکل میں ادا کریں؛ ورنہ کل قیامت کے دن امریکہ کی ''سفارش'' کام دے گی، نہ اسرائیل کا خوف عذرِ مسموع ہوگا نہ عالمی برادری کا نفاق کچھ کام دے سکے گا۔

امریکہ ساری حدوں کو پار کر چکا ہے:

فلسطین کے خلاف، اِسرائیل کی حالیہ جارحیت کے تعلُّق سے امریکہ سارے حدود پار کر چکا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ جنگ بہ راہِ راست امریکہ ہی لڑ رہا ہے اور اُس نے ہر قسم کے لاگ لپیٹ کو یا تکلف کو برطرف کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہا ہے کہ اسرائیل کو یہ لڑائی اپنے دفاع کے لیے اُس وقت تک جاری رکھنا چاہیے، جب تک جاری رکھنا وہ ضروری سمجھتا ہو اور یہ کہ حماس کو اپنی ''دہشت گردی'' سے باز آجانا چاہیے اور اِسرائیل کی طرف سے کچھ بھی پائے بغیر، اسرائیلی فوجی کو جو اُس نے پکڑ رکھا ہے چھوڑ دینا چاہیے؛ بل کہ امریکہ نے عملی طور پر، سلامتی کونسل میں ڈھیلے ڈھالے الفاظ میں پیش کردہ اسرائیل کی محض لفظی مذمت

→ مگر یکم نومبر ۲۰۰۷ء (بہ روز جمعرات: ۱۹رشوال ۱۴۲۸ھ) جب یہ کتاب طباعت کی تیاری کے لیے لاسٹ ٹچنگ سے گزر رہی تھی ہمارے ہاں کے اردو و انگریزی اخبارات نے رائٹر ایجنسی کے حوالے سے یہ خبر شائع کی کہ امریکی تکنیکی ماہرین اِس ہفتے کے آخر سے شمالی کوریا کا ایک نیوکلیائی ری ایکٹر ختم کرنے کی شروعات کریں گے۔ یہ بات شمالی کوریا کا نیوکلیائی پروگرام ترک کرنے کے سلسلے میں اُس سے بات کرنے والے امریکہ کے خاص ایلچی نے بتائی ہے۔ یہ کام شنبہ: ۳رنومبر ۲۰۰۷ء = ۲۱رشوال ۱۴۲۸ھ سے امریکی ٹیم کے ذریعے شروع کیا جائے گا۔

کی قرارداد کو تنہا ویٹو کر دیا ہے، یعنی ۱۵ ارکان میں سے صرف اُسی نے اِس قرارداد کے خلاف ووٹ دیا۔ اسرائیل کی حمایت میں امریکہ ہمیشہ کسی بھی حد تک جا سکتا ہے اور جاتا رہا ہے، اِس کے برخلاف ہر معاملے میں امریکہ کی مسلم اور عرب دشمنی عیاں ہوتی رہی ہے اور ہو رہی ہے۔ مسلم حکم رانوں کی بے غیرتی، بل کہ بے دینی اور بے کسی و بے بسی کی سب سے بڑی مثال ہمیشہ عربی ملک مصر بنا رہا ہے، جو اَفرادی طاقت، ثقافتی برتری اور فکری صلاحیت کے ساتھ ساتھ عسکری قوت میں بھی مسلم ملکوں کے مابین لائقِ ذکر حیثیت کا حامل رہا ہے؛ لیکن بدقسمتی سے قومیت عربیہ کے مردِ آہن جمال عبدالناصر (۱۳۳۶-۱۳۹۰ھ=1918-۱۹۷۰ء) کے وقت سے ہی تغریب، سیکولرزم، بل کہ بے دینی و اِلحاد کے شکنجے میں جکڑے ہوئے قائدین و حکام نے وہاں حکومت و ریاست کی سمتِ سفر ایسی تبدیل کر دی ہے کہ وہ اِسلام دشمنی، مذہب بیزاری، مغرب زدگی، امریکہ نوازی، سیکولرزم پروری کے تئیں مسلم اور عرب ملکوں کے مابین نمایاں شناخت کا حامل بن گیا ہے۔ جب دینی شعور ہی کم زور پڑ جائے تو دینی غیرت کے فقدان کا ماتم کیوں کیا جائے؟ چناں چہ فلسطینیوں کی مزاحمتی تحریکوں کے صفایا کا سب سے بڑا علم بردار، مسلم ملکوں میں یہی ملک ہے۔ حال آں کہ اِس کو یہ معلوم ہی ہوگا کہ مسئلہ فلسطین کے ساتھ کسی بھی نا اِنصافی کا نتیجہ، مصر کے سب سے پہلا ہدف بننے کی صورت میں رونما ہوگا اور اسرائیل اُس سے نمٹنے کے بعد سب سے پہلے مصر ہی سے نمٹے گا؛ لیکن اِس وقت امریکہ مصر کے دین نا آشنا قائدین کے کانوں کو تھپتھپائے جا رہا ہے کہ ''دلہن کی طرح سوتے پڑے رہو'' ہم ہیں تو کیا غم ہے؛ لیکن کل سچائی سے پالا پڑنے کے وقت، پتا چل سکے گا کہ غموں کی کتنی ''ترقی یافتہ'' اور ''نئی نئی فصلیں'' امریکہ نے، اُن کے لیے اور بالآخر سارے عربی اور اسلامی ملکوں کے لیے اُگا رکھی ہیں۔

لبنان پر اسرائیل کی بم باری:

میں نے عربی زبان میں ''الداعی'' کے اِداریے کے طور پر، یہ سطریں بہ روز منگل:

۱۱؍جولائی ۲۰۰۶ء (۱۴؍جمادی الاخری ۱۴۲۷ھ) کو لکھنی شروع کی تھیں اور میں نے اِنھیں بہ روز اتوار: ۱۶؍جولائی مطابق ۱۹؍جمادی الاخری کو مکمل کیا ہے، اِس بیچ میں اسرائیل نے بدھ جمعرات: ۱۲-۱۳؍جولائی کی درمیانی شب (مطابق ۱۵-۱۶؍جمادی الاخری) سے پڑوسی عربی ملک لبنان پر خشکی وتری اور فضا سے حملہ کر کے، شبانہ روز بم باری اور میزائلوں کی بارش برسا کر سیکڑوں انسانوں کو ہلاک کر دیا ہے اور پورے ملک کو کھنڈر میں تبدیل کر کے ایسا بنا دیا ہے کہ دسیوں برس میں اب لبنان شاید ہی اپنی اصلی حالت پر آسکے۔ سڑکوں، پلوں، بجلی گھروں، مواصلات کے ذرائع، ٹیلی وژن اسٹیشن، ریڈیو اسٹیشن، موبائل ٹاوروں، تیل کے ذخائر، اسکولوں، بازاروں، شہروں، دیہاتوں، اہم عمارتوں، حتی کہ عام لوگوں کی رہایش گاہوں کو یکسر تباہ کر دیا گیا ہے، لاکھوں انسان بے گھر ہو گئے ہیں اور پڑوسی ملکوں کی طرف جان بچانے کو بھاگ رہے ہیں؛ لیکن آمد و رفت کے ذرائع ناپید ہیں، سڑکیں تباہ ہو چکی ہیں، ہر جگہ بڑے بڑے گڈھے بن گئے ہیں؛ اِس لیے بھاگنا بھی آسان نہیں۔ سخت انسانی بحران پیدا ہو چکا ہے۔ اسرائیل فضائی اور زمینی دونوں قسم کی جنگیں لڑ رہا ہے۔ بہانہ حزب اللہ کے ٹھکانوں کو تباہ کرنا اور اُس کی عسکری طاقت کو کچلنا ہے؛ لیکن تباہ پورے ملک کو اور پریشان سارے شہریوں کو کیا جا رہا ہے اور بلا استثنا لوگوں کو پرندوں کی طرح شکار کیا جا رہا ہے۔ امریکہ، اسرائیل کو عسکری اور مالی واخلاقی مدد دورانِ جنگ بھی دے رہا ہے اور ڈنکے کی چوٹ پر، حال آں کہ کوئی اور ملک کسی برسرِ پیکار ملک کو کھلے عام کیا چھپے طور پر بھی ذرا سی مدد دیتا، تو امریکہ آسمان و زمین ایک کر دیتا؛ لیکن وہی جس کی لاٹھی اُس کی بھینس والی بات ہے۔ پہلے لاٹھی حاصل کیجیے بھینس یقیناً آپ کو مل جایا کرے گی۔ کاش یہ سادہ سی بات ہمارے عیّاش عرب حکم رانوں اور غلام صفت مسلم قائدین کو بھی سمجھ میں آ جاتی۔

فتح تحریک کے زُعما کا موقف، حیرت ناک:

سب سے زیادہ حیرت کی بات ''فتح'' تحریک سے وابستہ زُعما کا موقف ہے، جو کہا

جاتا ہے کہ بہ باطن حالیہ جارحیت کے حوالے سے اور غزہ پر فوج کشی کے تعلق سے حماس کی مخالفت میں اسرائیل کے ساتھ ہیں؛ چناں چہ حماس کے زُعما اور کارکنوں کی شہادت اور گرفتاری کے تئیں اُنھوں نے کوئی مدافعانہ رول ادا نہیں کیا؛ بل کہ مخالفانہ رویّہ ہی اپنایا؛ کیوں کہ اُن کے نزدیک حکومت و اقتدار قومی غیرت اور برادرانہ حمیت سے افضل ہے۔ اِسرائیل کی کارروائی کے نتیجے میں اگر حماس والے اقتدار سے بے دخل ہو جاتے ہیں اور ان کی قانونی اور منتخبہ حکومت ختم ہو جاتی ہے تو ''فتح'' والوں کے وارے نیارے ہو جائیں گے اور اُنھیں اقتدار پر قبضہ جمانے کا موقع مل جائے گا؛ اِس لیے اُن کی دلی خواہش ہے کہ حماس کا ہمیشہ کے لیے ہی صفایا ہو جائے؛ تا کہ وہ مسئلۂ فلسطین کو اُسی رخ پر دوبارہ ڈال سکیں، جس میں فلسطین اور فلسطینیوں کا سراسر نقصان اور اسرائیل کا فائدہ ہی فائدہ ہے؛ کیوں کہ اُس رخ کا سیدھا مطلب ہے امریکہ اور اسرائیل کی ساری من مانیوں کو تسلیم کر لینا اور ایسی راہ پر چل پڑنا، جس کا دیرپا نتیجہ مسلمانوں کے حق میں انتہائی خطرناک؛ بل کہ موت اور خودکشی کے مترادف ہوگا؛ کیوں کہ اِس طرح نہ صرف فلسطینیوں کی ساری قربانیاں رائگاں جائیں گی؛ بل کہ مسئلہ فلسطین کوئی مسئلہ ہی نہ رہ جائے گا۔ درحقیقت دینی شعور اور اُس سے محرومی میں یہی مابہ الامتیاز ہے جو حماس اور فتح کے درمیان پایا جاتا ہے؛ اِسی لیے تو فتح والے اکثر زُعما و قائدین، امریکہ اور اسرائیل کے لیے بھی پسند کی چیز ہیں۔ جب دشمن کسی کو چاہے، تو سمجھ لیجیے کہ دال میں ضرور کچھ کالا ہے۔

بہ ہر کیف قضیۂ فلسطین، اِس وقت خطرناک تاریخی موڑ پہ ہے۔ یوں محسوس ہوتا کہ امریکہ کی قیادت میں ہر ملک، قوم اور خطے کی طرح فلسطین سے بھی دینی شناخت ا شعور کی حامل جماعت و افراد کو ''دہشت گردی'' کی خود ساختہ اصطلاح کے تحت محو کر دینے کی پلاننگ کو بروئے کار لانے کا عمل، اپنے آخری انجام تک جاری رکھنے کی سوچ کے ہی، اسرائیل نے غزہ اور حماس پر اور دوسری طرف لبنان پر زبردست جنگ مسلط کر دی ہے جو ہنوز شدت و قوت کے ساتھ جاری ہے۔ اب یہ آنے والے دن ہی بتائیں گے کہ فلسطینی

قوم جس نے جہاد اور سرفروشی کی روشن ترین تاریخ رقم کی ہے، وہ مزید سرفروشی اور قربانی کے عزمِ بے پناہ کے ساتھ مُعزّزانہ مُزاحمت اور جہاد کی راہ پر برقرار رہنا پسند کرتی ہے، جو بالیقین، حقِّ خود اختیاری کے حصول، یقینی آزادی، فیصلہ کن فتح، غصب کردہ اراضی کی بازیابی اور چھینے ہوئے حقوق کی یافت کی سیدھی، صحیح اور یقینی راہ ہے؛ یا وہ قضیہ فلسطین کی سیکولرزم کاری، بالآخر اُس کو ہار جانے، دشمن کے سامنے از خود شکست کھا جانے اور اجتماعی خودکشی اور قومی موت کی راہ پر جا پڑتی ہے۔ جو کچھ ہوگا وہ خدا کی مَشِیّت ہوگی۔ وہ فعّالٌ لِمَا یُرِیْدُ ہے، کوئی اُس کی راہ روک نہیں سکتا ''اور اللہ اپنے معاملے پر غالب رہتا ہے؛ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''۔ (سورۂ یوسف/آیت ۲۱)



لبنان کی حالیہ جنگ جس میں اسرائیل نے منھ کی کھائی اور امریکہ اور اُس کے حلیف عربی حکم راں دونوں ننگے ہوگئے (٭)

لبنان کے خلاف اِسرائیل کی جنگ[1] سرِ دست، سلامتی کونسل کی قرارداد (۱۷۰۱) کے بہ موجب بند تو ہوگئی ہے، لیکن یہ جنگ بندی کتنی پایدار ثابت ہوگی؟ اِس کو آنے والا دن ہی بتائے گا۔ مختلف حیلہ و حجت سے اِسرائیل کی طرف سے ''ڈھول دھپے'' کا سلسلہ جاری ہے؛ کیوں کہ شرافت، وضع داری اور پابندیِ عہد اُس کی فطرت کے خلاف ہے۔ جنگ بندی کے فوراً بعد حزب اللہ اور اِسرائیل دونوں ہی نے اپنی اپنی فتح کا نہ صرف دعویٰ کیا ہے؛ بل کہ جشن بھی منایا ہے اور شہنائی بھی بجائی ہے۔ اِس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ افرادی اور مالی اعتبار سے حزب اللہ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے اور جنوبی لبنان بہ طورِ خاص اور سارا لبنان بہ طورِ عام، جس طرح تباہ کردیا گیا ہے، وہ اسرائیل کی ننگی جارحیت، جنگی جرائم کے ارتکاب اور وحشت و بربریت کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ اسرائیل نے ۳۴ روز تک اُس کی اینٹ سے اینٹ بجائی ہے اور سارے شہری ٹھکانوں، رہایشی مکانوں، سڑکوں، بجلی گھروں، تیل کی ذخیرہ گاہوں، حکومتی اِداروں، حتیٰ کہ اقوامِ متحدہ کے ملازمین کی اقامت گاہوں کو اِس طرح نشانہ بنایا ہے کہ دنیا کے سارے مُبصِرین کو اسرائیل کی بربریت کا یقین ہوگیا ہے۔

(٭) تحریر در اردو بہ راہ راست ۱۲ / بجے یوم جمعہ ۳۰/۷/۱۴۲۷ھ = ۲۵/۸/۲۰۰۶ء

(۱) یہ جنگ، اسرائیل نے ۱۲-۱۳ / جولائی ۲۰۰۶ء (مطابق ۱۵-۱۶ / جمادی الاخری ۱۴۲۷ھ) کی درمیانی شب میں چھیڑی تھی اور ۱۴ / اگست ۲۰۰۶ء (مطابق ۱۹ / رجب ۱۴۲۷ھ) کو ہندوستانی وقت کے مطابق ۱۰ بج کر ۳۰ منٹ پر موقوف ہوئی۔

اسرائیل کو سب سے بڑی پسپائی کا سامنا:

لیکن سیاسی اور اخلاقی سطح پر ـــ ہر چند کہ اسرائیل کو اخلاق اور اُس کے مُشتقّات سے کیا لینا دینا ہے ـــ اسرائیل کو اپنے وجود کے وقت سے اب تک کی سب سے بڑی پسپائی کا سامنا ہوا ہے۔ جب کہ حزب اللہ کی مقبولیت میں بے پناہ اِضافہ ہوا ہے اور سیاسی سطح پر تو اُس نے ''فتحِ مبین'' حاصل کرلی ہے۔ لبنان پر حملے سے اِسرائیل کے اگر یہ مقاصد تھے کہ وہ لبنان کو بہت سارا جانی و مالی نقصان پہنچادے، تو اِس میں وہ یقیناً کام یاب رہا ہے؛ لیکن اگر اُس کا مقصد اپنے دونوں قیدی فوجیوں کو چھڑانا، حزب اللہ سے ہمیشہ کے لیے گلوخلاصی اور اُس کی بیخ کنی کرنا، سیکورٹی کے حوالے سے صورت حال کو یقینی بنانا اور حزب اللہ کے میزائل سے بے خوف ہونا تھا؛ تو وہ اِن مقاصد میں بری طرح نامراد رہا ہے اور اُس کا ہر سطح پر بھرم جاتا رہا ہے۔ اُس کے دونوں فوجی ہنوز قید میں ہیں اور اُس کی تخلیص کے لیے، اب بعد از جنگ مذاکرات کے لیے رضامند ہوگیا ہے، جب کہ جنگ کے ذریعے اپنی ساکھ گنوانے سے پہلے، مذاکرات سے بالکل انکاری تھا۔ فضائی اور زمینی جنگ کے باوجود، حزب اللہ کو جو باقاعدہ اور اُس کی طرح کے جدید ترین ہتھیاروں سے لیس فوج نہیں رکھتی، مکمل طور پر کچلنے میں اپنی ناکامی اور زمینی جنگ کے دوران بہت بڑے خسارے سے دوچار ہونے کی وجہ سے، وہ اندرونی انتشار اور سیاسی قیادتوں اور عوام کے بڑے طبقے کے مابین چیمی گوئیوں کا شکار ہے اور خطرہ ہے کہ اسرائیل میں بڑے پیمانے پر سیاسی اتھل پتھل نہ شروع ہوجائے۔ جنگ لڑنے کے طریقے، فوجیوں کی کارکردگی، فوجی قیادت کی ناہنرمندی پر سوالات اٹھ رہے ہیں اور اِفراتفری کا ماحول بن گیا ہے، جس کی وجہ سے وزیر اعظم ''اولمرٹ'' کی حکومت مخمصے میں پڑ گئی ہے۔ اسرائیل کی قابلِ لحاظ اکثریت، یہی مانتی ہے کہ لبنان کی جنگ میں اسرائیل کی پسپائی ہوئی ہے اور اُس نے کچھ بھی پایا نہیں ہے؛ بل کہ صرف کھویا ہے اور سب سے بڑا دھچکا اُس کی ساکھ کو لگا ہے، اُس کا عسکری بھرم جاتا

رہا ہے؛ کیوں کہ ''غیر مُنظّم'' ملیشیا نے اُس کی باقاعدہ اور جدید ترین ہتھیار سے مسلح افواج کو ۳۴ دنوں تک اُلجھائے رکھا اور اُس سے اُس کی کمر توڑی نہ جا سکی؟!۔

اسرائیلی افواج کی طرح اُس کے اینٹلی جینس کے نظام کا بھرم بھی ختم ہو گیا ہے، جس کو امریکہ کی ''سی آئی اے'' کی پشت پناہی اور دائمی مدد حاصل رہتی ہے۔ حزب اللہ والوں نے اسرائیل کے دو فوجیوں کو جنوبی لبنان سے پکڑ لیا اور نہ صرف یہ کہ پکڑے جانے سے قبل اُس کو اِس کی بھنک نہ لگ سکی؛ بل کہ لڑائی کے دوران اور تا حال اُس کو پکڑ کے رکھے جانے کی جگہ کا پتہ نہ چل سکا۔ اِسی طرح حزب اللہ کی فوجی طاقت، لڑنے کی صلاحیت، اُس کے میزائلس کی کمین گاہوں، حزب اللہ کے قائدین، اس کے لڑاکوؤں، بھوت کی طرح نظر نہ آنے والی؛ لیکن حقیقت بن کر اسرائیل کی مسلح افواج، اس کے ٹینکوں، فوجی گاڑیوں، عسکری آلات پر ٹوٹ پڑنے والی ''سحر کار فوجوں'' نیز حزب اللہ کے لڑنے کے طریقوں وغیرہ کی اِسرائیل کے سراغ رساں اِداروں کو آخر آخر تک ہوا نہ لگ سکی۔ اسرائیل نے بہت سی عمارتوں، ٹاوروں اور ذرائع ابلاغ کے نظاموں کو یہ سمجھ کے تہس نہس کر دیا کہ یہ حزب اللہ کے ٹیلی وژن اسٹیشن ہیں؛ لیکن حزب اللہ کا ٹیلی وژن نظام، اِس کے باوجود ہمہ وقت محوِ عمل رہا اگر کسی وقت اُس کی نشریات کچھ وقتوں کے لیے، خلل پذیر ہوئیں تو فوراً تھوڑی دیر بعد مصروفِ کار ہو گئیں۔

سچائیاں، طشت از بام ہو گئیں:

پہلے تو اسرائیل نے اپنی ''فتح'' کے شادیانے بجائے اور دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی؛ لیکن جب سچائیاں طشت از بام ہو گئیں، تو کھلے لفظوں میں اپنی ناکامی کا اعتراف کرنا پڑا؛ کیوں کہ اب زبردستی کی پردہ پوشی، مزید باعثِ رسوائی ہوتی؛ چناں چہ جمعرات - جمعہ: ۲۴-۲۵ / اگست ۲۰۰۶ء (۲۹-۳۰ / رجب ۱۴۲۷ھ) کی شب میں ۸½ سے ۹½ بجے کی اردو سروس میں بی بی سی لندن نے کہا کہ اسرائیلی افواج کے

چیف آف اسٹاف نے، صاف صاف یہ اقرار کیا ہے کہ لبنان کی جنگ، اسرائیل کی ناکامی پر منتج ہوئی ہے اور اب وقت آ گیا ہے کہ افواج کے بہت سے اہل کار کی عدم کارکردگی، تعلیمات عدولی اور تال میل کی کمی کا مکمل طور پر جائزہ لے کر، قصورواروں کو قرار واقعی سزا دی جائے اور عسکری اِدارے کی جگ ہنسائی کا سبب بننے والوں کے خلاف، عبرت ناک تادیبی کارروائی کی جائے۔ جمعہ-سنیچر: ۲۵-۲۶/اگست کی رات میں ۸½ سے ۹½ بجے کی اردو سروس میں بی بی سی لندن نے بتایا کہ ۶۷٪ اسرائیلی عوام وزیر اعظم، وزیر دفاع اور فوج کے اعلیٰ عہدے داروں کے استعفے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

امریکہ کو بھی ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا:

دیکھا جائے تو سفارتی سطح پر بھی نہ صرف اسرائیل؛ بل کہ لبنان کے خلاف حالیہ جنگ (جو ۱۲-۱۳/جولائی کی بیچ کی رات سے ۱۴/اگست ۲۰۰۶ء کو ہندوستانی وقت کے مطابق ۱۰٫۳۰ بجے صبح تک جاری رہی) کے منصوبہ ساز و جنگ باز، یعنی امریکہ کو ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا ہے کہ اِن دونوں کی خواہش، کوشش اور دھونس کے باوجود، سلامتی کونسل کی جنگ بندی کے تعلُّق سے حالیہ قرارداد (۱۷۰۱) میں حزب اللہ کو غیر مسلح کیے جانے کے لیے، ٹائم ٹیبل وضع کر دیے جانے کی مانگ پوری نہ کی جاسکی۔ اِسی طرح اِبلاغی سطح پر بھی عالمی ذرائع اِبلاغ کے لیے، یہ ممکن نہ ہوسکا کہ اسرائیل اور امریکہ کی لبنان کے خلاف کھلی جارحیت کو، اُن کی مرضی کے مطابق کوریج کر سکے؛ بل کہ ذرائع اِبلاغ نے بڑی حد تک سچائی کو اجاگر کرنے کی کوشش کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود اسرائیلی اخبارات اور میڈیا بھی لبنان نیز غزہ میں بے گناہ شہریوں اور معصوم بچوں اور ناتواں خواتین کے قتلِ عام کی کھلی مذمت کیے بغیر نہ رہ سکے؛ بل کہ اسرائیل کے عوام کی ایک تعداد نے، فلسطین اور لبنان میں اسرائیل کی انسانیت سوز عسکری کارروائی کے خلاف، احتجاج اور مظاہرہ کیا اور نعرہ لگایا کہ انسانوں کو زندہ رہنے دو کہ یہ اُن کا حق ہے۔

لبنان کی جنگ کا مثبت پہلو:

لبنان کی جنگ کا سب سے زیادہ اہم اور مثبت پہلو یہ ہے کہ اِس سے کھل کر یہ بات سامنے آ گئی ہے کہ مشرقِ وسطیٰ میں بالخصوص اور سارے عالمِ اسلام میں بالعموم، سارے بحرانوں کی جڑ امریکہ ہے۔ امریکہ نے اِس سے قبل دگر معاملات میں ''نقاب پوشی'' اور پردہ کے پیچھے سے رسّی ہلانے کی جو حکمتِ عملی اپنا رکھی تھی، اِس جنگ میں اُس نے ''تکلف برطرف'' کی تھیوری پر عمل کیا ہے اور کسی اِبہام کے بغیر، قول، فعل اور اُس کی ساری شکلوں کے ذریعے، اسرائیل کی مدد کی ہے اور صاف لفظوں میں بش نے یہ بتا دیا ہے کہ وہ اسرائیل کی مدد میں کسی بھی حد کو پار کر سکتے ہیں۔

چناں چہ جنگ کے دوران بش نے اسرائیل کو وسیع تر تباہی کے کلسٹر بموں کی کئی کھیپ، امریکہ سے بہ راہ برطانیہ بھجوائی اور ساری دنیا کو بتا کے دیگر اسلحے اسرائیل کو بھیجے گئے؛ تا کہ لبنان کو اچھی طرح تباہ اور لبنانیوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں قتل کیا جا سکے اور یہ کہتے رہے کہ لبنان کی ساری تباہی کی ذمے دار، حزب اللہ ہے کہ اُس نے اسرائیل کے دو فوجیوں کو گرفتار کر کے اسرائیل کو مشتعل کیا! گویا صرف دو اسرائیلی فوجی اتنے قیمتی ہیں کہ اُن کے لیے سارے لبنان، سارے لبنانی اور ساڑھے تین ارب ڈالر کے اسٹرکچر کو تباہ کیا جا سکتا ہے۔ حال آں کہ دونوں فوجیوں کی گرفتاری تو جنگ چھیڑ دینے کا ایک بہانہ تھی؛ ورنہ اِس جنگ کی پلاننگ اسرائیل اور امریکہ بہت پہلے کر چکے تھے۔ جیسا کہ ''نیویارک ٹائمز'' امریکی روزنامہ کے کالم نگار ''سیمار ہیرش'' نے اخبار کے ایک شمارے میں یہ بات لکھی ہے جو ۱۳/۸/۲۰۰۶ء (یک شنبہ: ۱۸/رجب ۱۴۲۷ھ) کو انٹرنٹ پر شائع ہوا۔ بے حیائی، ڈھٹائی، شوخی اور شر پسندی میں امریکہ اور اُس کی انتظامیہ کے اہل کاروں سے کون لوہا لے سکتا ہے؟ چناں چہ عین لڑائی کی شدّت کے دوران جب لبنانی خاک و خون میں تڑپ رہے تھے، لبنانیوں اور عربوں کے زخموں پر، امریکہ کی

وزیرِخارجہ ''کونڈولیزارائیس'' نے یہ کہہ کر نمک پاشی کی کہ اِس جنگ کے نتیجے میں ایک نیا''مشرقِ وسطیٰ'' معرضِ وجود میں آیا چاہتا ہے، جو بڑی خوش آیند بات ہے!۔ مذکورہ اخبار کے کالم نگار نے یہ بھی کہا ہے کہ بش اور اُس کے نائب ڈگ چینی نے اِس جنگ کی پلاننگ یہ سمجھ کے کی تھی کہ اِس سے امریکہ کے مفاد کے تئیں، اِیران کے خلاف حفاظتی اور ''پیش بندی'' کے حملے کی راہ ہم وار ہوگی، جس سے بالآخر اُس کے ایٹمی پروگرام کو تباہ کیا جاسکے گا۔ کالم نگار نے مزید کہا ہے کہ امریکہ نے اسرائیل پر، لبنان پر حملے کے لیے اِس لیے بھی دباؤ ڈالا تھا کہ اِس جنگ سے حزب اللہ کے میزائل تباہ ہوجاتے ہیں، تو کل اگر امریکہ ایران پر حملہ کرتا ہے تو اِن میزائلوں سے وہ محفوظ رہے گا اور اسرائیل یا امریکہ کے دگر حلفا بھی بے خوف رہیں گے۔ امریکہ کا ایک بڑا نقصان موجودہ جنگ میں یہ ہوا ہے کہ اُس کے وہ کارندے اور ایجنٹ جو عالمِ عربی میں وہاں کے حکم راں کی حیثیت سے اُس کے زرخرید غلام کی طرح کام کرتے ہیں اور امریکہ کے ہاتھوں ''گلیم بوذ رودلقِ اویس وچادرِ زہرا'' کو بیچ دینے کو تیار بل کہ بے تاب بیٹھے رہتے ہیں، وہ اپنے عوام کے زبردست دباؤ کے تحت، ایسے بے نقاب ہوے ہیں کہ اُن کے لیے امریکہ کی وفاداری کے تقاضوں کو پورا کرنا اور عوام کو مطمئن رکھنا آیندہ مرحلوں میں بڑا مشکل ہوگا۔ یہ کہنا سچ ہوگا کہ اِس جنگ سے، صرف امریکہ ہی ننگا نہیں ہوا ہے؛ بل کہ اُس کے کارندے بھی اِس طرح ننگے ہوگئے ہیں کہ اُن کے جسم پر کوئی چیتھڑا بھی نہیں رہ گیا ہے، جس سے ماضی میں کم از کم اپنا منہ چھپالیا کرتے تھے۔

امریکہ کے منہ پر طمانچہ:

امریکہ پر سب سے بڑا طمانچہ، خود اسرائیل کے پڑھے لکھے قابلِ لحاظ طبقے کی طرف سے رسید ہوا ہے، جس سے امریکہ کو یہ تک کہنے کا جواز پیدا ہوگیا ہے کہ ''مرے تھے جس کے لیے وہ رہے وضو کرتے'' چناں چہ اسرائیلی اخبارات نے بہت سے تجزیہ نگاروں

اور مُبصّرین کی آرا نقل کی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ امریکہ کی اب یہ کوشش ہے، ہمیں یعنی اسرائیل والوں کو عربی و اسلامی دنیا کے ساتھ، مذہبی جنگ میں پھنسائے رہے اور یہ کہ امریکہ کو عالمِ عرب سے نمٹنے کی حکمتِ عملی کے حوالے سے، عاری از عقل و درایت سمجھنا چاہیے اور اُس کے مشورے پر عمل کرنے میں، اسرائیل کو اپنی سوجھ بوجھ سے کام لینا ہوگا۔ حزب اللہ سے قیدیوں کی تخلیص کے تعلّق سے، صرف مذاکرات ہی کارگر ہو سکتے تھے، جن پر بعد از تباہیِ بسیار، اسرائیل کاربند ہونے کی سوچ رہا ہے، کاش اسرائیل کو یہ عقل پہلے آ گئی ہوتی اور امریکہ کے بہکاوے میں وہ نہ آیا ہوتا، تو بے آبروئی کے وہ دن دیکھنے نہ پڑتے جو دیکھنے پڑے۔ یہ اور اِس طرح کی آرا، اسرائیل کے ''ہا آرتس'' روزنامے میں کثرت سے شائع ہوئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ امریکہ کے لیے، یہ بڑے دکھ کی بات ہے کہ جس کے لیے رونا آئے، وہی کہے کہ سمع خراشی کیوں کرتے ہو؟۔ یقیناً ہر خسارہ خیز جنگوں کے بعد ہارا ہوا فریق، احساسِ ناکامی کو کم کرنے کے لیے، نقصانات کی ذمے داری، دوسروں کے سر ڈالنے کی کوشش کرتا ہے؛ لیکن امریکہ کو لبنان کے خلاف موجودہ جنگ سے جو زخم لگا ہے، اُس کا لہو، وہ تا دیر چاٹتا رہے گا۔

اِس جنگ سے عالمِ عربی کی حکومتوں کو — اگر وہ سبق لینے کی پوزیشن میں ہیں — یہ سبق ضرور ملا ہے کہ جب جان پر کھیلنے کی سوچنے والی مٹھی بھر جماعت تقریباً نہتے ہونے کی صورت میں، اسرائیل جیسی ''افسانوی'' عسکری طاقت کو زائد از ایک ماہ تک چھٹی کا دودھ یاد دلا سکتی ہے، تو باقاعدہ افواج و ہتھیار والی یہ حکومتیں جو اُس کے چاروں طرف کنگن کی طرح ہیں، اگر سچی نیت، پکے ارادے، غیرتِ اسلامی، حمیتِ ایمانی، جذبۂ قومی اور نخوتِ عربی کے ساتھ، اسرائیل کا مقابلہ کریں، تو امریکہ کو بھی چھٹی کا دودھ یاد آ سکتا ہے، نہ کہ صرف اسرائیل کو؛ لیکن امریکہ کی یہ کام یابی ہے کہ اُس نے عربوں کو اپنے حلیفوں اور حریفوں میں بانٹ کے، اُن کی صفوں کو کم زور کیا ہوا ہے، لیکن اِس دفعہ یہ ہوا ہے کہ حلیف و حریف کی تقسیم کا توازن شکست و ریخت سے دوچار ہوا ہے۔ خدا کرے یہ صورت حال

پایدار ثابت ہو؛ تا کہ امریکہ کو کبھی تو سمجھ میں آئے کہ وہ کائنات کا ربِّ اعلیٰ نہیں؛ بل کہ اِس کا اصل مالک کوئی اور ہے؛ اِسی لیے اِس کائنات کا ہر کام ہمیشہ اُس کی مرضی کے موافق نہیں ہو پاتا؛ بل کہ بہت سی دفعہ اُس کو منہ کی کھانی پڑتی ہے۔



فلسطین میں مزاحمت کاروں اور تعلقات کو معمول پر لانے کے لیے کوشاں رہنے والوں کے درمیان مابہ الامتیاز (*)

ارضِ فلسطین کے غزہ علاقے میں فلسطینیوں کی خانہ جنگی سے، صرف دنیا بھر کے مسلمان ہی انگارے پر نہیں لوٹ رہے، جنھیں مسئلۂ فلسطین سے نہ صرف دِلچسپی ہے؛ بل کہ وہ اِس کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا اور اولین مسئلہ سمجھتے ہیں؛ بل کہ اِس خانہ جنگی کی وجہ سے صہیونی دشمن کو اپنے استعماری منصوبے کے بہ عجلت استحکام و تنفیذ میں اِتنی مدد ملی ہے جس کی خود اُس کو بھی توقع نہ تھی۔ فلسطینیوں کی آپسی لڑائی کی وجہ سے، فلسطینی موقف ہر سطح پر کم زور پڑا ہے اور فلسطینیوں کے حقوق کی پامالی، زمین کے ضیاع اور اُن کے مستقبل کے خدانہ خواستہ تاریک ہوجانے کی راہ، مکمل طور پر ہم وار ہوگئی ہے۔ صلیبی صہیونی ہتھکنڈے کو اِس سے قبل شاید ہی اتنی کام یابی ملی ہوگی۔ سچ یہ ہے کہ فلسطینی اِس وقت صلیبی صہیونی ''میدانِ تیہ'' میں ٹامک ٹوئیے مار رہے ہیں۔

پانچویں کالم کی ایجاد:

سرزمینِ عرب میں خدا کی مرضی کے مطابق، خدائی منصوبے کی تکمیل کے وقت سے

(*) ترجمہ اداریہ (کلمة العدد) ''الداعی'' بہ قلم تحریر نگار بہ عنوان: ''بَيْنَ تَيَّارِ الْمُقَاوَمَةِ وَتَيَّارِ التَّطْبِيعِ'' شمارہ ۵-۶، جلد ۳۱، جمادی الاولی - جمادی الاخری ۱۴۲۸ھ مطابق مئی - جولائی ۲۰۰۷ء ۸ ½ بجے صبح، یک شنبہ، یکم جمادی الاخری ۱۴۲۸ھ = ۱۷/ جون ۲۰۰۷ء ۔ تاریخ عربی تحریر: ۱۰ ½ بجے صبح، چہار شنبہ، ۱۸/ جمادی الاولی ۱۴۲۸ھ مطابق ۵/ جون ۲۰۰۷ء ۔

اب تک، تاریخِ اسلامی کے لمبے سفر پر، مُتَجَسِّسانہ وغائرانہ نگاہ رکھنے والا ہر انسان، اچھی طرح جانتا ہے کہ الٰہی منصوبے کے مخالفین: کفار ومشرکین اور اُن کے ہم نواؤں کو جب یہ یقین ہوگیا کہ سیسہ پلائی ہوئی دیوارِ اسلام میں اب شگاف ڈالنا ممکن نہیں؛ کیوں کہ وہ ٹھوس بنیادوں پر، پرشکوہ اور بلند وبالا ہوچکی ہے، تو وہ طویل غور وفکر اور اُدھیڑ بن کے سارے ہتھکنڈوں کو آزمانے کے بعد اِس نتیجے پر پہنچے کہ صَفِ اِسلامی کے انتشار اور دیوارِ اِسلام میں دراڑ ڈالنے کی صرف ایک راہ ہے کہ مسلمانوں میں اختلاف پیدا کردیا جائے، چناں چہ اِس حکمتِ عملی کو بہ روئے کار لانے کے لیے، اُنھوں نے مسلمانوں کے اندر ہمیشہ معتد بہ تعداد میں ایسے ''منافقین'' اور دورُخوں کی موجودگی کو یقینی بنانے کی کوشش کی، جس کو عصرِ حاضر کی اصطلاح میں ''ففتھ کالم'' (The fifth column) یعنی ''پانچواں کالم'' کہا جاتا ہے۔ یہ اصطلاح، اسپین کی خانہ جنگی کے دوران اُن لوگوں کے لیے وضع کی گئی تھی جو اپنی قوم کے خلاف دشمنوں کو راز دارانہ طور پر مدد دیا کرتے تھے اور دشمن اُن کی قوم کو نقصان پہنچانے کے لیے، تمام تر اُنھی پر انحصار کرتے تھے۔

تاریخِ اسلام میں ہمیشہ دشمنوں نے، مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور جان لیوا یلغار کے لیے ''ففتھ کالم'' سے ہی مدد لی ہے۔ مسلمانوں کو داخلی وخارجی سطح پر جتنے دور رس نقصانات اٹھانے پڑے، وہ ''ففتھ کالم'' ہی کی وجہ سے اٹھانے پڑے۔ اُسی کی وجہ سے وہ عسکری، اقتصادی اور اجتماعی طور پر، بعض دفعہ صدیوں پچھڑ گئے اور اُن کے بالمقابل دشمنوں کو ہر سطح پر، ترقی وخوش حالی کا موقع ملا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری صفوں میں ''ففتھ کالم'' کی تعمیر وتشکیل اور ہر زمانے اور ہر موقع سے اُس کا پایا جانا، دشمن کی بڑی کام یابی تھی اور ہماری رسوا کن ہار۔

یہ صحیح ہے کہ اگر خدائے ذوالجلال چاہتا تو ''ففتھ کالم'' کے یہ لوگ، اُس اِسلامی معاشرے میں پنپنے اور قدم جمانے کی جگہ نہ پاتے، جو ٹھوس اسلامی تعلیمات پر استوار ہوا تھا اور جس کے جلو میں کتاب اللہ وسنت رسول اللہؐ کی ہمہ گیر اور بھرپور روشنی تھی؛ لیکن

اپنی حکمت سے خدائے قدیر نے چاہا کہ حق و باطل کی کش مکش ہمیشہ قائم رہے؛ تاکہ پاک و ناپاک ایک دوسرے سے ممتاز رہیں۔ اِسی حکمت کے تحت "پانچویں کالم" کے لوگوں کو، ہمیشہ ہماری صف میں پنپنے اور برگ و بار لاتے رہنے کا موقع ملتا رہا اور بالآخر وہ فتنہ انگیزی کے ذریعے، حرماں نصیبوں کے لیے، باعثِ مصیبت اور خوش نصیبوں کے لیے باعثِ راحت بنتے رہے۔

مسئلہ فلسطین، ففتھ کالم ہی کی وجہ سے پیدا ہوا تھا:

فلسطینی مسئلہ، جو پوری دنیا کے مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ ہے، کی تاریخ پر نگاہ رکھنے والا جانتا ہے کہ یہ مسئلہ پیدا ہی اِس لیے ہوا تھا کہ ہماری صف میں "ففتھ کالم" کے لوگ موجود تھے، جو ہمارے آپسی اختلاف و انتشار کے بطن سے پیدا ہوئے تھے اور جنھیں ہماری ایمانی کم زوری اور دینی بے حمیتی نے غذا دے کر جوان و توانا کیا تھا۔

۶۰ سال پہلے فلسطین میں جو اَلمیہ پیش آیا، وہ اِسی لیے پیش آیا اور اِسی لیے اُس نے بھیانک شکل اختیار کرلی کہ اَعدا نے ہماری صف میں اختلاف و انتشار پیدا کرنے میں کام یابی حاصل کرلی تھی، ساتھ ہی ایمانی کم زوری کی وجہ سے، ہم متحدہ منصوبہ اور عملی یگانگت پر بھی کبھی قادر نہ ہوسکے۔ اِنھی وجوہات کی وجہ سے دشمنوں نے ہم میں سے کم زور ایمان والوں کو "ففتھ کالم" کے بہ طور استعمال کرنے کے لیے شکار کرلیا اور اُنھیں "امن مذاکرات" کے ایسے جال میں پھنسادیا، جو جھوٹی بجلی اور اُس سَراب سے زیادہ دھوکا دینے والا ثابت ہوا، جس کو چٹیل میدان میں چمکتا دیکھ کر، پیاسا اُس کی طرف پانی سمجھ کے لپکتا ہے؛ لیکن اُس کو سراب پاکر مایوسانہ لوٹ جاتا ہے۔ اِنھی مذاکرات کی وجہ سے، فلسطینی حقوق کا اتنا ضیاع ہوا، جو کسی اور راہ سے ممکن نہ تھا اور اِنھی کی وجہ سے، دشمن چھینی ہوئی اور غصب کردہ ہماری زمینوں کو ہتھیائے بیٹھا رہا؛ بل کہ اُن میں آس پاس کی اور زمینوں کو ملاتا اور فلسطینی باشندوں کو زور زبردستی بے دخل کرتا رہا اور ساتھ ہی اپنے سارے ہمہ گیر منصوبوں کو عملی

جامہ پہناتا رہا، جن کے حوالے سے سارے دشمنانِ اسلام اُس کے مُؤیّد ہیں، جنھیں مفادات کے اختلاف کے باوجود، اسلام دشمنی نے متحد کرر کھا ہے۔

''ففتھ کالم'' کے ذریعے ہی، صہیونیوں نے ہماری صف میں بڑی دراڑ ڈال کے ۱۹۷۸ء میں امریکہ کی وساطت سے مصر اور صہیونی ریاست کے بیچ ''کیمپ ڈیوڈ'' معاہدہ؛ ۱۹۹۳ء میں عرفات ورابین کے بیچ ''اوسلو'' معاہدہ اور ۱۹۹۴ء میں اردن اور اسرائیل کے درمیان وادیِ عربہ معاہدہ کرالیا۔ کسی پاگل ہی کو یہ شک گزر سکتا ہے کہ ملعون صہیونی دشمن کے ساتھ کیے گئے یہ پیہم معاہدے ہی، ہمارے لیے نہ صرف صف شکن، بل کہ کمر توڑ ثابت ہوے۔ دوسری طرف اِن معاہدوں نے فلسطینیوں کے ہاتھ اِس طرح باندھ دیے کہ نہ وہ کھول سکتے ہیں نہ سمیٹ سکتے ہیں، تیسری طرف اِن ہی معاہدوں کے ذریعے، یہودیوں کے وجود کو نہ صرف تسلیم کرلیا گیا؛ بل کہ مقبوضہ فلسطینی زمینوں پر قبضہ جمائے رہنے کا، اُس کو وجہِ جواز ہاتھ آ گیا اور مزید زمینوں کو ہڑپنے کی راہ مل گئی۔

اِنھی معاہدوں کی وجہ سے، فلسطینی دودھڑوں میں تقسیم:

نیز اِنھی معاہدوں کی وجہ سے، فلسطینی دو دھڑوں میں تقسیم ہو کر رہ گئے۔ ایک دھڑا شکست خوردہ، بے غیرت و بے حَمیّت ہے، جو صہیونیوں کے ساتھ، تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے نہ صرف ہاتھ پاؤں مار رہا ہے؛ بل کہ اُنھیں یہ موقع بھی دے رہا ہے کہ وہ باقی ماندہ عربی زمینوں کو بھی بہ سہولت تمام ہتھیالیں، ساتھ ہی فلسطینی عوام کو ہر طرح کی ذلت، خانما بربادی، نسل کشی، اور بھوکوں ننگوں مرنے کے لیے مزید مہمیز کر رہا ہے اور یہ صرف اِس ''جرم'' کی وجہ سے کہ وہ عربی و مسلمان ہیں اور تاریخ، منطق اور قانون کی رو سے وہ یہاں کے اصلی باشندے ہیں؛ لہٰذا اِس خاک کے وہی حق دار ہیں، نہ کہ اجنبی یہود۔

دوسرا دھڑا وہ ہے جو سچی غیرت و حَمیّت کا حامل ہے، وہ صہیونی قبضے کو نہ صرف مُسترد کرتا ہے؛ بل کہ ہر ممکن طریقے سے، اُس کو ختم کرانے کے درپے ہے، وہ سارے مُمیّز

ذرائع کو کام میں لاکر غصب کردہ اور مقبوضہ عربی زمینوں کی بازیافت کے لیے کوشاں ہے اور فلسطینی بھائیوں کے لیے ایک ایسی ریاست کے قیام کے لیے سچ مچ سرگرمِ کار ہے، جس کے قیام کی راہ میں مشرق و مغرب کے سارے دشمنوں نے ہمیشہ روڑے اٹکائے ہیں۔ یہ دھڑا خانماں برباد فلسطینی پناہ گزینوں کے لیے اپنے اصلی وطن ارضِ فلسطین میں دوبارہ واپسی کی راہ نکالنے کے لیے بھی بے طرح بے تاب ہے اور اِس سلسلے میں کسی بھی بھید بھاؤ کو قبول کرنے کے لیے رضا مند نہیں۔ اِس دھڑے کا ایمان ہے کہ فلسطین کی مکمل اور پایدار آزادی کی راہ، صرف اور صرف جہاد اور جذبۂ شہادت ہے اور مزاحمت کی وہ ساری راہیں ہیں جنھیں ''جائز مزاحمت'' کے خانے ہی میں ڈالا جاسکتا ہے اور جو اُس قوم کے لیے بالیقین جائز ہے، جس کو اپنے گھر سے بے گھر اور اپنے وطن سے بے وطن کر دیا گیا ہے اور جس پر بھاری بھرکم اور نت نئے اسلحوں کے ذریعے، روز روز موت اور عذاب مُسلَّط کیا جارہا ہے اور یہ سارا کچھ یک قطبی دنیا کی سب سے بڑی طاقت (جس نے عالمِ اسلام پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رکھے ہیں اور غرور وتکبر کی ساری حدوں کو، اِس طرح پار کرلیا ہے کہ ظلم واستکبار کے رمزِ اوّل فرعون کی روح بھی شاید جس سے شرم سار ہے) کی حمایت و مدد اور بہ یک وقت عاقل و مجنون اور بینا و نابینا اور سننے والی اور بہری گونگی دنیا کی ڈھکی یا کھلی تائید سے کیا جارہا ہے!۔

یہی دھڑا، جس کی نمایندگی، فلسطین کی ساری مزاحمتی تحریکیں کررہی ہیں اور بلاشبہہ اِن سب میں سرِ فہرست تحریک ''حماس'' ہے، فلسطینی مسئلے کو زندہ رکھے ہوا ہے اور یہی اُس کو اُس عالمی برادری کے سامنے نمایاں کرتا رہا ہے، جس نے اِس سے تغافل کرنے، اِس کو بالکلیہ فراموش کردینے اور اِس کو ہمیشہ کے لیے ردّی کی ٹوکری میں ڈال دینے میں، کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے اور جو ہمیشہ رائے عامّہ کو، (جس میں فلسطین کے اُس دھڑے کی رائے بھی شامل ہے، جو صہیونیوں کے ساتھ تعلقات کو معمول پر لانے اور معاہدۂ امن کرنے کے لیے بے تحاشا دوڑتا رہا ہے؛ تاکہ قضیۂ فلسطین کو صہیونی اور صہیونیت گزیدہ

مسیحیت کے مفادات وتصورات کی روشنی میں ''حل'' کر کے ہمیشہ کے لیے اِس قصے کو تمام کر دیا جائے) گم راہ کرتی رہی ہے۔

خود سپردگی وشکست خوردگی اور تعلقات کو معمول پر لانے کی فریب آمیز کارروائی کو مُسترد کر دینے والا یہ دھڑا چوں کہ جہاد اور فداکاری وشہادت پسندی پر مصر ہے اور فلسطین کے قضیے کے تعلق سے صحیح اِسلامی نقطہ نظر کا کوئی بدل یہ محسوس نہیں کرتا اور یہ چھینے گئے حقوق اور غصب کردہ زمینوں سے دست بردار ہو جانے کو، کسی طرح بھی روا قرار دینے کے لیے رضا مند نہیں؛ اِس لیے صہیونیوں اور صہیونیت گزیدہ صلیبیوں کی اِس دھڑے کو ہمیشہ کے لیے ٹھکانے لگا دینے کی کوشش رہی ہے، اُن کی تمنا ہے کہ فلسطینی صفوں سے اِس کے وجود کو یکسر مٹا دیا جائے؛ تاکہ اِس دھڑے کے مخالف اور بالمقابل دھڑے کی، جو ''ففتھ کالم'' کی حیثیت رکھتا ہے، راہ ہم وار ہو جائے، جو معمولی قیمت یعنی چند سکوں اور بے حیثیت دنیوی منصبوں کے بدلے، صہیونی صلیبی عزائم کے مطابق، فلسطینی مسئلے کے بالکلیہ تصفیے کے لیے سرگرداں ہے۔

فتح وحماس کا مُسَلَّح تصادم، ففتھ کالم کی دین:

کئی ماہ سے فلسطینیوں کے مابین جاری خانہ جنگی اور فتح وحماس کا مُسَلَّح تصادم، فلسطینی مسلمانوں کی صف میں موجود ''ففتھ کالم'' کی حیثیت رکھنے والے لوگوں کی وجہ سے ہی چھڑا ہے۔ ''اعتدال پسند'' وسیکولر فتح تحریک، جو اسرائیل کے ساتھ مُزاحمت کو مکمل طور پر مسترد کرتی ہے اور جو تعلقات کو معمول پر لانے اور حقوق سے دست برداری کی علم بردار ہے؛ یہ تصادم، اُسی کی ہوسِ حکم رانی اور اقتدار کی خواہشِ نفسانی کی وجہ سے شروع ہوا ہے اور اُسی کی ضد کی وجہ سے ہنوز جاری ہے۔ قضیۂ فلسطین کے دفاع کے تعلق سے، مزاحمتی کارروائی ہی، رکاوٹ کی آخری دیوار اور دفاع کی واحد ڈھال کی حیثیت رکھتی ہے؛ لیکن سیکولرزم کا دم بھرنے والی اور اعتدال کا نعرہ لگانے والی فتح تحریک ہمیشہ اِس کی نہ صرف مخالف؛ بل کہ

امریکہ واسرائیل ہی کی طرح مُزاحمت کاروں کو ''دہشت گرد'' سمجھتی رہی ہے۔

اِس مُسَلّح تصادم کا منصوبہ، بلاشبہہ صہیونی اور صلیبی ہی کرتے رہے ہیں، اُنھی کی فتنہ انگیزی سے یہ خانہ جنگی بھڑکی ہے، اِس کی فضا اُنھی نے تیار کی تھی اور اِس کی آگ کے تادیر بھڑکتے رہنے کے لیے مناسب مقدار میں ایندھن، اُنھی نے فراہم کیا تھا؛ تاکہ فلسطینیوں کی صف کا اتحاد یکسر خاکستر ہوجائے اور اُس اتحاد و اتفاق کی کوئی امید باقی نہ رہ جائے، جس کو وہ اپنے لیے اور اپنے دم چھلّوں کے لیے، موت کا یقینی ذریعہ سمجھتے ہیں؛ اِسی لیے امریکہ، نام نہاد فلسطینی مُقتَدِرَہ کے صدر محمود عباس کی سرپرستی اور قیادت والے سیکولر اور بے دین دھڑے کو ہر طرح کی مادی اور اخلاقی مدد دیتا رہا ہے اور اُس کی عسکری صلاحیتوں کو استحکام دے کر، مزاحمتی دھڑے سے لڑنے کے لیے آمادہ کرتا رہا ہے؛ کیوں کہ سیکولر دھڑے ''فتح'' کی عسکری طاقتوں کے ذریعے، کبھی بھی اسرائیل کی طرف مٹی کی بھی کوئی گولی غلیل کے ذریعے بھی ماری نہیں گئی ہے؛ اِس لیے کہ اُس کا مقصد اسرائیل کی مُزاحمت کرنا کبھی تھا نہ ہوگا؛ بل کہ اُس کی عسکری طاقت کو، ہمیشہ فلسطینیوں کے داخلی تصادم کے لیے اور اُن کے پاکیزہ خون سے ہولی کھیلنے کے لیے ہی استعمال میں لایا گیا، جس کا واحد ہدف فلسطینیوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے ساتھ ساتھ، مزاحمتی گروہوں کی طاقت کا قلع قمع کرنا ہے؛ تاکہ یگانگت بالکلیہ ختم ہوجائے، مواقف میں تضاد پیدا ہوجائے، نقطۂ ہائے نظر میں پہلے سے زیادہ انتشار پیدا ہوجائے اور قضیۂ فلسطین کے حل کی تمام راہیں یکسر مسدود ہوجائیں، فلسطینیوں کا ضیاع یقینی ہوجائے اور یہ قصّہ ہمیشہ کے لیے اِس طرح ختم ہوجائے کہ صہیونیوں و صلیبیوں کے لیے کوئی دردِسر باقی نہ رہ جائے۔

فتح تحریک کے انقلاب پسندوں کو کش مکش سے آزاد ہوجانا چاہیے، اگر اُن میں ...

فتح تحریک کے انقلاب پسندوں میں اگر ذرہ برابر غیرت اور مذہبی حمیت ہے، تو اُنھیں فوراً اِس خون ریز کش مکش سے دست کش ہوجانا چاہیے اور اُس ملعون دشمن کے

خلاف، جو فلسطینیوں کے تعلق سے، کسی طرح کی رورعایت نہیں کرسکتا، حماس اور دگر تحریک ہائے مزاحمت کے ساتھ یک آواز ہو جانا چاہیے۔ اُنھیں اپنے موجودہ نام نہاد مسلم صدر ابو مازن کے پیش رَو مرحوم یاسر عرفات سے سبق حاصل کرنا چاہیے، جنھوں نے ''اعتدال پسندی'' ''سیکولرزم نوازی'' میں اپنی عمر کھپادی تھی اور ''انتہا پسندی'' و ''تشدد'' کو مسترد کرتے کرتے بالآخر تھک ہار کے اِس دنیا سے چلے گئے؛ اُنھوں نے دشمن کے ساتھ تعلقات کو معمول پر لانے کے لیے ہانپنے کی حد تک دوڑ لگائی اور اِس تعلق سے اپنے پیش رو مرحوم انور سادات کی جانشینی کا حق ادا کردیا؛ لیکن یہ ساری ''مخلصانہ'' کاوشیں اُنھیں بھی کچھ کام نہ دے سکیں، چہ جائے کہ فلسطینی قوم کو کام دیتیں۔ صہیونی دشمن اُن کے خلاف بھی، ساری وفاداریوں کے باوجود، مسلسل سازشیں رچتے رہے، یہاں تک کہ اُنھیں زہر دے کر مار ڈالا یا کسی ایسے نئے طریقے سے، جس کے ذریعے اُن کے خون کو، رگوں کے اندر، اِس طرح مسموم کردیا گیا کہ جس سے تدریجاً اُن کی موت واقع ہوگئی۔ کئی عالمی ذرائع نے وثوق سے یہ بات کہی ہے کہ اُن کی موت، کسی طبعی بیماری یا بڑھاپے کی حد سے پہنچی ہوئی کمزوری کی وجہ سے نہیں ہوئی تھی۔ سچ یہ ہے کہ صہیونیوں سے دوستی، درحقیقت شیطان سے دوستی ہے اور شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے۔ ہمارے رب نے سچ کہا ہے:

''إِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا'' (اسرا:۵۳)

ترجمہ: بلاشبہ شیطان، انسان کا کھلا دشمن ہے۔

''إِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا'' (فاطر:۶)

ترجمہ: تحقیق شیطان، تمھارا دشمن ہے، سو تم بھی اُس کو دشمن سمجھ رکھو۔

حماس کو فیصلہ کن اکثریت ملی تھی:

نہ صرف مسلمان؛ بل کہ ساری دنیا یہ بات جانتی ہے کہ ''حماس''، فلسطینیوں کی فیصلہ کن اکثریت کے ووٹوں سے فلسطینی مُقتدِرہ کی حکومت کی حق دار بنی تھی۔ فلسطینیوں کی

غالب اکثریت نے اپنے ووٹ سے دنیا پر یہ واضح کر دیا تھا کہ وہ جہاد، مُزاحمت اور مکّار وعیّار دشمن سے کھلم کھلا مقابلے کی راہ پر چلنے کو ہی ترجیح دیتی ہے؛ کیوں کہ دشمن اگر دنیا والوں کے بہ ظاہر دباؤ اور اپنی کسی وقتی مجبوری سے بھی فلسطینیوں کے ساتھ، صلح و معاہدے کے لیے تیار ہو جاتا ہے، تو اِس لیے ہو جاتا ہے تا کہ وقت کے عنصر سے فائدہ اٹھا کر، عسکری صلاحیت کو مزید طاقت ور بنا کر، فلسطینیوں اور دگر عربی ملکوں پر ٹوٹ پڑے اور موقع پا کر اُن سے فیصلہ کن جنگ کے ذریعے، باقی ماندہ توسیع پسندانہ عزائم کو بروے کار لے آئے، نیز وہ ایسی عسکری اور اقتصادی طاقت بن جائے کہ کسی عربی ملک کے لیے، کبھی بھی اُس سے مقابلہ خارج از امکان ہو جائے اور پھر وہ اپنی من مانی شرطیں اُن سے منوا کر، نیل سے فرات تک ''عظیم تر اسرائیل'' کے خواب کو تعبیر دے سکے، جیسا کہ اُس کی نہ صرف تمنا اور کوشش ہے؛ بل کہ ''حکماے صہیون'' کے پروٹوکول میں اِس کی صراحت بھی موجود ہے۔

ساری دنیا کے مسلمانوں نے انتہائی افسوس اور ناراضگی کے ساتھ مشاہدہ کیا کہ امریکہ اور اُس کے ذلیل دم چھلے برطانیہ اور سارے یورپ نے، ساری تدبیروں کے ذریعے، حماس کی حکم رانی کی راہ روکی؛ چناں چہ امریکہ اور یورپ نے اُس کے خلاف سخت اقتصادی پابندی عائد کر دی اور عرصۂ دراز تک فلسطینیوں تک کوئی درہم و دینار پہنچنے نہیں دیا؛ تا کہ ننگے بھوکے مریں، بیماریوں سے تڑپیں اور ضروریاتِ زندگی کو ترسیں اور بالآخر اُن کے درمیان اور حماس کے درمیان زبردست اختلاف اور نفرت پیدا ہو جائے اور اتحاد کی ساری راہیں مسدود ہو جائیں، حال آں کہ فلسطینیوں کا اتحاد و اشتراک ہی اسرائیل کی مزاحمت کی مضبوط اساس ہے۔

مکمل معاشی بائیکاٹ کا ہتھیار بھی، حماس کو بے دست و پا نہ کر سکا:

لیکن امریکہ اور یورپ نے جب دیکھا کہ مکمل معاشی بائکاٹ کا یہ ''ہتھیار'' حماس کو بے دست و پا کر دینے میں کارگر ثابت نہیں ہو رہا، تو اُس نے حماس اور فتح تحریک کے

درمیان ٹھنوادیا اور کمالِ ''ہنرمندی'' اور طرح طرح کی مکاریوں سے، اِن دونوں کو باہمی تصادم پر آمادہ کردیا۔ فتح تحریک ہمیشہ اپنی سیکولر امیج ''اعتدال پسندی'' اور نقطۂ نظر کے ''توازن'' کی وجہ سے امریکہ، یورپ اور خود اسرائیل اور تمام دشمنوں کے لیے خاصی پسندیدہ، جب کہ انھی خصوصیات کی وجہ سے سارے دوستوں کے لیے ناپسندیدہ رہی ہے۔ رہی سہی کسر اُس کے، بے دینی کی حد تک سیکولر مزاج موجودہ صدر ابومازن محمود عباس نے پوری کردی ہے۔ دونوں تحریکوں کے باہم دست وگریباں ہونے سے، جہاں دونوں کی افرادی اور معمولی سی عسکری طاقت، جو اُنھوں نے سال ہا سال کی تگ ودو سے حاصل کی تھی، ضائع ہورہی ہے، وہیں نہ صرف بے گناہ فلسطینیوں کا خون رائگاں ہورہا ہے؛ بل کہ دونوں طرف کی قیمتی جانیں ضائع ہورہی ہیں اور صہیونی دشمن کا منصوبہ روبہ عمل آرہا ہے کہ فلسطینی باہم لڑکے ہماری طرف مُتَوجِّہ نہ ہوں۔ دوسری طرف نہ صرف امریکہ ویورپ؛ بل کہ ساری دنیا والوں کو تماشا دیکھنے، ہنسنے اور مزے لینے کا موقع مل رہا ہے۔ ساتھ ہی اسرائیل کو اِس کی آڑ میں مزید قتل وخون کرنے، مزید اراضی کو ہڑپنے، اور مزید فلسطینیوں کو خانماں برباد کردینے کا وقت ہاتھ آرہا ہے۔

فتح وحماس کی جھڑپوں میں، سو سے زائد افراد کی ہلاکت:

فتح وحماس کی جھڑپیں، جن میں اب تک(1) دونوں فریقوں کے ۱۰۰ سے زیادہ افراد جاں بہ حق ہوگئے، اچانک اور خود بہ خود نہیں چھڑ گئی ہیں؛ بل کہ — جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا — اسرائیل امریکہ اور دونوں کے ہم نواؤں نے بالقصد یہ جھڑپیں چھڑوائی ہیں۔ امریکہ نے کھلے عام مادّی، اخلاقی اور عسکری مدد کے ذریعے، فتح کو اِس مقصد کے لیے تیار کیا ہے؛ لیکن امریکہ اور اسرائیل کی تحریض، دونوں فریقوں میں سے کسی کے لیے آپسی مسلح تصادم کا وجہِ جواز نہیں بنتیں۔ دشمن تو وہی چاہے گا، جس سے اُس کا بھلا ہو؛ لیکن ہمیں اپنی

(1) یعنی شنبہ: یکم جمادی الاخری ۱۴۲۸ھ = ۱۷ ارجون ۲۰۰۷ء تک۔

عقل وفکر سے کام لینا چاہیے اور مذہبی واخلاقی تقاضوں اور قومی ووطنی ذمے داریوں کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ ہم میں سے خواہ کوئی حق پر ہو یا باطل پر، بہ ہر حال ہم اپنے کو مسلمان سمجھتے ہیں، غیروں کے کہنے اور اُکسانے پر، مسلمانوں کے لیے یہ کب روا ہے کہ وہ مسلمانوں کا خون بہائیں اور جو طاقت وتدبیر دشمنوں سے مقابلے کے لیے بہم پہنچائی گئی تھی، اُس کو اپنی ذات کے خاتمے کے لیے آزمانے لگیں۔

صہیونی دشمن نے اِس صورت حال کا فائدہ اٹھاتے ہوے، غزہ پر بھاری اسلحوں سے حملہ کر کے دسیوں فلسطینی نوجوانوں کو قتل کر کے، اُن کی لاشوں کو گلیوں کوچوں میں بچھا دیا ہے، ساتھ ہی حماس کے دسیوں کارکنوں کو گرفتار بھی کر لیا ہے، جن میں بعض وزرا بھی شامل ہیں۔

لہٰذا اِس خانہ جنگی کو فی الفور ختم ہونا چاہیے، مسلمانوں اور عربوں خصوصاً اُن کی فعال انجمنوں اور تنظیموں کا فرض ہے کہ وہ بہ عجلت تمام، اِس تصادم کو ختم کرانے کی کوشش کریں۔

غزہ پر حماس کا کنٹرول:

جمعہ - شنبہ: ۲۸-۲۹/ جمادی الاولی ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۵-۱۶/ جون ۲۰۰۷ء کی درمیانی شب میں بی بی سی لندن نے ۸½ تا ۹½ بجے کی اردو سروس میں خبر دی کہ کئی دن کے مُسَلَّح تصادم کے بعد، حماس نے غزہ کے پورے علاقے پر اپنا کنٹرول قائم کر لیا ہے، دکانیں بند ہیں، حماس والے فتح کا جشن منا رہے ہیں، جب کہ فتح والے غربِ اردن کے خطے میں اپنا کنٹرول برقرار رکھے ہوے ہیں۔ اِسی اثنا میں فتح کے محمود عباس نے (جس کی واضح حمایت کا اِعلان نہ صرف امریکہ، یورپی یونین اور دیگر عالمی طاقتوں نے کیا ہے؛ بل کہ عرب ممالک کی نام نہاد تنظیم عرب لیگ اور لیبیا کے استثنا کے ساتھ سارے عربی ملکوں نے بھی تایید وحمایت کا کھلم کھلا اعلان کیا ہے) فتح تحریک کے "سلام فیاض" نام کے شخص کو وزیر اعظم نام زد کر کے، اُس کو متوازی عبوری حکومت قائم کرنے کو کہا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ متحدہ محاذ کی قانونی حکومت، جس کے قانونی وزیر اعظم حماس تحریک کے

''اسماعیل ہنیہ'' ہیں، کو غیر قانونی طور پر کالعدم کر دینے کی کوشش کی گئی ہے، جس سے تصادم کے مزید بڑھ جانے اور اُس کے مزید خونی جنگ میں تبدیل ہو جانے کا خطرہ بڑھ گیا ہے۔ حماس تحریک کے سارے ذمے داروں، بہ شمول وزیر اعظم ''اسماعیل ہنیہ'' نے اپنے اعصاب پر قابو رکھنے کی کوشش کی ہے، چناں چہ ''ہنیہ'' نے غزہ کے علاقے میں حماس کے زیرِ کنٹرول فتح کے متوازی کسی ریاست کے قیام کو مُسترَد کر دیا ہے؛ لیکن ساتھ ہی اُنھوں نے، محمود عباس کے ذریعے، اُن کی حکومت کو برطرف کر دیے جانے کو بھی تسلیم ہیں کیا ہے۔ ''ہنیہ'' نے فرانس کے روزنامہ ''لی فگارو'' کو انٹرویو دیتے ہوے کہا ہے کہ غزہ کا کنٹرول حماس کے ہاتھ میں آجانے کے بعد، وہ یہاں الگ ریاست کا قیام کسی صورت بھی پسند نہیں کریں گے۔ اُنھوں نے کہا کہ غزہ کا تعلّق صرف حماس سے نہیں، سارے فلسطینی عوام سے ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ فلسطین کی تقسیم ہمارے ایجنڈے میں ہے نہ کبھی ہوگی۔ حماس کے جلاوطن سیاسی رہنما خالد مشعل نے بھی کہا ہے کہ اُن کی تحریک، فلسطین کے صدر محمود عباس کے ساتھ کام کرتی رہے گی؛ کیوں کہ بہ ہر حال وہ ''جائز'' صدر ہیں؛ لیکن اُنھوں نے ''اسماعیل ہنیہ'' کو محمود عباس کے ذریعے، برخاست کر دیے جانے کے عمل کو غیر قانونی قرار دیا ہے۔

جنگ کا رخ، اب غربِ اردن کی طرف:

دریں اثنا آج ۱۷ رجون ۲۰۰۷ء (یکم جمادی الاخری ۱۴۲۸ھ بروز یک شنبہ) کی خبریں مظہر ہیں کہ حماس اور الفتح کے مابین جنگ کا رخ اب غربِ اردن کی جانب مڑ گیا ہے، جہاں الفتح کے سیکڑوں جنگ جوؤں نے پارلیامنٹ سمیت، حماس کے زیرِ کنٹرول اِداروں پر دھاوا بول دیا ہے۔ اطلاعات کے مطابق جنگ جوؤں نے رملہ میں فلسطینی قانون ساز اسمبلی کے ڈپٹی اسپیکر کو اغوا کرنے کی کوشش کی۔ اُنھوں نے ''نابلس'' میں واقع حماس کے زیرِ کنٹرول کونسل پر بھی دھاوا بول دیا۔ فتح کے سیکڑوں مُسلّح کارکن حماس کے

زیرِ کنٹرول پارلیامنٹ اور وزَرا کے دفاتر میں داخل ہو گئے اور وہاں فائرنگ کی، اُنھوں نے عمارت پر فتح کا پرچم بھی لہرایا۔

بہ ہر حال یہ علامتیں خطرناک رخ کا پتہ دے رہی ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ عرب ممالک چوں کہ امریکہ کے زیرِ اثر اور اُس کے استعمار کا حصہ ہیں؛ اِس لیے حماس کی حکومت کے جائز ہونے کے باوجود، اُنھوں نے وہی کہا اور کیا ہے جو امریکہ، اسرائیل اور مغرب والے چاہتے ہیں، چناں چہ عرب وزرائے خارجہ کی کل[1] کی میٹنگ میں محمود عباس اور اُن کی فتح تحریک کی حمایت کا اِعلان کر دیا گیا ہے۔ امریکہ نے اِس تحریک کے لیے مزید مالی اور عسکری امداد کا بھی اِعلان کیا ہے۔ ظاہر ہے امریکہ اُسی وقت کسی ''مسلم'' تحریک و تنظیم کی حمایت اور پشت پناہی کا اِعلان کرتا ہے، جب اُس کے اسلام اور مسلمانوں کے حوالے سے ''مارِ آستین'' ہونے کا یقین کر لیتا ہے۔ فتح تحریک کا شروع سے یہی حال رہا ہے کہ اُس کی اپنی سیکولر شبیہ رہی ہے اور وہ بے دینی اور اسلام کے حوالے سے بے رخی اور عربی غیرت وحَمیَّت کے تعلق سے بے نیازی کی اپنی شناخت میں مشہور رہی ہے۔

صورتِ حال خطرناک اور دھماکہ خیز ہے۔ اللہ ہماری حفاظت اور ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ (انفال/۳۰)

ترجمہ: اور وہ بھی داؤ کرتے تھے اور اللہ بھی داؤ کرتا تھا اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے۔



(۱) یعنی شنبہ: ۱۶/ جون ۲۰۰۷ء = ۲۹/ جمادی الاولی ۱۴۲۸ھ۔

فلسطین میں اسلامی محاذ کے اصل سپاہیوں اور اسرائیل وامریکہ کے کارندوں کے کرداروں کا نمایاں فرق (*)

غزہ پٹی پر، ۱۴/ جون ۲۰۰۷ء (بہ روز جمعرات: ۲۷/ جمادی الاخری ۱۴۲۸ھ) کو حماس کے کنٹرول کے بعد، جس کے نتیجے میں "فتح" کے سربراہِ اعلیٰ اور فلسطینی مُقتدِرہ کے نام نہاد صدر، الحاد کی حد تک سیکولر اور "اعتدال پسند" محمود عباس ابومازن کے نام سے شہرت رکھنے والے آدمی نے فلسطین کی قانونی متحدہ قومی حکومت کے وزیر اعظم مسٹر "اسماعیل ہنیہ" کو غیر قانونی طور پر معزول کر کے "سلام فیاض" نام کے شخص کے ذریعے، اپنی مرضی کی غیر قانونی عبوری حکومت بنوادی ہے، یہ بات نہ صرف باشعور مسلمانوں اور اُمّت کے دانش مندوں؛ بل کہ ہمارے فریب خوردہ اور سادہ لوحوں کے لیے بھی بالکلیہ عیاں ہوگئی ہے کہ "فتح" تحریک، جس کے سربراہ اِس وقت محمود عباس صاحب ہیں اور اُن سے قبل اُن ہی کی طرح کے سیکولر "اعتدال پسند" اور مغرب وامریکہ واسرائیل کے منظورِ نظر مسٹر یاسر عرفات، اُس کے اساس گزار اور سرپرست رہے تھے، کے اندر ایک طاقت ور دھڑا — اگر ہم پوری تحریک سے سوءِ ظن نہ رکھیں — صہیونیت وامریکہ نواز اور دونوں کا وفادار غلام اور پرجوش کارندہ ہے۔ یاد رہے کہ حماس تحریک کو فلسطینی عوام کی غالب

(*) ترجمہ اداریہ (کلمة العدد) الداعی، شمارہ ۷، جلد ۳۱، رجب ۱۴۲۸ھ = جولائی - اگست ۲۰۰۷ء بہ عنوان: "بَيْنَ التَّيَّارَيْنِ: المُتَصَهْيِنِ والمُرَابِطِ عَلَى الثَّغْرِ حقًّا في أرضِ فِلَسْطِيْنَ": پنج شنبہ ۱۱ بجے صبح: ۱۹/۶/۱۴۲۸ھ = ۵/۷/۲۰۰۷ء، بہ قلم تحریر نگار۔ تاریخ تحریر عربی: یک شنبہ ۹ بجے صبح: ۱۵/۶/۱۴۲۸ھ = ۱/۷/۲۰۰۷ء۔

اکثریت نے ہی جنوری ۲۰۰۶ء کے انتخابات میں ووٹ دے کر فلسطین کی زمامِ اقتدار، اس کے ہاتھ میں دے دی تھی اور یہ واضح کر دیا تھا کہ "فتح" کی اسرائیل کے ساتھ معاہدہ بازی، خود سپردگی اور خود شکستگی کے بالمقابل، حماس کی اسرائیل کے ساتھ مُزاحمت اور نتیجہ خیز آویزش ہی اُس کو پسند ہے کہ آزادیِ فلسطین کا خواب، صرف اِسی راہ سے ہی شرمندۂ تعبیر ہوسکتا ہے۔

حماس کے لیے، مصیبت بالائے مصیبت:

لائقِ ذکر ہے کہ محمود عباس نے "اسماعیل ہنیہ" کی قانونی حکومت کی برطرفی اور اپنی مرضی کی عبوری حکومت کے قیام کا جیسے ہی اِعلان کیا کہ نہ صرف اسرائیل وامریکہ؛ بل کہ کھلے طور پر اعتدال پسند وسیکولر مزاج عربی ممالک اور چھپے طور پر اکثر عربی ممالک، جو گونگے شیطان کی طرح، اکثر نازک ترین اسلامی مسائل میں چپ سادھے رہتے ہیں، یہ اِعلان کرنے کے لیے بے تاب ہوگئے کہ وہ محمود عباس کے ساتھ ہیں اور "حماس" پر دباؤ بڑھانے اور اُس کو بے دست وپا کرنے کے لیے، اُن کی ہر طرح کی مادی واخلاقی مدد کو تیار ہیں۔ اسرائیل نے چھوٹتے ہی یہ اعلان کردیا کہ وہ فلسطینی عوام کے ٹیکس کی رقم، جس کو اُس نے حماس کی ڈیڑھ سالہ حکم رانی کے دوران، غیر قانونی طور پر دبائے رکھا تھا، جستہ جستہ محمود عباس کے سپرد کیے دے گا؛ تاکہ "حماس" کے مقابلے میں، اُن کی ساکھ نہ صرف بہتر ہو؛ بل کہ فلسطینی عوام "کھلے پن" کی اِس پالیسی سے مُتأثّر ہوکر اسرائیل ا محمود دونوں کے شکر گذار ہوں۔ دوسری طرف امریکہ نے زرِ نقد کے علاوہ، اسلحہ اور سا حرب سے محمود عباس کی مدد کا کھل کر اِعلان کیا ہے؛ تاکہ اُن کے لیے "دہشت گرد" فلسطین جماعتوں — یعنی مزاحمتی گروہوں — پر لگام کسنا آسان ہو۔

پڑوسی عربی ممالک نے تو حد ہی کردی:

پڑوسی عربی ممالک، جنھیں حق وعدالت، اسلامی اُخُوّت اور عربی رشتے کا سب سے

زیادہ پاس دار ہونا چاہیے تھا، نے تو حد ہی کردی کہ بہ جائے اِن اقدار کی پاس داری کے، امریکہ اور صہیونیت کی وفاداری کا دم بھرنا زیادہ ضروری گردانا، چناں چہ مصر و اردن نے اپنے ہم راز و دم ساز صہیونی وزیر اعظم ''یہود اولمرٹ'' کے ساتھ محمود عباس صاحب کی بہ عجلت ملاقات طے کی اور مصر کے سیاحتی شہر ''شرم الشیخ'' میں سموار ۲۵ر جون ۲۰۰۷ء (۹ر جمادی الاُخری ۱۴۲۸ھ) کو حسنی مبارک (صدر مصر) شاہ عبداللہ ثانی (شاہِ اردن) محمود عباس (نام نہاد صدرِ فلسطینی مُقتدِرَہ) اور یہود اولمرٹ (وزیر اعظم اسرائیل) نے متحدہ اور ٹھوس حکمتِ عملی وضع کرنے کے لیے، تازہ صورتِ حال پر غور وخوض کیا اور مذکورہ تینوں عربی سربراہوں نے، جہاں ڈھیلے ڈھالے انداز میں، فلسطینی اتحاد کی بات کی اور حماس کے ساتھ مذاکرات و صلح وصفائی کے جاری رہنے کی ضرورت پر شرماتے ہوئے زور دیا، وہیں وزیرِ اعظم اسرائیل نے اُن سے پر زور الفاظ میں یہ بات کہلوائی کہ حماس کو غزہ میں اپنی من مانی کرنے نہیں دیا جائے گا۔ اسرائیل نے جہاں ٹیکس کی رقم کی آہستہ آہستہ ادائیگی کا وعدہ کیا، وہیں حماس کے خلاف فوجی کارروائی کرنے کا اِشارہ بھی دے ڈالا، چناں چہ اسرائیل، اُس کے بعد سے ہی مسلسل وہاں فوجی کارروائیاں کرر ہا ہے اور روزانہ معصوم فلسطینیوں کے جنازوں کے اٹھنے کا منظر، سنگ دل انسانوں کو بھی رلائے دے رہا ہے، حتی کہ محمود عباس جیسے پتھر دل اور بے سوز آدمی سے بھی یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ مسٹر اولمرٹ شرم الشیخ میں ہمارے ساتھ کیے گئے وعدہ کی کھلی خلاف ورزی کرر ہے ہیں، گویا اسرائیل بھی وعدہ اِس لیے کرتا ہو کہ اُس کو اُس کی پابندی کرنی ہے!۔ شرم الشیخ کی چہار فریقی کانفرنس میں محمود عباس نے وعدہ کیا کہ وہ امن مذاکرات اور معاہدوں کے اکتا دینے والے سلسلوں کو دوبارہ اور بہ عجلت شروع کردیں گے، جن کے اُس وقت تک ختم ہونے کی امید نہیں جب تک خود فلسطینیوں کو ختم نہیں کردیا جاتا، یا اُن کے مسئلے پر غور وخوض کا باب ہمیشہ کے لیے بند نہیں کردیا جاتا!۔

امریکی مغربی استعمار کے حلقے میں گردش کرنے والے عربی ممالک (جو اسلام

ومسلمانوں کے تئیں نازک ترین گھڑی میں بھی حرفِ احتجاج وانکار اپنی زبانوں پر نہیں لا پاتے، خواہ مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ پڑے، یا جوے خوں سر سے گزر جائے، یا کوئی ہمہ گیر آتشِ فروزاں سارے ''عربی گھر'' کی ایک ایک چیز کو خاکستر کر دے؛ کیوں کہ اِن ملکوں کے حکم رانوں کی کرسیاں، امریکی مغربی ''پہرے داری'' کے طفیل مکمل طور پر محفوظ رہتی ہیں اور ہمہ گیر آگ کی کوئی لَو اُن کی کرسیوں تک نہیں پہنچ پاتی!) اپنی زبانوں سے خواہ کچھ نہ کہیں؛ لیکن یہ سارے کے سارے محمود عباس اور اُن کی ''فتح'' کے ساتھ ہیں، اِن کے بس کی بات نہیں کہ یہ حماس کے حق کا ساتھ دیں اور ''فتح'' کے باطل کی مخالفت کی بات زبان پر لاسکیں؛ کیوں کہ خود سپردگی اور شکست خوردگی کے جس دور سے وہ گزر رہے ہیں اُس میں اپنی کرسیوں کی قیمت پر کوئی بات کہنی اور کرنی اُن کے نزدیک، موت سے بھی بھیانک تر ہے؛ کیوں کہ قومی عزت اور مذہبی غیرت کے بالمقابل، کرسیاں اُنھیں زیادہ عزیز ہیں!۔

امید کی جا، عوامی موقف:

امید کی جا، اُمّتِ مسلمہ کی غالب اکثریت یعنی عوامی موقف ہے، جو یکساں ہے، ٹھوس ہے، کسی دراڑ کو قبول کرنے والا نہیں اور وہ یہ ہے کہ فلسطین کی آزادی، روندی گئی عزت کے تعلّق سے بھرپور انتقام اور غصب کردہ مُقدّس خاک کی واپسی کی واحد راہ مُزاحمت، دشمن سے مورچہ آرائی اور اسلامی جہاد ہے۔

اگر سارے عربی ممالک کسی غیر جانب دار اور صحیح معنی میں انصاف پسند عالمی ثالث کی نگرانی میں رائے شماری کروائیں، تو اُنھیں بہ خوبی معلوم ہو جائے گا کہ اُمّتِ مسلمہ کا جمِ غفیر، فلسطینی مُزاحمت کاروں اور حماس جیسی تنظیموں ہی کے ساتھ ہے۔ اسرائیل وامریکہ و مغرب نواز سیکولر ذہن نا آشنائے سوز وساز بل کہ دین بیزار ''فتح'' والوں کے ساتھ نہیں؛ کیوں کہ اُن کے اندازِ کار، رفتار و گفتار اور کردار سے فلسطینی مسلمانوں کو کوئی فائدہ ہوا نہ آیندہ ہونے کی کوئی امید ہے۔ ساتھ ہی اِن ممالک کو مذکورہ رائے شماری سے یہ بھی معلوم

ہوجائے گا کہ مسلم اُمَّۃ کے نزدیک، اُن کے قائدین وحکم راں کتنے ناپسندیدہ ہیں؟ اور ناپسندیدگی کی واحد وجہ اُن کی امریکہ ومغرب کی غلامی اور اُن کے اوامر ونواہی کی بے طرح پابندی ہے جیسی اکثر دفعہ بندہ، اپنے خدا کے اوامر ونواہی کی بھی نہیں کر پاتا۔

فتح تحریک کی، اسرائیل وامریکہ نوازی:

فتح تحریک کی اسرائیل وامریکہ نوازی اور دونوں کی کارندگی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ امریکہ اور اسرائیل خود ہی اپنی زبان اور اپنے کردار اور عمل سے فتح کی وفاداری کا گن گاتے رہے ہیں اور یہ بتاتے رہے ہیں کہ محمود عباس اور فتح کی عسکری صلاحیتوں کا استحکام اُن کے دور رس منصوبے کا حصہ ہے، جس میں سرفہرست، ہرمُزَ احمٹ کار فلسطینی تحریک اور بالخصوص حماس کو ٹھکانے لگانا ہے۔ شمعون پیرز نے صہیونی ریڈیو پر ماہ اکتوبر ۲۰۰۵ء میں کہا تھا کہ حماس کے خلاف زبردست محاذ کھولنا ضروری ہے، ہمیں بلا تُرْدُدْ ''ابومازن'' کی عسکری صلاحیت کو استحکام دینا ہے، اسرائیل اور محمود عباس کے درمیان فلسطینی دہشت گردانہ جنون کو کچلنے کے لیے متحدہ محاذ کی تشکیل ہمارے لیے ناگزیر ہے۔ اسرائیل کے سابق وزیر جنگ نے ۱۸/۷/۲۰۰۵ء کو فلسطینی مُقتَدِرَہ کی طرف سے حماس کو کچلنے کی کارروائی کو سراہتے ہوئے کہا تھا: ''حماس کے خلاف فلسطینی اتھارٹی کی سرگرمیوں کے اولیں اثرات نظر آنے لگے ہیں''۔ مقبوضہ شہر قدس کی عبرانی یونیورسٹی کے پروفیسر ''عمانویل سیفان'' نے صاف لفظوں میں کہا تھا: ''حماس کا کام تمام کرنا ضروری ہے اور اِس کے لیے ہمیں ''فتح کو گھاس ڈالنی ہوگی اور حماس سے لڑنے کے لیے اُس کی دفاعی صلاحیّت کو مستحکم کرنا ہوگا۔ ہم حماس پر بہ راہ راست اثر انداز نہیں ہوسکتے، ہمیں اُس کے خلاف، فتح کے ذریعے ہی حالتِ جنگ میں رہنا ہوگا۔''

فتح کے بہت سے عناصر، خدا بے زار اور ملحد:

فتح تحریک کے بہت سے عناصر نہ صرف سیکولر؛ بل کہ مُلحِد اور خدا بیزار اور خدا اور

اُس کے رسول (ﷺ) کو گالیاں دیتے رہے ہیں۔ ہر داڑھی والے، نماز کا نشان والے اور صالحین کے لباس میں نظر آنے والے نوجوان کو حماس کا آدمی سمجھ کر لعن طعن کرنا، اُن کا شیوہ رہا ہے۔ مُتعَدِّد نوجوانوں نے جو فتح کی پولیس کے ذریعے گرفتار ہو کر سزا یافتہ ہوئے اور جیل میں رہے پھر وہاں سے آزاد ہوئے، میڈیا کو بتایا کہ پولس والوں نے خالد مشعل، زَبّارْ، ہنیہ اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے کا حکم دیا۔ اُنھوں نے یہ بھی بتایا کہ فتح کی سیکورٹی کے ذمے دار اعلیٰ محمد دحلان اور محمود عباس دونوں انتہائی بے دین اور خدا بیزار؛ بل کہ خدا سے برسر پیکار نظر آئے۔ ''فتح'' والے جب دینی اعتبار سے اتنے گئے گزرے ہیں، تو فلسطینی عوام (جو عرب اور مسلمان ہیں) کے تعلق سے اور اُن کے مسائل کے حوالے سے، اُن سے کسی خیر کی کیا اُمّید کی جاسکتی ہے؟ فلسطینی حکومت کے قیام یا فلسطینی مسئلے کے اسلامی حل کا خواب اُن کے ذریعے، کیوں کر شرمندۂ تعبیر ہوسکتا ہے؟ اگر اِن فاسق و فاجر اور بے دینوں کے ہاتھوں کوئی نتیجہ برآمد ہوا، تو اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کیا ہوگا؟(۱)

فتح والے ''حماس'' کے تعلق سے اور شہداے اقصیٰ بریگیڈ پر قابو پانے کے لیے، اسرائیل اور امریکہ کو اہم معلومات بہم پہنچاتے رہے ہیں اور محمود عباس کی ملیشیا، دین پسندوں کو پھانسی پر لٹکانے یا دھار دار آلوں سے قتل کر دینے کا کام کرتی رہی ہے۔ حال ہی میں حماس کو اہم دستاویزات ہاتھ لگی ہیں، جن سے محمود عباس کی سیکورٹی اور صہیونیوں کی سیکورٹی کے مابین زبردست تال میل کے طریقۂ کار کا انکشاف ہوا ہے ''قسّام'' تحریک کے ترجمان ابو عبیدہ نے میڈیا کو بتایا کہ ابھی چند روز پہلے(۲) سات فلسطینی نوجوانوں کی لاشیں ملی ہیں جنھیں ''فتح'' والوں نے سخت سزاؤں سے گزار کر قتل کر دیا تھا۔

---

(۱) فتح والوں کے ذریعے، اللہ و رسول کو گالیاں دینے اور دین داروں کو دیکھ کر چراغ پا ہو جانے کے کچھ نمونوں کے لیے دیکھیے ''المجتمع'' ص: ۱۴-۱۶، شمارہ ۱۷۵۴، بابت ۱۶/ جمادی الاولی ۱۴۲۸ھ = ۲/۶/۲۰۰۷ء۔

(۲) یہ سطریں یک شنبہ: یکم جمادی الاخری ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۷/ جون ۲۰۰۷ء کو لکھی جارہی ہیں۔

اِس صورتِ حال سے اندازہ ہوتا ہے کہ فلسطین میں اسلامی سرحد کے اصل پاس داروں کو صہیونیوں اور صلیبیوں سے پہلے خود اپنی صف کے ''پانچویں کالم'' سے مشقِ ستم کا جو سامنا ہے، وہ ناقابلِ بیان اور ناقابلِ تصور ہے۔ اسلام بیزار اور دین ناپسند یہ جماعت مجاہدین کے لیے امریکیوں اور صہیونیوں سے کم خطرناک نہیں۔ راہِ جہاد اگر ہمیشہ ہی کانٹوں بھری رہی ہے، تو اِس وقت فلسطین میں یہ راہ پہلے سے زیادہ خطرناک ہو چکی ہے، جس پر چلنا ہر ہمہ شُما کے بس کی بات نہیں۔ سچ ہے کہ اِس وقت اِس راہ پر اسلام کے شاہین بچے ہی چل پا رہے ہیں، جنھوں نے اپنے فولادی اِرادے کے ذریعے، ہر ہتھیار سے، خالی دست رہتے ہوئے، وقت کے سب سے سرکش ظالم دشمن کو مات دے رکھا ہے، جس کو اپنی عسکری طاقت کی بے پناہی اور ضرب وحرب کے نت نئے آلات پر فخر کی وجہ سے یہ اندازہ کر پانا مشکل ہو رہا ہے کہ نہتّے مومن نوجوانوں کی ایمانی طاقت، کیسے کیسے معجزے دکھا سکتی ہے۔ ہمت شکن حالات میں، اُصول اور کردار پر جمنے والے نوجوانو! تمھیں ہم دور افتادوں اور ''ساحل کے تماش بینوں'' کا سلام ہے۔ اللہ تمھارا حامی و مددگار ہو۔ ''اور اللہ ہر چیز پر غالب ہے؛ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''۔ (یوسف/۲۱)



قضیۂ فلسطین کے حوالے سے، اصول پسند اور، اس کے مخالف گروہ کی کش مکش اِسی طرح آیندہ بھی جاری رہے گی (*)

یہودیوں اور اِسی طرح صہیونیت زدہ عیسائیوں کا، جو یہودیوں کی حکمتِ عملی پر ہی عمل درآمد کرتے اور اُنھی کی حمایت کرتے ہیں، کا ایک طریقۂ کار یہ رہا ہے کہ وہ اپنے دشمنوں (مسلمانوں) کی صف میں، اپنے کچھ آدمی منتخب کر کے، اپنے دشمنوں کے درمیان گماشتے کے طور پر، مقرر کردیتے ہیں۔ پھر وہ اپنے اُن آدمیوں کی تعریف کے پل باندھ کر، اُن کے مقام ومرتبے کو بلند کرتے ہیں۔ اُن کی قدآور شخصیت کی تشہیر کر کے، مکاری اور حیلے حوالے سے — جس میں یہ دشمنانِ اسلام اُس خدائی لعنت[1] کی وجہ سے ماہر ہیں، جو خدا نے، کسی خاص مصلحت کی وجہ سے، جس کا علم بس اُسی کو ہے، اُن پر مُسَلَّط کردی ہے— کام لے کر، اُنھیں، اُن کے ملکوں میں ہی بڑے بڑے مناصب پر لا بٹھاتے ہیں۔ اِن مَنَاصِب کے ذریعے یہ گماشتے یہ دکھاتے ہیں کہ وہ اپنے عربی اور اِسلامی ممالک کی خدمت کررہے ہیں وہ اپنے لیے ہمیشہ اِس بات کو آڑ بناتے ہیں کہ وہ اپنے ہم وطنوں کی زبان ہی بولتے ہیں۔ بسا اوقات وہ اِنھی کے لباس میں بھی ہوتے ہیں اور اِن کی کھال کا رنگ اور چہرے کا ڈھنگ اِنھی کے ایسا ہوتا ہے، اِن کے نام بھی ہم وطنوں کے ایسے ہی ہوتے ہیں؛ لیکن عربی اور اسلامی ملکوں کے یہ یہودیوں کے گماشتے، اِس کے سوا، ہر چیز

(*) ترجمہ کلمۃ العدد، الداعی، بہ عنوان: "صَنَائِعُ ساءَ صَانِعُهَا؛ فَسَاءَ تْ" شمارہ: ۸، جلد: ۳۱، شعبان ۱۴۲۸ھ = اگست-ستمبر ۲۰۰۷ء، تاریخ تحریر عربی: ۱۱½ بجے دوپہر، چہار شنبہ: ۱۶؍رجب ۱۴۲۸ھ = یکم اگست ۲۰۰۷ء، ترجمہ از عربی: ۱۲؍بجے دوپہر یک شنبہ: ۱۲؍شعبان ۱۴۲۸ھ = ۲۶؍اگست ۲۰۰۷ء

میں اپنے ملک کے باشندوں سے مختلف ہوتے ہیں کہ اِن یہودیوں کے گماشتوں اور عربی اسلامی ممالک کے عام باشندوں کے مابین، اہداف و انجام، افکار و خیالات؛ نیز عقیدہ، اُصول اور ضمیر کے تعلق سے، مشرق و مغرب ہی نہیں؛ بل کہ زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے؛ کیوں کہ یہودیوں کے اِشارے پر کام کرنے والے یہ لوگ، قاتل وسفاک ہوتے ہیں اور اسلامی عربی ملکوں کے عوام مقتول و مظلوم۔ قاتل و مقتول کے درمیان کتنا بڑا فرق ہوتا ہے، اِس کو بتانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ یہ فریب دہی کا انتہائی خطرناک ترین آلۂ کار ہوتا ہے، جس کے ذریعے، یہود؛ نیز اُن کے نقش قدم پر چلنے والے صہیونیت گزیدہ صلیبی اور طرح طرح کے اوہام و بتانِ ہزار شکل کی پوجا کرنے والے افراد، عالمِ عرب و عالم اسلام اور وہاں کے عوام کا شکار کیا کرتے ہیں۔

گماشتوں کا کارنامہ:

عالِم عرب و عالم اسلام پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے یہ عیاں ہو جاتا ہے کہ دشمنوں کے گماشتے اور اُن کے آدمی، دشمنوں کے مفادات کے لیے، اِس طرح کام کرتے ہیں کہ اگر وہ خود اپنے مفادات کے لیے یہ کام کرنے کی کوشش کریں، تو ایسا نہیں کر سکتے۔ یہ صحیح ہے کہ ہمارے مذہبی پیشوا اور مفتیانِ کرام، دشمنوں کے اِن وفادار گماشتوں کی تکفیر سے منع کریں گے؛ کیوں کہ شریعت اِس سلسلے میں ادنی صورتِ حال پر فیصلہ کرنے اور کسی پر کفر کا فتویٰ لگانے سے، ممکن حد تک بچنے کا حکم دیتی ہے؛ لیکن ''دشمنوں کے گماشتوں'' کے طرزِ عمل نے، اُن کے بے دین اور بداعمال و بدکردار ہونے میں، شک وشبے کی کوئی گنجایش ہی کہاں چھوڑی ہے؛ کیوں کہ اِن گماشتوں اور علانیہ کافروں کے درمیان، صرف نام، رنگ اور زبان کا فرق ہی باقی رہ گیا ہے؛ بل کہ یہ لوگ تو اِسلام دشمنی، مسلمانوں کی ایذا رسانی، اپنے زیرِ اقتدار ملکوں کی دشمنوں کے ہاتھوں فروختگی، مسلم ملکوں کے سرمایوں اور خزانوں کی دشمنوں کے ممالک کی طرف منتقلی؛ نیز دشمنوں کو ان مسلم ممالک کی دولت

میں لوٹ کھسوٹ مچانے، وہاں کے باشندوں سے بیگار لینے، اُنھیں اذیت دے کر موت کے گھاٹ اتار دینے، یا کم از کم اُنھیں جلاوطن کرنے اور اُنھیں برہنہ حالت میں بھوکوں تڑپانے پر قدرت دے دینے کے حوالے سے، علانیہ کافروں سے بھی دس قدم آگے ہیں۔

سرزمینِ فلسطین پر جتنے صہیونی صلیبی منصوبے روبہ عمل آرہے ہیں، وہ اِنھی بدکردار ودغاباز اُن صہیونیوں اور صلیبیوں کے گماشتوں کی بہ دولت روبہ عمل آرہے ہیں، جنھوں نے دنیا کی یقینی طور پر زوال پذیر قیمت کے بدلے، اپنے دین وضمیر دونوں کو بیچ ڈالا ہے؛ لیکن اِس کائنات میں ظالم غداروں کے تعلق سے اللہ کی جو سنت رہی ہے، اُس کے مطابق، اِن لوگوں کو دیر یا سویر، رسوائی کا منھ دیکھنا پڑتا ہے۔ پھر اِن کی زندگی کا مزہ مُکدّر ہوکر رہ جاتا ہے اور جس وقت اِن کے سرپرستوں کو محسوس ہوتا ہے کہ اب یہ ازکارِ رفتہ ہوچکے ہیں اور اب یہ لوگ اپنے ملکوں میں، اُن کے منصوبوں کو بہ روے کار لانے کے قابل نہیں رہ گئے ہیں؛ کیوں کہ اُن کے عوام نے اُنھیں، دھتکار دیا ہے، تو اُس وقت یہ بھی اِنھیں مُسترَد کردیتے ہیں!! اِس طرح اِن گماشتوں کی دنیا وآخرت دونوں برباد ہوجاتی ہے اور یہی کھلا ہوا خسارہ ہے۔

گماشتوں کی سرِ راہ رُسوائی:

چناں چہ جن لوگوں نے اِسرائیل کے ساتھ خوش گوار تعلقات قائم کرنے کا نعرہ لگاکر، ۱۹۹۳ء میں، امریکی سرپرست کی زیرِ نگرانی معاہدہ کیا تھا، اَمن کے لیے ایک ناگزیر ترجیح کے طور پر مذاکرات کا سہارا لیا تھا اور جس کے نتیجے میں اُنھوں نے اِسرائیل کے خلاف مُزاحمت کے خاتمہ کو اپنا واحد ہدف قرار دے کر، اپنے ہم وطن: فلسطینیوں کو طرح طرح کی اذیت ناک سزائیں دی تھیں؛ اب اُن کی سرِ راہ رسوائی ہونے لگی ہے؛ چناں چہ ''محمد دحلان'' (جس کے بارے میں موجودہ امریکی صدر جونیر ''جارج بش'' نے ۲۰۰۳ء کی ''شرم الشیخ'' چوٹی کانفرنس میں کہا تھا: یہ جوان مجھے بہت پسند ہے۔ بش نے

اُس کا نام لے کر بلایا اور اُس کو سلام کیا۔ اُس وقت بش نے کہا: ''یہ ہمارا آدمی ہے''!!! اِس سے پہلے سابق امریکی صدر ''بل کلنٹن'' نے بھی، ''زبردست چھان بین'' اور اسرائیل و امریکہ کے ساتھ دحلان کی سچی وفاداری پر مبنی اپنی رائے کا اظہار کیا تھا؛ چناں چہ اُس نے ۱۹۹۷ء میں، امریکہ میں اسرائیل اور فلسطینی فریق کے درمیان جاری مذاکرات کے موقع سے، دحلان کے قریب جا کر، اُس کے کان میں کہا تھا: مجھے تمھارے اندر، فلسطینیوں کے مستقبل کے ایک رہ نما کی تصویر نظر آرہی ہے'') آج سرِ عام اِس طرح رسوا ہوا ہے کہ یہ واقعہ اندھے اور بہرے قائدین وسیاست دانوں کے لیے بھی سبق آموز ہے۔

یہ شخص، اوسلو والے معاہدے کے بعد، غزہ کی حفاظتی سیکورٹی کا افسر بنا، پھر مرحوم فلسطینی صدر یاسر عرفات نے اِس کو قومی سلامتی کا مشیر اور وزیرِ داخلہ تک بنا دیا۔ چند سالوں میں ہی، یہ ''غزہ'' کا ایک بڑا دولت مند بن گیا؛ کیوں کہ یہ غزہ کے کنارے ایک شان دار پانچ ستارہ ہوٹل ''فندق الواحۃ'' کا مالک بن گیا، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ مشرقِ وسطی کا ایک بڑا ہوٹل ہے۔ ذرائع ابلاغ نے یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ صرف اِسرائیل کے بینکوں میں رکھے ہوئے، اِس کے سرمایوں کی مقدار ۳۵ ملین ڈالر ہے؛ کیوں کہ خود امریکہ اِس کو بے پایاں مال وزر اور ساز وسامان سے نوازتا رہا ہے اور اِس طرح اِس کی پرورش کرتا رہا ہے، جس طرح کوئی اپنے گھوڑے کے بچے کی، پرورش کرتا ہے۔ نیز ''محمد دحلان'' اُس عام مالی امداد میں سے بھی بہت کچھ پس انداز کرتا رہا ہے، جو امریکہ اِس کی زیرِ قیادت چلنے والے داخلی سیکورٹی کے اِداروں اور صدر کے حفاظتی دستوں پر فراخ دستی سے خرچ کرتا رہا ہے، چناں چہ مشہور اسرائیلی رائٹر ''نداف ہعتسنی'' نے، جو عبرانی اسرائیلی زبان کے اخبار ''معاریف'' کا ایک مضمون نگار بھی ہے، اِسی اخبار میں مؤرخہ ۲۲/ جون ۲۰۰۷ء = ۶/ جمادی الاخری ۱۴۲۸ھ جمعہ کو شائع اپنے ایک مضمون میں، صاف لفظوں میں لکھا تھا: پچھلے چند سالوں میں، امریکہ نے ''محمد دحلان'' کو سو ملین ڈالر دیے ہیں۔ اِس کا مرکزی دفتر ''غزہ'' میں تعمیر کرایا گیا ہے۔ اِس کے آدمیوں کو

’’اریحا‘‘ میں ٹریننگ دی گئی ہے اور اِس کو جدید ترین سہولیات والی کاروں کا ایک قافلہ بھی مہیا کرایا گیا ہے۔ مذکورہ یہودی رائٹر نے یہ انکشاف بھی کیا کہ واشنگٹن نے دسیوں ہزار بندوق، مشین گن اور زرہ پوش گاڑیاں اُس ’’فولادی فوج‘‘ کو بھجوائی تھیں، جس کی تشکیل ’’دحلان‘‘ نے حال ہی میں کی تھی۔ یہ فوج ’’فتح‘‘ تحریک کے اُن چیدہ افراد پر مشتمل ہے، جن پر ’’دحلان‘‘ نے کافی غور وخوض اور چھان بین کے بعد اعتماد کیا تھا؛ کیوں کہ امریکی ذرائع نے ’’دحلان‘‘ پر اِس بات کے لیے زور ڈالا تھا کہ مذکورہ فوج کے ارکان کی پہلے ہی زبردست چھان بین کر لی جائے؛ تاکہ یقین کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ اُن کا مُزاحمت والے گروپوں سے کوئی تعلق نہیں۔ فلسطینی ذرائع نے بتایا ہے کہ ’’دحلان‘‘ کی امن فوج اور صدارتی باڈی گارڈس میں سے بہت سے لوگوں کو، صرف اِس وجہ سے ہٹا دیا گیا کہ اُن کا، یا اُن کے اہلِ خانہ میں سے کسی کا مزاحمتی گروپوں کے ساتھ تعلق رہا تھا۔

اپنے ہم وطنوں کا نمبر ایک غدّار:

یہ آدمی کون سا رول ادا کرتا رہا تھا کہ امریکی انتظامیہ اور آخرش اسرائیل کا محبوب؛ بل کہ ’’چہیتا‘‘ بن گیا تھا؟ فلسطینیوں کی اکثریت، حتیٰ کہ ’’فتح‘‘ سے تعلق رکھنے والوں کا بھی یہی خیال ہے کہ یہ آدمی، اپنے ہم وطنوں کے حق میں ایک نمبر کا غدار رہا ہے اور اِس طرح اسرائیلی امریکی رول ادا کرتا رہا ہے، جس کا کسی بھی مسلمان سے، گرچہ اُس کا ایمان کتنا ہی کم زور کیوں نہ ہو، تصوُّر نہیں کیا جا سکتا؛ چناں چہ اِسی نے اپنی امن افواج کے ذریعے، مُزاحمت پسندوں کی ایک بڑی تعداد کو قتل کرا دیا، یا کم از کم اُنھیں فلسطینی مُقتَدِرَہ کے قید خانوں میں ڈال دیا، جہاں اُنھیں اِتنی اذیت دی گئی کہ بسا اوقات اسرائیل کی جیلوں میں دی جانے والی اَذیتیں بھی اُس کے سامنے ہیچ معلوم ہونے لگیں۔ نیز اِس شخص نے بہت سے مُزاحمت پسندوں کے اسما کی فہرست اسرائیل کو سونپ دی؛ جس نے اُنھیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بہ شمول اسرائیلی، فلسطینی اور مصری ذرائع، تمام ذرائع نے زور دے کر کہا

ہے کہ فتح اور حماس کے درمیان جو مسلح جھڑپ ہوئی اور جو ۷؍جون ۲۰۰۷ء سے لے کر ۱۴؍جون ۲۰۰۷ء (۲۰؍جمادی الاولی ۱۴۲۸ھ جمعرات تا ۲۷؍جمادی الاولی ۱۴۲۸ھ ایک ہفتے) تک مسلسل چلتی رہی، جس کے نتیجے میں حماس کا ''غزہ'' پر کنٹرول ہوگیا؛ اُس کی آگ بھی ''محمد دحلان'' کی امن افواج کے ذریعے ہی دہکائی گئی تھی، اگر چہ اِس کے حصے میں ناکامی اور شکست ہی آئی؛ اِسی لیے صہیونی ٹیلی وژن کے چینل-2 کے ایک اسرائیلی عسکری تجزیہ نگار ''یہود یعاری'' نے کہا کہ ''محمد دحلان'' نے امریکہ کے ڈالروں اور اسرائیل کے تعاون وحمایت سے جو فوج بنائی تھی، وہ مُزاحمت کنندوں کے سامنے بالکلیہ کاغذ کے محل کی طرح ڈھیر ہوگئی۔ مصری وفد برائے امن کے سربراہ کے قریبی امن ذرائع نے اتوار ۱۷؍جون ۲۰۰۷ء (یکم جمادی الاخری ۱۴۲۸ھ) کو بتایا کہ درحقیقت غزہ میں ہونے والے تصادم کا سبب، ''دحلان'' کے آدمیوں کا یہی گروپ ہے، جس کا سارے امن اداروں پر خاصا کنٹرول ہے؛ اِس لیے بہ ظاہر یہ لگتا ہے کہ یہ لڑائی فتح اور حماس کے درمیان ہوئی ہے۔

عربی اور غیر عربی ذرائع ابلاغ نے کہا ہے کہ جوں ہی حماس کے زیرِ انتظام، کتائب عزالدین القسام نے ''غزہ'' پر کنٹرول کر کے وہاں کے مورچے سنبھال لیے اور اُن فلسطینی سیکورٹی کے اداروں کے صدر دفاتر اور مورچوں کو بھی اپنے زیردست کرلیا، جن پر ''دحلان'' کے گروپ کو بالادستی حاصل تھی؛ دیکھنے والوں نے قابلِ توجہ تضادات دیکھے، یعنی یہ کہ اسرائیل کے سراغ رساں طیارے، کئی سالوں میں پہلی بار ایک ایک کر کے ''غزہ'' کے آسمان سے اچانک غائب ہوگئے۔ دیکھنے والوں کو معلوم ہوگیا کہ یہ طیارے فتح تحریک کے اُن سیکورٹی ہیڈکوارٹرس کے اِحاطے کے اندر سے ہی پرواز کرتے تھے، جو ''حماس'' کے ہاتھوں میں آگئے ہیں۔ یعنی اسرائیل کے جاسوس طیارے، اسرائیل کے ہوائی اڈوں سے پرواز نہیں کرتے تھے۔ لائقِ ذکر ہے کہ اِنھی طیاروں نے، شیخ احمد یاسین، ڈاکٹر عبدالعزیز رنتیسی اور حماس کے بیش تر قائدین کو قتل کیا تھا۔ باخبر ذرائع نے بتایا ہے کہ شیخ

احمد یاسینؒ اور عبدالعزیز رنتیسی میں سے ہر ایک کے قتل کے پیچھے ''دحلان'' ہی کے آدمیوں کا ہاتھ تھا۔ اخبار ''مصریون'' نے کہا ہے: اُس کو یہ معلوم ہوا ہے کہ ''حماس'' کے ایک قائد نے مصری حکومت کے ایک ذمے دار کے ساتھ ٹیلی فون پر رابطہ کیا اور بارہ صفحات پر مشتمل ایک خفیہ دستاویز بھی فیکس کی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسرائیل کے لیے اُن جاسوسانہ کارروائیوں میں — جن کی وجہ سے ۲۰۰۴ء میں ڈاکٹر ''عبدالعزیز رنتیسی'' اور اِس سے پہلے ۲۰۰۳ء میں حماس کے سیکورٹی ادارے کے رہنما ڈاکٹر ''ابراہیم مقادمہ'' کے قتل کی راہ ہموار ہوئی تھی۔ فلسطینی صدر ''محمود عباس'' اور ''دحلان'' کے فلسطینی سیکورٹی کے قائدین اور سیکورٹی والے اداروں کے عناصر ہی ملوث تھے۔

اِس دستاویز نے — جو اُن اطلاعاتی ذخیروں میں سے ایک شمار کی جاتی ہے، جو ''فتح'' کے سیکورٹی اداروں پر حماس کے کنٹرول کے بعد اُس کے ہاتھ لگے ہیں۔ یہ ادارے، ''محمد دحلان'' کی قیادت میں کام کرتے تھے — اِس راز سے بھی پردہ اٹھایا ہے کہ کئی ایک سیکورٹی میٹنگیں فلسطینی اور امریکی اداروں کے درمیان ہوئی تھیں، جن میں ''حماس'' کے اعلیٰ قائدین: ''رنتیسی''، ''مقادمہ'' اور ''احمد جعبری'' کے خلاف جاسوسی کی صلاحیتوں کو بہتر سے بہتر بنانے پر غور وخوض ہوا تھا۔

ایک خطرناک دستاویز

فلسطینی ذرائع ابلاغ نے بڑی اہمیت کے ساتھ ایک خطرناک دستاویز — جس کو ''نوبلز نیوز'' ویب سائٹ نے بھی نشر کیا تھا اور جس کا انکشاف اسرائیلی اخبارات نے بھی کیا تھا — شائع کی ہے، جس سے سابق فلسطینی صدر ''یاسر عرفات'' کے قتل کی سازش بے نقاب ہوجاتی۔ یہ دستاویز فلسطین کے سلامتی امور کے سابق وزیر ''محمد دحلان'' کے ایک خط سے عبارت ہے، جو ۱۳ر جولائی ۲۰۰۳ء کو صہیونی وزیر دفاع ''شاؤول موفاز'' کو بھیجا گیا تھا۔ اِس خط میں ''محمد دحلان'' نے ''موفاز'' کے سامنے یہ عہد کیا تھا کہ جو اسرائیل

کے ساتھ بقائے باہم پر آمادہ نہیں ہوگا، اُس کو راستے سے ہٹادیا جائے گا۔ اِس خط میں اُس نے ''یاسرعرفات'' کی تیزی سے روبہ زوال صحت کی بھی خبر دی تھی۔ اِس سلسلے میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اُس سے ''عرفات'' کی موت کے معمے کے حوالے سے، دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوکر رہ جاتا ہے۔ چناں چہ اِس خط میں ''محمد دحلان'' نے ''موفاز'' سے کہا: مسٹر ''یاسرعرفات'' اب چند دنوں کے مہمان ہیں؛ لیکن آپ ہمیں اپنے طور پر اُن سے نمٹنے دیجیے! آپ خاطر جمع رکھیے کہ میں نے صدر ''بش'' کے سامنے جتنے وعدے کیے تھے، اُنھیں عمل کا روپ دینے کے لیے، اپنی جان تک قربان کردینے میں مجھے دریغ نہ ہوگا۔''!

''مصریون'' ویب سائٹ نے، اہم ذرائع کے حوالے سے یہ خبر نشر کی تھی کہ ''فتح'' تحریک کی امن سیکورٹی اور فلسطینی سراغ رسانی کے صدر دفاتر میں داخلے کے بعد، ''تحریک حماس'' کو جو دستاویزات ملی ہیں، وہ خطرناک معلومات پر مشتمل ہیں۔ اِن دستاویزات سے یہ آشکارا ہوتا ہے کہ اسرائیلی اور امریکی سراغ رساں اداروں کے ساتھ منظم تعاون میں ''دحلان'' اور ''رشید ابوشباک'' کے گروپ کے لوگ مُلوّث رہے ہیں۔ اِنھی دونوں (دحلان اور رشید ابوشباک) نے مصر کو، غزہ پٹی کے راستے اسرائیل سے اسمگل ہونے والی نشہ آور اشیا سے پاٹ دینے، نیز سینا کے سیاحتی مقامات میں لاکھوں جعلی ڈالروں کو رائج کردینے کی کوشش کی تھی؛ تاکہ مصر کی سیاحت کو نقصان پہنچایا جاسکے۔ نیز محمد دحلان کا گروہ صحرائے سینا کے بدویوں کو اِس بات کے لیے آمادہ کرتا رہا ہے کہ وہ حکومتِ مصر کو، اِسرائیل میں سیاسی طور پر اپنے پناہ لے لینے کی دھمکی دیا کریں۔

اِن دستاویزات سے یہ انکشاف بھی ہوا کہ ''محمد دحلان'' کے لوگ، مصر کی سیاحتی تنصیبات کے خلاف کارروائیاں انجام دینے کے مقصد سے، سینا کے اندر دہشت گرد تنظیموں کے ممبران کی منتقلی میں مُلوّث رہے ہیں؛ تاکہ اسرائیلی سیاحت کو فروغ دینے کے لیے، مصر کی سیاحت کو نقصان پہنچایا جاسکے۔ اِس کے علاوہ بھی بہت سے خطرناک صہیونی مفادات روبہ عمل لائے جاتے رہے ہیں۔

محمد دحلان اور اُس کے لوگوں کی دشنام طرازی:

میں نے ''الداعی'' کے شمارے (۳۱/۷) کے اِسی کالم میں یہ اِشارہ کیا تھا کہ باخبر ذرائع کے توسُّط سے معلوم ہوا ہے کہ ''دحلان'' کے گروپ کے لوگ ماں بہن کی گالیاں بکتے رہے ہیں، اللہ اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ بھی دشنام طرازی کرتے رہے ہیں، دین اور شعائرِ دین کا مذاق اڑاتے رہے ہیں، داڑھی والوں کو فلسطینی معاشرے پر ایک لعنت اور ساری برائیوں کا سرچشمہ تصوُّر کرتے رہے ہیں اور داڑھی والے جوان نمازیوں کو اذیت دیتے رہے ہیں۔ یہ بات کئی ایک اُن جوانوں نے بتائی ہے، جن کو ''دحلان'' کے گروپ نے گرفتار کر کے قید خانے کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا تھا اور اُنھیں اذیت ناک سزائیں دی تھیں۔

ذرائعِ ابلاغ نے بتایا: ''حماس'' کے ایک بڑے رہ نما ڈاکٹر محمود زہّار نے اعلان کیا ہے کہ ''غزہ'' میں ''فتح'' کے سیکورٹی کے — جن کی قیادت ''دحلان'' کرتا تھا — کے دفاتر پر کنٹرول کے بعد ''حماس'' کو ایسی خفیہ دستاویزات ملی ہیں، جو حیرت ناک رازوں سے پردہ اٹھاتی ہیں۔ اُنھوں نے یہ بھی اِعلان کیا ہے کہ سراغ رسانی والے سیکورٹی دفاتر کے اندر، دھماکے کے لیے تیار شدہ پچاس دھماکہ خیز مادوں سے بھری کاریں بھی تھیں، جنھیں کتائب عزالدین قسام کے ارکان نے ناکارہ بنا دیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا، تو غزہ خون کے سمندر میں ڈوب جاتا۔ نیز حفاظتی سیکورٹی کے دفتر میں ایسی سرنگیں اور قبریں بھی ملی ہیں، جن میں انسانی لاشیں (اجتماعی قبریں) ہیں۔ علاوہ ازیں اسلحہ ڈپو اور ایسی دستاویزات بھی ملیں، جن کا تعلق اخلاقی بگاڑ کے ساتھ، مالی بدعنوانیوں سے بھی ہے۔ مثال کے طور پر ایک وزیر کی صاحب زادی پر اخلاقی الزام لگا کر، اُس کی فلم سازی کر کے، اُس کو بلیک میل کرنے کی فائل بھی دست یاب ہوئی ہے اور اِس طرح کی بہت سی نامعقول اَشیا بھی۔

''محمد دحلان'' اور ضمیر فروشی میں شریک اُس کے رفقاے کار نے، امریکہ اور اسرائیل

کی جتنی بڑی خدمت انجام دی ہے اور جس کی وجہ سے اُس کی دنیا اور آخرت دونوں برباد ہوگئی، کیا اِس سے اُس کی دنیا ہمیشہ کے لیے خوش حال اور خوش گوار ہوگئی؟ نہیں، ہزار بار نہیں؛ کیوں کہ یہ آدمی غزہ پر ''حماس'' کے کنٹرول اور ''فتح'' کی ''فولادی'' فوج کی شکست کے بعد، نہ صرف امریکہ اور اسرائیل میں سے ہر ایک؛ بل کہ فتح کے آدمیوں اور اُس کے قائدین کی زبانوں پر بھی، مردود؛ بل کہ ''ملعون'' بن کر رہ گیا ہے، چناں چہ عبرانی زبان کے اخبار ''معاریف'' کا ایک مضمون نگار ''نداف ہعتسی'' لکھتا ہے: ''امریکیوں اور صہیونیوں نے اپنے سب سے بڑے وفادار ''دحلان'' کو اُس وقت اعزاز واکرام سے نوازا تھا، جب وہ ۱۹۹۳ء کے اواخر میں اسرائیلی فوج سے آملا تھا، لیکن آج اُس کا حال یہ ہے کہ وہ ''رام اللہ'' کے ''گراؤنڈ پارک'' ہوٹل میں اِس طرح قیام پذیر ہے کہ اُس کے بال و پر کتر دیے گئے ہیں۔

جہاں تک فلسطینی فریق کی بات ہے، تو ناجائز عبوری حکومت، جو فلسطینی اتھارٹی کے سربراہ ''محمود عباس'' نے تشکیل دی ہے، کے صدر ''سلام فیاض'' نے ''محمد دحلان'' کی منقولہ اور غیر منقولہ ساری جاے دادوں کو ضبط کرنے کا حکم دے دیا ہے، کیوں کہ امریکہ نے ''سلام فیاض'' سے یہی مطالبہ کیا ہے۔ مغربی کنارے کے شہر ''رام اللہ'' کے جان کار فلسطینی ذرائع نے بتایا ہے کہ ''فیاض'' کی حکومت نے ''محمد دحلان'' کی ساری جاے داد کو ضبط کرنے کا حکم نامہ جاری کیا ہے اور یہ کہ خود ''سلام فیاض'' نے، حفاظتی سیکورٹی — جو غزہ پٹی میں اسلامی تحریکِ مزاحمت (حماس) سے مقابلے کے لیے بنائی گئی تھی — کی ناکامی کے بعد، سارے فلسطینی بینکوں کے نام یہ سرکلر جاری کر دیا ہے کہ محمد دحلان کی پاس بکوں کو بھی لازماً ضبط کرلیا جائے۔

ذرائع نے مزید بتایا ہے کہ امریکی، ''دحلان'' اور اُس حفاظتی سیکورٹی سے سخت نالاں ہیں، جس پر اُنھوں نے بے شمار ڈالر پانی کی طرح بہائے تھے اور یہ کہ امریکی ''فیاض'' پر یہ دباؤ ڈال رہے ہیں کہ وہ ساری رقم دوبارہ وصول کرلی جائے، جو حفاظتی

سیکورٹی پر خرچ کی گئی تھی۔

دوسری طرف تحریک ''فتح'' کے چوٹی کے لیڈروں نے، ۱۷ر جون ۲۰۰۷ء (یکم جمادی الاخری ۱۴۲۸ھ) اتوار کی شام کو، غزہ پٹی میں ایک پریس کانفرنس کی تھی، جس میں اُنھوں نے تحریک کے رکن ''محمد دحلان'' کے لیے ایک انقلابی عدالت تشکیل دینے کا مطالبہ کیا تھا۔ ''فتح'' کے قائدین اور گروپوں نے یہ اپیل کی تھی کہ اُن بڑے لیڈروں کے خلاف ایک انقلابی محاکمہ کیا جائے، جن کی وجہ سے غزہ میں ''فتح'' تحریک تباہ ہوئی، جن میں سرفہرست ''محمد دحلان'' ہیں کہ اُنھیں سخت سے سخت سزا دی جائے۔

محمد دحلان جیسے لوگوں کی فتح تحریک میں کثرت:

''محمد دحلان'' تنہا ایسا آدمی نہیں اور نہ ہوسکتا ہے، جس نے عربوں اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے حوالے سے، یہودیوں کا رول ادا کیا ہو؛ بل کہ اِس قسم کے غدّاروں اور بدکرداروں کی ایک بڑی تعداد ہے۔ مثلاً: ''جبریل الرجوب'' جو عین اُنھی دنوں، مغربی کنارے میں حفاظتی سیکورٹی کا صدرنشیں تھا، جن دنوں ''محمد دحلان'' غزہ میں حفاظتی سیکورٹی کا صدر تھا۔ اِسی طرح کرنل ''رشید ابوشباک'' کرنل ''سمیر مشہراوی'' کرنل ''ماجد ابوشمالہ'' اور ''عبدالحکیم عوض'' وغیرہ نہ جانے کتنے یہودیوں اور امریکیوں کے گماشتے ہیں، جن کے بارے میں اللہ کی مشیت یہ ہے کہ اُن کی فطرت کو مسخ کر کے، اُن کے دلوں میں بدعملی اور نافرمانی کی محبت اور مذہب، عقیدہ اور ایمان سے نفرت بٹھا دی جائے، حال آں کہ یہ لوگ عربی ہی بولتے اور فلسطینیوں اور عربوں جیسا لباس زیب تن کرتے رہے ہیں۔

یہ معاملہ صرف ''محمد دحلان'' اور اُس کے گروپ کے عربیت سے مُتنفِّر لوگوں اور فلسطینیوں کے خون، اُن کی عزت اور اُن کی جانوں کا سودا کرنے والوں تک ہی محدود نہیں؛ کیوں کہ فلسطینی اتھارٹی کے موجودہ صدر ''ابو مازن محمود عباس'' عربیت و اسلام سے نفرت کرنے والوں کے حوالے سے، ''دحلان'' اور مقاصد و ضمیر فروشی اور آخرش انجام بد

کے تعلق سے، اُس کے ہم نواؤں سے کسی طرح پیچھے نہیں۔ چناں چہ محمود عباس اور اُس کے ساختہ و پرداختہ بھی لوگ یہودیوں کے گماشتے اور اُس امریکہ کے لوگ ہیں، جس نے محمود عباس پر اتنی توجہ دی ہے، جتنی خود اُس نے کبھی بھی قضیہ فلسطین پر دی نہ دے سکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ اور اسرائیل دونوں، مسلسل اِس کی حمایت، اِس کو مادی اور معنوی ہر قسم کا تعاون دینے، اِس کی پوزیشن کو مستحکم کرنے اور اِس کے حفاظتی دستوں کو طاقت ور بنانے کا اعلان کررہے ہیں؛ تاکہ اِس کو اسرائیل کے خلاف ہر اسلامی مزاحمت، خصوصاً اِسلامی تحریکِ مزاحمت ''حماس'' کا مقابلہ کرنے کی بھرپور قدرت حاصل ہوجائے؛ کیوں کہ اِسرائیل سے بڑھ کر امریکہ، اسرائیل کے خلاف مزاحمت کی ہر کارروائی کو دہشت گردی سمجھتا ہے؛ اِسی لیے امریکہ پوری دنیا، خصوصاً عربی اور اِسلامی ممالک میں، یہ تصور کرتے ہوے اِسلام اور مسلمانوں سے لوہا لینے کے لیے نکل پڑا ہے کہ کتاب وسنت کے اصلی سرچشموں سے برآمد ہونے والا اصلی اسلام ہی ''دہشت گردی کی'' کان'' اور ہر اُس شر کی جڑ ہے، جس سے پوری دنیا دوچار ہے اور جس کی مصیبت کا مزہ، ساری دنیا کے ممالک اور فوجیں چکھنے پر مجبور ہیں!!۔

محمود عباس کا ''کارنامہ'':

محمود عباس نے — جو ایسے کئی ذرائع کے مطابق اپنے مذہب اور عقیدے کے حوالے سے بدنام ہے، جنھوں نے دستاویزات اور حقائق کی روشنی میں زور دے کر کہا ہے کہ یہ شخص بہائی عقیدے کا حامل ہے — جیسے ہی ''سلام فیاض'' کی (جو بالکل ''دحلان'' ہی کی طرح امریکہ اور اسرائیل کا آدمی ہے؛ کیوں کہ امریکی صدر جونیر جارج بش نے اِس کو ''ایک بہتر ساتھی'' قرار دیا تھا اور جس کے بارے میں امریکہ کے سابق سفیر ''دانی ایعالون'' نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ ''یہ ایک ایسا فلسطینی شخص ہے، جو یورپ والوں میں بھی اپنی اچھی خاصی حیثیت رکھتا ہے اور مغرب والے اِس کو ایسے شخص کا درجہ دیتے ہیں، جو اُنھی

کی زبان بولتا ہے۔'' اُس نے مزید کہا تھا: ''امریکیوں کی طرف سے اِس شخص کو جو بے انتہا اعتماد حاصل ہے، اِسی سے اُس کو اتنی طاقت ملی ہے۔'') سربراہی میں ''عبوری حکومت'' کے قیام کا اعلان کیا کہ اِس پر امریکہ اور اسرائیل میں سے ہر ایک نے ڈالروں کی بارش کردی، جن کے لیے ''حماس'' اپنی حکومت کے دوران ترستی رہی تھی؛ لیکن اُس کو کبھی ایک ڈالر بھی اِس لیے نہیں ملا کہ وہ اِسلام پسند ہے، وہ اسرائیل کے خلاف مُسَلَّح مُزاحَمت پر ایمان رکھتی ہے، اُس نے حق و باطل کو گڈمڈ کرنے کا فن کبھی نہیں جانا اور اِس لیے کہ وہ، امریکہ اور اسرائیل کے ذریعے، اُس کے اِرادوں کو توڑنے، اُس کے حوصلوں کو پست کرنے اور فلسطینیوں میں اور دنیا کے سامنے اُس کے موقف کو کم زور کرنے کے لیے، روبہ عمل لائے گئے مکر و فریب کے سارے ہتھکنڈوں کے باوجود، اپنے پایدار اور بلند تر اصولوں سے بال برابر دست بردار ہو جانے کو تیار نہ ہوئی۔

موجودہ صورتِ حال یہ ہے کہ امریکہ، اسرائیل اور کسی مقصد، یا کم زوری، یا بہ یک وقت دونوں کی وجہ سے امریکہ کی ہم نوائی کرنے والے عربی ممالک کی ساری کوششوں کا مقصد بس یہ ہے کہ ''حماس'' کو کنارے لگا دیا جائے اور اُس کو خارش زدہ اونٹ کی طرح باڑے سے الگ تھلگ کر دیا جائے۔ یہاں تک کہ عالمی برادری اور با اثر عربی برادری نے — جو امریکہ کی ہاں میں ہاں ملاتی رہی ہے اور قضیۂ فلسطین کے سلسلے میں اُسی کے اِشارے پر ناچتی رہتی ہے — ''فتح'' اور ''حماس'' کے درمیان، بعض عربی ممالک کی طرف سے دیے گئے مذاکرات کے مشورے سے چشم پوشی کر لی۔ حال آں کہ ''حماس'' نے ''محمود عباس'' کے ہٹ دھرم مزاج کے باوجود ''فتح'' کے ساتھ بات چیت کے لیے رضامندی ظاہر کی تھی اور ہنوز وہ اپنے موقف پر برقرار ہے۔ محمود عباس کوئی ایسا کام ہرگز نہیں کر سکتے، جو اسرائیل کے مفادات کو ٹھیس پہنچائے اور امریکہ کی ناراضگی کو دعوت دے، جس کے وہ اِس طرح پابندِ احکام ہیں، جیسے وفادار غلام اپنے آقا کا پابندِ محض ہوتا ہے، نیز محمود عباس کبھی کوئی ایسا کام کرنے پر آمادہ نہ ہوں گے، جو اُن کی مرضی کے خلاف ہو۔ اُن

کی مرضی سے بس وہی کام میل کھا سکتا ہے، جو اُن کی سیکولر پسند اور نا آشنائے اسلام ذہنیت کے موافق ہو۔

فتح کے حق میں مصیبت کی جڑ:

''فتح'' کے حق میں مصیبت کی جڑ، وہ گم راہ اور سیکولر گروپ رہا ہے، جو روزِ اوّل ہی سے، یا ایک لمبے عرصے سے اِس تحریک پر قابو یافتہ رہا ہے۔ چناں چہ یہ گروپ، حرص و انانیت، خیانت اور مال و مرتبے کی حد سے بڑھی ہوئی خواہش، مالی و اخلاقی بدعنوانی اور اِلحاد کی حد تک مذہب سے بے زاری جیسی بے شمار نا قابلِ علاج بیماریوں کا شکار ہے۔ فسق و فجور اور ضمیر فروشی کا مرض اِس پر مستزاد ہے۔ اِنھی بیماریوں کی وجہ سے یہ سیکولر گروپ، اِسرائیل اور امریکہ کے مفادات کے لیے ''گماشتے'' کا رول ادا کرنے پر مجبور رہا ہے؛ کیوں کہ اِس گروپ نے یہ دیکھا کہ بہ طور ''گماشتہ'' کام کرنے سے اتنے سارے سستے دنیوی مفادات ہاتھ آتے ہیں، جنھیں دیکھ دیکھ اُن تمام لوگوں کے مُنھ سے رال ٹپکتی ہے، جو نہ تو اللہ سے کسی عزت و وقار کی امید رکھتے ہیں، نہ کسی اُصول کی پابندی کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے ضمیر کی آواز پر کان دھرتے ہیں؛ اِس لیے کہ وہ اِس کی معنویّت سے قطعاً واقف نہیں۔ اِس گروپ کے لوگوں کے چہروں اور اُن کے خدوخال سے، اُن کے باطن کی عکاسی ہوتی ہے اور زندگی میں اُن کے طرزِ عمل سے یہ یقین ہوتا ہے کہ یہ لوگ اِسلام اور اُس کے شعائر و احکامات کو، کوئی حیثیت نہیں دیتے۔

ایسا لگتا ہے کہ دونوں گروپوں — جن میں سے ایک اصولوں کا پابند ہے اور جس کی بنیاد عقائدی مسلّمات پر ہے اور دوسرا نہ صرف یہ کہ اُصولوں سے بے زار ہے؛ بل کہ عقائدی مسلّمات پر بھی اِیمان نہیں رکھتا — کے درمیان جو کش مکش برپا ہے، وہ قضیۂ فلسطین کے تعلق سے اُسی طرح برپا رہے گی، جس طرح زندگی کے تمام شعبوں میں حق پرست و باطل پرست کے مابین برپا ہی ہے اور رہے گی۔ یہاں تک کہ اللہ کی مشیت ظاہر

ہو جائے اور وہ اپنے ارادے کو برپا کر کے رہے جس کا برپا ہونا یقینی ہے۔

آنے والے دن، حماس اور اُس کے جیسے مزاحمتی گروپوں کے لیے بہت دشوار گزار ثابت ہوں گے، جو اگر اِس امتحان سے کام یابی سے گزر گئے، تو اگلے سارے امتحانات میں بھی وہ سرخ رو ثابت ہوں گے۔ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ. (انفال/۱۰) ترجمہ: اور مدد اللہ ہی کی طرف سے ہوا کرتی ہے۔ بے شک اللہ زور آور اور حکمت والا ہے۔



''غزّہ'' میں صہیونیوں کا تازہ ''ہولوکاسٹ''

اور کچھ تلخ وشیریں حقائق (☆)

مغربی ملکوں بالخصوص برطانیہ اور امریکہ کے ذریعے، اِسلامی عربی سرزمین ''فلسطین'' میں ریاستِ ''اِسرائیل'' کے ناپاک پودے کی کاشت اور پھر ہمہ گیر وہمہ نوع کوششوں کے ذریعے، اُس کو انتہائی تلخ پھل دیتے رہنے والا تناور درخت بنادینے کا عمل، اِسی لیے کیا گیا تھا تا کہ ساری امتِ مسلمہ کو عموماً اور فلسطینیوں کو خصوصاً، مسلسل عذاب میں مبتلا اور اُنھیں موت سے پہلے اَن گنت بار مرتے رہنے پر مجبور رکھا جائے۔ وہ ہمیشہ جسمانی و نفسیاتی اذیّت کا شکار رہیں اور ایسی دردسری سے دوچار رہیں کہ وہ کسی اور طرف ہرگز نہ دیکھ سکیں اور نہ اُنھیں علمی واقتصادی، عسکری واجتماعی ترقی کی راہ پر چلنے کی فکر ہو؛ لہٰذا وہ اِن سارے میدانوں میں ہمیشہ پس ماندہ رہیں اور نتیجتاً فکری پس ماندگی اور ذہنی جمود کا بایقین شکار ہوجائیں، جو مذکورہ ساری پس ماندگیوں میں سب سے زیادہ خطرناک ہے۔

عالمِ عرب کے قلب میں صہیونی پودے کی کاشت کے اصل محرکات:

عالمِ عربی ——— جو دراصل ابراہیمی محمدی اسلامی میراث ہے ——— کے قلب میں اِس صہیونی یہودی پودے کی کاشت کے محرکات واسباب کے جائزے میں جو بات بھی کہی جائے؛ لیکن درایت ومعروضیّت اور غیر جانب داری پر مبنی مغربی ذہنیت کے وسیع وعمیق

(☆) عربی تحریر: ۹½ بجے شب جمعہ وشنبہ: ۲۵-۲۶/۱/۱۴۳۰ھ مطابق ۲۳-۲۴/۱/۲۰۰۹ء، جو ''الداعی'' عربی شمارہ ۲-۳، جلد نمبر ۳۳ بابت ماہ صفر-ربیع الاول ۱۴۳۰ھ مطابق فروری-مارچ ۲۰۰۹ء میں بہ عنوان ''المحرقة الإسرائيلية الأخيرة على غزة'' شائع ہوئی۔ ترجمہ از عربی در اردو: بہ روز جمعرات، بہ وقتِ چاشت ۱۱ بجے، ۲/صفر ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۹/جنوری ۲۰۰۹ء۔ یہ مضمون اردو کے اکثر رسالوں اور اخبارات میں شائع ہوا اور قارئین نے اس کو توقع سے زیادہ پسند کیا۔

مطالعے اور جائزے سے ہر پڑھے لکھے کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہ محرکات درحقیقت ''صلیبی'' تھے؛ اِس لیے کہ اِسلام کے سپوت فرزند، عدیم المثال اِسلامی ہیرو اور جاں باز مجاہد اِسلام سلطان صلاح الدین ایوبیؒ (۵۳۲ھ/۱۱۳۷ء — ۵۸۹ھ/۱۱۹۳ء) نے صلیبی مغرب کو، آزادیٔ فلسطین کے اپنے معرکوں کے درمیان جو زبردست، تکلیف دہ اور جان لیوا ضرب لگائی تھی، مغرب نے اِن طویل صدیوں میں ہمیشہ اُس کی ٹیس اپنے ضمیر کی گہرائیوں میں محسوس کی ہے اور آیندہ بھی نامعلوم صدیوں تک اُس کو یہ صدمہ رُلاتا اور ذلّت وخواری کا اِحساس دلاتا رہے گا۔

عربی اِسلامی خطّے کے قلب میں اِس اجنبی پودے کی کاشت کے اسباب میں سے جہاں صہیونیوں کی دسیسہ کاری وفریب دہی اور اُن کی مکارانہ کوششیں ہیں، وہیں مغرب کا، صلیبی جذبے اور اِسلام دشمنی پر مبنی وہ اِرادہ ہے، جس نے مغرب کو طویل حرکت وعمل پر اُکسایا اور اَرضِ فلسطین میں دنیا جہاں کے یہودیوں کو لا بسانے اور یہاں اُن کی ناجائز ریاست قائم کردینے پر آمادہ کیا؛ اِسی لیے باوجودے کہ مغرب انسانی حقوق کی بات کرنے سے تھکتا ہے نہ اُکتاتا ہے، عدل ومساوات کا ڈنکا بجانے سے اُوبتا ہے نہ باز آتا ہے، جمہوریت اور ڈیموکریسی کا نعرہ لگانے سے تنگ آتا ہے نہ بیزار ہوتا ہے؛ پوری دنیا دیکھتی ہے کہ کس طرح وہ فلسطینی انسانوں کے حوالے سے اِن سارے اُصولوں سے نہ صرف چشم پوشی کرتا ہے؛ بل کہ وہ اُن ساری صہیونی ظالمانہ پالیسیوں اور کارروائیوں کی ہم نوائی وپشت پناہی کرتا ہے، جن سے فلسطین کے تئیں یہودیوں کے اپنے حقوق کے بے اساس دعووں کی جڑیں گہری ہونے میں مدد ملتی اور اُن کے سارے مفادات کے بہ روئے کار آنے کی راہ ہم وار ہوتی ہے۔ دوسری طرف مغرب فلسطینیوں کے خلاف صہیونیوں کے ذریعے توڑے گئے سارے مصائب اور ظالمانہ کارروائیوں کو نہ صرف روا رکھتا ہے؛ بل کہ اُن کے حوالے سے صہیونیوں کو شاباشی دیتا اور اُن کی پیٹھ ٹھوکتا ہے، گویا اِنسانی حقوق صرف اہلِ یورپ، یہودیوں اور صہیونیوں کے حقوق ہی سے عبارت ہیں؛ کیوں کہ یہی لوگ ''انسان'' ہیں۔

رہے مسلمان تو اُن کے کوئی حقوق ہی نہیں؛ کیوں کہ مغرب کے سارے رویّوں سے عیاں ہے کہ مسلمان اِنسان نہیں؛ بل کہ جانور اور اِنسان کے بیچ کی کوئی مخلوق ہیں بلہذا اُن کے حقوق کو ''حقوقِ اِنسانی'' کا نام نہیں دیا جاسکتا۔

مغرب، جس میں سرِ فہرست امریکہ ہے، کے طرزِ عمل سے، بے وقوف سے بے وقوف آدمی کو بھی یہ یقین ہو جاتا ہے کہ جمہوریت کا مطلب اُس کے نزدیک صرف وہ نظامِ حکومت ہے، جو اُس کے اور اُس کے حلیفوں کے مفادات کے بہ روئے کار آنے میں مددگار ثابت ہو۔ دوسرے لفظوں میں جمہوریت اُس کے نزدیک ہر وہ نظامِ حکومت ہے، جس سے اُس کی خواہشات اور اَغراض کی بہ خوبی تسکین کی راہ ہم وار ہوتی ہو؛ اِسی لیے چند سال قبل جب ''الجزائر'' میں اِسلام پسندوں کو انتخابات میں جمہوری طور پر بھاری اکثریت سے کام یابی ملی، تو جمہوریت کا ڈھول پیٹنے والے امریکہ اور مغرب نے اُنھیں زمامِ حکومت تھامنے نہیں دی اور ہر طریقے سے اُنھیں حکومت سازی اور اقتدار میں آنے سے ظالمانہ طور پر باز رکھا؛ اِس لیے کہ اُن کے اقتدار میں آنے کا سیدھا مطلب مغرب اور امریکہ کے مفادات کا خون تھا اور اُنھیں اپنے مفادات کا نقصان کب گوارا ہو سکتا تھا؟۔

اِسی طرح چہار شنبہ ۲۵؍جنوری ۲۰۰۶ء (مطابق ۲۴؍ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ) کو ہونے والے فلسطینی قومی قانون ساز اسمبلی کے انتخابات میں ''حماس'' (اسلامی مزاحمتی تحریک) نے فیصلہ کن اکثریت سے کام یابی حاصل کی۔ ظاہر ہے کہ ''حماس'' جیسی طاقت ور اِسلام پسند تحریک کا فلسطین میں ایسی زبردست کام یابی حاصل کرنا نہ صرف صہیونی ریاست کے مفاد کے تمام تر خلاف تھا؛ بل کہ امریکہ اور مغرب وہاں جو خطرناک کھیل کھیل رہے ہیں اور جس کے باقی ماندہ حصّوں کو آیندہ مرحلوں میں بہ عجلت تمام برپا کرنا چاہتے ہیں، کے لیے بھی یقینی خطرے کی گھنٹی تھا؛ اِس لیے امریکہ اور نام نہاد عالمی برادری نے، جمہوری طور پر منتخبہ ''حماس'' کے اقتدار میں آنے کی راہ میں اتنے اور ایسے ایسے روڑے اٹکائے، جن کی تفصیل اتنی دراز نفس ہے کہ اُس کا بیان کرنا قاری کے لیے بالیقین اُکتاہٹ کا باعث ہوگا۔ بہ ہر کیف اِس

کے نتیجے میں امریکہ واِسرائیل و امریکہ ومغرب نواز عربی ملکوں کی محبوب ووفادار سیکولر واِسلام بے زار ''فتح'' تحریک اور ''حماس'' کے درمیان زبردست رسا کشی شروع ہوئی، جو دونوں کے درمیان خون ریز تصادم پر منتج ہوئی اور اِس تصادم کے بعد غزہ پر حماس کا جمعرات: ۱۴/جون ۲۰۰۷ء (۲۷/جمادی الاولی ۱۴۲۸ھ) کو کنٹرول قائم ہوگیا، جو ہنوز جاری ہے۔ظاہر ہے کہ فلسطین کے کسی حصّے پر کسی اِسلام پسند تحریک یا تنظیم کی عمل داری امریکہ واِسرائیل کو کیسے ہضم ہوسکتی تھی؟، چناں چہ ہر طریقے سے ''حماس'' کو زِچ کردینے کی کوشش کی گئی، مادی ومعنوی تدبیروں کی کوئی شکل نہ تھی، جو نہ صرف ''حماس''؛ بل کہ غزہ اور اہلِ غزہ کے خلاف کام میں نہ لائی گئی ہو؛ تاکہ اُن کا قافیہ اِتنا تنگ ہوجائے کہ وہ ''حماس'' کی حاکمیت کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں۔ نام نہاد فلسطینی مقتدرہ کے صدر ''محمود عباس'' نے ''حماس'' کی قانونی حکومت کو جو انتخابات میں اکثریت سے جیتنے کی وجہ سے سارے فلسطینیوں پر قائم تھی، برخاست کر کے غیر قانونی طور پر اپنی طرح کے سیکولر مزاج ودین بے زار ''سلام فیاض'' کو وزیرِ اعظم بناڈالا، جس کو فوراً ہی امریکہ واسرائیل وعالمی برادری اور مغرب وامریکہ نواز سارے عربی ملکوں کی بھرپور حمایت مل گئی۔ اِسرائیل نے امریکہ کے اِشارے پر باشندگانِ ''غزہ'' کے لیے زندگی اجیرن کردی۔ بجلی، پانی، گیس کی سپلائی بالکلیہ بند کردی، خورد ونوش کی اشیا اور زندگی کی بنیادی سہولتوں سے اُنھیں محروم کردیا گیا، ہسپتالوں میں علاج ومعالجے کے وسائل اور دواؤں کا فقدان ہوگیا اور اکثر اہلِ غزہ کو اقوامِ متحدہ کے اِمدادی اِدارے کی اِمداد کا سہارا لینا پڑا، جو سدِّ رمق کے لیے بھی ناکافی ہوتی تھی۔

اِس دوران، اِسرائیل ہمیشہ ''غزہ'' پر بم باری کرتا رہا، کئی بار اُس نے ''غزہ'' کے کئی شہروں پر قبضہ کرلیا، ''رفح''، ''بیتِ حانون'' اور ''خان یونس'' پر بار بار یلغار ہوتی رہی، سیکڑوں جوانوں اور بچوں حتی کہ عورتوں کو تہِ تیغ کیا جاتا رہا اور پورے ''غزہ'' کی ناکہ بندی تو اِسرائیل نے کبھی ختم نہیں کی۔

منگل: ۱۲/۶/۱۴۲۹ھ یعنی ۱۷/جون ۲۰۰۸ء کو ''مصر'' کی وساطت سے صہیونی

ریاست اور ''حماس'' کے درمیان جنگ بندی معاہدہ ہو جانے کی خبر آئی، جس میں یہ طے ہوا کہ ''حماس'' اِسرائیل کی طرف راکٹ حملہ نہیں کرے گی، بہ شرطے کہ اِسرائیل ''غزہ'' پٹی کی ناکہ بندی ختم کردے اور روز روز کے عسکری حملے سے باز آجائے۔

یہ جنگ بندی جمعرات: ۱۴/ جمادی الاُخری ۱۴۲۹ھ یعنی ۱۹/ جون ۲۰۰۸ء سے نافذ ہوگئی۔ ''حماس'' نے یہ جنگ بندی معاہدہ بادلِ ناخواستہ ہی گوارا کیا؛ کیوں کہ اُس کو یقین تھا کہ صہیونی ریاست اِس پر صحیح طور پر عمل پیرا نہ ہوگی۔ چناں چہ وہ ''غزہ'' کا محاصرہ کیے رہی اور کسی نہ کسی بہانے سے روز روز ''غزہ'' پر حملہ کرتی اور وہاں وسائلِ زندگی کی آمد کو روکتی رہی۔

۱۹/ دسمبر ۲۰۰۸ء = ۲۰/ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ بہ روز جمعہ اِسرائیل اور ''حماس'' کے درمیان یہ جنگ بندی معاہدہ ختم ہوگیا، اِسرائیل نے معاہدے کی مدت کے اختتام سے پہلے ہی اپنی ''غزہ'' کی ناکہ بندی مزید سخت کردی تھی۔ صہیونی چاہتے تھے کہ جنگ بندی کا یہ ڈرامہ جاری رہے اور ''حماس'' ہماری شرطوں کے ساتھ اِسی طرح اِس کو منظور کیے رہے؛ تاکہ وہ دنیا کو یہ باور کراسکیں کہ وہ تو ''حماس'' کے ساتھ جنگ بندی معاہدے پر عمل پیرا ہیں؛ اِسی لیے ''حماس'' نے اِس ذلت آمیز معاہدے کی مدت کو مزید دراز کرنا کسی طرح مناسب نہیں سمجھا، حال آں کہ اُس کو معلوم تھا کہ اِس کے بعد اِسرائیل تباہ کن حملہ کرسکتا ہے؛ لیکن وہ معاہدے سے پہلے اور اُس کے دوران بھی مسلسل تباہیوں سے دوچار تھے۔

''غزہ'' پر صہیونیوں کی وحشیانہ بم باری:

شنبہ: ۲۷/ دسمبر ۲۰۰۸ء (۲۸/ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ) سے صہیونی ریاست نے ''غزہ'' پر جو وحشیانہ حملہ شروع کیا، اِس کے لیے اُس نے پہلے سے کئی طرح کے اشتعال انگیز وکشیدگی خیز اِقدامات کے ذریعے راستہ ہم وار کرنا شروع کردیا تھا، جن میں سیاسی اور سیکورٹی دونوں طرح کے اِقدامات شامل تھے۔ اُس نے ''غزہ'' کی ساری گزرگاہیں بند کردی تھیں، ''غزہ'' پر پہلے سے ہی فضائی اور بری حملے شروع کردیے تھے، ساتھ ہی فلسطینیوں پر ناقابلِ عمل

سیاسی شرطیں تھوپنی شروع کردی تھیں، نیز اپنی سابقہ شرطوں کے ساتھ جنگ بندی معاہدہ قبول کرنے کے لیے ''حماس'' پر دباؤ ڈالنا شروع کردیا تھا، جن کا واضح مطلب یہ تھا کہ جنگ بندی کی کلید صرف صہیونی ریاست کے ہاتھ رہے اور جنگ بندی معاہدے سے وہی یک طرفہ فائدہ اُٹھاتی رہے؛ اِسی لیے سارے فلسطینی مزاحمتی گروہ بہ شمول ''حماس'' نے اِس معاہدے کو امتداد دینے سے بالکلیہ اِنکار کردیا اور متوقع صہیونی مظالم کا، اللہ کے بھروسے، امکان بھر طاقت سے جواب دینے کا ارادہ کرلیا۔

اَفسوس ناک بات یہ ہے کہ ''غزہ'' کے خلاف کیے گئے صہیونی ''ہولوکاسٹ'' سے محض دو روز قبل یعنی جمعرات ۲۵/دسمبر ۲۰۰۸ء (۲۶/ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ) کو اِسرائیل کی وزیر خارجہ ''زپی لیونی'' قاہرہ آئی، جہاں مصری صدر ''حسنی مبارک'' اور مصری وزیرِ خارجہ ''احمد ابوالغیط'' نے، اُس کا والہانہ اِستقبال کیا، جب کہ جنگ کے لیے خطرے کی گھنٹی یقینی طور پر بج چکی تھی اور صاف معلوم ہوتا تھا کہ اِسرائیل ''غزہ'' پر ضرور حملہ کرے گا، ایسے موقع پر اِسرائیل نے یقیناً اپنی وزیرِ خارجہ کو ''مصر'' اِسی لیے بھیجا تھا تاکہ وہ عالمِ عربی کے سب سے بڑے، طاقت ور اور فلسطینی قضیے کے حوالے سے سب سے اہم اور قریب ترین ملک کے دارالحکومت سے فلسطینیوں کے خلاف اپنی وحشیانہ جنگ کا بگل بجائے، جس کا مقصد اُس کے نزدیک اِس کے سوا اور کیا رہا ہوگا کہ دنیا کو بالعموم اور ''حماس'' اور مزاحمتی جماعتوں کو بالخصوص یہ باور کرا دیا جائے کہ ''غزہ'' پر صہیونی عسکری کارروائی کے جرم میں ''مصر'' بھی شریک ہے اور اِس سلسلے میں اُس کی رضامندی؛ بل کہ اُس کا اِشارہ بھی موجود ہے۔ ''زپی لیونی'' نے اعلیٰ مصری قیادت سے ملاقات کے بعد پریس کانفرنس میں جو بیان دیا تھا، وہ نہلے پہ دہلا تھا۔ اُس نے کہا کہ ''غزہ'' کی صورتِ حال عن قریب بدلنے کو ہے، ہم اِس حوالے سے پرعزم ہیں اور ہم ایسا کرنے جا رہے ہیں۔

۲۷/دسمبر ۲۰۰۸ء سے اِسرائیل نے فلسطینیوں کا ''غزہ'' میں جو قتلِ عام کیا اور جس کا سلسلہ ۱۸/جنوری ۲۰۰۹ء تک جاری رہا، کے سلسلے میں ''مصر'' اِسی لیے معرضِ تہمت میں آگیا

ہے کہ صہیونیوں کی جارحانہ کارروائیوں سے صرف دوروز قبل مصری قیادت نے صہیونی وزیر خارجہ کا اپنے ہاں اِستقبال کر کے مذکورہ طرز کا اشتعال انگیز بیان کیوں دلوایا، جس سے بہ خوبی محسوس ہوتا ہے کہ اس قتلِ عام کی کارروائی کے سلسلے میں صہیونیوں کے ساتھ مصری قیادت کا بھی تال میل تھا؟!۔ ''حماس'' کے ترجمان ''فوزی برہوم'' نے ذرائع ابلاغ کو بتایا تھا کہ ''مصر'' نے ''لیونی'' کے ساتھ اِس ملاقات کے بعد بھی ''حماس'' کو یقین دلایا تھا کہ ''اِسرائیل'' غزہ پر کسی طرح کی جارحیت کا اِرادہ نہیں رکھتا۔ جب کہ صہیونی ریاست میں شائع ہونے والے عبرانی زبان کے اخبار ''بدیعوت احرنوت'' نے لکھا تھا کہ ''اِسرائیل نے متعدد عربی ملکوں کو یہ بتلا دیا ہے کہ ہم ''غزہ'' پر حملہ کرنے جا رہے ہیں اور ہمیں یہ سمجھنے کا حق ہے کہ اُن ملکوں میں ''مصر'' ضرور رہا ہوگا۔

۲۷/ دسمبر ۲۰۰۸ء (شنبہ ۲۸/ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ) سے ۱۸/ جنوری ۲۰۰۹ء (یک شنبہ: ۲۰/محرم ۱۴۳۰ھ) کو رات دیر گئے تک اِسرائیل نے امریکی ساخت کے ہتھیاروں، ہوائی جہازوں، بحری بیڑوں، بموں، میزائلوں، توپوں، ٹینکوں اور بلڈوزروں سے ''غزہ'' پر فضائی، زمینی اور بحری حملوں کے ذریعے اِیسی تباہی مچائی، جو اپنی نظیر آپ ہے۔ اِسرائیل نے کھلے عام عالمی طور پر ہر طرح کے ممنوعہ ہتھیار اِستعمال کیے۔ ''غزہ'' کے ہسپتالوں کے ڈاکٹروں، برطانوی اخبارات اور عالمی طبی اِداروں نے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ اِسرائیل نے ''غزہ'' کی گھنیری آبادی والے خطوں میں عالمی قانون کی رو سے ممنوعہ ہتھیاروں کا بے دریغ اِستعمال کیا، جس میں سفید فاسفورس اور میکرو ویو کے بم شامل ہیں، جس کی وجہ سے ''غزہ'' پر اِسرائیلی جارحیت میں زخمی زندہ بچ جانے والے لوگوں کا اگر طویل علاج معالے کے بعد زندہ رہ جانا ممکن ہو سکا، تو اُن کی زندگی اُن کے دوشِ ناتواں پر بار ثابت ہوگی۔ اِس کے علاوہ عام آبادی پر بھی اِس کے بُرے اثرات تا دیر مرتب ہوتے رہیں گے۔ یعنی جو لوگ بہ ظاہر زخمی نہیں ہوئے اور حملوں سے متأثر نہیں نظر آتے، اگر اُن کے خطے میں اُن ممنوعہ ہتھیاروں کا اِستعمال ہوا ہے، تو وہ اُن کے منفی اثرات سے بچ نہیں سکتے۔

۲۲-۲۳ روزہ قتلِ عام کی کارروائی میں اب تک کی اطلاع کے مطابق اِسرائیل نے ۱۳۰۰ سے زیادہ بے گناہوں کو شہید کر دیا، جن میں ۴۰۰ سے زیادہ بچے ہیں۔ ۵۵۰۰ سے زیادہ لوگ بری طرح زخمی ہیں۔ مقتولوں اور زخمیوں کی تعداد جنگ بندی کے بعد، ملبوں کی تلاشی کے دوران بڑھتی جارہی ہے۔ صہیونیوں نے مسجدوں (بالخصوص اوقاتِ نماز میں جب وہ نمازیوں سے بھری ہوتی تھیں) ہسپتالوں، اسکولوں (حتیٰ کہ اقوامِ متحدہ کے اسکولوں) اقوامِ متحدہ کے ذریعے بنائی گئی ہنگامی پناہ گاہوں، وقتی فریادرسی کے لیے جمع کیے گئے خوردونوش کے ذخیروں کی عمارتوں، ایمبولینسوں، جنازوں کے جلوسوں اور ہر طرح کی اُن عمارتوں کو نشانہ بنانے سے کسی طرح دریغ نہیں کیا، جن کے متعلق اُنھیں کسی طرح یہ اندازہ ہوجاتا تھا کہ یہاں جان بچانے کے لیے فلسطینی بچوں، بوڑھوں اور عورتوں نے پناہ لے رکھی ہے۔

منگل ۱۳/جنوری ۲۰۰۹ء (۱۵/محرم ۱۴۳۰ھ) کو ''غزہ'' میں تعینات اقوامِ متحدہ کی راحت ایجنسی کے ڈائرکٹر ''جان کنگ'' نے فلسطینی شہریوں کو تحفظ فراہم کرانے کی بین الاقوامی برادری سے اپیل کی اور ''ویڈیو لنک'' کے ذریعے ''جنیوا'' میں صحافیوں کو خطاب کرتے ہوے، اُنھوں نے کہا: ''غزہ'' میں فوجی کارروائی مزید تیز ہونے کے بعد، ۱۵ لاکھ کی آبادی والے ''غزہ'' میں، اب کوئی بھی جگہ شہریوں کے لیے محفوظ نہیں رہ گئی ہے۔ ''غزہ'' کے شہری پہلی اور آخری جو بات مجھ سے کہتے ہیں، وہ یہ ہے کہ ''برائے مہربانی ہمیں تحفظ فراہم کرائیے، اب ہمارے لیے کوئی بھی جگہ محفوظ نہیں بچی ہے۔''

دوشنبہ ۱۹/جنوری ۲۰۰۹ء (۲۱/محرم ۱۴۳۰ھ) کو ذرائع ابلاغ نے بتایا کہ ''غزہ'' کی پٹی کے علاقے پر اِسرائیل کی تباہ کن جنگ کی وجہ سے بنیادی ڈھانچے کو ایک ارب ۶۰ کروڑ (۱۶۰۰۰۰۰۰۰۰) ڈالر کا نقصان پہنچا ہے۔ ۲۳ روزہ جنگ نے زندگی اور معیشت کے تمام شعبوں کو مفلوج کر دیا ہے۔ اِسرائیلی حملوں اور بم باری کے نتیجے میں ہونے والی وسیع تباہی اور بربادی کے بعد بنیادی ڈھانچے کی تعمیرِ نو پر خرچ ہونے والی رقم کا ابتدائی اندازہ تقریباً

۲ اَرب (۲۰۰۰۰۰۰۰۰) ڈالر لگایا گیا ہے۔ فلسطینی قومی ادرہ برائے شماریات کا کہنا ہے کہ ۲۳ روزہ جنگ میں یومیہ ۲ کروڑ ۴۰ لاکھ (۲۴۰۰۰۰۰۰) ڈالر کا خسارہ ہوا ہے۔ اِسرائیلی جارحیت کے دوران ۴۰ ہزار (۴۰۰۰۰) مکانات مکمل طور پر تباہ ہو گئے ہیں، جب کہ ۱۶ ہزار (۱۶۰۰۰) گھروں اور عمارتوں کو جزوی نقصان پہنچا ہے۔ اِس کے علاوہ ۱۵سو (۱۵۰۰) فیکٹریوں، دکانوں اور تجارتی مراکز کو بھی شدید نقصان پہنچا ہے۔ ۴۱ مسجدوں کو مکمل طور پر مسمار کر دیا گیا ہے، اُن میں سے اکثر کو ایسے وقت نشانہ بنایا گیا ہے، جب وہ نمازیوں سے کھچا کھچ بھری ہوتی تھیں۔ ۱۰ لاکھ (۱۰۰۰۰۰۰) فلسطینی بجلی، صاف پانی اور دگر بنیادی سہولتوں سے محروم ہو گئے ہیں۔ ''غزہ'' کے ۸۰ فی صد باشندے بین الاقوامی امداد پر گزارہ کرتے ہیں؛ لیکن راستوں، سڑکوں، گلیوں اور گزرگاہوں کی تباہی کے بعد راحت رسانی کے کام میں شدید دشواری پیش آ رہی ہے۔ ایک لاکھ (۱۰۰۰۰۰) فلسطینی بالکل بے گھر ہو گئے ہیں۔ صنعتی علاقوں میں تمام عمارتوں کو بلڈوزروں اور گولہ باری سے زمین بوس کر دیا گیا ہے۔ پانی کا شدید بحران پیدا ہو گیا ہے، لوگ گندا پانی پینے پر مجبور ہیں، سیور لائنیں بالکل تباہ ہو گئی ہیں۔ اقوامِ متحدہ کے ایلچی اور ریڈ کراس کی بین الاقوامی کمیٹی کے سربراہ ''جیک کیلینبر جر'' نے ''غزہ'' کے دورے کے بعد کہا کہ ''غزہ'' کے ہسپتالوں کی حالت اِتنی ابتر ہے کہ ایسا دل دہلا دینے والا منظر میں نے اپنی آنکھوں سے کبھی نہیں دیکھا۔ اُنھوں نے کہا کہ ''غزہ'' کے سب سے بڑے ہسپتال ''الشفا'' ہسپتال میں لوگوں نے جو کچھ جھیلا ہے، وہ ''افغانستان'' اور ''دارفور'' سے بھی زیادہ ہول ناک ہے۔

صہیونیوں کی طرف سے کھلے عام جنگی جرائم کا ارتکاب:

اِسرائیل نے ہمیشہ اپنی ہر جنگ میں عربوں اور فلسطینیوں کے خلاف جنگی جرائم کے ارتکاب کے ساتھ ساتھ، انسانی حقوق کی پامالی کا ارتکاب کیا ہے۔ غزہ کی اِس جنگ میں ـــــ جس میں اُس کا ہدف اگرچہ ہمہ گیر تھا؛ لیکن اَصل مقصد وہاں کے باشندوں کی تادیب

کے ساتھ ساتھ (کہ وہ حماس کی عمل داری کو اِتنے عرصے سے کیوں گوارہ کیے ہوئے ہیں) ''حماس'' کو بالکلیہ ختم کرنا، یا اُس کی اِس حد تک کمر توڑ دینا تھا کہ وہ آیندہ کسی کام کی نہ رہے --- اُس نے پہلے سے زیادہ کھلم کھلا نہ صرف انسانی حقوق کی پامالی کی ہے؛ بل کہ بُری طرح اور دیدہ دلیری کے ساتھ جنگی جرائم کا ارتکاب کیا ہے۔

اقوامِ متحدہ کے اِنسانی حقوق کے اِدارے کی سربراہ ''ناوی پلے'' Navi Pillay نے کہا ہے کہ ''غزہ'' میں انسانی حقوق کی پامالی اور بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی اِس قدر سنگین جرم ہے کہ وہ جنگی جرائم کے زمرے میں آتی ہے؛ اِس لیے جو اِسرائیلی حکم راں اور فوجی لیڈر اِس کے ذمے دار ہیں، اُن پر مقدمہ چلایا جانا چاہیے۔ اِس کے لیے ضروری ہے کہ اقوامِ متحدہ کا انسانی حقوق کا اِدارہ جس کے ۴۷ ممالک ممبر ہیں، غیر جانب دار وشفاف تحقیقات کرے؛ تاکہ اِسرائیل پر جنگی جرائم کا مقدمہ چلایا جا سکے۔

ذرائع اِبلاغ نے شنبہ: ۲۴/ جنوری ۲۰۰۹ء (۲۶/ محرم ۱۴۳۰ھ) کو بتایا کہ خبر رساں ایجنسی ''اے. ایف. پی'' نے باخبر ذرائع کے حوالے سے کہا ہے کہ ''اقوامِ متحدہ کے خصوصی ایلچی برائے فلسطینی علاقے ''رچرڈ فوک'' کا کہنا ہے کہ اِسرائیل کے خلاف کافی ثبوت ہیں کہ اُس نے جنیوا کنونشن یا جنگی قوانین کی خلاف ورزی کی ہے۔

دوسری طرف صہیونی وزیرِ اعظم ''ایہود اولمرٹ'' نے اپنے وزیرِ انصاف ''ڈینیل فریڈ مین'' کو جنگی جرائم کے اِلزامات سے بچانے کا انچارج بنایا ہے۔ خبر رساں ایجنسیوں کے مطابق یہ شخص اِسرائیل کے سارے جنگی جرائم کو قانونی جواز کے دائرے میں لانے کا کام کرے گا۔ اِسرائیل اِس سلسلے میں کئی اقدامات کر چکا ہے۔ ویسے بھی تجزیہ کاروں کا ماننا ہے کہ امریکہ؛ بل کہ برطانیہ بھی اِسرائیل کے حق میں اِس طرح کی کسی تفتیش کی شروعات ہی نہ ہونے دے گا اور اگر تفتیشی عمل مکمل بھی ہو جائے، تو سلامتی کونسل یا کسی بین الاقوامی اِدارے میں صہیونی ریاست کے خلاف کسی طرح کی سزا کی قرارداد کو پاس نہیں ہونے دے گا۔ ویسے بھی اقوامِ متحدہ یا اُس کی سلامتی کونسل صرف مسلمان اور عرب ملکوں کو تو سزا دلوا لیتی ہے؛ لیکن

اِسرائیل کے خلاف سیکڑوں قرارداد پاس کر کے صرف ٹھنڈے بستے میں ڈال دیتی رہی ہے۔ ابھی اِس تازہ وحشیانہ حملے کی تئیں بھی یہی ہوا کہ اقوامِ متحدہ کے سکریٹری جنرل ''بانکی مون'' نے قرارداد تو اِسرائیل کے خلاف پاس کروالی کہ اُس کو جنگ فوراً بند کردینا چاہیے؛ لیکن وہ خود اور اُن کے سارے اہلِ کار چیختے چلاتے رہ گئے، عرب ممالک کا دورہ کیا، بہ ذاتِ خود اِسرائیل گئے، صہیونی قیادت سے مُلتجیانہ درخواست کی اور اپنے غم و غصے کا بھی اظہار کیا؛ لیکن کئی روز تک صہیونیوں نے ایک نہ سنی۔ کئی روز بعد اپنی مرضی سے اور اپنے بعض ضروری اہداف کو پورا کرنے کے بعد ہی، اُنھوں نے از خود جنگ بندی کا اِعلان کیا، اِس ہٹ دھرمی اور ضد کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ عالمی برادری کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ وہ کسی کی نہیں سنتے اور نہ کسی کے دباؤ میں آتے ہیں اور امریکہ کی پشت پناہی کے ساتھ عالمی برادری اُن کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتی۔ ''اِسرائیل'' نے اوّل دن سے آج تک عالمی برادری کی ایک بھی نہ سنی، تو اُس نے اُس کا کیا بگاڑلیا؟۔

باعثِ عبرت ہے کہ وہ مغرب جو چوپایوں اور جانوروں کے تئیں کسی بے جا تصرّف پر تلملا اُٹھتا ہے اور پوری دنیا کو زیروزبر کر کے رکھ دیتا ہے، ''غزہ'' کے باشندوں کے خلاف دو سال سے زیادہ عرصے سے صہیونی ریاست نے جو مظالم روا رکھے ہیں، پورے ''غزہ'' کو جس طرح ایک بڑے جیل میں تبدیل کرر کھا ہے، اُس کی مکمل طور پر ناکہ بندی کر کے جس طرح فلسطینیوں کو بھوکوں تڑپا رہا ہے، بیماروں کو علاج معالجے اور دواؤں سے محروم رکھے ہوا ہے اور اُن ساری سہولتوں کے دروازے اُن پر بند کیے ہوا ہے، جن کے بغیر کسی ذی روح کی زندگی اجیرن ہوجاتی ہے، چہ جائے کہ اِنسان جس کو زندگی جینے کے لیے ہر عام ذی روح سے زیادہ کچھ وسائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ مغرب کے بہت تھوڑے باشندوں نے، جنھوں نے گویا مکمل طور پر انسانیت کے اوصاف نہیں کھوئے ہیں، کے سوا سارا مغرب، امریکہ و برطانیہ فلسطینیوں کی اِس حالتِ زار پر نہیں تلملایا؛ بل کہ روزِ اوّل سے اِسرائیل کے تئیں اُس کا رویہ ہمدردانہ رہا اور اُس کے سارے مظالم کو اُس نے دفاعی عمل قرار دیا؛ کیوں کہ اُسی

نے فلسطین میں اُس کا بیج بویا تھا، تو اب تناور درخت ہو جانے کی صورت میں اُس کے کڑوے پھل کی وہ کیوں کر مخالفت کر سکتا ہے!۔

جہاں تک بہ طورِ خاص امریکہ کے رویّے کی بات ہے، تو یہ ساری دنیا کو معلوم ہے کہ امریکہ میں ذرائع ابلاغ و معاش اور سارے حسّاس شعبوں پر صہیونی لابی کا کنٹرول ہے؛ اِس لیے وہاں کی اعلیٰ قیادت کو کرسیِ اقتدار تک پہنچنے اور اُس پر برقرار رہنے کے لیے اور آیندہ اقتدار کی پوری میعاد میں انتظام و انصرام کے امور کی انجام دہی، نیز آیندہ میقاتوں کے لیے اقتدار کی کرسی پر دوبارہ بیٹھنے کے لیے، یہودی لابی کی مکمل تایید و حمایت کی ضرورت رہتی ہے؛ ورنہ اِس کے بغیر نہ صرف یہ کہ امریکی حکم راں اپنے مناصب پر فائز ہو سکتے ہیں نہ امورِ مملکت کو انجام دے سکتے ہیں؛ بل کہ اُنھیں صہیونی لابی کی طرف سے جان کا بھی یقینی خطرہ رہتا ہے، امریکہ کے بعض صدور کا قتل ہی اِسی لیے ہوا تھا کہ وہ صہیونی مفادات کے اُس طرح حامی نہ تھے، جس طرح یہودی لابی چاہتی تھی۔

اِس میں کوئی شک نہیں کہ چند روز پہلے سبک دوش ہونے والے صدرِ امریکہ "جارج ڈبلو بش" سارے امریکی صدور میں انتہائی بُرے اور بد باطن تھے کہ ہر جگہ اِسلامی خون کے زیاں اور مسلمانوں و عربوں کو خود اپنے ملک کے اندر تہِ تیغ اور ہر طرح سے پریشان کیے جانے سے اُنھیں نہ صرف خوشی ہوتی تھی؛ بل کہ اُنھیں اِس سے غذا ملتی تھی اور اُن کی روحِ بد اِس سے بہت خوش ہوتی تھی کہ مسلمانوں اور عربوں کو بالکلیہ کنگال بنا دینے کے ساتھ ساتھ اُنھیں صہیونیوں اور صلیبیوں کا ہمیشہ کے لیے بے دام غلام بنا لیا جائے۔ اُن کے سارے رویّوں سے مُترَشّح ہوتا تھا کہ عربوں و مسلمانوں کے مذہب، مذہبی شعار و اقدار، ثقافت و روایات کے استہزا اور اُن کے جذبات کو آخری حد تک مجروح کیے جانے کے عمل سے اُنھیں ایسی لذت ملتی تھی، جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ عربی و مسلم بادشاہوں و حکم رانوں کو صہیونی و صلیبی مفادات کا وفادار خادم بنا لینے کا جو ہُنر لے کر وہ پیدا ہوے تھے، اس کی مثال سے امریکی و مغربی صدارت کی پوری تاریخ یکسر نا آشنا رہی ہے۔

لیکن کوئی بھی امریکی صاحبِ اقتدار اور صدر —— جس میں نئے سیاہ فام امریکی صدر ''باراک اوباما'' بھی داخل ہیں، جس سے امیدیں وابستہ کرنے میں ساری دنیا ریس میں مبتلا ہے اور اُن کے انتخابی جلسوں کی تقریروں کی روشنی میں عالمِ اِسلام و عالمِ عرب کے لوگ بھی اتنے اچھے اچھے خواب دیکھ رہے ہیں کہ جن کی تعبیریں حقیقت کی دنیا میں خارج از امکان ہیں —— آخری حد تک اِسرائیل اور صہیونیوں کے مفادات کا ساتھ دینے اور فلسطینیوں کے حقوق پامال کرنے اور اُن پر صہیونیوں کی طرف سے ہونے والے سارے مظالم سے چشم پوشی کرنے کی ڈگر سے ہٹ نہیں سکتا؛ کیوں کہ خود اُس کا تمام تر فائدہ اِسی میں پوشیدہ ہے کہ وہ اِس راہ سے کسی بھی طرح نہ ہٹے؛ ورنہ اُس کا انجام وہی ہوگا جو صدر ''کنیڈی'' کا ہوا تھا کہ یہودیوں نے نہ صرف یہ کہ اُنھیں قتل کردیا؛ بل کہ قتل کی تحقیقات کو بھی صحیح سمت میں جانے سے روک دیا اور اصلی قاتل یعنی یہودیوں تک قانون کا ہاتھ پہنچنے سے قاصر رہا۔

اِسرائیل کی باگ ڈور امریکہ کے ہاتھ میں ہے؛ لیکن خود امریکہ کی نکیل اِسرائیل کے ہاتھ میں ہے:

اِسرائیل کی باگ ڈور تمام تر امریکہ اور کچھ برطانیہ اور دگر مغربی ملکوں کے ہاتھ میں ہے؛ اگر امریکہ چاہے تو بہ یک لمحہ اِسرائیل کو قابو میں کیا جاسکتا ہے؛ لیکن جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا، خود امریکہ کی نکیل اِسرائیل کے ہاتھ میں ہے؛ اِس لیے امریکہ مجبور ہے کہ وہ اُسکو مادی، معنوی اور عسکری مدد دیتا رہے اور عالمی قانون کے کسی ہاتھ کو اُس تک پہنچنے سے پہلے مروڑ دے یا بالکلیہ توڑ دے۔ عالمِ اِسلام کو جو امریکہ صرف اِس مفروضہ اور خود ساختہ شبہے پر تباہ و برباد کرسکتا ہے کہ اُس کے پاس نام نہاد ''وسیع تر تباہی کے ہتھیار'' ہیں، وہ اِسرائیل کو عالمِ عربی کے بیچ سب سے بڑی عسکری طاقت اور ایٹمی ہتھیار بنانے کے لیے نہ صرف یہ کہ کھلی چھوٹ دیے ہوا ہے؛ بل کہ فلسطینیوں کے خلاف کھلے عام اُن کے استعمال پر اُس کو شاباشی دیتا اور اُس کا دفاع بھی کرتا ہے۔ آج صہیونی ریاست اِس پوزیشن میں ہے کہ وہ

سارے عرب ملکوں کو بہ یک وقت ناکوں چنے چبوا سکتا ہے اور دور اور نزدیک کے سارے اِسلامی ملکوں کو تہس نہس کرسکتا ہے؛ لیکن مغرب اور امریکہ اِس کے باوجود یہ گوارا نہیں کرتے کہ اِسرائیل کو کوئی کانٹا بھی چبھ جائے؛ بل کہ وہ اب تک بچے کی طرح انتہائی دلار و پیار اور شفقت کے ساتھ اُس کی دیکھ ریکھ اور پرورش میں لگے رہتے ہیں۔

اِس سلسلے میں مغرب، جس کی قیادت آج امریکہ ہی کے ہاتھ میں ہے، ہر طرح کی نا انصافی اور لاقانونیت پر عمل پیرا رہتا ہے؛ چناں چہ جہاں وہ فلسطینیوں کے ساتھ اِسرائیل کے ناقابلِ بیان مظالم کو نہ صرف گوارا کرتا رہتا ہے؛ بل کہ اِس سلسلے میں ہمیشہ اُس کی پیٹھ تھپتھپاتا رہتا ہے، وہیں فسلطینیوں کی طرف سے غلیل کے ذریعے کسی ڈلے یا ہاتھ سے کسی پتھر کے پھینکے جانے کو بھی ''دہشت گردانہ'' کارروائی قرار دیتا رہتا ہے۔ اِسرائیل ہر طرح کے ہتھیار کی تخلیق کرسکتا ہے، اُس کو ڈیولپ کرسکتا ہے اور امریکہ سے خرید سکتا ہے اور ہتھیاروں سے اِتنا مالا مال ہوسکتا ہے کہ وہ دنیا کے بہت سے ملکوں جن میں ہمارا ملک ہندوستان بھی داخل ہے، اسلحے فروخت بھی کرسکتا ہے اور دنیا میں ہر جگہ دہشت گردانہ کارروائی کا ماسٹر مائند بن کر مسلمانوں کو اُس میں پھنسا بھی سکتا ہے؛ لیکن سارے جرائم کے باوجود، وہ بالکل معصوم اور بے گناہ ہی رہے گا اور اُس کے خلاف کسی طرح کی کارروائی ناروا قرار دی جاتی رہے گی۔

پوری دنیا میں یہ بات تسلیم کی جاتی ہے اور خود مغرب بھی اِس کو مانتا ہے کہ اگر کسی ملک پر ناجائز طور پر کوئی ملک یا قوم قابض ہوجائے، تو ملک کے باشندوں کو اُس کے خلاف مزاحمت کا مکمل حق حاصل ہے؛ لیکن مغرب کی تضاد عملی دیکھیے کہ فلسطینیوں کے اِس جائز حق کے استعمال کو نہ صرف ناروا قرار دیا جاتا ہے؛ بل کہ صریح دہشت گردانہ کارروائی تسلیم کیا جاتا ہے؛ اِسی لیے نہ صرف یہ کہ نہتھے فلسطینی جاں بازوں کو دہشت گرد قرار دے کر، اُنھیں مروادیا جاتا ہے؛ بل کہ مغربی ممالک اور امریکہ اُن بینکوں، تنظیموں، خیراتی اِداروں تک پر پابندیاں عائد کردیتے ہیں، جن کے متعلق اندازہ ہو کہ یہ کسی نہ کسی طرح فلسطینی مزاحمتی جماعتوں کے ساتھ مُتعاون ہیں۔ عجیب سی نو اِیجاد منطق کے ذریعے، اِنھوں نے قاتل کو مقتول

اور مقتول کو قاتل قرار دینے کی راہ اختیار کی ہوئی ہے۔

مغرب اور امریکا کو فلسطینی مسئلے اور فسلطینی مظلومین کے تعلق سے یہ ظالمانہ اور سراسر غیر منصفانہ رویّہ اختیار کرنے کی جرأت نہ ہوتی، اگر ام المسائل یعنی مسئلۂ فلسطین کے حوالے سے، عرب قائدین اُسی طرح یک زبان و یک دل و یک جان ہوتے، جس طرح مسلمان و عربی عوام ہیں؛ افسوس ہے کہ امریکہ بہت پہلے عربی اتحاد کی مضبوط دیوار میں سیندھ لگانے میں کام یاب ہو گیا، جو شروع شروع میں تو چھوٹی تھی؛ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت کشادہ ہوتی چلی گئی۔ سب سے پہلے اُس نے سابق مصری صدر ''محمد انور سادات'' (۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۸ء — ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء) کو ۱۹۷۷ء میں صہیونی ریاست کے دورے کی ترغیب دی؛ چناں چہ وہ پہلے عربی حکم راں تھے کہ صہیونی ریاست کے دورے کے بعد اُنھوں نے ۱۹۷۹ء میں امریکہ کی سرپرستی میں، امریکہ ہی کی سرزمین پر صہیونی ریاست ''اِسرائیل'' کے ساتھ تنہا امن معاہدے پر دستخط کیا، جو ''کیمپ ڈیوڈ معاہدے'' کے نام سے مشہور ہے۔ اِس کے بعد کچھ عرصے تک عربی دنیا نے ''مصر'' کو الگ تھلگ کیے رکھا کہ اُس نے یہ ''گناہ'' کیوں کیا؟؛ لیکن چوں کہ یہ مصری اِسرائیلی معاہدہ عربی قیادتوں کے متحدہ موقف میں بنیادی تبدیلی کا نقطۂ آغاز ثابت ہوا؛ اِس لیے کچھ دنوں بعد امریکہ نے کئی ایک عربی ملکوں کو یکے بعد دیگرے اپنی سرپرستی میں اِسرائیل کے ساتھ ''مصر'' ہی کی طرح کا معاہدۂ امن کر لینے پر راضی کر لیا اور پھر خود ''تنظیم آزادیِ فلسطین'' بھی اِسی معاہدۂ امن کے مذاکرات در مذاکرات اور معاہدہ در معاہدہ کے ایسے دلدل میں پھنستی چلی گئی، جس سے اب تک نکل سکی ہے نہ آیندہ نکل سکنے کی امید ہے؛ لیکن اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یہیں سے سارے عربی و فلسطینی اور صحیح تر لفظوں میں ساری عربی و فلسطینی قیادتیں دو جماعتوں میں تقسیم ہو گئیں: مذاکرات پر ایمان رکھنے والی جماعت اور مزاحمت کے فلسفے پر کاربند رہنے کو تسلیم کرنے والی جماعت، یا اِسرائیل کے ساتھ تعلقات کو معمول پر لانے اور اُنھیں قدرتی رنگ دینے کے اُصول کو ماننے والی جماعت اور جدوجہد آزادی اور فلسطین

کو جہاد و مزاحمت کے ذریعے آزاد کرانے کے اُصول پر ایمان رکھنے والی جماعت اور امریکہ ومغرب اور اُن کے وفادار عربی ملکوں کی عام بول چال کی زبان میں: اعتدال پسند اور تشدّد پسند جماعت۔

اُسی وقت سے، رجال وأبطالِ اِسلام کی زمین اَرضِ کنانہ یعنی طاقت ور عربی ملک ''مصر'' جس کو صحابی رسول حضرت عمرو بن العاصؓ نے اِسلام کی آغوش میں ڈالا تھا، صہیونی دشمن کے خلاف مزاحمت ومقابلے کے مقام سے اُتر کر فلسطینی مسئلے کے لیے ''مددگار'' کی حیثیت میں آ گیا اور مظلوم فلسطینی قوم کے دفاع میں اِسرائیل سے برسرِ پیکار رہنے والی زبردست عربی طاقت کے کردار سے اُتر کر صہیونیوں اور فلسطینیوں کے درمیان ''ثالث'' کا کردار ادا کرنے کی منزل پہ آ گیا اور بالآخر شومیِ قسمت سے ''اِسرائیل'' کے ''مددگار'' ''ہم نوا'' اور فلسطینی مزاحمت کو کچلنے میں اِسرائیل کا ساجھے دار بن جانے کی پوزیشن تک پہنچ گیا۔

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے

ڈاکٹر عصام العریان نے ''المجتمع'' —— شمارہ ۱۸۳۳، ۶/محرم ۱۴۳۰ھ = ۲۰۰۹/۱/۳ —— میں شائع شدہ اپنے مقالے میں لکھا ہے:

''عجیب وغریب بیانات ہمیں سننے کو مل رہے ہیں، مثلاً: یہ کہ ''مصر'' اپنی مشرقی سرحد پر اِسلامی ریاست کا قیام گوارا نہیں کرنے کا۔ حال آں کہ اُس نے اپنے پڑوس میں نسل پرست صہیونی یہودی عبرانی ریاست کے قیام کو نہ صرف گوارا کیا ہے؛ بل کہ اُس نے اُس کے ساتھ انتہائی اچھے تعلقات اور معاشی وامنی معاہدے قائم کر لیے ہیں۔ عجب بات یہ ہے یہی ''مصر'' ہے، جس کے کبھی اِس طرح کے بیانات آیا کرتے تھے: (مصر اہلِ ''غزہ'' کو بھوکوں مارنے کو گوارہ نہیں کرسکتا)؛ لیکن آج اِس طرح کے بیانات سننے کو نہیں ملتے؛ کیوں کہ اب وہ خود ''غزہ'' والوں کو بے دانہ وپانی تڑپانے اور اُن کے قتلِ بطي میں برابر کا شریک بن گیا ہے۔ آج مصر خود ''جنیوا'' معاہدے کے نفاذ سے کترا رہا ہے، جو مقبوضہ ملکوں میں رہنے والے لوگوں کے لیے امداد واعانت کی ترسیل کو یقینی بنانا سارے ملکوں پر ضروری

قرار دیتا ہے، آج ''مصر'' کو یہ گوارا نہیں کہ وہ ''رفح'' کی گزرگاہ کو نارمل طور پر کھلا رہنے دے، حتیٰ کہ ایک صہیونی اخبار نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ مصری ابلاغ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ لڑائی ''اِسرائیل'' اور ''غزہ'' کے درمیان نہیں؛ بل کہ ''غزہ'' اور ''مصر'' کے درمیان ہے۔''

ہمارے عربی و اِسلامی ملکوں کے قائدین نے ''غزہ'' پر اِسرائیل کے قتلِ عام کی کارروائی کے دوران، جس طرح چپ سادھے رکھا اور بے حس و حرکت اِس کارروائی کو اِس طرح جاری رہنے دیا، جیسے کہیں کچھ بھی نہیں ہو رہا اور کوئی حرکت بھی کی تو ایسے ٹھنڈے انداز میں جس سے یا تو اُن کی بے دلی ظاہر ہوتی تھی یا معلوم ہوتا تھا کہ چوں کہ وہ ''غزہ'' والوں اور ''حماس'' اور دگر مزاحمتی گروہوں کے قتل میں خود بھی کسی نہ کسی طرح شریک ہیں؛ اِس لیے مسلمانوں اور اپنے مذہب و کلچر و تاریخ و روایات شریک حقیقی بھائیوں، بہنوں، بچوں، بوڑھوں کے قتلِ عام کا منظر اُن کے دلوں کو جھنجھوڑتا ہے نہ ضمیروں پر کوئی دستک دیتا ہے نہ اُن کی آنکھوں کو رلاتا ہے، جب کہ دوسری قوموں کے بہت سے زندہ ضمیر کے لوگوں کی شہدا کی، شہادت کا منظر دیکھ کر چیخیں نکل گئیں اور وہ اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکے۔

بعض مغربی اور مسلم قائدین جو غزہ کے تئیں عربوں سے زیادہ عرب محسوس ہوے:

ایسے ماحول میں بعض مغربی قائدین کا رویّہ بڑا حوصلہ افزا رہا، یہاں تک عالمی ذرائع اِبلاغ کے بعض نمایندوں نے یہ تک کہا اور صحیح کہا کہ یہ بعض مغربی قائدین تو عربوں سے زیادہ عرب دکھائی دے رہے ہیں۔ اُن میں سرِ فہرست ''وینزویلا'' کے صدر ''ہوگو شاویز'' ہیں، جنھوں نے اپنے ملک سے صہیونی سفیر کو ''غزہ'' پر صہیونی حملے کے ردِّ عمل میں چہار شنبہ: ۷/جنوری ۲۰۰۹ء (۹/محرم ۱۴۳۰ھ) کو دھتکارتے ہوے یہ تک کہا کہ اِسرائیلی اور امریکی صدور پر عالمی عدالت میں جنگی جرائم کا مقدمہ چلنا چاہیے، اُنھوں نے اِسرائیلی قتلِ عام کو ''ہولوکاسٹ'' سے تعبیر کرتے ہوے فلسطینی صدر عرفات کو زہر دے کر مار دینے میں امریکہ کو

ذمّے دار قرار دیا؛ کیوں کہ اِس سے اُس کا مقصد ''مشرق وسطیٰ'' میں عدم استحکام پیدا کرنا تھا۔

اِسی طرح بعض مسلم قائدین کی غیرت مندانہ گھن گرج بھی سننے کو ملی؛ جیسے ملیشیا کے سابق صدر ''مہاتر محمد'' کی، جنھوں نے دوشنبہ: ۵/ جنوری ۲۰۰۹ء (۷/محرم ۱۴۳۰ھ) کو ذرائع اِبلاغ کی خبر کے مطابق امریکی مصنوعات واسلحے دونوں کے بائیکاٹ کی دعوت دیتے ہوئے کہا کہ امریکہ ہی اِسرائیل کا سب سے بڑا پشت پناہ ہے، اُسی کی اخلاقی اور مادی مدد کی وجہ سے وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی فلسطینیوں کے ساتھ جرائم کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ دنیا کے مسلمان امریکہ کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں۔ اگر امریکی ڈالر کا بائیکاٹ عمل میں آگیا، تو امریکی معیشت کی ہوا نکل جائے گی اور امریکی ڈالر کا بائیکاٹ، ادنیٰ درجہ کا بائیکاٹ ہے، جس کا امریکی تجارت پر ہمہ گیر اثر مرتب ہوسکتا ہے۔ اُنھوں نے اِسلامی ملکوں سے کہا کہ اگر اسلحے کی ضرورت ہو تو روس سے اسلحہ لیں، امریکی اسلحے کی تجارت کا بائیکاٹ کریں؛ کیوں کہ امریکہ ہمارے ہاتھوں بوسیدہ اور دور از کار اسلحے ہی بیچتا ہے اور اُن کی فروخت کے منافع سے وہ اپنے صلیبی وصہیونی مقاصد حاصل کرتا ہے۔

لیکن اِس سلسلے میں سب سے زیادہ طاقت ور، پر جوش و پر سوز آواز خلافت عثمانیہ کے خاکستر میں دبی بچی کھچی چنگاری کی وراثت والے ملک ترکی کے غیرت مند وزیرِ اعظم ''طیب اردوگان'' کی تھی، جن کی للکار کا انداز اور لب ولہجہ ایسا لگتا تھا، جیسے اُس میں کہیں سے عصرِ حاضر کے حق پرست وحق گو وحق شعار مومن بادشاہ شہید شاہ فیصل بن عبدالعزیز آل سعود رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء —— ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء) کی عربی حمیت، اِسلامی غیرت اور دینی خودداری اور مومنانہ بیداری کا دور اُفتادہ جھونکا رَل مل گیا ہو۔ اُنھوں نے سہ شنبہ (منگل): ۶/ جنوری ۲۰۰۹ء (۸/محرم ۱۴۳۰ھ) کو ترکی کی پارلیامنٹ کے روبہ رو صہیونی وزیرِ اعظم ''ایہود باراک'' اور وزیرِ خارجہ ''زپی لیونی'' کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''تم دونوں انتخابی پروپیگنڈے کے مفادات کو نظر انداز کردو؛ اِس لیے کہ تاریخ تمھارا محاسبہ کرنے کو ہے، تاریخ تمھاری سرگرمیوں کو انسانی تاریخ کی پیشانی پر ایک بدنما

سیاہ داغ کی طرح ریکارڈ کرے گی۔"

اُنھوں نے مزید کہا:

"ظلم رسیدہ و جرائم گزیدہ شہید بچوں اور عورتوں کے خونِ ناحق کے دریا میں اِسرائیل کو غرق ہو جانا ہے، جنھیں اِسرائیل نے بربریت کے ساتھ قتل کیا ہے، اُن سسکتی ہوئی ماؤں کے آنسوؤں میں اِسرائیل کو ڈوب جانا ہے، جو اپنے لختِ ہائے جگر کو رو رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ دیر یا سویر اُن لوگوں کو سزا دینے والا ہے، جنھوں نے بے گناہوں کے حقوق کو اِس بے دردی کے ساتھ پامال کیا ہے۔"

اُنھوں نے کہا:

"اِسرائیل نے "غزہ" میں جن جرائم کا ارتکاب کیا ہے، وہ ناقابلِ معافی ہیں۔ اِسرائیل نے اپنے وزیرِ اعظم کے "ترکی" کے دورے کے بعد "غزہ" پر جارحیت کر کے ترکی کی توہین کی ہے۔ اور جس وقت میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اِسرائیل نے "ترکی" کی توہین کی ہے، تو اِس سے میں بہت کچھ مراد لے رہا ہوں، میرے الفاظ کثیر المعانی ہیں، اِسرائیل کو اِنھیں پڑھنا چاہیے۔"

قائدینِ عرب و مسلمان کی مجرمانہ خاموشی کے اِس ماحول میں اِس طرح کے گرج دار لہجے میں بات کرنا، جب ہر قائد کو اپنی کرسی کی پڑی ہو اور ہر حکم راں اللہ سے زیادہ امریکہ اور عالمی طاقتوں سے ڈرتا ہو، بڑی بات ہے۔ اِس سے اتنا تو بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے کہ غیرت و حمیتِ اِسلامی کا خاکستر ابھی بالکل سرد نہیں ہوا ہے اور ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے، ضرورت ہے نمی کاری کے خاص عمل کو ہشیاری اور صبر و حکمت کے ساتھ جاری رکھنے کی۔ مردِ صالح شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ (۵۸۹ھ/۱۱۹۳ء —— ۶۹۰ھ/۱۲۹۱ء) نے بڑی پتے کی بات کہی ہے کہ

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالیست

شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

یعنی ہر جنگل کے متعلق یہ خیال کر کے نہیں بیٹھ جانا چاہیے کہ یہ بالکل خالی ہے، یہاں کوئی خطرناک جانور نہیں، ہوسکتا ہے کہ وہاں چیتہ پڑا کہیں کسی گوشے میں سو رہا ہو؟!

اور اِسلام کے ''جنگل'' کے حوالے سے تو کبھی بھی کسی کو بدگمان نہیں ہونا چاہیے کہ یہ اِسلام کے شیروں سے یکسر خالی ہوگیا ہے۔ یہ بدگمانی تو شجرِ اِسلام کے بے ثمر ہونے کے یقین ہی کا نتیجہ ہوسکتی ہے، جو اِس دین کی پایندگی اور تا قیامت ثمر آوری کے حوالے سے بدظنی ہے، جو کھلا ہوا گناہ ہے۔ اللہ ہم سبھوں کو اِس سے محفوظ رکھے۔

ہمارے عربی و اِسلامی ملکوں کے بہت سے قائدین و سیاست داں، ''حماس'' اور دگر فلسطینی مزاحمتی جماعتوں کو ''عربی طالبان'' اور ''تشدّد پسند'' بل کہ ''دہشت گرد'' قرار دیتے ہیں۔ اُنھیں لبنانی شیعہ جماعت ''حزب اللہ'' کی ہم نوا، یا اُس سے متعاون قرار دیتے ہیں اور یہ کہ ''حماس'' اور دگر مزاحمتی گروہوں کو شیعہ ''ایران'' اور ''سیریا'' کی سرپرستی و مدد حاصل ہے، جس کی قیادت شیعہ کی کسی شاخ سے تعلق رکھتی ہے۔

لیکن ہمارے حکم راں یہ فراموش کر جاتے ہیں کہ ''حماس'' — اور دگر مزاحمتی تحریکیں — بہ یک وقت اِسرائیل اور سیکولر فلسطینی ''فتح'' تحریک دونوں سے موت وحیات کی جنگ لڑ رہی ہیں، جس کی قیادت دین بے زار؛ بل کہ بدعقیدہ ''محمود عباس'' کے ہاتھ میں ہے، جو صورت و سیرت دونوں سے سیکولر لگتے ہیں؛ بل کہ بے دینی اُن کی ساری رفتار و گفتار سے پھوٹی پڑتی ہے، نیز یہ ''حماس'' اور اُس جیسی تحریک ہی ہے، جس نے آج تک فلسطینی مسئلے کو زندہ رکھا ہے، جس کا اور سارے اِسلامی و عربی عوام کا یہ برحق عقیدہ ہے کہ فلسطین و مسجد اقصی کی بازیابی و آزادی کی صحیح اور کارگر راہ صرف اور صرف مقدس جہاد اور مسلّح جدّ و جہد اور جائز مزاحمت ہے، جو کسی قانون و شریعت میں حرام نہیں ہے؛ لہٰذا ''حماس'' اور اُس جیسی تنظیمیں اِس بات کے لیے مجبور ہیں کہ وہ ہر اُس جماعت و فرد و ملک سے مدد لیں، جو اُن کی طرف دستِ تعاون دراز کریں۔ اگر ہمارے عرب و مسلمان قائدین اُن کی مدد کرتے اور اُنھیں سہارا دیتے تو یقیناً وہ کسی اور کی طرف نہ دیکھتے؛ لیکن ہمارے قائدین،

امریکی ہدایات کے مطابق ''حماس'' اور اُس کی ہم عقیدہ و ہم عمل تحریکوں سے بلاوجہ اَلرجی محسوس کرتے ہیں۔ کیا انھیں یہ پتہ نہیں ہے کہ امریکہ نے آج تک خلوصِ نیت کی بات تو جانے دیجیے، غلطی سے بھی کوئی ایسا موقف اختیار نہیں کیا، جس سے اتفاقاً بھی عربی یا اِسلامی مفاد کی کوئی خدمت ہوئی ہو۔ امریکہ کے عربی و مسلمان ممالک کے ساتھ تعلقات کی از اوّل تا آخر پوری فائل پر نظر ڈالنے سے مکمل طور پر یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ امریکہ کا ہر اِقدام صرف صلیبی و صہیونی مفادات کے لیے ہوتا ہے اور بس۔ اگر اُس نے بہ ظاہر کبھی کچھ دیا ہے، تو اُس نے اُس کے بدلے کئی گنا وصول کرلیا ہے۔

حماس اور دگر مزاحمتی تحریکوں کو ہر ایک سے وہ سہارا مطلوب ہے، جو ڈوبتے کو تنکے سے حاصل ہوتا ہے:

''حماس'' اور دگر مزاحمتی گروہ موت و حیات کی جنگ میں ہیں، اُنھیں ہر ایک سے وہ سہارا مطلوب ہے، جو ڈوبتے کو تنکے سے حاصل ہوتا ہے۔ ہمارے حکم راں اُن سے بالکلیہ روگردانی پر تلے ہوے ہیں۔ نہیں معلوم کہ بالیقین حماس کو ''ایران'' یا ''سیریا'' یا ''حزب اللہ'' یا اِن سبھوں سے بہ یک وقت کوئی خاطر خواہ مادی یا اخلاقی مدد مل رہی ہے؛ لیکن اگر ہمارے حکم رانوں کو یہ حق ہے کہ صلیبی حکم رانوں سے اپنی کرسی بچانے کے لیے مدد لیا کریں، تو کیا ''حماس'' کو کسی جائز مقصد اور واجب حق کو واپس لینے کے لیے کسی ''عربی'' اور ''اِسلامی'' کہے جانے والے ملک سے کسی طرح کی مدد لینے کا حق کیوں نہیں ہے؟۔ ہمارے ''اجلے نامۂ اعمال'' والے حکم راں اُس کی مدد کرتے ہیں، تو بلا شبہ اُس کو ''سیاہ نامۂ اعمال'' والے ملکوں سے مدد لینے سے گریز کرنا ہوگا۔ حال آں کہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ ہمارے حکم رانوں کی اُن ''سیاہ نامۂ اعمال'' والے ملکوں سے نفرت کی وجہ، اُن کے اعتقادات کا فساد اور نامۂ اعمال کی سیاہی نہیں ہے؛ بل کہ اُن ملکوں سے اُن کی نفرت کی وجہ صرف یہ ہے کہ امریکہ کو، اپنے اور اپنے لے پالک اسرائیل کے مفادات کے لیے اُن سے نفرت ہے۔ ہمارے

دعوے کی واضح دلیل یہ ہے کہ جب اپنی کوئی ناگزیر ضرورت ہوتی ہے، تو ہمارے حکم راں اُن ''ناپسندیدہ'' ملکوں سے فوراً پینگیں بڑھا لیتے ہیں۔

ہمارے مسلم عوام کی بھاری اکثریت ہرگز یہ نہیں چاہتی کہ اِس خطے میں شیعی فریق کا اثر ورسوخ ہو:

اِس میں کس کو شبہ ہوسکتا ہے کہ پوری دنیا کے مسلم عوام کی بڑی اور بھاری اکثریت ہرگز نہیں چاہتی کہ اِس وسیع تر عربی خطے میں شیعی فریق کا اثر ورسوخ ہو، جو اِسلام کی فاسد اور انتہائی غلط تشریح وتعبیر پر مبنی مسلک کا قائل اور اُس پر کاربند ہے۔ اِسلام کی صحیح تعبیر وتشریح پر مبنی اہلِ سنت والجماعت کے مسلک کی پیرو امتِ مسلمہ یہی چاہتی ہے کہ اِس خطے میں جو در حقیقت محمدی میراث کی اصل سرزمین پر مشتمل ہے، قیادت وسیادت اور مکمل عمل داری سنی اِسلام ہی کی رہے؛ لیکن امتِ مسلمہ کی یہ بھاری اکثریت یہ بھی پسند نہیں کرتی کہ اُس کے حکم راں، صلیبی روح والی اور صہیونی سوچ کی حامل اِسلام دشمن امریکی قیادت کے سامنے ذلت آمیز طور پر سرنگوں رہیں؛ کیوں کہ یہ امریکی قیادت طویل زمانے سے عربوں اور مسلمانوں کو غلام بنا لینے، عربی اور اِسلامی ملکوں کو ہر طرح برباد کردینے، وہاں کی قدرتی دولت کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ لینے اور اِس عربی اِسلامی اصلی میراث کے حامل خطے کو ہمیشہ کے لیے غیر مستحکم، سیماب صفت اور سیاسی واجتماعی ومعاشی طور پر بالکل غیروں کا دست نگر بنائے رکھنے کے لیے، اِس طرح محوِ عمل ہے کہ اِس میں صرف نادانوں کو ہی شبہ ہوسکتا ہے، جنھیں اللہ نے بالکل ہی مفقود العقل پیدا کیا ہے۔

''حماس'' اور دگر مزاحمتی جماعتوں کا قلع قمع کرنے کے لیے، امریکہ اور مغرب کے اِشارے اور مدد سے اِسرائیل نے ''غزہ'' میں جو ۲۲ روزہ ''ہولوکاسٹ'' برپا کیا، اُس کے تعلق سے ہمارے عربی اور مسلم قائدین کا رویّہ عمومی طور پر لائقِ مذمت رہا۔ وہ پورے عرصے میں یا تو خاموش رہے، سرد مہری کا ثبوت دیا، یا خاصا وقت گزرنے کے بعد، بعض

قائدین کی طرف سے کچھ سرگرمیاں نظر آئیں، جن میں صاف طور پر بے دلی محسوس ہوتی تھی؛ اِسی لیے ہمارے ملکوں کے عوام میں عام طور پر حکم رانوں کے خلاف شدید غم وغصہ دیکھنے کو ملا، مسلمانوں نے اُن کے غیر مؤثر کردار اور لاچاری و بے بسی کے انداز پر سخت احتجاج کیا؛ کیوں کہ اُن کے کسی موقف سے قطعاً یہ آشکارا نہیں ہوسکا کہ اُنھیں اِسرائیل سے نفرت اور ''غزہ'' میں اُس کی طرف سے فلسطینیوں کے (بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کے درمیان کسی تفریق کے بغیر) قتلِ عام پر کوئی رنج والم ہے، یا عالمی طور پر ممنوعہ ہتھیار کے استعمال پر اُنھیں کم از کم وہی ناراضگی ہے، جو اِنسانی حقوق کی تنظیموں اور اقوامِ متحدہ کے راحتی اِدارے کے کارکنان کی طرف سے لوگوں نے دیکھا اور سنا۔

بل کہ متعدد ذرائع اِبلاغ کے مطابق معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے، کہ بعض عرب ملکوں نے اِسرائیل کو صلاح دی ہے کہ وہ ''حماس'' اور دگر مزاحمتی تحریکوں کو مکمل طور پر ختم کر کے ہی دم لے اور ہمیشہ کے لیے اُن کے ہر خطرے کا سدّ باب کر کے ہی چھوڑے۔ بہت سے تجزیہ کاروں اور مُبصّرین نے وثوق سے یہ بات کہی ہے کہ کئی ایک عربی ممالک ''حماس'' اور اُس جیسی دگر فلسطینی تحریکوں کو اپنے لیے مستقل دردِ سر سمجھتے ہیں اور اُن کی مزاحمتی سرگرمیوں سے آتشِ زیرِ پا رہا کرتے ہیں؛ لہٰذا اگر اُن کا صفایا ہوجائے اور صرف سیکولر اور بے دین ''فتح'' تحریک باقی رہ جائے، تو نہ صرف ان کا جی خوش ہوگا؛ بل کہ فلسطینی قضیے کو ہمیشہ کے لیے اِسرائیل کے ہاتھوں فروخت کر کے، فلسطینی مسئلے کی فائل کو بند کر دینا، اُن کے لیے بالکل آسان ثابت ہوگا، اِس طرح وہ آیندہ پلکوں بھر سوئیں گے، چین کی بانسری بجائیں گے اور دنیا کی فانی زندگی کے باقی لمحوں کو اُن کے حکم راں، حکومت واقتدار کی کرسیوں پر جمے رہ کر لذت ومسرت کے ساتھ گزار سکیں گے، گویا اُن کا خیال ہے کہ یہ لوگ کرسیوں کے لیے پایندہ رہیں گے اور کرسیاں اُن کے لیے جاوید رہیں گی۔

اے اللہ تو اپنے بے پایاں فضل وکرم سے ہماری قوم کو ہدایت سے بہرہ ور کر؛ اِس لیے کہ وہ بالکل نا آشنائے حقیقت ہے۔

۲۲ روزہ قتلِ عام کے دوران، صہیونیوں نے فلسطینیوں پر تباہی و بربادی برسائی، آتش و آہن کی موسلا دھار بارش سے اُن کے ہر گھر میں ماتم بپا کر دیا، بچوں، عورتوں اور بوڑھوں میں کسی امتیاز کے بغیر ہولوکاسٹ کا سلسلہ جاری رکھا، امریکی اسلحوں اور ممنوعہ ہتھیاروں سے تمام حساس جگہوں بالخصوص ''حماس'' کی قیادت والی ساری عمارتوں، حماسی قائدین و اہلِ کار کے گھروں، پناہ گاہوں، حتی کہ مسجدوں، جن میں نمازیوں نے پناہ لی رکھی تھی، یا نماز کے لیے آئے تھے، باخبر ذرائع اِبلاغ کے مطابق ''فتح'' کے ایمان فروش بہت سے اہلِ کاروں اور اِسرائیل کے لیے مخبری کرنے والوں کی نشان دہی کے ذریعے مسلسل نشانہ بنایا؛ لیکن باشندگانِ ''غزہ'' کے حوصلے کو داد دیجیے کہ وہ اللہ واحد کی توفیق کے طفیل پہاڑ کی طرح جمے رہے، ایسا لگا کہ موت اُنھیں نہیں وہ خود موت کو دوڑا رہے ہیں، موت سے کھیل رہے ہیں، موت کی بے بسی اور پریشاں حالی و آشفتہ سری پر ہنس رہے ہیں۔

باشندگانِ غزہ کے خونِ تازہ سے تحریر شدہ شاہ نامہ:

تاریخ نے سنہرے حروف سے اُس بہادرانہ شاہ نامے اور بے مثال حکایتِ خونچکاں کو ریکارڈ کیا ہے، جو باشندگانِ ''غزہ'' نے اپنے خونِ تازہ سے رقم کیا ہے، جن میں سرِ فہرست سرفروشانِ ''حماس'' ہیں، جنھیں صہیونی افواج ''فتح'' کے اہل کاروں کی نشان دہی پر چن چن کے نشانہ بنا رہی تھیں، جنھوں نے دنیا کی فانی لذّت کے بدلے اپنے برادرانِ عقیدہ کا صہیونیوں سے سودہ کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اِن مجاہدین نے اُن اِسرائیلی افواج کے افسانوی سحر کو توڑ دیا ہے، جن کی طاقت سے پڑوس کے سارے عربی مما لک تھراتے رہتے ہیں۔ اُنھوں نے اپنے ننگے سینوں سے یقینی موت سے پنجہ آزمائی کی، جب کہ ہر قسم کے اسلحے اُن کے سروں اور جسموں پر برس رہے تھے اور اُن کے اِرد گرد کی زمین، فضا اور ساری عمارتیں شعلوں میں تبدیل ہوگئی تھیں۔ اُن کی قوم کے معصوم و نونہال بچوں اور عورتوں کی لاشوں کے چیتھڑے چاروں طرف اُڑ رہے تھے اور سڑکیں، گلیاں و کوچے اُن سے بُری

طرح لبالب ہورہے تھے۔ زخمیوں کے لیے ہسپتال ناکافی ہورہے تھے اور ماؤں کی آہوں، بیواؤں کے گریوں، اپنے پیارے بچوں کو کھونے والی سونی گود والی خواتین کی سسکیوں، رشتہ داروں، بھائیوں، بہنوں اور بے سہارا باپوں کی چیخ و پکار اور ننھے منے بچے اور بچیوں کی کپکپاتی ولرزتی ہوئی فریادوں سے ساری فضا مغموم ودل فگار ہو رہی تھی۔

ایسا منظر تھا جسے دیکھ کر کوئی سنگ دل روئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا، کوئی سخت جان دل پہ قابو نہیں رکھ سکتا تھا، کوئی کلیجہ شق ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا، اِس کے بعض حصّوں کو نہ صرف مسلمان؛ بل کہ بعض غیر مسلموں نے ٹیلی وژن پہ دیکھا تو وہ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگے، وہ روتے روتے بیہوش ہو گئے، اپنی ذات اور اپنی دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے۔ اُن میں سے کتنوں نے یہ تمنا کی کہ اُنھیں اُن کی ماؤں نے جنا نہ ہوتا، تاکہ وہ یہ دل دوز اور سینے کو شق کرنے والا منظر نہ دیکھ پاتے۔

سچ ہے کہ ان مجاہدین نے ایسی بے مثال رزمیہ داستان رقم کی ہے، جس کے سامنے تاریخ قدر دانی، احترام اور مکمل تعظیم وتکریم کے جذبات کے ساتھ دست بستہ کھڑی ہوگی اور تادیر عقیدت واحترام کا ٹیکس ادا کرے گی۔ اُنھوں نے بے تحاشا بم باری کو نا قابل بیان ایمانی طاقت، اللہ کی نصرت پر بے پایاں یقین، مجاہدین فی سبیل اللہ کی یقینی مدد پر اعتماد کے ذریعے نہ صرف انگیز کیا؛ بل کہ ممکن حد تک صہیونیوں کا مقابلہ کیا، جنھوں نے ایسے جنگی جرائم کا ارتکاب کیا کہ اِنسانی حقوق کی مغربی تنظیمیں اور صلیبی وصہیونی مفادات کی نگراں اقوامِ متحدہ بھی اُن پر خاموش نہ رہ سکیں اور صہیونیوں پر مقدمہ چلانے کا بار بار مطالبہ کرنے لگیں۔

یہاں یہ لائقِ ذکر ہے کہ ''حماس'' بالخصوص اُس کی ذیلی تنظیم ''القسام بریگیڈ'' نے صہیونیوں کو صرف معنوی ہی طور پر نہیں؛ بل کہ عسکری طور پر بھی خاصا دنداں شکن جواب دیا۔ اُس نے اِسرائیل کے ۴۷ ٹینک تباہ کر دیے اور ۸۰ فوجیوں کو جہنم رسید کرنے کے ساتھ ساتھ دو فوجیوں کو گرفتار بھی کرلیا، ایک فوجی کئی سال سے ''حماس'' کی قید میں ہے، یعنی ''گیلاد شالیت'' گویا اب ''حماس'' کی قید میں اِسرائیل کے ۳ فوجی ہیں۔ اِس کے علاوہ

صہیونی افواج کا کمانڈر ''شربیط میکی'' ''القسام'' کے ہاتھوں بری طرح زخمی ہوکر ۲۱ویں دن بھاگ کھڑا ہوا۔ اُس نے —— صہیونی اخبار ''یدیعوت احرنوت'' ۱۹/ جنوری ۲۰۰۹ء = سموار: ۲۱/ محرم ۱۴۳۰ھ کے مطابق —— صاف لفظوں میں ''حماس'' کی بہادری وجاں بازی اور اپنے خوف وہراس کو اِس طرح بیان کیا: ''ہمارا دشمن اِنتہائی بہادر ہے، ہمیں اُنھیں دیکھنے کا موقع نہیں ملا، وہ اِنتہائی سرعت کے ساتھ حملہ آور ہوتے اور پلک جھپکتے میں غائب ہوجاتے تھے۔ ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ زمین کی تہ میں ایک باقاعدہ اور منظم فورس ہے، جس کو شکست دینا بہت مشکل ہے۔''

عربی کے بعد جب یہ راقم اِس مضمون کی اردو زبان میں پروگ ریڈنگ کر رہا تھا، تو اس کے دوران عالمی میڈیا نے اِسرائیلی افواج کی ''غزہ'' میں شکست کے کھلے لفظوں میں اعتراف کی خبر ۲۹/ جنوری ۲۰۰۹ء (جمعرات: ۲/ صفر ۱۴۳۰ھ) کو اِس طرح مشتہر کی:

''غزہ کی پٹی پر مسلط جنگ میں شریک اِسرائیلی فوج نے اِعلانیہ اپنی شکست کا اِعتراف کرلیا ہے۔ محاذِ جنگ میں شریک ایک اعلی سطح کے فوجی عہدے دار ''فنٹانٹ کولونیل'' نے اِعتراف کیا کہ جنگ میں بھرپور طاقت کے اِستعمال کے باوجود شکست ہمارا مقدر ٹھہری۔ ہم جنگ میں فتح کے بہت قریب پہنچ گئے تھے؛ لیکن مجاہدین کی قوت نے پانسہ پلٹ دیا۔ ہماری فوج ''غزہ'' کے بڑے ہسپتال ''الشفا'' کمپلیکس کے قریب پہنچ گئی تھی اور ہمیں یقین تھا کہ ''حماس'' کی ''غزہ'' میں موجود تمام قیادت یہیں روپوش ہے، اِس کے باوجود ہم کام یابی حاصل نہ کرسکے۔''

عالمی ذرائع ابلاغ چوں کہ مغرب اور امریکہ، بالخصوص صہیونیوں کے ہاتھ میں ہیں؛ اِس لیے منصوبہ بندی کے ساتھ میڈیا نے حماس اور مزاحمتی تحریکوں کی کسی کام یابی کا کوئی تذکرہ نہیں کیا؛ تاکہ دنیا پر اِسرائیلی افواج کا سحر قائم رہے۔ اِسرائیل سیاسی سطح پر تو مکمل طور پر ہار گیا۔ اُس کے مبصرین، تجزیہ نگار اور اخبار نویس فائر بندی کے بعد سے اِسرائیل کی سیاسی اور اَخلاقی ہار پر روزانہ مضامین لکھ رہے اور بیانات دے رہے ہیں۔

اِسرائیل نے فلسطینیوں کو بے شک تہِ تیغ کیا؛
لیکن اُن کے حوصلوں کو پست نہ کر سکا:

صہیونیوں نے بالآخر ''غزہ'' سے اپنی افواج نکال لیں اور ''غزہ'' کی سرحد پر ناکہ بندی کے اپنے رویّے پر واپس آ گئیں۔ اُنھوں نے بے شمار فلسطینیوں کو شہید اور زخمی بیشک کر دیا؛ لیکن تیغوں کے سایے میں پیدا ہونے اور پروان چڑھنے والی فلسطینیوں کی موجودہ نسل کے حوصلے کو وہ پست نہ کر سکیں۔ اُنھوں نے ''حماس'' اور مزاحمتی تحریکوں کو ختم کرنے کا جو نشانہ بنایا تھا، اُس میں تو وہ ہرگز کام یاب نہ ہو سکیں اور اِن شاء اللہ آیندہ بھی نہ ہو سکیں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ صہیونیوں اور اُن کے ہم نواؤں کو اِس جنگ میں جس معنوی شکست کا سامنا کرنا پڑا، اِس کا اُنھوں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ صہیونیوں سے زیادہ اُن کے اُن ہم نواؤں کو منھ کی کھانی پڑی، جن میں سے کچھ کا تعلق خود فلسطینی سیکولر دھڑوں سے تھا اور کچھ کا تعلق بیرونِ فلسطین سے؛ لیکن ''اِسرائیل'' سے دوستی کرنے، اُس کے ساتھ تعلقات کو استوار کرنے اور امن مذاکرات کے نہ ختم ہونے والے بے فائدہ سلسلے کو جاری رکھنے پر ایمان رکھنے میں دونوں برابر کے شریک ہیں۔ اِسرائیل اور امریکہ کے اِن وفادار دوستوں؛ بل کہ خادموں کو کچھ بھی ہاتھ نہ لگا، ہاں ذلت و رسوائی، اپنے مسلمان اور عربی عوام کی ناراضگی، بے اعتمادی اور بے چینی ضرور ہاتھ آئی۔ تاریخ اُن کے اِس جرم کو کبھی معاف نہ کرے گی کہ اُنھوں نے دل سے صہیونیوں کا ساتھ دیا، جیسا کہ اُن کے عوام بھی اُن کے اِس رویّے کو کبھی معاف نہ کریں گے، جن کا ''حماس'' اور دگر مزاحمتی تحریکوں کی طرح ہی یہ ایمان ہے کہ فلسطین کی واقعی آزادی کی راہ صرف مزاحمت اور اِسلامی جہاد ہے۔ وعدہ خلافی کی فطرت رکھنے والے قاتلینِ انبیا اور برادرانِ خنازیر یہودیوں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، جو رسولوں کی تکذیب، رباخوری اور خدائی احکام کی کھلی پامالی کے عادی رہے ہیں۔ ان کی تصدیق درحقیقت کتاب اللہ کی تردید ہے۔ آج کے یہودی پہلے سے

زیادہ اپنی عادتوں کے غلام، اپنے شرور وفتن کے پرستار اور ہر طرح کے فساد کے تخلیق کار وبرآمد کنندہ ہیں، دنیا میں آج ہر برائی کی اصل جڑ یہی یہودی ہیں۔ حقیقت سے منھ چُرانے والے ہی اُن پر کسی مذاکرات کے حوالے سے اعتماد [illegible] ہیں، جو بالقصد اپنے کو دھوکہ دینے کو تیار ہوں اور امریکہ واِسرائیل پر اتنا بھروسہ کرتے ہوں، جتنا خدا پر اُنھیں بھروسہ نہ ہو۔

مسلمانوں اور عربوں کے کرنے کے کام:

صہیونیوں اور فلسطینیوں کے مابین کش مکش کی اِس منزل میں مسلمانوں اور عربوں کے لیے کرنے کے کام صرف یہ ہیں:

- صہیونی دشمن کے ساتھ ''معاہدوں'' کے عنوان سے کیے گئے سارے معاملات سے مسلمانوں کو دست بردار ہو جانا چاہیے۔
- سفارتی، تجارتی اور دگر نوع کے سارے تعلقات صہیونیوں سے فی الفور منقطع کرکے، جن مسلم ملکوں میں صہیونی سفرا ہیں، اُنھیں بھگا دینا چاہیے۔
- فلسطین ومسجدِ اقصی کے دفاع کے تئیں ماضی کے متحدہ اِسلامی عربی مشترکہ منصوبے پر دوبارہ عمل شروع کر دینا چاہیے۔
- عربی حکومتوں کو ماضی کی طرح سرکاری طور پر فلسطینی مزاحمتی تحریکوں کی مکمل اِمداد کا اِعلان کر دینا چاہیے۔
- صہیونیوں کی طرف سے ''غزہ'' کی ناکہ بندی ختم کرواکے ساری گزرگاہوں کو کھلوانا چاہیے اور مصر کو ہمیشہ کے لیے ''رفح'' بارڈر کو کھول دینے کے لیے مجبور کرنا چاہیے، اِس کے لیے عربی واِسلامی ملکوں کو ''غزہ'' کی بندرگاہ پر اپنے بحری جہاز بھیجنے چاہئیں، ان جہازوں کے ذریعے ''غزہ'' والوں کو غذا ودوا اور ضروری سامانِ حیات بھی پہنچانا چاہیے۔
- صہیونیوں کے ساتھ امن مذاکرات اور تعلقات کو ''قدرتی بنانے'' کی ساری

کارروائیوں کو فعلِ عبث قرار دے کر، سارے معاہدوں کو منجمد کر دینا چاہیے؛ کیوں کہ اُن سے اب تک کوئی فائدہ ہوا نہ آیندہ ہونے کو ہے۔

● فلسطینی مزاحمتی جماعتوں کی ـــــ عوامی سطح کی طرح ـــــ سرکاری سطح پر مدد کے ساتھ ساتھ، اُنھیں ''دہشت گرد'' کہنے اور اُن کے ساتھ ''دہشت گردوں'' کا سا معاملہ کرنے سے باز آجانا چاہیے۔ ساتھ ہی ''محمود عباس'' کی غیر قانونی حکومت و صدارت سے ہاتھ کھینچ لینا چاہیے، جن کی تحریک ''فتح''، فلسطینی انتخابات میں بُری طرح ہار چکی تھی اور جس کو ''اِسرائیل'' و ''امریکہ'' اور ہمارے مغرب نواز عربی و اِسلامی ملکوں نے زبردستی فلسطینیوں پر تھوپا ہوا ہے۔ اُن کی جماعت ''فتح'' کے اکثر اہلِ کار بے دین، خدا بے زار؛ بل کہ خدا کو گالی دینے والے ہیں، ''محمود عباس'' بہ ذاتِ خود بدعقیدہ؛ بل کہ دین کے حوالے سے متہم ہیں۔

عربوں اور مسلمانوں کو بالآخر یہ ایمان لے آنا چاہیے کہ فلسطین کی آزادی آج نہیں تو کل صرف قانونی مزاحمت اور اِسلامی جہاد ہی سے ہو سکتی ہے۔

عربی و مسلم حکم رانوں کو کم از کم مسئلۂ فلسطین کے حوالے سے یک رائے ہو جانا چاہیے اور صہیونیوں سے سبق لینا چاہیے کہ وہ کس طرح ہر جگہ متحد ہیں اور دنیا میں ہر جگہ صہیونی کاز کے لیے، دامے، درمے، قدمے، سخنے ضرور مدد کرتے ہیں، حال آں کہ اُن میں سیاسی چپقلشیں بھی ہیں اور ذاتی رنجشیں بھی۔

مختصر تعارف مؤلّفِ کتاب

- **نام**: (مولانا) نور عالم خلیل امینی
- **کنیت**: ابو اسامہ نور
- **تاریخ پیدائش**: جمعرات بہ وقتِ فجر ۱۹۵۲/۱۲/۱۸ء (۱۳۷۲/۴/۲۸ھ)
- **جائے پیدائش**: (اپنی ننھیال) موضع ''ہرپور بیشی''، ضلع مظفر پور (بہار) جہاں اس وقت بھی رہائش ہے۔
- **وطن اصلی و ددھیال**: ''رائے پور''، ضلع ''سیتامڑھی'' (سابق ضلع مظفر پور) بہار
- **موجودہ اقامت**: افریقی منزل قدیم، نزد چھتہ مسجد، دیوبند ۲۴۷۵۵۴، یو پی
- **تعلیمی لیاقت**: (الف) فاضل
  (ب) تخصص در عربی زبان و ادب
  (ج) عربی زبان کی تدریس کی مہارت از کنگ سعودی یونیورسٹی، ریاض
- **موجودہ ذمے داریاں**: (الف) استاذ ادب عربی دار العلوم دیوبند
  (ب) چیف ایڈیٹر ماہ نامہ عربی رسالہ ''الداعی'' دار العلوم دیوبند
- **عربی تالیفات**: الصحابة ومكانتهم في الإسلام ؛ مجتمعاتنا المعاصرة والطريق إلى الإسلام؛ المسلمون في الهند ؛ الدعوة الإسلامية بين الأمس واليوم ؛ مفتاح العربية ؛ (دو جلدیں)؛ العالم الهندي الفريد: الشيخ المقرئ محمد طيب؛ فلسطين في انتظار صلاح دين.
- **اردو تالیفات**: وہ کوہ کن کی بات؛ حرف شیریں؛ خط رقعہ کیوں اور کیسے سیکھیں؛ صحابۂ رسول اسلام کی نظر میں؛ موجودہ صلیبی صہیونی جنگ.. حقائق اور دلائل؛ عالمِ اسلام کے خلاف حالیہ جنگ.. کیا اسلام پسپا ہو رہا ہے؟؛ فلسطین کسی صلاح الدین کے انتظار میں۔
- **تراجم**: اردو سے عربی میں تقریباً ۲۵ کتابوں کا ترجمہ، یہ سبھی کتابیں چھپ چکی ہیں؛ نیز زائد از دو سو مقالات کا عربی ترجمہ جو مختلف عربی رسالوں میں ہندو بیرونِ ہند چھپ چکے ہیں۔
- **مضامین و مقالات**: علمی، فکری، دعوتی، لسانی، اجتماعی، سوانحی موضوعات اور مختلف ملی مسائل پر اردو اور عربی زبان میں پانچ سو سے زائد مضامین ہندو بیرونِ ہند کے رسالوں اور اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں۔ جیسے الداعی دیوبند؛ البعث الاسلامی لکھنؤ؛ الرائد لکھنؤ؛ رسالہ دار العلوم دیوبند؛ آئینہ دار العلوم دیوبند؛ الدعوۃ ریاض؛ الحرس الوطنی ریاض؛ الفیصل ریاض؛ الجزیرہ ریاض؛ الجمعیۃ نئی دہلی؛ العالم الاسلامی مکہ مکرمہ؛ الندوۃ مکہ مکرمہ؛ تعمیر حیات لکھنؤ؛ الفرقان لکھنؤ؛ ترجمان دار العلوم جدید دہلی؛ رسالہ الحق پاکستان؛ اذانِ بلال آگرہ؛ ریاض الجنۃ گورینی جونپور؛ ماہ نامہ ہدایت جے پور؛ البدر کاکوری؛ سہ روزہ دعوت نئی دہلی؛ اخبار مشرق کلکتہ؛ نقیب پٹنہ؛ راشٹریہ سہارا اردو نئی دہلی؛ نئی دنیا دہلی؛ منصف حیدر آباد؛ انقلاب ممبئی؛ اردو ٹائمز ممبئی؛ عالمی سہارا نئی دہلی۔
- **کانفرنسیں اور سمینار**: ہندو بیرونِ ہند بیسیوں کانفرنسوں اور سیمیناروں میں شرکت کی، جن میں سعودی عرب، کویت، مصر، امارات عربیہ متحدہ کی کانفرنسیں سرِ فہرست ہیں، ان ملکوں میں بار بار جانے کا اتفاق ہوا، جہاں علمی، ادبی، فکری و دعوتی شخصیات سے ملنے کا موقع ملا۔

لآلئ منثورة

في التعبيرات الحكيمة عن قضايا الدين والأخلاق والاجتماع

المربي الكبير الشيخ الجليل العلامة «**أشرف علي التهانوي**»
المعروف بـ «حكيم الأمة» المتوفى ١٣٦٢هـ

تعريب: فضيلة الشيخ الأستاذ **نور عالم خليل الأميني**
أستاذ الأدب العربي ورئيس تحرير مجلة الداعي بالجامعة

نشر: **أكاديمية شيخ الهند**
الجامعة الإسلامية دار العلوم، ديوبند ، يوبي (الهند)



علماء ديوبند

اتجاههم الديني و مزاجهم المذهبي

تأليف

العالم الهندي الكبير الشيخ المقرئ محمد طيب رحمه الله

المعروف بـ « حكيم الإسلام »

الرئيس السابق للجامعة الإسلامية دارالعلوم / ديوبند (الهند)

١٣١٥ - ١٤٠٣هـ / ١٨٩٧ - ١٩٨٣م

تعريب :

نور عالم خليل الأميني

رئيس تحرير مجلّة « الداعي » العربية الشهرية

وأستاذ الأدب العربي بالجامعة الإسلامية دارالعلوم/ ديوبند (الهند)

قام بالنشر والتوزيع

الجامعة الإسلامية : دارالعلوم ، ديوبند ، الهند

العالم الهندي الفريد

الشيخ المقرئ محمد طيب

رئيس الجامعة الإسلامية دارالعلوم / ديوبند سابقا

تأليف

نورعالم خليل الأميني

رئيس تحرير مجلّة « الداعي » العربية الشهرية

وأستاذ الأدب العربي بالجامعة الإسلامية دارالعلوم/ ديوبند

ديوبند ، يوبي ، الهند



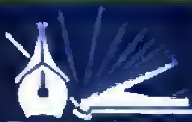
مؤسسة العلم والأدب ، أفريقي منزل قديم ، ديوبند ، الهند

اس کتاب میں

اِس کتاب کا مطالعہ نہ صرف علما وطلبہ اور پڑھے لکھے لوگوں کے لیے ضروری ہے؛ بل کہ حرف آشنا مسلمان کے لیے اس کا بالاستیعاب پڑھنا، اس لیے ناگزیر ہے کہ اس سے مسئلہ فلسطین کے حوالے سے ایک چوتھائی صدی سے زائد مدت کی سر گزشت، تاریخی تسلسل کے ساتھ سامنے آجاتی ہے۔ اس کتاب میں نہ صرف حقیقت بیانی اور ہو بہ ہو تصویر کشی ہے؛ بل کہ سیکڑوں واقعات کے پس منظر و پیش منظر، تاریخ اور اعداد

وشمار کو داعیانہ بصیرت، مفکرانہ دیدہ وری، دردمندانہ شعور اور ایمان افروز تجزیے کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ ان شاء اللہ ہر ذی شعور مسلمان کو اسے پڑھتے وقت ایسا محسوس ہوگا کہ یہ اسی کے دل کی بات کہہ دی گئی ہے۔ کسی تحریر کی یہ سب سے بڑی قیمت ہوتی ہے کہ قاری کو یہ محسوس ہو کہ وہ جو کچھ پڑھ رہا ہے، اس کہ اپنے خیالات ہیں اور جگ بیتی نہیں؛ بل کہ یہ اسی کی آپ بیتی ہے۔

Rs. 350.00



فرید بکڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ
FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.
Corp. Off: 2158, M.P. Street, Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-2
Phones 23289786 23289159 Fax 23279998 Res. 23262486